

2911/1
817/28

درس قرآن

پہلی منزل

(سُورَةُ الْفَاتِحَةِ - الْبَقَرَةُ - آلِ عِمْرَانَ - الْنِّسَاءِ)

پہلے سو پانچ پارے

مَرْتَبَةً

درس قرآن بورڈ

شائع _____ کردہ

ادارہ اصلاح و تبلیغ اسلام بلدیہ بلدیہ ٹیکس مییکلورڈ و لاہور

درس قرآن پورڈ

~~85918~~

ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور نے درس قرآن مجید کی پہلی منزل کی ترتیب و تدوین کے لیے مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا اور اس کے زیر اہتمام یہ منزل چھپ کر تیار ہوئی:

① مولانا خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی

سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات - اسلامیہ کالج - ریلوے روڈ، لاہور

② مولانا حافظ مرغوب احمد صاحب توفیق

مولوی فاضل ہنسی فاضل ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات و عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

③ حاجی عبد الواحد صاحب ایم۔ اے

سابق انسپکٹر آف سکولز

④ حافظ نذر احمد صاحب

سابق لیکچرار علوم اسلامیہ - اسلامیہ کالج - ریلوے روڈ - لاہور



سٹریٹیکٹ : میں نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی

کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

محمد رمضان

مولوی محمد رمضان چاہ میراں لاہور۔

فہرست مضامین

درس قرآن بورڈ

فہرست مضامین

پیش لفظ

فہرست مضامین و آیات (منزل اول)

فہرست الفاظ (منزل اول)

فہرست اسماء و اعلام (منزل اول)

۳	پارہ اول
۱۴۶	پارہ دوم
۳۲۲	پارہ سوم
۴۲۱	پارہ چہارم
۵۲۹	پارہ پنجم
۶۱۹	پارہ ششم
۱	سورہ فاتحہ
۱۳	سورہ البقرہ
۳۵۸	سورہ آل عمران
۵۰۵	سورہ النساء

پیش لفظ

قوم کی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر ۱۹۵۴ء کے اواخر میں ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ آسان عبارت اور عام فہم زبان میں قرآن پاک کے سمجھانے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو درس قرآن کی صورت میں ہو اور ہر روز کے لئے علیحدہ علیحدہ اسباق پر مشتمل ہو جو گھر بیٹھے بٹھائے ہر شخص تک پہنچ جائے۔

اللہ کے فضل سے ۱۶ مئی ۱۹۵۵ء کو پندرہ روزہ "درس قرآن کی ابتدا ہو گئی اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۵ء تک کسی ایک دن کی تاخیر کے بغیر بلا ناغہ ہر ماہ کی یکم اور سولہ کو شائع ہوتا رہا ہے اور اس طرح سبقاً سبقاً پورے قرآن حکیم کے درس شائع ہو چکے ہیں۔

درس قرآن کی اشاعت نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ کلام اللہ مشکل نہیں آسان ہے جیسا کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ لِّقِيْنَا هُمْ** نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی غور کرنے والا۔

دو سال کے عرصہ میں درس قرآن پہلی منزل تک پہنچ گیا مگر مختلف اوقات میں آئندہ کے ہر خریدار اور قاری کی بجا طور پر یہی **پہلی منزل** خواہش رہی کہ ادارہ اصلاح و تبلیغ اسے سبقاً سبقاً بصورت درس شائع کرے پھر یہ درس ایک جلد کی صورت میں بھی محفوظ ہو جائیں۔ اسی دوران میں ملک کے ہر گوشے سے اسی بات کے تقاضے ہوئے۔ ان حالات میں یہ ضروری ہو گیا کہ پہلی منزل نظر ثانی کے بعد ایک جلد میں شائع کی جائے تاکہ ہر خریدار صوبوں دن شائع ہونے والے سارے اوراق ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ چنانچہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنایا گیا جس کے نتیجہ میں پہلی منزل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح پورے قرآن حکیم کے درسوں کو سات منزلوں میں چھپوا دیا ہے اور یہ سلسلہ کتابی صورت میں بھی مکمل ہو گیا ہے۔

ہمارا مقصد "درس قرآن" کی اشاعت سے ہمارا ایک مقصد تو یہ ہے کہ کلام اللہ سمجھنے کی اجتماعی کوشش کی جائے۔ مزید برآں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر گھر قرآنی سکول بن جائے۔

اس کی عملی صورت یہ ہے کہ ہر روز کوئی خواندہ فرد باقی افراد کو مطبوعہ درس کا ایک صفحہ ان کی مادری زبان میں صرف پانچ منٹ کے اندر پڑھ کر باقاعدگی سے سنا دیا کرے۔

ہر کارخانے، فیکٹری، دفتر، مدرسے، کالج، مسجد اور ادارہ میں کارکنوں اور طلبہ کو مطبوعہ درس مستقل طور پر سنانے کا اہتمام کیا جائے۔ ہر فرد ملت قرآن مجید کا متعلم، معلم اور مبلغ بن جائے کہ قرآن حکیم کا درس اس کے ہاتھ میں ہو وہ خود پڑھے، دوسروں کو پڑھائے اور غیروں تک پہنچائے۔

ہم نے ابتدا سے ہی کوشش کی ہے کہ یہ اسباق ایسی عام فہم اور سادہ زبان میں پیش کریں کہ بچے اور معمولی خواندہ بھی اسے سمجھ سکیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ہم ہر فرد ملت کا تعاون اور خصوصی اشتراک عمل چاہتے ہیں۔ یہ کام جس قدر ضروری ہے۔ **آپ کا تعاون** اسی قدر توجہ طلب ہے۔ اگر آپ اسے انتہائی مفید اور ضروری کام سمجھتے ہیں تو اپنا عملی تعاون پیش کیجئے۔

درس قرآن ہر گھر تک پہنچانے میں ہماری مدد کیجئے۔

اپنے احباب، اعزہ، رفقاء، کار اور افراد کو مستقل خریدار بنائیے۔

پڑھے لکھے مناسب اشخاص کے پتے ہمیں بھیجئے۔

ناظ

ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگس ۱۰۶ میکلوڈ روڈ لاہور

آیت نمبر	مضمون	نمبر صفحہ	آیت نمبر	مضمون	نمبر صفحہ
۳۶	حضرت آدم کی لغزش	۶۴	۱۹	منفقوں کی بے بسی	۳۷
۳۶	جنت سے نکلنا	۶۵	۲۰	منافقوں کا تذبذب	۳۸
۳۷	حضرت آدم کی توبہ	۶۶	۲۰	منفقوں کو وعید	۳۹
۳۸	وحی کی ضرورت	۶۷	۲۱	عبادت کا مطالبہ	۴۰
۳۹	منکرین وحی کا انجام	۶۸	۲۲	شرک کی ممانعت	۴۱
۴۰	بنی اسرائیل	۶۹	۲۳	کلام اللہ کی سچائی کا دعویٰ	۴۲
۴۰	بنی اسرائیل پر انعاماتِ خداوندی	۷۰		کلام اللہ کا چیلنج	۴۳
۴۱	دعوتِ قرآن	۷۱	۲۴	مخالفین کی بے بسی	۴۴
۴۱	آیاتِ الہی کا مول	۷۲	۲۵	نیوکار مومنوں کو خوشخبری	۴۵
۴۲	حق کو چھپانے کی ممانعت	۷۳	۲۵	جنت کی نعمتیں	۴۶
۴۳	نماز - زکوٰۃ اور اتحاد	۷۴	۲۶	قرآن مجید کی مثالیں	۴۷
۴۴	دیگراں را نصیحت خود را نصیحت	۷۵	۲۶	مثالوں کا اثر اور نتیجہ	۴۸
۴۵	صبر اور نماز سے مدد	۷۶	۲۶	بدایت اور گمراہی	۴۹
۴۶	آخرت کا تصور	۷۷	۲۷	گمراہ کون ہوتے ہیں ؟	۵۰
۴۷	بنی اسرائیل کی فضیلت	۷۸	۲۸	اللہ کا انکار کیسے ؟	۵۱
۴۸	قیامت کے دن کیا کام آتے گا	۷۹	۲۹	اللہ کی نشانیاں	۵۲
۴۹	بنی اسرائیل پر مصائب	۸۰		تیسرے رکوع پر ایک نظر	۵۳
۵۰	فرعون کی غرقابی	۸۱	۳۰	انسان کا مقام	۵۴
۵۱	پھڑے کی پوجا	۸۲	۳۰	خلیفۃ اللہ	۵۵
۵۲	معانی کا اعلان	۸۳	۳۰	فرشتوں کی گزارش	۵۶
۵۳	کتاب اور فرقان	۸۴	۳۰	فرشتوں کو جواب	۵۷
۵۴	شرک کی سزا	۸۵	۳۱	علم کی برتری	۵۸
۵۵	بنی اسرائیل کی ایک اور گستاخی	۸۶	۳۲-۳۱	آدم کا فرشتوں سے مقابلہ	۵۹
۵۶	موت کے بعد زندگی	۸۷	۳۳	علم کی فتح	۶۰
۵۷	من و سلویٰ	۸۸	۳۴	فرشتوں کا سجدہ	۶۱
۵۸	بنی اسرائیل کی شہری زندگی	۸۹	۳۵	حضرت آدم جنت میں	۶۲
۵۹	تخریف کلامِ الہی کی سزا	۹۰	۳۵	تجرِ ممنوعہ	۶۳

آیت نمبر	مضمون	نمبر شمارہ صفحہ	آیت نمبر	مضمون	نمبر شمارہ صفحہ
۸۸	بنی اسرائیل کا تعصب	۱۱۸	۶۰	بارہ چٹھے	۹۱
۸۹	جان بوجھ کر کفر	۱۱۹	۶۱	بنی اسرائیل کی بے صبری	۹۲
۹۰	ضداور تعصب کا نتیجہ	۱۲۰	۶۱	یہود پر غضب الہی	۹۳
۹۱	دعوتِ ایمان کا انکار	۱۲۱	۶۱	اللہ کے غضب کا سبب	۹۴
۹۳-۹۲	گوسالہ پرستی	۱۲۲	۶۲	ایمان اور عمل صالح کا اجر	۹۵
۹۴	موت کی تمنا	۱۲۳	۶۳	کوہ طور کا بلند ہونا	۹۶
۹۶-۹۵	لمبی عمر کی حرص	۱۲۴	۶۴	قانون سے منموڑنے کی سزا	۹۷
۹۸-۹۷	حضرت جبرائیل کی دشمنی	۱۲۵	۶۵	صورتیں مسخ ہونا	۹۸
۱۰۰-۹۹	یہود کی عہد شکنی	۱۲۶	۶۶	سرمایہ عبرت	۹۹
۱۰۱	کتاب اللہ کی مخالفت	۱۲۷	۶۷	ذبح گاؤ کا حکم	۱۰۰
۱۰۲	جادو کے عمل	۱۲۸	۶۸	اللہ کے حکم میں حجت بازی (ا)	۱۰۱
۱۰۲	تروت و مادوت	۱۲۹	۶۹	اللہ کے حکم میں حجت بازی (ب)	۱۰۲
۱۰۲	سفلی عملیات کی خرابیاں	۱۳۰	۷۱-۷۰	اللہ کے حکم میں حجت بازی (ج)	۱۰۳
۱۰۳-۱۰۲	گھاسے والا سودا	۱۳۱	۷۳-۷۲	مرد سے کا زندہ ہونا	۱۰۴
۱۰۴	الفاظ کا غلط استعمال	۱۳۲	۷۴	یہود کی تنگ دلی	۱۰۵
۱۰۵	کفار کا تعصب	۱۳۳	۷۵	کلام اللہ میں تحریف	۱۰۶
۱۰۷-۱۰۶	آیات کی تفسیح	۱۳۴	۷۷-۷۶	یہود کی منافقت	۱۰۷
۱۰۸	نبی سے سوالات	۱۳۵	۷۹-۷۸	جھوٹی آرزوئیں	۱۰۸
۱۰۹	کفار کا حسد	۱۳۶	۸۰	جنت کے ٹھیکیدار	۱۰۹
۱۱۰	آخرت کا نوشتہ	۱۳۷	۸۲-۸۱	جنت اور دوزخ	۱۱۰
۱۱۲-۱۱۱	جنت کا مستحق کون ہے؟	۱۳۸	۸۳	میشاق بنی اسرائیل	۱۱۱
۱۱۳	مذہبی گروہ بندیوں	۱۳۹	۸۴	خون ریزی اور جلا وطنی	۱۱۲
۱۱۳	مساجد کو دیران کرنے والے	۱۴۰	۸۵	عہد شکنی اور نافرمانی	۱۱۳
۱۱۵	ہر طرف اللہ ہی کا جلوہ ہے	۱۴۱	۸۵	سرت بعض حکام کی اطاعت	۱۱۴
۱۱۶	اللہ کی کوئی اولاد نہیں	۱۴۲	۸۶	آخرت کے بدلے دنیا	۱۱۵
۱۱۷	کن فیکون	۱۴۳	۸۷	حضرت مسیح کی آمد	۱۱۶
۱۱۸	واضح دلائل	۱۴۴	۸۷	نفس پرستی اور قتلِ انبیاء	۱۱۷

آیت نمبر	مضمون	نمبر شمارہ صفحہ	آیت نمبر	مضمون	نمبر شمارہ صفحہ
۱۴۳	ایمان ضائع نہیں ہوتا	۱۶۰	۱۱۹	نبی کریم کی ذمہ داریاں	۱۴۵
۱۴۴	رسول اللہ کی آرزو	۱۶۱	۱۲۰	یہود و نصاریٰ کی خواہش	۱۴۶
۱۴۴	خانہ کعبہ قبلہ ہو گیا	۱۶۲	۱۲۱	کتاب سابقہ میں تائید	۱۴۷
۱۴۵	اہل کتاب کی ہٹ دھرمی	۱۶۳	۱۲۲-۱۲۳	یوم آخرت میں گرفت	۱۴۸
۱۴۶-۱۴۶	اہل کتاب اور پیغمبر اسلام	۱۶۴	۱۲۲	حضرت ابراہیم کی قیادت و امامت	۱۴۹
۱۴۸	نیکی میں سبقت	۱۶۵	۱۲۲	امامت کی وراثت	۱۵۰
۱۵۰-۱۴۹	خانہ کعبہ اور اتمام حجت	۱۶۶	۱۲۵	خانہ کعبہ کی اہمیت	۱۵۱
۱۵۱	آنحضرت کی خصوصیات	۱۶۷	۱۲۵	حج کے مراسم	۱۵۲
۱۵۲	ذکر و شکر	۱۶۸	۱۲۶	مکہ امن والا شہر	۱۵۳
۱۵۳	صبر و نماز	۱۶۹	۱۲۶-۱۲۸	امت مسلمہ کے بیسے دعا	۱۵۴
۱۵۴	شہید زندہ جاوید ہوتا ہے	۱۸۰	۱۲۹	آنحضرت کی چار خصوصیات	۱۵۵
۱۵۵	امتحان و آزمائش	۱۸۱	۱۳۰	دین ابراہیمی	۱۵۶
۱۵۶	صبر کرنے والوں کی سیرت	۱۸۲	۱۳۱-۱۳۲	حضرت ابراہیم کی وصیت	۱۵۷
۱۵۷	صبر کرنے والوں کا صلہ	۱۸۳	۱۳۳	حضرت یعقوب کی وصیت	۱۵۸
۱۵۸	حج کے مراسم	۱۸۴	۱۳۴	اپنے ہی عمل کام آئیں گے	۱۵۹
۱۵۹	اللہ کی لعنت	۱۸۵	۱۳۵	عت ابراہیمی	۱۶۰
۱۶۰	توبہ کی شرائط	۱۸۶	۱۳۶	تمام نبیوں پر ایمان	۱۶۱
۱۶۲-۱۶۱	کفر کی موت	۱۸۷	۱۳۷	اللہ کافی ہے	۱۶۲
۱۶۳	اللہ ایک ہے	۱۸۸	۱۳۸-۱۳۹	اللہ کا رنگ	۱۶۳
۱۶۴	اللہ کے نشانات	۱۸۹	۱۴۰	کتمان حق	۱۶۴
۱۶۵	غیر اللہ سے محبت	۱۹۰	۱۴۱	اپنے اعمال ہی کام آئیں گے	۱۶۵
۱۶۵	تمام قوت اللہ کے لیے ہے	۱۹۱		پارہ اول کے اسباق کا خلاصہ	۱۶۶
۱۶۶-۱۶۶	مشرکوں کی بے بسی	۱۹۲		پارہ کا سید قول (۲)	
۱۶۸	حلال و طیب غذا	۱۹۳		مسلمانوں کا متبلہ	۱۶۷
۱۶۹	برائی اور بے حیائی	۱۹۴	۱۴۲	میانہ رو اور اعتدال پر در امت	۱۶۸
۱۷۰	اندھی تقلید	۱۹۵	۱۴۳	تبدیلی قبلہ کی حکمت	۱۶۹
۱۷۱	اندھی تقلید کی مثال	۱۹۶	۱۴۳		

نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	مضمون
۱۸۷	مباشرت کا مقصود	۲۲۴	۱۴۳-۱۴۲	۱۹۷	حرام غذا میں
۱۸۷	روزہ کے اوقات	۲۲۵	۱۴۳	۱۹۸	مجبوری کی صورت میں
۱۸۷	اعتکاف کے احکام	۲۲۶	۱۴۴	۱۹۹	بڑے عالموں کی سزا
۱۸۷	حدود اللہ	۲۲۷	۱۴۴	۲۰۰	مزید سزائیں
۱۸۸	ناحق مال	۲۲۸	۱۴۴-۱۴۵	۲۰۱	گھائے والا سودا
۱۸۸	رشوت	۲۲۹	۱۴۷	۲۰۲	اصل نیکی (۱) اچھے عقائد
۱۸۹	چاند کا حساب	۲۳۰	۱۴۷	۲۰۳	اچھے معاملات (۲)
۱۸۹	جاہلیت کی ایک رسم	۲۳۱	۱۴۷	۲۰۴	صلوٰۃ و زکوٰۃ (۳)
۱۹۰	اللہ کی راہ میں جنگ	۲۳۲	۱۴۷	۲۰۵	ایمان کے عمد (۴)
۱۹۱	جنگ اور جلا وطنی	۲۳۳	۱۴۷	۲۰۶	صبر و ثبات (۵)
۱۹۱	غنائی قتل سے بدتر ہے	۲۳۴	۱۴۸	۲۰۷	قتل کا بدلہ (قصاص)
۱۹۲-۱۹۱	خانہ کعبہ کا احترام	۲۳۵	۱۴۸	۲۰۸	(معروف و احسان)
۱۹۳	قتال کی حد آخر	۲۳۶	۱۴۹	۲۰۹	قصاص میں زندگی ہے
۱۹۴	حُرمت والے پینے	۲۳۷	۱۵۰	۲۱۰	و عیت
۱۹۴	اللہ متقیوں کے ساتھ ہے	۲۳۸	۱۵۲-۱۵۱	۲۱۱	و عیت میں تبدیلی
۱۹۵	انفاق فی سبیل اللہ	۲۳۹	۱۵۳	۲۱۲	روزوں کا حکم
۱۹۵	قتال و جہاد کے احکام	۲۴۰	۱۵۳	۲۱۳	مریض اور مسافر کو رعایت
۱۹۶	حج	۲۴۱	۱۵۳	۲۱۴	مجبوری کا ذریعہ
۱۹۶	حج و عمرہ کے چند احکام	۲۴۲	۱۵۴	۲۱۵	روزہ کی برکتیں
۱۹۶	سرمنڈانا	۲۴۳	۱۵۵	۲۱۶	رمضان کی فضیلت
۱۹۶	حج اور عمرہ کی قربانی	۲۴۴	۱۵۵	۲۱۷	قرآن مجید کی خصوصیات
۱۹۶	حکم قربانی کی وضاحت	۲۴۵	۱۵۵	۲۱۸	روزہ کی فرضیت
۱۹۷	زمانہ حج اور اخلاقی حدود	۲۴۶	۱۵۵	۲۱۹	اللہ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں
۱۹۷	حج کا زاد و راہ	۲۴۷	۱۵۵	۲۲۰	روزہ کے دوسرے مقاصد
۱۹۸	دنیاوی فائدے	۲۴۸	۱۵۶	۲۲۱	دعا
۱۹۸	عرفات اور مشعر حرام	۲۴۹	۱۵۶	۲۲۲	دعا کی دو شرطیں
۱۹۸	ذکر و عبادت	۲۵۰	۱۵۷	۲۲۳	میاں بیوی کا تعلق

مضمون	نمبر آیت	نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت
شراب اور جوا	۲۱۹	۱۹۹	مسادات کا حکم	۲۵۱
شراب اور جوئے کے بارے میں حکم	۲۱۹	۱۹۹	مناسک حج کے بعد	۲۵۲
مالی قربانیوں کا معیار	۲۱۹	۲۰۰	دُنیا کے طلب کار	۲۵۳
غور و فکر کی بات	۲۱۹	۲۰۱	دُنیا اور آخرت کے طالب	۲۵۴
یتیموں کی اصلاح	۲۲۰	۲۰۲	محاسبہ اعمال	۲۵۵
یتیموں کے بارے میں احکام	۲۲۰	۲۰۳	حج کے ایام	۲۵۶
مشرک سے نکاح	۲۲۱	۲۰۳	نیکی ہی اصل تقویٰ ہے	۲۵۷
مسلمان لڑائی کا درجہ	۲۲۱	۲۰۴	فستہیں کھانے والے جھگڑالو	۲۵۸
مشرک مرد سے نکاح	۲۲۱	۲۰۵	مفسدہ پردازی	۲۵۹
حیض کی حقیقت	۲۲۲	۲۰۶	جھوٹا دُعا	۲۶۰
حیض کے بعد	۲۲۲	۲۰۷	اللہ کی رضا چاہنے والا	۲۶۱
بیوی کا درجہ	۲۲۳	۲۰۸	اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ	۲۶۲
آئندہ کی فکر	۲۲۳	۲۰۹	دانستہ غلطی نہ کرو	۲۶۳
قسموں کا غلط استعمال	۲۲۴	۲۱۰	غیر معقول مطالبہ	۲۶۴
غلط قسمیں	۲۲۵	۲۱۱	بنی اسرائیل سے عبرت	۲۶۵
طلاق کی ابتدا	۲۲۶-۲۲۷	۲۱۲	مومنوں کا مذاق نہ اڑاؤ	۲۶۶
عِدَّت	۲۲۸	۲۱۳	اُمتِ واحدہ	۲۶۷
رجعت اور میاں بیوی کے حقوق	۲۲۸	۲۱۳	مذہبی اختلاف	۲۶۸
رجعی طلاق	۲۲۹	۲۱۴	آزمائش کی گھڑی	۲۶۹
خُلُوع	۲۲۹	۲۱۵	کہاں خرچ کریں	۲۷۰
رجوع کی صورت	۲۳۰	۲۱۶	جنگ کا حکم	۲۷۱
حلالہ	۲۳۰	۲۱۶	انسان کی پسند و ناپسند	۲۷۲
بیویوں کے ساتھ برتاؤ	۲۳۱	۲۱۷	ماہِ حرام میں جنگ	۲۷۳
احکامِ الہی کا مذاق	۲۳۱	۲۱۷	کافروں کی روش	۲۷۴
عورت کی رضا	۲۳۲	۲۱۷	کافروں کی لگزشیں	۲۷۵
دودھ پلانے کی مدت	۲۳۳	۲۱۷	مرتد کی سزا	۲۷۶
دودھ پلانے کے دیگر قانون	۲۳۳	۲۱۸	ایمان، ہجرت اور جہاد	۲۷۷

نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	مضمون
۲۵۹	اجر طہی بستنی کی مثال	۲۳۰	۲۳۲	۳۰۵	عدت
۲۶۰	سابقہ مثال کی وضاحت	۲۳۱	۲۳۵	۳۰۶	نکاح ثانی کا نامہ و پیام
۲۶۱	مردوں کو زندہ کرنا	۲۳۲	۲۳۶	۳۰۷	چھوٹے سے پہلے طلاق
۲۶۲	حضرت ابراہیمؑ کا ایک واقعہ	۲۳۳	۲۳۷	۳۰۸	طلاق اور مہر
۲۶۳	اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال	۲۳۴	۲۳۸	۳۰۹	منازوں کی پابندی
۲۶۴	خیرات ضائع نہ کرو	۲۳۵	۲۳۹	۳۱۰	بیوہ کے لیے وصیت
۲۶۵	خیرات ضائع کرنے کی مثال	۲۳۶	۲۴۰	۳۱۱	موت سے نہ بھاگو
۲۶۶	اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ایک اور مثال	۲۳۷	۲۴۲	۳۱۲	قرضِ حسد
۲۶۷	ریا کاری سے خرچ کرنے کی مثال	۲۳۸	۲۴۳	۳۱۳	حضرت طاہرہ کا قصہ
۲۶۸	اللہ کی راہ میں اچھی چیز دو	۲۳۹	۲۴۴	۳۱۴	سپہ سالار کا انتخاب
۲۶۹	اللہ کے وعدے اور انجام	۲۴۰	۲۴۵	۳۱۵	سپہ سالار کی خصوصیات
۲۷۰	خیرات کیسے کی جائے	۲۴۱	۲۴۶	۳۱۶	تابوتِ سکینہ
۲۷۱	خیرات کا پورا پورا اجر	۲۴۲	۲۴۷	۳۱۷	مجاہدوں کی آزمائش
۲۷۲	خیرات کے سختی	۲۴۳	۲۴۸	۳۱۸	باجیت قلت و کثرت پر موقوف نہیں
۲۷۳	خیرات کا اجر	۲۴۴	۲۴۹	۳۱۹	صبر و استقامت
۲۷۴	سود حرام ہے	۲۴۵	۲۵۰	۳۲۰	گذشتہ نشانیاں
۲۷۵	سود کی بُرائیاں	۲۴۶	۲۵۱	۳۲۱	دوسرے پارہ کے اسباق کا خلاصہ
۲۷۶	سود اور خیرات کا موازنہ	۲۴۷	۲۵۲		پارۃ فلك الرسل (۳)
۲۷۷	سود لینا چھوڑ دو	۲۴۸	۲۵۳	۳۲۲	رسولوں کے درجات
۲۷۸	تنگدست سے رعایت	۲۴۹	۲۵۴	۳۲۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام
۲۷۹	لکھت پڑھت	۲۵۰	۲۵۵	۳۲۴	اللہ کی راہ میں خرچ
۲۸۰	نوابی	۲۵۱	۲۵۶	۳۲۵	آیت الکرسی
۲۸۱	نوابی کے احکام	۲۵۲	۲۵۷	۳۲۶	آیت الکرسی کی تشریح
۲۸۲	ربن کی بدایات	۲۵۳	۲۵۸	۳۲۷	دین میں جبر نہیں
۲۸۳	اللہ مناسب فرمائے	۲۵۴	۲۵۹	۳۲۸	ہدایت اور گمراہی
۲۸۴	اجزائے ایمان	۲۵۵	۲۶۰	۳۲۹	حضرت ابراہیمؑ اور نمرود
۲۸۵	دُعائیں	۲۵۶	۲۶۱		

آیت نمبر	مضمون	نمبر شمارہ صفحہ	آیت نمبر	مضمون	نمبر شمارہ صفحہ
۳۴-۳۳	انبیاء کا سلسلہ	۳۸۲		سورہ بقرہ پر ایک نظر	۳۵۷
۳۴-۳۵	حضرت مریم کی پیدائش	۳۸۳		سورہ آل عمران	
۳۷	حضرت مریم کی پرورش	۳۸۴		سورہ کا تعارف	۳۵۸
۳۹-۳۸	حضرت زکریا کی دعا	۳۸۵		اللہ تعالیٰ کی صفات	۳۵۹
۴۱-۴۰	حضرت یحییٰ کی پیدائش	۳۸۶	۲-۱	قرآن مجید اور کتب سابقہ	۳۶۰
۴۲-۴۲	حضرت مریم کا درجہ	۳۸۷	۳-۲	غلط عقیدوں کی تردید	۳۶۱
۴۳	حضرت مریم کی کفالت	۳۸۸	۴-۵	آیات کی دو قسمیں	۳۶۲
۴۴-۴۵	حضرت یسح کی بشارت	۳۸۹	۷	محکمات و متشابہات	۳۶۳
۴۷	بن باپ کے بیٹا	۳۹۰		دو دعائیں	۳۶۴
۴۹-۴۸	حضرت عیسیٰ کے معجزے	۳۹۱	۹-۸	ایک تہنید	۳۶۵
۵۱-۵۰	حضرت یسح کی تعلیم	۳۹۲	۱۲-۱۰	اللہ تعالیٰ کی نصرت	۳۶۶
۵۳-۵۲	حضرت عیسیٰ کے حواری	۳۹۳	۱۳	فانی اشیاء سے محبت	۳۶۷
۵۴-۵۵	حضرت عیسیٰ سے اللہ کے وعدے	۳۹۴	۱۴	منفقوں کے لیے اجر	۳۶۸
۵۷	نیوکار لوگوں کا اجر	۳۹۵	۱۵	منفقین کی صفات	۳۶۹
۶۰-۵۸	حضرت عیسیٰ کی مثال	۳۹۶	۱۷-۱۶	اُلُوہیت خداوندی کی گواہی	۳۷۰
۶۱	مبادلہ	۳۹۷	۱۸	اصلی دین — اسلام	۳۷۱
۶۳-۶۲	قصص الحق	۳۹۸		اختلاف کی وجہ	۳۷۲
۶۴	دعوت اتحاد	۳۹۹	۱۹	نبی کا فرض محض تبلیغ ہے	۳۷۳
۶۴-۶۵	اہل کتاب کو تہنید	۴۰۰	۲۰	کافروں کی کرتوت	۳۷۴
۶۸-۶۷	حضرت ابراہیم کا مسک	۴۰۱	۲۲-۲۱	عیسائیوں کا جھوٹا عقیدہ	۳۷۵
۷۱-۶۹	گمراہ کن اہل کتاب	۴۰۲	۲۴-۲۳	آخرت کا انجام	۳۷۶
۷۲	منافق اہل کتاب	۴۰۳	۲۵	اللہ تعالیٰ کا اختیار و قدرت	۳۷۷
۷۴-۷۳	اہل کتاب کا حسد	۴۰۴	۲۶	قدرت خداوندی	۳۷۸
۷۶-۷۵	خائن اہل کتاب	۴۰۵	۲۷	کافروں سے دوستی	۳۷۹
۷۷	حریصوں کی سزا	۴۰۶	۲۸	کافروں کی پشیمانی	۳۸۰
۷۸	اہل کتاب کی دھوکہ دہی	۴۰۷	۳۰-۲۹	حضرت رسول اکرم کی پیردی	۳۸۱
۷۹	یہ نبی کا کام نہیں	۴۰۸	۳۲-۳۱		

نمبر آیت	مضمون	نمبر شہاد صفحہ	نمبر آیت	مضمون	نمبر شہاد صفحہ
۱۰۵	سندھ بندی	۲۳۲	۸۰-۷۹	نبی کی تعلیم	۲۰۹
۱۰۶	بد کردار — سیاہ چہرے	۲۳۵	۸۱	انبیاء کا عہد	۲۱۰
۱۰۷	نیک کردار — نورانی چہرے	۲۳۶	۸۲	عہد شکن	۲۱۱
۱۰۸-۱۰۹	قرآنی آیات برحق ہیں	۲۳۷	۸۳	دین حق کی مخالفت	۲۱۲
۱۱۰	خیر امت	۲۳۸	۸۴	انبیاء کا سلسلہ	۲۱۳
۱۱۱-۱۱۲	اہل کتاب کو نصیحت	۲۳۹	۸۵	اسلام کے سوا	۲۱۴
۱۱۳	اہل کتاب پر عتاب الہی	۲۴۰	۸۶	محرم ہدایت	۲۱۵
۱۱۴	عتاب الہی کے اسباب	۲۴۱	۸۸-۸۷	ظالموں پر لعنت	۲۱۶
۱۱۵	سب اہل کتاب برابر نہیں	۲۴۲	۸۹	توبہ اور اصلاح	۲۱۷
۱۱۶-۱۱۷	اللہ والوں کی مزید خصوصیات	۲۴۳	۹۰	نا قابل قبول توبہ	۲۱۸
۱۱۸	اللہ کے مال بچاؤ	۲۴۴	۹۱	فدیہ ہرگز قبول نہ ہوگا	۲۱۹
۱۱۹	کفار کا انفاق مال	۲۴۵	۹۱	گناہ کی سزا	۲۲۰
۱۲۰	بیگانے راز دار	۲۴۶			
۱۲۱	اہل کتاب کی دوستی	۲۴۷			
۱۲۲	اہل کتاب کا حد	۲۴۸	۹۲		
۱۲۳	غزوہ اُحد — میدان جنگ کا منسوبہ	۲۴۹	۹۳		
۱۲۴	غزوہ اُحد — جنگ کا نقشہ	۲۵۰	۹۴-۹۳		
۱۲۵	بدر کی جیت	۲۵۱	۹۵		
۱۲۶-۱۲۷	فرشتوں کی مدد	۲۵۲	۹۶-۹۵		
۱۲۸-۱۲۹	غیبی امداد کا مقصود	۲۵۳	۹۶		
۱۳۰	اللہ کا اختیار	۲۵۴	۹۷-۹۸		
۱۳۱-۱۳۲	سود کی ممانعت	۲۵۵	۱۰۰		
۱۳۳-۱۳۴	سود خوردل کی سزا	۲۵۶	۱۰۱		
۱۳۵-۱۳۶	متقین کی صفات	۲۵۷	۱۰۲		
۱۳۷	متقین کی خصوصیات اور اجر	۲۵۸	۱۰۳		
۱۳۸-۱۳۹	درس عبرت	۲۵۹	۱۰۴		
۱۴۰	مسلمانوں کا غلبہ	۲۶۰	۱۰۴		
				پارہ لے بنا لو (۴)	
				قربانی کا معیار	۲۲۱
				نبی اسرائیل میں حلال و حرام	۲۲۲
				اللہ پر ہتان	۲۲۳
				ملت ابراہیمی کا اتباع	۲۲۴
				اولین عبادت گاہ — خانہ کعبہ	۲۲۵
				بیت اللہ کا حج	۲۲۶
				اہل کتاب کا انکار	۲۲۷
				اہل کتاب کا کہا نہ مانو	۲۲۸
				رسول اللہ کی موجودگی	۲۲۹
				اسلام پر زندگی، اسلام پر موت	۲۳۰
				اعتصام بحبل اللہ	۲۳۱
				اخوت — احسان خداوندی	۲۳۲
				اصلاحی جماعت کے فرائض	۲۳۳

نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر آیت	نمبر صفحہ
۱۷۴	اللہ کا فضل	۱۴۰	۴۸۸	گردش آیام	۴۶۱	
۱۷۵-۱۷۶	شیطان کا تدارک	۱۴۱-۱۴۰	۴۸۹	آزمائش اور امتحان	۴۶۲	
۱۷۷-۱۷۸	ایمان کے بڑے کفر	۱۴۲-۱۴۳	۴۹۰	جنت کے داخلہ کی شرط	۴۶۳	
۱۷۹	حکمتِ خداوندی	۱۴۴	۴۹۱	حضرت محمد رسولِ خدا ہیں	۴۶۴	
۱۸۰	بخل کا انجام	۱۴۵	۴۹۲	رسولِ خدا کی رحمت	۴۶۵	
۱۸۱-۱۸۲	یہودیوں کی گستاخی	۱۴۶	۴۹۳	وینا اور آختوت کا بدلہ	۴۶۶	
۱۸۳-۱۸۴	یہودیوں کی کٹ جھتی	۱۴۷	۴۹۴	حضراتِ انبیاء اور ان کے ساتھی	۴۶۷	
۱۸۵	موت کا مزہ	۱۴۸-۱۴۷	۴۹۵	اللہ والوں کی دعا	۴۶۸	
۱۸۶	جان و مال کی آزمائش	۱۴۹-۱۵۰	۴۹۶	ہفروں کا کمانہ مانو	۴۶۹	
۱۸۷	اہل کتاب کا عہد	۱۵۱	۴۹۷	اسلام کا رعب	۴۷۰	
۱۸۸-۱۸۹	خوش فہمیاں	۱۵۲	۴۹۸	مسلمانوں کی آزمائش	۴۷۱	
۱۹۰-۱۹۱	آیاتِ الہی میں غور و فکر	۱۵۳	۴۹۹	رسول کی نافرمانی کا نتیجہ	۴۷۲	
۱۹۲-۱۹۳	داعی کی چپکار	۱۵۴	۵۰۰	اللہ تعالیٰ کی رحمت	۴۷۳	
۱۹۳-۱۹۴	نیکو کاروں کا اجر	۱۵۴	۵۰۱	منافقانہ وسوسے	۴۷۴	
۱۹۴-۱۹۵	کفار کی خوشحالی	۱۵۴	۵۰۲	منافقوں کی منافقت	۴۷۵	
۱۹۶-۲۰۰	اصولِ ہدایتی	۱۵۴-۱۵۵	۵۰۳	آزمائشِ الہی کا مقصود	۴۷۶	
	سورہ آل عمران پر بیک نظر	۱۵۶	۵۰۴	منافقوں کی پھالی	۴۷۷	
	سورۃ النساء	۱۵۶-۱۵۸		موت و حیات کا مسئلہ	۴۷۸	
	سورۃ النساء کا خلاصہ	۱۵۹		آنحضرتؐ کی نرم خوئی	۴۷۹	
۱	انسان کی پیدائش	۱۶۰	۵۰۵	نصرتِ الہی	۴۸۰	
۲	قیموں کا مال	۱۶۱-۱۶۳	۵۰۶	نبی کی شان	۴۸۱	
۳	تعدا و ازدواج	۱۶۴	۵۰۷	رسول اللہ کے خصائص	۴۸۲	
۴-۵	حق ہر	۱۶۵	۵۰۸	ابتلا کا شکوہ	۴۸۳	
۶	قیموں کی تربیت	۱۶۶-۱۶۷	۵۰۹	آزمائش کا مقصود	۴۸۴	
۷	میراث اور ترکہ کے حصہ دار	۱۶۸-۱۶۹	۵۱۰	منافقوں کی حیلہ سازی	۴۸۵	
۸	تقسیم میراث میں نرمی	۱۶۹-۱۷۱	۵۱۱	شہداء و زندہ ہیں	۴۸۶	
		۱۷۲-۱۷۳	۵۱۲	بیعت کی بجائے ایمان	۴۸۷	

نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت
۳۳	مردوں کو عورتوں پر فضیلت	۵۳۸	۱۰-۹	یتیم کو اپنی اولاد پر قیاس کر د	۵۱۳
۳۴	سرکش عورتوں کی اصلاح	۵۳۹	۱۱	مرد و عورت کے حقوق کا تناسب	۵۱۴
۳۵	مصالحت اور ثالثی	۵۴۰	۱۱	والدین کا حصہ	۵۱۵
۳۶	حقوق العباد	۵۴۱	۱۲	میاں بیوی کا حصہ	۵۱۶
۳۷-۳۸	ریا کار بنجیل	۵۴۲	۱۲	کلالہ کا حصہ	۵۱۷
۳۸-۳۹	ریا کار بنجیل غور کریں	۵۴۳	۱۳	وصیت اور قرض	۵۱۸
۳۹-۴۱	قیامت کے دن کفار کی سرت	۵۴۴	۱۳-۱۳	حد و دالہ	۵۱۹
۴۲	نشہ اور نماز	۵۴۵	۱۵	بدکار عورتوں کی سزا	۵۲۰
۴۳	تہتم	۵۴۶	۱۶	بدکار مردوں کی سزا	۵۲۱
۴۴-۴۵	یہودیوں کا ارادہ بد	۵۴۷	۱۷	توبہ	۵۲۲
۴۶	یہودیوں کی چالائیاں	۵۴۸	۱۸	جھوٹی توبہ	۵۲۳
۴۷	بہتر طریقہ	۵۴۹	۱۹	مجرموں سے سلوک	۵۲۴
۴۸	یہود کو دعوت ایمان	۵۵۰	۲۱-۲۰	عمر کی ادائیگی	۵۲۵
۴۹	شُرک کی بخشش نہیں	۵۵۱	۲۲	ماؤں کا احترام	۵۲۶
۵۰-۴۹	جھوٹ اور بہتان	۵۵۲	۲۳	محرم عورتیں	۵۲۷
۵۱-۵۲	طاغوت اور بتوں کے فرمانبردار	۵۵۳	۲۳	دوسری محرم عورتیں	۵۲۸
۵۲-۵۳	یہودیوں کی محرمی	۵۵۴			
۵۴-۵۵	دوزخ کا عذاب	۵۵۵			
۵۶	جنت کی نعمتیں	۵۵۶	۲۴	پارہ و المحصنتہ	
۵۷	امانتیں اور عدل و انصاف	۵۵۷	۲۴	نکاح کی شرائط	۵۲۹
۵۸	واجب الطاعت کون ہے؟	۵۵۸	۲۵	عمر اور باہمی رضامندی	۵۳۰
۵۹	اختلاف کی صورت میں فیصلہ	۵۵۹	۲۵	نونہیوں سے نکاح	۵۳۱
۶۰	آنحضرتؐ کا فیصلہ	۵۶۰	۲۸-۲۶	نونہی سے نکاح کی شرائط	۵۳۲
۶۱-۶۲	آنحضرتؐ کے فیصلے کے بعد	۵۶۱	۳۰-۲۹	اللہ کیا چاہتا ہے؟	۵۳۳
۶۲-۶۳	صحیح طریقہ عمل	۵۶۲	۳۱	مسلمان کی جان و مال	۵۳۴
۶۴	ایمان کی کسوٹی	۵۶۳	۳۲	کبار سے گریز	۵۳۵
۶۵-۶۶	شرعی احکام مشکل نہیں	۵۶۴	۳۳	حسد	۵۳۶
				دارتوں کا تقرب	۵۳۷

نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	نمبر شہاد صفحہ	مضمون	نمبر شہاد صفحہ
۱۰۴	دشمن کو ڈھیل نہ دو	۶۰-۶۹	۵۹۲	اللہ کے انعام یافتہ بندے	۵۶۵
۱۰۶-۱۰۵	ظرفداری کے بغیر نصابت	۶۲-۶۱	۵۹۳	جہاد کے لیے تیار رہو	۵۶۶
۱۰۸-۱۰۷	مجرم کی کوئی حمایت نہیں	۶۳-۶۲	۵۹۴	جہاد اور اس کا اجر	۵۶۷
۱۱۰-۱۰۹	استغفار	۶۵	۵۹۵	مظلوموں کی مدد میں جہاد	۵۶۸
۱۱۲-۱۱۱	بتان اور تہمت	۶۶	۵۹۶	مومن اور کافر کی جنگ	۵۶۹
۱۱۳	آنحضرتؐ کی شان	۶۷	۵۹۷	لڑائی سے ڈرنے والے	۵۷۰
۱۱۴	سرگوشی	۶۷	۵۹۸	موت سے بچنا ممکن نہیں	۵۷۱
۱۱۵	رسول اللہؐ کے مخالفین	۶۸-۶۹	۵۹۹	شامت اعمال	۵۷۲
۱۱۶	شرک ناقابل معافی ہے	۸۰	۶۰۰	رسول اللہؐ کی اطاعت	۵۷۳
۱۱۹-۱۱۷	مشرکوں کا شرک	۸۱	۶۰۱	رسول کے خلاف سازشیں	۵۷۴
۱۲۱-۱۱۹	شیطان کے ہتھکنڈے	۸۲	۶۰۲	صداقت قرآن کی دلیل	۵۷۵
۱۲۲	اللہ کا سچا وعدہ	۸۳	۶۰۳	بے تحقیق افواہیں	۵۷۶
۱۲۳-۱۲۳	آرزو پر فیصلے نہیں ہوتے	۸۴-۸۵	۶۰۴	جہاد اور اس کی ترغیب	۵۷۷
۱۲۶-۱۲۵	اسلام اور ملت ابراہیمی	۸۶-۸۷	۶۰۵	نیکی کا بدلہ	۵۷۸
۱۲۷	قیامِ عدل	۸۸-۸۹	۶۰۶	ایمان کا معیار	۵۷۹
۱۲۸	بیوی کے ساتھ حسن سلوک	۸۹-۹۰	۶۰۷	منافقوں سے جنگ	۵۸۰
۱۳۰-۱۲۹	بیویوں میں عدل شرط ہے	۹۰-۹۱	۶۰۸	صدیقوں سے جنگ	۵۸۱
۱۳۲-۱۳۱	خوفِ خدا	۹۱	۶۰۹	نادانستہ قتلِ مسلم کی سزا	۵۸۲
۱۳۴-۱۳۳	اللہ سب سے بے نیاز ہے	۹۲-۹۳	۶۱۰	قتلِ عمر کی سزا	۵۸۳
۱۳۵	بے لاگ گواہی	۹۴	۶۱۱	جہاد میں قتل کے اندر احتیاط	۵۸۴
۱۳۶	اہل ایمان سے مطالبہ ایمان	۹۵-۹۶	۶۱۲	جہادوں کے درجات	۵۸۵
۱۳۹-۱۳۷	ڈھل مل یقینِ منافق	۹۷-۹۹	۶۱۳	مظلوموں کے لیے ہجرت	۵۸۶
۱۴۰	بری مجالس کا بائیکاٹ	۱۰۰	۶۱۴	مہاجر فی سبیل اللہ	۵۸۷
۱۴۱	منافقوں کی دوزخی مثال	۱۰۱	۶۱۵	سفر میں نمازِ قصر	۵۸۸
۱۴۳-۱۴۲	منافقوں کی پہچان	۱۰۲	۶۱۶	نمازِ خوف	۵۸۹
۱۴۵-۱۴۴	کفار کی دوستی	۱۰۲	۶۱۷	احتیاط ضروری ہے	۵۹۰
۱۴۷-۱۴۶	نجات کی راہ	۱۰۳	۶۱۸	نماز کے سوا ذکر الہی	۵۹۱

نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	مضمون	نمبر آیت	مضمون
۱۶۲	اجرِ عظیم	۴۲۸	پارہ (۱) لَا یُجِبُ اللّٰهُ (۶)		
۱۶۳-۱۶۴	اللہ کی وحی	۴۲۹			
۱۶۵-۱۶۶	اللہ کی شہادت	۴۳۰	۱۴۹-۱۴۸	۴۱۹	اصلاح کا طریق
۱۶۸-۱۶۹	کفار کے لیے جہنم	۴۳۱	۱۵۱-۱۵۰	۴۲۰	مکمل کفر
۱۶۰	آخری نبی کی آمد	۴۳۲	۱۵۲	۴۲۱	اہل ایمان کے درجات
۱۶۱	اہل کتاب کو نصیحت	۴۳۳	۱۵۳	۴۲۲	اہل کتاب کے سوال
۱۶۲	اللہ کی بندگی کا انفراد	۴۳۴	۱۵۴	۴۲۳	یہود کی زیادتیاں
۱۶۳	ایمان و عمل کی جزا	۴۳۵	۱۵۵	۴۲۴	یہود کی بد اعمالیاں
۱۶۴-۱۶۵	اللہ کی سند	۴۳۶	۱۵۶-۱۵۶	۴۲۵	حضرت عیسیٰ سے یہود کا سلوک
۱۶۶	میراث کے باقی حکم	۴۳۷	۱۵۹-۱۵۷	۴۲۶	حیات و مماتِ مسیح
	سورہ النسا پر ایک نظر	۴۳۸	۱۶۱-۱۶۰	۴۲۷	یہودیوں پر سختی

فہرست الفاظ منزل اول

(سُورَةُ الْفَاتِحَةِ - الْبَقَرَةِ - آلِ عِمْرَانَ - النَّبَاِ)

صرف وہ الفاظ جن کی تشریح حل لغات کے طور پر درس قرآن میں کی گئی ہے۔

صفحہ	لفظ	صفحہ	لفظ	صفحہ	لفظ	صفحہ	لفظ
۲	اللہ	۱۵۷	اسلم	۴۳۵	اجد		الف
۳۷۱	الاسلام	۵۸	اسماء	۳۵۰	اجل مستقی	۳-۲	اللہ
۴	الحد	۱۵۲	استعیل	۳۳۰-۳۳۱	اجلھن	۲۲	الخرقہ
۱۹۲	الذین اتبعوا	۳۳	اشترءا	۵۳۰	اجورھن	۳۸۲	ادم
۱۳۲	الذین کفروا	۱۷۸	اشعروالی	۱۱۰	احاطت به	۵۲۱	اذوہما
۵۶۹	الذین امثوا	۲۲۷	اشھر الحرام	۲۹۶	احسان	۳۸۲	ال عمران
۲۷۷	الذین ہاجر وا	۶۸	اصحب	۲۳۹	احسنوا	۸۰	ال فرعون
۲۷۷	الذین جاہدوا	۶۸	اصحب النار	۳۳۳	احصروا	۹۴	ایت اللہ
۲۳۲	الذین یقاتلونکم	۵۵۰	اصحب السبت	۱۰۴	اددتم	۱۲۶	ایت بیت
۲۲۹	الذی حاج	۳۸۷	اصطفک	۵۷۰	اذا	۳۲۵	ایۃ الکرسی
۳۳۰	الذی مآ	۱۹۸	اضطر	۲۸۷	اذی	۳۲۳	ابن مریم
۱۵	الک	۲۵۵	اضعافا	۱۷۸	اذکودنی	۱۲۹	ابنلی
۲۱۱	المتر	۶۰۱	اضلن	۲۶۸	اذن	۳۳۳	ابتغوا ما کتب اللہ
	اللہ	۹۸	اعتکدوا	۶۴	انزل	۱۲۹	ابراہیم
۱۲۹	امام	۲۸۷	اعتزلوا	۵۵۶	ازواج مطہرۃ	۶۱	ابلیس
۵۵۷	امانت	۲۳۱	اعتصام	۳۰۲	ازواج	۲۰۸	اتباع بالمعروف
۱۰۸	امانیۃ	۲۶۰	اعلون	۱۶۱	اسباط	۱۲۲	انخذ
۲۶۷	امۃ واحدۃ	۲۲۹	انضتم	۶۱	اسجدوا	۱۰۰	انخذنا ہزوا
۱۵۲	امۃ مسلمۃ	۲۳۳	اقتلوا	۱۵۸	اسحق	۲۰	انقاء
۳۸۳	امردۃ عمران	۸۵	اقتلوا انفسکم	۷۶	استعینوا	۲۳۸	انقوا اللہ
۱۵۱	امننا	۲۵۲	اقسط	۱۷۹	استمتع	۱۱۳	انم
۲۶۲	امر الکتاب	۳۵۲	اقوم	۵۸۱	السلام	۲۷۹	انثنا عشر عینا

صفو	لفظ	صفو	لفظ	صفو	لفظ	صفو	لفظ
۱۰۰	الجهلين	۳۰۲	تراضو	۱۲۳	بديع	۶۰۱	امنين
۵۲۵	جنبًا	۵۶	تسليم (نسيم)	۲۰۲-۴۵	يد	۲۴۲	اميين
۶۲	جنة	۲۲۰-۸۳	تشكرون	۵۴۱	بروج مشيئة	۴۱	انداد
۵۵۶	جنت	۲۳۲	تعندوا	۶۳۶	بوهان	۱۳۲	انظونا
۵۹۱	جنوب (واحد جنب)	۱۰۶	تطعون	۳۱۵	بسة	۳۰	انفاق
	ح	۲۱۲	تطوع	۱۲۵	لشبر	۶۲۹	او حينا
۳۰۹	حافظوا	۹۶	تقوى (تتقون)	۲۶۴	بعثت	۲۲۵	اقل بيت
۲۳۱	حلى الله	۲۳۰	تكبروا الله	۲۶۸	بغيا	۳۸۹	ادلياء
۲۲۰	حبل من الله	۴۳	تكنوا	۱۰۱	بجر	۲۴۰	ادلوا العلم
۲۲۰	حبل من الناس	۵۴۴	تكلف	۳۵	بكم	۵۱۲	ادلى القرني
۱۸۲	حج	۲۲۰	تكموا العدة	۵۴۲	بيت	۸۴-۶۵	اهبطوا
۲۳۱	حدود الله	۱۴۲	تلاوت	۱۵۱	البيت	۱۳۳	اهل الكتاب
۲۲۶	حدوث	۴۳	تلبسوا	۱۱۶-۸۵	بيئات	۲۳۰	اهله
۲۵۹	حرج	۲۲۲	تمتع	۳۲۳	بيئات من الهدى	۲۶۱	اياهم
۵۶۳	حدود مقطعات	۱۳۲	تسيخ	۲۱۴	بنى اسرائيل	۱۰۹	ايام معدودة
۶۴۲۲۱	حزون	۲۹۸	تنزع	۴۰-۶۹	ت	۲۲	ايقان
۲۶۰	حسد	۵۴۴	تنكيل		تاب	۲۹۳	ايلاء
۳۶	حسنة	۲۸۸	توابين	۶۶	تابوا	۹۵-۱۸	ايمان
۲۵۲	حطة	۲۱۶-۶۶	توبه	۱۸۶	تابوت سكيئة	۵۳۴	ايمان
۵۹	خطا	۲۵۹	تولى	۳۱۶	تتقين (اتقاء)		ب
۲۸۹	حفيظ	۵۸۱	ث	۹۶	تجاة حاضرة	۱۲۹	بابل
۵۴۲	حق تلاوته	۲۹۲	ثقفتموا	۳۵۲	تحرير	۲۸۸	باطل
۱۲۰	حكيم	۲۹۲	ثلاثة قراء	۵۸۲	تحرير	۲۳۲	باشروهن
۲۶۳	حكمة	۳۱۸	ج	۱۰۶	تحرير (بجوفه)	۱۲۵	بالحق
۱۵۵	حنيف	۱۲۵	جالوت	۵۴۸	تحيية	۸۱	بجر
۲۰۱	حلال	۶۱۹	جبريل	۲۲۲	تختانون	۲۵۱	بدر
۱۹۳			جهد	۲۲۹	تدلوا	۹۰	بدل

صفو	لفظ	صفو	لفظ	صفو	لفظ	صفو	لفظ
۳۶۲	سيلم	۵۲۰-۳۰۳	رضاعة	۳۱۹	داؤد	۲۹۹	حلاله
۸۸	سلوى	۲۲۳	رث	۵۸۲	ديّة	۲۰۰-۲۲۳	حنيف
۱۲۸	سليم	۲۰۳	رقاب	۳۵۰	دين	۲۰۱	
۳۶	سماء	۵۸۲	رقيبا	۶-۳۲۶	دين	۳۹۳	حواريون
۵۲	سوهن	۶۲	ركوع	۲۳۶		۵۰۴	حربا
۵۴۲	سيئة	۲۱۶	رمضان	۲۱۲	دين الله	۳۲۵	الحى
	ش	۳۳۳	روح القدس		ذ	۲۰۲	حين البأس
۶۲۵	شبه	۲۵۳	رهن	۲۲۵-۱۶	ذالك		خ
۵۶۳-۶۳	شجرة		ز	۱۵۰	ذرية	۶۰۳	خالد
۶۰۶	شج	۳۸۲	زكوي	۲۵۰-۱۶۸	ذكر	۲۶	خلدون
۵۵۱	شرك	۶۲	زكاة	۵۹۱	ذکر الله	۲۵	ختم
۱۸۲	شاعر	۲۶۳	ذلتهم	۹۲	ذلة	۶۱۶-۲۸	خدع
۳۲۵	شفاعت (يشفع)	۳۶۳	زيع	۲۰۳	ذوالقربي	۹۰	خسرين
۸۳	شكر (تشكرون)		س		ر	۹۰	خساره
۱۶۸	(اشكرونى)	۵۲۶	سار سبيل	۶۲۸	راسخ	۶۶	خشوع
۱۶۸-۳۲	شهد آء	۹۸	سبت	۱۳۲	راعنا	۵۹۳	خصيم
۳۶۰	شهد الله	۵۲	سبع سموات	۲	رب	۲۶۲	خطوت
۵۲۳	شهيد	۶۱	سجدة	۲۰۹	ربانى	۲۹۴	فلم
۲۲۶ ۲۶۳	شهر الحرام	۶۳۳	سجن	۲۲۵	ربوا	۵۲	خليفه
۵۸۲	شهرين	۱۲۹	سحر	۵-۴	رحمن	۲۶۸	خمر
۶۳-۳۲	شيطين	۲۵۵	سريع الحساب	۵-۲	رحيم	۲۲۳-۶۶	خوف
۱۲۸	ص	۵۸۶	سعة	۹۰	رجز	۲۱۰-۳۲۲	خير
		۲۵۹	سعى فى الارض	۲۹۶-۲۹۵	رجعت	۲۶۰	
۲۰۶	صابرين	۱۶۴-۳۱	سفهاء	۳۲۲-۲۰	رزق	۲۲۰	خير كثير
۶۲۲	صاعقه	۱۱۲	سفك	۲۲۳	رسل	۲۳۸	خير امة
۵۶۵	صالحين	۵۲۵	سكارى	۱۲۶	رسول	۱۶۵	خيرات
۹۵	صابئين	۶۱۶-۲۶۰	سلطن	۳۲۶	رشد		د

صفحة	لفظ	صفحة	لفظ	صفحة	لفظ	صفحة	لفظ
٥١	قبله	٢٥	عشادة	١٩٣	طيبًا	١٤٩-١٤٩	صبر
٩٣	قتل (يقتلون)	٣٤٣	عشي		ظ	١٩٣	صبغة الله
٢٠٤	قتلى	٣٣٠	غضب	٤٣	ظالم	٥٠٩	صدقات
٣٩٠	قدماوالانفسكم	١١٨-٢٢٢	غلف	٢٢٨-٢٢٢	ظلمات	٥٤٥	صدّيقين
٣٩٣	قربان	٣٢٤	غبي	٤٤	ظن	٨٩	الصّعقة
٣١٢	قرض حسنه	١٨	غيب		ع	١٨٣	صفاء مردة
٢٩٣	قرود		ف	١٩٨	عاد	١٩	صلوة
٢٢١	قريب	٥٢٠	فاحشه	٢٢٩-١٥٢	عاكف	١٨٣	صلوات
٨٩	قديه	١٠١	فارض	٤٨٠-٣	عالمين	٣٠٩	صلوة الوسطى
٢٠٤	قصاص	٣٩	فاسق	٣٠٨	عباد	٣٥	صم
٥١١	قصور نماز	١٣٠	فتنة	٣٠٠-٤	عبادت	٣١٢	صيام
٣٩٨	نقص الحق	٢٢٥	فجر	٤٩	عدل		ض
١١٦	قفينا	١٩٣	فحشاء	٢٩٣ ٣٠٥	عدت		ضال
٥٣١	قوامون	٣١٩	فديه (رافدوا)	١١٣-٩١	عدوان (اعتدوا)	٢٥٠-١١	ضالين
٢٢٥ ٥١٢	قول معرود	٢٢٥ ٢١٤	فرقان	٩١	عصا	٥٨٣	ضرب
٢٢٥	قيوم	٥١	فرقة بكر البحر	٣٩١	طرقة	٢٢٠-٩٣	ضربت على
	ك	٩٠	نشق	٢٣٩	عرفات	٤٣٠	ضلوا
٢٥٤	كاظمين الغيظ	٢٣٠	فقراء	٢٨٠	عفو		ط
٢٠٢	كافة	٢٢٠ ٥٤٤	فضل	٢٠٣	على حبه	٢٢١ ٥٥٣	طاغوت
٥٢٥	كباير	٢٢٢	فضلنا	٢٢٢-١٨٣	عمرة	٢١٢	طالوت
١٦	الكتب	٤٠	فضيلت	٣٥	عمل صالح	١٥٢	طائف
١٢٤	كتب الله	٢٢	فلاح	٣٥	عمى	٣٥٠	طائفين
٢٠٤ ٥٤٠	كتب عليكم	٣٤	فوق	١٠١	عدوان	٤٢٢	طبع
٢٢٥	كُرسى	١١٠ ٢٢٢	في سبيل الله	٤٠٠-٥٠	عهد	٢٢	طغيان
٢٢	كفروا (كفروا)		ق	١١٦ ٣٩٩	عيسى	٢٩٣	طلاق
٥٢	(يكفرون)	٢٢٢ ٢٢٤	قاتلوا		غ	١٨٢	طوان
٢٢	(الذين كفروا)	١٢٢ ٣٠٩	قانت	٤٠٢	غرود	٩٤	طود

صفحة	لفظ	صفحة	لفظ	صفحة	لفظ	صفحة	لفظ
٢٢٢		١٨٢	مصيبة	٢٨٨	متطهرين	٢٨٩	كلمة
٢٢٥	ميقات	٢٩٢	مطلقت	٥٨٢	متعديدا	٢٤	كلمات
	ن	٢٥٢	معدودات	٢٠٤	متعوهون	٢٢٤-٥١٤	كلا له
٢٠	الناس	٢٩٤	معروف	٢٠-١٤	منتقين	٢٢٩	كلم الله
٥٩٠	نجوى	٥٨٢	مغانم	٢٢-٢٢	مثل	١٢٢	كن فيكون
٢٢١	نذر	٢٢٥	مغفرة	٢٢٥	مثل ريم		ل
١٢٥	نذير	١١	مغضوب	١٥١	مثابه	٢٢٤	زكراه
٨٤	نرى الله	٢٢	مفلحون	٢٨٢	محراب	٢٢٥	را تلقوا بايد ليكم
٥٤	نسبح	١٥١	مقام ابراهيم	٥٩	محسن	١١٢	را تلتفون
٢٢٢	نشد	٥٢٤	مقتا	٥٢٩ ٥٢١	محسبات	١١٥	لا هم ينصرون
٤٠٤	نشوز	٢٩٢	مكر	٢٨٤	محيض	٢٢٢	لباس
٩٥	نصادى	٢٢٢-٥٢	ملككة	٢٤	مُحيط	١٩٤	لحم الخنزير
٤٠	نعنتى	١٢٤	ملة	٢٤٢	محسبات	٢٠	نعل
٥٤	نقدس	٢٢٢-١٢٠	ملة ابراهيم	٢٢٠	مرسلين	١١٥	لعنت
٤٠٢	نقير	١٢٩	ملكين	١١٤	مريم	١٨٥	لعنون
٢٩٨	نكاح	٢٨٢	من	٢٠٤	مس	٢٩٢	لغو
٩٩	نكالا	٨٨	من وسلوى	١٢٠	مسجد	٢٢٢	لله
١٢٢	نسخ	٢٤٤	منذرين	٩٢	مسكنة	٢٢٠	لثلا
٢١٤	النهر	٢٥٢	مناسك	٢٠١	مسلما	٢٢٥	ليل
	و	٥٤٩-٢٤	مناق	١٥٢	مسلمين		م
٢٠٢	والدات	١٥٥	منهم	٢٨٩	مسيح	١٩٤	ما اهل به
٢٠٢	دارث	٢٢٠	مواقيت	١٤١ ٢٢٥	مسجد الحرام	٤	مالك
١٢١-١٢٨	وجهه	٨٢	موسى	١٢٢	مشركين	٢٤٤	مالك الملك
١٢٤	دوار ظهورهم	١٨٢	مهتدون	٢٢٩	مشعر الحرام	٢٩٤	مباهله
١٢٨	دسطا	٢٩٠ ٥٩٠	مهين	٢٤٠	مصدق	٢٤٤	مبشرين
٢١٠-٢١٠	دصية	١٩٤	ميتة	٩٢	مصر	٢٩٥	متاع الغرود
٥٨٤	دقم	١١١-٢٩٤	ميتات	٢٠	مصلحون	٢٤٢	متشابه

صفو	لفظ	صفو	لفظ	صفو	لفظ	صفو	لفظ
۹۴	يُكْفِرُونَ	۲۱۲	يُتَجَبَّوْا إِلَى	۲۰۵-۲۹۴	يُتَوَصَّن	۳۲۸	دلی
۲۰	يُنْفِقُونَ	۳۱۲	يُضْعِفُهُ	۵۱۹	يُتَعَدَّ	۳۶۰	دھن
۴۹	يَوْمَ	۱۸۴	يَطْوُونَ	۱۵۵	يَتْلُوا عَلَيْهِمْ		ھ
۶	يَوْمَ	۲۱۴	يَطْبِقُونَهُ	۲۸۲	يُتِيمٍ	۹۵	ھادوا
۳۲۲	يَوْمَ	۷۷	يُظَنُّونَ	۱۰۷	يُجَاوِزُكُمْ	۶۷-۶۵	ھبوط
۳۸۴	يَوْمَ التَّقِيْلِ الْجَمْعِ	۱۵۷	يُعْقَبُ	۱۰۶	يُجْرُونَ	۹	ھدایت
		۱۵۵	يُعَلِّمُهُمُ الْكُتُبَ	۱۵۶	يُرْغَبُ	۲۱۷	ھُدًى
۵۱۴	يُوصِيكُمْ	۳۲	يُعْمَهُونَ	۱۵۴	يُرْفَعُ	۳۴۲	ھُدًى
۲۲	يُؤْتُونَ	۹۰	يُفْتَقُونَ	۱۵۵	يُرْكَعِيهِمْ	۶۳	ھذہ الشجرہ
۱۸	يُؤْمِنُونَ	۹۴	يُقْتَلُونَ	۲۸۹	يُسَارِعُونَ	۵۰۹	ھنبياً مورياً
۲۲۲	يُؤْمِنُوا بِأَنَّا	۱۹	يُقِيمُونَ	۱۱۵	يُسْتَفْتَحُونَ		ی
۲۹۳	يُؤَلِّوْنَ	۵۹۶	يُكْسَبُ	۶۰۶	يُسْتَفْتَحُونَ	۵۰۷	یتاغی

میں نے اس پہلی منزل درس قرآن کے متن کو حرفاً حرفاً پڑھا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اب اس کے متن میں کوئی غلطی نہیں ہے

محمد اقبال غفرلہ

مدرسہ شجہ تجوید - مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کنڈی گراں

لاہور

فہرست اسماء و اعلام منزل اقل

رسوۃ الفاتحہ۔ البقرہ۔ آل عمران اور النساء میں استعمال شدہ اسماء

مع نام سورت و نمبر آیت

موسیٰ: البقرہ۔ ۵۱-۵۲-۵۳	عرفات: البقرہ۔ ۱۹۸	بابل: البقرہ۔ ۱۰۲	آدم: البقرہ۔ ۳۱-۳۲-۳۳
۴۷-۴۱-۴۰-۵۵	عمران: آل عمران۔ ۳۵	بدر: آل عمران۔ ۱۲۳	۳۴-۳۵
۲۲۸-۹۲-۸۷	عیسیٰ: البقرہ۔ ۸۷-۲۵۳	بکۃ (مکہ): آل عمران۔ ۹۶	آل عمران۔ ۳۳
النساء۔ ۱۵۳-۱۶۲	آل عمران۔ ۲۵-۵۳	توراة: ۳۸-۴۵-۹۳	آل ابراہیم: آل عمران۔ ۳۳
آل عمران۔ ۸۲	۵۹-۵۵	جالوت: البقرہ۔ ۲۲۹-۲۵۰	آل عمران: ۳۳
میکیل (میکائیل): البقرہ۔ ۹۸	۸۲	۲۵۱	آل فرعون: البقرہ۔ ۲۹-۵۰
نضری: البقرہ۔ ۱۱۲-۹۲	النساء۔ ۱۵۷-۱۶۳	جبریل: البقرہ۔ ۹۷-۹۸	آل عمران۔ ۱۱
۱۲۵ ۱۲۰	۱۷۲-۱۷۱	حج: ۱۸۹-۱۹۶-۱۹۷	ابراہیم: البقرہ۔ ۳۳-۱۲۳
۱۳۰	فرقان: البقرہ۔ ۱۸۵	حواری: آل عمران۔ ۵۲	۱۳۰-۱۲۷-۱۲۶-۱۲۵
نوح: آل عمران۔ ۳۳	آل عمران۔ ۲	خنزیر: البقرہ۔ ۱۷۳	۲۶۰-۲۵۸-۱۳۰
النساء۔ ۱۶۳	قرآن: البقرہ۔ ۱۸۵	داؤد: النساء۔ ۱۶۳	آل عمران۔ ۶۸-۶۷
ماروت: البقرہ۔ ۱۰۲	النساء۔ ۸۲	رمضان: البقرہ۔ ۱۸۵	۹۷-۹۵-۸۲
مارون: ۲۳۸	ماروت: البقرہ۔ ۱۰۲	روح القدس: البقرہ۔ ۸۷-۲۵۳	النساء۔ ۱۶۳
النساء۔ ۱۶۳	محمد: آل عمران۔ ۱۲۲	زبور: النساء۔ ۱۶۳	ابلیس: البقرہ۔ ۳۲
یحییٰ: آل عمران۔ ۳۹	مروہ: البقرہ۔ ۱۵۸	زکریا: آل عمران۔ ۳۷-۳۸	اسحق: البقرہ۔ ۱۲۰
یعقوب: البقرہ۔ ۱۲۰	مریم: آل عمران۔ ۳۶-۳۷	سلیم: البقرہ۔ ۱۰۲	آل عمران۔ ۸۲
آل عمران۔ ۸۲	۲۵-۲۳	النساء۔ ۱۶۳	اسلام: آل عمران۔ ۱۹-۸۵
النساء۔ ۱۶۳	مسجد: البقرہ۔ ۱۸۷	شیطین: البقرہ۔ ۱۰۲-۱۶۸	اسماعیل: البقرہ۔ ۱۳۷-۱۳۰
یونس: النساء۔ ۱۶۳	مسجد الحرام: البقرہ۔ ۱۹۱-۱۹۶	صائبین: ۶۲	آل عمران۔ ۸۲
ہود: البقرہ۔ ۶۲-۱۱۱	۲۱۷	صفا: ۱۵۸	النساء۔ ۱۶۳
ہارون (ہارون): ۱۱۳-۱۳۰	مسیح: (دیکھو عیسیٰ)	طالوت: ۲۳۷-۲۳۹	امراة عمران: آل عمران۔ ۳۵
النساء۔ ۲۶	مشعر الحرام: البقرہ۔ ۱۹۸	طور: ۶۳-۹۳	انجیل: آل عمران۔ ۸۲
۱۶۰	مقام ابراہیم: ۱۲۵	النساء۔ ۱۵۲	توبہ: النساء۔ ۱۶۳

تَعَوُّذٌ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○
 میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی سے شیطان مردود

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○
 میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق وہ بھی ہے جسے شیطان کہتے ہیں۔ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے جب فرشتوں در آدم علیہ السلام میں مقابلہ ہوا۔ اور حضرت آدمؑ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سب کے سب آدمؑ کے آگے جھک جائیں چنانچہ ان سب نے انہیں سجدہ کیا۔ مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ اس کے اندر تکبر کی بیماری تھی۔ جب اس سے جواب طلبی کی گئی۔ تو اس نے کہا۔ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ اس لئے میں اس سے بہتر ہوں۔ آگ مٹی کے آگے کیسے جھک سکتی ہے؟ شیطان کو اسی تکبر کی بنا پر ہمیشہ کے لئے مردود قرار دے دیا گیا اور قیامت تک کے لئے اس پر لعنت کی گئی۔

اب شیطان نے اپنی اس ذلت کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ کسی نہ کسی طریقہ سے حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی حوا کو جنت سے نکلوا دیا۔ اور اس نے اس بات کا اعلان کر دیا۔ کہ میں قیامت تک آدمؑ کی اولاد کو صحیح راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان ہمارا مستقل دشمن ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ اس طرح اللہ کے حضور میں دعا کریں۔ "اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے دوسوں سے۔ اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آئے"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان تمہارے رگ دریشہ میں اس طرح اثر کرتا ہے۔ جس طرح کہ خون تمام جسم میں دوڑتا ہے۔ شیطان آدمی کو دیکھتا ہے۔ مگر آدمی شیطان کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہ اس کے حملہ سے آسانی کے ساتھ بچاؤ کر سکتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ شیطان کے اثر سے پناہ مانگے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب میں یہ بات شامل ہے کہ تلاوت کی ابتداء میں

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

پڑھا جائے۔ تاکہ خدائے بزرگ و برتر ہمیں اپنی پناہ میں لے لے اور اس نیک کام میں شیطان کو بہکانے اور پھیلانے کا موقع نہ ملے۔ آیات کی غلط تاویل سے معنوں کی حقیقت بدل جاتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی گمراہیوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

سورة الفاتحة مكية وهي سبع آيات

تسبيح

ب۔ اِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
 ساتھ نام اللہ بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
 اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے تین نام بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ۔ رَحْمٰن۔ رَحِیْم۔

اللہ: ایسا نام ہے جو صرف اسی کی ذات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کسی اور کو اس نام سے نہیں پکارا جاتا۔ اسے اسم ذات کہتے ہیں۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ زمین بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور آسمان بھی۔ دریا، پہاڑ، نباتات، جہاز، چاند، سورج غرض ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی کی قدرت سے چاند اور ستارے روشن ہوتے ہیں۔ پرندے اسی کے حکم سے اڑتے ہیں۔ وہی بارش برساتا ہے۔ اور ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔

رَحْمٰن: (بہت مہربان) اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ یہ اس کی رحمتِ عامہ کا اظہار ہے۔ کہ وہ سب پر یکساں رحم فرماتا ہے۔ اس کی ہوا، بارش اور دوسری مہربانیاں نیک و بد پر یکساں ہوتی ہیں اور وہ بن مانگے ہم پر بے شمار انعام فرماتا ہے۔

رَحِیْم: (نہایت رحم کرنے والا) یہ اللہ تعالیٰ کا دوسرا صفاتی نام ہے۔ اور اس کی خاص رحمت کا اظہار ہے۔ وہ اپنے بندوں پر خصوصی انعام فرماتا ہے۔ ایک نیکی کے بدلے میں ستر بند درجے بخشتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی کام شروع کرتے تو اس سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ لیا کرتے تھے۔

جب ہم اس کا نام لے کر کسی کام میں ہاتھ ڈالیں گے۔ تو گویا ہم یہ کہیں گے۔ کہ میرا دل بالکل پاک ہے۔ میری نیت میں پورا پورا خلوص ہے۔ میرا مقصد اعلیٰ ہے۔ میں صرف اللہ کا بندہ ہوں اور شرک سے پوری طرح بیزار ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم ہے۔ تو ہمیں اسی کی رحمت پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ بہت نہ ہارنی چاہیے۔ اور ڈر لوک بن کر پیچھے نہ ہٹنا چاہیے۔ جب ہم اس طرح اللہ کی رحمت پر توکل کریں گے۔ تو ہر کام میں یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ اگر کسی کام کے شروع کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ تو اس کام میں خدا کی برکت شامل نہ ہوگی۔ اور اس سے دل کو اطمینان حاصل نہ ہوگا۔

ہم درس قرآن کی ابتداء اسی کے نام سے کرتے ہیں۔ اس کی مدد یقیناً ہمارے ساتھ ہوگی اور ہم اپنی زندگی میں کامیاب ہوں گے۔

سُورَةُ فَاتِحَةٍ — تَعَارُفٌ

سورة فاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ ہے۔ ہم اس سے متعلق چند ضروری باتیں بیان کرتے ہیں۔ یہ مکی سورۃ ہے فاتحہ کے معنی ہیں ابتدا کرنے والی۔ یہ سورۃ قرآن مجید کے شروع میں آئی ہے۔ اس لئے اسے الفاتحہ کہتے ہیں۔ گویا یہ قرآن مجید کا دیباچہ ہے۔ اس کا نام آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تجویز فرمایا۔ اس کے اور بھی کئی نام ہیں۔ مثلاً سُورَةُ الشَّفَاءِ کہ اس کی تاثیر سے رُوحانی اور جسمانی شفا حاصل ہوتی ہے۔ اُمّ القرآن کہ یہ قرآن کی اصل ہے اور قرآن مجید کے سب علوم اس میں جمع ہیں۔ تعلیم المسئلہ کہ اس میں خدا تعالیٰ نے بندوں کو سوال کرنا سکھایا ہے۔ السبع المثانی کہ اس کی بات آستیں ہیں اور وہ بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ الحمد کہ اس میں خدا کی خوبیوں کا بیان ہے۔ اسی طرح الکافیہ، الكنز الاساس اور الصلوٰۃ وغیرہ بھی اس کے نام ہیں۔ جن سے اس سورۃ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سورۃ کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ یہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے گو مختصر ہے مگر مضامین اور معانی کے لحاظ سے گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔

اگر ہم قرآن حکیم کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو یوں کہیں گے کہ قرآن کریم میں تین مضمون بیان کئے گئے ہیں اور ان کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ زمین و آسمان اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ واحد ہے اور تمام چیزوں کی وہی نگہبانی اور پرورش کرتا ہے۔ دوسرا مضمون یہ ہے کہ ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے۔ اور قیامت کے روز تمام لوگوں کو اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جہاں کاموں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔ اور انہی کے مطابق جزا اور سزا دی جائے گی۔ تیسرا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ کی طرف سے رسول بھیجے گئے ہیں جو لوگوں کو سیدھی اور غلط راہ میں فرق بتلاتے رہے اور نیکی کی ہدایت کرتے رہے۔ قرآن مجید کے یہ تینوں مضامین سورۃ فاتحہ میں چند جملوں کے اندر بیان کر دیئے گئے ہیں۔

جناب ابی سعد بن معنی سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہیں مسجد سے باہر جانے سے پیشتر قرآن کی ایک اہم سورۃ بتاؤں گا۔ آپ میرا ہاتھ پکڑ کر چلے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ سورۃ الحمد ہے جس کی سات آستیں ہیں اور وہ بہت بڑا اور دہے۔ جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔ جناب عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریلؑ حاضر تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مشرکہ ہو کہ آپ کو خدا نے دو نور عطا فرمائے۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ ایک سورۃ الفاتحہ اور دوسرا سورۃ البقرہ۔

آپ نے دیکھا کہ یہ سورۃ کس قدر فضیلت والی ہے۔ گویا سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ اس سورۃ کو خاص توجہ اور غور کے ساتھ پڑھنے، سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہم سب کو توفیق بخشے۔

رَبُّ الْعَالَمِينَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ - رَبِّ - الْعَالَمِينَ ① الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ①

تمام خوبیاں اللہ کے لئے رب تمام جہانوں کا تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اس آیت میں چند لفظ آئے ہیں۔ پہلے آپ ان کا مطلب سمجھ لیجئے۔

الْحَمْدُ (ال تمام حمد تعریفیں اور خوبیاں) عربی زبان میں ال تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تمام، خاص اور جو یہاں پہلے (تمام) معنوں میں آیا ہے۔ حمد سے مراد تعریف اور خوبی ہے۔ جو مدح اور شکر سے بلند تر ہے۔
اللَّهُ خدا کا اسم ذات ہے۔ کسی اور کے لئے اس کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ نہ کبھی خدا کے سوا کسی اور کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ کسی اور لفظ سے نہیں بنا۔ یہ نام اُس کی ذات پاک کے لئے مخصوص ہے۔
رب سے مراد وہ ذات پاک ہے۔ جس نے سب چیزوں کو وجود عطا کیا۔ پھر ایک حال سے دوسری حالت کی طرف ترقی دی۔ یہاں تک کہ درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

عَالَمِينَ سے مراد ہے تمام خلقت۔ تمام موجودات۔ تمام جماعتیں اور تمام جہان۔ عالمین کا واحد عالم ہے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی پہچان کرائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے۔ کہ حمد و ثنا و حقیقت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اگر کوئی حاکم انصاف کرتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے صفت عدل اس کے اندر رکھ دی ہے کسی کے ہاتھ میں اگر شفا ہے۔ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطا کر دیا ہے۔ کوئی حسین اور خوبصورت ہے یا کسی کی عادت پاکیزہ ہے تو اس کے لئے بھی صفت و ستائش کی اصلی حق دار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ یہ اسی کا عطیہ ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، کسی مخصوص قوم یا قبیلہ کا خدا نہیں۔ اسلام سے قبل جتنے مذہب موجود تھے۔ وہ اس وسیع تصور سے واقف نہ تھے۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا سمجھتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ بنی اسرائیل جیسی توحید پرست قوم بھی اسے صرف اپنا خدا سمجھتی تھی۔ مگر قرآن نے ان تمام غلط عقیدوں کو مٹا دیا اور بتایا۔ کہ اس کائنات کے ہر ذرہ اور ہر چیز کا خدا ایک ہی ہے۔

ہمیں اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے۔ کہ ہم تمام انسانوں کی خدمت کریں۔ انسانوں کے علاوہ حیوانات سے بھی ہمدردی رکھیں کسی کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

ہمارا تصور محدود نہیں۔ بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ ہمارا اللہ سارے جہانوں کا رب ہے۔ وہ صرف انسانوں کا نہیں بلکہ ساری مخلوق کا پروردگار ہے۔ صرف اس دنیا کا نہیں۔ بلکہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

رحمن ورحیم

الرَّحْمٰنِ - الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

جو رحم کرنے والا جو بڑا مہربان

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾

جو نہایت رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

رَحْمٰن :- یعنی بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ انسان جب دُنیا میں آتا ہے۔ تو وہ جسمانی اور رُوحانی بلاؤں میں گرفتار ہوتا ہے۔ اُسے سینکڑوں چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس دُنیا میں مومن و کافر بڑے بھلے سب بستے ہیں۔ اور سب کو اُس کی رحمت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ نے اپنی صفت رحمان بتائی۔ یعنی وہ بلا تميز شخص پر اپنی رحمت برساتا ہے۔ کسی کو اپنے انعامات سے محروم نہیں کرتا اور بن مانگے انعام واکرام فرماتا ہے۔

رَحِیْم :- یعنی بڑا مہربان۔ اس لفظ سے اُس نے یہ بتایا۔ کہ اللہ لوگوں کو اُن کے حق سے بہت زیادہ دیتا ہے۔ جو اس کے احکام کی پیروی کریں گے۔ اُن پر خاص انعامات فرمائے گا۔ اس نام کو آخر میں لانے سے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ اس دُنیا کے بعد ایک دوسری دُنیا آئے گی۔ اور جب ہم یہاں سے کوچ کر کے اگلے جہان میں جائیں گے۔ تو ہمارے ایمان اور عمل کے لحاظ سے ہم پر اللہ کی خاص رحمت کا ظہور ہوگا۔ رحمانیت اس کی صفت عام ہے اور رحیمیت اس کی صفت خاص ہے۔

رَحْمٰن ہونے کی صورت میں اس نے ہماری ہر حاجت کو پورا کرنے کا سامان کر دیا۔ زمین و آسمان پیدا کئے۔ سورج، چاند اور ستارے بنائے۔ دریا اور سمندر بہائے۔ جنگل پھیلانے اور پہاڑ کھڑے کئے۔ نباتات، جمادات اور حیوانات پیدا کئے۔ اپنی رحمت کا سایہ والدین کے دل پر ڈالا۔ کہ وہ اولاد سے بے غرض اور دلی محبت کرتے ہیں۔ اولاد کو ہر طرح کا آرام پہنچاتے ہیں۔ اللہ کے یہ انعام مسلمان اور کافر سب پر یکساں ہیں۔ نیک اور بد کی کوئی تمیز نہیں۔

رَحِیْم ہونے کی صورت میں ہمارے نیک کاموں کا اجر زیادہ سے زیادہ دیتا ہے۔ اور اس دُنیا کے بعد بھی ہمیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا۔ اور جنت کا وارث بنائے گا۔ وہ چھوٹے چھوٹے کاموں کے بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔ معمولی معمولی نیکیوں کے اجر زیادہ سے زیادہ دے گا۔

اللہ کی ان صفتوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ ہم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئیں۔ اُن کی جو ضرورت ہم ٹپدی کر سکتے ہوں۔ اُن کی مدد کریں۔ اور اُن کی لغزشوں سے درگزر کریں۔ تاکہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا اظہار ہو۔ اور اُس کی مخلوق راحت حاصل کرے۔

جزا و جزا

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣﴾

وہ بدلہ کے دن کا مالک ہے۔

مَلِكِ - يَوْمِ - الدِّينِ ﴿٣﴾

مالک دن بدلہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ بدلہ کی گھڑی کا مالک ہے۔ آپ ان لفظوں کے معنی سمجھ لیجئے۔

مَالِك: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کوئی حاکم یا قاضی کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو۔ بہر حال اُس کے اختیارات محدود ہی ہوتے ہیں۔ اور وہ مجرم کو قانون کے مطابق سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مالک کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جسے پورے پورے اختیارات حاصل ہیں۔ چاہے تو وہ مجرم کو بخش دے۔ چاہے تو سزا دے۔ اُس پر کوئی حاکم نہیں۔

دِین: اس کے لفظی معنی جزا اور بدلہ کے ہیں۔ اور قیامت کو روزِ جزا اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ حساب اور بدلہ کا دن ہوگا۔ روزِ جزا کا مالک ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ اُس روز اس کی صفت مالکیت کو بڑے سے بڑا منکر اور کافر بھی دیکھ لے گا۔ اور کوئی حساب کتاب اور جزا و سزا سے بھاگ نہیں سکے گا۔

دُنیا میں جس قدر نبی آئے۔ وہ سب کے سب لوگوں کو بتاتے رہے۔ کہ ہر انسان اپنے کاموں کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا۔ جب اس سے اس کے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا۔ یہ بدلہ اگرچہ دُنیا میں بھی ملتا ہے۔ مگر پورا پورا قیامت کو ہی ملے گا۔ جبکہ زمین اور آسمان کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ تمام لوگ اللہ کے دربار میں جمع ہوں گے۔ اُس روز اسی کی بادشاہت ہوگی۔ وہ لوگوں کے اچھے کاموں پر ثواب اور بُرے کاموں پر عذاب دے گا۔ اُس روز کسی کو طاقت نہ ہوگی کہ اُس کے فیصلہ کی نافرمانی کر سکے۔ یا اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔ یا مجرم کو زبردستی چھڑا لے جائے۔ یا کچھ معاوضہ دے کر نجات حاصل کر لے۔

جو شخص اُس روز سُرخ روٹھیرا۔ وہ بہت خوش قسمت ہوگا۔ وہ عالیشان باغات اور محلوں میں آباد ہوگا۔ اُس کے لئے قسم قسم کے میوے شہد اور دودھ کی نہریں ہوں گی۔ اس کے برعکس اس روز جو شخص ناکام رہا۔ وہ بہت بد نصیب ہوگا۔ دوزخ کی آگ کے شعلوں میں بھونکا جائے گا۔

اُس دن کی پریشانی اور عذاب سے بچنے کے لئے ہمیں اس دُنیا میں تیاری کرنی چاہیے۔ ہمیشہ ایسے کام کریں۔ جن کا حکم خدا اور اُس کے رسول نے ہمیں دیا ہے۔ تاکہ قیامت کے روز ہمیں شرمساری نہ ہو۔ جہنم کے ہولناک عذاب سے نجات حاصل ہو۔ اور جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں حاصل ہوں۔

عبادت

إِيَّاكَ - نَعْبُدُ

صرف تیری ہم عبادت کرتے ہیں

إِيَّاكَ نَعْبُدُ

ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں

ہم اللہ کی چار صفتیں پڑھ چکے ہیں۔ وہ تمام بہانوں کا رب ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اپنی ترقی اسی کی مدد سے پاتی ہے۔ وہی ہر ایک کی ضرورتوں کا پورا کرنے والا ہے۔ وہ بے حد مہربان ہے۔ اپنی رحمت سے ہر شخص کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ ہر قسم کی مشکلات دُور کرتا ہے۔ وہ رحیم بھی ہے۔ جو شخص اُس کے حکم ماننے اور اس کے بتلائے ہوئے قانون کے مطابق عمل کرے۔ وہ اُسے اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اور اس دُنیا سے کوچ کرتے کے بعد اُسے دوسری دُنیا میں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا۔ وہ بدلہ کی گھڑی کا مالک بھی ہے۔ اس دُنیا میں بھی ہمارے کاموں کے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ اور اُن کا بدلہ دیتا ہے۔ اور قیامت کے بعد بھی ہمارے اعمال کا ٹھیک ٹھیک بدلہ دے گا۔ اچھے کاموں کی جزا اور بُرے کاموں کی سزا دے گا۔

اللہ کی یہ صفات بیان کر کے اس آیت میں اب بندوں کو اُن کا فرض بتایا گیا ہے۔ کہ وہ صُبح و شام سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے صرف اسی ایک اللہ کی اطاعت اور بندگی میں مصروف رہیں۔ ہر وقت اسی کو پکاریں۔ مصلحت کی گھڑی میں اسی سے فریاد کریں۔ اور آرام و سکون کے وقت اسی کا شکر ادا کریں۔ تمام بھوٹے معبودوں سے ہٹ کر صرف اسی کی عبادت کریں۔

عبادت کے معنی بندگی۔ اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔ اور اس سے مراد نہایت درجہ کی عاجزی اور انتہائی انکسائی ہے۔ جو کسی کی تعظیم کے لئے عمل میں آئے۔ گویا ہر حرکت کرتے وقت انسان اللہ کی عبادت میں لگا رہے۔ اسلام نے عبادت سے صرف پرستش اور بندگی مراد نہیں لی۔ بلکہ عبادت میں بندگی کے علاوہ کامل اطاعت اور فرمانبرداری کو شامل کیا۔ مقصد یہ ہے کہ انسان ہر کام اللہ کے حکموں کے مطابق کرے۔ اور کوئی بات اُس کی مرضی کے خلاف نہ کرے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ (ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور آئندہ بھی تیری ہی اطاعت کریں گے) ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ اس میں کسی اور کو شریک نہ کریں گے۔

تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ کس میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہلا سکے اور کسی کو اپنی بندگی پر مجبور کرے؟ یا کسی انسان کے لئے یہ کب جائز ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کے حکموں کو مانے یا اپنی مرضی پر چلے۔ ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں اس کے حکموں کے مقابلہ میں کسی کا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں۔

انسان کی دستگیری

وَ- اِيَّاكَ - نَسْتَعِينُ ﴿٧٠﴾

اور تیری ہی ہم مدد طلب کرتے ہیں۔

وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٧٠﴾

اور ہم تیری ہی مدد طلب کرتے ہیں۔

انسان جب اللہ کو اپنا رب مہربان اور مالک تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنی عاجزی اور بندگی کا اقرار کرتا ہے۔ تو اب بندے کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ کہ وہ اپنی ہر ضرورت کے وقت اسی کو یاد کرے۔ اور اپنے ہر کام میں کامیابی کے لئے اور ہر مصیبت میں بچاؤ کے لئے اور ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اسی آقا کو پکارے۔

وہ اپنی کتاب میں جا بجا یہ وعدہ کرتا ہے۔ کہ اگر انسان پوری طرح خدا کا فرمانبردار ہو کر رہے۔ تو خدا کبھی اُسے نامراد اور ناکام نہیں لوٹائے گا۔ اللہ تمام کائنات کی ہر قسم کی مخلوق کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ بھوکوں کو روزی پہنچاتا ہے۔ بیماروں کو شفا بخشتا ہے۔ یتیموں اور مسکینوں کی نگرانی کرتا ہے۔ دن رات کھلے ہاتھوں اپنی رحمت لٹاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی رحمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اگر زمین و آسمان کے بسے دلے سب اپنی اپنی آرزوؤں کا اظہار اپنے اپنے طور پر اسی کے سامنے کرتے ہیں۔ اور خدا ان سب کو پورا کرتا ہے۔ پھر بھی اس کے خزانے میں اتنی کمی نہیں ہوتی۔ جتنی ایک بڑے سمندر میں ایک سوئی ڈبو کر باہر نکال لینے سے ہو سکتی ہے۔ ہم میں کوئی شخص کتنا بھی امیر ہو۔ وہ اس قدر دولت تقسیم نہیں کر سکتا۔ اور اگر جراثیم کرے بھی۔ تو اس کا خزانہ پل بھر میں ختم ہو جائے گا۔ اور آخر کار وہ بھی خدا ہی سے مانگنے پر مجبور ہوگا۔

اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ، عربی میں سادہ طور پر اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ نَسْتَعِينُكَ کہا جاتا ہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے معنی میں خاص زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ فرمایا۔ اب اس کے معنی یہ ہو گئے کہ ہم سب کو بھپوڑ کر تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

انسان کی بے بسی اور بے چارگی کا تقاضا ہے۔ کہ وہ کسی ضرورت کے لئے خدا کے سوا کسی اور سے مدد نہ مانگے۔ ہر امتحان میں اسی کا سہارا ڈھونڈے۔ ہر مصیبت میں نجات اسی سے طلب کرے۔ ہر مہم میں کامیابی کے لئے اسی کو پکارے۔ اس کے سوا کون ہے جو اُس کے دردِ دل کا درماں بن سکے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس بات کا وعدہ کرے کہ وہ کبھی کسی سے نہیں مانگے گا۔ اس پر تمام صحابہ نے عہد کیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگیں گے۔ چنانچہ ان صحابہ نے زندگی بھر کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ بعض لوگوں نے یہاں تک کیا کہ اگر سواری پر بیٹھے ہوئے چابک گر جاتا۔ تو کسی سے چابک اٹھا کر دینے کو نہ کہتے۔ بلکہ خود اترتے اور چابک اٹھاتے۔

یہ ہے ہمارے بزرگوں کا عمل۔ ہم بھی اسی راہ پر چل کر اپنی دنیا اور آخرت کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔

سیدھا راستہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾
تو ہدایت دے ہم کو راستہ سیدھا تو میں سیدھے راستہ کی ہدایت دے

ہم نے اللہ کو اپنا رب، مالک اور مہربان تسلیم کر کے اس کے ساتھ اقرار کیا۔ کہ ہم صرف اسی کی اطاعت اور بندگی کریں گے۔ اور اسی سے ہر وقت مدد مانگیں گے۔ اب ہماری یہ آرزو ہے۔ کہ ہمارا آقا ہماری رہنمائی کرے اور ہم بھولے سے بھی کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ جو اس کی ناراضگی کا سبب ہو۔ اس کے لئے ہمیں ایسی راہ کی ضرورت ہے۔ جس پر چل کر ہم اُس کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ اور جو ہمیں بالکل سیدھا اُسی تک پہنچا دے۔

اِهْدِنَا (ہدایت دے) ہدایت عربی زبان کا ایک بڑا جامع لفظ ہے۔ اس کے معنی میں کئی باتیں شامل ہیں۔ (۱) راستہ دکھانا۔ (۲) راستہ پر چلانا۔ (۳) منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ یعنی دُعا یہ ہے۔ کہ ہمیں اگر راستہ معلوم نہ ہو۔ تو وہ دکھا دے۔ اور جو راستہ کا علم رکھتے ہیں۔ انہیں اُس پر چلنے کی توفیق بخش۔ اور جب نیک راستہ پر چل رہے ہیں۔ تو اس پر قائم رکھ۔ تاکہ اپنی کامیابی کی منزل کو پالیں اور راستہ ہی میں نہ رہ جائیں۔

یہ راہ ہم اپنے علم اور اپنی عقل سے دریافت نہیں کر سکتے۔ چونکہ علم محدود ہے اور عقل ناقص ہے۔ اس لئے ہم اسی سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے علم کی بنا پر ہمیں ایسی راہ بتا دے۔ جس میں کوئی کمی نہ ہو۔ کوئی اونچ نیچ نہ ہو۔ کہیں ٹھوکر لگنے کا ڈر نہ ہو۔ زندگی کا مکمل دستور العمل ہو۔ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ میں ہدایت کا ایک مکمل قاعدہ ہو۔ یہ دُعا ہم جمع کے صیغے میں اس لئے کرتے ہیں۔ تاکہ ہر شخص کا ذاتی تعلق پوری امت سے قائم رہے۔ عبادت کرتے ہیں تو ہم سب۔ مدد مانگتے ہیں تو ہم سب۔ ہدایت کی درخواست کرتے ہیں تو ہم سب۔ بل چل کر رہنے کی ایسی تعلیم اسلام کے سوا کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

یہ دُعا کس قدر جامع اور مکمل ہے۔ اللہ ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ کون سا ایسا وقت ہے جب انسان کو صحیح راہ اور درست طریقہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کھانا، پینا، لکھنا، پڑھنا، چینا، پھرنا، خرید و فروخت، حکومت و سلطنت کے کام، عدالت اور مقدمات کے فیصلے۔ غرض زندگی کا ایسا کون سا مسئلہ ہے۔ جس میں انسان کو صحیح رہنمائی درکار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا ہر نماز میں مقرر کر دی۔ تاکہ صبح و شام اور رات دن ہر وقت انسان زندگی کے معاملات میں اللہ سے رہنمائی اور اور توفیق عمل طلب کرتا رہے۔

ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو دُعا تلقین کی ہے۔ مگر کوئی روٹی مانگتا ہے۔ کوئی طاقت کے لئے دُعا کرتا ہے۔ کوئی دل کی روشنی چاہتا ہے۔ کوئی گناہوں کی معافی کے لئے دُعا کرتا ہے۔ ہمارے پروردگار نے ہمیں ایک جامع اور مکمل دُعا بتلائی کہ ہر دم ہر کام میں صحیح اور درست راہ معلوم کرنے اور اُس پر چلنے اور قائم رہنے کی دُعا کرو۔

انعام پانے والوں کا راستہ

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۗ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۗ
راستہ ان لوگوں کا تو نے انعام کیا پر وہ

اس سے پہلی آیت میں ہم نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ہمیں سیدھی راہ دکھائے۔ اب سیدھی راہ کی مزید تشریح اس آیت میں کی گئی ہے۔ مکمل تعلیم اور ہدایت کی ساری ساری باتیں قرآن مجید میں آگئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان ہدایتوں کے عملی نمونے بھی انسانوں میں کثرت سے بھیج دیئے۔ تاکہ ان کی پاکیزہ زندگی سامنے رکھ کر صراطِ مستقیم پر چلنا ہمیں اور زیادہ آسان ہو جائے۔ چنانچہ ہمیں دُعا بتلائی۔ کہ وہ ہمیں ایسے لوگوں کے نقش قدم پر چلائے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام نازل فرمایا۔ ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر قرآن مجید کی سورہ نساء کی آیت ۶۹ میں موجود ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "اُن لوگوں کے

ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالح اور ان کی رفاقت کیسی اچھی ہے" (۶۹: ۴)

نبی: اس برگزیدہ شخصیت کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے چن لیا ہو۔ نبی کی تعلیم میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ اور معصوم ہوتا ہے۔ بے شمار انبیاء کی زندگی کے واقعات قرآن مجید میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ نبیوں کی اس پاکیزہ جماعت کے سب سے بڑے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ کی مبارک سیرت کی ایک ایک بات محفوظ ہے۔ اور ہر بات کی پیروی ہماری زندگی میں کامیابی اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

صدیق: انبیاء کے بعد دوسرے درجہ پر ہیں۔ یہ لوگ نبیوں کی تعلیمات کے ذریعے بڑے اونچے درجہ کو پہنچتے ہیں جیسا

کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر کہلائے۔

شہداء: وہ بزرگ کہلاتے ہیں۔ جن پر نبیوں کی تعلیم سے ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ ان کو ثواب اور اللہ کے وعدوں پر پورا یقین ہوتا ہے۔ اور وہ یہاں تک آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اُن لوگوں کو اللہ ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے۔

صالحین: وہ لوگ ہیں جو انبیاء کی پیروی ہر ممکن طریق سے کرتے ہیں۔ یہ سبھی لوگ اپنے اپنے درجہ میں بعد میں آنے والوں

کے لئے نمونہ کا کام دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ سیدھی اور درست راہ وہی ہے۔ جس پر یہ انعام یافتہ لوگ چلے ہیں۔ اُنہی کے نقش قدم پر چل کر کامیابیاں حاصل ہوں گی۔

گمراہوں کا راستہ

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ - وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٤٠﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٤٠﴾
 نہ غضب کیا گیا جن پر اور نہ گمراہ نہ ان کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے

سورہ فاتحہ میں ہمیں یہ دُعا بتلائی گئی ہے۔ کہ "اے ہمارے رب ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اُن لوگوں کی راہ جو دُنیا و آخرت میں تیرے انعام کے مستحق ہوئے۔ جن پر ہمیشہ تیری برکتیں نازل ہوتی رہیں۔ اس آیت میں بتلایا کہ یہ بھی دُعا کر۔ کہ "اے اللہ ہمیں اُن لوگوں کی راہ سے بچا جو مغضوب اور گمراہ ہوئے۔"

مَغْضُوبٌ، (غضب سے ہے) یعنی وہ لوگ جو اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور عذاب نازل ہوا۔ جنہوں نے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی۔ نبیوں کو بھٹلایا اور حق کو پہچان لینے کے بعد بھی اُس کو مٹانے کی کوشش کی۔ جنہوں نے تیری تشبیہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور جان بوجھ کر اپنے کاموں کی وجہ سے تیرے غصہ اور غضب کا نشانہ بنے۔

الضَّالِّينَ: (گمراہ) اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو غلط راہ پر پڑ گئے۔ یہ گمراہی اس طرح ہوتی ہے۔ کہ ہدایت کے اسباب تو تیسرے ہیں۔ مگر جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کیا جائے۔ یہ بات کبھی ذاتی خواہشوں میں پھنس کر اخلاق و روحانیت کو چھوڑ دینے سے، کبھی مال و دولت کی حرص سے، کبھی غلط رسموں اور بُری عادتوں میں پڑ جانے سے اور کبھی بُری صحبت سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی پوری مثال یہودی ہیں جو اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔ اس بات کی تائید میں حدیثیں بھی آئی ہیں۔ یوں یہ آیت ان سب کے حق میں عام ہے۔ جو شرارت اور ذاتی بُرائی کی وجہ سے سچائی کی مخالفت جان بوجھ کر کرتے رہے۔ اور اُن پر اللہ کا عذاب آیا۔

مفسرین کے نزدیک الضَّالِّينَ کی ظاہری مثال عیسائیوں کی ہے۔ جو ایک نبی کو مان لینے کے بعد بھی گمراہی میں جا چلے اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے علاوہ جو قوم بھی حق کی راہ سے بھٹکے گی۔ گمراہ کہلائے گی اور الضَّالِّينَ کی فہرست میں شمار ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسے تمام لوگوں سے بچائے جن پر اُس کا غصہ اور غضب ہوا۔ جو عملی غلطیوں کے شکار ہوئے۔ اور جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ اور حقیقہ کی خرابی اور عمل کی بُرائی کا شکار ہوئے۔

آمین (خدا کرے ایسا ہی ہو)

سُورَةُ فَاتِحَةٍ كَاخْتِصَارِهِ

سورۃ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ ہے۔ اسی لئے الفاتحہ (کھولنے والی اور پہلی سورۃ) اس کا نام رکھا گیا۔ یہ سورۃ ایک طرح سے کتاب اللہ کا دیباچہ اور خلاصہ ہے۔ اس سورۃ میں مختصر طور پر ان مضامین کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ جن کا مفصل ذکر قرآن حکیم میں آئے گا۔ اسی بناء پر اس کے دوسرے نام۔ اتم القرآن، الکنز اور اساس القرآن ہیں۔ جب ہم سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں تو سب سے پہلے یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ تمام خوبیاں اللہ کے لئے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ کہ جب وہ ہماری تمام ضرورتوں کا ضامن ہے تو ہمیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سیدھی راہ سے کبھی بھی ادھر ادھر نہ ہونا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ دھوکہ، فریب، جھوٹ اور ناجائز ذریعہ ہرگز استعمال نہ کریں۔ جب ہماری حاجتوں کا پورا ہونا یقینی اور اٹل ہے تو انہیں غلط طریقہ سے کیوں پورا کیا جائے۔

اس کے بعد ہم نے پڑھا کہ وہ رحمن اور رحیم ہے۔ اپنی بے حساب رحمت سے کام لے کر اس کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی شے سے لے کر بڑی سے بڑی ہستی پر اپنی رحمتوں کی بارش برساتا ہے۔ ہر بڑے بھلے اور مومن و کافر کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اُس کی رحمت کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ وہ اس دُنیا میں بھی ہم سے مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ اور اس دُنیا کے بعد آنے والی دوسری دُنیا میں بھی ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا۔

پھر ہم نے پڑھا کہ وہ حساب و کتاب کے دن کا مالک ہے۔ اس روز تمام انسان اپنے نامہ اعمال ہاتھوں میں لئے اُس کے حضور میں عاجزی سے کھڑے ہوں گے۔ اور اپنے اپنے کاموں کا بدلہ پائیں گے۔ ہمیں اُس دن سے ڈرنا چاہیے اور نیک عمل کرنے چاہئیں۔

اس کے بعد ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہم صرف اُس ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ہر کام میں اُسی کی مدد مانگتے ہیں۔ زندگی کی ہر مصیبت اور ہر کٹھن منزل پر اُسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ تاکہ وہ ہمیں سیدھی راہ دکھائے۔ جس پر چل کر ہم اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔ یہ راہ اُن لوگوں کی ہو۔ جن پر اُس نے انعامات کی بارش کی۔ اور ان لوگوں کی راہ سے بچائے۔ جن پر اُس کا غصہ اور عذاب نازل ہوا۔ اور ہمیں اس راہ سے بھی محفوظ رکھے۔ جس سے قومیں گمراہی میں گرفتار ہوئیں۔

آمین (خدا کرے ایسا ہی ہو)

سُورَةُ بَقَرَةَ — تَعَارُفٌ وَخُلَاصَةٌ

سُورَةُ الْبَقَرَةِ: قرآن مجید کی دوسری سورہ ہے۔ مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورہ ہے۔ اس میں ۲۸۶ آیات اور ۴۰ رکوع ہیں۔ بقرہ کے معنی ہیں گائے۔ چونکہ اس سورہ میں گائے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام سورہ بقرہ رکھا گیا۔

یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورہ ہے۔ عقائد اور اعمال سے متعلق اہم ترین تعلیمات اس کے اندر آگئی ہیں۔ وایتوں میں آتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے سیکھنے میں کئی سال لگ گئے۔ اس سے مراد الفاظ کا حفظ نہیں بلکہ اس کے حکموں اور مشلوں کا سیکھنا اور سمجھنا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے مضامین کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

اس سورت میں سب سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ قرآن حکیم ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف اور پرہیزگاری کا مادہ ہو۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے۔ کہ قرآن سن کر تین قسم کے لوگ پیدا ہوں گے۔ جیسا کہ دنیا میں بہترٹی تحریک کے سلسلہ میں ہوتا آیا ہے۔ اول مومن جو اس پر تہ دل سے ایمان لائیں گے۔ دوم کافر جو اس کے مخالف ہوں گے۔ اور سوم منافق جو ظاہری طور پر مائیں گے مگر دل سے انکار کریں گے۔ اس کے بعد سب سے پہلا حکم تمام انسانوں کو اللہ کی عبادت کا دیا گیا ہے۔ اور قرآن حکیم کی سچائی ثابت کی گئی ہے۔

چوتھے رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے خلافتِ ارضی کے مستحق ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ایک بڑے خاندان یعنی بنی اسرائیل کی زندگی کا ذکر پانچویں رکوع سے شروع ہوتا ہے۔ اس خاندان میں سینکڑوں نبی اور رسول پیدا ہوئے ہیں۔ اس خاندان کے حالات اللہ تعالیٰ نے سبق آموز طریقہ میں بیان کئے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اپنی لغو حرکات اور خرابیوں کی وجہ سے یہ قوم خلافتِ الہی کے قابل نہ رہی۔

پانچویں رکوع سے پندرہویں رکوع تک بنی اسرائیل کی تاریخ کے کئی واقعات بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً ان کے عہد و پیمانہ کوہ طور پر جلوہ خداوندی۔ سبت (ہفتہ کے دن) کا واقعہ۔ گائے کا واقعہ۔ قتل انبیاء کے حالات۔ سحر اور جادو کی ناپاک کوششیں انبیاء کی توہین کی ناجائز حرکات۔ نجات اور بخشش کے غلط عقیدے۔ وغیرہ

سولہویں رکوع سے بنی اسرائیل کے مزید حالات اور حضرت آدم کی اولاد میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب میں پیدائش کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی خانہ کعبہ کا ذکر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے درجات بیان ہوئے ہیں۔ بیسویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد حلال و حرام کی بحث ہے۔

سورۃ بقرہ — خلاصہ

سورۃ بقرہ کے بیسویں رکوع میں ارشاد ہوا کہ تحقیقی نیکی کیا ہے۔ اس کے بعد چھبیسویں رکوع تک قصاص (بدلہ) میراث روزہ، دُعا، حج، جہاد اور اللہ کی راہ میں مالی قربانی کے مسائل اور اس کے احکام مذکور ہوئے ہیں۔
تائیسویں رکوع سے معاشری اور خاندانی زندگی کے مسائل شروع ہوئے ہیں۔ یعنی نکاح، حیض و نفاس، طلاق، عدت، نکاح ثانی، بچوں کی تربیت اور حق مہر وغیرہ۔

رکوع نمبر ۲۲ میں پھر جہاد کا بیان ہے۔ اور مثال میں حضرت طلوت کا جالوت سے مقابلہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فتح اور شکست، سامان جنگ اور لشکروں کی کمی زیادتی پر منحصر نہیں۔ اکثر چھوٹی فوجیں بڑے لشکروں پر غالب آجایا کرتی ہیں۔ پچوتیسویں رکوع میں آیۃ الکرسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حق و قیوم ہونا اور بہت سی دوسری صفتیں مذکور ہیں۔ اویسہ کہ اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں کیونکہ اس کے دلائل اور خوبیاں واضح ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے چند سبق آموز واقعات مذکور ہیں۔ اثنالیسویں رکوع تک صدقہ و خیرات اور پرمیزگاری کے احکام ہیں۔ سود کی ممانعت ہے اور گواہی کے بارہ میں ہدایات اور قوانین کا بیان ہے۔ تجارت کے چند اصول بھی درمیان میں آگئے ہیں۔

سورۃ کے آخری یعنی چالیسویں رکوع میں ایمان و اسلام کا خلاصہ اور ایک جامع دُعا بیان ہوئی ہے۔ اس دُعا کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ **فَاَنْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ** (ہمیں کافروں کی جماعت پر برتری عطا فرما) یہ قرآن کی دعوت کا نتیجہ ہے۔ گویا قرآن کی تعلیم سے جو قوم پیدا ہوگی۔ اس کے ذریعہ سے اللہ کا قانون کفر پر غالب آجائے گا۔ یہاں اللہ کو ماننے والی قوم اور نہ ماننے والی اقوام کا انجام بتایا گیا ہے۔ مومن کامیاب ہوں گے۔ اور منکر مغلوب اور ناکام ہوں گے۔ سورۃ کا اختتام گویا انہی الفاظ پر ہوا ہے، جہاں سے شروع ہوا تھا۔

یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ یہ خلاصہ محض مضامین کا ایک تصور دلانے کے لئے بیان ہوا ہے۔ ورنہ کلام اللہ کے

حقائق اور کمالات کا خلاصہ چند لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اللہ کا نام لے کر اس سورۃ کے احکام میں غور و فکر کریں۔ اس کی حکمتیں سمجھیں اور ان پر عمل کرنے کے

لئے مکرستہ ہو جائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ وَثَمَانُونَ آيَةً

حُرُوفِ مُقَطَّعَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے جو رحم کرنے والا بہت مہربان ہے۔

الْحَرَفَاتُ ①

الْحَرَفَاتُ ①

سورۃ بقرہ کی ابتدا الحرف سے ہوئی ہے۔ اس قسم کے حروف کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ یعنی یہ حروف اکٹھے لکھے جاتے ہیں۔ لیکن جدا جدا پڑھے جاتے ہیں۔ یہ حروف (التم) اس سورۃ کے علاوہ پانچ اور سورتوں کی ابتدا میں آئے ہیں ان حروف کے علاوہ اس قسم کے کچھ اور حروف بھی ہیں۔ جو قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی ابتدا میں شامل ہوئے ہیں۔ حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتوں کی کل تعداد ۲۹ ہے۔

الحرف کے معنی کیا ہیں؟ اس بارہ میں کوئی قطعی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحابہ اور علمائے امت کو ان کا علم ہے۔ اور مختلف بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں ان کی تشریح فرمائی ہے۔ مثلاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحرف سے مراد ہے اَنَا اللَّهُ اَعْلَمُ (میں ہوں اللہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا) ایک بزرگ نے فرمایا کہ الحرف کے الف سے مراد اللہ ہے۔ جس نے یہ کتاب پاک نازل فرمائی۔ لی سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحی لاتے تھے۔ اور م سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر اللہ کی یہ کتاب حضرت جبریل کے ذریعہ اتاری ایک نوجوان مصری عالم سید نضوح ظاہر نے حروف ابجد کے اعتبار سے حساب لگا کر یہ بتایا کہ دراصل ان حروف میں سورتوں کی آیتوں کی تعداد ملتی ہے۔ ایک اور محقق عالم نے تاریخی اعتبار سے یہ فرمایا ہے کہ ان حروف مقطعات میں ان تاریخی واقعات کا سن اور تاریخوں کا ذکر ہے۔ جن کا حال اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔

مختصر یہ کہ ان حروف کا علم عالموں اور نیک بندوں نے پایا اور ہمیں بتلایا۔ اس طرح کے حروف اسلام سے پہلے بھی عربی زبان میں استعمال ہوتے تھے۔ جن سے ہر عربی جاننے والا بخوبی واقف ہے۔ عربی کے علاوہ اردو، فارسی، انگریزی میں بھی یہ رواج موجود ہے مثلاً امتحانوں کے نام بی اے، ایم اے، ایل ایل بی، انجمنوں اور اداروں کے نام مثلاً یو این او، ایس پی ایس کے وغیرہ۔ انسانوں کے نام ایم اے مرزا ایم ڈی شیخ وغیرہ۔ القاب اور خطاب کے بی۔ کے ایس کے سی آئی وغیرہ۔ یہ مثالیں جو ہم نے بیان کی ہیں۔ بہت مشہور ہیں لیکن پھر بھی ہر شخص ان سے باخبر نہیں۔ ان کا مطلب صرف وہی جانتے ہیں جو ان سے تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید کے پڑھنے اور سمجھنے کا موقع دیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ کلام اللہ کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس پر عمل کریں اور اس کا علم و عمل دُور و نزدیک پھیلائیں۔ دنیا کی مصیبتوں کا حل اسی میں ہے، اور خود ہماری کامیابی اسی سے وابستہ ہے۔

قرآن مجید کی حیثیت

ذَلِكَ الْكِتَابِ - لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ

یہ کتاب نہیں شک اس میں

ذَلِكَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ

اس کتاب میں (کوئی) شک نہیں

ذَلِكَ (یہ) کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ عربی میں ذَلِك اور اس کے علاوہ اور چند لفظ اشارہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ذَلِك عام طور پر دُور کی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ یہاں قرآن مجید کی بزرگی اور بڑائی کے لحاظ سے یہ دُور کا اشارہ قریب (اس) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

الْكِتَابُ: ہر لکھی ہوئی چیز کو کتاب کہتے ہیں۔ ال جب کسی اسم سے پہلے آئے تو اسے خاص کر دیتا ہے۔ چنانچہ کتب سے پہلے سوال ہے۔ اس سے خاص کتاب قرآن مجید مراد ہے۔

دُنیا میں ہر انسان کو سچے اصول معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان پر چل کر اپنا مقصد حاصل کرے۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ ایسے اصول اپنی عقل سے معلوم کر لیں۔ مگر تجربہ سے ظاہر ہے کہ جو اصول انسان اپنی عقل سے نکالتا ہے۔ وہ سچے اور یقینی نہیں ہو سکتے کیونکہ مختلف مسائل کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔ گویا ہم اپنی عقل سے ایک اصول پر جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہوں گی۔

اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں کمال شفقت سے کتاب عنایت فرمائی۔ اور ساتھ ہی فرمایا۔ کہ اس کتاب کی باتیں حکمت سے بھری ہوئی سچی اور اٹل ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ اس میں جو وعدے کئے گئے ہیں۔ وہ یقینی طور پر پورے ہوں گے۔ اور جو تعلیم اس میں دی گئی ہے۔ وہ بلاشبہ درست نتیجے پیدا کرے گی۔ اگر کسی کو کوئی شک والی بات نظر آئے تو وہ تھوڑے سے غور و فکر سے خود قرآن ہی کے ذریعہ سے دُور ہو سکتی ہے۔

قرآن کی تعلیم عقل کی پہنچ سے دُور نہیں۔ انسانوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ کہ وہ تجربہ کر کے قرآن کی سچائی کو آزمالیں۔ یقیناً اس کے استعمال سے ان کی ہر تکلیف دُور ہو جائے گی۔ کون نہیں جانتا۔ کہ عرب قوم جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ سب سے زیادہ پسماندہ تھی۔ غیر مہذب اور غیر متمدن تھی۔ جب اس قوم نے قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کیا تو وہ اخلاق، معاملات، رہن سہن، تعلیم و حکمت، سیاست اور معیشت غرض زندگی کے ہر مرحلہ میں کامیاب ہو گئی۔ جو سب سے پیچھے تھے۔ وہ قرآن حکیم کی بدولت دُنیا کے امام بن گئے۔ قرآن کا ہر وعدہ پورا اترا۔ لیکن جب اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو وہی بیماریاں پھر لوٹ آئیں۔ ہمیں چاہیے۔ کہ ہم پھر نئے سرے سے ایک نچتر عزم کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا عہد کریں۔ ہر قسم کے شکوک و شبہات چھوڑ دیں۔ اور اللہ کے وعدوں کے مطابق دُنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔

قرآن حکیم کا مقصد

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾

پرہیزگاروں کے واسطے ہدایت ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾

ہدایت واسطے پرہیزگار (جمع)

ہُدًى: (ہدایت) راستہ کا علم، راستہ پر چلنے کا ساز و سامان اور توفیق نیز منزل پر پہنچنے کی قوت۔ یہ تمام باتیں ہدایت کے معنوں میں شامل ہیں۔ اس کی تشریح سورۃ فاتحہ میں گذر چکی ہے۔

مُتَّقِينَ (پرہیزگار) یہ متقی کی جمع ہے۔ اور لفظ تقویٰ سے بنا ہے۔ متقی وہ ہے جس میں تقویٰ ہو۔ تقویٰ احتیاط اور نگہداشت کو کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے متقی کے معنی ہوئے پرہیزگاری کے ساتھ بسر کرنے والا۔ جو ہر کام سوچ سمجھ کر احتیاط سے کرتا ہو۔ تقویٰ کی تشریح میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ قابل غور ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ تقویٰ کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر کسی ایسے جنگل میں سے گذر دو جو کانٹوں اور جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہو۔ تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں اپنے کپڑوں کو سمیٹ لوں گا۔ کہ دامن کانٹوں سے نہ اُلجھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بس یہی تقویٰ ہے۔

ظاہر ہوا کہ قرآن کی ہدایت ان لوگوں کے لئے مفید ہے۔ جو دنیا کی زندگی کے جنگل میں ہر قسم کے کانٹوں یعنی گناہوں وغیرہ سے بچ کر اپنی منزل تک پہنچنا چاہتے ہوں۔

انسان دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ بعض کی طبیعت لا اُبالی ہوتی ہے۔ وہ اس قدر بے فکرے ہوتے ہیں کہ بے سوچے سمجھے ہر کام میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ جو ہر کام کرنے سے پہلے سوچ سمجھ کر احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہدایت سے فائدہ احتیاط سے زندگی بسر کرنے والے لوگ ہی اٹھا سکیں گے۔ یہی لوگ ہیں جن میں تقویٰ کا رنگ پایا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات سے پرہیزگاری انتہائی مدارج تک پہنچ جائے گی۔ اور وہ صفات جن کا بیان آگے ہے۔ پیدا ہو جائیں گی۔

یہ کتاب ساری دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور یہ خطاب بھی سارے جہان والوں سے کر رہی ہے۔ مگر عمداً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ جن کے اندر سچائی کی طلب اور تلاش ہو۔ آخر ہر کام کے لئے کچھ سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً چلنے کے لئے پاؤں ضروری ہیں، دیکھنے کے لئے آنکھیں۔ اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے دل کے اندر تقویٰ یعنی احتیاط کا مادہ موجود ہونا لازم ہے۔ سورج تو سارے جہان پر چمکتا ہے۔ لیکن جنہوں نے اپنی دیکھنے کی قوت ہی ضائع کر دی ہو ان کے لئے اس کی روشنی بیکار ہے۔ اگر زمین شور ہو تو بارش اس پر بے اثر ثابت ہوگی۔ دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم خود اپنے کاموں کا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "قبل اس کے کہ دوسرے تم سے جواب طلب کریں۔ تم خود اپنا جائزہ لیتے رہا کرو۔"

مُتَّقِيْنَ كِي صِفَات — (۱) اِيْمَان بِالْغَيْبِ

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

جو لوگ ایمان لاتے ہیں غیب پر

الَّذِينَ، (وہ لوگ جو کہ) قواعد میں اسے اسم موصول کہتے ہیں۔ اس کا واحد الَّذِي ہے۔ یہ لفظ بار بار استعمال ہوگا۔
ذہن نشین کر لیں۔

يُؤْمِنُونَ (ایمان لاتے ہیں) یہ لفظ ایمان سے نکلا ہے۔ ایمان سے مراد یہ ہے کہ کسی حقیقت کو زبان سے ماننا۔ دل سے اس پر یقین رکھنا اور اس کے مطابق عمل کا ارادہ کر لینا۔ جو ایمان لاتا ہے۔ وہ شک و شبہ سے امن میں آجاتا ہے۔ یہی ایمان ہے جو شریعت میں معتبر ہے۔

غَيْب سے مراد وہ عالم ہے جو اس ظاہری دُنیا سے بلند ہے۔ اور جس کی خبریں صرف نبی کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتے، جنت و دوزخ، قیامت، حساب کتاب اور جزاء و سزا وغیرہ نبی پر ایمان لائے بغیر ایمان بالغیب کامل نہیں ہوتا۔

اس سے پہلے سبق میں بتایا گیا تھا کہ قرآن مجید ان لوگوں کے لئے دستورِ ہدایت ہے۔ جو نہایت خلوص اور پاک نیت سے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ جن میں احتیاط اور نگہداشت سے زندگی بسر کرنے کا جذبہ اور استعداد موجود ہو۔ اور وہ محتاط اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے مشتاق ہوں۔ اس آیت میں متقین کی پہلی صفت بیان کی جاتی ہے۔ جو قرآنی ہدایت سے ان میں پیدا ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ جن کا وجود ظاہری جو اس سے بلند ہو۔

ایمان کے بغیر دل میں بے چینی اور بے قراری ہی رہتی ہے۔ کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں شک، تردد اور وہم و گمان اپنی جگہ دل میں بنا لیتے ہیں۔ لیکن ایک ایماندار سخت سے سخت مصیبت اور آزمائش کے وقت بھی کبھی نہیں گھبراتا۔ بلکہ اس کی ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ایک بڑا سہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔ اس سے دماغ کو سکون، دل کو اطمینان اور رُوح کو چین نصیب ہوتا ہے۔ عالم غیب کا یہ عقیدہ دین کا مغز اور ایمان کی رُوح ہے۔ اس کے بغیر ایمان ٹپختہ نہیں ہوتا۔

ہم نے اپنے آپ کو قرآن کریم سے ہدایت لینے کے لئے تیار کر لیا اور متقی لوگوں میں شامل ہو گئے۔ اب ہمیں چاہیے کہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنے اندر وہ صفات پیدا کر لیں۔ جن کا قرآن حکیم حکم دیتا ہے۔ ہمیں بلاچون و چرا غیب کی تمام حقیقتوں پر ایمان لے آنا چاہیے۔ جن کی خبر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

(۲) نماز کی پابندی

وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

اور نماز قائم کرتے ہیں۔

وَيُقِيمُونَ - الصَّلَاةَ

اور قائم کرتے ہیں نماز

يُقِيمُونَ: (قائم کرتے ہیں) اِقَامَتٌ سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں قائم کرنا اِقَامَتِ الصَّلَاةِ سے مراد یہ ہے کہ پوری شرائط اور پابندی کے ساتھ نماز باقاعدگی سے خود بھی ادا کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ادائیگی پر آمادہ کرے۔
صَلَاةَ کے لفظی معنی دُعا کے ہیں بشرعیّت کی اصطلاح میں صَلَاةٌ خاص عبادت (نماز) کا نام ہے۔ اس کا نام صَلَاةٌ اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ اس عبادت میں سب سے زیادہ صحتہ دُعا کا ہے۔ اس میں زبان سے بھی دُعا کی جاتی ہے۔ دل سے بھی اور جسم کے ظاہری اعضا سے بھی۔

ایمان بالغیب کے بعد متقی لوگوں کی دوسری صفت بیان کی گئی ہے۔ "یعنی وہ نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ نماز خدا کے آگے ٹھکنے، اپنی بندگی کا اظہار کرنے، اللہ سے گہرا تعلق پیدا کرنے اور امت کے تمام لوگوں میں نظم پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نماز بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ اور ایمان اور توحید کا اظہار اس کے ذریعہ بڑی خوبی سے ہوتا ہے۔ فرد کے لئے بھی اس میں اخلاقی، طبی اور مادی فائدے ہیں۔ اور پوری امت کے لئے بھی اس میں بہت سے معاشری فائدے ہیں۔"

تمام مسلمان پاک و صاف ہو کر دن میں پانچ مرتبہ ایک امام کے پیچھے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے ایک قطار میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنی بندگی اور آپس میں بھائی بھائی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اس سے جماعت کے تمام لوگوں کے دل کھوٹ، حسد اور خود غرضی سے پاک ہو جاتے ہیں۔ باہمی اُلفت، محبت اور مساوات پیدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس ہوتا ہے۔ انسان بے حیائی اور گناہ سے رکتا ہے۔

نماز باجماعت سے امیر کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قوم باقاعدگی اور پابندی کی زندگی کا سبق سیکھتی ہے۔ چنانچہ اسلام کی ابتدائی زندگی میں مسلمانوں کو جس قدر کامیابیاں حاصل ہوئیں ان کی سب سے بڑی وجہ یہی نماز باجماعت کی باقاعدگی تھی۔ بدوی لوگ جو کسی نظام کے تحت نہ تھے۔ نماز کی پابندی سے منظم ترین جماعت بن گئے اور دنیا کے لئے اتحاد کا نمونہ ثابت ہوئے۔

حدیث میں آتا ہے۔ کہ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ترک نماز ہے۔ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیں اپنے اوپر چسپاں کر کے دیکھنا چاہیے کہ ہم کس گروہ میں شامل ہیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے وہ بد قسمت ہوگا۔ جو اس بلند مرتبہ پر پہنچنا نہ چاہتا ہو۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جو اخلاقی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی غرض ہر لحاظ سے مفید ہے۔ اسی لئے نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔

(۳) مالی و شرعیاتی

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۰﴾

اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۱﴾

اور اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا وہ خرچ کرتے ہیں۔

رَزَقْنَاهُمْ: (ہم نے انہیں دیا) یہ دو لفظ ہیں رَزَقْنَا اَوْهُمْ۔ رَزَقْنَا رزق سے نکلا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں وسیع معنی رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں۔ خواہ ظاہری ہوں جیسے مال، صحت اور اولاد وغیرہ یا باطنی ہوں جیسے علم، دانائی اور سمجھ وغیرہ۔ اللہ کی بخشش میں مال ایک بہت بڑا عطیہ ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اور جو نعمت انسان کو ملتی ہے۔ سب اللہ کی عنایت سے ملتی ہے۔

يُنْفِقُونَ: (وہ خرچ کرتے ہیں) یہ لفظ اِنْفَاق سے نکلا ہے جس کے معنی خرچ کرنا ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں متقی لوگوں کی تیسری صفت بیان کی جاتی ہے۔ یعنی جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے۔ وہ اس میں سے مناسب اور ضروری موقعوں پر اور جائز اور مفید کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا بڑی قربانی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جسمانی عبادت تو کرتے ہیں۔ مگر مال خرچ کرنے کا نام نہیں لیتے۔ اس قسم کا بخل دنیا اور آخرت دونوں جہان میں نقصان دہ ہے۔

جب انسان کے عزیز و اقارب والدین اور رشتہ دار اس کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ انکی حاجتوں میں وہ ان کی کچھ مدد کرے۔ اور بخیل انکار کرتا ہے۔ تو وہ سخت رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ اور اس کے کاروبار میں فرق آجاتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کا تعاون اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ جب معاشرہ میں حاجتمندوں، یتیموں اور بے کسوں کی پرورش کا دستور نہیں رہتا۔ اور قوم کی درستی، عوام کی بہبودی اور دشمن کے دفاع میں خرچ نہیں کیا جاتا۔ تو ساری قوم مضمیت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور انجام کار شخصی دولت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

آخری زندگی میں بخل کا یہ انجام ہوتا ہے کہ جب دل پر مال کی محبت نقش ہو جاتی ہے اور موت کے وقت رُوح جسم کا ساتھ چھوڑتی ہے۔ تو وہ مال کی محبت میں بڑی بے چین رہتی ہے۔ اور یہ بے جا محبت اس جہان میں سانپ بچھو اور آگ کی صورت میں ظاہر ہو کر عذاب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ دین و دنیا کی کامیابیوں کے لئے ضروری ہے کہ یہاں مالی قربانی کرو۔ اور اسی طرح اس کی دی ہوئی قوتوں، صلاحیتوں اور استعدادوں کو خدمتِ خلق میں خرچ کرو۔

ہمارا فرض ہے کہ اپنی تمام کوششوں، قوتوں، صلاحیتوں اور مال و دولت کو عام لوگوں کی خدمت میں لگانے سے پیچھے نہ ہٹیں۔ اپنی ہمت کے مطابق بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اس میں ملک اور قوم کا بھی بھلا ہے اور اسی میں ذاتی بھلا ہے۔

(۴) کتابوں پر ایمان

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
 اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اتارا گیا
 وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ
 اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اتارا گیا
 إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
 تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔

اس آیت میں متقی لوگوں کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یعنی یہ لوگ تمام آسمانی کتابوں اور الہامی نوشتوں پر

ایمان رکھتے ہیں۔

گویا اس آیت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جو کتاب رسول پاک کی طرف نازل ہوئی ہے۔ اس کی تعلیمات و ہدایات پر صدقِ دل سے ایمان لایا جائے اور دوسرے یہ کہ جو کتابیں آپ سے پہلے نبیوں پر نازل ہوئیں۔ انہیں بھی حق اور خدا کی طرف سے مانا جائے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں صرف آخری نبی کی کتاب اور آپ سے پہلے نبیوں کی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کے بعد ہونے والے نہ کسی نبی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور نہ کسی کتاب کا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ورنہ وہ بھی ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا۔

جو نبی آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قرآن پاک نے ان میں سے بعض کا نام لے کر ذکر کیا ہے۔ باقی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نبیوں پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی آئے ہیں۔ ان سب کی نسبت یہ یقین رکھنا کہ وہ سب خدا کے بھیجے ہوئے تھے۔ اور وہ اپنے اپنے زمانہ میں مناسب وقت تعلیم دیتے رہے۔ پہلی آسمانی کتابوں میں سے چار کتابوں کا ذکر قرآن مجید نے خاص طور پر کیا ہے ۱) حضرت ابراہیم کے صحیفے (۲) حضرت موسیٰ کی تورات (۳) حضرت داؤد کی زبور اور (۴) حضرت عیسیٰ کی انجیل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ نبوت کو ایک محل سے تشبیہ دی۔ فرمایا کہ ہر نبی اس عمارت کے بنانے میں اپنے اپنے زمانہ میں ایک ایک اینٹ رکھتا رہا۔ آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے بھی تیسرے نبوت میں ایک اینٹ لگا دی۔ لوگ اس عمارت کو آکر دیکھتے تھے۔ اور اس کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اس میں ایک اینٹ کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ کاش وہ بھی اپنی جگہ پر ہوتی۔ آپ نے فرمایا۔ وہ آخری اینٹ میں ہوں اور قصر نبوت میں اب کسی اور اینٹ کی ضرورت نہیں رہی۔

اللہ کے یہ تمام نبی دنیا والوں کے سامنے ہمیشہ ایک ہی سچائی پیش کرتے رہے کہ تمام جہانوں کا رب ایک اللہ ہے۔ اب قرآن اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ وہ ان سب پر ایمان لائیں۔ رواداری اور سچائی کو قبول کرنے کی اس اعلیٰ مثال دکھایا ہو سکتی ہے۔

(۵) قیامت پر ایمان

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۷﴾
اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۷﴾
اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں

الْآخِرَةِ سے مراد ہے۔ الدَّارُ الْآخِرَةُ یعنی مرنے کے بعد آنے والی دوسری زندگی۔ اسے قرآن مجید میں الْيَوْمِ الْآخِرِ بھی کہا گیا ہے۔

يُوقِنُونَ (وہ یقین رکھتے ہیں) یہ لفظ ایقان سے بنا ہے۔ جو یقین سے نکلا ہے۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں۔ جسے دلیل نے اس قدر واضح اور روشن کر دیا ہو۔ کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ یا الْآخِرَةِ کا لفظ پہلے اور يُوقِنُونَ کا لفظ بعد میں استعمال کرنے سے تاکید میں اضافہ ہو گیا ہے۔

یہ دُنیا دارِ العمل ہے۔ یعنی وہ زندگی جس کے بعد عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آنے والی دُنیا دارِ الجزا ہے جس میں ہمارے ایک ایک کام کا پورا بدلہ ملے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دُنیا میں بھی ہمیں اس کے حالات و واقعات کے لحاظ سے بدلہ ملتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس دُنیا میں انسان کو پورا بدلہ نہیں ملتا۔ نیک عمل جزا سے محروم رہ جاتے ہیں اور بد کردار مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کا کوئی عمل بھی بے نتیجہ نہ رہ جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا دن مقرر کر دیا ہے۔ جس روز ہر انسان اور ہر قوم کو اپنے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اسی لئے جزا و سزا کے لئے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا ایک صحیح دین کے ضروری اجزا میں سے ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی۔ کہ عالم آخرت کا اس دُنیا سے گہرا تعلق ہے۔ وہ زندگی ہمارے ان کاموں ہی کا نتیجہ ہوگی۔ جو ہم یہاں کرتے ہیں۔ اس لئے متقی لوگوں کی یہ صنعت ہے کہ وہ ہر کام کرنے سے پیشتر یہ اطمینان حاصل کر لیتے ہیں۔ کہ وہ کام عاقبت اور انجام کے لحاظ سے آسمانی تعلیمات اور خدائی ہدایات کے خلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انتخاب و اختیارِ عمل کی پوری آزادی دے رکھی ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لئے ہمارے سامنے کئی راہیں ہیں۔ لیکن ہمیں صرف وہی اختیار کرنی چاہئے۔ جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اگر عاقبت اور جزا و سزا کا عقیدہ ہر لمحہ ہمارے پیش نظر رہے۔ تو یقینی امر ہے کہ ہم اس دُنیاوی زندگی میں راست بازی اور اعتدال کی راہ پر قائم رہیں گے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی قرآنی اصولوں میں ڈھالیں۔ تاکہ اس کا نتیجہ نہایت خوشگوار ہو۔ اور ہم دونوں جہان میں کامیاب ہوں جس شخص کو اپنے اعمال کی جوابدہی، حساب کتاب اور بدلہ پر یقین نہ ہوگا۔ وہ اپنے اعمال درست نہ کر سکے گا۔

کامیاب لوگ

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾

اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ

یہی لوگ پر ہدایت سے اپنے رب

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾

اور یہی لوگ وہ فلاح پانے والے ہیں۔

الْمُفْلِحُونَ: (فلاح پانے والے) یہ لفظ فلاح سے بنا ہے۔ اس کے لفظی معنی چیرنا بھاڑنا ہیں۔ کاشتکار کو فلاح غالباً اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ زمین کھودتا ہے۔ اور بیج بوتا ہے۔ جو زمین کو چیر کر پودے کی صورت میں باہر آتا ہے۔ عربی میں یہ لفظ بڑے وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی ساری کامیابیاں اس میں جمع ہیں۔ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عربی زبان میں ہر قسم کی کامیابیوں کے اظہار کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ مفلح (کامیاب) وہ ہے جو ہر قسم کی مشکلوں اور رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے کامیابی تک پہنچ جائے۔

سورۃ فاتحہ میں ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ کہ وہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ اس کے جواب میں ہدایت کا ایک پیغام ملا۔ جسے ہم پچھلے سبقوں میں پڑھتے آئے ہیں۔ اس کے بعد چند علامتیں بیان ہوئیں۔ کہ جن میں یہ موجود ہوں۔ وہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں (۱) ان کا اعتقاد اس مادی دنیا کے علاوہ عالم غیب پر ہوتا ہے۔ (۲) اللہ سے اپنا تعلق عملی طور پر ظاہر کرنے کے لئے نماز قائم کرتے ہیں۔ (۳) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (۴) رسول پاک کو بہترین ہادی اور قرآن کریم کو اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ (۵) قرآن کریم سے پہلی آئی ہوئی کتابوں اور ہدایتوں کو بھی مانتے ہیں۔ (۶) جزا اور سزا کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔

اب اس آیت میں بتا دیا گیا ہے۔ یہی متقی اپنے رب کی حقیقی ہدایت پر ہیں۔ یہی لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب و بائرا ہوں گے۔ دنیا کی فلاح یہ ہے۔ کہ انہیں ہدایت کی راہ نصیب ہوگئی۔ اور ہر حیثیت سے مکمل اور بہترین دستوریات مل گیا۔ جس کے مطابق انہوں نے اپنی زندگی ڈھال لی اور ہر قسم کی کامیابی حاصل کر لی۔ اور آخرت کی فلاح یہ ہے کہ انہیں اپنے کاموں کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

اسلام سے پہلے عرب قوم مفلس تھی۔ شتربانی ان کا پیشہ تھا۔ ان کے پاس دولت نہ تھی نہ شکر۔ نہ کھانے پینے کی بہتات۔ لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا۔ تو جس طرف بھی گئے۔ وہ کامیاب ہوئے۔ زمین نے ان کے قدم چومے اور آسمان نے ان پر برکتوں اور رحمتوں کی بارش کی۔ اللہ نے ان سے جو وعدے کئے تھے سب پورے ہوئے اگر آج ہم بھی قرآن پاک کے احکام کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالیں۔ تو کامیابی کا یہ وعدہ ہمارے لئے بھی ہے اور ہم بھی دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کریں گے۔

کافر

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ
 ۱. انڈر تھم۔ امر۔ لہو۔ تنذیر ہم۔ لا یؤمنون ۶
 بیشک جو لوگ کافر ہیں برابر ہے ان پر انہیں
 ۲. انڈر تھم ام لہو تنذیر ہم لا یؤمنون ۶
 بیشک جو لوگ کافر ہیں برابر ہے ان پر انہیں
 خواہ تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے تو انہیں نہیں ایمان لائیں گے۔

کفر (جو انکار کرتے ہیں) یہ لفظ کفر سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں چھپانا۔ شریعت میں کافر سے کہتے ہیں جو حق کا منکر اور مخالف ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کو نہ مانتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جب فلاح حاصل کرنے والے متقیوں کا حال اور ان کی کامیابیوں کا ذکر فرمایا ہے تو ضروری ہے کہ منکروں اور کافروں کا حال اور انجام بھی بیان کیا جائے تاکہ دونوں کا فرق واضح ہو جائے۔ اور پرہیزگاروں اور نیکو کاروں کا مرتبہ روشن ہو جائے۔

اس آیت سے ایسے لوگوں کا ذکر شروع ہوا جو ایمان والوں کے بالکل ضد واقع ہوئے ہیں۔ دل سے اسلام کے دشمن ہیں اپنا وقت قوت اور دولت غرض ہر چیز اس کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دلیلیں سامنے آنے کے باوجود کفر پر اڑے رہتے ہیں۔ حق قبول کرنے کی استعداد مسلسل انکار اور مخالفت کے باعث کمزور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں نبی کا ان کے لئے عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ سب لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں اس آیت میں آپ کو یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ آپ خواہ کچھ کریں۔ یہ حق کو پہچاننے اور ماننے کی قوت ضائع کر چکے ہیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ "رسول پاک انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے" یہ خبر فیصلے کی صورت میں نہیں ہے بلکہ ان کے مسلسل انکار اور مخالفت کے نتیجے کا اظہار اور اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔ لیکن جو لوگ ذاتی فائدوں، کوتاہ نظری، غلط تعلیم یا بڑی صحبت کی وجہ سے سچائی کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان میں حق قبول کرنے کی قوت رفتہ رفتہ باقی نہیں رہتی۔ اس لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ تلاش حق کی جو قوت ہمارے اندر فطری طور پر موجود ہے۔ اس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ ہمیشہ حق اور صداقت کی جستجو میں لگے رہیں۔ ہمیں چاہیے کہ حق کی تعلیم عام کریں اور اس خوش اسلوبی اور حکمت سے حق کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچائیں۔ کہ ان کے دلوں میں نرمی اور خوف خدا پیدا ہو جن میں تھوڑی سی بھی حق کو قبول کرنے کی استعداد موجود ہے۔ ان تک اپنے ہر ممکن وسائل سے پہنچیں۔

کفر کا نتیجہ

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى
 مہر لگادی اللہ نے ان کے دل اور کانوں پر مہر لگا
 سَمِعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ
 ان کے کان اور پر ان کی آنکھیں پر پردہ
 وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۴۰﴾
 اور ان کے لئے عذاب بڑا -

خَتَمَ (مہر لگادی) اس سے مراد وہ نتیجہ ہے جو مسلسل انکار اور مخالفتِ حق سے پیدا ہوتا ہے۔ مہر لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس پر مہر لگائی گئی ہے۔ باہر سے کوئی چیز اس کے اندر نہ جاسکے اور اندر سے کوئی چیز باہر نہ آسکے۔ مثلاً دل پر مہر لگ جائے۔ تو نہ حق بات دل میں داخل ہو سکتی ہے۔ اور نہ کسی اچھی بات کے اظہار کی جرأت رہتی ہے۔
 قُلُوبِهِمْ (ان کے دل) یہ قلب کی جمع ہے۔ یہاں قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں۔ بلکہ وہ قوت ہے جو شعور عقل اور ارادہ کا مرکز ہے۔

سَمِعِهِمْ (ان کے کان) سمع کے معنی "سننے کی قوت" ہے اور مراد کان۔

أَبْصَارِهِمْ (ان کی آنکھیں) ابصار کا واحد بصر ہے اور اس سے مراد "دیکھنے کی قوت" ہے۔

غِشَاوَةٌ (پردہ) اس کا مادہ غَشِيَ ہے جس کے معنی ڈھانپنا ہیں۔ یہاں مراد وہ پردہ غفلت ہے جو حق کی نشانیاں دیکھ کر بھی اس کے ماننے میں حائل ہوتا ہے۔

دُنیا میں یہ قانون ہر چیز پر حاوی ہے کہ جب کوئی قوت مسلسل طور پر کام میں نہ لائی جائے۔ تو آخر کار وہ اپنا عمل چھوڑ بیٹھتی ہے۔ یہی حال حق کے سمجھنے اور دیکھنے کی قوتوں کا ہے۔ اگر انہیں مسلسل بیکار رکھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فطری قانون یہاں بھی جاری ہوتا ہے۔ اسی قانون کے اجراء کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا عمل انسان کے جان بوجھ کر کفر اختیار کرنے اور اس پر اصرار کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اللہ کی طرف سے صحیح فطرت عطا ہوئی ہے اور اس میں اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی قوت بھی شامل ہے۔ لیکن جب انسان اپنی قوتوں کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے منہ موڑ کر شیطان کے پیچھے چلنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام کے رحمت کے سلسلے سے نکل جاتا ہے اور اللہ کی مدد اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اب وہ غلط راستے کو ہی سیدراستہ سمجھنے لگتا ہے ظاہر ہے کہ جس طرح زہر کھانے کا قدرتی نتیجہ موت ہے۔ اسی طرح خدا کے حکموں سے جان بوجھ کر روگردانی روحانی موت کا باعث بنتی ہے اور جیسا کہ آپ پڑھا آئے ہیں۔ انسانی زندگی موت کے بعد ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ایک دوسری زندگی بھی ہے جو اس دنیوی زندگی کا نتیجہ ہے۔ اس دُنیا میں مسلسل نافرمانی بطور سزا ایک بہت بڑے عذاب کی شکل میں ظاہر ہوگی۔

مُنافِق

سورہ بقرہ کی تمہید صفحہ ۱۳ میں یہ بات گُذر چکی ہے۔ کہ ہر تحریک کی طرح اسلام کے آنے پر بھی تین گروہ پیدا ہوئے ایک اس کی صداقت پر ایمان لانے والے مومن۔ دوسرے اُس کا انکار اور مخالفت کرنے والے کافر، تیسرے وہ گروہ جو بظاہر ساتھ ہو گیا۔ مگر حقیقت میں دل سے ایمان نہ لایا۔ یہ منافق تھے۔ مومن اور کافر کا ذکر پہلے رکوع میں ہوا اب تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

منافق لفظ نفاق سے نکلا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں سزنگ لگانا۔ جیسے جنگلی جانور زمین کے اندر اندر سرنگیں بناتے ہیں۔ تاکہ وقت آنے پر ان میں چھپ سکیں اور خفیہ راستوں سے بھاگنے کی سہولت سکیں۔ اس اعتبار سے منافق اس بد بخت انسان کو کہا جاتا ہے جو بظاہر اسلام قبول کرے۔ لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں خفیہ چالیں چلے اور دشمنی کے لئے وقت کا منتظر رہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکے سے مدینے ہجرت کر کے تشریف لائے۔ اُس وقت مدینے میں خزرج قبیلہ کے ایک شخص عبداللہ بن ابی بن سلول کو شہر کا سردار بنانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہ بڑا چالاک اور جوڑ توڑ کرنے والا آدمی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر اس کی تاجپوشی کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ سب کی نگاہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگ گئیں۔

عبداللہ نے یہ دیکھا۔ تو خاموش رہا۔ اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائے۔ لہذا وہ خود بھی مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے ساتھی بھی مسلمان ہوئے۔ لیکن اندرونی طور پر اس انتظار میں رہے کہ آئندہ جب موقعہ لگے گا۔ اسلام چھوڑ دیں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اسلام کا اثر بڑھتا گیا۔ اور یہ لوگ دل ہی دل میں جلتے رہے۔ دشمنی کی آگ ان کے دلوں میں بڑھتی گئی۔ چنانچہ جب بھی ان کا بس چلا۔ انہوں نے اسلام کی مخالفت کی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا۔ یہ لوگ مارا ستیں ثابت ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھنے کے باوجود ان لوگوں نے ہمیشہ وقت پڑنے پر اسلام کی مخالفت کی۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ تعمیر کی۔ جسے اللہ نے ”مسجد ضواری“ کہا۔ غزوہ احد کے موقعہ پر عین مقابلہ کے وقت مسلمانوں کا ساتھ چھوڑا۔ دوسرے رکوع میں منافقین کی عادات و خصائل بیان ہوں گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان خرابیوں سے بچائے اور ایمان کامل نصیب کرے۔

آج بھی اسلام کو سب سے بڑا خطرہ مسلمان ناکافروں سے ہے۔ یعنی وہ لوگ جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان کے دلوں میں کفر ہے اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے انہیں ہمدردی ہے۔

مُنافِقُونَ كَادِعْوَىٰ إِيْمَانِي

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا
اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ مَا
اللہ پر اور روز آخرت اور نہیں
هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾
وہ ایمان والے نہیں۔

اب تک قرآن مجید نے دو قسم کے انسانوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک اللہ کے قانون کے فرمانبردار مومن۔ دوسرے قانون الہی کے انکار کرنے والے کافر۔ اب تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بھی اسلام کے مخالف اور دشمن ہی ہیں۔ مگر یہ اپنے کفر اور دشمنی پر فریب کا پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ زبان پر اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ لیکن دل میں کفر۔ انہیں قرآن کی اصطلاح میں مُنافِق کہا گیا ہے۔ نفاق یہ ہے کہ انسان اعلان تو نیکی اور اسلام کا کرتا پھرے لیکن دل میں بدی اور کفر چھپائے رکھے۔

اسلام نے جب ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے عقیدوں کا اعلان کیا۔ تو جس کو مسلمان بنا منظور ہوتا۔ اس کے لئے ان دونوں عقیدوں کا ماننا ضروری تھا۔ چنانچہ مدینہ کے لوگوں کے ایک خاص گروہ نے انہی دو عقیدوں کا اظہار کر کے چاہا کہ مسلمانوں میں شامل ہو جائیں۔ وہ مسلمانوں میں شامل کر لئے گئے۔ لیکن ان کے دل حراف نہ تھے۔ ان کی چالوں سے بچنا ضروری تھا۔ اس لئے خود قرآن مجید نے خبر دے دی کہ یہ ان عقیدوں کو دل سے نہیں مانتے۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کی طرف سے خبردار رہنا چاہیے۔ نفاق کی مکمل تشریح اور مُنافِقوں کی مختصر تاریخ گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں منافق کی علامت یہ تھی کہ وہ زبان سے اسلام کے ان دونوں عقیدوں پر اپنے ایمان کا دعویٰ کرتے۔ لیکن دل سے انہیں نہیں مانتے۔ اگر آج بھی کسی کا ظاہر اور باطن ایک نہ ہو۔ تو اسے اپنے طور پر خود مجاہدہ کر لینا چاہیے۔ جب تک زبان اور دل ایک نہ ہوں۔ اس وقت تک ایمان پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت نفاق کی ہوتی ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اپنی بزرگی اور کمال کے باوجود ہمیشہ خود اپنا مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایمان اور اخلاص کے اونچے درجہ پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلند مقامات عطا کئے اور انہیں کامیابیوں سے نوازا۔

مُنافقوں کا دھوکہ

يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ - وَالَّذِينَ آمَنُوا
 دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور وہ لوگ جو ایمان لائے
 وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ
 اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی ذات کو
 وَمَا يَشْعُرُونَ ۙ
 اور وہ نہیں سمجھتے۔

يُخٰدِعُونَ (وہ دھوکہ بازی کرتے ہیں) یہ لفظ خَدَعَ سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ دل میں بڑی بات چھپانا اور یہ ظاہر اچھا بن کر دکھانا۔ تاکہ دوسرے کو فریب دیا جائے اور مغالطہ میں رکھا جائے۔ اَنْفُسَهُمْ (ان کی جانیں) یہ نفس کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہے اپنی ذات۔ وَمَا يَشْعُرُونَ: (وہ نہیں سمجھتے) یہ لفظ شعور سے بنا ہے شعور عربی زبان میں بوجھنے کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد اندرونی احساس ہے۔ مقصد یہ ہے۔ وہ خود فریب میں مبتلا ہیں۔ مگر اپنی حماقت کی انہیں خبر نہیں۔ پھیلے سبق میں منافقوں کی بابت یہ بتلایا گیا تھا۔ کہ جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں۔ اسے دل سے نہیں مانتے۔ اور جو دل میں رکھتے ہیں اسے زبان پر نہیں لاتے۔ وہ صرف مسلمانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی خاطر یا ان کی پکڑ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس سبق میں ان کے اس طرز عمل پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ کفر کے علاوہ فریب اور دھوکا کا جرم بھی کر رہے ہیں۔ سچائی کی مخالفت کرتے کرتے ان کی بُرائی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اپنے خیال میں اللہ کو بھی دھوکا دینے لگتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ مسلمانوں کی مجلسوں اور مشوروں میں شریک ہوتے اپنا اعتماد جاتے اور پوشیدہ طور پر کفار سے بھی ساز باز رکھتے۔ انہیں مسلمانوں کی باتوں سے آگاہ کر دیتے۔ اور دوست کی شکل میں ایماندار جماعت پر پھپھری چلاتے۔ منافقوں کا یہ طرز عمل خاص طور پر قابل مذمت ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل سے مومنوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مغالطہ میں ڈالنا اور دھوکا دینا ان کا مذہب ہوتا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں ہی کو نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے سکیں گے۔ بھلا اس سے بڑی نادانی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ مخلوق اپنے خالق کو دھوکہ دینے کا خیال دل میں لائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نادان ہیں حقیقت کا شعور نہیں رکھتے۔ نادانی کو دانائی اور بیوقوفی کو عقل مندی سمجھتے ہیں۔

مُتَافِقُونَ كَارِوَكٌ

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
 فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
 میں ان کے دل کی بیماری بڑھادی ان کی
 اللہ بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝۱۰

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝۱۰

کیونکہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔

کیونکہ وہ تھے جھوٹ کہتے۔

مَرَضٌ (بیماری) بیماریاں دو قسم کی ہوتی ہیں جسمانی اور روحانی۔ جسمانی بیماری سے بدن میں نقص، خرابی یا درد پیدا ہوتا ہے اور روحانی بیماری سے اخلاق بگڑتے ہیں۔ اور رُوح کو روگ لگ جاتا ہے۔ یہاں کفر و نفاق کی روحانی بیماریوں کا ذکر ہے کیونکہ یہ انسان کے نیک کاموں اور دوسری زندگی کے سنوارنے میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ یہاں مرض کے معنی نفس کے ایسے ہی روگ کے ہیں جو اس کے کمالات حاصل کرنے میں رکاوٹ ڈالے۔ مثلاً جہالت، حسد، کینہ، دنیا کی محبت اور جھوٹ وغیرہ۔

ف (سو) یہ حرف اشارہ کرتا ہے کہ آگے جو ذکر ہوگا۔ وہ مذکورہ بیماریوں کا پھل اور نتیجہ ہوگا۔

زَادَ (بڑھادی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اور زیادہ ترقیاں اور نعمتیں دے کر ان کے حسد کو بڑھا دیا ان کے دل میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں سے حسد کا روگ اور بڑھ گیا۔

أَلِيمٌ (دردناک) یہ لفظ الم سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں درد۔ کافروں کے لئے ”عذاب عظیم“ کی سزا ہوگی لیکن منافق کافر ہونے کے ساتھ ساتھ دھوکہ باز اور جھوٹے بھی ہیں۔ اس لئے ان پر ”عذاب الیم“ (دردناک عذاب) کی سزا ہوگی۔

يَكْفُرُونَ (جھوٹ کہتے ہیں) یہ لفظ کذب سے بنا ہے۔ اس کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں۔ جو حقیقت کے خلاف اور لوگوں کے لئے ضرر رساں ہو۔

اس آیت میں منافقین کے طرز عمل پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے اندر کفر اور نفاق کی بیماری ہے جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے۔ اور جو انہوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں ان کے حسد اور کینہ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (سوائے ان کے مرض میں اضافہ کر دیا) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کفر و نفاق کو بڑھا دیا۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے کفر و نفاق کے نتیجے میں اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے۔ جن سے انہوں نے اپنی مرض کے بڑھانے کا کام لیا۔ ورنہ اگر وہ اپنی عقل کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں حالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔ جس طرح بیماریوں کا نتیجہ جسمانی قوت کا کم ہونا ہے اسی طرح روحانی بیماریوں کا نتیجہ دوسرے جہان میں دردناک عذاب ہے۔

منافقوں کی مُفسدانہ چالیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد

الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں بلاشبہ ہم اصلاح کر رہے ہیں۔

إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ

سُن رُکھو یہی لوگ وہی فساد ہی ہیں لیکن وہ

لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

احساس نہیں رکھتے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي

اور جب کہا جاتا ہے ان سے نہ فساد پھیلاؤ میں

الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

زمین کہتے ہیں بلاشبہ ہم اصلاح کر رہے ہیں۔

إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ

سُن رُکھو یہی لوگ وہی فساد ہی ہیں اور لیکن

لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

نہیں احساس رکھتے۔

لَا تُفْسِدُوا رمت فساد پھیلاؤ) یہ لفظ فساد سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے مزاج کا بگڑ جانا۔ یہاں فساد سے مراد نظام میں خلل ڈالنے والے گناہ ہیں۔ جب یہ حالات عام ہو جاتے ہیں۔ تو دنیا کے امن اور کائنات کے نظام میں خلل پڑتا ہے۔ اسلام کی رو سے فساد بہت بڑا جرم ہے۔

مُصْلِحُونَ (اصلاح کرنے والے) یہ لفظ صلاح سے نکلا ہے۔ یہ فساد کا الٹ ہے۔ فساد میں نظام بگڑتا ہے۔ اصلاح سے نظام سنورتا ہے۔

اس آیت میں منافقوں کی ایک اور بدترین چال کو طشت از باہم کیا گیا ہے۔ قانونِ الہی کے علاوہ کسی اور غلط طریقہ پر قائم رہنا اور اس کا پرچار کرنا کون سا کم جرم تھا۔ کہ یہ منافق بد نظمی پیدا کرنے اور فساد پھیلانے میں بھی لگ گئے پس پردہ سازشیں کرنا دوست بن کر دشمنی کرنا ان کی عادت ہو گئی۔ منافقوں پر قلبی روگ یہاں تک غالب آ گیا کہ ان کو نیک و بد میں بھی تمیز نہ رہی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے اس طرزِ عمل سے ملک میں فساد مت پھیلاؤ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح اور بھلائی کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً مُفسد وہی ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے۔ کہ ان کی منافقانہ روش سے کافر تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام میں کوئی خوبی نہیں۔ کہ یہ منافق اسلام میں داخل ہو کر بھی گناہوں میں مبتلا ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو دھوکہ دے کر ورغلا تے ہیں۔ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا کا خوف دل میں نہیں رکھتے۔ ان کی اس روش سے دوسروں کے دلوں سے بھی خوف مٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سچائی سے لوگوں میں آپس میں سلوک پیدا ہوتا ہے۔ جو دنیا میں اصلاح کا باعث بنتا ہے۔ اور منافقت سے دنیا کے انتظام میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنی کمزوری کو نہیں سمجھتا تو تباہ ہو جاتا ہے اور اس کا شعور اور اندرونی احساس ختم ہو جاتا ہے۔

مُنافِقوں کی بے عقلی

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا
اور جب کہا جاتا ہے اُن سے ایمان لاؤ جیسے
امِنَ النَّاسِ قَالُوا آ- نُونٍ كَمَا
ایمان لائے لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے
امِنَ السُّفَهَاءِ إِلَّا أَنَّهُمْ
ایمان لائے بیوقوف لوگ سُن رُكُوهِي وَهِيَ
السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾
بے وقوف اور لیکن نہیں علم رکھتے۔

النَّاسُ (لوگ) الف لام کے لگنے سے یہ لفظ خاص انسانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی وہ لوگ جو دل سے صحیح معنوں میں ایمان لائے اور دوسری چال نہ چلے۔

السُّفَهَاءُ (بے وقوف لوگ) یہ سفیہ کی جمع ہے جو لفظ سفہ سے نکلا ہے اس کے معنی ہیں ہلکا پن چونکہ بے وقوفی عقل میں ٹکے پن اور کمی ہونے کے سبب سے ہوتی ہے اس لفظ کا استعمال بے وقوفی اور حماقت کے لئے ہونے لگا۔

اس آیت میں منافقوں کی ایک اور عادت کا ذکر ہے۔ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اسلام پر صدق و اخلاص کے ساتھ سچے مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ گویا اُن کے خیال میں ایمان لانے والے بیوقوف ہیں کہ وہ کفر کے ایک بڑے طاقتور جتھے کے مقابلہ میں حق بات کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ جو منافقوں کے نزدیک سراسر ناممکن ہے۔ بدینہ کے مُنافِقِ اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر بہت مغرور تھے! انہیں یقین تھا کہ اُن کے مقابلہ میں اجنبی اور غریب الوطن مسلمان نہیں ٹھہر سکیں گے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام چند روز کا کھیل ہے جو خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس لئے جو لوگ اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہ انجام سے غافل اور اپنے نفع سے لاپرواہ ہیں۔

اُن کے اس قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی لوگ احمق اور بے وقوف ہیں کیونکہ راستبازی اور سچائی آخر غالب آکر رہتی ہے۔ اور دھوکہ دینے والے مُنافِقِ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مُنافِقِ کا آخرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ آخرت پر ایمان رکھنے کے لئے بہت زیادہ دُوراندیشی کی ضرورت ہے۔ آخرت کو ماننے سے اس دُنیا کے عیش و عشرت کو ہمیشہ کی زندگی کے آرام کے لئے کسی قدر چھوڑنا پڑتا ہے۔ مُنافِقِ عاقبت کا خیال نہیں کرتے۔ وہ اپنے ابدی نفع و نقصان سے غافل رہتے ہیں۔ اس لئے وہی بے وقوف اور احمق ہیں۔

مُنافِقُونَ كَاهِنُ سُورَانَا

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
 اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم
 آمِنًا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِنَا قَالُوا
 ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس آئیے ہوتے ہیں تو
 إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُونَ ﴿۱۳﴾
 کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔
 اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ
 اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے۔
 فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾
 وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو رہے ہیں۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
 اور جب ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہتے ہیں
 آمِنًا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِنَا قَالُوا
 ہم ایمان لائے اور جب آئیے ہوتے ہیں طرف ان کے شیطان وہ کہتے ہیں
 إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُونَ ﴿۱۳﴾
 ہم تمہارے ساتھ ہیں محض ہم مذاق کر رہے تھے
 اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ
 اللہ مذاق کرتا ہے ان سے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو
 فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾
 میں ان کی سرکشی اندھے ہو رہے ہیں۔

شَيْطَانِنَاهُمْ (ان کے شیطان) شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ سرکش اور بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسانوں، جنوں سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں شَيْطَانِنَاهُمْ سے مراد منافقین کے سردار لٹے گئے ہیں۔ جو اپنی سرکشی کے لحاظ سے شیطان بنے ہوئے تھے۔

مُسْتَهْزِؤُونَ (مذاق کرتے ہیں) یہ لفظ استہزاء سے بنا ہے جس کے معنی تمسخر کرنے اور ہنسنا کے ہیں۔
 طُغْيَانِهِمْ (اپنی سرکشی میں) یہ لفظ طغی سے بنا ہے۔ لفظ طغیانی کا ماخذ بھی یہی ہے۔ اس کے معنی ہیں ایک مقررہ حد سے تجاوز کرنا۔ یہاں اس سے مراد سرکشی میں حد سے بڑھ جانا ہے۔

يَعْمَهُونَ (اندھے ہو رہے ہیں) یہ لفظ عمہ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں اندھا پن۔ یہاں ایسی کیفیت مراد ہے کہ انسان کو راستہ سمجھائی نہ دے۔ اور وہ ادھر ادھر اندھوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔

اس آیت میں منافقین کے طرز عمل کی ایک اور خرابی بیان کی گئی ہے یعنی یہ کہ وہ دُورخی چال چلتے ہیں جب مسلمانوں سے ملتے تو انہیں دھوکہ دینے اور خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لائے۔ لیکن جب وہ اپنے سرداروں کے پاس تنہائی میں جاتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں کو بیوقوف بناتے ہیں یہ بیوقوف اور سیدھے سادے لوگ ہیں۔ ہماری اس بات کو سچ مان کر ہمیں اپنے پوشیدہ راز بتا دیتے ہیں اور دلی ارادوں اور تدبیروں سے مطلع کر دیتے ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے مذاق کو انہیں پر لپٹ دیا۔ سزا اور معاذ اللہ کے موقع پر عربی زبان میں یہ محاورہ عام ہے جیسے ہم کہیں کہ برائی کا بدلہ برائی ہے! اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی خراب حالت میں پھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی سرکشی اور حماقت میں سرگرداں پھرتے ہیں اور قرآن کی روشنی سے محروم اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔

گمراہی اور خسارہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ - الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ
یہ لوگ جنہوں نے خرید لی گمراہی
بِالْهُدٰی ص فَمَا رِبِحَتْ - يَتَّجَرَتُهُمْ
ہدایت کے بدلے سونہ سود مند ہوئی ان کی تجارت
وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾
اور نہ وہ ہوتے ہدایت پانے والے نہ ہوتے۔

اشْتَرُوا (انہوں نے خرید لی) ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز پالینا۔ یہ لفظ خریدنے اور بیچنے دونوں کے لئے آتا ہے۔ ایمان کا قبول کر لینا منافقین کے اختیار میں تھا۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے کفر اور منافقت کی روش اختیار کر لی۔ مَا رِبِحَتْ (سود مند نہ ہوئی) یہ لفظ ربح سے بنا ہے جس کے معنی ہیں نفع۔ اس سبق میں نفاق کا انجام بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت پھوڑ کر گمراہی حاصل کر لی۔ یعنی انسانیت کی جو خوبی ہر شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہر انسان نیکی اور ابدی حیات کا آرام حاصل کر سکتا ہے۔ ان منافقوں نے اس نور انسانیت کو بھجا دیا۔ اور جو ہدایت انہیں حاصل کرنی چاہیے تھی۔ اس کو نظر انداز کر کے اپنے اندر بے اخلاق اور غلط عادتیں پیدا کر لیں۔ اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ہم نے یہ سودا بڑا اچھا کیا۔ منہ سے توجید کا کلمہ کہہ دیا اور دل میں کفر رکھا اور خوش ہوئے کہ اس سے زیادہ نفع والی تجارت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس تجارت میں انہیں نفع نہ ہوا۔ انہوں نے اپنی ساری عمر صرف کر کے دنیا کے ضائع ہو جانے والے عارضی اور نفسانی فائدے حاصل کر لئے۔ تجارت تو یہ تھی۔ کہ اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے ہمیشہ رہنے والی زندگی کا آرام حاصل کرتے۔ لیکن انہوں نے اصل سرمایہ کو بھی ضائع کر دیا۔ منافقین کی یہ گمراہی اور گھاٹا ان کے ان اعمال کا نتیجہ ہے۔ جن کا ذکر اس سے پہلی آیات میں گذر چکا ہے کہ وہ زبان سے اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ دل سے نہیں مانتے۔ مومنوں اور اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ ان کے دل میں کفر و نفاق کا مرض ہے۔ وہ اصلاح کے نام سے فساد پکارتے ہیں۔ مخلص اور صاحب ایمان لوگوں کو بے وقوف سمجھتے ہیں انہیں ایمان اور تعاون کا یقین دلاتے ہیں۔ لیکن جب اپنے بد کردار ساتھیوں اور سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

مُنافقوں کی پہلی مثال

مَثَلُهُمْ لَكَ مِثْلُ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا
ان کی مثال جیسے مثال وہ جنہوں نے جلائی آگ

فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللهُ
پھر جب اس نے روشن کر دیا جو اس کے ارد گرد سب کئی اللہ

بَنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ
ان کی روشنی اور ان کو چھوڑ دیا میں اندھیرے

لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۴﴾
نہیں دیکھ پاتے

مَثَلُهُمْ كَمِثْلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا
ان کی مثال تو ان کی سی ہے جنہوں نے آگ جلائی

فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللهُ
پس جب آگ نے اس کے ارد گرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے سب

بَنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ
گرلی ان کی روشنی اور انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا۔

لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۴﴾
وہ نہیں دیکھ پاتے۔

مَثَلُهُمْ: (ان کی مثال) مثل کسی ایسے پرانے مشہور واقعہ کو کہتے ہیں۔ جو موجودہ کسی واقعہ سے ملتا جلتا ہو اور مشہور ہونے کی وجہ سے لوگوں کی سمجھ میں بہت جلد آسکتا ہو۔ نیز موجودہ واقعہ کی تشریح کے لئے اس کے بیان کرنے سے بہت مدد ملتی ہو۔ ظُلُمَاتٍ: (اندھیرے) یہ لفظ ظلمت کی جمع ہے۔ جس کا ترجمہ ہے اندھیرا اور تاریکی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو دین سے اسلام کے پکے دشمن تھے۔ مگر زبان سے مسلمانوں کے ہمدرد اور رفیق ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو طبیعت کے کمزور تھے اور قطعی طور پر نہ تو اسلام کے حامی تھے اور نہ مخالف۔ جس طرف اپنا فائدہ دیکھتے اس طرف ہو جاتے۔ قرآن مجید نے ان دونوں قسم کے منافقوں کی مثالیں دی ہیں۔ اس آیت میں پہلی قسم کے منافقوں کی مثال بیان کی گئی ہے۔

ان لوگوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص نے اندھیری رات میں آگ جلائی۔ اس کی روشنی سے ارد گرد کی تمام چیزیں روشن ہو گئیں اور وہ اس قابل ہو گیا کہ نقصان پہنچانے والی اور نفع بخشنے والی چیزوں میں فرق کر سکے۔ مگر اچانک آنکھوں کی روشنی اٹھنے سے چھین لی۔ اور اب اُسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ روشنی کے باوجود اندھوں کی طرح ٹامک ٹوٹیاں مار رہا ہے۔

یہ مثال منافقوں پر ٹھیک ٹھیک درست آتی ہے۔ وہ پہلے کفر کی تاریکی میں پڑے ہوئے تھے۔ نیک و بد میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ پھر اسلام کی شمع روشن ہوئی اور اُس سے وہ فائدے اٹھانے لگے کہ اچانک ان سے اسلام سے فائدہ اٹھانے کے تمام مواقع چھین لئے گئے۔ ان کی اصلی صورت مسلمانوں کے سامنے آگئی۔ اور وہ اس قابل نہ رہے کہ مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں۔ کچھ منافق از خود حق کو ٹھکرا کر باطل کی طرف بھج گئے۔ کچھ اپنی اغراض کی وجہ سے اس روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہو گئے۔ ان تینوں صورتوں میں ان کے لئے اسلام کی روشنی بے کار ہو گئی۔ اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

مُنافقوں کا انجام

صُمُّ بَكَوْ عُمِّيْ فَهَمُّ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ صُمُّ بَكَوْ عُمِّيْ فَهَمُّ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾
 بہرے گونگے اندھے پس وہ نہیں لوٹیں گے۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ وہ نہیں لوٹیں گے۔

صُمُّ (بہرے) اس کی واحد اسم ہے جس کے معنی بہرے کے ہیں۔ منافق اگرچہ ظاہری طور پر بہرے نہیں تھے۔ لیکن انہیں بہرہ اس لئے کہا گیا کہ وہ اسلام کی حق باتیں سنتے اور ٹال دیتے۔ اور سنی بات کو ان سنی کر دیتے۔ گویا وہ بہرے میں کچھ سنتے ہی نہیں۔

بَكَوْ (گونگے) یہ ابکو کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گونگا۔ اگرچہ ان لوگوں کی زبانیں تو موجود تھیں۔ لیکن سچی بات پوچھنے سے گریز کرتے اور حق بات کا اقرار نہ کرتے گویا گونگے ہیں اور ان کے منہ میں زبان نہیں۔
 عُمِّيْ (اندھے) یہ اعمی کی جمع ہے جس سے مراد ہے اندھا آدمی۔ انہیں اندھا اس لئے کہا گیا کہ آنکھیں رکھنے کے باوجود اللہ کی نشانیاں دیکھ کر قبول نہیں کرتے تھے۔

اس آیت میں منافقوں کے اعمال کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ لوگ اسلام کی روشنی ظاہر ہو جانے کے باوجود کفر کے اندھیروں میں پڑے رہے۔ دنیاوی فائدوں، ذاتی غرضوں اور نفسانی خواہشوں کی پیروی میں انہوں نے اچھے اور بُرے میں تمیز نہ کی۔ جس طرح قدرتی قاعدہ کے ماتحت آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ بھلس جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی کج روی اور جان بوجھ کر گمراہی کی وجہ سے حق کو پہچاننے کی تمام قوتیں ضائع ہو گئیں۔ کفران پر غالب آ گیا۔ وہ اسلام کی روشنی سے محروم ہو گئے۔ اللہ نے ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے روشنی کو سلب کر لیا اور وہ اندھیرے میں بھٹکنے لگے۔

نیکی اور بدی کی تمیز اٹھ جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حق کی آواز سننے کے قابل نہ رہے۔ ان کی زبانیں گونگی ہو گئیں کہ وہ کسی سے راہ حق دریافت نہ کر سکتے۔ ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں کہ اسلام کی روشنی انہیں نظر نہ آتی۔ اور اللہ کی نشانیاں ان پر کوئی اثر نہ کرتیں۔

علم حاصل کرنے کے تین ظاہری ذریعے ہوتے ہیں۔ کان، زبان اور آنکھ کبھی انسان دوسروں کی باتیں سن کر بعض چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ کبھی زبان سے پوچھ کر معلوم کرتا ہے۔ اور کبھی آنکھ سے دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے۔ لیکن منافق اپنی بند اور ہٹ دھرمی کے باعث یہ تینوں ذریعے کھو بیٹھتا ہے۔ اور اب نہ کسی ہدایت دینے والے کی آواز سنتا ہے۔ نہ وہ سچی تعلیم کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اور نہ حق کی نشانیوں کو آنکھوں سے دیکھ کر کوئی اثر حاصل کرتا ہے۔ اور اب اس بات کی کوئی امید نہیں کہ وہ کفر سے اسلام کی طرف یا اندھیرے سے روشنی کی طرف واپس آئے گا۔

منافقوں کی دوسری مثال

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ	أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ
یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو	یا جیسے زور کا مینہ سے آسمان اس میں
ظَلُمْتُ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ	ظَلُمْتُ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ
اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی اپنے کانوں میں	اندھیرے اور گرج اور بجلی ڈالتے ہیں
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ	أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ
کرک کے مارے موت کے ڈر سے انگلیاں	اپنی انگلیاں میں اپنے کان سے کرک
حَذَرَ الْمَوْتِ	حَذَرَ الْمَوْتِ
دیتے ہیں	اندیشہ موت

کَصَيْبٍ (جیسے مینہ) یہ لفظ صوب سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں بادل یا بارش کا نازل ہونا۔
السَّمَاءِ (آسمان) یہ لفظ سم سے بنا ہے۔ اس کے معنی بندی کے ہیں۔ ہر بندی والی چیز خواہ بادل ہو یا آسمان اسے
اسماء کہا جاتا ہے۔

آپ پڑھ آئے ہیں کہ منافقوں کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو دل سے اسلام کے کچے دشمن ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس سے پہلی آیت میں آپ پڑھ آئے ہیں۔
اس آیت میں دوسری قسم کے منافقوں کا ذکر ہے۔ وہ اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے نہ تو پوری طرح اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور نہ اسے چھوڑتے ہیں۔ بلکہ شک اور تذبذب میں غرق رہتے ہیں اور قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ دوسری قسم کے منافقوں کی مثال زوردار بارش سے دی گئی ہے۔ اس میں بے شمار فائدے ہیں۔ مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ ندی نالے بہنے لگتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی دل کو لرزانے والی بادلوں کی کرک اور آنکھوں کو چنڈھیانے والی بجلی کی چمک بھی ہوتی ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا بھی چھا جاتا ہے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود کوئی بارش کا دشمن نہیں ہوتا۔
اسلام بھی بارش کی طرح سراسر رحمت بن کر آیا۔ لیکن اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور احکام خداوندی کی دوسری پابندیاں اور دشواریاں بھی ہیں۔ منافق ان پابندیوں سے بدکتے ہیں اور جی کتراتے ہیں۔
منافق اسلام کے فائدے دیکھتے تو اس کی طرف دوڑتے۔ مگر جب قربانی کا وقت آتا تو پیچھے ہٹ جاتے۔
کاش تذبذب چھوڑ کر یہ لوگ ایک طرف ہو جاتے۔ اور اپنی زندگی اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے۔

منافقوں کی بے بسی

وَاللَّهُ مُجِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۱۹
اور اللہ احاطہ کئے ہوئے ہے کافروں کا

وَاللَّهُ مُجِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۱۹
اور اللہ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مُجِيطٌ (احاطہ کئے ہوئے) یہ لفظ احاطہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں چاروں طرف سے کسی چیز کو گھیر لینا۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کافروں پر اپنی ذات، علم اور قدرت ہر لحاظ سے محیط ہے۔
دونوں قسم کے منافقوں کا حال آپ نے پچھلے سبقوں میں پڑھ لیا۔ پہلی قسم کے لوگ اندرونی طور پر اسلام کے بڑے دشمن ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر وہ اس کا دم بھرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے حمایتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے منافق طبیعت کے کمزور بزدل اور پست ہمت ہیں۔ وہ جس مجلس میں جائیں۔ اسی کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھیں۔ ان کے وعظ اور دعوت سنیں ان کی شان اور فتح مندی دیکھیں تو مرعوب ہو کر اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب آزمائش اور امتحان سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو پھر کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ وہ مشقت اور موت سے ڈرتے ہیں۔

آیت کے آخر میں بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان منافقوں پر ہر طرح سے حاوی ہے۔ وہ محض مشقت اور موت سے بچنے کی خاطر اسلام سے بھاگتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان پر ہر قسم کا اختیار اور قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے موت سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ وہ نفسانی لذتوں اور جھوٹی خواہشوں کو چھوڑ دیں۔ اللہ کی راہ میں جان و مال پیش کریں۔ تکلیفیں اور مصیبتیں بھیلیں۔

وہ عذاب کی آیتیں سننا نہیں چاہتے اور کان دبا کر نکل جاتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ قادرِ مطلق کی گرفت سے اپنے آپ کو اس طرح بچانے کی کوشش محض حماقت اور کم عقلی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صرف ڈھیل دیتا ہے۔ اور سمجھنے کے موقعے ان کے لئے پیدا کرتا ہے۔ جب ان کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اور ان کا کوئی دوست انہیں اللہ کے عتاب سے نہیں بچا سکے گا۔ وہ ان کی تمام حرکات بلکہ سینوں کے بھیدوں تک کو بھی جانتا ہے اور وہ ان پر قدرت کے لحاظ سے بھی حاوی ہے۔ جس طرح کی سزا دینا چاہے۔ اسے اس پر قدرت حاصل ہے۔

جس طرح بارش میں گرج، چمک اور کڑک سب کچھ ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں آزمائش کے طور پر محنت، سختی، غربت اور تکلیف سب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر نتیجہ میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ ان عارضی مصیبتوں سے گھبرا کر اسلام سے بھاگ نہ جائے بلکہ استقلال کے ساتھ اس پر جم جائے۔ انسان اگر مصیبتوں سے بھاگنا ہی چاہے تو بچ نہیں سکتا۔

مُنافِقُونَ كَاتِبِينَ

يَكَادُ الْبَرَقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كَلِمًا أَضَاءَ
 قَرِيبٌ هِيَ كَبَجَلِي أُنْ كِي مِيَانِي اُحِطْ لِي وَهُ جِبَانِ رِجْطِي هِيَ
 لَهُمْ مَشَوَا فِيهِ قَا - وَإِذَا أَظْلَمَ
 تَوَاسُ كِي رُوشَنِي مِي حِلْتِي هِي - اُور جِبَانِ رِ اُنْدَهِيرَا هُو
 عَلَيْهِمْ قَامُوا
 وَهُ كُھَرِي رِه جَاتِي هِي -

يَكَادُ الْبَرَقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كَلِمًا أَضَاءَ
 قَرِيبٌ هِيَ بَجَلِي اُحِطْ لِي اُنْ كِي مِيَانِي جِبَانِ رِجْطِي هِيَ
 لَهُمْ مَشَوَا فِيهِ قَا - وَإِذَا أَظْلَمَ
 اُنْ رِ حِلْتِي هِي اِس مِي اُور جِبَانِ رِ اُنْدَهِيرَا هُو
 عَلَيْهِمْ قَامُوا
 اُنْ رِ كُھَرِي رِه جَاتِي هِي -

يَخْطِفُ: (اُچک لے جاتے) اس سے مراد ہے آنکھوں کا چندھیا جانا یعنی اسلام کا غلبہ، طاقت اور شوکت منافقوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے اور اُن کے دلوں میں اس کا رعب ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔

اس آیت میں دوسری قسم کے منافقوں کا حال مزید تشریح اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں بارش کی مثال دے کر اُن کی فطرت کے بارے میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ وہ فائدوں کی طرف لپکتے ہیں لیکن فائدے حاصل کرنے کے لئے کچھ مشقت یا نقصانات اٹھانے پڑیں تو پھر پھیرا دکھا جاتے ہیں۔

بارش نوع انسان کے لئے بہت سے فائدوں کا سبب بنتی ہے۔ لیکن جب اس میں بادل کی کڑک اور بجلی کی چمک دیکھتے ہیں۔ تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اس سے بچا چاہتے ہیں اور بارش کے فائدوں سے سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ فلاح اور بہتری کے لئے اگر کچھ قربانی کرنی پڑے یا آزمائش میں مبتلا ہونا پڑے تو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ منافقین اسلام کی کامیابیاں اور فتحندیاں دیکھتے ہیں۔ تو اُن کے قدم اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ دراصل اُن کے دل میں حق کی تلاش نہیں ہوتی۔ صرف اسلام کے رعب اور شوکت کی وجہ سے اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ اہل ایمان کو آزمائشیں اور مصیبتیں پیش آنے لگی ہیں۔ تو پھر یہ انکار اور بے یقینی کی وجہ سے ٹھنک کر رہ جاتے ہیں۔ اور اسلام کی طرف اُن کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ گویا بجلی کے چمکنے کی طرح جب اسلام کی روشنی ان پر واضح ہوتی ہے تو مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن جو ہی اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یعنی انہیں تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آنے لگتی ہیں۔ تو پھر اُن کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور واپس کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

اس سے یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ سکھ اور دکھ ہمیشہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اگر ہم اللہ کی راہ میں جان مال اور اولاد کی قربانی کریں تو یقیناً اس کے بدلہ میں کامیابی اور فلاح نصیب ہوگی۔ یہ روش ہرگز درست نہیں۔ کہ فائدے کی طرف تو ہم دوڑیں مگر آزمائش کے وقت پیچھے ہٹ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں۔

مُنافقوں کو وعید

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَبْعِهِمْ
اور اگر چاہے اللہ لے جائے ان کے کان
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ
اور ان کی آنکھیں بیشک اللہ پر ہر
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾
چیز پر قادر ہے۔

۲۰

اس رکوع کی ابتداء سے منافقوں کا بیان شروع ہوا تھا۔ جو یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سننے اور دیکھنے کی قوتیں بخشیں۔ لیکن منافقوں نے یہ قوتیں صرف دنیا کے عارضی فائدے جمع کرنے اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں خرچ کر دیں۔ حق کی آواز سننے اور اللہ کی نشانیاں دیکھنے سے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بالکل بند کر لیا۔ انہوں نے اپنی قوتوں سے صحیح کام لینے کی بجائے ان کا غلط استعمال کیا۔

اب اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کرتا ہے۔ کہ اگر وہ اس غلط روش سے باز نہ آئے۔ تو ان سے یہ قوتیں چھین لی جائیں گی۔ منافق اگرچہ موت کے خوف سے بجلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ وہ کڑک اور گرج کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں کہ مرنے جائیں۔ اللہ ان کی آنکھوں کی مینائی اور کانوں کی سننے کی قوت چھین بھی سکتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی بچانے کی کوشش کریں۔

انسان کو دیکھنے، سوچنے اور سننے کی تمام قوتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دی ہیں۔ لیکن جب وہ انہیں اس کے حکم کے مطابق استعمال نہیں کرتا۔ تو اسے ڈرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کہیں چھین نہ لے۔ اگر وہ پھیننے میں کچھ دیر کرے۔ تو نڈر نہ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ سزا پلنے میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے یہ دیر ڈھیل دینے کے لئے ہو۔ یا اس کی رحمت کی وجہ سے ہو۔

انسان کی آنکھیں اور کان موجود ہوتے ہوئے بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ نہ ہو وہ کام نہیں کر سکتے۔ اگر وہ چاہے تو وہ انسان کو اعضاء سے کام لینے کی قوتوں سے محروم کر سکتا ہے۔ کہ آنکھ ہوتے ہوئے بھی نہ دیکھ سکے اور کان ہوتے ہوئے بھی نہ سن سکے اور یہ بات اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ اس نے عالم کے انتظام کے لئے قاعدہ، وقت اور سبب مقرر کر رکھے ہیں وہ دنیا کے تمام کافروں، منکروں اور منافقوں کو فوراً فنا کر سکتا ہے۔ لیکن مقررہ قاعدوں کے مطابق انہیں ڈھیل مل جاتی ہے تاکہ وہ باز آجائیں اس کے باوجود اگر وہ باز نہ آئیں تو اس کا غضب ان پر لویں آپڑتا ہے کہ انہیں اس کا سامان گمان بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اکثر منافقوں کا حال ایسا ہی ہوا۔

عبادت کا مطالبہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
 خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
 لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ②۱

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے
 تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو
 جن سے تم سے پہلے

تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

لَعَلَّكُمْ، تاکہ تم) عربی میں لَعَلَّ اس موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ جہاں کسی کام کا نتیجہ پیدا ہونے کی قوی امید ہو۔
 تَتَّقُونَ: (تم متقی پرہیزگار بن جاؤ) متقی اور متقون اور تقویٰ ایک ہی لفظ سے بنے ہیں۔ اس کی مکمل تشریح سبق (۱۷) میں
 گذر چکی ہے۔ مختصر یہ کہ تم میں خدا سے ڈرنے اور احتیاط سے زندگی بسر کرنے کی عادت چمکتے ہو جائے۔ اس کو پرہیزگاری کہتے ہیں۔
 النَّاسُ، (لوگو) قرآن پاک میں اس آیت میں سب سے پہلی بار اللہ تعالیٰ نے ایک مطالبہ کیا ہے اور انسانوں کو يَا أَيُّهَا النَّاسُ
 کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار بننے کا مطالبہ ہر انسان سے فرمایا ہے۔
 اُعْبُدُوا، (عبادت کرو) یہ لفظ عبادت سے بنا ہے۔ جس کی اصل عَبَدَ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو عاجزی
 اور ادب کے ساتھ ماننا، جسے اطاعت اور فرمانبرداری بھی کہتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ عبادت کے ضروری اجزا ہیں۔ لیکن
 عبادت انہیں پختہ نہیں ہو جاتی۔ بلکہ وہ پوری زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔
 اس سورۃ کے شروع میں سب سے پہلے متقی کی صفات بیان کی گئی تھیں اور بتایا گیا تھا کہ قرآن اہل تقویٰ کے لئے ہدایت ہے۔
 اس کے بعد کافروں کا حال بیان کیا گیا اور پھر منافقوں کی کیفیت واضح کی گئی۔ اب یہاں تمام انسانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں
 قسم کے لوگوں کے ذکر کے بعد آدمی میں واقعی طور پر متقی بننے کا شوق پیدا ہو جانا چاہیے۔ اس لئے اب اصل تقویٰ حاصل کرنے کی راہ انسان
 کے سامنے واضح کی جاتی ہے۔

یہاں تمام لوگوں کو بچار کر یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کے تمام عقیدوں اور حکموں کی اصل بنیاد رب کو پہچاننا ہے۔ انسان کو پیدا کرنے کا سب سے پہلا
 مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو ڈھونڈے۔ اس کی کھلی نشانیں سے اسے پہچانے اور دنیا و آخرت کی کامیابی اسی سے مانگے
 کیونکہ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور ہر وقت ہر زمانے میں اس کی پرورش کی اور اس کو اس کی قابلیت کے مطابق ترقی کے راستے بتائے۔ اس رب کی سب سے
 پہلی نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو اور ان سب کو جو تم سے پہلے ہو گئے ہیں پیدا کیا۔ اسی معرفت تقویٰ حاصل کرنے کی راہ کھلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے
 سے اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں بلکہ اس سے ہر انسان ہی کا فائدہ ہے۔ عبادت کرنے سے انسان کے خیالات کی پریشانی دور ہوتی ہے۔ اور اصل
 باتوں کی طرف توجہ دینے کا موقع ملتا ہے۔

شُرک کی مُمانعت

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ
السَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ

فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

سوز ٹھیراؤ اللہ کے لئے مقابل اور تم جانتے ہو۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ
السَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ

فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

سوز ٹھیراؤ اللہ کے لئے مقابل اور تم جانتے ہو۔

فِرَاشًا: (فرش) وہ چیز جو بچھا دی گئی ہو۔ یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہوں اور چل پھر سکتے ہوں۔ ہموار ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مستطیل یا مربع ہو۔ بلکہ ایک بڑی گول شکل بھی فرش کا کام دے سکتی ہے۔

أَنْدَادًا: (مقابل) یہ لفظ نداء کی جمع ہے۔ جو عربی میں مثل و مشابہ کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ مخالف اور مد مقابل کے معنوں میں بھی چنانچہ أَنْدَادًا کے معنی مخالف اور موافق دونوں ہونے سکتے ہیں۔

پہلی آیت میں رب کی پہچان یہ بتائی گئی تھی کہ اس کو اپنا اور اپنوں سے پہلوں کا پیدا کرنے والا مانا جائے۔ اس آیت میں کچھ اور نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کرنے والی صفت زمین یا ماں کے پیٹ کے اندر کام کرتی ہے اور آدمی کو نظر نہیں آتی۔ اس لئے دوسری صفات جو اس سے زیادہ واضح ہیں۔ بیان کی جاتی ہیں۔ تاکہ ان پر ہر چھوٹا بڑا آدمی غور کر سکے۔

انسان کی زندگی کو باقی اور قائم رکھنا، اس کے اسباب مہیا کرنا اور انسان کی زندگی کو آہستہ آہستہ اس کی ترقی کے آخری درجہ تک پہنچا دینا صرف اس کے رب کا کام ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انسان کا رب ہے اور اسی نے اس کو پیدا کرنے کے بعد اس کی زندگی باقی رکھنے کے تمام ذریعے اکٹھے کر دیئے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

(۱) زمین جس پر ہم رہتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بچھایا ہوا فرش ہے (۲) آسمان جس کو اللہ تعالیٰ نے خمیہ کی چھت کی طرح انسان کے سر پر چھت بنا کر آدھر کھڑا رکھا ہے جس سے روشنی کا انتظام بھی خوب ہو رہا ہے (۳) انسان کے روزمرہ کے کھانے پینے کا بندوبست کرنے کے لئے اُوپر سے بارش جس سے رنگازنگ کے پھل وہی پیدا کرتے ہیں جن کو انسان کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ انسان موجود ہونے میں بھی اور اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بھی رب ہی کا محتاج ہے۔ اس لئے چاہئے کہ وہ اپنا معبود بھی اسی رب ہی کو سمجھے اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کا نام جس میں یہ سب صفتیں موجود ہیں اللہ ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوب سمجھا کر اپنی نعمتوں اور بخششوں کو بیان کر کے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور اپنی پہچان کا راستہ بھی بتا دیا ہے تاکہ عبادت اس کو پہچان کر کی جائے بغیر پہچانے عبادت کرتے رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتی۔

کلام اللہ کی سچائی کا دعویٰ

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا
اور اگر تم ہو میں شک جو کہ ہم نے اتارا
عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ
پر ہمارا بندہ تو لاؤ ایک سورۃ سے اس جیسی
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ
اور بلاؤ اپنے مددگار سے سوا اللہ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾
اگر تم سچے ہو۔

نَزَّلْنَا، (ہم نے اتارا) تنزیل سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا اُپر سے نیچے اتارنا۔ اس جگہ قرآن مجید مراد ہے۔ جو جبریل امین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رفتہ رفتہ اتارا گیا۔
مِثْلِهِ، (اس جیسا) اس میں قرآن مجید کی لفظی اور معنوی دونوں خوبیوں کی طرف اشارہ ہے۔ عبارت ایسی ہے جسے ہر ایک سمجھ لے اور مطلب پورا پورا اور صاف صاف خوبصورتی سے بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید کی دوسری بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر مرد اور عورت کو زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے جس پر چل کر وہ اس دُنیا میں بھی کامیاب رہے اور آخرت میں بھی کامیاب ہو۔ اگر قرآن مجید کے منکر کو شک ہے کہ اللہ کا کلام نہیں۔ انسانی زبان ہے تو کوئی ایک سورت ہی ایسی بنا لائے جس میں یہ دونوں خوبیاں ہوں نہیں تو اسے ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور کوئی آدمی بلکہ سارے آدمی مل کر ایسی کتاب نہیں بنا سکتے۔
شُهَدَاءَكُمْ، (اپنے مددگار) یہ لفظ شہید کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں باخبر۔ یہاں اس سے مراد ہے۔ قرآن جیسی سورۃ بنانے میں مدد کرنے والا۔ اس کے دوسرے مشہور معنی گواہ ہیں۔ اگر یہاں گواہ مراد لیا جائے۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ اُن لوگوں کو بلاؤ جو تمہارے اس دعویٰ کی کہ تم نے کسی قرآنی سورۃ کا جواب لکھ لیا ہے تصدیق کر دیں۔
پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی تھی کہ تمام انسانوں کو پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا وہی ہے۔ اس لئے عبادت کے لائق وہی ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ رسول اکرمؐ کی نبوت کی دلیل سے ثابت کر دیا جائے تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ قرآن جو رسول اللہ کو عطا ہوا۔ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی وجہ سے توحید کے اعلان کے بعد رسالت کے اقرار کی دعوت دی گئی۔ اور لوگوں سے کہا گیا کہ اگر وہ نبی کی سچائی میں شک کرتے ہیں۔ اور اگر انہیں یہ گمان ہے کہ یہ قرآن نعوذ باللہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ تو اس جیسا کلام پیش کر کے دکھائیں۔ اسلام کی ساری مخالف قومیں اور ان کے علماء آج تک ایسا نہیں کر سکے۔ نہ آئندہ کر سکیں گے۔

کلام اللہ کا چیلنج

قرآن مجید اپنی صداقت کی خود دلیل ہے۔ کلام اللہ کا دعویٰ ہے۔ اگر انکار کرنے والے منکر اسے خدا کا کلام نہیں سمجھتے تو اس جیسا کلام بنا کر پیش کریں۔ اگر قرآن مجید کسی انسان کا بنایا ہوا ہے۔ یا نعوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے۔ تو یقیناً وہ بھی ایسا کلام بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا۔ تم قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا۔ تین ہی لکھ لاؤ۔ یہاں فرمایا اور نہیں تو کم از کم ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دو۔ بے شک اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے کوشش کر دیکھو۔ شرط صرف ایک ہے۔ کہ تمہارے کلام میں وہ تمام لفظی اور معنوی خوبیاں ہوں۔ جو اللہ کے کلام میں موجود ہیں۔ اور تمہارا کلام انسانی زندگی پر ایسا ہی اثر کرنے والا ہو۔ جیسے قرآن مجید کی سورتیں ہیں۔

اسلام سے قبل عرب قوم دنیا کی دوسری قوموں سے اکثر باتوں میں پیچھے تھی۔ اخلاقی اعتبار سے وہ انسانیت کا جوہر کھو چکی تھی۔ معاشرتی اور معاشی زندگی میں عرب حد درجہ پست تھے۔ سیاسی شعور انہیں بالکل حاصل نہ تھا۔ مذہب اور دین کے تصور سے وہ کورے تھے۔ وہ بہادر ضرور تھے۔ لیکن جہالت اور تعصب نے انہیں اُجڑ اور ظالم بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلام دیا اور اس کے ذریعے ہی قوم دنیا کی پیشوا بن گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی استاد سے نہ پڑھے تھے۔ وہ لکھنے پڑھنے سے قطعاً نا آشنا تھے۔ انہیں دنیا کے کسی بیرونی خطے کے حالات بھی معلوم نہ تھے۔ ان کے ملک کے باشندے بھی اُمی تھے۔ اور ان لوگوں کو اپنے ان پڑھ ہونے پر ناز تھا۔ کلام اللہ کو لے کر اُمی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ان پڑھ اور جاہل قوم کو ترقی اور کمال کے جن مدارج پر پہنچایا۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی عرب اس کلام کے ذریعے اخلاق، روحانیت، معاشرت، معیشت، سیاست، حکومت، مذہب غرض زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کی قوموں کے امام بن گئے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی فاضل اور ادیب بھی قرآن مجید کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ خلیفہ مارون رشید کے زمانہ میں ابن مقفع نے اور چند صدیاں قبل لبنان کے فاضل ادیبوں نے سر توڑ کوششیں کیں مگر وہ سورہ فاتحہ کی سات آیتوں کا جواب بھی نہ لکھ سکے۔

مُخَالِفِينَ كِي بے بسی

فَان لَّمْ تَفْعَلُوا وَ لَنْ تَفْعَلُوا وَ لَنْ تَفْعَلُوا
 پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تم اس
 النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ
 آگ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر
 اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۳﴾
 وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

وَقُودُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جہنم کی آگ بہت شدید ہوگی۔ وہ انسانوں کے علاوہ پتھروں کو بھی جلا ڈالے گی۔ گویا پتھر کے بُت بھی اس کا ایندھن ہوں گے۔ الْحِجَارَةُ سے اشارہ سنگدل انسانوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔

پچھلے سبق میں مخالفین کو قرآن کے مقابلہ کی دعوت دی گئی تھی۔ اب انہیں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر تم اس کا مقابلہ نہ کر سکو۔ اور ہم تباہ دیتے ہیں کہ تم ہرگز نہ کر سکو گے۔ تو یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ظاہر ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ رحمت ہیں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننا اور قرآنی احکام کی تعمیل نہ کرنا جہنم کے عذاب کا باعث ہوگا۔ اس لئے تم کو اس سے بچنے کا بندوبست کرنا چاہیے کیونکہ جہنم کی آگ معمولی آگ نہیں۔ بلکہ ایسی آگ ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اور یہ آگ ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو اسلام کے احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، قرآن مجید کے حق ہونے اور شرع کی سچائی کا انکار کرتے ہیں۔

اس آیت سے چند اور باتیں بھی واضح ہو گئی ہیں ۱۱۔ جس امر میں اسلام کے مخالفوں خصوصاً قریش کو بڑا دعویٰ تھا۔ یعنی الفاظ کی پاکیزگی اور مطلب کو آسانی سے سمجھا دینا۔ اسی میں عاجز بنا کر اس کا اللہ کی طرف سے ہونا ثابت کر دیا (۲) اللہ کے سوا جس قدر مھبھوٹے معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ ان سب کی تردید کر دی۔ (۳) کفر کی سزا دوزخ کو قرار دیا۔ ہمیں چاہیے کہ قرآن کی حقانیت، اسلام کی صداقت اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی میں شک و شبہ نہ کریں کیونکہ اگر تمام دنیا کے انسان جمع ہو جائیں۔ تو وہ سب مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورت تک بھی ایسی نہیں بنا سکتے۔ کہ جس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں۔ جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ان خوبیوں میں سے چند ایک یہ ہیں۔ پاکیزہ الفاظ، فصاحت و بلاغت، اچھی عادتوں کا پرچار مطالب کا خوبی کے ساتھ ادا کرنا۔ تمام لوگوں کی ہدایت اور نجات کا سامان، زندگی کے تمام مسائل میں نوع انسانی کی رہنمائی۔ دنیا کی تمام اقوام کے لئے یکساں طور پر مفید ہونا۔ وغیرہ۔

نیکو کار مومنوں کو خوشخبری

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 اور خوشخبری سنا دے وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے
 وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دے جو ایمان لائے اور عمل کئے
 نیک عمل کئے ان کے لئے باغات بہتی ہوں گی
 نیک عمل کئے ان کے لئے باغات بہتی ہوں گی

آمَنُوا (وہ ایمان لائے) جنہیں اللہ کی معبودیت، حضرت رسول خدا کی رسالت اور قرآن کی سچائی میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔
 عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (نیک عمل کئے) اس سے مراد ایسے کام ہیں جو قرآن کریم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ہوں
 خرابی اور کجی سے پاک ہوں۔

پچھلی آیات میں قرآن مجید کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کافروں اور منکروں کو چیلنج کیا گیا تھا کہ اگر وہ قرآن مجید کو نعوذ باللہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہیں۔ تو وہ اس جیسا کلام بنا کر دکھائیں جس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن اس وقت سے لے کر آج تک ساری دُنیا کے انسان اس کا جواب پیش نہیں کر سکے اور جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی بتا دیا ہے۔ یہ لوگ ہرگز نہیں بنا سکیں گے! اس لئے انہیں اس اٹکار اور تکذیب کی سزا بتا دی گئی تھی۔ یعنی یہ کہ وہ ایسے دوزخ میں پھینکے جائیں گے جس کا ایندھن انسان اور پتھر دونوں ہیں۔

اس آیت میں کافروں کے مقابلہ میں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ ایسے باغات میں داخل کئے جائیں گے۔ جن میں ان کے آرام و راحت کے لئے سب کچھ موجود ہوگا۔ ان میں ٹھنڈے اور خوش ذائقہ پانی کے دیا بہتے ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنت کا حقدار بننے اور اس میں داخل ہونے کے لئے انسان میں دو صفتیں موجود ہونی چاہئیں۔ اول یہ کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی شک نہ ہو۔ یعنی وہ اللہ کو اپنا معبود سمجھتا ہو۔ اور آپار ب اور آقا ماننا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے کا اقرار کرنا ہو۔ قرآن مجید کو اللہ کا کلام سمجھنا ہو اور آخرت پر یقین رکھنا ہو۔ یعنی اس دُنیا کی زندگی کے بعد جو دوسری زندگی آنے والی ہے۔ اس پر ایمان رکھنا ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کے تمام کام قرآن مجید کے حکموں کے مطابق ہوں۔ اللہ نے جن جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں کبھی نہ چھوڑنا ہو۔ اور جن جن کاموں کے کرنے سے منع کیا ہے۔ ان کے پاس بھی نہ پھٹکتا ہو۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ محض اچھے کاموں سے جنت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کے ساتھ دل میں ایمان اور یقین نہ نہ ہو جسے اذعان کہا جاتا ہے۔ اسی طرح محض ایمان کافی نہیں۔ جب تک ایمان کے ساتھ اعمال درست نہ ہوں۔

جنت کی نعمتیں

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا كَا

انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا۔

قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ

وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے مل چکا ہے

قَبْلُ وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ط

اور انہیں دیا جائے گا جتنا جتنا ہوا

لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ مِمَّا يَشَاءُونَ وَهُمْ

ان کے لئے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۵﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا كَا

جب کبھی کھانے کو دیا جائے گا اس میں سے سے پھل رزق

قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ

وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں مل چکا ہے سے

قَبْلُ وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ط

پہلے اور انہیں دیا جائے گا اس سے جتنے جتنے اور

لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ مِمَّا يَشَاءُونَ وَهُمْ

ان کے لئے اس میں بیویاں پاکیزہ اور وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۵﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مُطَهَّرَةٌ (پاک) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بیویاں ہر لحاظ سے پاک صاف ہوں گی۔ وہ جسم اور روح کی ہر قسم کی گندگی سے دور ہوں گی۔
خَالِدُونَ (ہمیشہ رہیں گے) یہ لفظ خلود سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں ہمیشہ رہنا یعنی جنت میں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔
چنانچہ جنت کا ایک نام ہی جنت خالد ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایماندار اور نیکو کاروں کے اجر کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا ہے۔ عام طور پر انسان کو اچھی زندگی بسر کرنے کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ اس کے پاس عمدہ اور خوبصورت مکان ہو۔ کھانے پینے کے لئے لذیذ اور خوش ذائقہ چیزیں موجود ہوں۔ نیک اور پاک ساتھی ہو۔ آرام اور عیش ہو جو ہمیشہ رہے۔ یعنی چیزیں جو اس کے پاس ہوں ان کے فنا اور ختم ہونے کا خوف نہ ہو۔ بلکہ اسے یقین ہو کہ وہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی چیزوں کا ایمان داروں سے وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی جو دنیا میں اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائیں گے اور ان کے حکموں کے مطابق عمل کریں گے۔ انہیں اس دنیا کی زندگی کے بعد ایسی جنت میں داخل کیا جائے گا جہاں وہ نہایت خوبصورت باغوں میں رہیں گے۔ کھانے کے لئے انہیں ایسے پھل دیئے جائیں گے جو اگرچہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ان پھلوں کے جتنے جتنے ہوں گے۔ جو انہوں نے دنیا میں کھائے ہوں گے۔ لیکن لذت ذائقہ اور خوشبو کے لحاظ سے وہ دنیا کے پھلوں سے بہت بڑھ کر ہوں گے۔

جنت چونکہ مادی اور روحانی ہر قسم کی خوشیوں اور راحتوں کا گھر ہے۔ اس لئے وہاں انہیں پاک صاف اور ستھری بیویاں نصیب ہوں گی۔ وہاں انہیں یہ خطرہ بھی ہرگز نہیں ہوگا۔ کہ ان کی خوشی اور آرام میں ذرہ بھر بھی کمی ہوگی یا ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ یقین دلایا جائے گا کہ یہ تمام نعمتیں پائیدار مستقل اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں مبارک ہیں وہ جو اس جنت کے حقدار ہیں۔

قرآن مجید کی مثالیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَىٰ - أَنْ - يَضْرِبَ
 بیشک اللہ نہیں شرماتا کہ وہ بیان کرے
 مَثَلًا - مَّا - بَعُوضَةً - فَمَا - فَوْقَهَا ط
 مثال خواہ مچھر یا جو اس سے بڑھ کر ہو۔
 إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَىٰ أَنْ يَضْرِبَ
 بیشک اللہ نہیں شرماتا کہ وہ کوئی مثال بیان کرے
 مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ط
 خواہ مچھر کی یا اس کی جو اس سے بڑھ کر ہو۔

فَوْقَهَا (اس سے بڑھ کر) فوق کے لفظی معنی اُوپر کے ہیں۔ اور اس سے مراد ہے اس سے بھی زیادہ ادنیٰ اور حقیر چیز۔
 اس سے پھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کافروں اور انکار کرنے والوں کو دعوت دی تھی
 کہ اگر وہ اس کو نعوذ باللہ اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تو وہ اس جیسا کلام بنا کر پیش کریں۔ لیکن وہ لوگ آج تک اس کا جواب نہیں دے
 سکے اور نہ وہ قیامت تک دے سکیں گے۔ ایسی بے بسی کی حالت میں ان سے اور تو کچھ نہ بن پڑا۔ البتہ قرآن مجید میں عیب نکالنے
 لگے اور کہا کہ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی شان اور عظمت والا ہو کر اپنے کلام میں نہایت حقیر اور ذلیل چیزوں
 کا ذکر کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر بڑی سے بڑی مخلوق کا ذکر بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی۔ جانوروں میں
 ایک طرف ہاتھی اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کا اور دوسری طرف چوٹی، مکھی، مچھر وغیرہ کا۔ لوگوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان
 جانوروں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً کسی جگہ یہ کہ کافروں کے بُت ایسے کمزور اور بے بس ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔
 بلکہ اگر ان کے منہ پر مکھی مچھر بیٹھ جائے تو اڑا بھی نہیں سکتے۔ کسی جگہ یہ کہ کافروں کا دین مکڑی کے جانے کی طرح کمزور ہے۔ ایسی مثالیں
 سن کر بعض کافر کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا بھی (نعوذ باللہ) عجیب باتیں کرتا ہے۔ کہ وہ ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے سے بھی نہیں بھجکتا
 ان کے اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔

مثال کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بات جس کے لئے مثال دی گئی ہے۔ خوب واضح اور روشن کر کے ذہن نشین کر دی جائے
 اب یہ مطلب جس مثال سے پُورا ہو سکے وہ مثال سب سے اچھی کہلائے گی۔ خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہے۔ بجائے خود کسی
 ہی معمولی ہو۔ مچھر ایک بہت ہی ادنیٰ اور بے حقیقت سی مخلوق ہے۔ اب جہاں بتوں یا کسی اور مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنی ہوگی
 وہاں مناسب مثال مچھر ہی کی ہوگی۔ اس پر اعتراض کرنا بے وقوفی اور نادانی کی دلیل ہے۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال دینے سے نہیں بھجکتا۔ کیونکہ مثال سے غرض کوئی بات
 سمجھانی ہوتی ہے۔ جیسی بات ہوگی۔ ویسی ہی مثال دی جائے گی۔ اس میں براٹی کی یا بھکنے کی کوئی بات نہیں۔

مثالوں کا اثر اور نتیجہ

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ

پس جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ وہ حق

مِنْ رَبِّهِمْ وَآمَنُوا بِالَّذِينَ كَفَرُوا

سے ان کا رب اور جو وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا

وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا ہے اللہ اس سے مثال۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ

پس جو لوگ ایمان لائے آئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے

مِنْ رَبِّهِمْ وَآمَنُوا بِالَّذِينَ كَفَرُوا

ان کے رب کی طرف سے ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا۔

فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا

وہ کہتے ہیں اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب تھا؟

وَقَالَ لَكُمْ

لوگوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے۔ ان مثالوں کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی باتیں لوگ اچھی طرح سمجھ لیں۔ نہ یہ کہ وہ ان مثالوں میں کٹھ جھتی اور کج بحثی شروع کر دیں۔

اس سبق میں بتایا گیا ہے کہ ایمان دار لوگ اس مثال کو سچی اور مطلب کے بیان کرنے کے لئے مناسب اور اپنے رب کی طرف سے درست سمجھتے ہیں۔ لیکن کافر اسی مثال کی منہسی ہانڈانے لگتے ہیں اور طنز کے طور پر سوال کرتے ہیں۔ کہ اس قسم کی مثالیں بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مطلب کیا ہے؟

ایمان دار لوگ اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکموں کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ ان کی باتوں پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کوئی مثال بیان فرمائے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ اس مثال کا اصلی مطلب سمجھ لیں۔ وہ اس چیز کی بالکل پروا نہیں کرتے۔ کہ مثال بذات خود کیسی ہے۔ معمولی ہے یا شاندار اس میں کسی اعلیٰ چیز کا ذکر کیا گیا ہے یا کھٹیا چیز کا۔ بلکہ اس مثال کا جو مطلب ہوتا ہے۔ وہ فقط اس پر غور کرتے ہیں اور سبق حاصل کرتے ہیں۔

کافر لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے دل میں حق کی تلاش بالکل نہیں ہوتی۔ وہ صرف اسی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی نہ کسی طرح کوئی عیب ڈھونڈیں یا خواہ مخواہ اس پر اعتراض کریں۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ ان کے سمجھانے کے لئے کوئی مثال بیان فرماتا ہے تو وہ لوگ اس کے بجائے کہ اس مثال کا اصلی مطلب سمجھنے کی کوشش کریں وہ اس پر بے تکیے اعتراض کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اور طنز کے طور پر ایمان داروں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس قسم کی مثال بیان کرنے سے مطلب کیا ہے؟

اس آیت سے سبق ملتا ہے کہ صاحب ایمان اور درست کردار وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں پر غور کریں، انہیں سمجھیں اور کسی کج بحثی میں نہ پڑیں۔

ہدایت اور گمراہی

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ

يُضِلُّ - بِهِ - كَثِيرًا وَيَهْدِي - بِهِ

وہ اسی سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسی سے بہتوں کو ہدایت
کثیراً و ما یضلُّ بہ الا الفسقین ﴿۲۶﴾
دیتا ہے اور وہ اس سے سوائے بدکاروں کے کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

وہ گمراہ کرتا ہے اس سے بہت اور وہ ہدایت دیتا ہے اس سے
کثیراً و ما یضلُّ بہ الا الفسقین ﴿۲۶﴾
بہت لوگ اور نہیں گمراہ کرتا اس سے سوائے بدکار۔

فاسقین، (بدکار) ناسق کی جمع ہے۔ یہ لفظ فسق سے بنا ہے جس کے لفظی معنی ہیں نکلنا۔ شریعت میں اس سے مراد ہے خداوند
تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل جانا۔ نافرمانی اور گناہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کے سمجھانے کے لئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ بعض لوگ ان مثالوں پر غور کرتے ہیں۔ ان سے سبق
حاصل کر کے ہدایت پالیتے ہیں اور بعض ان میں کٹھ بھجتی کرتے ہیں۔ اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ہدایت پانے والے وہ ایمان دار لوگ
ہیں جو اپنی سوچنے اور دیکھنے کی طاقتوں سے صحیح کام لیتے ہیں۔

دنیا میں راہیں بے شمار ہیں۔ مگر ان میں سیدھی راہ ایک ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل بخشی اور سمجھ بوجھ عطا کی۔
صرف یہی نہیں بلکہ نبیوں اور رسولوں کے ذریعے راہ ہدایت کے پیغام بھیجے۔ اس کے بعد انسان کو اختیار ہے کہ جو راہ چاہے اختیار
کرے۔ اب اگر انسان اپنی اس آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر غلط راہ اختیار کرتا ہے۔ تو وہ بُرائی میں پڑ جاتا ہے۔ اور جب وہ
اپنی مرضی سے گمراہی اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس بُرے راستے کے باقی سامان بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح آگ میں ہاتھ ڈالنے سے
ہاتھ جل جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آدمی غلط راہ اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس راستے کی بُرائیاں اور نقصان بڑھتے ہی جاتے ہیں۔
اس آیت میں یہ جو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ تو اس کی وجہ
ان کی اپنی کٹھ بھجتی اور کج بھشتی ہوتی ہے۔ وہ ان مثالوں کی غرض پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی سوچنے کی ساری قوت ان پر اعتراض
کرنے میں لگا دیتے ہیں۔ ناسق یعنی بدکار لوگ جو نفس کی بُری خواہشوں کے پیچھے ہی لگے رہتے ہیں۔ آسانی سے ایسی کوئی بات
سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے جو ان کو ان کی بُری عادتوں سے روکے۔

آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے یعنی یہ کہ گمراہی تو انہی پر آتی ہے۔ جو خود گمراہ رہنا
چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر گمراہی چسپاں نہیں کر دیتا۔ بلکہ بار بار کی جانی بوجھی نافرمانیوں سے دل بچھ کر رہ جاتا ہے۔ اور
طبیعت میں حق کی طلب اور سچائی کی تلاش باقی نہیں رہتی۔ باطل اور بھٹوٹ جم جاتا ہے۔ گویا گمراہی ان کے فسق (ناافرمانی اور
مسلل بدکاری) کا نتیجہ ہوتی ہے۔

گمراہ کون ہوتے ہیں؟

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ

جو اللہ سے اپنے اقرار کو پختہ ہو جانے کے بعد توڑتے ہیں

بَعْدَ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ

اور جس چیز کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اُسے

اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ

توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۷﴾

یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ

وہ جو توڑتے ہیں اقرار اللہ سے

بَعْدَ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ

بعد اس کی پختگی اور کاٹتے ہیں جو حکم دیا

اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ

اللہ اس سے کہ جوڑے رکھیں اور فساد پھیلاتے ہیں

فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۷﴾

میں زمین یہی لوگ وہ نقصان پانے والے ہیں۔

عہد (اقرار) عہد اس قول و قرار کو کہتے ہیں جس کے کرنے کے بعد اس کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے۔ عہد اللہ سے مراد ہے۔ اللہ کو رب ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا اقرار۔ خدا نے دنیا میں بھیجنے سے پہلے تمام انسانوں کو جمع کر کے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے اقرار کیا تھا کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس اقرار پر زمین و آسمان کو گواہ کرتا ہوں اور اس اقرار کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول بھیجتا رہوں گا۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ یہاں عہد اللہ سے یہی اقرار مراد ہے۔ روز ازل کے اس عہد کے علاوہ ایک عہد وہ بھی ہے جو انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ پھر وہ عہد بھی ہیں جو انبیاء پر ایمان لاکر کئے گئے۔ وہ اقرار بھی ہیں جو اللہ کے نام پر بزرگوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

پچھلی آیت سے یہ مضمون چل رہا ہے کہ فاسق اور نافرمان لوگ گمراہی کا شکار ہوتے ہیں۔ اب ان کی اس گمراہی کے اسباب بیان کئے جا رہے ہیں۔

(۱) وہ اللہ کے ساتھ جو اقرار کر چکے ہیں اُسے توڑ دیتے ہیں۔ اللہ کو اپنا مالک معبود اور پانے والا ماننا اور اس کا اقرار کرنا ایک ایسی سیدھی بات ہے کہ خود انسان کی عقل چاہتی ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ مانے۔

(۲) دوسری نشانی یہ ہے کہ فاسق ہر اس رشتے اور تعلق کو کاٹ دیتا ہے۔ جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اللہ کے اور بندوں کے سارے حق جو ان رشتوں کی وجہ سے اس پر لازم ہوتے ہیں پورے پورے ادا کرے لیکن فاسق اللہ کے اور اس کے بندوں کے حق مارتا ہے۔ (۳) تیسری نشانی یہ ہے کہ فاسق ملک میں فساد پھیلاتا ہے۔ وہ اپنے بڑے عملوں سے دنیا کے امن میں خرابی پیدا کرتا ہے۔

فاسق کی تین نشانیاں بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام بتایا ہے کہ یہی لوگ دین اور دنیا دونوں کے لحاظ سے گھاٹے میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے شر سے بچائے اور سیدھی راہ پر چلائے۔

اللہ کا انکار کیسے؟

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَشْرَارًا
 کس طرح کافر ہوتے ہو اللہ سے اور تم تھے بے جان
 فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ
 پس زندگی بخشتی تمہیں پھر مارے گا تمہیں پھر
 يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾
 زندگی بخٹے گا تمہیں پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تُرْجَعُونَ، (لوٹائے جاؤ گے) اس کا مادہ رَجَعُ ہے۔ یہاں یہ لفظ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اُسے دوبارہ زندگی ملے گی اور اسے اللہ کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ اللہ کے پیغمبر دنیا کی تمام قوموں کے پاس آئے۔ زمین کے ہر گوشہ میں تشریف لائے۔ ان سب کا پیغام ایک ہی تھا کہ اللہ ایک ہے۔ وہی سب کا اصلی معبود ہے اور حقیقی رب ہے۔ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے زمین کو بطور بچپونے کے بنایا۔ اس میں دریا بہائے تاکہ زمین سرسبز و شاداب ہو اور کھیتیاں لہلہا اٹھیں اس پر پہاڑ کھڑے کئے۔ نباتات و جمادات کو پیدا کیا۔ آسمان بغیر ستونوں کے کھڑا کیا۔ سورج، چاند اور ستارے بناٹے جن سے اندھیری راتوں میں راستہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہی ہے جس نے ہمیں زندگی بخشی۔ ہماری ترقی کے لئے ضروری سامان مہیا کر دیئے۔ یہ بات بھی خوب سمجھ لیجئے کہ ایک وقت ایسا تھا۔ جب یہاں انسان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اس نے انسان کو زندگی بخشی۔ سالہا سال تک یہاں انسان نے زندگی گزاری۔ اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھایا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔ جب وہ تمام انسان جو اس وقت زندہ ہوں گے ختم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ کے حکم سے یہ انسان اور ان سے پہلے کے مرے ہوئے بھی زندہ ہو جائیں گے۔ پھر سب کے سب اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے۔ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب کسی کی زندگی کا آخری وقت آجاتا ہے تو کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی زندگی کو بڑھا نہیں سکتا۔

جب انسانی زندگی اور اس کے تمام وسیلے اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور ہر سانس اسی کی رحمت پر موقوف ہے۔ تو نہیں چاہیے کہ اللہ کے حکموں کے آگے سر جھکا دیں۔ ہماری نیک و بختی اور نجات اسی میں ہے کہ اس کے حضور میں پیش ہونے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کے لئے کوشش کرتے رہیں گے۔

اللہ کی نشانیاں

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ
 وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو
 جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ
 کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف قصد کیا
 فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ
 پھر سات آسمان ٹھیک کر دیئے اور اللہ
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾
 تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ
 وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ ہیں زمین
 جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ
 سب پر قصد کیا طرف آسمان
 فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ
 ان کو ٹھیک کر دیا سات آسمان اور وہ
 بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾
 سے ہر چیز خبردار ہے۔

فَسَوَّاهُنَّ (ٹھیک کر دیئے) یہ لفظ تشبیہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کے مختلف حصوں اور جوڑوں کو ان کی جگہ پر ٹھیک ٹھیک بٹھا دینا۔ درست کر دینا۔

سَبْعَ سَمَوَاتٍ (سات آسمان) سموات کا مادہ سَوَّوْا ہے جس کے معنی بلند کر کے ہیں۔ اسی بلندی کی مناسبت سے آسمان کو آسمان کہا جاتا ہے۔ سبع کے معنی ہیں سات۔ یوں عربی محاورہ میں یہ لفظ زیادہ اور کثیر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ انسان جسم اور رُوح کے مجموعہ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ ہی پورا کرتا ہے جس نے اس مٹی کے تیلے کو بنایا۔ اس کا پہلا احسان یہ ہے کہ انسان کی جس قدر جسمانی ضرورتیں ہیں۔ انہیں پورا کرتا ہے۔ تاکہ اس کے جسم کی نشوونما اور ترقی ہو اور وہ پھلے پھولے۔ جسم کی تربیت کے ساتھ ساتھ انسان کی رُوح کو غذا کی بھی ضرورت ہے۔

اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ پروردگار نے سب سے پہلے زمین کو پیدا کیا۔ اس میں ایک طرف دریا اور سمندر بہائے دوسری طرف اونچے اونچے پہاڑ کھڑے کر دیئے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ درختوں کے جنگل کے جنگل اگاٹے۔ زمین کے اندرونی حصوں کو ان گنت نخلانوں سے بھر پور کر دیا۔ اور یہ سب کچھ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کی خاطر ہوا۔ اب انسان کا یہ کام ہے کہ وہ اپنی عقل اور سمجھ سے ان بے شمار نخلانوں سے مناسب فائدہ اٹھائے۔

جَمِيعًا کا لفظ کہہ کر بتایا کہ یہ سب کچھ حضرت آدمؑ کی اولاد کے لئے ہے۔ وہی اس سے فائدہ اٹھانے کی حقدار ہے۔ انسان کے جسم کے ساتھ اس کی رُوح کی پرورش بھی ہونی چاہیے۔ اس مقصد کے لئے زمین اور اس کی پیداوار کافی نہیں۔ اس لئے زمین پیدا کر چکنے کے بعد اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ وہاں سے انسانوں کی رُوح کی تربیت کے لئے مختلف زمانوں میں ہدایت کی بارشیں ہوتی رہیں انسان جس طرح زمینی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسے چاہیے کہ اس آسمانی بارش سے بھی فائدہ اٹھائے تاکہ اس کی رُوح کی تکمیل بھی ساتھ ساتھ ہو۔ اور اس طرح مکمل آدمی بن کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو۔

تیسرے رکوع پر ایک نظر

کافروں اور منافقوں کے حالات ابتدائی دو رکوع میں بیان کرنے کے بعد تیسرا رکوع اس مضمون سے شروع ہوا تھا کہ انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے رب کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے ادب کے ساتھ سر جھکا لے۔ اور اس کے احکام بجالائے۔ تاکہ اسے دونوں جہان میں زندگی کی راحتیں نصیب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے سب سے پہلا مطالبہ یہی کیا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ اس کے احکام معلوم کرنے کے لئے قرآن مجید کی طرف پورے طور پر متوجہ ہونا چاہیے۔ جس کے برابر نہ کوئی کتاب موجود ہے۔ نہ ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے ایک سیدھا سادہ سوال تعجب کے انداز میں کیا کہ تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ جبکہ تمہیں اپنے یا کسی جاندار کے پیدا کرنے اور مارنے پر کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ کلام اللہ کی صداقت کے بارے میں سیدھی سادی دلیل یہ پیش کی کہ اگر کسی کو شک ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں۔ بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہے۔ تو وہ خود اس جیسی دس سورتیں۔ دس نہیں تو تین یا ایک ہی سورت بنا کر دکھا دے۔ اکیلے ممکن نہ ہو تو اپنے ساتھیوں فاضلوں ادیوں کو ساتھ بلا کر کوشش کر دیکھے۔

رکوع ختم اس بات پر ہوا کہ اے لوگو! زمین پر ساری چیزیں تمہارے ہی لئے پیدا کی گئی ہیں اور آسمانوں کو بھی اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ سورج، چاند، ستاروں اور بارش کے ذریعہ تمہیں نفع پہنچے۔ اس لئے تم اپنے مرتبہ کو پہچانو اور وہ کام انجام دو۔ جو تمہارے شایان شان ہو۔

اگر ہم یہ آیت سمجھ لیں اور دنیا کی اقوام کو ذہن نشین کرا سکیں۔ تو یہ نوع انسانی کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اگر مشرک اور بت پرستوں کو اس حقیقت کا پتہ لگ جائے۔ کہ زمین و آسمان اور کل کائنات انسان کے لئے بنی ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان سب چیزوں کا مخدوم اور تمام کائنات سے افضل انسان اپنے سے کم تر اشیاء کے سامنے سجدہ کر سکے اور خدا کو چھوڑ کر اپنے سے بھی ادنیٰ چیزوں کی پوجا کر سکے۔

جو رکوع اس کے بعد شروع ہوگا۔ اس میں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ انسان کا مرتبہ کیا ہے۔ اور وہ اس دنیا میں کامیاب زندگی کس طرح گزار سکتا ہے۔ تاکہ انسان اپنی عظمت اور شان کا صحیح اندازہ کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے۔ جس سے وہ اپنے اُوپنے مرتبہ سے گر جائے۔

انسان کا مقام

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اور جب اس نے کہا تیرا رب فرشتوں کو
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط
کہ میں بنانے والا ہوں میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

مَلٰٓئِكَةٍ (فرشتے) مَلٰٓئِكَةٍ کی جمع ہے۔ یہ لفظ الوک سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پیغام پہنچانا مَلٰٓئِكَةٍ کو مَلٰٓئِكَةٍ اس لئے کہا جاتا ہے کہ افضل ملائکہ کا کام پیغام پہنچانا ہے۔ وہ اللہ کے پیغام نبیوں تک لاتے ہیں۔ ملائکہ نوری مخلوق ہیں۔ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اور اللہ کے حکموں کی نافرمانی نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اُن کے بارہ میں یہ آیت ہے۔
لَا یَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (وہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے)

خَلِیْفَةً: (نائب) خلیفہ اُسے کہتے ہیں جو کسی کا نائب ہو۔ خَلِیْفَةُ اللّٰهِ وہ ہے جو زمین پر اللہ کی شریعت کی حکومت قائم کرے یہاں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ انسان کو اللہ کی طرف سے جو طاقتیں اور قوتیں ملیں گی۔ وہ دُنیا میں اللہ کی خلافت قائم کرنے کے لئے بالکل ٹھیک ہوں گی۔

پروردگار عالم وہ ہے جس نے زمین و آسمان اور تمام کائنات کو پیدا کیا۔ اس کائنات میں ایک طرف زمین کی تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ مثلاً نباتات، جمادات، حیوانات، پہاڑ، دریا، نہریں، چشھے وغیرہ۔ دوسری طرف آسمانوں کو بھی لیجئے اور ان تمام چیزوں کو شامل کیجئے۔ جو ان سات آسمانوں کے اندر پیدا کی گئی ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں ان سوالات کا جواب بیان ہوا ہے۔ کہ حضرت آدم کی پیدائش کیوں ہوئی؟ اس مٹی کے پتے کو کس غرض کے لئے بنایا گیا؟ اور اس کا مقصد حیات کیا ہے؟

جب اللہ نے زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کو بنایا۔ چاند، سورج، ستارے، دریا اور پہاڑ اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ جس کے لئے یہ چیزیں بنائی گئی ہیں وہ بھی سامنے آجائے یعنی یہ کہ میں اس زمین پر اپنا ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ جو ان تمام چیزوں کو اپنے قبضہ میں لائے گا اور دُنیا میں اللہ کے منشا کو پورا کرے گا۔ اس کی نیابت اور خلافت کا حق ادا کرے گا اور اس کے احکام کا نفاذ و اجرا کرے گا۔

خليفة الله

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۗ اَسْ ایت کا ترجمہ اور مختصر تشریح گذشتہ صفحہ میں بیان ہو چکی ہے۔ اب ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ خلافت سے کیا مراد ہے اور انسان کس معنی میں اللہ کا نائب ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ وہ تمام صفاتِ حسنہ کا مالک ہے۔ ہم نہ اس کی صفاتیں گن سکتے ہیں اور نہ کام۔ اس نے انسان کے خمیر میں اپنی تمام صفاتوں میں سے تھوڑی تھوڑی خوبیاں ڈال دیں۔ تاکہ وہ دنیا میں آکر اس کی صفاتوں کا مظاہرہ کرے۔ اس کا نام بلند کرے اور اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کرے کہ وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔

اگر اللہ رحم کرنے والا ہے۔ تو ہر انسان کو بھی چاہیے کہ وہ نہ صرف اپنے بھائی بندوں پر رحم کرے۔ بلکہ تمام مخلوق پر بھی رحم کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تم کسی جانور کو ذبح کرو۔ تو اُس پر رحم کرو۔ ذبح کرنے والی چھری تیز ہوتا کہ اُس کی رگ جلدی سے کٹ جائے اور اُسے زیادہ دیر تکلیف نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عادل اور انصاف کرنے والا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ عدل و انصاف سے کام لے۔ اپنے اور پائے کے ساتھ انصاف کے معاملے میں کسی قسم کی رورعایت نہ برتے۔ بلکہ سب کو ایک نظر سے دیکھے۔

اس کا نام حلیم بھی ہے۔ یعنی بڑ دبار ہے۔ انسان اس کی نافرمانی کرتا ہے اور اُس سے بے شمار گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نرمی سے کام لیتا ہے۔ اس سے درگزر کرتا ہے۔ اور مجرم کو مہلت دیتا ہے کہ وہ توبہ کرے اور اپنا طور طریق بدل لے۔ ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے اندر بردباری کی صفت پیدا کریں۔ اپنے ساتھیوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اگر ان سے کوئی غلطی ہو تو انہیں اصلاح کا موقعہ دیں۔

غرض یہ کہ

انسان اپنے اندر وہ تمام اخلاق اور صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں۔ اور دنیا کے رہنے والوں سے اس طرح پیش آئے۔ جیسے اللہ اپنے بندوں سے پیش آتا ہے۔

اگر ہم اپنے اندر اللہ کی صفات پیدا نہیں کرتے ہیں۔ تو اس کی خلافت اور نیابت کے مستحق نہیں ٹھہرتے ہیں۔ اور کسی طرح اس اونچے درجہ کو حاصل نہیں کر سکتے۔ جو اس نے ہمارے لئے پسند فرمایا ہے۔

فرشتوں کی گزارش

قَالُوا آتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ
 انہوں نے کہا کیا بنانا ہے اس میں جو فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری
 قَالُوا آتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ
 انہوں نے کہا کیا بنانا ہے اس میں جو فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری
 قَالُوا آتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ
 انہوں نے کہا کیا بنانا ہے اس میں جو فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری
 قَالُوا آتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ
 انہوں نے کہا کیا بنانا ہے اس میں جو فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری

يَسْفِكُ، (رُوہ بہائے) یہ لفظ سفک سے نکلا ہے جس کے معنی خون بہانے کے ہیں۔

الدِّمَاءَ، (خون) یہ دم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں خون۔

نُسَبِّحُ، (ہم تسبیح پڑھتے ہیں) یہ لفظ تسبیح سے بنا ہے۔ اس سے مراد ہے دل سے اللہ کو تمام مخلوق سے بالاتر سمجھنا۔ اور زبان سے اس کا اقرار کرنا۔ نیز اس کے مرتبہ کے مطابق اس میں تمام اچھی صفتوں کا ماننا۔

نُقَدِّسُ، (ہم پاکیزگی بیان کرتے ہیں) یہ لفظ تقدیس سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پاکیزگی بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کو تمام بڑی صفات اور مخلوق کی صفات سے پاک و برتر سمجھنا۔

جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے خلیفہ بنانے کا اعلان سنا تو کہا کہ ہم اپنے قول و فعل سے آپ کے مقدس اور پاک ہونے کا اقرار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ زمین کی اس مخلوق سے فساد کا خطرہ ہے۔ وہ دنیا میں خون ریزی کرے گا۔ اور اس کی وجہ سے دنیا تباہی و بربادی کا گھر بن جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنی خواہش کی پیروی کرے گا۔ اس سے پوری طرح تیری اطاعت نہ ہو سکے گی۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگارِ عالم! اگر خلیفہ پیدا کرنے سے تیری نغز میں یہ ہے کہ سب طرف تیری تعریف ہو۔ سب کے سب تیری حمد کے گیت گائیں اور تیری اطاعت کریں۔ تو ہم اس خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ ہم ہر وقت تیرا حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اس لئے زمین کی مخلوق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

انہوں نے یہ بھی کہا کہ تیری ذات پاک ہے۔ تیرا ہر کام ٹھیک ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ زمینی مخلوق میں ایسی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے۔ جو تیری اطاعت اور فرمانبرداری اور تسبیح و تقدیس کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

فرشتوں کو جواب

قَالَ - اِنِّي - اَعْلَمُ - مَا - لَا - تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالَ اِنِّي اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

کہا بیشک میں جانتا ہوں جو نہیں تم جانتے۔ اس نے فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نورانی مخلوق (فرشتوں) کے سامنے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ میں اس زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ تو فرشتوں نے اپنے خیال میں خلیفہ کا ایک تصور قائم کیا اور یہ سمجھے کہ جو ران مختلف چیزوں سے بنایا گیا ہے۔ وہ جب دنیا میں آئے گا تو وہ لازمی طور پر سب طرف فساد پھیلائے گا۔ بد امنی کرے گا۔ آپس میں لڑے جھگڑے گا۔ اپنے بھائیوں کا خون بہائے گا۔ اور لوٹ مار مچائے گا۔ اولادِ آدم کی زندگی کا ایک پہلو یہ تھا۔ جسے فرشتوں نے پیش کیا۔ یعنی وہ رُخ جو تار یک تھا اور جس میں صاف بُرائی ہی بُرائی نظر آتی تھی۔

فرشتوں کے سامنے ہونے والے خلیفہ کا یہ ایک پہلو تھا۔ اس میں جو خوبیاں پوشیدہ تھیں۔ جو کمالات اس کے اندر چھپے ہوئے تھے۔ وہ نئی نئی باتیں طرح طرح کی ایجادیں اور ترقی کے جو مختلف پہلو خلیفہ دنیا میں ظاہر کرنے والا تھا۔ وہ فرشتوں کی نظر سے ادھبل تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اندازے کی بنا پر یک رُخی تصویر پیش کی۔ اور اس کے ساتھ وہ رُخ بھی پیش کیا جس پر وہ خود چل رہے تھے۔ اس میں اللہ کی ہر بات کی تصدیق اور اس کے حکم کی اطاعت شامل تھی۔ فرشتوں نے یہ گزارش اعتراض کے طور پر نہیں بلکہ ادب کے ساتھ پیش کی۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے خلیفہ کی زندگی کے دونوں رُخ موجود تھے۔ یعنی وہ اس کی موجودہ حالت سے بھی واقف تھا۔ اور آگے چل کر زمانہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اس میں جو تبدیلیاں پیدا ہونے والی تھیں۔ اور اپنے علم و عقل سے کام لے کر اس ساری دنیا کا جو رنگ وہ بدل دینے والا تھا۔ اللہ ان سب سے واقف تھا۔

اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں کی گزارش کے جواب میں صرف یہ فرمایا۔

”میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے“

یعنی تمہیں معلوم نہیں کہ اس کے خلیفہ بنانے میں کیا کیا مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

علم کی برتری

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا
اور سکھلادیا آدم کو نام سب

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا
اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھلادیئے۔

آدم (آدم) یہ تمام انسانوں کے باپ کا نام ہے۔ انہیں البر البشر بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ عجمی ہے عربی نہیں۔
الْأَسْمَاءُ (نام) یہ اسم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نام۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعے کوئی چیز جانی پہچانی جائے۔ اس کو پہچاننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس چیز کا مقصد اس کی خوبیاں اور نشانیاں معلوم ہوں۔
یہاں اسم سے مراد ان تمام چیزوں کے نام، خاصیتیں اور کیفیتیں مراد ہیں جن کی ضرورت حضرت آدم اور ان کی اولاد کو پیش آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان تمام اشیاء کے حالات و کوائف سے واقف کیا۔
اللہ کے علم کے مطابق جس مخلوق کو زمین پر خلیفہ بنا تھا۔ اس کے ظہور کا جب وقت آیا تو اس کے مناسب سارے سامان مہیا ہو گئے پھر وہ وجود میں آیا اور اس کا نام آدم رکھا گیا۔ (علیہ السلام)
آپ جانتے ہیں کہ اللہ کی ایک مخلوق فرشتے میں جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کا سارا وقت اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گذتا ہے۔ اور یہی ان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ وہ ان تمام خواہشوں اور ضرورتوں سے بالکل صاف اور پاک ہیں۔ جو آدم کا خاصہ ہیں۔ اس لئے انہیں بالکل علم نہیں کہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں کس کام آئیں گی۔
البتہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بغیر کسی مقصد کے نہیں بنایا۔ اس میں ضرور کوئی مصلحت اور حکمت ہے۔

پروردگار عالم نے آدم کو مٹی سے بنایا۔ اس میں ہر قسم کی خواہش اور طرح طرح کی ضروریات پیدا کر دیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اُسے یہ علم بھی دیا کہ وہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے کون کون سے ذریعے کس کس طرح عمل میں لائے۔ اس کے اندر یہ قابلیت پیدا کر دی کہ وہ ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے اور ان کی خصوصیات کو اچھی طرح جان لے۔
مختلف اوقات میں آدم کو مختلف حادثوں اور تبدیلیوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تمام پیدا شدہ حالات و واقعات کا اُسے سامنا کرنا پڑے گا۔ ان سے اچھی طرح نپٹنا اور کامیابی کے ساتھ اپنی راہ نکال لینا۔ یہ سب کچھ آدم کی فطرت میں رکھ دیا گیا۔ ہر طرح کی مشکلوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ہر ضروری چیز کا نام اور اس کی خوبی سے آدم کو آگاہ کر دیا گیا۔

آدم کافرشتوں سے مقابلہ

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ
 پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کیا پھر فرمایا
 أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ
 مجھ کو ان کے نام بتاؤ اگر تم
 صَادِقِينَ ۳۱ قَالُوا سُبْحَانَكَ
 سچے ہو۔ وہ بولے تو پاک ہے
 لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط
 ہمیں معلوم نہیں مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔
 إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۳۲
 بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ
 پھر ان کو سامنے کیا پھر فرشتے پھر فرمایا
 أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ
 مجھ کو بتاؤ نام ان کے اگر تم ہو
 صَادِقِينَ ۳۱ قَالُوا سُبْحَانَكَ
 سچے۔ بولے تو پاک ہے
 لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط
 نہیں معلوم ہمیں مگر وہ جو تو نے ہمیں سکھایا
 إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۳۲
 بیشک تو جاننے والا حکمت والا

یہ بتایا جا چکا ہے کہ فرشتے صرف اسی قدر جانتے ہیں جس قدر انہیں علم دیا گیا ہے۔ جن چیزوں کی انہیں ضرورت نہیں وہ نہ تو اس کی نسبت کچھ جانتے ہیں۔ اور نہ اس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اس لئے آدم کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تم کامل طور پر میری تسبیح و تقدیس کرتے ہو۔ تو بتاؤ کہ ان چیزوں کے نام کیا ہیں؟ فرشتے ایک پاک مخلوق ہیں۔ انہیں خدا کی عبادت کے سوا کوئی کام ہی نہیں۔ وہ ان کے نام کیسے بتاتے کہنے لگے ہمیں تو بس اسی قدر معلوم ہے۔ جتنا تو ہمیں بتا چکا ہے۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ رہیں یہ چیزیں تو ان کے بارے میں ہم صرف اسی قدر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت اور فائدہ ضرور پوشیدہ ہے۔ کیونکہ تیرے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ فرشتوں پر انسان کی برتری اور عظمت علم کے اعتبار سے ہوئی۔ اب اگر اولادِ آدم میں کوئی علم سے لاپرواہ ہے تو خلافتِ الہی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں واقعی دنیا میں وہی اقوام ترقی پر ہیں۔ جو علم کی دولت سے مالا مال ہیں۔

(اس آیت کا باقی حصہ ہم اگلے سبق میں بیان کریں گے۔)

علم کی فتح

قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ

اس نے کہا اے آدم! انہیں ان کے نام بتا دے

فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ

پھر جب اس نے انہیں ان کے نام بتائے اس نے کہا

أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں۔

غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ

آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی باتیں اور میں جانتا ہوں

مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قَالَ - يَا آدَمُ - أَنْبِئْهُمْ - بِأَسْمَائِهِمْ

اس نے کہا اے آدم انہیں بتا دے ان کے نام

فَلَمَّا - أَنْبَأَهُمْ - بِأَسْمَائِهِمْ - قَالَ

پھر جب اُس نے انہیں بتائے ان کے نام اس نے کہا

أَلَمْ - أَقُلْ - لَكُمْ - إِنِّي - أَعْلَمُ

کیا نہ میں نے کہا تمہیں کہ میں جانتا ہوں

غَيْبِ - السَّمَاوَاتِ - وَالْأَرْضِ - وَأَعْلَمُ

چھپی ہوئی باتیں آسمان اور زمین اور میں جانتا ہوں

مَا - تُبْدُونَ - وَمَا - كُنْتُمْ - تَكْتُمُونَ ﴿۳۳﴾

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

حضرت آدمؑ کی خلافت کا واقعہ مسلسل بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کے سامنے آدمؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ تو انہوں نے اول تو یہ عرض کیا۔ کہ ہم تیری حمد و ثنا اور بزرگی و پاکیزگی کا ہر دم اقرار کرتے ہیں۔ گویا اگر صرف حمد و ثنا درکار ہے تو یہ کام ہم انجام دے رہے ہیں۔ پھر فرشتوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اولادِ آدمؑ دنیا میں خونریزی کرے گی اور فساد مچائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے علم کا امتحان رکھا۔ آدم علیہ السلام کو ان کی فطری صلاحیت اور استعداد کے مطابق علمِ اسماء سے نوازا۔ فرشتے اس کے اہل نہ تھے۔ لہذا انہیں علمِ اسماء حاصل نہ تھا۔ جب دونوں سے سوال و جواب ہوئے تو فرشتوں نے اپنی بے خبری کا اقرار کیا۔ مگر آدمؑ نے چیزوں کے نام بتلا دیئے اور اپنی برتری ثابت کر دی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ میں نے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ میں ظاہر و باطن کی ہر بات جانتا ہوں۔ زمین و آسمان کے رازوں سے باخبر ہوں۔ آدمؑ سے متعلق جو خدشے تم نے ظاہر کئے۔ انہیں بھی جانتا ہوں اور جن باتوں کو کھل کر ظاہر نہ کیا۔ ان سے بھی باخبر ہوں۔ گویا علمِ الہی تمام باتوں پر حاوی ہے۔ وہ ہر کسی کو اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ہی درجہ اور ذمہ داری عطا کرتا ہے۔

فرشتوں کا سجدہ

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

اور جب ہم نے کہا فرشتوں سے کہو سجدہ کرو
آدم کے سامنے وہ سب بھکے سو ابلیس (نہ بھکا)
ابلیس سے کفر (جمع)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا
اور جب ہم نے کہا فرشتوں سے کہو سجدہ کرو
لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ
آدم کے سامنے وہ سب بھکے سو ابلیس (نہ بھکا)
أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾
ابلیس سے کفر (جمع)

اسْتَجْدُوا (سجدہ کرو) لغت میں سجدہ سے مراد ہے سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنا۔ شرح نے خاص طور پر سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھنا قرار دیے ہیں۔ سجدہ انتہائی تعظیم کا نشان ہے اس لئے شریعت نے اللہ کے سوا کسی اور کے لئے حرام کر دیا۔ حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ فرشتے ان کی بزرگی اور برتری ماننے کے لئے ان کے آگے اپنے سر تعظیم کے طور پر جھکا دیں۔ اگر شرعی معنی لئے جائیں تو پھر بھی یہ مطلب ہو گا کہ حضرت آدم کی طرف منکر کے اللہ کو سجدہ کریں کیونکہ یہاں لِآدَمَ کے معنی آدم کے واسطے نہیں بلکہ آدم کی طرف ہیں۔

إِبْلِيسَ (شیطان) اس کے لفظی معنی نا اُمید کے ہیں۔ یہ ابلیس کوئی فرشتہ نہ تھا۔ بلکہ آگ کا بنا ہوا (جن) تھا۔ کیونکہ نوری مخلوق سے انکار اور بغاوت کی امید ہی نہیں ہو سکتی۔ ابلیس اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت میں داخل کر لیا گیا تھا۔

ابلیس (اس نے انکار کیا) یہ لفظ بابا سے ہے۔ اس کا مطلب ہے جان بوجھ کر کسی چیز سے انکار کرنا۔

اسْتَكْبَرَ (تکبر کیا) یہ لفظ کبر سے بنا ہے اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا اور غرور کرنا۔

جب یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضرت آدم علم اور درجہ میں فرشتوں سے بڑھ کر ہیں اور خلافت کے حقدار وہی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کی بزرگی کو تسلیم کرنے کے لئے ان کے آگے جھک جائیں۔

اس حکم کی تعمیل میں سب فرشتے سجدہ میں گر پڑے۔ البتہ ابلیس نے انکار کیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں آگ سے بنا ہوں۔ اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اس لئے میں اس کے آگے نہیں جھکوں گا۔

اللہ کے حکم کا انکار کرنے سے ابلیس کافر ہو گیا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیا گیا۔ اسے اللہ کا قرب بھی حاصل نہ رہا۔ اور وہ لعنت میں گرفتار ہوا اور عذاب کا مستحق قرار پایا۔

حضرت آدم جنت میں

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا
وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا
اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں
رہو اور اس میں جہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ۔
اور ہم نے کہا اے آدم رہو اور تیری زوجہ
جنت اور کھاؤ اس میں با فراغت جہاں چاہو۔

جَنَّةُ (جنت) اس کے لغوی معنی ہیں وہ باغ جس کے گھنے درخت زمین کو چھپالیں۔ شرع کی اصطلاح میں اس سے
مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جس میں بے شمار نعمتیں ہیں اور جو آخرت میں نیکو کاروں کو رہنے کے لئے ملے گا۔ اسے جنت اس
لئے بھی کہتے ہیں کہ اس کی نعمتیں ہماری نظروں سے بھی پوشیدہ ہیں۔

زَوْجُكَ (تیری بیوی) اس سے مراد حضرت حوا ہیں جو اس وقت پیدا ہو چکی تھیں۔ وہ ہم سب کی ماں ہیں۔
حَيْثُ شِئْتُمَا (جہاں سے چاہو) اس لفظ سے جنت کی وسعت اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور مرضی کے مطابق حضرت آدم کو پیدا کیا اور انہیں زمین میں اپنا خلیفہ قرار دیا۔ ان کے اس درجہ
کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے آگے جھک جائیں۔ تاکہ بعد میں کسی کو بغاوت یا نافرمانی
کی جرات نہ رہے۔ فرشتوں نے حضرت آدم کی بڑائی کا اقرار کیا اور ان کے آگے تعظیم کے طور پر جھک گئے۔
حضرت آدم کی خلافت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں موقع دیا کہ وہ اور ان کی بیوی جنت میں رہائش اختیار کریں۔
اسی میں رہیں یہیں اور جہاں سے جو جی چاہے کھائیں پیئیں۔

حضرت حوا علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم جنت میں اکیلے تھے۔ تو ان کی طبیعت
گھبرائی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا کیا اور فرمایا کہ تم دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ۔
اس سبق سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کس قدر بڑے درجے بخشے ہیں۔ پہلے علم کی نعمت دی۔ پھر
اپنا نائب بنایا۔ اس کے بعد اس کی راحت اور آرام کے لئے بیوی کی صورت میں انہیں ساتھی دیا۔ جنت میں جگہ دی اور
کھانے کو بے شمار نعمتیں دیں۔ اللہ اپنے بندوں کو ہمیشہ انعامات سے نوازتا ہے۔ اور ان پر طرح طرح کی نوازشیں فرماتا ہے۔
اب یہ بندوں کا فرض ہے کہ اس کے شکر گزار رہیں اور نعمتوں کی قدر پہنچائیں۔

شجر ممنوعہ

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ ۚ وَتَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ ۚ
 اور نہ قریب ہو اور اس درخت کے قریب نہ جانا
 فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾
 پھر ہو جاؤ گے سے ظالم۔ در نہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

لَا تَقْرَبَا: (قریب نہ جاؤ) اس حکم سے اصل مراد یہ تھی کہ حضرت آدمؑ اس درخت کا پھل نہ کھائیں۔ انہیں قریب جانے سے اس لئے روک لیا کہ اس کے پھل کی رغبت ہی پیدا نہ ہو۔
 هَذِهِ الشَّجَرَةُ: (یہ درخت) جنت کے درختوں میں کوئی درخت تھا۔ اور حضرت آدمؑ کو اس کی پہچان کرا دی گئی تھی۔ قرآن مجید نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ البتہ اس درخت کے بارے میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ انگور کا درخت تھا۔ بعض اسے گیہوں کا پودا بتاتے ہیں۔ بعض انجیر کا اور بعض کھجور کا۔ احادیث نبوی میں اس کی کوئی وضاحت نہیں آئی۔

مِنَ الظَّالِمِينَ: (گنہگاروں میں سے) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اپنے آپ پر سب سے زیادہ ظلم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت جنت کی حیثیت نیک اعمال کے بدلے کی سی نہ تھی جیسی کہ اب ہے۔ بلکہ اس وقت وہاں بھی شرعی حکم تھے بعض ایسی باتیں تھیں جن کے کرنے کا حکم تھا اور بعض ایسے کام تھے جن سے باز رہنے کا حکم تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور جب انہوں نے تنہائی محسوس کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ اور پھر یہ اور احسان کیا کہ انہیں اجازت دے دی کہ جنت میں وہ جہاں سے چاہیں با فراخت کھائیں۔ البتہ وہاں ایک درخت تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ کہ تم اس کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ ورنہ نافرمان قرار دیتے جاؤ گے۔

اس سبق سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ جو شخص شک و شبہ والے کام کرتا ہے اس کے لئے غلطی کرنے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اس ممنوعہ درخت کے قریب جانے سے بھی روکا۔ کہ نہ نزدیک جاتیں گے۔ نہ کھانے کی خواہش ہوگی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اولیٰ شک والی باتوں سے بھی پرہیز کریں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے انسان دراصل اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس کی دنیا بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت بھی۔

حضرت آدم کی لغزش

فَاذْلَمَهُمَا الشَّيْطَانُ - عَنْهَا - فَاخْرَجَهُمَا
 پھر انہیں پھسلا دیا شیطان اس کے سبب پھر انہیں نکال دیا
 فَاذْلَمَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا
 پھر شیطان نے انہیں اس کے ذریعہ پھسلا دیا۔ پھر انہیں نکال دیا
 مِمَّا كَانَا فِيهِ
 جس سے تھے اس میں۔
 مِمَّا كَانَا فِيهِ
 اس (جگہ) سے جہاں وہ تھے۔

فَاذْلَمَهُمَا (پھر انہیں پھسلا دیا) یہ لفظ ذلّم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں جگہ سے ہٹا دینا یا پھسلا دینا۔ اس لفظ کے مفہوم میں جان بوجھ کر نافرمانی یا سرکشی داخل نہیں۔ بلکہ ایسی لغزش مراد ہوتی ہے۔ جو بھول چوک یا انجان پن سے ہو جائے۔ الشَّيْطَانُ (شیطان) شیطان سے مراد وہ مخلوق ہے جو اللہ کی رحمت سے دور ہو گئی۔ یہ ابلیس کا دوسرا نام ہے۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس لئے جنت سے نکال دیا گیا۔ وہ آدم کی اولاد کا سخت دشمن ہو گیا۔ وہ انسان کو بدکاری اور اللہ کی نافرمانی پر مجبور نہیں کر سکتا۔ بلکہ مختلف طریقوں سے اسے بُرے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا اثر دور سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور نزدیک سے بھی۔ مادی رُکاوٹیں اس کے لئے کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

عَنْهَا (اس کے سبب) اس سے اشارہ درخت کی طرف ہو سکتا ہے۔ یعنی اس درخت کے ذریعہ پھسلا دیا۔ اور اس کا اشارہ جنت کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ آدم کو اس جنت سے نکلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی بیوی کو جنت میں بسایا اور حکم دیا کہ فلاں درخت کا پھل نہ کھانا۔ بلکہ اس کے قریب تک نہ جانا۔ شیطان نے حضرت آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا اور اس وجہ سے شیطان کو رد کر دیا گیا تھا۔ وہ حسد کے طور پر ان کا دشمن بن گیا۔ اس نے دل میں ٹھان لیا کہ کسی نہ کسی طرح انہیں یہاں سے نکلوا دے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ آتا ہے کہ وہ حضرت آدم اور ان کی بیوی کے پاس پہنچا۔ اور انہیں اپنی دوستی اور خیر خواہی کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ اگر تم اس درخت کا پھل کھا لو گے۔ تو تم فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ اور تم یہاں سے کبھی نہیں نکلے جاؤ گے۔

حضرت آدم اور ان کی بیوی اس کے فریب میں آگئے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسمیں بھی کھا سکتا ہے۔ انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ کھاتے ہی جنت کا لباس ان کے بدن سے اتر گیا اور وہ دونوں شرم کے مارے اپنے بدن پر درختوں کے پتے چپکانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ شیطان جنت جیسی نعمت سے نکلوانے کا سبب بنا۔ ہم پر لازم ہے کہ اس کے فریب سے بچتے رہیں۔

جنت سے نکلنا

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور ہم نے کہا تم سب نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے
عَدُوٌّ وَاَلْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے

وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾

اور ایک وقت تک نفع اٹھانا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور ہم نے کہا تم اتر جاؤ تم میں سے بعض کے
عَدُوٌّ وَاَلْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
دشمن اور تمہارے لئے میں زمین ٹھکانا

وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾

اور نفع اٹھانا تک وقت

اِهْبِطُوا (تم سب نیچے اتر جاؤ) اس لفظ کا مادہ هَبَطَ ہے اور یہ اُپر سے نیچے اترنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے معنوں میں آتا ہے۔ اس حکم سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ جس جنت میں حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کو پہلے رہنے کے لئے کہا گیا تھا۔ وہاں سے انہیں چلے جانے کا حکم ہوا۔ اور دوسری بات جو اِهْبِطُوا (تم سب اتر جاؤ) جمع کے صیغے سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ زمین میں قیام کا حکم صرف حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی ہی کے لئے نہیں بلکہ ان کی ساری نسل کے لئے ہے۔

عَدُوٌّ (دشمن) اس لفظ سے زمین کی زندگی کا نقشہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ اس زمین میں کشمکش، بغض، نفسانیت، حسد اور خود غرضی وغیرہ کا امکان ہوگا۔ اور ان خرابیوں سے بچنا انسان کی ہزرگی کی نشانی ہوگی۔

إِلَىٰ حِينٍ (ایک وقت تک) اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ اولادِ آدمؑ کا زمین میں قیام ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ عارضی ہے۔ انہیں پھر اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

جب حضرت آدمؑ نے شیطان کے بہکانے کی وجہ سے بھول کر اس درخت کا پھل کھا لیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا۔ تو پھر اللہ کا یہ حکم ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اب یہ جگہ تمہارے لئے موزوں نہیں۔ یہاں سے اتر چلو اور زمین میں جا کر یہ دنیا میں نسل انسانی کے کچھ لوگ صلح و صفائی کے ساتھ نہیں رہیں گے بلکہ آپس میں لڑیں جھگڑیں گے۔ وہاں اپنی موت تک رہنا ہوگا۔ اس مدت میں وہاں محنت و مشقت کر کے زمین کی چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ اور کھانے پینے کا سامان اکٹھا کرو گے۔

اس آیت سے جو مفید باتیں نکلتی ہیں ان میں سے چند ہم یہاں نتیجہ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

شیطان انسان کا دشمن ہے اور وہ اُسے ہر طریقے سے دھوکا اور فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔

دنیا میں انسان کا قیام عارضی ہے۔ اور اس کی حقیقت ایک سرائے کی مانند ہے۔ اس لئے دنیا کو صرف تھوڑی مدت

کے لئے ٹھہرنے کی جگہ سمجھنا چاہیے۔ اور اُسے ہمیشگی کا گھر سمجھ کر اللہ کو بھول نہ جانا چاہیے۔

حضرت آدم کی توبہ

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ

پھر سیکھنے آدم نے سے اپنے رب الفاظ پھر وہ توجہ ہوا
عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۴﴾
اس پر بیشک وہ وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ

پھر آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھیں پھر وہ ان پر توجہ ہوا
عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۴﴾
بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

فَتَلَقَىٰ (پھر سیکھ لے) یہ لفظ تَلَقَىٰ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ملنا۔ کسی چیز کا پانا یا حاصل کرنا۔

كَلِمَاتٍ (باتیں) یہ لفظ کلمہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں بات۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمت اور شفقت سے حضرت آدم کو توبہ کے کلمات سکھا دیئے۔ یہاں توبہ کے ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھائے تھے قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر انہیں یوں بیان فرمایا ہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا سَاءَةً إِن لَّكَ تَغْفِرُ لَنَا وَتَرْحَمُنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ ”وہ دونوں بولے اے ہمارے رب ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔“ (الاعراف آیت ۲۳)

فَتَابَ (توجہ فرمائی) یہ لفظ توبہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کی طرف رجوع، توجہ کرنا اور لوٹ آنا۔ گناہوں سے معافی مانگنے کو توبہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان گناہوں کے احساس کے ساتھ ان کا اعتراف کرتا ہے اور آئندہ ان گناہوں سے باز رہنے کا اقرار اور عہد کرتا ہے۔

جب حضرت آدم کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا۔ تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اس پر بہت پھپھٹائے۔ پریشانی کی حالت میں اپنی خطا پر روتے رہے۔ اور بے قراری میں پشیمان پھرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں بخشش کی دُعا کے چند الفاظ ڈال دیئے۔ انہوں نے انہیں الفاظ میں دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ کیونکہ وہ یقیناً توبہ قبول کرنے والا اور اپنے بندوں پر ہر حال میں رحمت اور مہربانی فرمانے والا ہے۔

توبہ کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ پہلی یہ کہ انسان اپنے گناہ کو مان لے۔ اور اس پر پھپھٹائے۔ دوسری یہ کہ اس کام کو چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لے۔ اور تیسری یہ کہ وہ اس گناہ کو آئندہ ہرگز نہ کرے۔ قرآن مجید اور حدیثوں میں توبہ کی تاکید بہت آئی ہے۔ ہمیں ہر وقت اپنے دانستہ اور غیر دانستہ بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرنی چاہیئے۔

وحی کی ضرورت

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا

ہم نے کہا تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ جب کبھی تمہیں

یَا تَبَّتْ كُم مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

میرے طرف سے کوئی ہدایت پہنچے۔ جو میری ہدایت پر

هُدَايَ فَلَآ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

چلا ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ

هُمۡ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾

وہ غمگین ہوں گے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا

ہم نے کہا نیچے اتر جاؤ اس سے سب پھر اگر

یَا تَبَّتْ كُم مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

تمہیں پہنچے میری طرف سے ہدایت وہ جو چلا

هُدَايَ فَلَآ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

میرے ہدایت سونہ خوف ان پر اور نہ

هُمۡ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾

وہ غمگین ہوں گے۔

اِهْبِطُوا، (نیچے جاؤ) حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کو یہ حکم سنا کے طور پر نہیں دیا جا رہا ہے حضرت آدمؑ کی لغزش معاف کر دی گئی لیکن زمین میں رہنے کا حکم بدستور باقی رہا چونکہ آدمؑ زمین کے خلیفہ بنائے گئے تھے زمین میں رکھنے سے مقصد یہ تھا کہ جو دنیا میں رہ کر اللہ کی اطاعت کریں انہیں جنت میں جگہ ملے۔ اور جو نافرمانی کریں انہیں جنت سے باہر ہی رکھا جائے۔

خَوْفٌ، (خوف) کسی آنے والے نقصان اور تکلیف کے احساس کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حشر میں اللہ کے نیک اور ایماندار بندوں کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔

لَا هُمْ يَحْزَنُونَ، (نہ وہ غمگین ہوں گے) اس لفظ کا مادہ حزن ہے جس کے معنی ہیں کسی دل پسند چیز کے جاتے رہنے کا رنج۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ نیک اور مومن بندے اپنی پہلی زندگی پر حسرت و افسوس نہیں کریں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم سب کے سب زمین پر اتر جاؤ۔ اور کچھ فکر نہ کرو۔ وہاں بھی میری نظر عنایت تم پر رہے گی۔ اور میری رحمت تمہارے شامل حال ہوگی اور ساتھ ہی انہیں بتا دیا کہ ضرورت کے وقت میری ہدایت نبیوں کے ذریعہ تمہارے پاس پہنچتی رہیں گی۔ تم ان کی پیروی کرتے رہنا جو شخص میری ہدایت کے مطابق چلے گا اس کو کبھی دوزخ کا خوف نہ ہوگا۔ اور نہ جنت سے نکالے جانے کا غم ہوگا۔ میں اس کو دوبارہ جنت میں داخل کروں گا۔ اس قصہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان کو روحانی چین اور سکون اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بغیر بالکل ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی اور پھر انہیں دنیا میں رہنے سہنے اور جنت میں جانے کا طریقہ بتا دیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے تمام پچھلے گناہوں سے توبہ کریں۔ اللہ سے ان کی معافی کی درخواست کریں۔ اور آئندہ اس کی دی ہوئی ہدایت پر عمل کریں۔ جو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہمیں بھیجی ہے۔

مُنْكَرِينَ وَحَىٰ كَا اِنْجَام

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
وہی دوزخی ہیں وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا - وَكَذَّبُوا - بِآيَاتِنَا
اور وہ لوگ جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے ہماری آیتوں کو
أُولَٰئِكَ - أَصْحَابُ - النَّارِ - هُمْ
وہی جہنمی ہیں وہ

فِيهَا - خَالِدُونَ ﴿٣٩﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اصْحَابُ النَّارِ (جہنمی) اس کا مطلب ہے دوزخ والے۔ گویا جو لوگ شریعت سے انکار کر کے اللہ کے قانون کو جھٹلاتے ہیں! انہوں نے اپنا تعلق دوزخ سے جوڑ لیا ہے۔ اُن کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہوگی۔

حضرت آدم جب دُنیا میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میں رہنے سہنے کا قانون اور جنت میں دوبارہ جانے کا طریقہ بتا دیا۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرورت کے وقت اپنا پیغام بھیجتا رہے گا۔ جو ان کی رہنمائی کا ذریعہ ہوگا۔ اور ان کی نسل کو بھی انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہدایت ملتی رہے گی۔ انسان صرف اپنی عقل سے سیدھی راہ نہیں پاسکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے جو اس کی فطرت کا بنانے والا ہے۔ جو لوگ اس کی ہدایت کو سچے دل سے قبول کریں گے! اس کی بھیجی ہوئی نشانیوں میں غور کریں گے۔ اور اس کے حکموں پر پختگی کے ساتھ کار بند ہوں گے۔ وہ ہر طرح کے غم اور افسوس سے نجات پائیں گے۔ اور دُنیا کی زندگی کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ جہاں ہمیشہ کا آرام اور ہر طرح کا چین انہیں میسر ہوگا۔ البتہ جو لوگ اُس کی ہدایت سے مُنہ موڑ لیں گے۔ اُس کے حکموں سے سرتابی کریں گے۔ وہ اپنی ناقص عقل کی وجہ سے ساری زندگی گمراہی میں بھٹکیں گے۔ انہیں وہ موت کے بعد دوزخ میں داخل کرے گا۔ جہاں وہ آگ میں جلیں گے اور طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔

آپ نے غور کیا کہ ان لوگوں کا انجام کس قدر خوفناک ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مُنہ موڑیں اور ان لوگوں کا انجام کیسا اچھا ہے۔ جو اس کی ہدایت پر چلیں۔ آئیے ہم اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چل کر دوسرے گروہ میں شامل ہو جائیں اور جنت کے وارث بنیں۔ اب اس کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو دل و جان سے قبول کر لیں اور نیک نیتی سے اس پر عمل کریں۔ اس یقین کے ساتھ کہ یہ تعلیم آخری تعلیم ہے۔ اور یہی نبی آخری نبی ہے۔ جس کے بعد کوئی اور نبی دُنیا میں نہیں آئے گا۔

بنی اسرائیل

يٰۤاِبْنِيۤ اِسْرٰٓءِیْلَ

اے بنی اسرائیل

یٰۤاِبْنِیَّۤ- اِسْرَآءِیْلَ

اے اولاد بندہ خدا

اب پانچویں رکوع سے بنی اسرائیل کی تاریخ، ان کے بلند مرتبے، لغزشوں، گناہوں اور فضیلت کے چھن جانے کا بیان شروع ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ حصہ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے لائق ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں مسلمانوں کے لئے بہت سے عبرت اور نصیحت کے مواقع ہیں۔ تاکہ ہم ان لغزشوں اور غلطیوں سے بچ سکیں۔ جن کی وجہ سے یہ عظیم الشان قوم تباہ و برباد ہوئی اور اللہ کے غضب کا نشانہ بنی۔

بِنِیِّ اِسْرٰٓءِیْلَ: (بنی = اولاد اسرا = بندہ = ثیل = خدا) یعنی خدا کے بندہ کی اولاد۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ اس اعتبار سے ان کی اولاد اور خاندان کو بنی اسرائیل کا لقب ملا۔ انہیں یہودی بھی کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا سلسلہ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ ان کے دو بیٹے ہوئے۔ (۱) حضرت اسمعیل علیہ السلام۔ یہ حجاز میں آباد ہوئے۔ اور ان کی اولاد میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

(۲) دوسرے بیٹے حضرت اسحاق ہوئے۔ ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ جن کا لقب اسرائیل پڑا۔ ان کی اولاد فلسطین میں آباد ہوئی۔

یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اہل مصر نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ انہیں غلاموں کی طرح رکھا اور شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور وہ اس قوم کو مصر کی غلامی سے نکال کر وادی سینا میں لے گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ اپنے وطن کنعان میں واپس لوٹے۔ اس قوم کا بہترین زمانہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ قوم پھر آپس کی بھڑوٹ، دین کی مخالفت اور انبیاء کی دشمنی کے سبب مصائب کا شکار ہوئی۔ دو مرتبہ اس قوم پر ایسے زبردست حملے ہوئے۔ اور اس قدر تباہی آئی کہ یہ لوگ اپنا وطن چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر افسوس اپنی شرارتوں اور خرابیوں سے باز نہ آئے۔ اور آج تک اس قوم میں وہ خرابیاں بدستور موجود ہیں۔

بنی اسرائیل پر انعاماتِ خداوندی

اذْکُرُوا نِعْمَتِي الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
 یاد کرو میرے احسان وہ جو میں نے کئے تم پر
 وَ اَوْفُوا بِعَهْدِي اَوْفٍ - بَعَهْدِكُمْ
 اور پورا کرو اقرار میرا میں پورا کروں گا تمہارا اقرار
 وَ اِيَّايَ فَاَرْهَبُونَ ﴿۴۰﴾
 اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔

اذْکُرُوا نِعْمَتِي الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
 میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور تم
 وَ اَوْفُوا بِعَهْدِي اَوْفٍ - بَعَهْدِكُمْ
 میرا اقرار پورا کرو تو میں تمہارا اقرار پورا کروں گا۔ اور
 وَ اِيَّايَ فَاَرْهَبُونَ ﴿۴۰﴾
 مجھ سے ہی ڈرو۔

بنی اسرائیل (اولادِ اسرائیل) حضرت یعقوب کا لقب تھا۔ جو حضرت اسحق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم کے پوتے تھے یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اور اس کے معنی اللہ کا بندہ ہیں۔ بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں۔

نِعْمَتِي: (میرے احسان) مراد اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں اور احسانات ہیں۔ جو اس نے یہودیوں پر کئے۔ مثلاً غلامی کے عذاب سے نجات دی۔ ان کے دشمن فرعون کو غرق کیا۔ ان کے لئے بحیرہ قلزم میں راستہ بنایا۔ بیابان میں من و سلوی جیسی مزیدار خوراک انہیں کسی محنت اور مشقت کے بغیر دی۔ مُصِیْبَتُوں میں غیب سے ان کی مدد کی۔

عَهْدِي: (میرا اقرار) عہد دو فریقوں کے آپس کے قول و قرار کو کہتے ہیں۔ یہاں عہد سے مراد بندوں کا اللہ سے وہ اقرار ہے۔ جو انہوں نے دنیا میں آنے سے پہلے اس سے کیا۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل بخشی۔ اپنی قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے کی طاقت عطا کی اور اس کے بعد انسان نے یہ ذمہ لیا کہ وہ اللہ کو پہچانے گا۔ اس کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لائے گا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلے گا۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ انہیں جنت عطا کی جائے گی۔

فَاَرْهَبُونَ: (تم ڈرتے رہو) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا ڈر اور خوف دل میں نہ رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے اور زمین میں بھیجنے کے بعد اس سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اس کی اولاد کے لئے موقع کے مطابق اپنے نبی بھیجتا رہے گا۔ اور ان کے ذریعہ بندوں تک اپنے احکام اور ہدایات پہنچائے گا۔ اس وعدہ کے مطابق دنیا میں نبی آتے رہے۔ سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ ان کو جو دین بخشا گیا وہ ایک عالمگیر دین ہے۔ اس بنا پر اس رکوع سے تبلیغ دین اسلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہو واللہ تعالیٰ کے دین کے طریقہ سے واقف تھے۔ اس لئے سب سے پہلے ان ہی سے خاص طور پر خطاب کیا جاتا ہے۔ اور انہیں یاد دلایا جاتا ہے کہ دین الہی کی برکتیں تمہارے بزرگ دیکھ چکے ہیں اور تم ان سے خوب واقف ہو۔ اب اس آخری نبی پر ایمان لاؤ۔ تاکہ تم پھر انہی نعمتوں کے مستحق ہو۔ ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے وعدہ پورا کرنے کے برابر سمجھا جائے گا۔ اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تمہیں دنیا اور آخرت میں کامیابی عطا فرمائے گا۔

دعوت قرآن

وَ- اٰمِنُوْا- بِمَا- اَنْزَلْتُ- مُصَدِّقًا
اور مان لو وہ کتاب جو میں نے اتاری سچ بتانے والی ہے

وَ- اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا
اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے۔ اسے سچ

لِمَا- مَعَكُمْ- وَ- لَا- تَكُوْنُوْا- اَوَّلَ
وہ جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ اول

لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ
بتانے والی ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔ اور سب میں اول

كَافِرٍ- بِهَا
کافر اس کے

كَافِرٍ بِهَا
کافر اس کے

مَا اَنْزَلْتُ (جو میں نے نازل کیا) اس سے قرآن مجید مراد ہے جو آخری نبی پر نازل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔
مَا مَعَكُمْ (جو تمہارے پاس ہے) اس سے تورات مراد ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی جس کی صداقت او دینی
اصولوں کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے۔

قرآن مجید پر ایمان لانے کی دعوت سب سے پہلے بنی اسرائیل کو دی گئی۔ اہل کتاب میں یہی سب سے زیادہ مشہور
تھے۔ اور مدینہ اور اس کے آس پاس بستے تھے۔ یہ اصول اس قاعدے کے بھی مطابق تھا کہ نیکی اور اس کی دعوت پہلے اپنے
قرابت داروں اور ہمساویوں سے شروع کرنی چاہیے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے انعام اور احسانات یاد
کرا کے یہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے وعدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے ہیں پورا کریں۔
وہ عہد جسے پورا کرنے کے لئے انہیں کہا جا رہا ہے۔ اس میں اس نئی کتاب یعنی قرآن مجید پر جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم پر نازل کی گئی ہے ایمان لانا شامل ہے۔ اس لئے اس پر ایمان لائیں۔ اور اس کی ہدایات پر عمل کریں۔ اس کتاب میں خود
ان کی کتابوں کے اصولوں کی تصدیق کی گئی ہے۔

اس کے بعد انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ میں اللہ سے واقفیت رکھنے والوں میں تم ہی سب سے پہلے اس
قرآن مجید کے منکر بنو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کا علم اور قرآن مجید کی سچائی کا علم جتنا تمہیں ہے اور کسی قوم کو نہیں۔ اس
لئے تم سے توقع کی جاتی ہے کہ دوسروں کے لئے تم کفر و انکار کا نمونہ نہ بنو گے۔ بلکہ جیسے تمام اہل کتاب میں سب سے پہلے تمہیں
دعوت دی جا رہی ہے۔ اسی طرح تم سب سے پہلے اس پر ایمان لا کر دوسروں کے لئے ترغیب کا باعث بنو گے۔ کہ وہ بھی تمہیں
دیکھ کر اس کو مان لیں تمہیں یہ خوف ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ اس آخری کتاب اور آخری نبی پر ایمان لانے سے تمہارا دنیوی جہاد و جلال اور
اثر و رسوخ ختم ہو جائے گا بلکہ اس کے برعکس تم دیکھ لو گے کہ ساری خواہیاں اسلام کی برکات کی بدلت زائل ہو جائیں گی۔ دنیا
بھی تمہارے لئے باعث آرام ہوگی اور آخرت میں بھی تمہارے سچ جاؤ گے۔

آیات الہی کا مول

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ
اور نہ تم لو میری آیتیں مول تھوڑا
وَأَيَّامِي فَاتَّقُونِ ﴿۴۱﴾
اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

ثَمَنًا قَلِيلًا (تھوڑی قیمت) اس سے مراد یہ ہے کہ حق کو پھوڑ کر دنیا کے طلبگار نہ بنو۔ دنیا بظاہر کیسی ہی بڑی اور شاندار نظر آئے۔ پھر بھی سچائی اور حق کے مقابلہ میں حقیر اور بے قدر چیز ہے۔ کیونکہ عارضی اور ناپائیدار ہے۔
وَأَيَّامِي فَاتَّقُونِ (اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو) اِتَّقَا کے معنی ہیں بڑائیوں سے بچنا۔ یہاں اس طرف اشارہ ہے کہ بڑائیوں سے بچنے کا باعث فقط اللہ کے عذاب کا خوف ہونا چاہیے چونکہ خرابیوں سے وہی بچ سکتا ہے۔ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو۔

قرآن مجید نے یہودیوں کے ساتھ جو زمی اختیار کی ہے اور جس خوبی کے ساتھ اسلام کی دعوت انہیں دی ہے۔ وہ بجائے خود قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا ثبوت ہے۔ واقعات کے اظہار کے طریقے اور خطاب کے طرز سے یہود کا پورا احترام ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی بات ایسی نہیں کہی گئی جو ان کے لئے اشتعال کا باعث ہو۔ سچائی کے اظہار کے لئے اس کے مناسب ماحول پیدا کرنا قرآن مجید کا معجزہ ہے۔ جس کی ہم مسلمانوں سے اگر تھوڑی سی بھی نقل ہو جائے تو دنیا کے تمام ڈر دور ہو جائیں۔

یہود نے جو طرز عمل اسلام کے ساتھ اختیار کیا۔ اس کی بنیاد ہٹ دھرمی اور نا سمجھی کے سوا کوئی نہیں معلوم ہوتی۔ آیات الہی فروخت کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہودی علماء دنیا کے عارضی فوائد کی خاطر اللہ کے احکام کو بدل ڈالتے۔ چند لوگوں کے بدلے خود ساختہ فتوے جاری کر دیتے۔ اپنے عیوب کو چھپانے کے لئے اللہ کے احکام کو چھپاتے اور خلط ملط کر ڈالتے۔ جب کسی قوم کے علماء اس قسم کے عیوب میں پڑ جائیں۔ تو اس قوم کا تباہی سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس سبق میں اللہ تعالیٰ نیک اخلاق کی سب سے زیادہ اہم تلقین فرماتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور اس کے فائدے صرف چند روزہ ہیں۔ اس بنا پر وہ یہودیوں کو نصیحت کرتا ہے۔ کہ تم نذرانوں اور حقیر بدیوں کی خاطر میرے کھلے کھلے حکموں کو بدل کر لوگوں کی خواہشوں کے مطابق فیصلے نہ دیا کرو۔ کیونکہ میرے حکموں کو صاف صاف اور ٹھیک ٹھیک بتا دینے سے جو دنیا اور آخرت دونوں میں انعام ملے گا۔ وہ ان عارضی اور تھوڑے تھوڑے معاوضوں سے کہیں زیادہ ہے۔

حق کو چھپانے کی ممانعت

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ - وَ تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ - وَ
اور مت ملاؤ صحیح غلط سے اور اور صحیح میں غلط نہ ملاؤ اور
تَكْتُمُوا الْحَقَّ - وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾
چھپاؤ سچ اور تم جانتے ہو سچ کو نہ چھپاؤ اور تم جانتے ہو۔

لَا تَلْبِسُوا (مت ملاؤ) یہ لفظ لبس سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیزوں میں ملا دینا تاکہ اس کا پہچانا مشکل ہو جائے۔ اور جھوٹ کو سچ کی شکل میں ظاہر کرنا جس سے سچ کی پہچان مشکل ہو جائے۔ یا جھوٹ کے اوپر ایسا ملمع کرنا کہ دیکھنے میں بالکل سچ معلوم ہو۔

تَكْتُمُوا (چھپاؤ) یہ کتم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں چھپانا۔ اللہ کے حکموں کو بدلنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ان کے معنی یا الفاظ بدل دینا۔ دوسری یہ کہ سرے سے چھپا لینا۔ یہودی لوگ دونوں طرح سے آسمانی کتابوں کی تعلیم اور رسول عربی صلعم کی بابت پیشگوئیوں کو بدلتے تھے۔ تورات کے ضائع ہو جانے سے بعض احکام تو ویسے ہی سرے سے غائب اور گم ہو گئے تھے۔ پھر جو باقی رہ گئے تھے انہیں بھی ان لوگوں نے اپنی مصلحتوں کے پیش نظر بدل ڈالا تھا۔

ظہور اسلام کے وقت یہودیوں کے عالموں نے اپنے دین کی رہی سہی شکل کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق آسمانی کتابوں کے احکام کو بدل دیتے تھے۔ جو کتابیں گم ہو چکی تھیں۔ ان کی جگہ اپنی طرف سے اور کتابیں لکھ کر ان کے نام پر پیش کر دی تھیں۔ کبھی تشریح اور تفسیر لکھ کر اصلی متن کے ساتھ ملا دیتے اور دونوں میں فرق کی کوئی نشانی نہ رکھتے آسمانی احکام جس عالم کا بن یا راہب کے پاس ہوتے وہ کسی مالی لالچ یا کسی دنیاوی طمع کی خاطر انہیں گھٹا بڑھا دیتا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور نبوت کی تمام نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود تھیں۔ لیکن جب آپ تشریف لائے تو حد کی آگ میں جل کر ان تمام نشانیوں کو چھپانے لگے اور بعض کو الٹ پلٹ کر بیان کرنے لگے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق کو نہ چھپایا کرو۔ تمہاری گمراہی سے دوسرے لوگ بھی گمراہ ہوتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات جو قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ ایک طرف تو خود یہود اپنی بُرائیوں سے آگاہ ہو جائیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ اس قسم کی باتوں کی دین میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ان بیان کردہ واقعات اور بنی اسرائیل کے عروج و زوال پر غور کریں اور اپنے اندر ان جیسی بُری باتیں پیدا نہ ہونے دیں۔

نماز، زکوٰۃ اور اتحاد

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ - وَآتُوا الزَّكَاةَ
اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ

وَأَزْكِعُوا مَعَ الزَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾
اور ٹھیکو ساتھ ٹھیکنے والے (جمع)۔

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَأَزْكِعُوا مَعَ الزَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾
اور (نمازیں) ٹھیکنے والوں کے ساتھ ٹھیکو۔

الزکوٰۃ (زکوٰۃ) اس لفظ کے معنی میں بڑھنا۔ اسی طرح ذکا الزرع کے معنی میں کھیتی بڑھ گئی۔ اللہ کے نام پر مستحق لوگوں کو دینے سے اور جائز کاموں کے لئے مال خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے۔ اس لئے سال کے بعد ایک مقررہ حصہ اللہ کی راہ میں دینے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے دوسرے معنی پاکیزگی کے ہیں۔ واقعی زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ صلوات (نماز) اور زکوٰۃ دو ایسے فرائض ہیں جو ہر مذہب میں عبادت کا لازمی حصہ رہے ہیں۔ البتہ ان کی صورتیں اور مسائل میں بڑی اختلاف رہا ہے۔

ازکعوا (ٹھیکو) یہ لفظ رکوع سے نکلا ہے جس کے معنی میں ٹھیکنا۔ چونکہ یہ نماز کا ایک حصہ ہے اس لئے پوری نماز کے لئے بھی یہی لفظ اکثر یوں دیتے ہیں کبھی کبھی اس لفظ کے ساتھ اسجد واکا لفظ بھی آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے پہلے اعتقاد اور ایمان درست کرنے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی تعلیم کو بالکل اس کی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اس میں اپنی طرف سے نہ کچھ ملائیں اور نہ کمی بیشی کریں۔

اب انہیں عمل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں اور پابندی کے ساتھ باقاعدہ ادا کرتے رہیں۔ نماز بدنی عبادت میں سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔ اور اللہ کو پہچاننے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اس کے بعد انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ کہ وہ دستور کے مطابق ہر سال اپنے مال کا ایک مقررہ حصہ باقاعدہ اللہ کے نام پر غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور مستحق لوگوں کو دیا کریں۔ امت کی بہبودی کے لئے مفید کاموں میں اللہ کا دیا ہوا مال خرچ کریں۔ یہودی لوگ تاجر اور صنایع ہونے کی وجہ سے بڑے مالدار تھے اس وجہ سے ان میں مال و دولت کی محبت حد سے زیادہ پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ نماز پڑھنے اور صدقات دینے سے دوسروں کی حاجتوں کا علم اور بہبودی کے ساتھ ان کا تدارک مستیر ہوتا ہے۔ انہیں کہا گیا کہ نماز گھر میں پڑھنے کی بجائے مسجد میں جا کر سب کے ساتھ مل کر ادا کریں اور زکوٰۃ مستحقوں کو ادا کریں اس اجتماع اور اتحاد کے بہت فائدے ہوں گے۔

دیگر ان نصیحت خود نصیحت

آ- تَأْمُرُونَ - النَّاسَ - بِالْبِرِّ -
 کیا علم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا
 وَتَنْسَوْنَ - أَنْفُسَكُمْ - وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ
 اور بھول جاتے ہو اپنے نفس اور تم پڑھتے ہو
 الْكِتَابَ - أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾
 کتاب پھر کیوں نہیں تم سوچتے۔

آلہی بزرگ کے معنی انکی اور احسان کے ہیں۔ اس میں خوش خلقی پر خلوص عبادت اور اچھے معاملات سب داخل ہیں۔ اس کے مقابل اثم ہے جس کے معنی گناہ ہیں۔

الکتاب: یہاں کتاب سے مراد تورات ہے جس میں یہود کے لئے نیک اخلاق عبادت اور دینی معاملات کے سب احکام تفصیل موجود ہیں۔

جب کسی قوم کی تباہی کے دن آتے ہیں تو اس کے اندر جاہ طلب اور آرام کے بھوکے علماء اور لیڈر پیدا ہو جاتے ہیں جو لوگوں کو یہ ظاہر ہر وقت وعظ و نصیحت کرتے رہتے ہیں کہ اپنی عادتیں درست کرو۔ دوسروں سے معاملات کرتے وقت ایمانداری، صداقت اور ہمدردی سے کام لو۔ بھٹو مت بولو۔ فریب مت دو۔ نماز پڑھو۔ روزے رکھو۔ دوسروں کی خدمت کرو۔ لیکن خود ان میں سے ایک بات پر بھی عمل نہیں کرتے دنیاوی عیش و آرام کے سوا ان کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ دوسرے لوگوں پر بھی نصیحتوں کا وہ فقط اتنا اثر چاہتے ہیں کہ صدقات کے نام سے خود ان کو خوب نذر و نیاز تحفے شائف دیتے رہیں تاکہ انہیں خوب گلچھڑے اڑانے کا موقع ملے۔

بنی اسرائیل کے علماء میں یہی بات پیدا ہو چکی تھی وہ فقط دنیاوی مال و دولت نام اور شہرت کے طالب تھے اگر ان کا زیادہ اس غرض سے ہوتا کہ لوگوں کو اپنے اثر سے نیکو کار بنائیں گے تو یقیناً تعریف کے قابل ہوتا لیکن دوسروں کو نیک بنانا بغیر اس کے کہ پہلے خود نیک بنیں نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے وہ کوسوں دور تھے۔

اس آیت میں علماء کو شرم دلائی گئی ہے کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ لوگوں کو نیکو کار بننے کی زبان سے ہر وقت ہدایت کرتے رہتے ہو۔ حالانکہ خود راست بازی اور سچائی کے قریب بھی نہیں جاتے۔ کیا تمہاری غرض صرف یہ ہے کہ لوگ تم کو اپنا مادی اور رہنما بنیں۔ تمہاری خدمت کرتے رہیں حیثیت ہے کہ تم توراہ پڑھتے ہوئے بھی صرف ظاہر داری کے قائل ہو اور اپنی اصلاح سے بالکل غافل ہو۔ عقل کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ راست بازی میں آدمی دوسروں کے لئے خود مثال بن کر دکھائے۔ تم اٹا لوگوں کو دھوکا دینے کے مجرم ہو۔ اگر تم دوسروں کو نصیحت کرنے میں مخلص ہو تو پہلے خود عمل کر کے دکھاؤ۔

یہود کو تو یہ سمجھانا اور ڈرانا زیادہ مفید ثابت نہ ہوا البتہ قرآن مجید کو سچی کتاب ماننے والے عالموں کے لئے اس آیت میں ایک بڑے کام کی نصیحت پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ دوسروں کو درست کرنے سے پہلے اپنی درستی کا بندوبست کریں کیونکہ علماء کا عیش پرست فری اور ریاکار ہو جانا تو ہی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

صبر اور نماز سے مدد

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۗ
 اور مدد چاہو صبر سے اور نماز اور
 وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۗ
 اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور
 إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۳۵﴾
 وہ بھاری بھاری ہے مگر پر عاجز (جمع)۔
 إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۳۵﴾
 البتہ وہ بھاری ہے مگر عاجزوں پر۔

اسْتَعِينُوا: (مدد حاصل کرو) یہ لفظ عون سے بنا ہے۔ جس کے معنی مدد میں اس کا مصدر استعانت ہے جس کے معنی میں مدد چاہنا۔ جب کوئی مشکل کام ہوتا ہے تو اس میں کسی اور کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں جو مدد مانگتا ہے۔ اُسے مستعین (مدد مانگنے والا) کہتے ہیں اور جو مدد دیتا ہے اسے معین (مدد دینے والا) مستعین کا مصدر استعانت (مدد مانگنا) ہے اور معین کا مصدر اعانت (مدد دینا) ہے۔

الصَّبْرُ: (برداشت کی قوت) اس کی ضرورت ہر وقت ہوتی ہے جس وقت کوئی اچھا کام کیا جائے۔ تو اس کو بغیر گھبراہٹ کے جی لگا کر کرنا یہ بھی صبر ہے اور جس وقت کوئی مصیبت آئے تو اس کو بغیر گھبراہٹ کے جھینا یہ بھی صبر ہے۔ محنت کرنے کے وقت بھی صبر کی ضرورت ہے خواہشوں کو دبا کر رکھنا بھی صبر چاہتا ہے۔ غرض صبر ہر حالت میں درکار ہوتا ہے اور دیکھا جائے تو یہ ایک طرح سے ہر نیک صفت کی جڑ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روح اور بدن دو چیزیں عطا فرمائی ہیں اور یہ دونوں بڑی نعمتیں ہیں۔ روح کا کام علم حاصل کرنا، ارادہ کرنا اور بدن سے کام لینا ہے۔ اور بدن کا کام یہ ہے کہ روح کے ارادہ کے مطابق حرکت کرے۔ نماز ان روحانی اور جسمانی نعمتوں کے شکر کا ذریعہ ہے۔ علم کا شکر یہ ہے کہ اللہ کو پہچانے۔ سیدھا کھڑا ہو کر اس کو یاد کرے یہ کھڑے ہونے کی نعمت کا شکر ہے۔ پھر جھک جائے اور اسی حالت میں اللہ کو یاد کرے کہ اس نے بھکنے کے قابل بنایا۔ پھر سجدہ میں جائے اور اللہ کو یاد کرے کہ اس کی نعمت کی بدولت ہاتھ کہنیوں سے ٹانگیں گھٹنوں سے۔ ہاتھ پاؤں پہنچوں اور ٹخنوں پر سے مڑ سکتے ہیں۔ اور یہ بڑی نعمت ہے ورنہ اگر جھڑا کر رہ جائے۔ تو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے اس کے بعد پھر بیٹھ جائے اور سوچے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ سلام کے وقت گردن مڑنے کی نعمت یاد کرے اور شکر کرے۔ غرض بدن کی ہر حالت ارادہ کے ساتھ اختیار کر کے زبان سے اللہ کا شکر ادا کرے۔ اسی کا نام نماز ہے۔

الْخَاشِعِينَ: (اپنے آپ کو اللہ کی مدد کے بغیر عاجز اور ضعیف سمجھنے والے) یہ لفظ خشوع سے بنا ہے۔ جس کے معنی عاجزی ظاہر کرنے کے ہیں۔ اور یہ دل کی سب سے بڑی عبادت ہے کہ اللہ کے سامنے ہر حالت میں کھڑے ہوئے جھکے ہوئے سجدہ میں بیٹھے ہوئے اپنے عجز کا اظہار کرے کیونکہ سجدہ کی حالت میں تمام اعضاء مڑ جاتے ہیں جو دنیا میں بدن کی صحت اور کام کے قابل ہونے کی علامت ہے۔ اس لئے سجدہ اظہار شکر کے لئے اور اپنی عاجزی کا تصور کرنے کے لئے بہترین صوت ہے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اگر بدن مڑ نہ سکے تو انسان بالکل بیکار اور اپاہج ہے۔ اس سے ان لوگوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔ جو نماز کو فضول سمجھتے ہیں۔

آخرت کا تصور

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ

وہ جن کو خیال ہے کہ وہ اپنے رب کے روبرو ہونے والے ہیں

وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۳۶﴾

اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ

وہ جو خیال کرتے ہیں کہ وہ روبرو لانے والے ان کا رب

وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۳۶﴾

اور کہ وہ اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

يَظُنُّونَ (وہ خیال کرتے ہیں) یہ لفظ ظن سے بنا ہے جس کے لغوی معنی شک اور یقین دونوں آتے ہیں۔ چنانچہ عربی ادب میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جہاں ظن کے معنی شک کے علاوہ یقین کے بھی لئے گئے ہیں۔ اس آیت میں خاشعین (عاجزی کرنے والوں) کی علامات بتائی گئی ہیں جن کا ذکر آیت کے ابتدائی حصہ میں گذرا ہے۔ نیز یہاں اس صفت کو حاصل کرنے کے طریقہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جو ایمان کا ایک خاص درجہ ہے۔ اگر کسی میں خشوع (عاجزی) نہ ہو تو وہ خیال کرے کہ ہر حرکت اور سکون اور عمل میں اُسے اپنے رب سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اُس کا رب ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ وہ اس کی حرکات کو دیکھتا، آواز کو سنتا اور اس کی ہر حالت کا علم رکھتا ہے۔ یہ خیال جوں جوں پختہ ہوتا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایمان بڑھتا جائے گا۔ آخر کار نماز اور عبادت اس کے لئے آسان ہو جائے گی اور صبر کی صفت ظاہر ہونی شروع ہو جائے گی۔

خود نیک بننے اور دوسروں کی ہدایت کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ دوسری چیز جس سے نماز اور عبادت آسان ہو جاتی ہے۔ وہ آخرت کا یقین ہے۔ جہاں آدمی کے اعمال کے مطابق ثواب یا عذاب ملے گا۔ اس خیال کے پختہ ہونے سے اللہ کے غضب کا ڈر اور اس کی رحمت کی امید کی دو صفتیں پیدا ہوں گی۔ اور ایمان پختہ ہوگا۔ جس کا نتیجہ لازمی طور پر خشوع (عاجزی) ہوگا اور خشوع کی بدولت نماز پڑھنا آسان ہو جائے گا۔ اور صبر جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے حاصل ہوگا۔

یہ پھوٹا سا رکوع دین کی اصلی باتوں کا پختہ ہے۔ کس خوبصورتی سے بنی اسرائیل کو دین اسلام کی طرف بلا یا جارا ہے! اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کے ماننے والوں کو اصول اسلام کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اسلام نے ایسے ہی ارشادات کی بدولت یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کے اصول فطری اصول ہیں۔ ان کے خلاف جانے والے انسانیت کے خلاف جا رہے ہیں! اسلام دین کی قدیم شکل کو جو یہودیت، عیسائیت اور دنیا کے دوسرے مذہبوں میں مشترک ہے۔ تمام خرابیوں سے صاف کرنے کے لئے آیا ہے۔ بنی اسرائیل دیندار اور عالم ہونے کے مدعی ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ اسلام کو پہچانیں اور سمجھیں کہ یہ تو اسی دین کی آخری شکل ہے جو تورات۔ انجیل اور تمام دنیا کی آسمانی کتابوں میں موجود تھا۔

بنی اسرائیل کی فضیلت

يٰۤاِبْنِيۤ- اِسْرٰٓءِیۡلَ- اذْكُرُوۡا نِعْمَتِیۡ

اے بنی اسرائیل میرے وہ احسان یاد کرو
الَّتِیۡۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاٰتِیۡ

جو میں نے تم پر کئے۔ اور یہ کہ میں نے
فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۷﴾

تمہیں تمام عالم پر بڑائی دی۔

يٰۤاِبْنِیۡ- اِسْرٰٓءِیۡلَ- اذْكُرُوۡا- نِعْمَتِیۡ

اے اولاد اسرائیل یاد کرو میرے احسان
الَّتِیۡۤ اَنْعَمْتُۤ- عَلَیْكُمْ- وَاٰتِیۡ

جو میں نے تم پر کئے اور میں نے
فَضَّلْتُكُمْۤ- عَلَی- الْعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۷﴾

تمہیں بڑائی دی پر تمام عالم۔

فَضَّلْتُكُمْ (تمہیں بڑائی دی) یہ لفظ فضل سے نکلا ہے جس کے معنی میں بڑائی۔ تمام عالم پر فضیلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل تمام فرقوں سے افضل رہے اور کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ البتہ جب انہوں نے حق کو چھوڑ دیا۔ شریعت کو بھلا دیا۔ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور انہیں مغضوب علیہم اہل ضلال کہا گیا اور امت مسلمہ کو خیرامۃ کا لقب ملا۔

العالمین (تمام جہان) اس کا واحد عالم ہے۔ یہاں العالمین (تمام جہانوں) سے مراد دنیا کی جملہ اقوام ہیں۔ ایک وقت تھا کہ بنی اسرائیل کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی گئی تھی جب دنیا کی تمام قومیں گمراہی اور تاریکی میں پڑی بھٹک رہی تھیں۔ شرک و بت پرستی میں مبتلا تھیں۔ بدعتوں اور بدعنوانیوں میں مست تھیں۔ تو صرف بنی اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جس کے پاس توحید کا تصور تھا اور آسمانی ہدایت نامہ ان کو میسر تھا۔ اس سے بڑھ کر اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ اپنی کمزوریوں اور بدعنوانیوں کے باعث راہ راست سے بھٹک گئے اور آسمانی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا۔ اس لئے اب انہیں اللہ اس چیز کی تلقین کرتا ہے۔ کہ تم اپنے اسی دین کو اصلاح شدہ شکل میں قبول کر لو۔ اور راہ راست حاصل کرو۔ تقویٰ اور ایمان کا حصول صبر اور عبادت کے ذریعہ دشوار تھا۔ اس لئے اس کا سہل اور آسان طریقہ بتا دیا اور وہ ہے شکر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے احسانات و انعامات جو ان پر وقتاً فوقتاً کئے۔ یاد دلاتا ہے اور ان کی بدکرداریاں بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے محسن اور منعم کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہے اسی لئے اللہ انہیں صحیح راہ کی تلقین کرنے کے ساتھ اپنے احسانات جتاتا ہے۔

بنی اسرائیل کا فضیلت کے اس قدر اونچے مقام سے گر کر غضب الہی کے گڑھے میں گر جانا اہل عالم کے لئے عبرت کا نشان ہے۔ ان کی اس حالت سے نصیحت پکڑنی چاہیے اور ان اعمال سے گریز کرنا چاہیے جو اس قوم کی تباہی و بربادی کا سبب بنے۔

قیامت کے دن کیا کام آئے گا؟

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ
اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے
عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ
کچھ کام نہ آئے گا۔ اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا
قبول ہوگی اور نہ اس کی طرف سے
عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۸﴾
بدلہ لیا جائے گا اور نہ ان کو مدد دیے گی۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ
اور ڈرو دن نہ کام آئے کوئی شخص
عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ
کسی سے شخص کچھ اور نہ قبول ہو
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا
اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے اس کی طرف سے
عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۸﴾
بدلہ اور نہ وہ ان کی مدد ہوگی۔

یَوْمًا (دن) یہاں دن سے مراد یوم قیامت ہے۔ دنیاوی لذتوں کو چھوڑنے اور نیک کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دین میں جزائز کا یا آخرت کا عقیدہ موجود ہو تاکہ لوگ اس دن کے خیال سے بڑے کام چھوڑ دیں اور انعام کی امید پاکر نیک کام کریں۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے دلوں سے قیامت کا یقین اٹھ چکا تھا۔ اس لئے انہیں یوم آخر کی تشبیہ کی جاتی ہے۔

عَدْلٌ (بدلہ) عدل کے معنی ہیں برابری۔ اگر کسی چیز کا معاوضہ یا فدیہ دیا جائے۔ تو وہ اصل کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے بدلہ کے لئے عدل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی انصاف کے بھی اسی لئے لئے جاتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں انصاف کرنے سے برابری ہو جاتی ہے۔

یہودیوں کا خیال تھا کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں۔ ہم پر عذاب نہ ہوگا۔ ہمارے باپ دادا پیغمبر تھے۔ وہ ہمیں بخشوا لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ مجرم کو اپنے گناہ کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ عام طور پر مجرم کو چھڑا لینے کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ کوئی دوسرا شخص مجرم کا جرم اپنے سر لے لے۔ دوم یہ کہ اس کی سفارش کر کے چھڑا لے۔ سوم یہ کہ کوئی فدیہ وغیرہ دے کر بری کر لے اور چہارم یہ کہ زبردستی چھڑا لے۔ ان چاروں صورتوں میں کوئی صورت بھی ایسی نہیں جو قیامت کے روز گنہگار کے کام آسکے گی۔

قیامت کے روز ہر شخص کو اپنی فکر ہوگی۔ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی شخص کسی دوسرے کی سفارش نہ کر سکے گا۔ اللہ کو مال و دولت کی ضرورت نہیں کہ وہ فدیہ قبول کرے اور آسمان و زمین کے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے اور مجرم کو اللہ کے ہاں سے زبردستی چھڑا لے۔ یہ باتیں تباہکار اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے عقیدہ کو باطل قرار دیا اور انہیں یہ تلقین کی۔ کہ وہ قیامت کا خوف کر کے راہ راست کی طرف آجائیں۔

بنی اسرائیل پر مصائب

وَإِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے رٹائی دی

يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَذَّبُحُونَ

جو تم پر برا عذاب کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے

أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي

تمہارے بیٹے اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتیں اور اس میں

ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۳۹﴾

تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ

اور جب ہم نے تمہیں رٹائی دی سے آل فرعون

يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَذَّبُحُونَ

تم پر کرتے تھے برا عذاب ذبح کرتے تھے

أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي

تمہارے بیٹے اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتیں اور اس میں

ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۳۹﴾

اس تمہارے آزمائش سے تمہارا رب بڑائی۔

آلِ فِرْعَوْنَ، (آل: اولاد۔ والے۔ فرعون، بادشاہ مصر کا لقب تھا) آل اولاد کو کہتے ہیں اور اس سے مراد ہم مذہب اور تابع لوگوں کو بھی لیا جاتا ہے۔ فِرْعَوْنَ، عام طور پر لوگ مصر کے ایک بادشاہ کا نام سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی ایک شخص کا نام نہیں بلکہ مصر کے تمام بادشاہوں کا لقب تھا۔ جیسے چین کے بادشاہ کو خاقان اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے تھے۔

حضرت یوسفؑ نے بنی اسرائیل کو مصر میں لاکر آباد کیا تھا۔ انہیں یہاں رہتے صدیاں گزر گئیں۔ اور ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی مصر کے بادشاہوں نے انہیں غلام بنا لیا اور ان سے نہایت ذلیل اور ناراوا سلوک روار کھا۔

ایک مرتبہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا۔ صبح کو تمام کامیوں کو جمع کر کے ان سے اس کی تعبیر پوچھی۔ کہ میں نے بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آتے دیکھی ہے جس نے تمام مصر کو گھیر لیا ہے۔ اور چون چوں کر ایک ایک قطبی کو جلا دیا ہے یہ سن کر کامیوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو آپ کی ہلاکت اور سلطنت کے زوال کا سبب بنے گا۔

فرعون نے ملک کی تمام دہائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو۔ فوراً قتل کر دیا جائے۔ البتہ لڑکی کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ اس حکم کے مطابق بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے گئے۔ مصر کے سرداروں کو خیال پیدا ہوا۔ اگر بنی اسرائیل یونہی قتل ہوتے رہے تو ہماری خدمت کون کیا کرے گا۔

یہ سن کر فرعون نے حکم جاری کیا۔ کہ ایک سال قتل جاری رہے اور دوسرے سال بند رہے۔ جس سال یہ قتل بند تھا۔ اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل جاری تھا۔ اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حسن تدبیر سے انہیں قتل ہونے سے بچالیا۔

اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ فرعون کی قوم نے بنی اسرائیل کو سخت مہیبت اور مشقت میں ڈال رکھا تھا۔ ان تمام مصائب سے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نجات دی۔

فرعون کی غرقابی

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ ۖ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو بچا ڈیا اور ہم نے تمہیں بچا دیا۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ ۖ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾

اور فرعون والوں کو ڈبو دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

الْبَحْرُ (سمندر) یہاں البحر سے مراد بحیرہ قلزم ہے جسے بحر احمر بھی کہتے ہیں۔ مصر اس کے ذریعہ سینا اور شام سے ملتا ہے۔ بنی اسرائیل نے اس کو عبور کر کے جزیرہ نماٹے سینا میں قدم رکھا تھا اور فرعون اور اہل مصر کی غلامی سے نجات حاصل کی تھی۔ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ (تمہارے لئے دریا کو بچا ڈیا) اس جملہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم کو عبور کرنے لگے۔ تو سمندر میں ان کے لئے راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں معجزہ کے طور پر اسے عبور کرنے کے لئے زمین خشک ہو گئی۔ مؤرخین کے خیال کے مطابق یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۱۳۴ برس قبل کا ہے۔

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (تم دیکھ رہے تھے) بنی اسرائیل کو بتایا جاتا ہے کہ تم نے اپنے اس قدر بڑے ظالم، جابر دشمن کو انتہائی ذلت اور رسوائی کی موت مرنے کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

بنی اسرائیل مصر کے ظالم بادشاہوں کی سختیاں کئی سال تک سہتے رہے۔ آخر کار انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رہنمائی میں مصر کو چھوڑ کر اپنے آبائی وطن شام اور فلسطین کو چل دیں۔ چونکہ مصری حکومت انہیں اس بات کی اجازت دینے پر رضامند نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے سفر رات کو اختیار کیا۔ اندھیری رات، گھروں کو چھوڑنے کا غم، مصری حکومت کے پیچھا کرنے کا خوف۔ ان سب باتوں نے انہیں ہراساں کر رکھا تھا۔ پریشانی کی حالت میں راستہ بھول گئے۔

ادھر فرعون کو خبر ہو گئی وہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر وہاں آپہنچا۔ اب بنی اسرائیل بالکل بے بس اور بے یار و مددگار تھے۔ سامنے مشرق کی طرف سمندر تھا اور پیچھے عقب میں بھرا ہوا مصری لشکر۔ بنی اسرائیل اپنے آپ کو اس طرح گھرا ہوا پا کر سخت پریشان ہو گئے۔ اسی وقت حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے سمندر میں لاٹھی ماری۔ سمندر بھٹ گیا اور خشک زمین نکل آئی۔ اسرائیلیوں کا قافلہ پار نکل گیا۔ اتنے میں فرعونی لشکر بھی آپہنچا۔ اور خشک راستہ پا کر اس میں اتر پڑا۔ لیکن ابھی درمیان ہی میں تھا کہ پانی آپس میں مل گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت اس کے بچوں بیچ غرق ہو گیا۔ بنی اسرائیل نے اپنے دشمن کا اس بے بسی میں غرق ہونے کا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آیت میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔

بچھڑے کی پوجا

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ - أَرْبَعِينَ

اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ چالیس

لَيْلَةً تَنْزِيلًا لِّمُوسَىٰ - أَرْبَعِينَ

کیا پھر تم نے موسیٰ کے بعد بچھڑا بنا لیا

بَعْدَهُ - وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥٥﴾

اور تم ظالم تھے۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ - أَرْبَعِينَ

اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ چالیس

لَيْلَةً تَنْزِيلًا لِّمُوسَىٰ - أَرْبَعِينَ

رات چھرتم نے بنا لیا بچھڑا سے

بَعْدَهُ - وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥٥﴾

اس کے بعد اور تم ظالم (جمع)۔

موسیٰ! آپ بہت بڑے حبیب القدر نبی تھے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے بعض محققین نے مصری لفظ بیان کیا ہے جس کے معنی بچہ یا بیٹا ہیں۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا۔ آپ کی بہن مریم اور بھائی ہارون تھے۔ اور یہ دونوں آپ کے بڑے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پندرہ سو یا تیرہ سو سال قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے آپ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور اس کی قوم کے وہ حالات بیان فرمائے ہیں جو بحیرہ قزح سے پاراڑ کر انہیں پیش آئے۔ جب حضرت موسیٰ سمندر پار کر کے کوہ طور کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ چالیس دن کوہ طور پر عبادت کریں۔ حضرت موسیٰ اس حکم کی تعمیل میں کوہ طور پر عبادت کے لئے چلے گئے۔ اور اپنے بھائی ہارون کو اپنی غیر حاضری میں قوم کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر گئے۔

ان کے جانے کے بعد بنی اسرائیل میں آزادی اور خود سری پیدا ہو گئی۔ وہ حضرت ہارون کے ہوتے ہوئے بھی خدا پرستی کی طرف مائل نہ ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مصر والوں کی بت پرستی ابھی تک انہیں نہیں بھولی تھی۔ ان کی اس سادہ لوحی اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شعبہ باز سامری نے سونے کا ایک بچھڑا بنا لیا۔ جب ہوا چلتی تو اس بچھڑے کے منہ سے کچھ آواز نکلتی اگرچہ وہ آواز بے معنی تھی۔ لیکن ان لوگوں کے لئے اچھی بات ضرور تھی۔ حالانکہ معمولی قسم کے کھلونے کے جانوروں سے بچے آوازیں نکال لیتے ہیں۔ صرف چند لوگوں کے سوا تمام اسرائیلی اس بچھڑے کی پرستش کرنے لگے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا۔ لیکن وہ خدا پرستی کی طرف مائل نہ ہوئے۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیس چالیس دن کی عدم موجودگی میں بھی وہ حق پر قائم نہ رہ سکے۔ اور خدا کو چھوڑ کر بے جان اور بے حقیقت بچھڑے کی پوجا میں لگ گئے۔ ان کی یہ بہت بڑی کمزوری تھی۔ اور آج تک بعض قومیں اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

مُعَانِي كَا اِعْلَان

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾
 پھر معاف کیا ہم نے تمہیں سے بعد یہ تاکہ تم احسان مانو۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾
 پھر ہم نے تمہیں اس پر بھی معاف کر دیا۔ تاکہ تم احسان مانو۔

تَشْكُرُونَ (احسان مانو) یہ لفظ شکر سے بنا ہے جس کے معنی احسان ماننا اور قدر پہنچانا ہیں۔ اسلام میں شکر سے مراد یہ ہوتی ہے کہ انسان اللہ کی نعمت کی قدر پہنچانے، اس کی بخششوں اور نعمتوں کا صحیح اور درست استعمال کرے۔ ناشکری اور ناقدری نہ کرے۔

اس سے پہلی آیت میں گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوہ طور پر تشریف لے گئے، تاکہ وہاں اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ہاں سے اپنی قوم کے لئے ہدایت نامہ لائیں۔ وہاں تیس دن گزارنے کے بعد آپ کو دس دن اور ٹھہرنے کا حکم ملا اور واپس آنے میں تاخیر ہو گئی۔

آپ کی غیر حاضری میں سامری نے جو ایک چالاک شعبدہ باز تھا۔ ایک بچھڑا بنا کر کھڑا کیا جس کے منہ سے آواز نکلتی تھی۔ اس نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰؑ کا معبود یہی بچھڑا ہے۔ اس لئے تم اس کی عبادت کرو۔ بس پھر کیا تھا۔ سو آچند لوگوں کے ساری قوم اس کے آگے ٹھک گئی اور نہایت انکسار سے اس کی عبادت میں مشغول ہو گئی۔

حضرت موسیٰؑ واپس تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل گمراہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے غصہ میں احکام کی وہ تختیاں جو وہ ساتھ لائے تھے پھینک دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون پر سخت ناراض ہوئے اور ان سے باز پرس کی حضرت ہارون نے سارا قصہ بیان کر دیا اور اپنی بے چارگی بھی بتادی۔

آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ اس بچھڑے کو دریا میں پھینک دو اور ایک دوسرے کو قتل کرو کیونکہ صرف اسی صورت میں تمہاری توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ایک دن میں دو ہزار آدمی مارے گئے۔ آخر کار حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔ تو معافی کا حکم آیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا محض لطف و کرم ہے کہ انسان خطا میں کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان سے چشم پوشی کرتا ہے۔ انسان جو نہی اس کے سامنے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتا ہے اور آئندہ بُرائی سے باز رہنے کا اقرار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ اگر انسان اس پر بھی احسان نہ مانے تو یہ حد درجہ ناقدری اور ناشکر گزار ہوگی۔ یہ جرم ناقابلِ معافی ہوگا۔

کتاب اور فرقان

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَ

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور (حق کو ناحق سے) جدا جدا کرنے
الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾

دائے احکام دیئے تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَ

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور
الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾

بد جدا کرنے کے احکام تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔

الْفُرْقَانَ (جدا کرنے والے احکام) یہ لفظ فرق سے نکلا ہے۔ لفظ تفریق بھی اسی سے بنا ہے۔ فرقان کے بارہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں! وہ معجزات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ (۲) وہ غلبہ اور فتح جو فرعونؑ کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی۔ (۳) یہودی اس سے وہ مسائل بھی مراد لیتے ہیں جن کی تعلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراہ کے علاوہ زبانی طور پر حاصل ہوئی تھی۔ (۴) الفرقان قرآن مجید کا بھی نام ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری آسمانی کتابوں کو بھی فرقان کہا گیا ہے۔ چونکہ ان سے حق و باطل کے درمیان فرق ہو جاتا ہے۔

یہاں الفرقان سے مراد وہ احکام ہیں جن کے ذریعہ حق و باطل، سچ اور جھوٹ اور نیک و بد جدا جدا ہو جائیں۔ اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

جب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہو گئی۔ تو حضرت موسیٰ دوبارہ کوہ طور پر گئے اور بہت سے احکام لائے جو تختیوں پر لکھے ہوئے تھے۔ انہی احکام کا مجموعہ توراہ کہلاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے مزید احسانات یاد دلانا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ تم نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور بھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ لیکن ہم نے اپنی رحمت سے تمہیں معاف کر دیا۔ پھر حضرت موسیٰ کو ایسی کتاب دی۔ جو تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کا مکمل قانون اور ہدایت نامہ تھی۔ اس کے ذریعہ سے حق و باطل، حلال و حرام اور نیک و بد کی تمیز ہوتی تھی۔

اس سبق سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حق و باطل کی میزان انسان کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہدایت صرف اسی سے مل سکتی ہے۔ اور کامیاب وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ اور حق و باطل کی میزان سے کام لیتے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم بھی کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا ہر قول و فعل درست کر لیں۔ حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کریں اور نیک و بد کو یکساں نہ سمجھیں۔ حلال و حرام کی تمیز کو ہر وقت پیش نظر رکھیں۔

شُرک کی سزا

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ
 اِنْتُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلِ
 فَتُوبُوا اِلَى بَارِيكُمْ فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ
 ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ فَتَابَ
 عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۲﴾
 توبہ قبول کی۔ بیشک وہ ہی معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

وَإِذْ قَالَ - مُوسَى - لِقَوْمِهِ - يُقَوْمِ
 اور جب کہا موسیٰ اپنی قوم سے اے قوم
 اِنْتُمْ - ظَلَمْتُمْ - اَنْفُسَكُمْ - بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلِ
 تم نے نقصان کیا اپنا تم نے بنایا بھڑا
 فَتُوبُوا - اِلَى بَارِيكُمْ - فَاَقْتُلُوا - اَنْفُسَكُمْ
 توبہ کرو طرف تمہارا پیدا کرنے والا اور مار ڈالو تمہاری جانیں
 ذَلِكُمْ - خَيْرٌ لَّكُمْ - عِنْدَ - بَارِيكُمْ - فَتَابَ
 یہ بہتر تمہارے لئے نزدیک تمہارا خالق پس توبہ قبول کی
 عَلَيْكُمْ اِنَّهُ - هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۲﴾
 تم پر بے شک وہ وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

لِقَوْمِهِ: (اپنی قوم سے) یہاں قوم سے مراد خاص طور پر وہ لوگ ہیں جنہوں نے بھڑے کو معبود سمجھ کر اس کو سجدہ کیا۔
 ظَلَمْتُمْ: (تم نے نقصان کیا) یعنی توحید چھوڑ کر پھر شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر اپنے اوپر اپنا اور کیا نقصان ہو
 سکتا ہے۔
 فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ: (اپنی جانوں کو مار ڈالو) یعنی جن لوگوں نے بھڑے کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل
 کریں۔ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے تین گروہ تھے۔ ایک وہ جس نے بھڑے کو سجدہ نہ کیا اور دوسروں کو بھی سجدہ
 کرنے سے روکا۔ یہ نیک بندے تھے۔ دوسرا وہ گروہ جس نے سجدہ کیا۔ تیسری وہ جماعت جس نے سجدہ تو نہ کیا۔ لیکن دوسروں
 کو روکا بھی نہیں۔ اس لئے حکم ہوا کہ نیک بندے سجدہ کرنے والوں کو قتل کر دیں۔ دراصل یہ دونوں گروہ سزا کے مستحق بھی تھے۔
 خَيْرٌ لَّكُمْ: (تمہارے لئے بہتر ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم ایک دوسرے کو قتل کر دو گے۔ تو گناہ کی آندگی سے
 پاک ہو جاؤ گے اور مغفرت اور نجات پاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو بتاتا ہے کہ تم نبی کی غیر موجودگی میں حتیٰ پر قائم نہ رہ سکتے۔ شرک اور بت پرستی میں
 مبتلا ہو گئے۔ اس حرکت سے تم نے اپنا بہت نقصان کیا اب اس کی سزا یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ جب بنی اسرائیل نے حکم مانا تو
 اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور واقعی انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مان لے۔ خواہ اسے حکمت
 اور مصلحت معلوم ہو یا نہ ہو۔ اور اگر بھول چوک سے یا انجان پن سے غلطی ہو جائے۔ تو اس کے اعتراف و اقرار اور اصلاح کے لئے سزا تیار ہے۔

بنی اسرائیل کی ایک اور گستاخی

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تجھے نہ مانیں گے
لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ آيَةَ اللَّهِ جَهْرَةً

تیر جب تک کہ اللہ کو کھلم کھلا نہ دیکھیں
فَاخَذْنَاكُمْ بِالصَّيْقَةِ وَأَنْتُمْ

بھی تمہیں بجلی نے آلیا اور تم

تَنْظُرُونَ ۝۵۵

دیکھ رہے تھے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہرگز نہیں ہم مانیں گے
لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ آيَةَ اللَّهِ جَهْرَةً

تیر جب تک ہم دیکھیں اللہ کو کھلم کھلا
فَاخَذْنَاكُمْ بِالصَّيْقَةِ وَأَنْتُمْ

بھی اور تم

تَنْظُرُونَ ۝۵۵

دیکھ رہے تھے۔

نذی: (ہم دیکھ لیں) حضرت موسیٰؑ ستر آدمیوں کو چن کر کوہ طور پر کلام الہی سننے کی غرض سے لے گئے تھے جب انہوں نے کلام الہی سنا تو ان لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ! پر دے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے یا آنکھوں سے دکھاؤ۔
اَخَذْنَاكُمْ بِالصَّيْقَةِ: (تمہیں بجلی نے آلیا) بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کی بات کو جھٹلا رہے تھے اور مطالبہ کر رہے تھے کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھیں گے۔ اس لئے انہیں یہ سزا دی گئی کہ ان پر بجلی آپڑی جس سے ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ اور ان کی دیکھنے کی صلاحیت بھی ختم ہو گئی۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے جب حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کوہ طور پر ہدایت نامہ لینے کے لئے گئے تو قوم نے ان کی عدم موجودگی میں ایک بھڑے کی پوجا شروع کر دی اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ جب آپ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل کی سزا کا اعلان کیا۔ اب انہوں نے اس کے مطابق ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ تب ان کی توبہ قبول ہوئی۔

پھر قوم کے ستر بڑے بوڑھوں نے مطالبہ کیا کہ ہم بھی تیرے ساتھ کوہ طور پر اللہ کا کلام سننے کے لئے جائیں گے حضرت موسیٰؑ انہیں ساتھ لے گئے۔ انہیں پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے خود آگے چلے گئے اللہ تعالیٰ آپ سے مخاطب ہوا۔ آپ نے واپس آ کر انہیں بتایا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنی ان آنکھوں سے اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

ان کی اس ضد اور کھلم کھلا انکار پر انہیں سزا دی گئی اور آسمان سے ان پر بجلی گری اور وہ مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے اتنے بڑے معجزے دیکھنے اور اللہ کی عنایات پانے کے بعد بھی بنی اسرائیل کی پُرانی عادت نہ گئی۔ وہ معبودِ حقیقی کو مادی آنکھوں سے دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ اسی لئے انہیں یہ سزا دی گئی۔

موت کے بعد زندگی

ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد اٹھا کھڑا کیا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

تاکہ تم احسان مانو۔

ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

پھر ہم نے تمہیں اٹھایا سے بعد تمہاری موت

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

تاکہ تم احسان مانو۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ایک ایک کر کے اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے۔ تاکہ وہ ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے بڑے کاموں کو چھوڑ دیں اور سیدھی راہ پر لوٹ آئیں۔

اس آیت میں سابقہ واقعہ مسلسل بیان ہو رہا ہے۔ جب بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو اپنی ظاہری اور مادی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ تو ان کی اس گستاخی کی وجہ سے ان پر بجلی گری اور وہ سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ نے جب یہ دیکھا۔ تو عرض کیا اے پروردگار میں ان لوگوں کو بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دینے کے لئے لایا تھا۔ اب یہ مر گئے۔ قوم کو کیا جواب دوں گا اور ان کے سامنے کیا دلیل پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ تم میرے اس احسان کو یاد کرو۔ کہ میں نے تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی اور اس کا شکر ادا کرو۔ شکر ادا کرنے کی صرف یہی صورت ہے۔ کہ بے دینی اور گمراہی چھوڑ کر اللہ کا حکم سجا لاؤ۔

اس واقعہ سے پتا چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گستاخی اور اس ذات پاک سے بے جا مطالبہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اس کی سخت سزا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے بے حجابانہ دیکھنے کی آرزو کی۔ حالانکہ بشر کے حوصلہ سے یہ بہت بلند بات تھی۔ اس گستاخی کی ان کو سزا ملی۔

ہمیں بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو شک و شبہ کے بغیر بلا چون و چرا مان لیا کریں۔ اس میں خواہ مخواہ کی نکتہ چینی، دیس باز می اور مویشگانہ پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح انسان کے اندر کٹ جھتی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور جو لوگ کٹ جھتی کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ عمل سے جی چراتے ہیں۔ وہ صرف باتوں کے دہنی ہوتے ہیں۔

من سلوی

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ - وَ- أَنْزَلْنَا

اور ہم نے سایہ کیا تم پر ابر اور ہم نے اتارا

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ - وَالسَّلْوَى - كُلُّوْا - مِنْ

تم پر من اور سلوی کھاؤ سے

طَيِّبَاتٍ - مَا - رَزَقْنَاكُمْ - وَمَا - ظَلَمُونَا

پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں دیں اور نہ ہمارا نقصان کیا

وَلَكِنْ - كَانُوا - أَنْفُسَهُمْ - يَظْلِمُونَ ﴿۵۴﴾

اور لیکن انہوں نے کیا اپنا نقصان -

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ - وَأَنْزَلْنَا

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر اتارا

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُّوْا مِنْ

من اور سلوی کھاؤ

طَيِّبَاتٍ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا

پاک چیزیں جو ہم نے تمہیں دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان

وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۴﴾

نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کیا -

مَنَّ، یہ ایک مٹھی مرطوب چیز تھی۔ جو تلاش اور جستجو کے بعد بنی اسرائیل کو مل جاتی۔ جزیرہ نمائے سینا کی صحرا نوردی کی زندگی میں ان پر یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا۔ مَنَّ کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں بعض نے اسے ایک خاص قسم کی گوند سے مشابہ قرار دیا ہے بعض نے شہد بیان کیا ہے۔ آج کل مصر میں اس نام کا ایک لذیذ علوہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ حلوہ آج کل یہودیوں کی بہت مرغوب غذا ہے۔

سَلْوَى، (سلوی) بٹیر سے ملتا جلتا یہ ایک پرندہ ہے۔ جو جزیرہ نمائے سینا میں ہوتا ہے۔ یہ بہت اونچا نہیں اڑتا۔ جلد تھک جاتا ہے۔ اور بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ سمندری ہوا انہیں اڑا کر بنی اسرائیل کے پڑاؤ تک لے آتی اور وہ ان پرندوں کو پکڑ کر شکار کرتے اور مزے دار خوراک بناتے۔

مفسرین کرام نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے۔ کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد چالیس سال تک جزیرہ نمائے سینا کے سنان صحرا میں پریشان پھرتے رہے۔ سایہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ دھوپ سے گھبراٹھے اور حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ اس سے نجات کا کوئی وسیلہ تلاش کیا جائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو قبول ہو گئی اور ان کے سروں پر سارا دن ایک بادل سایہ کرنے کے لئے رہنے لگا۔ خوراک کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر نہایت شفقت سے مَنَّ اتارنا شروع کیا اور اس کے ساتھ بٹیریں بھیجیں۔ جو ان کے خمیوں کے پاس جمع ہو جاتیں اور وہ انہیں نہایت آسانی سے پکڑ کر اپنے استعمال میں لاتے۔ انہیں یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ وہ ان آسمانی نعمتوں کا ذخیرہ نہ کریں۔ ہر روز ضرورت کے مطابق ہی لیا کریں۔ البتہ جمعہ کے روز دو دن کی خوراک لے لیا کریں۔ ان لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی اور خوراک جمع کرنی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نعمتیں نازل ہونی بند ہو گئیں اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔

بنی اسرائیل کی شہری زندگی

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ
فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَ

پھر کھاؤ اس میں جہاں چاہو فراغت سے اور
ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا

داخل ہو دروازہ سے داخل ہو کر سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ
حِطَّةٌ نَغْفِرَ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَ

بخش دے ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور
سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

عقربند کی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔

وَإِذْ قُلْنَا - ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ
فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَ

پھر کھاؤ اس میں جہاں تم چاہو فراغت سے اور
ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا

داخل ہو دروازہ سے داخل ہو کر سجدہ کرتے ہوئے اور کہو
حِطَّةٌ نَغْفِرَ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَ

بخش دے ہم معاف کر دیں گے تمہیں تمہارے قصور اور
سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

عقربند کی کرنے والوں کو۔

الْقَرْيَةَ، (شہر) موثرخوں نے کہا ہے کہ یہ بستی فلسطین کا مشہور شہر اریحا تھی۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد حضرت یوشع کے زمانہ میں فتح کیا۔

حِطَّةٌ (بخش دے) یہ ایک جملہ کا اختصار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے ہمارے رب ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ وہ اس جملہ کو اپنی زبانوں سے ادا کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں۔

مُحْسِنِينَ، (نیکی کرنے والے) یہ لفظ احسان سے بنا ہے جس کا معنی احسن و سلوک اور نیکی کرنا ہے۔ اردو میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ احسان جملانا اور احسان دھرنا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دریائے اردن کے کنارے تک پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور بتایا کہ بنی اسرائیل کو میں یہ ملک دیتا ہوں اور عقربند تم اس شہر اریحا کو فتح کر دو گے جب تم اس میں داخل ہو تو اللہ کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے تمہیں کھانے کو ملیں گے اس لئے ان کا شکر لیں اور اگر نا کہ شہر کے دروازوں سے داخل ہوتے وقت گھمنڈ اور غرور نہ کرنا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیک بندوں کو اس کے معاوضہ میں اور زیادہ انعام عطا کریں گے۔

بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پوری پوری تعمیل نہ کی بلکہ نافرمانی شروع کر دی اور اس طرح عذاب کے مستحق ہوئے۔ اس کا مفصل تذکرہ آئندہ آیات میں آئے گا۔ قوموں پر یہ وقت بہت ہی خطرناک ہوا کرتا ہے جب قومیں اللہ تعالیٰ کا انعام پائیں اور شکر گزار نہ ہوں بلکہ شکر گزاری کی جگہ بغاوت اختیار کریں۔ عذاب دیکھیں اور عبرت نہ لیں بلکہ بدست ہو جائیں ہدایت پائیں اور راست پر نہ آئیں بلکہ سرکشی پر اتر آئیں۔

تخریف کلام الہی کی سزا

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ

پھر ظالموں نے اس بات کو اس کے خلاف بدل

الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ

ڈالا جو ان سے کہی گئی تھی۔ پھر ہم نے

ظَلَمُوا رَجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا

ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا چونکہ وہ

كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

نافرمانی کرتے تھے۔

فَبَدَّلَ - الَّذِينَ - ظَلَمُوا - قَوْلًا - غَيْرَ

پھر بدل ڈالا جنہوں نے ظلم کیا بات خلاف

الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ

وہ جو کہی گئی ان سے پھر ہم نے اتارا اور وہ لوگ جنہوں نے

ظَلَمُوا رَجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا

ظلم کیا عذاب سے آسمان چونکہ

كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

نافرمانی کرتے تھے۔

بَدَّلَ: (بدل ڈالا) یعنی جن الفاظ کو ادا کرنے کی انہیں ہدایت کی گئی تھی۔ انہیں بدل کر انہوں نے دوسرے الفاظ اختیار کر لئے جن میں معافی کی جگہ مہنسی اور تمسخر کے معنی پوشیدہ تھے۔

رَجْزًا: (عذاب) سرکش اور باغی انسانوں پر اللہ کا عذاب مختلف صورتوں میں آتا ہے اور یہ لفظ بھی ہر قسم کے عذاب کے لئے آتا ہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ جس عذاب کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل پر طاعون کی شکل میں آیا تھا۔ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ، (چونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے) یہ لفظ فسق سے بنا ہے جس کے معنی حکم نہ ماننا اور فرمانبرداری نہ کرنا ہیں۔ اسی لئے نافرمان اور گنہ گار کو فاسق کہتے ہیں۔ یہاں اس جگہ سے یہ مراد نہیں کہ بنی اسرائیل نے کوئی طبعی بد پرہیزی کی تھی جس سے ان پر یہ وبا پھوٹ پڑی۔ بلکہ انہوں نے اللہ کے احکام کی مسلسل نافرمانی کی تھی اور اس کے نتیجے میں انہیں یہ سزا ملی۔

جب حضرت یوشع کے زمانہ میں بنی اسرائیل نے اریحا شہر فتح کیا۔ تو یہ لوگ شکر یہ ادا کرنے کے بجائے بدکار بن گئے۔ اور اللہ کے حکم کو بدل کر طرح طرح کی ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ (حِطَّةٌ) (استغفار) کی بجائے وہ (حِطَّةٌ فِي شَعْرَةٍ) (یعنی دانہ بال کے اندر) کہتے ہوئے داخل ہوئے اور سجدہ کی بجائے بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے دروازے میں جا گئے۔

اس نافرمانی کی سزا میں ان پر عذاب نازل ہوا۔ طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ستر ہزار اسرائیلی اللہ کے اس تہرکا شکر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے یہ تمام احسانات اس لئے یاد دلانا ہے۔ کہ وہ انہیں یاد کریں اور شکر گزار ہو کر سیدھی راہ کی طرف مائل ہوں۔

ہمیں اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے لئے شکر گزار ہونا چاہیے اگر اذغرو سے تو میں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں

بارہ چشمے

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ

تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مار سو اس

فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

سے بارہ چشمے بہ نکلے

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

ہر قوم نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ

اللہ کے رزق کھاؤ اور پیو

وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۶۰﴾

اور نہ ملک میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

وَ- إِذِ- اسْتَسْقَى- مُوسَى- لِقَوْمِهِ

اور جب پانی مانگا موسیٰ اپنی قوم کے لئے

فَقُلْنَا- اضْرِبْ- بِعَصَاكَ- الْحَجَرَ

ہم نے کہا مار اپنا عصا پتھر

فَانفَجَرَتْ- مِنْهُ- اثْنَتَا- عَشْرَةَ- عَيْنًا

بہ نکلے اس سے بارہ چشمے

قَدْ عَلِمَ- كُلُّ- أُنَاسٍ- مَّشْرَبَهُمْ

پہچان لیا ہر قوم اپنا گھاٹ

كُلُوا- وَ- اشْرَبُوا- مِنْ- رِزْقِ- اللَّهِ

کھاؤ اور پیو سے رزق اللہ

و- لَا- تَعْتُوا- فِي- الْأَرْضِ- مُفْسِدِينَ ﴿۶۰﴾

اور نہ پھرو میں زمین فساد مچاتے۔

عَصَا: (عصا) اس کے معنی لاٹھی یا ڈنڈے کے ہیں حضرت موسیٰ کے اس عصا کا ذکر قرآن مجید میں کثرت سے آیا ہے۔ یہ عصا انہیں معجزہ کے طور پر عطا ہوا تھا۔ اس سے سمندر میں راستہ بن گیا پتھر سے چشمے بہ نکلے۔ اسی عصا نے اژدہا بن کر جادو گروں کے سانپ بچھو

ٹہرپ کر لئے۔

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا: (بارہ چشمے) بنی اسرائیل جزیرہ منائے سینا کے لوق و دق بیابان اور ریگستان میں پریشان پھرتے پھرتے ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی موجود نہ تھا۔ کافی تلاش کے بعد بھی جب پانی نہ ملا۔ تو حضرت موسیٰ سے بگڑ گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تو حکم ہوا کہ پتھر پر اپنا عصا مارئے حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ تو اس پتھر سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے گھاٹ سے پانی حاصل کیا۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ کہ ان لوگوں کو ایسے خشک جنگل میں پانی مہیا کیا اور کہا کہ مزے سے اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور پانی پیو۔ اور زمین پر فتنہ و فساد نہ پھیلاؤ۔

اس قصہ سے یہ چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں جبکہ بظاہر کوئی سبب اور سہارا نظر نہ آتا ہو۔ اپنی رحمت اور طاقت سے کھانا پینا مہیا فرمادیتا ہے انسان کا فرض ہے کہ وہ اسی سے مانگے اور اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحمت اور شفقت کرنے والا ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرے تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور جو عذاب نازل ہوتا ہے۔ تو وہ خود انسان کے اپنے غلط اعمال کے سبب ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کی بے صبری

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہرگز نہ ہم صبر کریں گے

عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

اور پوچھنا ایک کھانا اور ہم سے لے اپنے رب سے تاکہ

يُخْرِجَ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ

نکل دے ہمارے لئے جو اگتا ہے زمین سے

مِنْ أَمْبِقَلِهَا وَتَقَاتِهَا وَفُومِهَا

سے ترکاری اور گلڑی اور گیہوں

وَ- عَدَسِهَا - وَ- بَصَلِهَا - قَالَ

اور مسور اور پیاز اس نے کہا

أ- تَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ

کیا تم بدلنا چاہتے ہو وہ جو ہے ادنیٰ

بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ - أَهَيْطُوا

بدلہ وہ جو ہے بہتر اترد

مِصْرًا - فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ

شہر پس بیشک تمہارے لئے جو تم مانگتے ہو۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ

اور جب تم نے موسیٰ سے کہا ہم ہرگز صبر نہ کریں گے

عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

ایک ہی کھانے پر سو ہمارے لئے اپنے رب سے تاکہ

يُخْرِجَ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ

کہ ہمارے واسطے نکال دے جو زمین سے اگتا ہے

مِنْ أَمْبِقَلِهَا وَتَقَاتِهَا وَفُومِهَا

ترکاری اور گلڑی اور گیہوں

وَ- عَدَسِهَا - وَ- بَصَلِهَا - قَالَ

اور مسور اور پیاز موسیٰ نے کہا

أ- تَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ

کیا وہ چیز لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے

بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ - أَهَيْطُوا

اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے ؟ کسی شہر میں

مِصْرًا - فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ

اترد تو تم کو مزدور ملے گا جو تم مانگتے ہو۔

مصر: (شہر) یہاں اس سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا یا اس کے گرد و نواح کا کوئی شہر ہے۔ مصر کے لفظی معنی ایسا شہر ہیں

جس کی حد بندی ہو چکی ہو۔ بہر حال موجودہ ملک مصر اس سے مراد نہیں۔

یہ واقعہ بھی جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں پیش آیا بنی اسرائیل بڑی مدت تک بڑے مزے سے آسمانی غذا میں من اوسلوی

کھاتے رہے لیکن اس سے اکتا گئے۔ حالانکہ یہ غذا میں مفت میں انہیں مل رہی تھی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر سے فرمائش کی کہ اس

بیابان سے نکال کر کسی دوسری جگہ لے چلے جہاں ہر قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے، سبزیاں اور ترکاریاں موجود ہوں۔

حضرت موسیٰ نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش ٹھیک نہیں ہے۔ آسمانی غذا جو تمہیں بے مشقت مل جاتی

ہے وہ ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے۔ جس کے لئے محنت درکار ہے۔ لیکن جب بنی اسرائیل اپنی بات پراڑے رہے تو پھر حضرت

موسیٰ نے کہا کہ چلو کسی بہتر شہر میں جا بسو۔ وہاں تمہیں تمہاری پسند کے کھانے میسر آجائیں گے۔

یہودی غضب الہی

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ط
 اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی
 وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ط اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی

ضُرِبَتْ: (ڈال دی گئی) اس کا مادہ "ضرب" ہے۔ یہ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً مارنا، چلنا، ڈالنا چسپاں اوڑھنا، مسطہ کر دینا۔ یہاں یہ انہیں آخری معنوں میں مستعمل ہوا ہے یعنی ذلت ان پر چسپاں کر دی گئی۔
 ذِلَّةٌ: (ذلت) خواری اور سیاسی اعتبار سے لیتی۔

مَسْكَنَةٌ: (محتاجی) اس سے مراد غربت اور محتاجی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہود امیر ترین قوم ہے۔ لیکن یہ ایک دھوکا ہے۔ دھن دولت جتنی بھی ہے۔ وہ قوم یہود کے صرف بڑے بڑے لوگوں تک محدود ہے۔ ورنہ ان کے عوام مالی اعتبار سے کمزور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کی نعمتیں اور احسانات کئے۔ لیکن انہوں نے اس کا شکر ادا نہ کیا۔ اللہ کے قانون کی نافرمانی کرتے رہے۔ انہیں من و سلویٰ دیا گیا۔ لیکن انہوں نے اس نعمت پر صبر نہ کیا۔ بلکہ ادنیٰ درجہ کی سبزیاں اور ترکاریاں مانگنے لگے۔

اس ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر ظاہر ہوا۔ ایک تو یہ کہ ان پر ذلت چسپاں کر دی گئی چنانچہ یہ قوم ہمیشہ مسلمانوں اور نصاریٰ کے ماتحت رہی۔ مئی ۱۹۴۹ء میں ریاست اسرائیل کے نام سے ان کی حکومت قائم ہوئی۔ مگر اس کا قیام بھی مغربی حکومتوں کے ہاں سے ہوا۔ اور آج ان کی بقا بھی مغربی ممالک کی ریشہ دوانیوں کے سہارے سے ہے۔
 ذلت کے علاوہ غربت اور محتاجی ان پر ڈال دی گئی۔ ان میں صرف چند لوگ ایسے ہیں جو خوشحال ہیں۔ ورنہ کثیر تعداد مفلس لوگوں کی ہے۔ وطن، دولت والے بھی نخل اور مال کی محبت کے مرض میں مبتلا ہیں۔ سب چیزوں سے بڑھ کر انہیں دولت کی ہوس اور لالچ ہے۔

اس سبق سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ نعمت باقی رہے۔ کیونکہ جب تک کوئی قوم اللہ کے احسانات کا شکر ادا کرتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی وہ نعمت دیتا رہتا ہے۔ نیز انسان کو کبھی اللہ کے دین پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ انسان کسی چیز کے انجام کی اچھائی اور بھلائی سے واقف نہیں۔

اللہ کے غضب کا سبب

ذٰلِكَ - يٰۤاَنۡهٰمْ - كَانُوۡا - يَكۡفُرُوۡنَ
 یہ اس لئے کہ وہ تھے نہیں مانتے
 يٰۤاَيۡتِ - اللّٰهِ - وَ يَقۡتُلُوۡنَ - النَّبِيۡنَ
 احکام اللہ اور خون کرتے تھے پیغمبر
 بِغَيۡرِ - الْحَقِّ ط - ذٰلِكَ - بِمَا - عَصَوۡا
 ناحق یہ اس لئے وہ نافرمان تھے
 وَ كَانُوۡا - يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱﴾
 اور تھے وہ حد سے بڑھتے تھے۔

يَكْفُرُوۡنَ، (نہیں مانتے تھے) یہ لفظ کفر سے نکلا ہے جس کے لفظی معنی اچھپانا ہیں اور اصطلاحی طور پر توحید و رسالت کا اقرار نہ کرنے کو کفر کہتے ہیں۔ کافر اسی سے ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کفر اور انکار کے عادی بن چکے تھے۔ آیت اللہ (اللہ کی نشانیاں) اس کا واحد آیت ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں۔ قرآن مجید کے گول گول دائروں کو بھی آیت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ فکروں کے ختم ہونے کا نشان ہوتے ہیں۔ آیت اللہ سے مراد انبیاء کے معجزے بھی لئے جاتے ہیں۔ آسمانی کتابیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام بھی مراد ہوتے ہیں۔

يَقۡتُلُوۡنَ، (خون کرتے تھے) بنی اسرائیل انکار و سرکشی کی حد سے اور آگے گذر کر پیغمبروں کو قتل کرتے تھے۔ وہ حضرت سبیاہ یرمیا، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام جیسے انبیاء کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ پھلی آیتوں میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی۔ اس آیت میں اس کی وجہ بتائی گئی ہے کہ ان پر یہ عذاب کیوں نازل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل دو جرموں کے عادی ہو چکے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر خوشی خوشی عمل نہیں کرتے تھے بلکہ خواہ مخواہ بال کی کھال بنگالتے اور کٹ بھتی سے بے جا اعتراض کرتے۔ دوسرا جرم یہ تھا کہ انہوں نے اپنے نبیوں کو قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت موسیٰ کے بعد بہت سے نبی بھیجے۔ لیکن انہوں نے کسی کی نہ سنی بلکہ ان کے دشمن بن گئے۔ بعض پر بہتان لگائے اور بعض کو قتل تک کرایا۔

اس آیت میں ان جرائم کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کی نافرمانی کرتے تھے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے باہر نکل جانے کے عادی ہو چکے تھے۔ اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ وہ اللہ کی آیتوں کی طرف سے منہ موڑیں اور نبیوں کو قتل کر دیں اور اپنے اعمال کی شامت سے عذاب الہی میں مبتلا ہوں۔

ایمان اور عمل صالح کا اجر

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے

وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَن آمَنَ

اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

توان کے لئے بدلہ ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر کچھ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

بیک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے

وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَن آمَنَ

اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا

اللہ پر اور روز قیامت اور کام کئے نیک ان

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

کے لئے ان کا ثواب پاس ان کا رب اور نہ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

آمَنُوا (ایمان لائے) یہاں ایمان لانے سے مراد مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جانا ہے۔

هَادُوا: (یہودی ہوئے) جو لوگ طبقہ یہودی میں داخل ہیں خواہ بنی اسرائیل ہوں یا نہ ہوں۔

نصاری: (نصاری) جمع ہے نصرانی کی فلسطین میں ایک قصبہ ناصرہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ اسی قصبہ کی نسبت سے حضرت عیسیٰ مسیح ناصری کہلاتے ہیں اور آپ کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے یعنی ناصرہ میں پیدا ہونے والے مسیح کی امت۔ الصابئین: (صابئین) صابی کے لفظی معنی ہیں اپنے دین سے منہ موڑ کر کسی اور دین کی طرف مائل ہو جانے والا۔ صابی عرب کا ایک فرقہ تھا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملتے فرشتوں کی پرستش کرتے، زبور پڑھتے اور عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے۔ عرب انہیں صابی "بے دین" کے معنی میں کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نام، خاندان اور نسل کی بڑائی کی غلط فہمی کو دور کیا ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نام اور لقب کوئی چیز نہیں اور نہ اس کے ہاں کسی مخصوص نسل یا قوم کی خاندانی عزت اور امتیاز قابل اعتبار ہے۔ لوگ خواہ کسی نسل یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ ان کا لقب کچھ بھی ہو ان کی نجات کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ اللہ اور آخرت کو دل سے مانیں اور دوسرے یہ کہ نیک کام کریں۔ اللہ کو مانیں گے تو اس کے احکام کو بھی مانیں گے۔ اللہ کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معلوم ہوئے۔ اس لئے رسول کا ماننا اس میں شامل ہے۔ آخرت کو مانیں گے تو عذاب ثواب مانیں گے۔

مختصر یہ کہ نجات اور جزائے خیر کے لئے اللہ کا ماننا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور احکام خداوندی پر ایمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے بغیر ممکن نہیں۔

کوہ طور کا بلند ہونا

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم نے بند کیا اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم نے بند کیا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

تہارے اوپر طور پکڑو جو ہم نے تمہیں دیا اور یاد رکھو جو اس میں تاکہ تم مضبوطی سے یاد رکھو تاکہ تم

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم نے بند کیا اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم نے بند کیا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

تہارے اوپر طور پکڑو جو ہم نے تمہیں دیا اور یاد رکھو جو اس میں تاکہ تم مضبوطی سے یاد رکھو تاکہ تم

الطُّورُ، (طور) طور عربی میں ہر پہاڑ کو کہتے ہیں۔ جزیرہ نمائے سینا کے ایک خاص پہاڑ کا نام بھی طور ہے۔ اسے جبل سینا بھی کہتے ہیں۔

ادْكُرُوا مَا فِيهِ، (جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو) تورات میں جو مضامین موجود ہیں۔ انہیں یاد رکھو تاکہ تم ان پر عمل کر سکو۔ اللہ کے احکام یاد رکھنے سے یہی غرض ہوتی ہے کہ ان پر عمل کیا جائے۔

تَتَّقُونَ، (تم ڈرو) یہ لفظ ”تقویٰ“ سے ہے۔ اس کی مکمل تشریح سبق نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔ تقویٰ خدا خونی اور احتیاط سے زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ جسے پرستیزگاری اور نیکو کاری بھی کہتے ہیں۔ اسلام نے اسے انسان کی سب سے بڑی خوبی اور کمال بنا کیا ہے۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ سے بار بار اصرار کرتے تھے کہ ہمارے لئے احکام کی ایک مستند کتاب لا دیجئے۔ تاکہ اس پر عمل کر سکیں۔ یہ لوگ وعدے کرتے تھے کہ دین کی پوری پوری پیروی کریں گے۔ لیکن جب انہیں تورات دی گئی۔ تو اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ تورات کے حکم تو بڑے بھاری اور مشکل ہیں۔ ہم سے ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نافرمانی اور بغاوت سے روکنے کے لئے کوہ طور کو حکم دیا۔ جو ان سب کے سروں پر بلند ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل ڈر کے مارے کانپنے لگے اور ان میں مخالفت کی جرأت باقی نہ رہی۔ اب تورات کے حکموں کو مجبوراً قبول کیا۔ بنی اسرائیل سے اس مقام پر یہ اقرار لیا گیا تھا۔ کہ وہ تورات کے ماننے میں چون و چرا اور حیل و حجت سے کام نہیں لیں گے انہیں کہا گیا کہ اس آسمانی کتاب کے احکام اور مضامین کو زندگی بسر کرنے کا قانون بناؤ۔ ان پر پابندی سے عمل کرو۔ تاکہ تم میں تقویٰ (اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف) پیدا ہو۔

قانون سے منہ موڑنے کی سزا

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ

پھر تم اس کے بعد پھر گئے

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ

سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی

رَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۶۳﴾

مہربانی نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہوتے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ

پھر تم پھر گئے سے بعد اس

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ

پس اگر نہ فضل اللہ تم پر اور

رَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۶۳﴾

اس کی مہربانی تو تم ہوتے سے تباہ ہونے والے۔

خٰسِرِينَ: (تباہ ہونے والے) خسر اس کا مادہ ہے اور خسارہ بھی اسی لفظ سے بنا ہے۔ اس کے معنی گھانا اور نقصان کے ہیں۔
خٰسِرِينَ کا معنی ہیں گھانا کھانے والے اور نقصان اٹھانے والے یعنی وہ لوگ جن کی دنیا بھی خراب ہو اور عاقبت بھی۔
بنی اسرائیل کی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑے احسانات اور انعام کئے لیکن وہ ہمیشہ شکر گزاری کی بجائے ناشکری اور فرمانبرداری کی جگہ نافرمانی ہی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دی اور جزیرہ منائے سینا کے جنگلوں میں انہیں رہنے کو کہا۔ تاکہ وہاں دیہاتی اور صحرائی زندگی بسر کرنے سے ان کے اندر ایک آزاد اور مجاہد قوم کی خوبی اور جذبات پیدا ہوں۔ مدتوں کی غلامی کے اثرات سے نجات ملے لیکن انہوں نے اسے پسند نہ کیا۔ وہ شہری زندگی کے طلب گار ہوئے تاکہ شہر میں طرح طرح کے میوے کھائیں۔ کاہلی اور سستی کی زندگی بسر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔
وہ حضرت موسیٰ سے اصرار کرتے تھے کہ وہ انہیں ہدایت نامہ لا کر دیں۔ تاکہ وہ اس کی پیروی کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات عنایت کی اور وعدہ لیا کہ وہ ہمیشہ اس کی پیروی کریں گے۔ اور سرکشی پر کبھی آمادہ نہ ہوں گے۔
تورات بل جانے کے بعد انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور سرکشی کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خطا اور شرارت بھی معاف فرمادی۔ اگر اس کا فضل اور اس کی رحمت شامل نہ ہوتی۔ تو بنی اسرائیل عذابِ آخرت کے مستحق ہونے کے علاوہ اسی وقت دنیا میں تباہ اور رسوا ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت سمویلؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور دوسرے انبیاء بھیج کر بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور ہدایت کی راہ بتائی۔ ان انبیاء نے انہیں راہِ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ ورنہ یہودی تو اپنی تباہی کا سامان کر ہی چکے تھے۔
انسان کے بچاؤ اور زندگی کا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی ہے۔ اگر وہ اپنا فضل و کرم نہ فرمائے اور چشم پوشی نہ کرے تو انسان کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

صوتیں مسخ ہوجانا

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا

اور تم ان لوگوں کو خوب جان چکے ہو جنہوں نے

مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

تم میں سے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی تھی تو ہم نے ان سے

قِرْدَةً خَاسِئِينَ ﴿۷۵﴾

کہا ذلیل بندر ہو جاؤ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا

اور اللہ تم جانتے جنہوں نے زیادتی کی تھی

مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

تم میں سے ہفتہ کے دن تو ہم نے کہا ان سے ہوجاؤ

قِرْدَةً خَاسِئِينَ ﴿۷۵﴾

بندر ذلیل۔

مِنْكُمْ: (تم میں سے) اس سے مراد یہودیوں کے آباؤ اجداد ہیں۔

السَّبْتِ: (ہفتہ کا دن) سبت کے لفظی معنی ہیں ہفتہ یعنی شنبہ (سینچر) جس طرح عیسائیوں کے ہاں اتوار اور مسلمانوں کے ہاں جمعہ مقدس دن ہے۔ اسی طرح یہودیوں کے ہاں ہفتہ ایک مقدس دن شمار ہوتا ہے۔ یہ دن ان کے ہاں صرف اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہے اور اس روز دنیا کے کام مثلاً تجارت، زراعت یا شکار وغیرہ ممنوع ہیں۔

اعْتَدَوْا: (زیادتی کی) یعنی اپنی شریعت کی حدوں سے آگے نکل گئے۔ لفظ عَدَاؤًا اس کا مصدر ہے جس کے معنی سرکشی کرنا اور حد سے بڑھ جانا ہیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت داؤد کے زمانہ میں یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایلہ (فلسطین کے جنوب) کے مقام پر آباد تھی۔ یہ واقعہ اسی آبادی کا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی بڑی چال بازی سے کرتے تھے۔ انہیں حکم تھا کہ سبت کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی آزمائش بھی درکار تھی۔ عام طور پر سبت کے دن بڑی کثرت سے مچھلی آتی۔ یہودیوں نے اللہ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے حیلہ سازی سے ایک تدبیر نکالی۔ وہ ہفتہ کے دن دریا کے قریب گڑھے کھود لیتے مچھلی بڑی مقدار میں پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں پہنچ جاتی۔ اس کے بعد یہ لوگ دریا کی طرف والا گڑھوں کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے روز ان گڑھوں سے مچھلی نکال لیتے۔ اس مسلسل نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سزا دی کہ وہ انسان سے بندر بنا دیئے گئے اور ان کی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتیں اللہ کی طرف سے صرف آزمائش کے لئے آتی ہیں۔ یعنی ان سے صاف طور پر یہ واضح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کہ اللہ کے بندے سختی اور آزمائش دونوں حالتوں میں اس کے فرمانبردار بندے رہتے ہیں۔ بندہ آزمائش میں پورا اترے اس کے لئے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ لیکن بے صبروں کے لئے سزا بہت سخت ہے۔

سرمایہ عبرت

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا
 پھر ہم نے اس واقعہ کو ان لوگوں کے لئے عبرت کیا جو وہاں تھے۔
 وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۶۶﴾
 اور جو پیچھے آنے والے تھے اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنایا۔

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا
 پھر ہم نے اسے کیا عبرت ان کے لئے جو وہاں تھے
 وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۶۶﴾
 اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے لئے۔

نکالاً، (عبرت) اس کے معنی ہیں ایسی سزا اور واقعہ جو دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہو۔ جس کو دیکھ کر لوگ نصیحت پکڑیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات قرآن مجید اس غرض سے بیان کر رہا ہے۔ کہ ایک طرف خود یہود کو شرمساری اور ندامت ہو۔ وہ اپنی حقیقت کو پہچان لیں اور سیدھی راہ کی طرف مائل ہوں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے لئے تشبیہ ہو۔ وہ گذشتہ قوموں کے واقعات سے عبرت پکڑیں۔ اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ سبق حاصل کریں اور قرآن مجید کی روشنی میں اپنے آپ کو ٹھیک کر لیں۔

گذشتہ آیت میں جو واقعہ آپ پڑھا آئے ہیں۔ اسے خود بنی اسرائیل کی تاریخ میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ سب لوگ اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور قرآن مجید اسی کی طرف انہیں توجہ دلا رہا ہے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد قرآن مجید نے اس آیت میں بھی اعلان کر دیا۔ کہ اسے اس وقت کے لوگوں کے لئے اور بعد کے آنے والے لوگوں کے لئے باعث عبرت اور سرمایہ نصیحت بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ سب لوگ اللہ کے حکم کی نافرمانی کے انجام سے آگاہ رہیں۔ اور ہر لمحہ محتاط رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ متقین (ڈرنے والوں) کے لئے خاص طور پر یہ واقعہ راستہ سمجھانے والا ہے۔ اس سے انہیں یقین ہو جائے گا کہ انسان کے لئے تقویٰ ہی تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔

اس آیت کے سمجھ لینے کے بعد ذرا بھی شبہ نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی یقیناً بڑے عذاب کا سبب بنتی ہے۔ ہمیں ہمیشہ اس چیز کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ صورت مسخ ہو کر بگڑ جانا۔ انسان کا بند رہنا معمولی بات نہیں۔ انسان کو اللہ کے عذاب اور غصہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اس آیت سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کے پھلے واقعات سے انسان کس قدر نصیحت حاصل کر سکتا ہے حقیقت میں اس مقدس کتاب یعنی قرآن مجید نے نہایت وضاحت سے یہ بات ذہن نشین کر دی ہے کہ تاریخ کا فائدہ انسان کے لئے کیا ہے اور یہ کہ ہر واقعہ تاریخ بننے کے قابل نہیں۔ صرف وہی واقعات تاریخ کہلانے کے مستحق ہیں جن سے انسان کوئی اچھا سبق حاصل کر سکے۔

ذبح گاو کا حکم

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ
يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا
تَبِيبٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ قَوْمٌ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ يَأْتُونَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا
تَبِيبٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ قَوْمٌ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ يَأْتُونَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بے شک اللہ
یامرکم ان تذبحوا بقرة قالوا تبیب
تمہیں فرماتا ہے کہ تم ذبح کرو گائے وہ کہنے لگے۔
اتخذنا هزوا قال اعوذ بالله
کیا تم ہنس رہے ہو ہنس کر تے ہو وہ بولے خدا کی پناہ
ان اکون من الجاهلین ﴿۶۵﴾
کہ میں جاہلوں میں ہوں۔

اَسْتَخِذْنَا هُزُوًا (کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے) بنی اسرائیل کے نزدیک گائے بہت مقدس تھی۔ جب حضرت موسیٰ نے انہیں اللہ
کا حکم سنا یا کہ گائے ذبح کر دو تو بھونچکے ہو کر رہ گئے۔ انہیں یقین نہ آیا کہ ایسے مقدس جانور کے ذبح کر ڈالنے کا حکم بلا ہوگا۔ وہ یہی
سمجھے کہ حضرت موسیٰ ہنسی کر رہے ہیں۔

الْجَاهِلِينَ (جاہل) یہ لفظ جاہل سے بنا ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اس کے صحیح طریقے کے خلاف کرنا جو اس کے
لئے مقرر ہے۔ اگر اس کی وجہ لاعلمی ہے تو جاہل سادہ ہے اور اگر جان بوجھ کر اسٹا چلتا ہے تو جاہل مرکب ہے۔ حضرت موسیٰ دونوں
سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ کے نام پر جو شخص خود اپنا حکم چیلنا چاہتا ہے۔ وہ یا تو اللہ تعالیٰ سے غافل ہے یا جاہل ہے اور
دین میں ہنسی مذاق کے نتیجوں سے بے خبر ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا تھا۔ لیکن قاتل کا سراغ نہ ملتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل
کو حکم دیں کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر پاریں۔ اس سے وہ مقتول زندہ ہو جائے
گا اور قاتل کا پتا بتا دے گا۔

صدیوں مصر میں رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل گائے کو بہت مقدس سمجھنے لگے تھے اس لئے انہیں گمان ہوا کہ شاید ان سے
حضرت موسیٰ ہنسی کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے اس گمان کو دور کر دیا اور سمجھا دیا کہ پیغمبر دین کی باتوں میں یا اللہ کے
حکموں میں ہنسی مذاق کبھی نہیں کرتے۔ ہنسی مذاق تو جاہلوں کا کام ہوتا ہے۔ سمجھ دار انسان ایسی حرکات نہیں کرتے ہیں۔ جو
وقار اور عزت کے خلاف ہوں اور جن سے دین کی توہین ہوتی ہو۔

اللہ کے حکم میں حجت بازی

(الف)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا

بولے کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر کہ ہمیں بتا دے
مَا هِيَ ۗ قَالَ اِنَّهُ يَقُولُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ

کہ وہ گائے کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے
لَا فَارِضٌ وَلَا بَكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ

نہ بڑھی اور نہ بن بیاہی اس کے درمیان ہے۔

ذٰلِكَ ۗ فَاَفْعَلُوا مَا تُوْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

پس جو تمہیں حکم ملا ہے کر ڈالو۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا

بولے دعا کرو ہمارے لئے تیرا رب بتائے ہمارے لئے
مَا هِيَ ۗ قَالَ اِنَّهُ يَقُولُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ

کیسی وہ۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے
لَا فَارِضٌ وَلَا بَكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ

نہ بڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں دونوں

ذٰلِكَ ۗ فَاَفْعَلُوا مَا تُوْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

کے پس کر ڈالو جو تمہیں حکم ملا۔

مَا هِيَ: (وہ کیسی ہے) جب بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا۔ تو فوری تعمیل کی بجائے اس میں کٹ جھتی اور کج بحثی کرنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے سوال کیا کہ عمر کے لحاظ سے وہ گائے کیسی ہے۔

فَارِضٌ: (بڑھی) اس سے مراد ایسی عمر ہے جس کو پہنچ کر بچنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو یعنی بہت بڑھی۔

بَكْرٌ: (بن بیاہی) اس سے مراد یہ ہے۔ وہ جس نے ابھی بچہ بنا ہی نہ ہو یعنی بچپن۔

عَوَانٌ: (درمیان) اس سے مراد ہے درمیانی عمر والی۔ جو نہ بہت بڑھی ہو۔ نہ بچھی ہو۔

اللہ اور اس کے نبی کے احکام حکمت کے بغیر نہیں ہوتے البتہ ضروری نہیں کہ ہر انسان ان کی اندرونی حکمت کو سمجھ سکے۔ اس لئے ان کی تعمیل میں کسی تاقل، ہچکچاہٹ اور اعتراض سے کام نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ جو بھی حکم ہو بلا چون و چرا اس کی تعمیل کر دینی چاہیے۔

ہر حکم اور قانون ابتداء میں سادہ اور آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب اس میں بال کی کھال نکالی جاتی ہے تو وہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر جس قدر اس میں موٹسگافیاں کی جاتی ہیں۔ وہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں۔ یہ بالکل سیدھا اور آسان حکم تھا۔ وہ کوئی گائے لے کر ذبح کر دیتے۔ لیکن انہوں نے کٹ جھتی سے کام لیا۔ اول تو نبی سے کہا کہ تم ہم سے مذاق کر رہے ہو۔ جب نبی نے یقین دلایا کہ میں جاہل نہیں کہ ایسی باتیں کروں۔ اب نئی بات نکالی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اللہ سے پوچھو کہ اس کی عمر کتنی ہو۔ وہ جوان ہو یا بڑھی ہو۔ جواب میں کہا گیا کہ درمیانی عمر کی ہو۔ گویا آسان حکم میں اپنے لئے ایک مشکل خود انہوں نے پیدا کر لی۔

اللہ کے حکم میں حجت بازی

(ب)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا	قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا
برے اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر۔ کہ وہ ہمیں بتا دے	برے دعا کر ہمارے لئے تیرا رب بتا دے ہمارے لئے
مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا	مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا
کیا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ	کیا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ
بَقْرَةٌ صَفْرَاءُ لَا فَاقِعٌ لَوْنُهَا	بَقْرَةٌ صَفْرَاءُ لَا فَاقِعٌ لَوْنُهَا
گائے زرد رنگ کی ہے اور اس کی زردی خوب گہری ہے	گائے زرد گہرا اس کا رنگ
تَسْرُ النَّظِيرِينَ ﴿٦٩﴾	تَسْرُ النَّظِيرِينَ ﴿٦٩﴾
دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے۔	اچھی لگتی ہے دیکھنے والے۔

پہلے سبق میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے اس گائے کے بارے میں خواہ مخواہ کے سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔ جس کے ذبح کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ پہلے انہوں نے اس کی عمر کے متعلق باتیں دریا فت کہیں تو انہیں بتایا گیا کہ وہ نہ تو بہت بوڑھی ہو۔ اور نہ بالکل چھوٹی عمر کی ہو۔ گویا سوال کرنے کے باعث ان پر ایک شرط لگا دی گئی۔ وہ پھر بھی باز نہ آئے۔ اور دوسرا سوال اٹھا کھڑا کیا۔ کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ اب حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھنے کے بعد انہیں بتایا کہ اس گائے کا رنگ زرد ہو اور یہ رنگ بھی خوب شوخ اور کھلتا ہوا ایسا ہو کہ دیکھنے والوں کا دیکھتے ہی جی خوش ہو جائے۔ اور وہ دیکھنے میں اچھی لگتی ہو۔

گویا ایک دوسرے سوال کی وجہ سے ایک اور شرط اس آسان حکم کی تعمیل میں لگا دی گئی۔ اور یہ سب کچھ خود بنی اسرائیل کی اپنی کرتوتوں کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک اچھے بھلے سیدھے سادے حکم کو خود اپنے ہاتھوں اس قدر سچیدہ اور مشکل بنا رہے تھے۔ ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حد درجہ کام چور اور چالاک تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں مال مٹول کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اس بات کا احساس نہ تھا کہ اس حکم میں کس قدر مصلحت پوشیدہ ہے۔ جس کام کو وہ اپنے لئے دشوار سمجھ رہے تھے۔ اس میں ہزار مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔

بنی اسرائیل کے ایسے واقعات سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اور یہ بات ہمیشہ تلے باندھ لینی چاہیے کہ اللہ کے حکم میں کسی قسم کی کٹ جھتی کرنا اور بال کی کھال اتارنا ہرگز ہرگز مفید نہیں ہوتا۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اور بلا چوں و چپا احکام خداوندی کو بجالانا چاہیے۔

اللہ کے حکم میں حجت بازی

(ج)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا

بولے ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر کہ وہ بتا دے کہ
ماہی لایا۔ ان البقر تشبہ علینا

وہ گائے کس قسم کی ہے کیونکہ اس گائے کا ہم کو شبہ پڑا ہے۔

وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۴۰﴾

اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے۔

لَا ذُلُولٌ لِّهَا تُشِيرُ إِلَى الْأَرْضِ وَلَا

نہ محنت کرنے والی نہ زمین جوتی ہے اور نہ

تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ وَلَا شِيءٌ

کھیتی کو پانی دیتی ہے بے عیب ہے اس میں کوئی

فِيهَا طَقَالُوا الشَّنَّ جِئْتُ بِالْحَقِّ

داغ نہیں۔ وہ بولے اب تو ٹھیک بات لایا۔

فَذَبُّوْهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾

پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا

بولے دعا کر ہمارے لئے تیرا رب بتا دے ہمارے لئے
ماہی لایا۔ ان البقر تشبہ علینا

کیسی وہ کیونکہ گائے کا شبہ پڑا ہے ہم کو

وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۴۰﴾

اور ہم اگر چاہا اللہ تو ہم ضرور راہ پالیں گے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے

لَا ذُلُولٌ لِّهَا تُشِيرُ إِلَى الْأَرْضِ وَلَا

نہیں محنت کرنے والی جوتی ہو زمین اور نہ

تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ وَلَا شِيءٌ

پانی دیتی ہو کھیتی بے عیب نہیں داغ

فِيهَا طَقَالُوا الشَّنَّ جِئْتُ بِالْحَقِّ

اس میں بولے اب تو لایا ٹھیک بات

فَذَبُّوْهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾

پھر اس کو ذبح کیا اور نہ لگتے تھے کہ ایسا کریں گے۔

گذشتہ آیات سے مسلسل یہ واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک سیدھا سا د حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں۔ لیکن انہوں نے اس میں طرح طرح کی موٹنگانیاں کرنی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر سوال کا جواب دیا۔ اور بتلایا کہ وہ گائے نہ بہت بوڑھی ہو۔ نہ چھوٹی عمر کی ہو۔ اس کا رنگ زرد ہو اور وہ دیکھنے والوں کو بہت بھی معلوم ہوتی ہو۔ سب کچھ جان لینے کے بعد انہوں نے کہا کہ ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ ہمیں گائے کی پہچان میں کچھ شبہ پڑ گیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ وہ گائے کاشتکاری کے کام نہ آتی ہو۔ اس میں کوئی عیب اور داغ نہ ہو۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہاں اب آپ نے ٹھیک بات کہی ہے۔ غرض بڑی جتوں کے بعد انہوں نے وہ گائے ذبح کی۔ اب بھی ان کے رویہ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ گویا اب بھی انہوں نے بادلِ خواستہ حکمِ الہی کی تعمیل کی۔

مردے کا زندہ ہونا

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا - فَاذْرَعْتُمْ

اور جب تم نے مار ڈالا ایک آدمی پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگے
فِيهَا - وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۴۲﴾

اس میں اور اللہ ظاہر کرتا تھا جو تم چھپاتے تھے۔

فَقُلْنَا - اضْرِبُوهُ - بِبَعْضِهَا - كَذٰلِكَ

پھر ہم نے کہا مارو اس پر گائے کا ٹکڑا اسی طرح
يُحْيِي - اللّٰهُ - الْمَوْتٰى - وَ - يُرِيكُمْ

زندہ کرے گا اللہ مردے اور دکھاتا ہے تمہیں

اٰتِيهِ - لَعَلَّكُمْ - تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اپنی قدرت تاکہ تم غور کرو۔

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَاذْرَعْتُمْ

اور جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا۔ پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگے
فِيهَا - وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۴۲﴾

اور اللہ ظاہر کرتا تھا جو تم چھپاتے تھے۔

فَقُلْنَا - اضْرِبُوهُ - بِبَعْضِهَا - كَذٰلِكَ

پھر ہم نے کہا کہ اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔ اسی طرح
يُحْيِي - اللّٰهُ - الْمَوْتٰى - وَ - يُرِيكُمْ

اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تمہیں اپنی قدرت دکھاتا ہے۔

اٰتِيهِ - لَعَلَّكُمْ - تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

تاکہ تم غور کرو۔

فَاذْرَعْتُمْ (پھر تم ایک دوسرے پر دھرنے لگے)۔ یہ لفظ درع سے بنا ہے جس کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں۔ اور

ٹال مٹول کرنے کے بھی۔ اس سے مراد آپس میں جھگڑنا اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنا ہے۔

ان آیتوں میں پھیلی آیتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا تھا

لیکن قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ کیونکہ مشتبہ لوگ ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اصل قاتل کا نام بتانے کے لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں۔ انہوں نے ٹال مٹول کی۔

جب کافی جیلے بہانے کر کے وہ اس پر تیار ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑہ اس مقتول کی

لاش پر مارو۔ گوشت کا مارنا تھا کہ مقتول زندہ ہو گیا۔ اور اس نے قاتل کا نام دیتے سب بتا دیا اور اس طرح ایک بہت بڑی

مشکل حل ہو گئی۔ اور مقتول یہ بتانے کے بعد مر گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ انسان کو مار کر جگانا ہمارے بس کی بات ہے۔ اور جس طرح اس مقتول نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنی

پہلی زندگی کے حالات بتا دیئے تھے۔ اسی طرح ہم تمام انسانوں کو جب قیامت کے دن زندہ کریں گے۔ تو وہ خود اپنے اعمال

کی گواہی دیں گے۔

یہ واقعات اور نصیحتیں اللہ تعالیٰ اس لئے بیان فرماتا ہے۔ کہ لوگ ان میں غور کریں۔ اور اپنی زندگیوں کو سنواریں گدشتہ

اقوام کے حالات سے سبق حاصل کریں اور عبرت پکڑیں۔

یہود کی سنگدلی

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبَكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ
پھر سخت ہو گئے تمہارے دل سے بعد اس
فِيهِ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَ
سودہ جیسے پتھر یا اس سے زیادہ سخت اور
إِنَّ مِنْ الْجِبَارَةِ لِمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ
بیک سے پتھر جو جاری ہوتے ہیں ان سے
الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لِمَا يَشَقُّ
دریا اور بے شک اس سے البتہ جو پھٹ جاتے ہیں
فِيخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لِمَا
نکلتا ہے اس سے پانی اور پس اس سے البتہ
يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَ مَا اللَّهُ
گرتے ہیں سے ڈر اور نہیں اللہ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾
بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبَكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ
پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے
فِيهِ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَ
پس وہ پتھر جیسے ہو گئے یا ان سے بھی سخت اور
إِنَّ مِنْ الْجِبَارَةِ لِمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ
پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں۔ جن سے دریا
الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لِمَا يَشَقُّ
جاری ہوتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں۔ جو پھٹ جاتے
فِيخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لِمَا
ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور ان میں ایسے بھی ہیں
يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَ مَا اللَّهُ
جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾
تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے چند سبق آموز واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بد عملیوں اور سرتابیوں میں مسلسل مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماتا رہا لیکن انہوں نے پھر بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ گویا ان کے دل پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے بعض پتھروں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور ان سے دنیا کو پانی ملتا ہے۔ پھر بعض کی بھریوں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے۔ اور بعض پتھر سیاہی کی چوٹیوں سے گرتے ہیں۔ گویا بیبت الہی سے لرز کر سجدہ میں گرے ہیں۔

مفسروں نے بیان کیا ہے کہ چشموں والے پتھروں کی مثال انسانی آبادی میں انبیاء و رسل ہیں۔ ان کے چشمہ فیض سے مخلوق خدا اپنی روحانی پیاس بجھاتی ہے۔ دوسری قسم کے پتھروں کی مثال اولیاء اللہ ہیں۔ ان سے بہت سے لوگ فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مومنین و صالحین ہیں۔ جو اگر دوسروں کی اصلاح و ہدایت نہ کر سکیں۔ پھر بھی ان کا اپنا ایمان و عمل سالم ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل نے نہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے فائدہ اٹھایا۔ نہ نیک بندوں کی بات سنی۔ گویا ان کے دل عام پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے تھے۔ جن پر کوئی بات کارگر نہیں ہوتی۔

کلام اللہ میں تحریف

أَفَتَطْمَعُونَ - أَنْ - يُؤْمِنُوا - لَكُمْ

کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ

اور تھا ایک گروہ ان میں کہ سنتا تھا

كَلَامَ اللَّهِ - ثُمَّ - يُحَرِّفُونَهُ - مِنْ بَعْدِ

کلام اللہ پھر بدل ڈالتے تھے اس کو سے بعد

مَا عَقَلُوا - وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

جو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ

اب کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ

اور ان میں ایک گروہ اللہ کا کلام

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ

سنتا تھا پھر وہ جان بوجھ کر اسے بدل

مَا عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

ڈالتے تھے۔ اور وہ اصل بات جانتے تھے۔

تَطْمَعُونَ، (تم توقع رکھتے ہو) یہ لفظ طَمَع سے نکلا ہے۔ اس کے عام معنی لالچ کرنے اور حرص رکھنے کے ہیں۔ اور دوسرے معنی امید و توقع کے بھی ہیں۔ اور یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں۔

يُحَرِّفُونَهُ، (وہ اسے بدل ڈالتے ہیں) اس لفظ کا مادہ حرف ہے اور مصدر تحریف ہے جس کے معنی ہیں بدل ڈالنا۔ یہ تبدیلی دو طریق پر ہوتی ہے۔

(۱) تحریف لفظی، (لفظوں کو بدل ڈالنا۔ ان کا تلفظ بدل دینا کہ لفظ کی حقیقت بدل جائے مثلاً یہود نے "حطّۃ" کی جگہ "حنطۃ" اور "راعنا" کی جگہ "راعینا" کہا) (۲) تحریف معنوی (الفاظ کے معنی بدل دینا۔ ترجمہ اور تشریح کو کچھ سے کچھ کر دینا) اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تاریخ کے اہم واقعات سنا کر اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ یہ لوگ ان باتوں سے کوئی عبرت قبول کرنے والے نہیں۔ کیونکہ ان کے دل تپھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں پر عبرتناک واقعات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھاتا ہے۔ کہ کیا تم اس بات کی آرزو کرتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے۔ حالانکہ ان کے بڑوں میں حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی ایک فریق ایسا تھا جو اللہ کا کلام سننے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کرتا تھا۔ جب ان کے بڑوں کا یہ حال تھا تو پھر ان کے بعد آنے والوں سے کس طرح امید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ بد طبیعت ہیں۔ یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کے اسلام لانے کی مسلمانوں کو کچھ زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

یہود کی منافقت

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
 اور جب ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہتے ہیں
 آمَنَّا بِهِ وَإِذَا خَلَا بِعَضُدٍ
 ہم مسلمان ہوئے۔ اور جب تنہا ہو جاتے ہیں۔ ان کے بعض طرف
 بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ
 بعض کہتے ہیں کیا تم کہتے ہو ان سے جو ظاہر کیا
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ
 اللہ تم پر تاکہ تم سے جھگڑیں اس سے آگے
 رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۶﴾ وَلَا يَعْلَمُونَ
 تمہارا رب کیا نہیں تم سمجھے کیا نہیں جانتے وہ
 أَنْتَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ
 کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں
 وَمَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۷﴾

اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
 اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں
 آمَنَّا بِهِ وَإِذَا خَلَا بِعَضُدٍ
 ہم مسلمان ہوئے اور جب ایک دوسرے کے پاس تنہا ہوتے
 بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ
 میں تو کہتے ہیں کیا تم کہتے ہو ان سے جو اللہ نے تم پر
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ
 ظاہر کیا ہے تاکہ تم سے اس کے ذریعہ تمہارے رب کے آگے
 رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۶﴾ وَلَا يَعْلَمُونَ
 جھگڑا کریں کیا تم نہیں سمجھتے۔ کیا وہ نہیں جانتے
 أَنْتَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ
 کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں۔
 وَمَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۷﴾

اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

یُحَاجُّوكُمْ بِهِ، (اس کے ذریعے تمہیں جھگڑائیں) حجج اس کا مادہ ہے۔ لفظ حجت بھی اسی سے بنا ہے جس کے معنی دلیل ہیں۔ اور اس پورے جملے کے معنی ہیں ”اسے دلیل بنانا اور اس کے ذریعے حجت پکڑنا تو زیت میں تخریف کرنے والے یہودی اپنے منافق دوستوں کو کہا کرتے تھے کہ تم اپنی کتاب کی تعلیم مسلمانوں کو بتلا کر اس کے ذریعے اپنے خلاف مسلمانوں کے ہاتھ میں دلائل دیتے ہو۔ یہاں سے ان یہودیوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ جو منافق تھے۔ یہ لوگ جب کبھی مسلمانوں سے ملتے۔ تو آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنا ایمان ظاہر کرتے اور انہیں خوش کرنے کے لئے اس آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تائید و تصدیق کے لئے وہ تمام پیش گوئیاں اور علامتیں بیان کرتے جو ان کی مذہبی کتاب میں موجود تھیں۔

لیکن جب یہ یہود آپس میں ملتے۔ تو ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے۔ کہ تم اپنی تعلیمات مسلمانوں پر ظاہر کر کے خود اپنے خلاف انہیں ہتھیار کیوں دیتے ہو۔ یہی دلائل مسلمان تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں اور تمہاری اپنی باتوں کو سند بنا کر وہ اللہ کے ہاں گواہی دیں گے کہ یہود سب کچھ جاننے کے بعد اصل دین کی طرف نہیں لوٹے۔ گویا یہ احمق سمجھ رہے تھے کہ ان باتوں کا علم مسلمانوں کو صرف یہودیوں کے ذریعے سے ہی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ظاہر اور پوشیدہ تمام باتیں نبی اور مسلمانوں پر ظاہر کر سکتا ہے۔

بھوٹی آرزوئیں

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ

اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں کہ کتاب کی خبر نہیں رکھتے۔

إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۸﴾

بھوٹی آرزوئیں کے سوا اور وہ صرف بھوٹے خیال رکھنے والے ہیں۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ

سو ان کے لئے خرابی ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں۔

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ

تاکہ اس پر تھوڑی سی قیمت بیویں سوخرابی ہے

لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ

ان کے لئے اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کیلئے

لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۹﴾

اس کی بنا پر جو انہوں نے کیا۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ

اور ان میں سے ان پڑھ نہیں خبر رکھتے کتاب

إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۸﴾

سوائے بھوٹی آرزوئیں اور نہیں وہ مگر بھوٹے خیال رکھنے والے

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ

سو خرابی ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے۔

ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

پھر کہہ دیتے ہیں یہ اللہ سے طرف سے

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ

تاکہ خریدیں اس پر قیمت تھوڑی سوخرابی

لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ

ان کے لئے جو لکھا ان کے ہاتھ اور خرابی

لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۹﴾

ان کے لئے اس سے جو انہوں نے کیا

امَانِي: (آرزوئیں بھوٹی آرزوئیں) اس کا واحد اُمْنِيَّةٌ ہے۔ یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) ایسی آرزو جس کی حقیقت کوئی نہ ہو۔ اور کوئی شخص محض خیال خام میں مگن رہے۔ (۲) کوئی شخص بھوٹی روایات اور خرافات میں مبتلا رہے۔ یہود کی تاریخ میں اس قسم کی روایات کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً ان کی یہ خام خیالی کہ جنت میں ان کے سوا کوئی اور نہ جائے گا۔ ثَمَنًا، (قیمت) اس لفظ کے معنی صرف نقد یا زر قیمت کے نہیں بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کا ثمن ہے۔ اس آیت میں ثمن سے مراد دنیوی معاوضہ ہے۔

مِمَّا يَكْسِبُونَ: (ان کی کمائی سے) اس کے یہاں دو معنی ہیں۔ ایک ان کے گناہوں کا ڈھیر۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی ان کمائیوں سے اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ مالی نفع جو کتاب اللہ میں تبدیلی یا تحریف کر کے یہ لوگ حاصل کرتے ہیں۔ یہودیوں کے جاہل طبقہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ تورات میں کیا لکھا ہے۔ وہ بس چند بھوٹی آرزوئیں سے واقف تھے۔ جو انہوں نے اپنے بزرگوں سے سُن رکھی تھیں اور توقع رکھتے تھے کہ ان کے بزرگ ان کے گناہ بخشوا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے سخت خرابی ہے جو اللہ کے احکام بدل ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خود اللہ کا حکم ہے۔

جنت کے ٹھیکیدار

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا
اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند دن
مَعْدُودَةً قُلْ - أَخَذْتُمُ عِنْدَ اللَّهِ
گئے چُننے کہہ دو کیا تم نے جکے ہو سے اللہ
عَهْدًا - فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ
اقرار کہ نہیں خلاف کرے گا اللہ اپنا اقرار
أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ - مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾
کیا تم کہتے ہو اور اللہ جو نہیں تم جانتے۔

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا
اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند دن
مَعْدُودَةً قُلْ - أَخَذْتُمُ عِنْدَ اللَّهِ
گئے چُننے کہہ دو کیا تم اللہ کے ہاں سے اقرار
عَهْدًا - فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ
لے چکے ہو کہ اللہ اپنے اقرار کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔
أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ - مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾
یا اللہ پر جوڑتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

التَّارِ (آگ) یہاں اس لفظ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔ اور دنیا کی تمام آسمانی کتابوں میں اس سے انسانوں کو خبردار کیا گیا ہے۔ جہنم کے عذاب سے نہ کسی کی سفارش بچا سکے گی۔ نہ کوئی معاوضہ کام کرے گا۔ نہ وہاں کسی کا زور چل سکے گا۔

أَيَّامًا مَعْدُودَةً (چند گئے چُننے دن) یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ انہیں اعمالِ بد کے عوض صرف چند روز کے لئے دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ اس کے بعد وہاں سے نکال لئے جائیں گے۔ ان کی روایتوں میں یہ تعداد مختلف بیان کی گئی ہے۔ بعض سات دن بتاتے ہیں بعض چالیس دن۔ یعنی جتنے دن انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی اور بعض کہتے ہیں کہ ہر گنہ گار کو اس کی عمر کے برابر دوزخ میں رکھا جائے گا۔

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ کے لاڈلے اور محبوب سمجھتے تھے۔ اس کی سند میں وہ اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات بیان کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر وقتاً فوقتاً کئے۔ اس کے واسطے انہوں نے کئی روایتیں اپنے پاس سے گھڑ لی تھیں۔ جن کا ثبوت ان کی کتاب میں بالکل نہ ملتا تھا۔ انہیں من گھڑت اور جھوٹی روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی تھی کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے اعمالِ بد کے بدلے اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی سزا دی۔ تو وہ گنتی کے صرف چند روز کے لئے ہوگی۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معرفت ان سے پوچھا ہے کہ کیا تم نے اللہ سے اس بات کا کوئی عہد یا اقرار لے لیا ہے۔ جس کی پابندی کرنے پر وہ مجبور ہے۔ یا تم نے خود اپنے دل سے یہ سب باتیں گھڑ لی ہیں؟ اس کا جواب اس کے ہوا کچھ نہیں کہ ان کے یہ سب دعوے محض من گھڑت ہیں۔ ان باتوں کے لئے ان کے پاس مذہب کی کوئی سند موجود نہیں۔

جنت اور دوزخ

بَلَىٰ - مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً - وَ - أَحَاطَتْ

کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا

بِهِ - خَطِيئَتُهُ - فَأُولَٰئِكَ - اصْحَابُ - النَّارِ

اس کو اس کے گناہ سو وہی ہیں رہنے والے دوزخ

هُمْ - فِيهَا - خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ لوگ جو ایمان

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ - أُولَٰئِكَ - اصْحَابُ

لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں رہنے والے

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

جنت وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ

کیوں نہیں جس نے گناہ کمایا اور لے اس کے

بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ اصْحَابُ النَّارِ

گناہ نے گھیر لیا سو وہی دوزخ کے رہنے والے ہیں

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ اصْحَابُ

اور انہوں نے اچھے عمل کئے وہی جنت کے

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

احاطت بہ خطيئته، (اس کو اس کے گناہ نے گھیر لیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر بدی کی راہ اختیار کی اور پھر گناہوں کے اندر اس طرح گھر گئے کہ ایمان کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ یہ حالت اہل کفر کی ہے۔ اس لئے منفس نے یہاں اس سے مراد کافر لئے ہیں۔

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، (انہوں نے اچھے عمل کئے) آخرت میں حصولِ جنت اور دنیا میں کامیابی و کامرانی کے لئے ایمان کے ساتھ اچھے اعمال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے! اچھے اعمال سے مراد وہ کام ہیں جو انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق بجالائے۔

بنی اسرائیل نے بہت سے جھوٹے عقیدے گھڑ لئے تھے۔ اور یہ عقیدے نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور لاڈلے ہیں۔ انہیں ان کے گناہوں کی سزا نہیں ملے گی۔ اور اگر ملی بھی تو صرف چند روز کے لیے۔ نیز یہ کہ ان کے بزرگ انہیں بخشوا لیں گے۔ ان عقیدوں کی آڑ میں یہ لوگ ہر ناجائز اور حرام عمل و کردار سے ہرگز نہ چوکتے تھے۔ اور اس خام خیالی میں مبتلا تھے۔ کہ ان کے لیے اب سے دین کی پیروی کرنا یا آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کو ماننا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس غلط گمان کی تردید کی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ نجات کا دار و مدار صرف دو باتوں پر ہے۔ پہلی یہ کہ آدمی اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔ اور دوسری یہ کہ وہ نیک عمل کرتا ہو۔ یعنی اللہ کے احکام کو صدقِ دل سے ماننے اور ان کی تعمیل کرنے پر جزا و سزا کا دار و مدار ہے۔

مِثَاقِ بَنِي إِسْرَائِيلَ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
 اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل
 لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ قَدْ وَبَّأَلِ الْوَالِدِينَ
 نہ عبادت کرو مگر اللہ اور ماں باپ سے
 إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
 نیک سلوک اور والے کنبہ اور یتیم اور محتاج
 وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
 اور کہنا لوگ نیک بات اور قائم رکھنا نماز
 وَأَتُوا الزَّكَاةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا
 اور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر
 قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۲﴾
 تھوڑے تم میں اور تم پھرنے والے ہو۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
 اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا
 لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ قَدْ وَبَّأَلِ الْوَالِدِينَ
 کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے
 إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
 نیک سلوک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے
 وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
 اور سب لوگوں سے نیک بات کہنا اور نماز قائم رکھنا
 وَأَتُوا الزَّكَاةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا
 اور زکوٰۃ دیتے رہنا پھر چند ایک کے سوا تم سب
 قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۲﴾
 پھر گئے اور تم ہی پھر جانے والے ہو۔

مِثَاقِ (اقرار و عہد) وثوق اور وثاق کے لفظ بھی اس کے مادہ سے نکلے ہیں۔ بنی اسرائیل کے اس مِثَاقِ کا ذکر قرآن مجید کے دوسرے حصوں میں کئی جگہ آیا ہے۔ توریت اور انجیل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو بتاتا ہے کہ اللہ کے حکموں سے منہ موڑنا تمہاری عادت بن چکی ہے۔ چنانچہ ان کے مشہور مِثَاقِ کا ذکر کر کے انہیں اس طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور چیز کی پوجا نہ کریں گے۔ اپنے والدین، عزیز واقارب یتیموں، بے کسوں، محتاجوں اور لا وارثوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ اور ان سے خوش خلقی سے پیش آئیں گے۔ تمام لوگوں سے نیک باتیں کہیں گے۔ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے۔ لیکن یہ لوگ اللہ سے یہ عہد کر کے اس سے پھر گئے۔ اور اسے پورا نہ کر سکے۔ بہت کم لوگ تھے جنہوں نے اپنے اس عہد کا پاس کیا اور اس کا ایفا کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ تم ہو ہی پھرنے والے۔ یعنی یہ تمہاری جبلت بن چکی ہے کہ تم اللہ سے عہد پیمان کرتے ہو۔ مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔

ہمیں ان باتوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور ہم نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا ہے (یعنی یہ کہ سوا اس کے کسی کی عبادت نہ کریں گے) اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کا آخری نبی مانیں گے۔ اور ان کے کہنے پر چلیں گے) ہمیں اپنے اس ایمانی عہد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

خوزیزی اور جلا وطنی

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ - لَا تَسْفِكُونَ

اور جب ہم نے یا تمہارا وعدہ نہ بہاؤ گے

دِمَاءَكُمْ - وَلَا تَخْرُجُونَ - أَنْفُسَكُمْ مِنْ

آپس میں خون اور نہ نکال دو گے اپنوں کو سے

دِيَارِكُمْ - ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ - وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٣﴾

اپنے وطن پھر تم نے اقرار کیا اور تم ملتے ہو۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ - لَا تَسْفِكُونَ

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں

دِمَاءَكُمْ - وَلَا تَخْرُجُونَ - أَنْفُسَكُمْ مِنْ

خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنے وطن سے نہ

دِيَارِكُمْ - ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ - وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٣﴾

نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم ملتے ہو۔

لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ (آپس میں خون نہ بہاؤ گے) تَسْفِكُونَ کا مادہ سفک ہے جس کے معنی بہانا اور خاص طور پر خون بہانا ہیں۔ محاورہ کے طور پر اس جملہ کے معنی قتل کرنا بھی ہوتے ہیں۔

اس سورۃ کے پانچویں رکوع سے مسلسل یہود کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہودی اپنے اصل دین سے بھٹک چکے تھے اللہ کی دی ہوئی کتاب تورات میں تحریف و تبدیل کرتے تھے۔ اللہ کے احکام سن کر اور ان کی تعمیل کا وعدہ کر کے اس سے پھر جاتے تھے۔ اور وہ جھوٹے اور من گھڑت عقیدوں میں مبتلا تھے۔ انہیں یہ گمان تھا کہ وہ خواہ کتنے ہی گناہ کریں اور معصیت کے مرتکب ہوں۔ انہیں ہرگز سزا نہ ہوگی۔ بلکہ ان کے بزرگ انہیں دوزخ کی آگ سے بچالیں گے۔

یہود کے ان غلط عقائد کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ ظاہر کر دیا کہ نجات کا اصل قانون کیا ہے۔ صرف وہی لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نیک عمل کرتے ہیں۔ جنت کے مستحق ہوں گے۔ ان کے علاوہ جو شخص معصیت میں گھر گیا۔ وہ ہر حالت میں دوزخ میں داخل ہوگا۔

نجات کا قانون بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے صالح اور نیک بندے بننے کا طریقہ بتایا۔ اور ان کے میثاق کی طرف انہیں توجہ دلائی۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے دو اور باتوں کا وعدہ بھی لیا تھا یعنی یہ کہ ایک تو وہ آپس میں خوزیزی نہ کریں گے دوسرے یہ کہ اپنی قوم کو ناحق جلا وطن نہ کریں گے۔ کیونکہ قوم کا اجتماعی رعب ختم ہو جائے گا۔ مخالفوں کو موقع ملے گا کہ وہ حملہ کر کے ان پر تسلط جمالیں اور حاکم بن بیٹھیں۔

عہد شکنی اور نافرمانی

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ
 پھر تم وہ لوگ ہو خون کرتے ہو آپس میں تم خون کرتے ہو۔
 وَ تَخْرُجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّن دِيَارِهِمْ
 اور نکال دیتے ہو ایک فریق تم میں سے ان کے وطن
 تَظْهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ
 ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو۔

بِالْإِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ: (گناہ اور ظلم سے) اثم کے معنی گناہ ہیں۔ چنانچہ اثم گنہگار کو کہتے ہیں۔ عدوان کے لفظی معنی سرکشی اور بغاوت کے ہیں۔ اعتدا احد سے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ لفظ ظلم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل باہم جو قتل و غارت اور خوریزی کرتے تھے۔ یا اپنے ہم مذہب اور ہم وطنوں کو جلا وطن کر دیتے تھے۔ وہ کسی اصول کی خاطر نہیں بلکہ محض گناہ اور ظلم و ستم کے طور پر ہوتا تھا۔ جو قوم اپنوں سے یہ سلوک کرتی ہو۔ وہ دوسروں سے کیا نیکی کر سکتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو جاتا ہے۔ کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ نہ تم آپس میں خون ریزی کرو گے۔ اور نہ ایک دوسرے کو جلا وطن کرو گے۔ لیکن تم اس وعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ ایک دوسرے کا خون بہاتے ہو۔ اور اپنے بھائیوں میں سے ایک دوسرے کو گھروں سے بھی نکال دیتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے جو دو قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ اور اس کے آس پاس آباد تھے ان کی عادت تھی۔ کہ ہمیشہ باہم خانہ جنگیوں میں مصروف رہتے۔ مشرکین مدینہ کے بھی دو قبیلے اوس اور خزرج وہاں آباد تھے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ مشرکوں کے ایک جتھے کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ اور دوسرا مشرکوں کے دوسرے جتھے کے ساتھ۔ اور جب جنگ شروع ہوتی۔ تو وہ سب کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ یعنی قتل اور جلا وطنی وغیرہ۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں میں سخت اختلاف پیدا ہوا۔ ان کی باہم بہت خوریزیاں ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں ان کی حکومت برباد ہو گئی۔ وہ دوسروں کے غلام ہو گئے اور انتہائی ذلت اور رسوائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

صرف بعض احکام کی اطاعت

وَ- اِنْ - يَأْتُوَكُمْ - اُسْرٰى - تَفْدُوهُمْ
اور اگر وہ تمہارے پاس آئیں قیدی ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو
وَ- هُوَ - مُحْرَمٌ - عَلَيْكُمْ - اِخْرَاجُهُمْ

اور وہ حرام تم پر ان کا نکال دینا
ا - فَتُؤْمِنُونَ - بِبَعْضِ - الْكِتَابِ - وَ

کیا مانتے ہو بعض کو کتاب اور
تَكْفُرُونَ - بِبَعْضٍ - فَمَا - جَزَاءُ - مَنْ

نہیں مانتے بعض کو سو نہیں سزا اس کی جو
يَفْعَلُ - ذٰلِكَ - مِنْكُمْ - اِلَّا - خِزْيٌ - فِي

کام کو تم میں سوائے رسوائی میں
الْحَيٰوةِ - الدُّنْيَا - وَيَوْمَ - الْقِيٰمَةِ - يَرُدُّونَ

زندگی دنیا اور دن قیامت پہنچائے جائیں
اِلَى - اَشَدِّ - الْعَذَابِ - وَ- مَا - اللّٰهُ

ظن سخت عذاب اور نہیں اللہ
بِغَافِلٍ - عَمَّا - تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

بے خبر تمہارے کاموں سے -

وَ اِنْ يَأْتُوَكُمْ اُسْرٰى تَفْدُوهُمْ

اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے
وَ هُوَ مُحْرَمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ

ہو۔ حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام ہے۔
ا فَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ

کیا کتاب کے بعض حصہ کو مانتے ہو اور
تَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ

بعض کو نہیں مانتے۔ اس کے سوا کوئی سزا نہیں اس کے لیے
يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي

جو تم میں سے یہ کرتا ہے۔ مگر دنیا کی زندگی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَرُدُّونَ

میں رسوائی۔ اور قیامت کے دن سخت
اِلَى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَ مَا اللّٰهُ

عذاب میں پہنچائے جائیں گے۔ اور اللہ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

الکتاب، کتاب) اس سے مراد اسرائیلیوں کی آسمانی کتاب تورات ہے۔ ان پر یہ حجت قائم کی جا رہی ہے۔ کہ قرآن مجید کے احکام کی پیروی تو الگ رہی۔ تم اپنی کتاب کی بھی پوری پوری اطاعت نہیں کرتے۔ تم اس کے اپنے چند مفید مطب احکام کی تعمیل کرتے ہو۔ اور جو احکام بظاہر تم سے قربانی کا مطالبہ کریں۔ ان کو تم پس پشت ڈال دیتے ہو۔

اس آیت میں یہودیوں کی بد عملیوں اور بد عہدوں کو اور زیادہ کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ وہ پہلے تو اپنے بھائی بندوں سے جنگ کر کے انہیں جلا وطن کر دیتے۔ پھر جب غیر اقوام ان جلا وطن لوگوں کو اپنا قیدی بنا لیتیں تو یہودی اپنا خلوص دکھانے کے لیے جھٹ فدیہ دے کر اپنے ان قیدیوں کو چھڑا لیتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان پر ان لوگوں کو جلا وطن کرنا ہی ناجائز تھا گو یا وہ تورات کے اس حکم کی تو اطاعت کرتے ہیں۔ کہ قیدیوں کو چھڑا لیا جائے۔ لیکن تورات کے اس حکم کی پیروی نہیں کرتے کہ اپنے بھائیوں کو جلا وطن نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ساتھ ہی فرماتا ہے کہ ایسا کام کرنے والے لوگوں کی دنیا میں تو یہ سزا ہوگی کہ وہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اور آخرت میں وہ بے بس اور بے یار و مددگار ہو کر سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

آخرت کے بدلے دنیا

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
 اور نہ وہ مدد پہنچے گی۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
 اور نہ انہیں مدد پہنچے گی۔

۱۶۹

بِالْآخِرَةِ، (آخرت کے بدلے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کے اندر آخرت کا ایمان باقی ہی نہ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے راہ روی اور غلط کاری سے روکنے والی بات صرف اللہ اور آخرت کا تصور ہے۔ اگر انسان کو دوسری ابدی زندگی اور جزا و سزا کا خیال نہ رہے۔ تو اسے گناہ اور سرکشی کی راہ سے کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی۔

لَا هُمْ يُنصَرُونَ، (انہیں مدد نہ پہنچے گی) نصر اس کا مادہ ہے۔ انصار (مدد کرنے والے) بھی اسی لفظ سے ہے۔ اور منصور کا مادہ بھی یہی لفظ ہے۔ اس پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس عذاب سے رہائی کے لیے کسی طرف سے انہیں کوئی مدد نہ پہنچے گی۔

یہودی اس گمان باطل میں مبتلا تھے۔ کہ وہ خواہ کتنے ہی زیادہ گناہ کرتے چلے جائیں۔ آخرت میں ان کی مدد کے لیے ان کے بزرگ اور خدا رسیدہ لوگ پہنچیں گے۔ اور انہیں آگ کے عذاب سے بچالیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ عقیدہ غلط اور باطل ٹھہرایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ان کی کسی طرف سے مدد نہ کی جائے گی۔

اس آیت میں پھلی آیتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ اس سے اقرار باندھنے کے بعد پھر گئے۔ اور دین کو دنیوی فائدوں کے لیے قربان کر دیا۔ وہ آخرت کے بے بہا ثواب اور نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی عارضی لذتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ انہوں نے اخروی فلاح کے بدلے دنیا کا عارضی آرام خرید لیا ہے۔ ان کے لیے آخرت میں سخت ترین عذاب ہے۔ اور معاف ہونا تو کجا اس میں کسی قسم کی تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ اور وہ لوگ یہ بھی جان لیں۔ کہ اس عذاب سے انہیں نہ کوئی پھڑا سکتا ہے۔ اور نہ پھڑانے میں مدد ہی دے سکتا ہے۔ مرنے کے بعد صرف انسان کے نیک عمل اس کا ساتھ دیں گے۔ وہاں کوئی اور انسان کو عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

حضرت مسیح کی آمد

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَتَقَيْنَا
 اور بے شک ہم نے دی موسیٰ کتاب اور ہم نے پے درپے پیچھا
 مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا
 سے اس کے پیچھے رسول اور ہم نے دیئے
 عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَ
 عیسیٰ بیٹا مریم معجزے صریح اور
 آيَاتِنَا بِرُوحِ الْقُدُسِ
 اس کو ہم نے قوت دی روح سے پاک
 ہم نے اسے پاک روح سے مدد دی۔

تَقَيْنَا: (ہم نے پے درپے پیچھے) بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جن میں بعض مشہور نبی
 یہ ہیں۔ حضرت یوشع۔ داؤد۔ زکریا۔ یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔ یہ لفظ تقا سے ہے۔ اور یہ لفظ اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔
 اس وقت اس کے معنی پشت یعنی پیچھے کے ہوتے ہیں۔

عِيسَى (عیسیٰ) حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کے بچپنوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ بنی اسرائیل میں آپ کے بعد کوئی نبی
 نہیں ہوا۔ اس کے بعد نبوت بنو اسمعیل کی طرف چلی گئی۔ اس خاندان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اور آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا۔ اور نہ آئے گا۔ یعنی آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ کی خاص طور پر آپ
 کے تشریف فرما ہونے کی بشارت دے گئے تھے۔ سن عیسوی حضرت عیسیٰ کے نام سے ہی جاری ہے۔ ملک شام میں ایک قصبہ
 ناصرہ ہے۔ جو آپ کا آبائی وطن تھا۔ اسی نسبت سے آپ کو مسیح ناصری کہتے ہیں۔

مَرْيَمَ: (مریم) حضرت مریم کے والد کا نام عمران تھا۔ آپ قوم اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں۔ اور خود
 بھی بڑی باعزت تھیں۔ حضرت عیسیٰ انہیں کے بطن سے بن باپ کے پیدا ہوئے۔

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ: (مریم کا بیٹا عیسیٰ) اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی ایک بشر ہی تھے۔ معاذ اللہ! اللہ کے بیٹے
 نہیں تھے۔ ماں آپ اللہ کے ایک بہت بڑے پیغمبر تھے۔ چونکہ آپ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ اس لئے نسبت ماں سے دی گئی۔
 الْبَيْتِ: (صریح معجزے) اس کا واحد بَيْتٌ ہے۔ جس کے لفظی معنی واضح اور روشن کے ہیں۔ یہاں الْبَيْتِ سے مراد
 کھلے اور صریح معجزے ہیں۔ جن کے ماننے میں جیل و حجت کی کوئی گنجائش نہیں۔

رُوحِ الْقُدُسِ: (پاکیزگی کی روح) روح القدس سے مراد حضرت جبریلؑ لئے جاتے ہیں۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے پاس اللہ کا
 پیغام لاتے تھے۔ ہر مشکل کے وقت حضرت جبریلؑ نے اللہ کے اس مقدس نبی کی مدد کی۔ اسی لئے یہاں ان کا خصوصیت سے ذکر موجود ہے۔

نفس پرستی اور قتلِ انبیاء

ا۔ فَكَلِمًا - جَاءَكُمْ - رَسُولٌ بِمَا
 کیا پھر جب تمہارے پاس لایا رسول وہ جو
 لَا تَهْوَى - أَنْفُسَكُمْ - اسْتَكْبَرْتُمْ - فَفَرِيقًا
 نہ بھایا تمہارے جی تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت
 كَذَّبْتُمْ - وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾
 تم نے جھٹلایا اور جماعت تم نے قتل کر دیا۔

اَفَكَلِمًا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا
 پھر بھلا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ حکم لایا
 لَا تَهْوَى أَنْفُسَكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا
 جو تمہارے جی کو نہ بھایا تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت
 كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾
 کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں دی ہیں۔ ایک ایمان و یقین کی قوت۔ دوسری عمل کی قوت۔ اگر یہ دونوں قوتیں صحیح اور درست ہوں۔ تو مقصد کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی وہ خرابیاں بیان کی ہیں جو ان کی قوتِ عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ کمزور لوگوں کو جلا وطن کر دیتے تھے۔ اب اس آیت میں ان کے ایمان اور یقین کی قوت کی کمزوریاں ظاہر کی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی رہنمائی کے لیے ہم نے حضرت موسیٰ کو ایک کتاب دی۔ لیکن جب بنی اسرائیل اس کتاب کے احکام کو بدلنے اور ان کی نافرمانی کرنے لگے۔ تو ہم نے حضرت موسیٰ کے بعد اور بھی بہت سے نبی بھیجے۔ لیکن ان لوگوں نے ان نبیوں میں سے بھی بعض کی نافرمانی کی اور بعض کو قتل کر دیا۔ پھر ہم نے حضرت عیسیٰ کو انجیل دے کر بھیجا اور ان کی سچائی ثابت کرنے کے لیے انہیں بہت سے معجزے بھی دیئے۔ اور ان کی امداد کے لیے حضرت جبریل کو مقرر کیا۔ لیکن یہودی عادت سے باز نہ آئے۔ اور آپ کے قتل پر تیل گئے۔

اب اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے۔ کہ تمہاری بھی عجیب حالت ہے۔ جب کبھی کوئی رسول (تمہاری) نفسانی خواہشوں اور ذاتی غرضوں کے خلاف اللہ کا کوئی حکم لایا۔ تم نے غرور کے ساتھ اس سے منہ موڑ لیا اور بعض نبیوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے متعدد معجزے عطا فرمائے مثلاً انڈھوں کو بینا۔ کوڑھیوں کو چمکا اور بیماروں کو صحت مند کرنے کی برکت دی۔ بن باپ کے پیدا کیا۔ بچپن میں گنٹگو کی قوت عطا ہوئی وغیرہ۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود بنی اسرائیل ان پر ایمان نہ لائے۔ اور مسلسل مخالفت اور ایذا رسانی کرتے رہے۔

بنی اسرائیل کا تعصّب

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ - بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ - بِكُفْرِهِمْ - فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾
 اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف بلکہ لعنت کی ہے
 اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت کم جو ایمان لاتے ہیں۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ - بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ - بِكُفْرِهِمْ - فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾
 اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر
 کے سبب لعنت کی ہے۔ سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

غُلْفٌ: (غلاف) اس کا واحد غُلْفٌ ہے۔ اور اس کے معنی ہیں ڈھکی ہوئی چیز۔ یعنی وہ چیز جو غلاف میں لپیٹی ہوئی اور پردوں میں چھپی ہوئی ہو۔ یہودی اس بات کے دعویدار تھے کہ ہمارے دل تو ڈھکے ہوئے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کی تعلیمات سے بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔

لَعَنَهُمُ اللَّهُ: (اللہ نے ان پر لعنت کی) لعنت کے معنی ہیں بُعْدُ عَنِ الرَّحْمَةِ (رحمت سے دوری) کسی کا اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم ہو جانا۔ اسے پھٹکار بھی اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ ایسے شخص کو منہ نہیں لگایا جاتا۔ قَلِيلًا، (بہت کم) اس سے مراد ہے کہ وہ کبھی کبھی دھندلا سا رجحان ایمان کی طرف ظاہر کرتے اور ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لاتے تھے۔ اکثریت سرکش اور بے ایمانی کی طرف مائل تھی۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے من گھڑت عقیدوں کو باطل قرار دیا۔ اور کلام اللہ نے واضح طور پر انہیں غلط ثابت کر دیا۔ تو یہودیوں کے پاس اب کوئی سحّت باقی نہ رہی۔ انہوں نے یہ غدر کرنا شروع کر دیا کہ ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں۔ اور ہمارے اپنے دین کے سوا ہمارے دل پر کوئی چیز اثر نہیں کر سکتی۔ ہم کسی کے سمجھنے اور سمجھانے سے ہرگز اس کی اطاعت یا تابعداری نہیں کریں گے۔

یہودی اپنی اس جھوٹی دلیل کو بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ کوئی غلاف وغیرہ کچھ نہیں۔ بلکہ ان کے مسلسل کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی ہے۔ جس کے پردے ان کے دلوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے وہ سچے دین کو نہیں مانتے۔ ان میں سے بہت کم لوگ آخری نبی پر ایمان لائے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرے۔ یا ان میں تحریف و تبدیل کرے۔ یا ان کی مسلسل نافرمانی کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیج دیتا ہے۔ ایسا آدمی ایمان اور دین کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔

جان بوجھ کر کفر

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ
 اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب پہنچی
 اللَّهُ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا
 جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے۔
 مِّنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ
 اور پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے۔
 كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا
 جب انہیں پہنچا جس کو پہچان لیا تھا تو
 كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۸۹﴾
 اس کے منکر ہو گئے سو منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ
 اور جب ان کے پاس پہنچی کتاب سے طرف
 اللَّهُ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا
 اللہ سچا بتاتی ہے اس کو جو ان کے پاس ہے۔ اور تھے
 مِّنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ
 پہلے فتح مانگتے تھے اور وہ لوگ جو
 كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا
 کفر کیا پھر جب ان کو پہنچا جس کو پہچان رکھا تھا
 كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۸۹﴾
 منکر ہو گئے اس سے سو لعنت اللہ اور کافر۔

کِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ: (اللہ کی طرف سے کتاب) یہاں کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ جس کا اولین خطاب مکہ کے مشرکوں کے علاوہ یہود کی طرف بھی تھا۔ یہ لوگ مدینہ میں کافی تعداد میں آباد تھے۔ لَمَّا مَعَهُمْ: (اس کو جو ان کے پاس ہے) اس سے مراد یہودوں کی آسمانی کتاب یعنی تورات ہے۔ قرآن مجید نے اپنی یہ صفت بار بار بیان کی ہے اور اعلان کیا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے۔ وہ دوسری سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ ان پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور تورات ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ يَسْتَفْتِحُونَ: (فتح مانگتے تھے) یہ لفظ فتح سے نکلا ہے۔ عربی میں اس کے معنی برتری چاہنے کے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آنے سے پہلے یہودی لوگ جب مدینہ کے باشندوں سے شکست کھاتے تو اس وقت اس آنے والے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت مانگا کرتے تھے۔ یہ بات ان کے عقائد میں شامل ہو چکی تھی کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے گا۔ اسے مان کر وہ غلامی سے نجات حاصل کر لیں گے۔ جب یہودوں کے لیے اللہ کی طرف سے ایک ایسی کتاب آئی۔ جن میں حضرت موسیٰ کی شریعت کے اصولوں کی تصدیق موجود تھی تو یہ لوگ اس کے ماننے سے منکر ہو گئے۔ اور جس نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منتظر تھے اور جس کا واسطہ دے کر کافروں کے مقابلہ میں فتیاب ہونے کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ جب وہی جانا پہچانا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس آیا تو اس کا انکار کرنے لگے۔ اب ان انکار کرنے والوں پر ان کے کفر کی وجہ سے اللہ کی لعنت ہوئی اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہودی متعصب اور حاسد قوم ہے۔ اور یہ قوم اپنے اس تعصب اور کفر کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دور کر دی گئی ہے۔

ضد اور تعصب کا نتیجہ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمانا ہے کہ یہودی حد درجہ خود غرض اور نفس پرست لوگ ہیں۔ وہ اس کے ساتھ ہی ضدی اور حاسد بھی ہیں۔ وہ ہر بات کو سختی کہ اللہ کے احکام کو بھی تجارتی اور قومی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں۔ کہ ان کا فائدہ ان احکام کی پیروی میں ہے۔ یا ان کی نافرمانی میں۔ اگر ان احکام کو بدل کر یا ان سے سرکشی کر کے ان کی ذاتی غرضیں پوری ہوتی دکھائی دیں۔ تو وہ ایسا کرنے سے ہرگز نہیں چوکتے۔

تعصب اور نفس پرستی کے نتیجہ میں ان کے اندر حسد بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ چونکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر قسم کی نعمت ان کے حصہ میں آئے گویا یہ ان کا پیدا شدنی حق ہے۔ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان کے شامل حال رہیں گی۔ جب حضرت محمد نبی آخر الزمان کی حیثیت سے مبعوث ہوئے۔ تو یہود نے بہت ہیچ و تاب کھائے۔ ان کے اندر حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ نبوت ان کے اپنے خاندان سے نکل کر نبی اسمعیل میں کیوں چلی گئی۔ حالانکہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے۔ اپنا فضل کرتا ہے۔ اور اس کو نبوت و رسالت عطا کرتا ہے۔ لیکن یہودیوں نے ضد میں آ کر آپ کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور حق کی طرف رخ نہ کیا۔

یہود کے مسلسل کفر و انکار کی پاداش میں دنیا کے اندر اللہ کا غصہ ان پر نازل ہوا اور قیامت میں بھی ان پر بڑی ذلت اور رسوائی والا عذاب ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہونے کے علاوہ ضدی اور حاسد بھی ہیں۔

دعوتِ ایمان کا انکار

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا

أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ

عَلَيْنَا وَنُكْفِرُونَ بِمَا وَرَاءَ ذَلِكَ وَهُوَ

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ

فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ

قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ

ۙ

اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ- اْمِنُوا- بِمَا

اَنْزَلَ- اللهُ- قَالُوا- نُوْمِنُ- بِمَا- اَنْزَلَ

عَلَيْنَا- وَنُكْفِرُونَ- بِمَا- وَرَاءَ- ذَلِكَ- وَهُوَ

الْحَقُّ- مُصَدِّقًا- لِمَا- مَعَهُمْ- قُلْ

فَلِمَ- تَقْتُلُونَ- اَنْبِيَاءَ- اللهُ- مِنْ

قَبْلُ- اِنْ- كُنْتُمْ- مُؤْمِنِينَ ۙ

ۙ

اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

آپ بھیچے پڑھ آئے ہیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دل تو پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے بھرے ہوئے ہیں جو ہماری آسمانی کتاب توریت میں موجود ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی نئی تعلیم اور نئی وحی وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ وہ اپنی آسمانی کتابوں کو بھی پوری طرح سے نہیں مانتے اور ان کے احکام کی پیروی نہیں کرتے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔ بلکہ بعض کو انہوں نے قتل ہی کر دیا ہے۔ اگر اس کتاب اور اس کے احکام پر ان کا ایمان نچتے ہوتا۔ تو وہ ہرگز ایسے نافرمان نہ ہوتے۔

یہ دلیل پیش کر کے اللہ تعالیٰ انہیں یہ تنبیہ کرتا ہے۔ کہ تم راہِ راست سے بالکل بھٹک چکے ہو۔ اور دینِ حق کو چھوڑ چکے ہو اس لئے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ دینِ اسلام کو اختیار کرو۔ اور قرآن مجید کو مان لو۔ یہ آخری آسمانی کتاب ہے۔ یہ کتاب خود تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور انہیں اصلاح شدہ شکل میں پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کو ماننے بغیر تمہارا اپنی کتابوں کے ماننے کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

گوسالہ پرستی

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ - بِالْبَيِّنَاتِ

اور البتہ تمہارے پاس آیا موسیٰ کھلے معجزے لے کر

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ - مِنْ بَعْدِهِ

پھر تم نے بنا لیا بھڑا سے اس کے بعد

وَ أَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۹۲﴾ - إِذْ أَخَذْنَا

اور تم ظالم تھے اور جب ہم نے لیا

مِيثَاقَكُمْ - وَ رَفَعْنَا - فَوْقَكُمْ الطُّورَ

تمہارا اقرار اور بلند کیا تم پر کوہ طور

خُذُوا - مَا - آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ - وَ - اسْعَوْا

پکڑو جو ہم نے تمہیں دیا زور سے اور سنبھالو

قَالُوا - سَبِعْنَا - وَ عَصَيْنَا - وَ - اشْرَبُوا - فِي

وہ بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور پلائی گئی میں

قُلُوبِهِمُ - الْعِجْلَ - بِكُفْرِهِمْ - قُلْ - بِسْمِ

ان کے دل بھڑا ان کے کفر کے سبب کہہ دے بری باتیں

يَأْمُرُكُمْ بِهِ - اِيْمَانُكُمْ - اِنْ - كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

تمہیں سکھاتا ہے تمہارا ایمان اگر تم مومن ہو۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ

اور تمہارے پاس موسیٰ کھلے معجزے لے کر آئے۔ پھر

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ

تم نے ان کے بعد بھڑے کو (معبود) بنا لیا

وَ أَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۹۲﴾ - إِذْ أَخَذْنَا

اور تم ظالم تھے اور جب ہم نے تم سے

مِيثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ

اقرار لیا اور تم پر کوہ طور کو بند کیا

خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَ اسْعَوْا

جو ہم نے تمہیں دیا اسے زور سے پکڑو اور سنبھالو

قَالُوا سَبِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اشْرَبُوا فِي

وہ بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں

قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِسْمِ

ان کے کفر کے سبب بھڑے کی محبت پختہ ہو گئی۔ کہہ دے تمہارا ایمان

يَأْمُرُكُمْ بِهِ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

تمہیں بری باتیں سکھاتا ہے۔ اگر تم مومن ہو۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کیا کہ وہ حضرت موسیٰ کی شریعت پر پوری طرح چل رہے ہیں اور اب انہیں کسی نئے دین اور شریعت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا تھا۔ کہ تم تو اپنے بہت سے پیغمبروں کو بھٹلاتے اور ان میں سے بعض کو قتل تک کرتے چلے آئے ہو۔

اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے پاس حضرت موسیٰ کو بھیجا اور آپ کو بہت سے معجزات بھی دیئے لیکن یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی بنی اسرائیل نے بھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ تو حید کو چھوڑ کر کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کے دامن میں ان سے چند احکام پر کاربند ہونے کا وعدہ لیا۔ اس وقت تو ڈر کے مارے انہوں نے عہد کر لیا۔ لیکن بعد میں ماننے سے ضنا ف انکار کر دیا۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر تمہارا ایمان جس کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ یہی کچھ سکھاتا ہے کہ نبیوں کو قتل کرو۔ اللہ کو چھوڑ کر بھڑے کی پوجا کرو۔ وعدہ کر کے اسے توڑ دو۔ تو یہ ایمان بہت بری باتیں سکھاتا ہے۔ یہ سچا ایمان کیسے ہو سکتا ہے۔

موت کی تمنا

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ
 کہو دے کہ اگر ہے تمہارے لیے گھر آخرت
 عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ
 اللہ کے ہاں تنہا سے سوا لوگ
 فَتَمْنُوا الْوَيْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾
 تو اگر تم سچے ہو تو تم مرنے کی آرزو کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ایک اور عقیدے کی تردید فرمائی ہے۔ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ یہودیوں نے من گھڑت اور جھوٹی آرزوئیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ موت کے بعد صرف وہی جنت میں جائیں گے۔ اور وہ جنت کے تنہا وارث ہوں گے۔ ان کے سوا دنیا کی کوئی قوم نہ بخشی جائے گی اور نہ جنت میں داخل ہوگی۔ ان کے اس من گھڑت اور جھوٹے عقیدے کو اللہ تعالیٰ نے نہایت عام فہم دلیل سے غلط ثابت کر دیا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ان یہودیوں سے کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت کے تنہا وارث ہی وارث ہو۔ اور تم ضرور جنت میں جاؤ گے۔ تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔ کیونکہ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ مرنے کے بعد وہ لازمی طور پر بہشت میں جائے گا۔ اسے موت کی تمنا کرنے میں کوئی ڈر نہ ہونا چاہیے۔ اس دنیا میں تو بے شمار تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں۔ جنت میں ہر قسم کی آسائشیں اور نعمتیں ہوں گی۔ اس لیے جو شخص بہشت کا وارث ہونے کا دعویٰ کرے۔ اسے چاہیے کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ اس دنیا کو خیر باد کہہ کر اس دنیا کا رخ کرے تاکہ ان مصائب سے نجات پا کر ہمیشہ کے آرام کی زندگی حاصل کر سکے۔ علامہ اقبال کا ایک فارسی شعر ہے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم چو مرگ آید تبسم برب اوست

یہی دلیل یہودیوں کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ کہ اگر تمہیں پورا یقین ہے کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے۔ اور وہاں سوائے تمہارے اور کوئی قوم نہیں جائے گی۔ تو اپنے اس دعویٰ کو سچ ثابت کرنے کے لئے موت کی تمنا کر کے دکھاؤ۔

لمبی عمر کی حرص

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ

اور وہ ہرگز کبھی تمنا نہ کریں گے۔ ان گناہوں کے سبب

أَيْدِيَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

جو ان کے ہاتھ بھیج چکے ہیں اور اللہ گنہگاروں کو خوب جانتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ

اور تو انہیں سب لوگوں سے زیادہ زندگی پر حرصیں پائے گا۔

وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوْمَئِذٍ أَحَدُهُمْ

اور مشرکوں سے بھی زیادہ حرصیں ان میں ہر ایک چاہتا ہے۔

لَوْ يَعْرِفُ الْفَنَ سَنَةً وَمَا هُوَ

کہ وہ ہزار برس کی عمر پائے اور اس قدر زندگی

بِمُرْحَرَجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعْتَرَهُ

اسے عذاب سے بچانے والی نہیں

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ انہیں دیکھتا ہے۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ

اور ہرگز تمنا کریں گے کبھی سبب جو بھیج چکے ہیں

أَيْدِيَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

ان کے ہاتھ اور اللہ جانتا ہے گنہگار۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ

اور تو انہیں پائے گا زیادہ حرصیں لوگ اور زندگی

وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوْمَئِذٍ أَحَدُهُمْ

اور سے لوگ مشرک چاہتا ہے ان میں ہر ایک

لَوْ يَعْرِفُ الْفَنَ سَنَةً وَمَا هُوَ

کہ وہ عمر پائے ہزار برس اور نہیں وہ

بِمُرْحَرَجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعْتَرَهُ

اسے بچانے والا سے عذاب کہ اس قدر زندگی

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی حقیقت حال کو پوری طرح کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگرچہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف وہی جنت کے وارث ہیں۔ اسی لیے ان سے کہا گیا ہے کہ وہ موت کی تمنا کر کے دکھائیں۔ لیکن وہ اسے قبول کرنے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔ وہ اس دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں جانے کا قطعاً ارادہ نہیں کرنا چاہتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہیں اپنے دعویٰ کی صداقت پر یقین نہیں ہے۔ وہ محض جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہوں نے اس دنیا میں جو بد اعمالیاں کی ہیں۔ ان کی سزا انہیں ضرور ملے گی۔ اس لیے وہ یہی کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ہمیں زیادہ سے زیادہ لمبی عمر ملے تاکہ ہم دنیا کی لذتوں سے زیادہ دیر تک لطف اٹھاتے رہیں اور آخرت کے عذاب سے بچے رہیں۔

ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے۔ کہ اس کی عمر ہزاروں سال کی ہو تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دنیاوی فائدے اٹھا سکے اور آخرت کے عذاب سے بچا رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں اس بات سے خبردار فرماتا ہے۔ کہ ان کی عمر چاہے کتنی ہی لمبی ہو جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکیں گے۔ کیونکہ وہ ان کے ہر عمل سے پوری طرح واقف ہے۔

حضرت جبرائیل کی دشمنی

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ

تو کہہ دے جو کوئی ہو دشمن جبریل کا سو اس نے

نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا

اتارا ہے یہ کلام اور تیرا دل حکم سے اللہ تصدیق کرنے والا ہے

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى

اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِينَ ۙ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَ

ایمان والوں کو جو کوئی ہو دشمن اللہ اور

مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ

اس کے فرشتے اور اس کے پیغمبر اور جبریل اور میکائیل

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۙ

تو اللہ دشمن کافروں کا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ

تو کہہ دے جو کوئی جبریل کا دشمن ہو سو اس نے تو یہ

نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا

کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے کہ تصدیق کرنے والا ہے

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى

اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور ہدایت اور خوشخبری ہے

لِلْمُؤْمِنِينَ ۙ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَ

ایمان والوں کو جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں کا دشمن

مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ

ہو۔ اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۙ

تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔

جبریل (جبریل) یہ ایک بہت بڑے فرشتے کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی

وحی اس کے پیغمبروں کو پہنچائیں۔ جبریل امین ملائکہ مقربین میں شمار ہوتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ایک اور جھوٹی اور بے معنی دلیل کی قلعی کھول دی ہے۔

یہودی کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا پر وقتاً فوقتاً جو عذاب نازل ہوتا رہا ہے۔ اس کی خبریں جبریل ہی لایا کرتا تھا۔ یہ ہمارا

قومی دشمن ہے۔ جس نبی پر بھی یہ فرشتہ وحی لائے گا۔ ہم اسے نہیں مانیں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی جبریل وحی لاتا

ہے۔ اس کے علاوہ ہماری بھید کی باتوں، سازشوں اور تدبیروں کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیتا ہے۔ لہذا ہم

اسلام قبول نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ جبریل کی حیثیت تو محض پیغام پہنچانے والے فرشتے کی ہے۔

اصل میں ہر قسم کا حکم اور عذاب سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ جبریل اور دوسرے فرشتوں یا رسولوں کی دشمنی بالکل

بے معنی ہے۔ اس کی سزا میں کافر خود اللہ تعالیٰ کی دشمنی کے سزاوار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ پہلی کتابوں کے اصولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ (۲) یہ سیدھی راہ دکھانے والی کتاب ہے۔

(۳) یہ ایمان لانے والوں کو نیک اجر اور کامیابی کی خوشخبری سناتا ہے۔

یہودیوں کی عہد شکنی

<p>وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ اور ہم نے تیری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کا وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿٩٩﴾ انکار نہ کریں گے مگر وہی جو نافرمان ہیں۔ أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدُوا عَهْدًا نَبَذًا کیا جب کبھی بائذہیں گے اقرار پھینک دے گی اس کو فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بَلَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ جماعت ان میں سے بلکہ اکثر ان میں اکثر یقین نہیں کرتے۔</p>	<p>وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ اور ہم نے تیری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کا وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿٩٩﴾ انکار نہ کریں گے مگر ناسق۔ أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدُوا عَهْدًا نَبَذًا کیا جب کبھی بائذہیں گے اقرار پھینک دے گی اس کو فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بَلَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ جماعت ان میں سے بلکہ اکثر ان میں نہیں یقین لاتے۔</p>
---	--

آیت بَيِّنَاتٍ: (روشن آیتیں) آیت کا واحد آية ہے۔ اس کے لفظی معنی نشانی کے ہیں۔ یہ لفظ کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً علامات (جو قرآن مجید کے گول گول نشانات کی صورت میں ہیں) اللہ کے احکام و ہدایات کو بھی آیات کہا جاتا ہے۔ نیز وہ تمام باتیں جو اللہ کی قدرت کا نشان ہوں۔ اس کے مفہوم میں شامل ہوتی ہیں۔

بَيِّنَاتٍ کا واحد بَيِّنہ ہے۔ اس کے معنی روشن اور واضح کے ہیں۔ اس پورے جملہ سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے معجزات اور احکام خداوندی بھی۔

یہودی مادہ پرست تھے۔ اسی لیے ان کے نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور مادی معجزے عطا فرمائے۔ ان کے نزدیک ایک پیغمبر کے سچا ہونے کا یہی معیار قائم تھا۔ کہ اس کے پاس معجزات ہوں۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہودی حیرت سے کہنے لگے۔ کہ یہ کیسے نبی ہیں۔ ان کے پاس تو کوئی نشانی نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم ایک نشانی مانگتے ہو۔ ہم تو اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کئی نشانیاں دے چکے ہیں۔ اور نشانیاں بھی بھٹی ہوئی یا دھندلی نہیں بلکہ نمایاں اور روشن جو سب کو نظر آ سکتی ہیں۔ اور انہیں دیکھنے کے بعد کوئی صحیح فطرت والا انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ انکار صرف وہی لوگ کریں گے جو اللہ کے قانون کو توڑنے اور اس کے حکموں سے بغاوت کرنے کے عادی بن چکے ہوں۔

یہودیوں کی تاریخ غداری، عہد شکنی، نافرمانی اور سرکشی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول نشانیاں لے کر آیا۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے کا عہد کر لینے کے بعد بھی اس پر قائم نہ رہے۔ اسی انکار اور نافرمانی کی عادت نے انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اقرار کرنے سے روکا۔

کتاب اللہ کی مخالفت

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ
اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول پہنچا۔
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ
اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَا كِتَابَ اللَّهُ
کی ایک جماعت نے چھینک دیا اللہ کی کتاب کو
وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾
اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ
اور جب ان کے پاس پہنچا رسول سے طرف اللہ
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ
تصدیق کرنے والا اس کی جو ان کے پاس ہے پھینک دیا جماعت سے
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَا كِتَابَ اللَّهُ
وہ جو دی گئی کتاب کتاب اللہ
وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾
پیچھے ان کی پیٹھ گویا وہ نہیں جانتے۔

رَسُولٌ: (رسول) اس کے لغوی معنی پیغام رساں کے ہیں۔ یہ لفظ ہر نبی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ عبارت کے طرز بیان سے ظاہر ہے کہ یہاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور محقق مفسروں نے بھی مراد لی ہے۔
مَعَهُمْ: (ان کے پاس) اس سے مراد تورات ہے جو یہودیوں کی آسمانی کتاب تھی اور جس کی تصدیق نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کی۔

كِتَابَ اللَّهِ: (اللہ کی کتاب) یہاں بھی اس سے تورات مراد ہے۔ جس کی ہدایت کو یہودیوں نے نہ مانا۔ یہ لوگ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہ لائے۔ حالانکہ ان کی کتاب میں کھلی نشانیاں اور پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ یہودی عالموں نے ان پیشین گوئیوں کو چھپانے کی انتہائی کوشش کی اور یہودی عوام نے اسلام اور مسلمانوں کی حد درجہ مخالفت کی۔ حالانکہ ان کی نجات اسلام کے ماننے سے وابستہ تھی۔

وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ (اپنی پیٹھ پیچھے) یہ ایک محاورہ ہے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے بے پروائی برتی اور اس کی عملی مخالفت کی۔
اس آیت میں یہودیوں کو بتایا جاتا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے تشریف نہیں لائے کہ تمہارے دین کو مٹا دیں۔ بلکہ اسے تازگی بخشنے اور نئی زندگی دینے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے ان کی بات نہ ماننا سراسر خود اپنے دین کی جڑ کھود کر اسے برباد کرنا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہودیوں نے اسلام کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ اور تورات میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے متعلق جو بشارتیں موجود تھیں۔ اور نشانیاں بیان کی گئی تھیں۔ انہیں چھپانے کے لئے انہوں نے تورات کو بھی بدل ڈالا اور بظاہر بالکل انجان بن گئے۔ گویا انہیں معلوم ہی نہیں کہ اس میں آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تائید و تصدیق موجود ہے۔

جادو کے عمل

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَى

اور انہوں نے پیروی کی جو پڑھتے تھے شیطان پر

مُلْكٍ سُلَيْمٍ وَمَا كَفَرُوا سُلَيْمٍ

بادشاہت سلیمان اور نہیں کفر کیا سلیمان

وَالْكَفَرُ الشَّيْطَانُ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ

اور لیکن شیطان کفر کیا وہ سمجھتے تھے

النَّاسِ السَّحَرَةَ

لوگ جادو۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَى

انہوں نے اس کی پیروی کی جو شیطان پڑھتے تھے

مُلْكٍ سُلَيْمٍ وَمَا كَفَرُوا سُلَيْمٍ

سلیمان کی بادشاہت کے وقت اور سلیمان نے کفر نہیں کیا

وَالْكَفَرُ الشَّيْطَانُ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ

لیکن شیطان نے کفر کیا وہ لوگوں کو

النَّاسِ السَّحَرَةَ

جادو سمجھتے تھے۔

الشَّيْطَانُ: (شیطان) یہ لفظ شیطان کی جمع ہے۔ یہاں جمع کے صیغے میں استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ سے ابلیس کے علاوہ وہ جن بھی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے تابع تھے۔ اور وہ خبیث اور سرکش تھے۔ جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے۔ ان میں عقل و شعور ہوتا ہے۔ یہ مخلوق انسان کو نظر نہیں آتی۔

بعض مفسروں نے الشَّيْطَانُ سے بُری طبیعت اور گندے اخلاق والے انسان بھی مراد لیے ہیں جو حضرت سلیمان کے خلاف بغاوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے۔ یہ (شیاطین) جادو میں بڑے ماہر تھے۔

سُلَيْمٍ: (سلیمان) بنی اسرائیل کے ایک مشہور منجم گزرے ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے بادشاہ بھی تھے۔ شام اور فلسطین کے علاوہ آپ کی حکومت کی حدیں مشرق کی طرف عراق تک اور مغرب میں مہرتک پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کی سلطنت بڑی شان و شوکت اور عظمت والی تھی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی ایک اور ناروا حرکت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حقیقی وحی ماننے کی بجائے جادو اور سفلی عملیات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ جادو اور سفلی عملیات وہ ہیں۔ جو حضرت سلیمان کے زمانہ میں شیاطین نے عام کر رکھے تھے۔ وہ کفریہ کلمات پر مشتمل ہوتے تھے اور ناجائز طریق پر حاصل کیے جاتے اور بڑے مقاصد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یہ لوگ جادو اور کفر والی حرکتیں تو خود کرتے تھے۔ لیکن انہیں حضرت سلیمان کی طرف منسوب دیتے تھے۔ ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ جادو حضرت سلیمان سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ حضرت سلیمان کی بریت کا اعلان کر دیا۔ اور کہا کہ یہ لوگ سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔

ہاروت و ماروت

وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

(اور اس علم کے پیچھے ہوئے) جو دو فرشتوں پر اترا

بَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ط

بابل شہر میں ہاروت اور ماروت پر۔

وَمَا أُنزِلَ - عَلَى - الْمَلَكَيْنِ

اور جو اترا اور دو فرشتے

بَابِلَ - هَارُوتَ - وَمَارُوتَ ط

بابل میں ہاروت اور ماروت۔

الْمَلَكَيْنِ، (دو فرشتے) یہ دو فرشتے جن کے نام ہاروت و ماروت ہیں۔ اصل میں فرشتے تھے۔ چونکہ اللہ نے انہیں ایک خاص غرض کے لیے بھیجا تھا کہ وہ جا کر لوگوں کو جادو اور سفلی عملیات جیسی حرکتوں سے روکیں۔ ان فرشتوں کو انسانوں میں رہنا تھا۔ اس لیے ان کی شکل و صورت، رنگ و روپ، عادتیں اور جذبات انسانوں جیسے ہی تھے۔

بابل، (بابل) عراق عرب کا قدیم نام ہے۔ اس زمانہ میں ملک کے دار الخلافہ کا نام بھی بابل ہی تھا۔ یہ شہر موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل جنوب کی طرف دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ شہر بہت بڑا تھا۔ انتہائی خوشحال اور ترقی یافتہ تھا۔ جبل اور فرات دو مشہور دریا اس کے علاقہ کو سیراب کرتے تھے۔ یہ ملک خاص طور پر اس لیے بھی مشہور تھا کہ یہاں جادو، جنتر منتر اور سفلی عملیات کا بہت چرچا تھا۔

یہودی ایک تو اس جادو کے علم کی پیروی کرتے تھے جو حضرت سلیمان کے زمانہ میں نصیبت النفس اور شریروں نے جاری کر رکھا تھا۔ اور دوسرے اس علم کی پیروی بھی کرتے تھے جو ملک بابل میں دو فرشتوں کو دیا گیا تھا۔ ان فرشتوں کو یہ علم صرف اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے حالات میں درستی اور اصلاح کریں۔ اور انہیں اس علم کے بڑے پہلوؤں سے واقف کریں۔ لیکن یہودی یہ علم بڑے فائدے اٹھانے کی خاطر سیکھتے اور سکھاتے تھے۔

سحر (جادو) یہ لفظ اسی آیت کے ابتدائی حصہ میں آیا ہے اور پچھلے سبق میں مختصر طور پر اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ عربی میں "سحر" دھوکہ کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے انسان کی نگاہ دھوکہ کھا جائے حقیقت کچھ اور ہو اور ظاہر کچھ اور ہو۔ معجزہ اور سحر میں دوسری باتوں کے علاوہ بڑا فرق یہ ہے کہ معجزہ میں ماہیت بدل جاتی ہے لیکن سحر (جادو) سے حقیقت نہیں بدلتی۔ صرف نظر دھوکہ کھا جاتی ہے۔

اسلام نے جادو کو حرام قرار دیا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ جادو گر مشرکانہ جذبے استعمال کرتے ہیں۔ ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اور جادو اچھے بڑے کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بھلا کوئی نبی اور اللہ کے فرشتے ایسے کام کیونکر کر سکتے ہیں۔

سفلی عملیات کی خرابیاں

وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ	وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ
وہ دونوں کسی کو (جادو) نہیں سکھاتے تھے۔ جب	اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں کسی ایک کو جب تک
يَقُولُوا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرُوا	يَقُولُوا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرُوا
تک نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لیے ہیں تو کافر نہ ہو	کہہ دیتے اس کے برا نہیں ہم۔ فتنہ۔ سو نہ کافر ہو
فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ	فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ
پھر وہ سیکھتے ان سے وہ جو جدا دیتے اس سے	پھر وہ سیکھتے ان سے وہ جو جدا دیتے اس سے
بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ	بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ
اس کی بیوی میں جدا دیتے۔	درمیان مرد اور اس کی بیوی۔

يُعَلِّمِينَ، (وہ دونوں سکھاتے تھے) یہ لفظ تعلیم سے ہے۔ اس کے معنی سکھانے اور درس دینے کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ کہ فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ بلکہ یہاں تعلیم کے معنی جتلانے اور بتلانے کے ہیں۔

فِتْنَةٌ: (آزمائش) فتنہ کے معنی خرابی، فساد اور بتری کے علاوہ امتحان و آزمائش کے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں آزمائش کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔

بابل شہر کے بعض فساد پسند لوگ ان فرشتوں کے پاس آتے۔ اور ان سے کہتے کہ آپ جادو کے علم اور سفلی عملیات سے تو روکتے ہیں۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ جادو کہتے کیسے ہیں۔ اور وہ کون سے اعمال ہیں۔ جن پر جادو سے کام لینا یا فائدہ اٹھانا کفر ہے۔ یہ بتانے کے بعد جب وہ فرشتے انہیں جادو کے بارے میں کچھ بتاتے اور ساتھ اعمال و اقوال بھی سناتے تو یہ فساد ہی لوگ انہیں پتے باندھ لیتے اور فن کے طور پر استعمال کرتے۔

اللہ تعالیٰ یہودیوں کی اس شرارت کے بارے میں مزید یہ بات بھی بتاتا ہے کہ وہ لوگ جادو اور سفلی عملیات میں زیادہ تر ان عملیات کی مشق کرتے تھے جن کی مدد سے میاں بیوی کے درمیان جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو۔ حالانکہ ایسا کرنا بدترین کام ہے کہ دو دلوں میں اختلاف پیدا کرایا جائے۔ اور خاص طور پر میاں بیوی میں جھگڑا پیدا کرنا بدترین فعل ہے۔

باروت و ماروت کی یہ تشبیہ کافی ہونی چاہیے تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایک آزمائش بتلاتے تھے۔ اور یہود کو کفر و سرکشی سے باز رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ ان کی تشبیہ پر کان نہ دھرے بلکہ سرکشی اور شیطنیت میں لگے رہے۔

گھائے والا سودا

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ

اور وہ کسی کا نقصان نہیں کر سکتے
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَيَتَعَلَّمُونَ مَا

اللہ کے حکم کے بغیر اور وہ چیز سیکھتے ہیں جو
يُضْرَهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ

ان کا نقصان کرے اور نہ ان کا فائدہ نہ کرے اور وہ
عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي

خوب جان چکے ہیں کہ جس نے یہ اختیار کیا اس کے لیے
الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ط وَلَيْسَ مَا

آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور جس کے بدلے
شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوا

بیچا جس کے بدلے اپنے آپ کو کاش ان کو
يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَ

سمجھ ہوتی - اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ
اتَّقَوْا لَشَوْبَةَ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ط

تقویٰ کرتے تو بدل پاتے سے نزدیک اللہ بہتر
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

کاش ان کو سمجھ ہوتی -

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ

اور نہیں وہ نقصان کر سکتے اس سے کسی ایک
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَيَتَعَلَّمُونَ مَا

بغیر حکم سے اللہ اور سیکھتے ہیں وہ جو
يُضْرَهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ

ان کا نقصان کرے اور نہ ان کا فائدہ کرے اور وہ جو
عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي

جان چکے ہیں جس نے یہ اختیار کیا نہیں اس کے لیے میں
الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ط وَلَيْسَ مَا

آخرت سے حصہ اور بہت بری وہ چیز
شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوا

بیچا جس کے بدلے اپنے آپ کو کاش ان کو
يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَ

سمجھ ہوتی - اور اگر وہ ایمان لاتے اور
اتَّقَوْا لَشَوْبَةَ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ط

تقویٰ کرتے تو بدل پاتے سے نزدیک اللہ بہتر
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

کاش ہوتی انہیں سمجھ -

آیت کے اس ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے جادو اور سفلی عملیات کی اصل حقیقت کھول کر بیان فرمائی ہے اور اس کا نتیجہ بھی بتایا ہے۔ اگرچہ وہ دوسروں کے نقصان کے لیے جادو کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ وہ ہمارے حکم کے بغیر کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ بلکہ اس سے خود انہی کا نقصان ہوتا ہے۔ ان بڑے اعمال میں پھنس کر وہ اپنی عاقبت کو بگاڑ رہے ہیں۔ لیکن ہے۔ وہ دنیا کے کچھ عارضی فائدے اٹھالیں۔ لیکن آخرت میں ان کے لیے کوئی نعمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے ایک معمولی سی چیز کے بدلے اپنے آپ کو اور اپنی آخرت کو قربان کر دیا۔ وہ ان کے حق میں بہت ہی مفر ہے۔ اگر اس روش کی بجائے وہ نیکی کی راہ اختیار کرتے۔ اللہ پر ایمان لاتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تو یقیناً اللہ انہیں بہتر اجر دیتا۔

الفاظ کا غلط استعمال

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - لَا تَقُولُوا رَاعِنَا - وَ قُولُوا انظُرْنَا - وَ اسْمَعُوا - وَ لِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۳﴾

اے وہ لوگ جو ایمان لائے نہ کہو
اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو اور
راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور
راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور
للكافرين عذاب اليم ﴿۱۳﴾
کافروں کے لیے عذاب دردناک -
کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے -

راعنا، (راعنا) اس کا مطلب ہے ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو۔
انظرنا، (ہمیں دیکھ) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو۔ اور ہماری رعایت کرو۔ یہودی حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ اور آپ کی وعظ و نصیحت سنتے۔ اگر کوئی بات نہ سن سکتے۔ اور دوبارہ پوچھنا چاہتے
تو "راعنا" کہتے۔

ان سے یہ کلمہ سن کر کبھی کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو۔ اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو۔
یہودی دراصل لفظ "راعنا" بدنیستی اور مسخرے پن سے کہتے تھے۔ وہ اس لفظ کے عین کا زیر ذرا بڑھا کر کہتے اور یہ لفظ "راعنا" ہو
جاتا۔ (یعنی ہمارا چروانا) اور یہودی کی زبان میں لفظ "راعنا" احمق کو بھی کہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کلمہ کے ادا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ اس جگہ "انظرنا" بولا کرو جس کے معنی ہیں۔ ہمارے
اوپر نظر کیجئے۔ اس لفظ میں مذمت اور تمسخر کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے۔ اسمعوا یعنی غور سے سنتے رہا کرو۔ تاکہ
پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

اسمعوا کے حکم سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں اور نصیحتوں کو غور سے سننا چاہیے اس لیے جو
لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی ہدایت کے لیے لفظ قرآن کافی ہے۔ انہیں خود قرآن کے فیصلہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اور دیکھنا
چاہیے کہ اس آیت میں اور دیگر آیات میں آپ کے ارشادات کے سننے اور ماننے پر کتنا زور دیا گیا ہے۔ ایک اور آیت میں ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہر امر میں تمہارے لئے قطعی اور آخری فیصلہ ہے (سورہ نسا) اسی سورت میں اس سے قبل ارشاد
ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور تم میں سے جو لوگ فیصلہ کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ ان کی اطاعت کرو۔
آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیح کر کے اور آپ کو بڑے کلموں سے خطاب کر کے بے ادبی
کرنے پر تے ہوئے ہیں۔ وہ کافر ہیں۔ ان کی سزا کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

کفار کا تعصب

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا - مَنْ - أَهْلِ
 نہیں چاہتے وہ لوگ جو کافر ہیں سے اہل
 الْكِتَابِ - وَ - لَا - الْمُشْرِكِينَ - أَنْ يُنَزَّلَ
 کتاب اور نہ مشرک کہ اترے
 عَلَيْكُمْ - مِنْ - خَيْرٍ - مِنْ - رَبِّكُمْ - وَ - اللَّهُ
 تم پر کوئی نیک بات سے تمہارا رب اور اللہ
 يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ - مَنْ يَشَاءُ ط - وَ - اللَّهُ
 خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے - اور اللہ
 ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ⑩
 فضل والا بڑا -

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
 وہ لوگ جو کافر ہیں نہیں چاہتے اہل
 الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ
 کتاب میں اور نہ مشرکوں میں سے اس بات کو کہ تم پر
 عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ
 تمہارے رب کی طرف سے کوئی نیک بات اترے اور اللہ
 يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ
 خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہے - اور اللہ
 ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ⑩
 بڑے فضل والا ہے -

الَّذِينَ كَفَرُوا: (جن لوگوں نے کفر کیا - یعنی کافر) یہ لفظ کفر سے بنا ہے - کفر کے لفظی معنی چھپانا ہیں - اور اسلام کی اصطلاح میں اللہ اور رسول کے منکر کو کافر کہا جاتا ہے -

أَهْلِ الْكِتَابِ: (اہل کتاب) یہ اصطلاح قرآن مجید میں کسی بار استعمال ہوئی ہے - کتاب والے ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے پاس کوئی الہامی اور آسمانی کتاب موجود ہو - اہل ایمان اور کفار کے علاوہ دوسری جماعت ہے - اہل کتاب میں مشہور ترین یہودی اور عیسائی ہیں جن کے پاس توریت اور انجیل الہامی کتابیں ہیں - افسوس! یہ دونوں گروہ آہستہ آہستہ ان کتابوں کی تعلیمات سے دور بھٹک گئے -

الْمُشْرِكِينَ: (مشرک) یہ لفظ شرک سے بنا ہے - مشرک اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات یا اس کی قوت اور حکموں میں کسی اور کو شریک ٹھہرائے - اللہ واحد کے سوا کسی اور کو معبود بنا لے - اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ تمام کافر، مشرک اور اہل کتاب اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں چھوڑ کر مسلمانوں پر برکتیں اور نعمتیں کیوں نازل کرتا ہے -

پھر فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل کے لیے چن لیتا ہے - اس لیے کسی کو کسی پر حسد نہیں کرنا چاہیے اور جن قوموں سے نبوت چھین لی گئی - وہ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بخیل ہے - بلکہ خود ان قوموں کے اعمال کی وجہ سے وہ اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے -

آیات کی تنسیخ

مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِئُهَا

ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا جلا دیتے ہیں
ناتٍ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ

تو اس سے بہتر یا اس کے برابر بھیج دیتے ہیں کیا
تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر شے پر
قَدِيرٌ ﴿۱۳۶﴾ أَلَمْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ

قادر ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمان
لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ

اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اور
مَا لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ

تہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہے
وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۳۷﴾

اور نہ مددگار۔

مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِئُهَا

جو ہم منسوخ کرتے ہیں سے آیت یا جلا دیتے ہیں
ناتٍ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ

ہم بھیج دیتے ہیں بہتر اس سے یا اس کے برابر کیا نہیں
تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

تجھے معلوم کہ اللہ اور ہر شے
قَدِيرٌ ﴿۱۳۶﴾ أَلَمْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ

قادر۔ کیا نہیں تجھے معلوم کہ اللہ
لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ

اس کے لیے سلطنت آسمان اور زمین اور
مَا لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ

نہیں تہارے لیے سے سوا اللہ سے حمایتی
وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۳۷﴾

اور نہ مددگار۔

مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ (جو آیت منسوخ کرتے ہیں) اس جملہ میں دو لفظ غور کے قابل ہیں۔ ایک آیت دوسرے نسخ (بدلتا) آیت کے لفظی معنی نشانی کے ہیں۔ اور اس سے مراد کئی چیزیں لی جاتی ہیں مثلاً معجزہ جو اللہ کی قدرت اور نبی کی نبوت کا نشان ہوتا ہے۔ حکم الہی اور قرآن حکیم کی آیتیں (گول گول نشان) وغیرہ۔

نسخ کے معنی ہیں "ہم منسوخ کرتے ہیں" یعنی ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم دیتے ہیں۔ پہلے حکم کو ختم کر کے دوسرا حکم جاری کرتے ہیں۔ جہاں تک معجزہ کے بدلنے کا تعلق ہے۔ تو یہ عام بات ہے کہ ایک معجزہ کو منسوخ کر کے دوسرا معجزہ اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے۔ جسے وہ بدلے ہوئے زمانہ کے مطابق پہلے سے زیادہ موزوں سمجھتا ہو۔ جہاں تک دوسرے معنی کا تعلق ہے اس میں مزید دو باتیں نکلتی ہیں ایک تو پہلی آسمانی کتابوں کی آیتیں اور دوسرے خود قرآن مجید کی آیتیں۔ سابقہ آسمانی کتابوں کا قرآن مجید کے آجانے کے بعد منسوخ ہو جانا تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔

قرآن مجید کی آیات (گول گول نشان) بعد کے زمانہ میں لگائے گئے ہیں۔ شروع میں یہ نشان موجود نہ تھے۔ لہذا ان کے منسوخ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ صحیح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیات کے منسوخ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے پہلے احکام اور قدیم کتب کی جگہ قرآن مجید کے جدید احکام آگئے ہیں اور یہ احکام پہلے حکموں کو منسوخ کرتے ہیں۔

نبی سے سوالات

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو

كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ

جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال ہو چکے ہیں

وَمَنْ يَتَّبِدْ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لیوے تو

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۳۸﴾

وہ سیدھی راہ سے بھٹکا۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ

کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو تمہارا رسول

كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ

جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے قبل

وَمَنْ يَتَّبِدْ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

اور جو لے کفر ایمان کے بدلے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۳۸﴾

تو وہ بھٹکا سیدھی راہ۔

گذشتہ سبق میں آیات کے منسوخ ہونے کے بارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو کوئی آیت منسوخ کرتا ہے یا لوگوں کو بھلاتا ہے تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت ضرور نازل فرمادیتا ہے۔ واقعات اور تاریخ کی روشنی میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جب بھی کوئی کتاب انسانوں کے ذہن سے فراموش ہوئی یا منسوخ قرار پائی۔ تو دوسری کتاب اس جیسی یا اس سے بہتر نازل ہوگئی اور اللہ کے بندے اللہ کی ہدایت سے محروم نہ رکھے گئے۔

اس آیت میں ایک اور اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے کے بارہ میں ہدایت، یہودی مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے بارے میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور انہیں کہتے کہ ان کو دور کرنے کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب معلوم کرو۔ دراصل ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اگر مسلمان ہمارے مذہب کو قبول نہیں کرتے تو کم از کم وہ اپنے دین سے ہی بد دل ہو جائیں گے اور اپنی مذہبی تعلیم سے بدگمان ہو جائیں گے۔ بعض مسلمان ان کی اس سازش اور چال سے بے خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر بے تکے سوال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چیز سے منع فرمادیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے کی ممانعت ایک اور مقصد سے بھی ہوئی ہے۔ بار بار سوال کرنے سے انسان اپنے اوپر خود پابندی اور مشکلات کے اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ آسان حکم مشکل ہو جاتے ہیں۔ جن باتوں میں آزادی ہوتی ہے۔ حکم آنے سے ان باتوں میں بھی پابندی لگ جاتی ہے۔ یہود کے ساتھ ہی ہوا۔ گائے کا واقعہ بطور مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔

کفار کا حسد

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ

پہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کاش
يُرُدُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا

تہیں پھیر دیں سے بعد تمہارے ایمان کفر
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ

حسد سے نزدیک اپنے دل سے بعد
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَ

جب ظاہر ہو گیا ان پر حق تم درگزر کرو اور
اصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ

خیال نہ کرو جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

بے شک اللہ اوپر ہر چیز پر قادر ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ

بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں۔ کاش
يُرُدُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا

تہیں ایمان کے بعد کفر میں لوٹا دیں
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ

اپنے دلی حسد کے سبب اس کے بعد
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَ

کہ ان پر حق ظاہر ہو گیا تم درگزر کرو اور
اصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ

خیال میں نہ لاؤ جب تک اللہ کا حکم آئے۔
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس سے پہلے سبق میں کفار اور یہود کے اس رویہ کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے انبیاء سے جاوید بیجا سوالات کرتے رہے ہیں۔ اور آخر کار انہوں نے اپنی غلط روش سے ایمان کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کر لی۔ اب مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ وہ تمہیں بھی اسی طرح ایمان سے درخلا کر کفر کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ کفار اور یہود کی اس خواہش کی وجہ سے ان کا دلی حسد اور بغض ہے۔ جو اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں ان کے اندر موجود ہے۔

حسد کے معنی ہیں کسی کی خوبی، ترقی اور اچھائی کو دیکھ کر دل میں کڑھنا۔ اور یہ خواہش کرنا کہ اس سے چھین کر مجھے مل جائے۔ جو شخص کسی سے حسد کرتا ہے۔ وہ صرف اس سے دشمنی نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت میں اللہ کے دین پر اعتراض کرتا ہے۔ اور بلا وجہ اپنے دل ہی دل میں جلتا ہے۔ حسد سے کچھ حاصل وصول نہیں ہوتا۔ البتہ اخلاق ضرور بگڑتے ہیں۔ اور ایمان زائل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا آخری حکم آنے تک ان سے درگزر کی جائے۔ جب تک وہ دشمنی کی آخری منزل تک نہ پہنچ جائیں۔ اور حجت قائم نہ ہو جائے۔ انتظار کیا جائے۔

آخرت کا توشہ

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو
 وَمَا تَقَدَّمُوا لِنَفْسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ
 اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے سے بھلائی
 تَجِدُوا عِنْدَ اللَّهِ - إِنْ شَاءَ اللَّهُ -
 وہ پاؤ گے پس اللہ بے شک اللہ
 بِمَا تَعْمَلُونَ - بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾
 جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ یہودیوں کے اسلام قبول نہ کرنے کا بڑا سبب ان کا حسد تھا۔ وہ اس بات سے بہت جلتے تھے کہ نبوت ان کے اسرائیلی خاندان سے نکل کر بنو اسمعیل میں کیوں چلی گئی ہے۔ اور محض اس تعصب اور حسد کی آگ کی وجہ سے حق قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے۔

وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو بھی ان کے دین سے پھیر کر اپنے ساتھ بلا لیں۔ اور انہیں بھی کافر بنا دیں۔ اس لیے وہ ان کے دلوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ دین اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر اعتراض کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمان اپنا دین نہ چھوڑیں گے تو کم سے کم اپنے مذہب کی طرف سے ضرور بدل ہو جائیں گے اور اس طرح مذہب اسلام میں کمزوری پیدا ہو جائے گی۔

یہودیوں کے اس حملے اور کوشش کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم ان کی طرف توجہ نہ دو بلکہ اللہ کے آخری حکم جہاد کے اعلان کا انتظار کرو۔ اور اس اثناء میں دو بنیادی اصولوں پر جم جاؤ۔ اول یہ کہ نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یہ دونوں اصول ایسے ہیں جن سے فرد اور جماعت دونوں کی قوت بڑھتی ہے اور وہ دین سے برگشتہ نہیں ہو سکتی۔

دوسرے بے شمار فوائد کے علاوہ نماز قائم رکھنے سے قوم کی تنظیم مضبوط ہوتی ہے۔ لوگوں کا آپس میں تعلق گہرا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے لیے متحد رہتے ہیں۔ زکوٰۃ سے دولت تقسیم ہوتی ہے۔ غریب لوگ امیر بن جاتے ہیں اور اپنی مالی کمزوری کے سبب کسی لالچ میں آکر دین سے برگشتہ نہیں ہوتے۔

اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اگر تم یہ نیک عمل کرتے رہو گے۔ تو ان کا اجر تمہارے رب کے پاس موجود ہوگا۔ کیونکہ وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا ہے۔ انسان کی ادنیٰ سی کوشش بھی رائیگاں نہیں جاتی۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے دشمنوں کے حملوں اور سازشوں سے بچنے کے لیے ان دو اصولوں کو مضبوطی سے تھام لیں۔

جنت کا مستحق کون ہے

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا

اور کہتے ہیں ہرگز نہیں جائیں گے جنت مگر

مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِيًّا تِلْكَ

جو ہوں گے یہودی یا نصرانی یہ

أَمْثَلُهُمْ قُلُوبًا بَرَّهَا نِكْمَانٌ

ان کی آرزوئیں کہہ دے لے آؤ اپنی سند اگر

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ

تم ہر سچے کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا

وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ

اپنا منہ اللہ کے لیے اور وہ نیک کام کرنے والا تو اسی کے لئے

أَجْرًا عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اس کا ثواب پاس اس کے رب اور نہ ڈر ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا

اور کہتے ہیں کہ ہرگز جنت میں نہ جائیں گے مگر

مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِيًّا تِلْكَ

وہ جو یہودی یا نصرانی ہوں گے یہ ان کی

أَمْثَلُهُمْ قُلُوبًا بَرَّهَا نِكْمَانٌ

آرزوئیں ہیں کہہ دے اگر تم سچے ہو تو اپنی

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ

سند لے آؤ۔ کیوں نہیں جس نے اپنا

وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ

منہ اللہ کے تابع کر دیا اور وہ نیک کام کرنے والا ہے

أَجْرًا عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

تو اس کا ثواب اس کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ ڈر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

أَمْثَلُهُمْ قُلُوبًا (ان کی آرزوئیں) یہ امنیہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں آرزو۔

وَجْهَهُ (اپنا منہ) وجہ کے لفظی معنی چہرے یا منہ کے ہیں لیکن محاورہ میں اس سے مراد اکثر وجود اور ذات ہوتی ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔

دنیا کی تمام سابقہ قوموں اور قدیم مذہب والوں کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے جدا جدا گروہ بنا کر دین کی سچائی ضائع کر دی جو حقیقت میں ایک ہی تھی اور سب کو یکساں طور پر دی گئی تھی۔ اب ہر گروہ دوسرے کو جھٹلاتا ہے اور صرف اپنے آپ کو سچائی کا وارث سمجھتا ہے۔ یہودی بھی اس گمراہی میں مبتلا تھے۔ اور انہیں یہ خیال تھا کہ سچائی صرف ان کے پاس ہے وہی جنت میں جائیں گے۔ قرآن مجید نے بتایا کہ یہ ان کی من گھڑت باتیں اور جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو وہ پیش کریں۔ اب قرآن مجید اس لیے بھیجا گیا ہے۔ کہ سب کو اسی مشترک سچائی پر جمع کر دیا جائے! اللہ کا فرمانبردار بن کر نیک کام کرنا ہی دینداری ہے کوئی گروہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ سچا ہے اور دوسرے سب جھوٹے ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو اللہ کا حکم مانے گا اور نیکی اختیار کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔ ایسا کرنے والے کو نہ تو اپنی پچھلی زندگی کا غم ہوگا اور نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا یہ اطمینان اولیاء اللہ (اللہ کے نیک بندوں) کی نشانی ہے۔

مذہبی گروہ بندیاں

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرِيُّ عَلَىٰ

شَيْءٍ ۚ وَقَالَتِ النَّصْرِيُّ لَيْسَتِ الْيَهُودُ

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ

قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیۡمَا

كَانُوۡا فِیۡهِ يَخْتَلِفُوۡنَ ۝۱۱۳

جس بات میں دُہ جھگڑتے تھے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرِيُّ عَلَىٰ

شَيْءٍ ۚ وَقَالَتِ النَّصْرِيُّ لَيْسَتِ الْيَهُودُ

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ

قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیۡمَا

كَانُوۡا فِیۡهِ يَخْتَلِفُوۡنَ ۝۱۱۳

تھے اس میں جھگڑتے تھے۔

لَا يَعْلَمُونَ، (جاہل) یہاں علم سے مراد ہے آسمانی کتاب کا علم اور علم نہ رکھنے والے ان جاہل لوگوں سے مراد ہیں مشرکین اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جس کی بنیاد کسی آسمانی کتاب پر نہ ہو۔

بَيْنَهُمْ: (ان میں) مراد ہے ان دو گروہوں کے درمیان جن میں ایک فریق اہل ایمان کا ہے اور دوسرا گروہ باطل پرستوں کا ہے۔ تمام اہل کتاب اللہ کی دی ہوئی سچائی اور تعلیم کی پیروی کرنے کی بجائے مذہبی فرقہ بندی میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یہی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سیدھی راہ پر ہے اور دوسرے تمام فرقے اصل راہ سے بھٹک گئے ہیں مثلاً یہودیوں نے جب دیکھا کہ عیسیٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا وہ کافر ہیں۔ اور جب عیسائیوں نے دیکھا کہ یہودی حضرت عیسیٰ سے منکر ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ کافر ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں گروہ اللہ کی دی ہوئی کتابیں پڑھتے ہیں۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کے پاس آسمانی کتاب تو کوئی نہیں۔ لیکن انہوں نے خود ہی یہ عقیدے گھڑ رکھے ہیں۔ کہ وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور دوسرے تمام فرقے حقیقی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ ان لوگوں میں عرب کے مشرکین اور دوسرے باطل پرست شامل ہیں۔

قرآن مجید نے یہ بتایا کہ یہ مذہبی فرقہ بندی بالکل فضول ہے۔ اصل چیز اللہ کے حکم ماننا اور نیک عمل کرنا ہے۔ جو شخص ان دونوں اصولوں پر کاربند ہوگا۔ بس وہی سیدھی راہ پر ہے۔

مساجد کو ویران کرنے والے

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ
 اور سے بڑا ظالم جس نے منع کیا مسجدیں اللہ
 أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا - وَسَعَى - فِي
 کہ لیجائے جس میں اس کا نام اور کوشش کی میں
 خَرَابَهَا - أُولَئِكَ - مَا - كَانَ - لَهُمْ - أَنْ
 ان کا اباڑنا ایسے نہیں تھے ان کو کہ
 يَدْخُلُوهَا - إِلَّا - خَائِفِينَ لَهُمْ - فِي
 داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے میں
 الدُّنْيَا - خِزْيٌ - وَ - لَهُمْ - فِي - الْآخِرَةِ - عَذَابٌ
 دنیا ذلت اور ان کے لیے میں آخرت عذاب
 عَظِيمٌ ﴿۱۱۳﴾

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ
 اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ کی مسجدوں میں
 أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي
 منع کیا کہ وہاں اس کا نام لیا جائے اور ان کے اباڑنے کی
 خَرَابَهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ
 کوشش کی ایسوں کو لائق نہیں کہ ان میں
 يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي
 داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا
 الدُّنْيَا خِزْيٌ وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
 میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب
 عَظِيمٌ ﴿۱۱۳﴾

- ۴ -

بڑا۔

مَسْجِد (مسجدیں) مسجد کی جمع ہے۔ لفظی معنی ہیں مسجدہ کرنے کی جگہ۔ یعنی مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد مسجد حرام بھی لی جاتی ہے۔

اس آیت کے شان نزول کی وضاحت میں دو واقعے بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ عیسائیوں نے یہودیوں سے جنگ کی۔ تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا۔ دوسرا یہ کہ مکہ کے مشرکوں نے سترہ میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو صرف تعصب کی بنا پر مسجد حرام یعنی بیت اللہ (خانہ کعبہ) میں جانے سے روکا۔ اہل کتاب کی مذہبی تعصب پرستی اور فرقہ بندی کی حدیبیہ ہو گئی۔ کہ دوسرے گروہوں کی عبادت گاہوں کا احترام دل سے اٹھ گیا۔ انہیں برباد کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ نہ کی۔ اور خود اپنی عبادت گاہوں میں غیر فرقہ کے لوگوں کو داخل ہونے سے روکا۔ حالانکہ سب دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ وہ ایک خدا کو مانتے ہیں۔

علماء نے کہا کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے۔ برے کام اور بات کرنے سے مسجد کی بربادی سمجھی جائے گی اس کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کا باعث بنیں۔ وہ سب اس آیت کے حکم میں داخل ہو جاتی ہیں اس لیے ایسی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے جن سے مسجد کی رونق کم ہو۔ اور لوگوں کا مسجد میں آنا کم یا بند ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان پر لازم ہے کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوں تو ان کے دل خدا کے خوف سے لرزتے ہوں۔ لیکن چونکہ وہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اس لئے انہیں دنیا میں بھی رسوا کن عذاب ملے گا۔ اور دوسری زندگی میں بھی بہت بڑا عذاب ہوگا۔

ہر طرف اللہ ہی کا جلوہ ہے

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا

تَوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

كَرِيمٌ عَلِيمٌ ۝۱۱۵

وَأَسِعَ عَلَيْهِمُ ۝۱۱۵

والا سب کچھ جانتے والا ہے۔

وَاللَّهُ - الْمَشْرِقُ - وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا

تَوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ - إِنَّ اللَّهَ

كَرِيمٌ عَلِيمٌ ۝۱۱۵

وَأَسِعَ عَلَيْهِمُ ۝۱۱۵

بے انتہا بخش کرنے والا سب کچھ جانتے والا ہے۔

وجہ، لفظی معنی ہیں چہرہ۔ اس کے دوسرے معنی ذات کے بھی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم جس طرف بھی رخ کرو۔ اللہ کی ذات وہاں موجود ہے۔ اور تم جہاں بھی جاؤ۔ اللہ کو موجود پاؤ گے۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب اسی کے ہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی زمان و مکان کی قید میں ہے۔ اس لیے اس کی طرف منہ کرنے کے لیے ہمیں بھی کسی خاص سمت کی طرف مڑنا چاہیے۔ وہ یہ سمت خود ہی فرض کر کے اس کی طرف منہ کر کے پوجا کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ میں بھی آپس میں اسی بات کا جھگڑا تھا۔ ہر ایک نے ایک سمت مقرر کر رکھی تھی۔ وہ اسی سمت کو بہتر تصور کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس باطل عقیدے کی تردید کی۔ اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص عبادت گاہ کی چار دیواری کے اندر محدود نہیں ہے اور نہ وہ کسی مکان اور سمت میں قید ہے بلکہ جہاں کہیں بھی اسے اخلاص کے ساتھ یاد کیا جائے وہ متوجہ ہوگا۔ وہ کسی خاص مقام کسی خاص شہر یا سمت سے مخصوص اور وابستہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نہ تو صرف مشرق کو پسند کرتا ہے اور نہ صرف مغرب کو۔ بلکہ تمام سمتیں اسی کی ہیں۔ وہی ساری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ وہ ہر جگہ ہے۔ اس لیے جس جگہ اور جس طرف رخ کر کے خلوص کے ساتھ پکارا جائے گا۔ وہ ضرور متوجہ ہوگا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون سچے دل سے مجھے پکارتا ہے اور کون محض دکھاوے کے لیے۔

اس آیت کا ایک شان نزول یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مسافر اور سوار کو قبلہ کا رخ معلوم کرنا چونکہ مشکل ہوتا ہے اس لیے حکم ہوا کہ اس وقت جس طرف بھی رخ کر کے عبادت کرو گے۔ وہ قبول ہوگی۔ کیونکہ اللہ ہر سمت اور ہر جگہ پر حاوی ہے۔ چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کے لیے قبلہ کا صحیح رخ معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف دل گواہی دے۔ اس طرف رخ کر کے نماز ادا کر لو۔ اور نفل نماز اگر سواری پر ہو تو خواہ سواری کی سمت بدل جائے۔ تم اپنی نماز جاری رکھو۔

اللہ کی کوئی اولاد نہیں

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ

اور کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے وہ پاک ہے

بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بلکہ اسی کا ہے جو کچھ میں آسمان (جمع) اور زمین

كُلُّ لَّهُ قٰنِیْنُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

سب اسی کے تابع فرمان۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ

اور کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے وہ سب باتوں سے پاک ہے۔

بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے۔

كُلُّ لَّهُ قٰنِیْنُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

پھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کا یہ خیال غلط ہے۔ کہ اللہ کسی خاص سمت کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف منہ کرنے کے لیے ہمیں بھی کسی خاص سمت کی طرف مڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی۔ اور فرمایا ہے۔ کہ وہ کسی خاص سمت یا عبادت گاہ کی چار دیواری میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام کائنات کا مالک ہے۔ اور اس کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے جس طرف بھی چاہو رخ کر کے خدا کو یاد کر لیا کرو۔ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔

اِتَّخَذَ، (رکھتا ہے) یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً بنانا، پکڑنا اور اختیار کرنا۔ اور مفہوم ان سب ترجموں کا ایک ہی ہوتا ہے۔

قٰنِیْنُوْنَ، (تابع فرمان) اس کا واحد قانت ہے۔ یعنی حکم ماننے والا اور اطاعت گزار۔ قنوت اسی لفظ سے ہے۔ نماز وتر کی دعا کو دعائے قنوت اسی لیے کہتے ہیں۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور فرہم داری کا عہد ہوتا ہے۔

عیسائیوں کا ایک اور باطل عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ شرک کی بدترین قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان کی تمام بیہودہ باتوں سے پاک ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ وہ ایک ہے۔ وہ تمام کائنات کا مالک ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے۔ سب اسی کے حکم کے تابع ہے۔ ہر جگہ اسی کی سلطنت ہے۔ مخلوق سے اس کا تعلق یہ ہے کہ ساری کائنات اور جن و بشر اس کے عبادت گزار اور تابع فرمان ہیں۔ وہ سب کا معبود و مسجود ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں اس کے حکم کے آگے سر جھکاٹے ہوئے ہیں۔ انسان کا کمال بھی اسی میں ہے کہ اس کے آگے سر جھکا دے اور اس کے سوا کسی کا تابع فرمان بن کر نہ رہے۔

امت مسلمہ توحید کی علمبردار ہے اور وہ اسی عقیدے کی تبلیغ کرتی ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہمیں ہمیشہ اس سے بچنا چاہیے اور توحید کا یقین دل سے کرنا چاہیے۔

كُنْ فَيَكُونُ

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
 زمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور
 إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ
 جب کسی کام کو حکم کرتا ہے تو اس کو یہی فرماتا ہے
 كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۴﴾
 کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

بَدِيعُ - السَّمَوَاتِ - وَالْأَرْضِ ط - وَ
 پیدا کرنے والا ہے آسمان اور زمین اور
 إِذَا - قَضَىٰ - أَمْرًا - فَإِنَّمَا - يَقُولُ - لَهُ
 جب حکم کرتا ہے کام تو یہی فرماتا ہے اس کو
 كُنْ - فَيَكُونُ ﴿۱۱۴﴾
 ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

بَدِيعُ: (بغیر مادے کے اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا) یہ لفظ بدیع سے بنا ہے۔ لفظ ابداع بھی اسی سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ مادہ کے بغیر نیست سے ہست کرنا۔ نمونے کے بغیر کوئی چیز بنا دینا اور مثال اور نمونے کے بغیر بنانا۔ بدیع سے مراد ہے۔ ایسا موجد اور صنّاع جو حقیقی معنی میں پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ جسے نہ کسی آلے کی ضرورت ہے اور نہ کسی مال مسالہ کی۔ نہ وہ کسی نمونہ کا محتاج ہے۔ نہ کسی استاد کا۔ ہر چیز خواہ اس کا وجود اور نمونہ پہلے موجود ہو یا نہ ہو۔ وہ اسے وجود بخشنے والا ہے۔ زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شے اسی نے پیدا کی ہے۔

اس آیت میں مُشْرک قوموں کے غلط عقیدوں کو رد کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مادہ پہلے سے کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ پس اسے اللہ نے ترتیب و ترکیب دے کر کائنات کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی صفت بدیع بنا کر یہ فرمایا کہ صرف اسی کی ذات قدیم ازلی وابدی ہے۔ اس نے تمام موجودات کو ایجاد کیا ہے۔ جن کا پہلے بالکل کوئی نمونہ موجود نہیں تھا۔ زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شے کو اسی نے نیست سے ہست کی شکل دی ہے اس کے لیے ہر چیز کو بالکل نئے ہرے سے بغیر نمونہ کے اور بغیر مادے کے پیدا کرنا نہایت سہل بات ہے۔

كُنْ فَيَكُونُ، (ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کو کائنات کی تخلیق اور ایجاد میں اسباب اور وسائل کی ضرورت نہیں صرف اس کا حکم اور اشارہ کافی ہے۔ اسی حقیقت کو اس مختصر سے جملے میں بیان کیا گیا ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی قدیم ہے۔ ایک وقت ایسا تھا۔ جب اسی کا وجود تھا اور باقی کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ اسی نے اپنے ارادہ سے ان سب کو ایجاد کیا۔ اسے نہ کسی شریک کار کی ضرورت ہوئی ہے اور نہ کسی معادون و مددگار کی۔ وہی تمام چیزوں کو نئی شکلیں دیتا ہے۔ مادہ پرست لوگوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ وہ کسی کا محتاج ہے یا اسے کسی کی احتیاج اور ضرورت ہے۔

واضح دلائل

<p>وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْ لَأَيُّكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلًا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١١٨﴾</p>	<p>وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْ لَأَيُّكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلًا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١١٨﴾</p>
<p>اور وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہتے ہیں اللہ ہم سے کیوں بات نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت (کیوں نہیں) آتی۔ اسی طرح وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے۔ ان ہی کی سی بات کر چکے ہیں۔ ان کے دل ایک جیسے ہیں۔ بیشک ہم نے ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں، نشانیاں بیان کر دیں۔</p>	<p>اور کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں جانتے کیوں نہیں ہم سے بات کرتا اللہ یا ہمارے پاس آئی آیت آتی۔ اسی طرح کہہ چکے وہ لوگ جو ان سے پہلے جیسی ان کی بات ایک جیسے ہیں ان کے دل بیشک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔</p>

الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، (وہ لوگ جو نہیں جانتے) یعنی حقیقی مذہبی علوم سے محروم ہیں۔ یہاں خاص طور پر مشرک مراد ہیں۔

لَأَيُّكَلِّمُنَا، (ہم سے بات نہیں کرتا) یعنی رسولوں اور نبیوں کے واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ براہ راست ہم سے بات کیوں نہیں کرتا۔

آیة، (آیت) لفظی معنی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ معجزہ کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ یہاں بھی مراد معجزہ ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اگر نبی اور رسول سے بات کرتا ہے تو ہم سے بلا واسطہ اور براہ راست کلام کیوں نہیں کرتا۔ یا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق کے لیے کوئی انوکھی نشانی (معجزہ) کیوں نہیں بھیجتا تا کہ ہم اسے دیکھ کر خود ہی اس نبی کو سچا مان لیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی انہی کی طرح فرمائشیں کی تھیں۔ ان لوگوں کا عقلی، روحانی اور اخلاقی معیار بہت پست تھا۔ اور ان کا بھی پست ہے۔ گویا ان دونوں کے دل بے بصیرتی اور ناحق شناسی میں ایک ہی جیسے ہیں۔ ان کی اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے صرف ایک معجزہ مانگا ہے ہم تو پہلے ہی بہت سے کھلے کھلے معجزے بھیج چکے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچائی، امانت، پاکبازی اور عقل و فہم میں بے نظیر ہونا۔ قرآن مجید کا ہر طرح سے بے مثال ہونا۔ تمہارا اس کے جواب میں عاجز رہنا حضرت رسول خدا کا معراج میں جانا۔ شق القمر کا معجزہ رونما ہونا وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَ

بیک ہم نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور
نَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ

ڈرانے والا اور دوزخ میں رہنے والوں کی نسبت تجھ

الْجَحِيمِ ۝۱۱۹

سے پوچھ نہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ - بَشِيرًا ۚ وَ

بیک ہم نے تجھے بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور
نَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ

ڈرانے والا اور نہیں تجھ سے پوچھ سے والے

الْجَحِيمِ ۝۱۱۹

دوزخ۔

بِالْحَقِّ، (حق کے ساتھ) مراد یہ ہے کہ راہِ حق کی طرف ہدایت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ آپ
سچی باتیں بتلانے والے ہیں۔ حق کے لئے روشن دلائل اور واضح ثبوت پیش کرنے والے ہیں۔
بَشِيرًا، (خوشخبری دینے والا) یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور اللہ اور نبی کے احکام کی پیروی کریں۔ آپ انہیں نیک اعمال
کے بدلے دنیا و آخرت میں فلاح و بہتری کی خوشخبری دینے والے ہیں۔
نَذِيرًا، (ڈرانے والا) یعنی جو لوگ انکار اور سرکشی کریں۔ انہیں ان کے اعمالِ بد کے بدلے دنیا اور آخرت میں بُرے انجام
سے ڈرانے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دو بہت اہم خصوصیات ہیں۔
کفار اور مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں اور قرآن مجید کی صداقت کے بارہ میں شک کرتے تھے اور
یہ دلیل دیتے تھے کہ اللہ اگر اس رسول سے کلام کر سکتا ہے۔ تو ہم بھی تو انسان ہیں۔ ہم سے کیوں نہیں کرتا۔ یا اسے کوئی بہت
بڑا معجزہ کیوں نہیں دے دیتا جس سے اس کی رسالت و صداقت خود بخود سچ ثابت ہو جائے۔
اُن کے اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک معجزہ مانگتے ہو۔ ہم تو بہت سے معجزے اپنے رسول کو
دے چکے ہیں۔ لیکن انہیں صرف وہی لوگ مانیں گے جو خلوص دل سے سچائی کے طلب گار ہیں۔ اور حق کا یقین کرتے ہیں اور وہ
لوگ نہیں مانیں گے جن کا نقطہ نظر محض شک و اشتباہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم نے تجھے دینِ حق دے کر بھیجا ہے۔ جو لوگ
تیرے پیچھے چلیں گے۔ وہ ایمان دار ہیں۔ اور ان کے لئے تو نیک اجر کی خوشخبری دینے والا ہے البتہ جو تیرے پیچھے نہیں چلیں گے۔
وہ کافر ہیں۔ اور وہ دوزخ میں جائیں گے۔ اُن کے لئے تو اس انجامِ بد کی خبر دینے والا ہے۔ نبی کا کام صرف اللہ کا حکم پہنچا
دینا ہے، اور بس۔ کافروں کو مسلمان بنا دینے کی ذمہ داری نبی پر نہیں ہوتی ہے۔

یہود و نصاریٰ کی خواہش

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا

اور ہرگز نہ راضی تجھ سے یہود اور نہ

النَّصْرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ

نصاری جب تک تو تابع نہ ہو ان کا دین تو کہہ دے

إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَ

جو راہ بتائے اللہ وہی سیدھی راہ اور

لَئِنْ أَتَيْتَ أَهْوَاءَ هُمُومِ بَعْدَ الذِّكْرِ

اگر تو تابعداری کرے ان کی خواہشیں بعد وہ جو

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ

تجھے پہنچا سے علم نہیں تیرا سے اللہ

مَنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۲۰﴾

سے کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا

اور تجھ سے یہودی ہرگز نہ راضی ہوں گے۔ اور نہ

النَّصْرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ

نصاری جب تک تو ان کے دین کے تابع نہ ہو تو کہہ دے

إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَ

جو اللہ راہ بتائے وہی راہ سیدھی ہے۔ اور اگر (بالفرض)

لَئِنْ أَتَيْتَ أَهْوَاءَ هُمُومِ بَعْدَ الذِّكْرِ

تو ان کی خواہشوں کی تابعداری کرے اس علم کے بعد

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ

جو تجھ کو پہنچا تو اللہ کے ہاں سے تیرا کوئی

مَنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۲۰﴾

حمایت کرنے والا اور مددگار نہیں۔

تفسیر

مِلَّتَهُمْ (ان کا دین) اور وہیں لفظ مِلَّتِ قوم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی مسلک دین اور طریقہ کے ہوتے ہیں۔

أَهْوَاءَهُمْ (ان کی خواہشیں) اہواء سے مراد وہ خیالات اور آراء ہیں جن کی بنیاد علم یا حقیقت پر نہ ہو۔ بلکہ نفسانی خواہشوں پر ہو۔ اہواء کا واحد ہوا ہے۔

یہودی اور عیسائی اس قدر متعصب تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ ان سے کتنا ہی ہمدردی کا برتاؤ کرتے یا ان کی کتنی ہی رعایت کرتے۔ وہ ہرگز آپ کی بات سننے اور ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔ وہ صرف اسی صوت میں آپ سے خوش ہو سکتے تھے۔ جب آپ ان کا دین قبول کر لیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقی راہ ہدایت اور سچا دین وہی ہے جو اس نے اپنے رسول کو بتایا ہے یعنی خدا پرستی اور نیک عملی۔ جتنی الگ الگ گروہ بندیاں کر لی گئی ہیں۔ یہ سب انسانی گمراہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ جو شخص اللہ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ سے جان بوجھ کر منہ موڑے گا۔ اس کے لیے سخت سزا مقرر ہے اور اس سزا سے بچانے والا اس کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔

اس آیت سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں اول یہ کہ اہل کتاب کا دین اس قدر بدل چکا ہے کہ اس میں ان کی جھوٹی خواہشوں اور آرزوؤں کے سوا کچھ باقی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حقیقی راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے انسان پر بخوبی واضح کر دیا ہے۔

کتاب سابقہ میں تائید

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۲۱﴾

وہ لوگ جن کو ہم نے دی کتاب وہ اسے پڑھتے ہیں۔ جیسے حق اس کا پڑھنا وہی ایمان لاتے ہیں اس پر اور جو انکار کرے وہ لوگ ہیں۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۲۱﴾

وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پڑھتے ہیں۔ جیسے حق پڑھنے کا حق ہے وہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو انکار کرے وہ لوگ ہیں۔

نقصان پانے والے ہیں۔

حَقَّ تِلَاوَتِهِ، (اس کے پڑھنے کا حق) تلاوت کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ لفظ تلو اس کا مادہ ہے اس کے لفظی معنی پیچھے چلنے کے ہوتے ہیں۔ لہذا اس جملے کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ وہ لوگ اللہ کی کتاب کو یوں پڑھتے ہیں۔ جیسے پڑھنے کا حق ہے۔ یعنی اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلتے ہیں اور اس میں کمی بیشی نہیں کرتے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ: (جنہیں ہم نے کتاب دی) مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔

پچھلی آیت میں مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ بتایا گیا تھا۔ یعنی یہ کہ حق پسندی اور حقیقت بینی کی جگہ گروہ پرستی کی روح کام کو رہی ہے۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ایک انسان کا اعتقاد اور عمل کیسا ہے۔ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے گروہ میں داخل ہے یا نہیں؟ جب لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ دلائل کچھ کام نہیں دے سکتے۔ کتنی ہی سچی اور معقول باتیں کیوں نہ کہی جائیں۔ ان لوگوں کے لئے سب بیکار ہوتی ہیں۔

آج کے سبق میں بتایا گیا ہے کہ اگر اہل کتاب ضد، نفسانیت اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اخلاص اور نیک نیتی سے کام لیں۔ اور اپنی کتابوں کو خلوص دل سے پڑھیں۔ تو وہ قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے قائل ہو جائیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

جو لوگ اپنی کتابوں میں بھی تبدیل و تحریف کرتے ہیں۔ ان کے احکام میں نیک ارادے سے غور نہیں کرتے۔ وہ کبھی قرآن مجید کی صداقت کے قائل نہیں ہوں گے۔ وہ تعصب، ہٹ دھرمی، نفس پرستی اور گروہ بندی میں مبتلا ہیں۔ اور اگر یہی لچھن رہیں تو ہمیشہ کفر میں مبتلا رہیں گے۔ وہ لگانا حق سے انکار ہی کرتے رہیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا میں بھی نقصان اٹھائیں گے اور آخرت میں تباہ و برباد ہوں گے۔

یومِ آخرت میں گرفت

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اذْكُرْ وَاَنْعَمْتَ

اے بنی اسرائیل ہمارے احسان یاد کرو
الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَرْتِي

جو میں نے تم پر کئے اور یہ کہ میں نے
فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ

تہیں اہل عالم پر بڑائی دی اور
اتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ

اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کے
عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ

ذرا کام نہ آئے اور نہ اس کی طرف سے بدلہ قبول
مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ

کیا جائے گا اور نہ اسے سفارش کام آئے گی اور نہ
وَلَا هُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

انہیں مدد پہنچے گی۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ - اذْكُرُوا - نِعْمَتِي

اے بنی اسرائیل یاد کرو ہمارے احسان
الَّتِي - اَنْعَمْتُ - عَلَيْكُمْ - وَ - اَرْتِي

جو میں نے کئے تم پر اور میں نے
فَضَّلْتُكُمْ - عَلَي - الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ

تہیں بڑائی دی اور اہل عالم - اور
اتَّقُوا - يَوْمًا - لَا - تَجْزِي - نَفْسٌ

ڈرو دن نہ کام آئے کوئی شخص
عَنْ - نَفْسٍ - شَيْئًا - وَ - لَا - يُقْبَلُ

سے کوئی ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائے گا
مِنْهَا - عَدْلٌ - وَ - لَا - تَنْفَعُهَا - شَفَاعَةٌ

اس سے بدلہ اور نہ اسے کام آئے گی سفارش
وَلَا - هُمْ - يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور نہ انہیں مدد پہنچے گی۔

یہ دونوں آیتیں آپ پہلے بھی سبق نمبر (۷۰) اور (۷۸) میں پڑھ چکے ہیں۔ وہاں سے بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوا تھا اور یہاں تک ان کی علمی اور عملی کمزوریاں بیان کی گئی ہیں۔ انہیں سیدھی راہ یعنی اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ واضح اور روشن دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم رحتی نبی ہیں اور ان پر ایمان لانا اور ان کی تعلیمات پر ثابت قدم رہنا ہر فرد کے لیے لازم ہو گیا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ تعصب ضد، مذہبی گروہ بندی اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راہ راست کو اختیار کر لو۔

اب انہیں دوسری بار پھر وہی باتیں یاد دلائی جا رہی ہیں۔ اور آخرت کے نتائج سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ دنیا میں انسان کسی کی مدد سے، بدلے یا جرمانہ سے، سفارش یا زور سے بچ سکتا ہے لیکن اللہ کے ہاں ان میں سے کوئی چیز بھی کام نہ دے گی۔ وہاں انسان کے صرف اپنے عمل کام آئیں گے۔ نذرانے، جرمانے، سفارش، دوستی یا کسی کی مدد کام نہ آسکے گی۔

حضرت ابراہیمؑ کی قیادت و امامت

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ

اور جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے آزمایا کئی باتوں میں
فَاتَمَّتْهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ

پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھے سب لوگوں

لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ

کا پیشوا بناؤں گا۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ

اور جب آزمایا ابراہیمؑ اس کا رب کئی باتوں میں
فَاتَمَّتْهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ

پھر اس نے وہ پوری کیں فرمایا میں تجھے بناؤں گا

لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ

لوگوں کا پیشوا۔

إِبْرَاهِيمَ: (ابراہیم) اس جلیل القدر نبی کے نام سے ہر شخص واقف ہے۔ آپ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ کے جدا مجد تھے۔ آپ کا وطن بابل تھا اور باپ کا نام آذر تھا۔ ان کی نسل میں دو سلسلے چلے۔ ایک حضرت اسمعیلؑ کی اولاد سے ایک حضرت اسمعیلؑ کی اولاد سے۔ پہلے سلسلہ کے نبیوں کو اسرائیلی انبیاء کہا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان، داؤد، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) دوسرے خاندان میں ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جدا انبیاء کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ عیسائی یہودی سمجھی ان کی عزت کرتے ہیں۔

إِذِ ابْتَلَىٰ: (جب آزمایا) یہ لفظ بلیہ سے نکلا ہے۔ اس کے معنی مٹھیت اور آزمائش کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بزرگ نبی کو کئی طریق پر آزمایا۔ مثلاً بت پرست اور بت گربا پ نے گھر سے نکالنے کی دھمکی دی۔ قوم نے جلا وطن کرنے کا ڈراوا دیا۔ بادشاہ نے آگ میں ڈال دیا مگر وہ اسلام سے باز نہ آئے اور حق پر قائم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیوی بچہ کو جنگل میں چھوڑ آنے اور بچہ کو قربان کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس حکم کو بھی پورا کر دکھایا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی امتحان ہوئے اور وہ ہر ایک میں کامیاب رہے۔

إِمَامًا: (پیشوا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ امامت فقط روحانی اور مذہبی پیشوائی نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سیاسی اعتبار سے بھی برتری اور سرفرازی عطا فرمائی۔ وہ اپنے زمانہ میں واقعی سردار اور پیشوا بنے۔ لوگوں نے انکی پیشوائی تسلیم کی۔

امامت کی وراثت

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا

اس نے کہا اور سے میری اولاد اس نے کہا نہیں

يُنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿١٣٣﴾

میرا اقرار ظالموں کو نہیں پہنچتا ہے۔

قَالَ - وَ - مِنْ - ذُرِّيَّتِي - قَالَ - لَا

اس نے کہا اور سے میری اولاد اس نے کہا نہیں

يُنَالُ - عَهْدِي - الظَّالِمِينَ ﴿١٣٣﴾

پہنچتا ہے میرا اقرار ظالموں کو۔

ذُرِّيَّتِي: (میری اولاد) اس لفظ ذُرِّيَّةٌ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یعنی اس میں اولاد اور اولاد کی اولاد بھی شامل ہے حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے۔ حضرت اسمعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ (ان سب پر اللہ کا سلام ہو) ان دونوں کی نسل ان کی ذریت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو بڑی برکت دی۔ ان میں بے شمار نبی و رسول پیدا ہوئے۔ یہودیوں کو اپنی نسلی برتری کا بہت گھمنڈ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔ اور تورات میں لکھا ہے کہ خدا نے اس کی نسل کو برکت اور فضیلت دی۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ اول تو اس فخر و امتیاز اور نسلی برتری میں بنو اسمعیل بھی شامل ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا کا وعدہ صرف نیک کرداروں کے لئے تھا نہ کہ بد کرداروں کے لیے۔ جن لوگوں نے ایمان و عمل کی سعادت کھو دی۔ ان کے لئے نسل کا شرف کچھ بھی باعث امتیاز نہیں۔

گذشتہ امتوں کے راہ حق سے بھٹک جانے کے بعد اللہ تعالیٰ منصب امامت کے لیے امت محمدیہ کی بنیاد رکھ رہا ہے اس لئے ضروری تھا کہ دعوت قرآن کے ظہور کی مفہوم تاریخ بیان کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب القدرؑ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کئی طریقہ سے امتحان لیا۔ انہیں آزمائش میں ڈالا۔ بعض مصائب میں مبتلا کیا۔ لیکن وہ سب میں کامیاب نکلے اور صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس کامیابی کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے پیشوا اور امام بنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ آیا یہ امت پیشوائی کا منصب اس کی نسل کو بھی عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کے لیے نہیں ہوگا۔ یعنی تیری نسل کو یہ منصب ضرور ملے گا۔ لیکن اسی صورت میں جبکہ وہ لوگ ظالم نہ ہوں اور اگر انہوں نے نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کر لی۔ تو پھر یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔

ایک مدت دراز تک امامت و قیادت حضرت ابراہیمؑ کی نسل کے اندر حضرت یعقوبؑ کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہی جب وہ گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے حق ادا نہ کیا تو یہ امامت ان سے چھن کر حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسمعیلؑ کی اولاد میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہو گئی۔ اب یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس کے اہل ثابت کریں۔

خانہ کعبہ کی اہمیت

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو مقرر کیا لوگوں کے واسطے اجتماع کی جگہ

وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ

اور امن کی جگہ اور (کہہ دیا) کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ

إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى

کو نماز کی جگہ بناؤ۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

اور جب ہم نے مقرر کیا خانہ کعبہ اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے

وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ

اور امن کی جگہ اور بناؤ سے کھڑے ہونے کی جگہ

إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى

ابراہیم نماز کی جگہ۔

الْبَيْتِ، (خانہ کعبہ) بیت کے لفظی معنی گھر کے ہیں۔ البیت سے مراد البیت اللہ الحرام (خانہ کعبہ) ہے۔ یہ عمارت مکہ معظمہ میں ہے۔ یہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے اور قرآن مجید نے بھی اس کے قدیم اور اولین عبادت گاہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس مرکز قدیم کو قرآن مجید میں اَوَّلَ بَيْتٍ بھی کہا گیا ہے، اسے خانہ کعبہ، بیت اللہ اور قبلہ بھی کہتے ہیں۔

مَثَابَةً: (اجتماع کی جگہ) یہ لفظ ثوب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کا اصلی حالت کی طرف لوٹنا۔ اس لیے مَثَابَةً کے معنی ہوئے۔ وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور اس کا جی نہ بھرے۔ البیت الحرام کا یہ وصف ہے کہ لوگ بار بار حج کرتے ہیں اور اس سے اکتاتے نہیں۔

لِّلنَّاسِ، (لوگوں کے لیے) عام لوگ مراد ہیں۔ جو زیارت کے لیے آئیں۔ خانہ کعبہ کے گرد، دنیا کے ہر خطہ ہر علاقہ اور ہر ملک کے لوگ ہر سال حج و زیارت اور عمرہ کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

أَمْنًا، (امن کی جگہ) کعبہ کی عمارت اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ جو حرم میں داخل ہے۔ اس میں خود زری یا جانوروں کا شکار قطعاً منع ہے۔ قبل اسلام قاتل اور مجرم بھی بچنے کے لیے خانہ کعبہ کی دیواروں کے درمیان آکر پناہ لیتے تھے۔

مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ: (ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ) مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر خانہ کعبہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ حج کے موقع پر طواف کے بعد اس حجرے کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

مُصَلًّى: (نماز پڑھنے کی جگہ) اردو میں ہم مصلیٰ اس کپڑے یا چٹائی وغیرہ کو کہتے ہیں، جس پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی جائے عربی میں ہر اس جگہ کو بھی مصلیٰ کہا جاتا ہے، جہاں نماز ادا کی جاتی ہو۔

حج کے مراسم

وَعَهْدُنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ - وَاسْمِعِيلَ

اور ہم نے حکم دیا کہ ابراہیم اور اسمعیل

أَنَّ طَهَّرْنَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ

کہ پاک رکھیں میرا گھر طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والے

وَالرُّكَّعِ - السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

اور رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے۔

وَعَهْدُنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَاسْمِعِيلَ

اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل کو حکم دیا کہ میرا گھر پاک رکھیں

أَنَّ طَهَّرْنَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ

طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں اور

وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

عہدنا: (ہم نے حکم دیا) یہ لفظ عہد سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اقرار۔ لیکن یہاں یہ لفظ امرنا کے معنی میں ہے۔ یعنی ہم نے حکم دیا۔

اسْمِعِيلَ، (اسمعیل) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔ عرب کا مشہور قبیلہ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں میں سے ہیں۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم آپ کو اور آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کو ملا۔

طَهَّرْنَا: (پاک کر رکھو) لفظ طَهَّرْنَا سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پاکیزگی۔ اس کے اندر ظاہری صفائی اور پاکیزگی کے علاوہ معنوی پاکیزگی کا حکم بھی آجاتا ہے۔ یعنی کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک رکھو۔

بَيْتِي، (میرا گھر) اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو "میرا گھر" کہہ کر پکارا ہے۔ اس سے خانہ کعبہ کی عظمت و بزرگی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ الطَّائِفِينَ: (طواف کرنے والوں کے لیے) حج کے وقت کعبہ کا طواف یعنی اس کے گرد چکر کاٹنا فرض ہے۔ خانہ کعبہ میں توجید کا اعلان سب سے پہلے ہوا۔ اس لیے اس کے گرد طواف کرنا گویا زبان سے اقرار کرنا ہے۔ کہ ہماری ساری عبادتوں کے لیے اعمال اور ساری زندگی کا مرکزی نقطہ محض توجید الہی ہے۔

عَاكِفِينَ: (اعتکاف کرنے والے) یہ لفظ عكوف سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی جگہ ٹھہرنے کو تعظیماً لازم کر لینا۔ شریعت کی اصطلاح میں عکوف اور اعتکاف سے مراد ہے۔ مسجد کے اندر عبادت کی نیت سے ایک مدت تک قیام کرنا۔ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع ہے۔ تاکہ یہودیوں پر ثابت کر دیا جائے کہ جن کی نسل پر وہ غرور کر رہے ہیں ان کی تعلیم کیا تھیں پھر یہ کہ اس حبیب اللہ پیغمبر سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اسے اس کی قربانیوں کے بدلے میں لوگوں کا پیشوا بنا دیا جائے گا لیکن یہ منصب اعزاز اسکی نسل کے بدکار لوگوں کو نہیں ملے گا۔ اس لیے چونکہ یہودی اصل راہ سے ہٹ چکے ہیں اس لیے ان سے یہ منصب چھین کر اولاد ابراہیم کی دوسری شاخ کو دیا جا رہا ہے۔

مکہ — امن والا شہر

وَإِذْ قَالَ - قَالَ - اِبْرَاهِيمُ - رَبِّ - اجْعَلْ
 اور جب کہا ابراہیم رب بنا
 هَذَا - بَلَدًا - اٰمِنًا - وَارْزُقْ - اَهْلَهُ
 یہ شہر امن والا اور روزی دے اس کے رہنے والے
 مِنْ - الثَّمَرَاتِ - مَنْ - اٰمِنٌ - مِنْهُمْ
 سے پھل (جمع) جو کوئی ایمان لائے ان میں سے
 بِاللهِ - وَ - الْيَوْمِ - الْاٰخِرِ - قَالَ - وَ
 اللہ پر اور دن قیامت فرمایا اور
 مَنْ - كَفَرَ - فَاَمْتِعْهُ - قَلِيْلًا - ثُمَّ
 جو کفر کرے میں اسے بھی نفع پہنچاؤنگا تھوڑے دن پھر
 اَصْطَرَّةً - اِلَى - عَذَابِ - النَّارِ - وَ
 اسے جبراً بلاؤں گا طرف عذاب آگ اور
 بئْسَ - الْمَصِيْرُ ﴿۱۴۶﴾
 وہ بری ہے رہنے کی جگہ۔

وَإِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ
 اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو
 هَذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَارْزُقْ اَهْلَهُ
 امن والا بنا اور اس کے رہنے والوں کو
 مِنْ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمِنٌ مِنْهُمْ
 پھلوں کی روزی دے ان میں سے جو کوئی
 بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ
 اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے فرمایا جو کفر
 مَنْ كَفَرَ فَاَمْتِعْهُ قَلِيْلًا ثُمَّ
 کرے اس کو بھی تھوڑے دنوں نفع پہنچاؤں گا پھر اسے
 اَصْطَرَّةً اِلَى عَذَابِ النَّارِ وَ
 جبراً دوزخ کے عذاب کی طرف بلاؤں گا اور وہ
 بئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴۶﴾
 رہنے کی بہت بُری جگہ ہے۔

قَلِيْلًا: (تھوڑے دنوں) مراد ہے دنیا کی زندگی۔ کیونکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی سی ہے۔

فَاَمْتِعْهُ، (پھر اسے بھی نفع پہنچاؤں گا) یہ لفظ متاع سے نکلا ہے جس کے معنی نفع اور ساز و سامان کے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو چند دعائیں کہیں اول یہ کہ اس عمارت کو، اس کے شہر کو اور ارد گرد کے علاقہ کو امن والا بنا دے۔ دوم یہاں کے رہنے والوں کو جو مومن ہوں چل اور میوے کھانے کو دے آپ کی یہ دونوں دعائیں پوری ہوئیں چنانچہ اس جگہ پر خوزیری ہوتی ہے نہ ڈاکے پڑتے ہیں جیستی کہ جانور کا شکار تک نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ ساری زمین سخت پتھر ملی اور تیلی ہے لیکن تازہ چل میوے ترکاریاں اور غلے وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا گیا تھا کہ ظالموں اور بدکاروں کو امامت و پیشوائی کے منصب سے محروم رکھا جائے گا۔ آپ نے اس حکم کو یاد رکھا اور مکہ کے رہنے والوں کے لیے پھلوں کی روزی کی دعا کرتے وقت صرف ایمانداروں کے لیے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ دینی سرکاری صرف اہل ایمان اطاعت کیلئے ہی مخصوص ہے البتہ دنیوی زندگی سے کافروں اور منکروں کو بھی محروم نہ کیا جائے گا مگر یہ چیزیں انہیں صرف دنیا ہی میں تھوڑے عرصے کی زندگی میں ملیں گی۔ اس کے بعد قیامت کے روز انہیں ان کی نافرمانی کی سزا میں جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کے لئے دعا

وَاذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمَ الْقَوَاعِدَ مِنْ

وَاذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمَ - الْقَوَاعِدَ - مِنْ

الْبَيْتِ - وَاسْمِعِلْ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

الْبَيْتِ - وَاسْمِعِلْ رَبَّنَا - تَقَبَّلْ مِنَّا

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۴۷﴾

اِنَّكَ - اَنْتَ - السَّمِيعُ - الْعَلِيمُ ﴿۱۴۷﴾

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ لَكَ وَ

رَبَّنَا - وَاجْعَلْنَا - مُسْلِمِيْنَ - لَكَ - وَ

مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

مِنْ - ذُرِّيَّتِنَا - اُمَّةً - مُّسْلِمَةً - لَّكَ

وَارِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا

وَ - اَرِنَا - مَنَاسِكَنَا - وَتُبْ - عَلَيْنَا

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۸﴾

اِنَّكَ - اَنْتَ - التَّوَّابُ - الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۸﴾

تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

یَرْفَعُ: (اٹھاتے تھے) کعبہ کی عمارت کی بنیادیں حضرت آدم علیہ السلام اپنے زمانہ میں رکھ گئے تھے۔ یہ عمارت خستہ ہو کر ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے اب اسے از سر نو اٹھایا جا رہا تھا۔ یہ لفظ دفعہ سے بنا ہے۔ اس کے معنوں میں اٹھانا اور بلند کرنا دونوں مفہوم شامل ہیں۔

مُسْلِمِيْنَ: (حکم بردار) اس سے دو معنی مراد ہیں۔ ایک اللہ کی توحید ماننے والے۔ دوسرے اسلام کے عام احکام کے پابند حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام ویسے تو اس وقت بھی مسلم تھے۔ دعا کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری فرمانبرداری کو زیادہ کر اور قائم رکھ۔

اس کا واحد مسلمہ ہے۔ اسلام بھی اسی مادہ سے ہے۔ مسلم کے لفظی معنی ہیں سلامتی چاہنے والا، امن دینے والا، اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والا۔ اُمَّةً مُّسْلِمَةً: (فرمانبردار جماعت) اُمَّة کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ اور مسلمہ کے معنی فرمانبردار اور اطاعت شعار کے ہیں جس کی پوری مصداق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہوئی۔

مَنَاسِكَنَا: (حج کرنے کے قاعدے) یعنی دینی قاعدے خاص طور پر حج کے آداب وغیرہ۔ انہیں مراسم حج بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام جب کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو ساتھ ہی ساتھ دعائیں کرتے جاتے تھے کہ اے رب ہماری فرمانبرداری میں ترقی دے۔ ہماری نسل سے فرمانبردار اُمت پیدا کر۔ ہمیں دین کے قاعدے اور حج اور بیت اللہ کی زیارت کے آداب سکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

آنحضرت کی چار خصوصیات

رَبَّنَا - وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

ہمارے رب! ہمیں بھیج ان میں سے رسول انہی میں سے

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ - وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

پڑھے ان پر تیری آیتیں اور انہیں سکھادے کتاب

وَالْحِكْمَةَ - وَيُزَكِّيهِمْ - إِنَّكَ - أَنْتَ

اور دانائی کی باتیں اور انہیں پاک کر دے بے شک تو ہی

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۲۹)

زبردست بڑی حکمت والا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

اے ہمارے رب! ہمیں بھیج ان میں سے ایک رسول بھیج کہ ان

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ - وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

میں تیری آیتیں پڑھے اور انہیں سکھادے کتاب اور

وَالْحِكْمَةَ - وَيُزَكِّيهِمْ - إِنَّكَ - أَنْتَ

دانائی کی باتیں اور انہیں پاک کرے بیشک تو ہی بہت

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۱۲۹)

زبردست بڑی حکمت والا ہے۔

منہم (ان ہی میں سے) حضرت ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام مل کر دعا کر رہے ہیں کہ ہم دونوں کی نسل سے

ایک امت مسلمہ (اپنی فرمانبرداری امت) پیدا کر اور یہ بھی کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج صاف ظاہر ہے کہ اس سے

مراد یہ ہے کہ وہ نبی اسمعیل کی نسل سے ہو۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسمعیل کی

اولاد میں سے پیدا ہوئے۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ (ان پر تیری آیتیں پڑھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت

آیات ہے۔ یعنی اللہ کا کلام پہنچانا اور پڑھانا۔ گویا آپ کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (انہیں کتاب سکھادے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف تبلیغ اور پیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا۔

آپ کا کام کتاب الہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ گویا آپ کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہے۔

وَالْحِكْمَةَ (دانائی کی باتیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا کام حکمت و دانائی سکھانا، قرآنی احکام و مسائل سمجھانا دین

کے قاعدے اور آداب سکھانا اور زندگی کے گونا گوں اور سچیدہ مسائل کا اسی کی روشنی میں بہترین حل بتانا ہے۔ گویا آپ کی تیسری

حیثیت مرشد اعظم کی ہے۔

يُزَكِّيهِمْ (انہیں پاک کر دے) تزکیہ سے مراد دل کی صفائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا کام اپنی صحبت

و تربیت سے اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کا اخلاص پیدا کرنا ہے۔ یعنی آپ کی چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا

بھی کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری نسل سے ایک اپنی فرمانبرداری امت پیدا کر۔ ان ہی میں سے ان میں ایک نبی مبعوث

فرما۔ اس کی چار خصوصیات ہوں۔ وہ کتاب اللہ سنائے، پڑھائے، سمجھائے اور اس کے ذریعے دلوں کو پاک کرے۔ یعنی وہ مبلغ بھی

ہو معلم بھی حکیم و مرشد بھی ہو اور مصلح بھی۔ یہ تمام باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پوری ہوئیں۔

دین ابراہیمی

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ
 إِلَّا مَنِ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ
 اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي
 الْآخِرَةِ لَلصَّالِحِينَ ﴿١٢٠﴾

اور کون ہے جو ابراہیم کے مذہب سے پھرے اور
 الا من سفہ نفسه ۚ و لقد
 اصطفینہ فی الدنیا و انہ فی
 ہم نے اسے منتخب کیا میں دنیا اور بیشک وہ ہیں
 الاخرة لالصالحین ﴿۱۲۰﴾

آخرت سے نیک (جمع)

اور کون ہے جو ابراہیم کے مذہب سے پھرے اور
 الا من سفہ نفسه ۚ و لقد
 اصطفینہ فی الدنیا و انہ فی
 ہم نے اسے منتخب کیا میں دنیا اور بیشک وہ ہیں
 الاخرة لالصالحین ﴿۱۲۰﴾

آخرت سے نیک (جمع)

یَرْغَبُ عَنْ (پھرے) یَرْغَبُ لفظ رغبت سے بنا ہے جس کے معنی مائل اور متوجہ ہونا ہیں۔ جب اس کے ساتھ عن آئے تو معنی برعکس ہو جاتے ہیں یعنی کسی کے خلاف جانا اور منہ پھیر لینا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ملت ابراہیم کی بنیاد عین دین فطرت پر ہے۔ اس کی تعلیمات طبع سلیم کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اس سے تو وہی شخص منہ موڑ سکتا ہے۔ جس کی فطرت ہی سلیم نہ رہی ہو اور منسوخ ہو چکی ہو۔

ملت ابراہیمی وہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج فقط اسلام دے رہا ہے۔ یہاں دین اسلام کو ملت ابراہیم کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مخاطب یہاں یہود و نصاریٰ ہیں اور انہیں بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید نہیں کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتا۔ تمہارے ہی بزرگ اور پیشوا حضرت ابراہیم کے دین کی جانب نہیں بلارہا ہے۔

یہود و نصاریٰ نے اپنے معصوم نبیوں کے بارے میں جھوٹے اور بیہودہ قصے گھڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ان کے الزامات کو قرآن مجید غلط قرار دیتا ہے۔ اور جہاں جہاں انبیاء کا ذکر آتا ہے۔ ان کی اخلاقی اور روحانی عظمت کو بھی بیان کرتا ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں دنیا میں ہر قسم کی نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے چن لیا تھا۔ اور انہیں منصب نبوت و رسالت عطا کیا تھا۔ انہیں دنیا میں لوگوں کا مذہبی اور روحانی پیشوا مقرر فرمایا۔ اور آخرت میں وہ یقیناً نیک اور صالح لوگوں میں شمار ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و بزرگی بیان کرنے سے قرآن مجید کا مقصود یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو بتایا جائے کہ جس جلیل القدر پیغمبر کو وہ اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ ان کا دین یہی تھا۔ جو آنحضرت صلعم پیش کر رہے ہیں۔ اگر وہ ان کو اپنا مذہبی راہنما مانتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ یہی ان کے باپ دادا کی راہ ہے۔

حضرت ابراہیم کی وصیت

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ

یاد کرو جب اسے اس کے رب نے کہا کہ حکم برداری کر تو بولا

أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَ

کہ میں تمام عالم کے پروردگار کا حکم بردار ہوں اور

وَصِيًّا بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَنِيهِ وَ

یہی وصیت ابراہیم اپنے بیٹوں کو کر گئے۔ اور یعقوب کو

يَعْقُوبَ ط يَبْنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى

یعقوب اے بیٹو بے شک اللہ نے تمہیں

لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ

چُن کر دین دیا ہے سو تم ہرگز نہ مرنا

أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾

مگر مسلمان

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ

جب کہا اس کو اس کا رب حکم برداری کر بولا

أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَ

میں حکم بردار ہوں پروردگار تمام عالم اور

وَصِيًّا بِهَا إِبْرَاهِيمَ بَنِيهِ وَ

وصیت کر گیا یہی ابراہیم اپنے بیٹے اور

يَعْقُوبَ ط يَبْنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى

یعقوب اے بیٹو بے شک اللہ چن کر دیا

لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ

تمہیں دین سوہرگز نہ تم مرنا مگر اور

أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾

تم مسلمان

أَسْلِمَ، (حکم برداری کر) دوسرے معنی ہیں "اسلام لے آ" یعنی اپنے آپ کو کامل طور پر خدا کے واحد کے سپرد کر دے۔ اس کے حکموں کی مکمل اطاعت قبول کر۔ اور زندگی کے ہر معاملے میں اسی کے احکام کی اطاعت کو فرض سمجھ۔ اسلام بھی اسی لفظ سے نکلا ہے۔ جس کے بنیادی معنی امن دنیا۔ سلامتی چاہنا اور اطاعت قبول کرنا ہیں۔

يَعْقُوبَ، (یعقوب) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحق علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ خود بھی نبی تھے اسرائیل آپ ہی کا لقب ہے۔ اسی نسبت سے آپ کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

اصْطَفَى، (چُن لیا) یہ لفظ اصطفاء سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں چن لینا اور ملاوٹ سے پاک کر دینا۔ مصطفیٰ بھی اسی لفظ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں چنا ہوا اور برگزیدہ۔

تمام اہل کتاب اور مشرکین مکہ سب کے سب اس چیز کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اپنے بزرگوں کے دین کو مانتے ہیں۔ اسی پر وہ جمے رہیں گے اور کسی نئے دین کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کر کے ان لوگوں کو بتایا کہ جن بزرگوں کو تم مانتے ہو انہیں جن کے دین پر چلنے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ وہ تو اپنی نسل کو اپنے اسی دین کی پیروی کرنے کا حکم دے گئے ہیں جس پر وہ خود کار بند تھے یعنی دین توحید اور ملت اسلام اس لیے تم اگر انہیں پشوا مانتے ہو۔ تو ان کا اصل دین تو یہ ہے جس کی طرف اب قرآن مجید تمہیں دعوت دے رہا ہے۔ اب تم اسے مانو! حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو یہی تاکید فرمائے ہیں کہ تم سب اللہ کے فرمانبردار ہو کر مرنا۔ موت کا وقت غیر یقینی ہے۔ اس لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت مسلم بنے رہنا ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دینے رکھنا۔

حضرت یعقوب کی وصیت

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب
الموت۔ اذ قال لبنیہ ما تعبدون

موت جب کہا اپنے بیٹوں کو کس کی تم عبادت کرو گے
من بعدی۔ قالوا نعبد الہک۔ و

سے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرا رب اور
الہ ابائک۔ ابراہیم۔ واسمعیل۔ و

معبود تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسمعیل اور
اسحق الہا۔ واحداً۔ و نحن لہ

اسحق معبود ایک اور ہم اسی کے
مسلّمون (۱۲۳)

فرمانبردار۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

کیا تم موجود تھے جس وقت موت یعقوب کے
الموت۔ اذ قال لبنیہ ما تعبدون

قریب آئی جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس
من بعدی۔ قالوا نعبد الہک۔ و

کی عبادت کرو گے۔ بولے ہم تیرے اور تیرے باپ
الہ ابائک۔ ابراہیم۔ واسمعیل۔ و

دادا کے رب کی بندگی کریں گے جو کہ ابراہیم اور اسمعیل اور
اسحق الہا۔ واحداً۔ و نحن لہ

اسحق ہیں۔ وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی
مسلّمون (۱۲۳)

کے فرمانبردار ہیں۔

حضرت الموت: (موت قریب آئی) یعنی موت کا وقت قریب آیا اور آپ کو اس کے آثار نظر آنے لگے۔

اسحق: (اسحق) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے اور اسمعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے ان کی والدہ حضرت ابراہیم کی پہلی بیوی حضرت سارہ تھیں۔

اس آیت میں بھی یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ تم جو اپنی طرف سے من گھڑت باتیں اپنے بزرگوں کے نام منسوب کرتے ہو۔ اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہو۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹوں سے معبود کے بارے میں سوال کیا تھا اور انہوں نے جواب دیا تھا۔ کہ ہم اسی معبود کی پرستش کریں گے جن کی پرستش آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے چچا حضرت اسمعیل علیہ السلام اور آپ کے والد حضرت اسحق علیہ السلام کرتے آئے ہیں۔ آج جب قرآن مجید دوبارہ اہل کتاب کو اسی دین کی طرف بلا رہا ہے۔ تو وہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔ اور گمراہیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

وہ دین جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ اور جس کی دعوت آج قرآن مجید دے رہا ہے۔ وہ یہی خدا پرستی اور نیک عملی ہے۔ جو فرد یا قوم بھی ان دو بنیادی اصولوں سے روگردانی کرے گی۔ وہ ابراہیمی دین سے دور جا پڑے گی۔ اور ہدایت سے محروم ہو جائے گی۔

اپنے ہی عمل کام آئیں گے!

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا

وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لیے ہے جو

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا

انہوں نے کیا اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کیا اور تم سے

تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۷﴾

ان کے کاموں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا

وہ جماعت تھی گزر چکی ان کے لیے جو

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا

انہوں نے کیا اور تمہارے لیے جو تم نے کیا اور تم سے

تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۷﴾

تم سے پوچھ ان کے کاموں انہوں نے کیا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ: (یہ ایک جماعت) اس سے مراد بنی اسرائیل کے بزرگ ہیں جن کے نام وہ لیتے اور ان کی سپردی کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ ان کا یہ دعویٰ غلط تھا۔ ان گمراہ بد بخت انسانوں کو اللہ کے جلیل القدر انبیاء سے نام کے سوا دُور کی نسبت بھی نہ تھی۔

یہودیوں کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ وہ نبیوں کی نسل سے ہیں۔ اس سبب سے انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا تھا کہ ذاتی نیک عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ نبیوں کی اولاد سے ہونا ہی آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی عنایت سے باپ کی نیکیاں اولاد کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اس غلط عقیدہ کے سبب وہ لوگ نیک عملی سے بالکل بے پرواہ ہو چکے تھے۔ اور ہر قسم کے گناہوں، بد کاریوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔

قرآن مجید نے ان کے اس باطل عقیدے کی جڑ کاٹ دی۔ اور بتایا کہ قانونِ الہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی ملتا ہے جو اس نے خود کیا ہے۔ نہ تو کسی کی نیکی دوسرے کو پہنچتی ہے۔ نہ کسی کی بد عملی کے لیے کوئی دوسرا جواب دہ ہو سکتا ہے اپنی ذاتی کوشش کے بغیر صرف بزرگوں کی رشتہ داری سے کام نہیں چل سکتا اور نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو اس غلط خیال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ گو ہم نے خود نیک کام نہ کئے ہوں۔ ہمارے بزرگوں کی نیکیاں ہی ہمارے کام آجائیں گی اور ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ بزرگوں کے نیکیوں کا ہونے سے تمہیں فائدہ نہیں ہو سکتا۔ تم اپنی خبر لو اور ان کے نقش قدم پر چلو۔ ان کی زندگیاں تمہارے لئے حسن عمل کا نمونہ ہیں۔ ان کی سپردی سے تم اچھے اور نیک کام کر سکو گے۔

ہم میں سے اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ خاندانی بزرگی یا محض کسی بزرگ کی نسبت کافی ہو سکتی ہے۔ تو اسے یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ اللہ کے ہاں صرف اپنے عمل ساتھ دیں گے۔ سب اپنے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے لئے جواب دہ ہوں گے۔

ملتِ ابراہیمی

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا

اور کہتے تھے کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم

تَهْتَدُوا ۚ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

راہِ راستِ پالو گے کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے

حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾

ابراہیم کی راہِ اختیار کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور شرک کرنے والوں میں نہ تھا

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا

اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہودی یا نصرانی

تَهْتَدُوا ۚ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

تم راہِ راستِ پالو گے کہہ دے بلکہ راہِ ابراہیم

حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۵﴾

ایک ہی طرف کا اور نہ تھا سے شرک کرنے والے۔

مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ، (ابراہیم کا دین) اس سے مراد وہ خاص قواعد و ضوابط اور قوانین ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جاری کئے اور ایک جماعت ان اصولوں پر جمع ہو گئی۔

حَنِيفًا، (ایک ہی طرف کا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ مختلف چیزوں کو پوجتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ہمارے تمام کام ان سے چلتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب سے چھڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلا یا اور خود بھی سب سے کٹ کر اس ایک اللہ کے ہورہے! اسی لئے آپ کو "حنیف" کا لقب ملا۔

قرآن مجید نے اہل کتاب اور مشرکوں کے تمام بھوٹے عقیدوں کی تردید کر دی۔ ان کی دلیلوں کو غلط ثابت کر کے روشن اور واضح دلائل کے ساتھ حق قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو چاہیے تھا۔ کہ قرآن مجید کی سیدھی اور سچی تعلیم کو قبول کر لیتے۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے حسد اور بہٹ ڈھری سے کام لیا اور اٹھائیس مسلمانوں کو یہودیت اور عیسائیت کی دعوت دینے لگے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو۔ تو تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعوت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری امت کی طرف سے یہ جواب دینے کو کہا کہ اے اہل کتاب تم نے اپنی کتابوں اور شریعتوں میں بے شمار تبدیلیاں کر دی ہیں۔ اور ہمارا دین بس اسی قدیم دین توحید پر ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ ہم اسی دین پر قائم ہیں اور ہم نے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

دوسرے یہ کہ تم کس منہ سے اپنے دین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہو۔ وہ تو شرک کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ وہ خالص توحید پر قائم تھے اور تم لوگوں کا مذہب تو اب شرک کی گندگیوں سے بھرا ہوا ہے۔ تم کس طرح دین حق اور نجات کے دعویدار ہو سکتے ہو۔

تمام نبیوں پر ایمان

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ	قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ - وَمَا - أُنزِلَ
تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو	تم کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو
إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ	إِلَيْنَا - وَمَا - أُنزِلَ - إِلَىٰ - إِبْرَاهِيمَ
ہم پر اترا اور جو ابراہیم پر اترا اور اسمعیل	ہم پر اور جو اترا پر ابراہیم
وَأِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ	وَأِسْمَاعِيلَ - وَإِسْحٰقَ - وَيَعْقُوبَ - وَ
اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے اولاد پر	اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور
الْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَ	الْأَسْبَاطِ - وَمَا - أُوتِيَ - مُوسَىٰ - وَ
اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو	اولاد اور جو دیا گیا موسیٰ اور
عِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ	عِيسَىٰ - وَمَا - أُوتِيَ - النَّبِيُّونَ - مِنْ
دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے بلا - ہم	عیسیٰ اور جو بلا پیغمبروں سے
رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ	رَبِّهِمْ - لَا - نُفَرِّقُ - بَيْنَ - أَحَدٍ - مِّنْهُمْ
ان سب میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے اور	ان کے رب نہیں ہم فرق کرتے میں کسی ایک ان میں سے
وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾	وَنَحْنُ - لَهُ - مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾
ہم اسی کے فرمانبردار ہیں -	اور ہم اس کے فرمانبردار -

الْأَسْبَاطِ: (اولاد) جمع ہے بسط کی۔ اس کے معنی ہیں۔ اولاد کی اولاد یعنی پوتے نواسے وغیرہ۔ یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل مراد ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ تم کہہ دو کہ اے اہل کتاب تم ضد ہٹ دھرمی، حسد، بغض اور تعصب کی لعنتوں میں مبتلا ہو۔ تم بعض رسولوں کی پیروی کرتے ہو اور بعض کو جھٹلاتے ہو۔ رسالت کو نسل اور قوم کے ساتھ مخصوص کرتے ہو۔ محض نسلی برتری کو ذریعہ نجات سمجھتے ہو۔ اور اپنے مذہب کے سوا باقی تمام مذاہب کو غلط قرار دیتے ہو۔

ہم مسلمان تمام نبیوں کا سچا ہونا مانتے ہیں۔ کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔ دنیا میں جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی ملک و قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ سب ایک ہی سچائی کے پیغام لائے تھے۔ سب کی یکساں طور پر تصدیق کہتے ہیں۔

اللہ کافی ہے

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَ إِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَ يَكْفِيكَ هُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

سو اگر وہ ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے
اس پر انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر
پھر جائیں تو پھر وہی ہیں میں ضد
پس عتقرب وہ کافی ہے تیرے لیے ان کے مقابلے میں اللہ اور وہ سننے والا
جاننے والا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَ إِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَ يَكْفِيكَ هُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

سو اگر وہ بھی اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے
تو انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر پھر جائیں
تو وہی ضد پر ہیں پس عتقرب ان کے مقابلے
میں تیرے لیے اللہ کافی ہے اور وہی سننے والا
جاننے والا ہے۔

قرآن مجید نے اپنی صداقت اور اپنے کلام الہی ہونے کا ثبوت دے کر اہل کتاب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان کے باطل عقیدوں کی تردید کی۔ غلط آرزوؤں کو بیہودہ قرار دیا اور انہی کے دلائل سے ثابت کر دیا کہ جس ایرا، یہی دین پر قائم ہونے کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کی اصلی شکل ان کے پاس باقی نہیں رہی۔ اب اس قدیم دین کی اصلی شکل قرآن مجید پیش کر رہا ہے اس لئے انہیں بہر صورت اسلام قبول کر کے دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنی چاہیے۔

وعظ و نصیحت کی یہ تمام باتیں سن کر بھی یہود و نصاریٰ اپنی ضد اور ہٹ پر قائم رہے۔ بلکہ خود اسلام قبول کرنے کے بجائے اٹا مسلمانوں کو دعوت دیتے رہے کہ وہ یہودیت اور عیسائیت اختیار کر لیں۔ اس سے زیادہ دھڑائی، تعصب اور خود غرضی کیا ہو سکتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہمارا پیغام پہنچا کر اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب اگر یہ لوگ اپنا بھلا چاہتے ہیں۔ تو اسلام قبول کر لیں۔ کامیاب ہو جائیں گے۔ ہم ان کے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ کہنے سننے کے بعد بھی اس سے منہ پھیریں تو پھر یہ ان کی سخت دلی اور ہٹ دھرمی ہے اور کچھ نہیں۔ اے پیغمبر ان لوگوں کی اس ضد اور دشمنی و تعصب کا آپ کچھ نہ کرنا کریں۔ ان سے بٹنے کے لئے آپ کی طرف سے ہم کافی ہیں۔ ہم یقیناً ان کی سب باتیں سنتے ہیں۔ اور ان کے دلوں کے احوال اور ظاہر و باطن سب جانتے ہیں۔

آیت کے آخری حصہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی امت کو کس قدر اعلیٰ بشارت ہے کہ تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔ بھلا اللہ جس کا ہو جائے۔ اسے اور کس کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ وہ مولا کریم جس کا دستگیر ہو جائے۔ اسے کسی اللہ کا سہارا درکار نہیں۔

اللہ کا رنگ

صِبْغَةَ اللَّهِ - وَرَمَّنْ - أَحْسَنُ - مِنْ
 رنگ اللہ اور کس کا بہتر سے
 اللَّهُ - صِبْغَةَ - وَنَحْنُ - لَهُ - عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾
 اللہ رنگ اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔
 قُلْ - أ - تُحَاجُّونَنَا - فِي - اللَّهِ - وَ - هُوَ
 کہہ دے کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو میں اللہ اور وہی
 رَبُّ - نَا - وَ - رَبُّ - كُمْ - وَ - ل - نَا -
 رب ہمارا اور رب تمہارا اور نئے ہمارے
 أَعْمَالُ - نَا - وَ - ل - كُمْ - أَعْمَالُ - كُمْ
 اعمال ہمارے اور نئے تمہارے اعمال تمہارے
 وَ نَحْنُ - ل - لَّاهِ - مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾
 اور ہم نئے اس کے خالص۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنْ
 ہم نے اللہ کا رنگ قبول کر لیا اور کس کا رنگ بہتر ہے
 اللَّهُ صِبْغَةَ وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾
 اللہ کے رنگ سے اور ہم اس کی بندگی کرتے ہیں۔
 قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ
 کہہ دے کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے بارے میں حلالا کو وہی
 رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا
 ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے لیے ہمارے
 أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ
 عمل ہیں اور تمہارے نئے تمہارے عمل اور
 وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾
 ہم تو خالص اسی کے ہیں۔

صِبْغَةَ اللَّهِ، (اللہ کا رنگ) مراد ہے "اللہ کا دین" محاورہ کے اعتبار سے یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی قَدِّمْنَا (ہم نے قبول کیا) اس طرح پورے جملہ کے معنی یوں ہوں گے۔ ہم نے اللہ کا رنگ یعنی اللہ کا دین قبول کیا۔ اہل کتاب یہودی اور عیسائی اپنے بچوں کو رنگدار پانی میں بٹھاتے ہیں اور کوئی مسیح کا دین قبول کرے تو اس پر رنگین پانی چھرتے ہیں۔ اسے اصطلاحاً یعنی بپتسمہ کہتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک عیسائیت کا رنگ پانی سے چڑھتا ہے۔ حالانکہ اصل رنگ وہ ہے جو ایمان اور کردار سے پیدا ہو۔

اس کے مقابلہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اللہ کا رنگ قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں پہنچا دیا کرو۔ چنانچہ پیدا ہوتے ہی بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے۔ یہ اس کو دینِ فطرت کی طرف بلا داتا ہے۔ پانی میں بٹھانے کی رسم اس کے مقابلہ میں بے معنی ہے۔ اہل کتاب کو چھر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بابت تمہارا یہ خیال اور عقیدہ جس کی بنیاد زہری کٹ مچھتی پر ہے کہ اس کی عنایت و رحمت صرف تمہیں پر ہے۔ سراسر غلط ہے۔ وہ جیسا تمہارا رب ہے ویسا ہی ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں خالص اسی کے لیے کرتے ہیں۔ تمہاری طرح ہم اپنے بزرگوں کی نیکیوں کو اپنے لئے کافی سمجھ کر خود بد عملی اور گناہ کی زندگی بسر نہیں کرتے۔ اور نہ تعصب اور نفسانیت سے کام لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کیوں نہ قبول کرے گا۔

کتمان حق

أَمْ تَقُولُونَ - إِنَّ - إِبْرَاهِيمَ - وَاسْمَعِيلَ

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمعیل

وَاسْحٰقَ - وَيَعْقُوبَ - وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

اسحق اور یعقوب اور اس کی اولاد تھے

هُودًا - أَوْ نَصْرَى - قُلْ - ءَأَنْتُمْ - أَعْلَمُ

یہودی یا نصرانی کہو کیا تمہیں زیادہ خبر ہے

أَمْرَ اللَّهِ - وَمَنْ - أَظْلَمُ - مِمَّنْ - كَتَمَ

اللہ اور کون بڑا ظالم جس نے چھپائی

شَهَادَةً - عِنْدَ اللَّهِ - وَمَا - اللَّهُ

گواہی اس کے پاس سے اللہ اور نہیں اللہ

بِغَافِلٍ - عَمَّا - تَعْمَلُونَ ﴿١٣٠﴾

بے خبر سے تمہارے کام۔

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق اور

وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

یعقوب اور اس کی اولاد یہودی یا

هُودًا أَوْ نَصْرَى قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ

نصرانی تھے کہہ دے کہ تمہیں زیادہ خبر ہے یا اللہ کو

أَمْرَ اللَّهِ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

اللہ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے گواہی

شَهَادَةً عِنْدَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ

چھپائی جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ثابت ہو چکی

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٣٠﴾

اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک اور غلط فہمی اور من گھڑت عقیدے کا جواب دیا گیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے بزرگ حضرت ابراہیم - اسمعیل - اسحق - یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یا تو یہودی مذہب کے پیرو تھے یا نصرانی (عیسائی) مذہب کے معنی نعوذ باللہ وہ بھی اس فرقہ بندی میں مبتلا تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے اہل کتاب تم واقعات کو توڑ مڑ کر اور صداقتوں کی صورتیں بدل بدل کر جو کچھ چاہو سمجھتے چلے جاؤ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ سب حضرات خالص توحید کے دین پر خود قائم رہنے والے اور اسی پر دوسروں کو قائم کرنے والے تھے اور اسی کا نام اسلام ہے۔ تمہارا علم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کہاں اس کے برابر بھی نہیں۔ بلکہ تمہارے علم کو اس کے علم سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ تم لوگ سچائیوں کو جان بوجھ کر چھپاتے ہو۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتابیں پہنچ چکی ہیں۔ جو اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ دین اسلام برحق ہے۔ حضرت ابراہیم - اسمعیل - اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کامل مومن اور توحید کے یعنی اسلام کے پیرو تھے۔ تمہاری کتابوں میں یہ بھی صاف لکھا ہوا ہے کہ آخر زمانہ میں ایک رسول برحق دنیا میں آئے گا۔ تم جانتے بوجھتے ہو کہ اس واقعہ اور حق بات کو چھپا رہے ہو اور حق بات کو چھپانے والے سے بڑا ظالم اور کون ہو گا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ سچائی اور حقیقت کو چھپانا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہمیں بھی اس سے بچنا چاہیے۔

اپنے اعمال ہی کام آئیں گے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا

وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لیے ہے

كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا

جو انہوں نے کیا اور تمہارے لئے ہے جو تمہارے لیے کیا اور تم سے

تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾

ان کے کاموں کی کچھ پوچھ نہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا

وہ جماعت گزر چکی ان کے لئے جو

كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا

انہوں نے کیا اور تمہارے لئے جو تمہارے لیے کیا اور تم سے

تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾

تم سے پوچھ ان کے کاموں کی۔

یہ آیت پہلے بھی گند چکی ہے۔ اور اب دوبارہ یہودیوں اور عیسائیوں کو مزید تنبیہ کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ اس میں عام فہم دلیل ہے ان کے غلط عقیدوں کو روکیا گیا ہے۔

اہل کتاب کو اس بات پر بڑا فخر تھا کہ وہ پیغمبروں کی نسل سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نہایت مقبول بندے گذرے ہیں۔ اس لئے ان کی اپنے گناہوں پر پکڑ نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کے بزرگوں کی نیکیاں ان کے کام آئیں گی اور یہ مفت میں بخشے جائیں گے۔ اس لیے انہیں نیکی کی طرف مائل ہونے اور بدی سے پرہیز کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

اس غلط عقیدے کے زیر اثر یہ لوگ ہر طرح کی خلاف شرع باتوں اور گناہوں کو روا رکھتے۔ اور روزمرہ کی زندگی میں نیکی اور بدی میں تمیز نہ کرتے۔ نیز ان کا خیال بھی تھا کہ ان کے بزرگ چونکہ انہی باتوں پر قائم تھے جن پر اب وہ قائم ہیں۔ اس لیے انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ان غلط عقائد کو قطعی باطل قرار دیا اور فرمایا کہ پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں۔ میں ان کے بارے میں خوب جانتا ہوں۔ وہ اصل توحید پر قائم تھے۔ ہرگز یہودی یا نصرانی نہیں تھے بلکہ سب سے بہت کر صرف اللہ کے ہو رہے تھے۔ ان کی نیکیاں تمہارے یا کسی اور کے کام نہیں آسکتیں۔ ہر شخص اور ہر قوم کی اپنی نیکیاں ہی اس کے کام آسکتی ہیں۔ کسی شخص کے نیک اعمال دوسرے شخص کو نہیں بچا سکتے اور نہ کسی اور کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس لئے دوسرے کے اعمال پر بھروسہ رکھنا نادانی ہے۔

جب کوئی قوم اچھے کام پھوڑ کر بزرگوں کی میراث پر بھروسہ کر کے بیٹھ جایا کرتی ہے۔ اس قوم کا زندہ رہنا اور فلاح و کامرانی حاصل کرنا محال ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بہت سی قومیں اس غلط فہمی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عقائد پر قائم رکھے اور نیک کاموں کی توفیق بخشے۔

پارہ اول کے اسباق کا خلاصہ

الحمد للہ کہ قرآن مجید کا پہلا پارہ ہم نے خدائے رحمن کی مہربانی اور کرم سے سبقاً سبقاً ختم کر لیا۔ اب ہم اس کے تمام سبقوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ چند الفاظ میں کلام اللہ کا مفہوم ذہن میں آجائے۔

سورہ بقرہ کی تمہید میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس سورت کا موضوع یہ ہے کہ اس میں ایسی تعلیم دی جائے جو مسلمانوں کے اندر صحیح چال چلن پیدا کر دے۔ وہ اپنے مذہب اور اخلاق کے پابند ہو کر دنیا و آخرت کی انتہائی کامیابیاں حاصل کریں۔ خالص مذہب اور اخلاق حسنہ سمجھانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ دنیا میں جس قدر قومیں اور امتیں آباد ہیں۔ ان کے مذہب اور رسموں کو عقیدوں کے اختلاف مٹا دینے جائیں۔ ان کی کمزوریاں ظاہر کی جائیں۔ اور پھر سیدھے راستہ کی تعلیم دی جائے۔

قرآن مجید کے پہلے پارہ میں سب سے پہلے وحی اور الہام کی ضرورت بتائی گئی اور بیان کیا گیا کہ قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہے۔ اس کی تعلیمات جو شخص قبول کرے گا اور اس کے احکام کی تعمیل کرے گا۔ وہ سیدھی راہ پلے گا اور کامیاب ہوگا۔ اس کے بعد یہ بتایا کہ قرآن مجید کے جواب میں تین قسم کے لوگ پیدا ہوں گے۔

- ۱۔ جو قرآن مجید کی تعلیمات کو قبول کر لیں گے اور اس کے احکام پر پابند ہو جائیں گے۔ یہ ہر قسم کی کامیابیاں حاصل کریں گے۔
- ۲۔ جو اس کی سختی سے مخالفت کریں گے اور اس کے ماننے والوں سے عداوت رکھیں گے۔ یہ کافر بڑے عذاب کے مستحق ہوں گے۔
- ۳۔ جو دونوں جماعتوں سے تعلق رکھیں گے۔ مسلمانوں میں مسلمان اور کفار میں کافر رہیں گے۔ ان منافقوں کو دردناک عذاب ملے گا۔ پھر کفار و منافقین کو نصیحت کرنے کے بعد انہیں قانون الہی کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ وحی پر صرف وہی لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ جن میں تین مرض ہوں۔ (ا) ایمان کمزور ہو۔ (ب) طبیعت ضعیف ہو۔ (ج) عقل کوتاہ ہو۔

پھر بتایا کہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے انسان الہام زبانی کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب خلیفہ بنا یا گیا۔ اور پھر زمین میں بھیج دیا گیا۔ تو آپ پریشان رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر چند کلمات الہام کئے۔ جو ان کے اطمینان قلب کا باعث ہوئے۔

اس کے بعد قرآن حکیم کی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی۔ اس ضمن میں یہودیوں کی تین خرابیاں بیان کی گئیں۔ علمی۔ عملی اور انتظامی۔ اور انہیں بتایا گیا کہ تم نے بد کرداریاں اور بد عملیاں کی ہیں۔ اس لیے تم سے حکومت چھین لی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر بھی دعوت و ارشاد کا کام نہیں کر سکتے۔ اسی ذیل میں ان کے عالموں، دولت مندوں اور لوگوں کی باطل پرستیوں اور غلط عقیدوں کو بیان کیا۔

اس کے بعد یہ بیان کیا گیا کہ بنی اسرائیل مسلمانوں کی شریف رعایا بننے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ کہا گیا کہ وہ اپنے تعلقات ان سے توڑ لیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، خانہ کعبہ کی تعمیر، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔ آپ کے اخلاق و صفات اور امت مسلمہ کا ذکر فرمایا۔

مُسْلِمَانوں کا قِبْلہ

الْحَزْبُ الْاَشْرَاقِ (۱۳۱)

سَيَقُولُ - السُّفَهَاءُ - مِنْ - النَّاسِ - مَا
اب کہیں گے بے وقوف سے لوگ کس نے
وَلَهُمْ - عَن - قِبْلَتِهِمُ - الَّتِي - كَانُوا
انہیں پھیر دیا ہے ان کا قِبْلہ جو تھے
عَلَيْهَا - قِبْلُ - لِلَّهِ - الْمَشْرِقُ - وَالْمَغْرِبُ
اس پر تو کہہ اللہ کے لیے مشرق اور مغرب
يَهْدِي - مَنْ - يَشَاءُ - اِلَى - صِرَاطٍ
چلائے جسے چاہے طرف راہ
مُسْتَقِيمٍ (۱۳۲)
سیدھی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنْ النَّاسِ مَا
اب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مُسْلِمَانوں کو
وَلَهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا
ان کے قِبْلہ سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر وہ تھے
عَلَيْهَا قِبْلُ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
کہہ دے مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے۔ وہ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ
جسے چاہے سیدھی راہ پر
مُسْتَقِيمٍ (۱۳۲)
چلائے۔

السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ: (بے وقوف لوگ) سفہاء کا واحد سفیہ ہے۔ سفیہ کے معنی چھپورے اور کم عقل کے ہیں۔ السفہاء من الناس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکموں پر اعتراض و تنقید کرتے ہیں۔ یہاں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔

قِبْلہ، (قِبْلہ) وہ چیز جو سامنے ہو۔ یعنی وہ سمت اور جگہ جس کی طرف رُخ کر کے عبادت کی جائے یعنی مرکز توجہ اور عبادت میں رُخ کی سمت۔ یہودیوں کا قِبْلہ بیت المقدس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد بھی آپ نے اسی قِبْلہ کو برقرار رکھا۔ لیکن آپ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قِبْلہ بنائیں لیکن اللہ کے حکم کا انتظار تھا۔ آخر کار مدینہ میں پہنچنے کے سولہ یا تیرہ مہینے کے بعد آپ کو قِبْلہ بدل لینے کا حکم ملا۔ جب یہودیوں کو اس چیز کی خبر ملی۔ تو انہیں مخالفت کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ گیا۔ وہ اس پر طرح طرح کے اعتراض کرنے لگے کہ پہلے تو یہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے جو قدیم نبیوں کا قِبْلہ تھا۔ اب انہیں کیا ہوا جو اسے پھوڑ کر کعبہ کو قِبْلہ بنایا۔ بعض کہنے لگے کہ یہودیوں کی عداوت اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔

مخالفوں کے اس اعتراض کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا کہ اے پیغمبر (صلعم) تم کہہ دو کہ ہم نے کسی حسد اور تعصب کی وجہ سے قِبْلہ کو نہیں بدلا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بدلا ہے۔

مشرق ہو یا مغرب ہر سمت اللہ کی ہے۔ وہ ہر طرف ہے۔ ہر سمت کی ہر شے اس کے علم اور قبضے میں ہیں۔ ہدایت بھی اسی کے پاس ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے پیغام اور رہنمائی سے نوازتا ہے۔

میانہ رو اور اعتدال پر اُمت

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
اور اسی طرح ہم نے تمہیں بنایا امت معتدل
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ
تاکہ تم ہر گواہ اور لوگ اور
يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
ہر رسول تم پر گواہی دینے والا۔
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا تاکہ
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ
تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم
يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
ہر گواہی دینے والا ہو۔

وَسَطًا (معتدل) اس کا مطلب یہ ہے کہ امت مسلمہ ٹھیک سیدھی راہ پر ہے۔ جس میں کچھ ٹیڑھا پن اور افراط و تفریط نہیں۔ اسلام کی تعلیم اعتدال پسندی ہے اور اسلام پر عمل کرنے والے میانہ رو ہیں۔ وہ ہر قسم کی افراط و تفریط سے بالا رہ کر درمیان کی راہ اختیار کرنے پر مامور ہیں۔

شہید، (گواہ) شاہد اور شہادت کے لفظ بھی اسی مادہ سے بنے ہیں۔ گواہ کے معنی کے علاوہ اصطلاحی طور پر لفظ اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگا دینے والے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اس کے معنی انگران بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اس آیت میں امت مسلمہ کی فضیلت اور برتری بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! جس طرح تمہارا قبیلہ تمام دوسرے قبیلوں سے افضل ہے۔ ایسے ہی ہم نے تمہیں تمام امتوں سے افضل بنایا ہے۔ اور تمہارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے بزرگ و برگزیدہ کیا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے روز جب پہلی امتوں سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ تو اس وقت امت مسلمہ قرآن مجید کی تعلیمات کی بنا پر پہلے نبیوں کے دعویٰ کی تصدیق کرے گی۔ اور گواہی دے گی کہ یہ تمام نبی بلاشبہ ان امتوں کے پاس آئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے انبیاء کی بات نہ مانی۔ امت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ساری دنیا کے لئے بطور نمونہ تیار کی گئی ہے۔ دنیا کی ہر امت کو اسی سانچے میں ڈھلنا اور اسی معیار پر پورا اترنا چاہیے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مسلمانوں کے لئے نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس آیت سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو دنیا کی دوسری قوموں کے لئے نمونہ کے طور پر قائم رکھیں۔ اخلاقی پستی کی ہر صورت سے بچے رہیں۔ اور کبھی ایسی راہ اختیار نہ کریں جس سے ہماری اس اہم حیثیت میں فرق آئے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں ہمیشہ اپنے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ رکھنا چاہیے۔ معتدل مزاج امت ہونے کی بنا پر ہمیں ہر قسم کی افراط اور تفریط سے بچنا چاہیے تاکہ ہم اُمت وسطا کے لقب کی لاج رکھنے کے قابل ہوں۔

تبدیلی قبلہ کی حکمت

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ	وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ
اور ہم نے وہ قبلہ نہیں مقرر کیا تھا جس پر تو پہلے	اور ہم نے ہم نے مقرر کیا قبلہ جو کہ تو تھا
عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعِ الرَّسُولَ	عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعِ الرَّسُولَ
تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون رسول کا تابع رہے گا۔	اس پر مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول
مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ	مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ
اور کون اٹھے پاؤں پھر جائے گا۔	کون پھر جائے گا اور اس کی اڑیاں۔

لِنَعْلَمَ: (تاکہ معلوم کریں) لفظ علم یہاں تمیز و شناخت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جس کام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم موجود نہ ہوتا۔ اس میں آپ پہلے انبیاء کا طریقہ اختیار کرتے۔ مثلاً نماز تو فرض ہو چکی تھی۔ لیکن قبلہ کی بابت کوئی صاف حکم موجود نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے قبلہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ وَمَا جَعَلْنَا سے صاف طور پر معلوم بھی ہو گیا کہ اللہ ہی کو منظور تھا کہ شروع میں بیت المقدس قبلہ رہے۔ جب آپ مکہ سے مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت بھی بیت المقدس ہی قبلہ رہا۔ لیکن تقریباً سولہ ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے قبلہ کے بدلنے کا حکم دیا۔ اور کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ مقرر فرمایا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیت المقدس کو عارضی طور پر غلطی سے عرصہ کے لئے تمہارا قبلہ بنائے رکھنے سے غرض یہ تھی کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کیا جاسکے۔

مکہ کے مشرک بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے۔ اس لئے مکہ میں اسلام قبول کرنے کی واضح نشانی یہ رہی کہ مسلمان بچے والا شخص بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ مدینہ کے یہودی اور عیسائی لوگوں کے نزدیک بیت اللہ کی کوئی عزت نہ تھی۔ اس لئے مدینہ میں اسلام قبول کرنے کی نشانی یہ قرار پائی کہ بیت اللہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی جائے اس طرح مسلمانوں اور غیر مسلموں میں فرق کرنے میں آسانی میسر آئی۔

مکہ کی زندگی میں بیت المقدس کی جگہ اگر خانہ کعبہ قبلہ ہوتا تو شاید اس کو اہل مکہ ایک قسم کی خوشامد سمجھتے اور دین کو خالص اللہ کے حکم کے طور پر نہیں۔ بلکہ اپنے وطنی قبلہ کے اعتبار سے قبول کرتے۔ حالانکہ اسلام ان تمام اغراض سے پاک ہے۔ دین کی تعلیم کسی خاص قوم یا نسل کی رعایت سے نہیں آئی۔ اسلام ساری دنیا کے لئے آیا ہے اور اس کی تعلیم تمام قوموں کے لئے آئی ہے۔

ایمان ضائع نہیں جاتا

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الرَّحِيمِ ﴿۱۳۳﴾

اور بیشک ہوئی البتہ بھاری (بات) مگر اور
الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ
جنہیں راہ دکھائی اللہ اور نہیں تھا
اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ
اللہ کو ضائع کرے تمہارا ایمان بے شک اللہ
بِالَّذِينَ هَدَى اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ
لوگوں پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔

بیت اللہ مقدس ترین مقام ہے۔ دنیا کے عبادت خانوں میں یہ سب سے قدیم اور متبرک جگہ ہے۔ وطنی اعتبار سے عربوں کے نزدیک یہ بہت ہی قابل احترام تھا۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کی جاتی تھی۔ وطن پرست عربوں کے لئے یہ ایک بڑا امتحان تھا۔ بیت المقدس کو قبلہ بنا دینا ان لوگوں پر بھاری اور دشوار تھا۔ عرب اور قریش دین ابراہیمی کے نام لیا کرتے تھے۔ اس لئے بھی وہ کعبہ ہی کی تعظیم کرتے تھے۔ اور بیت المقدس کو قبلہ سمجھنا انہیں ناگوار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امتحان اور آزمائش ان لوگوں کے لئے بھاری نہیں تھی۔ جنہیں اللہ نے راہ ہدایت دکھادی اور وہ اس کی حکمت سے واقفیت رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ انہیں بیت المقدس کے قبلہ بنا دیئے جانے پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ بلکہ وہ بلا چون و چرا اللہ کے آگے جھک گئے اور اس امتحان میں بڑی کامیابی سے نکل گئے۔

جب دوبارہ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔ تو بہت سے لوگوں کے دل میں یہ شبہ گذرا کہ اس طرح وہ تمام نمازیں جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کی گئی تھیں۔ اکارت گئیں اور خاص طور پر وہ صحابہ تو بہت خسارے میں رہے جو قبلہ تبدیل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شک کو دور کر دیا۔ اور فرمایا اصل چیز فرمانبرداری ہے۔ بیت المقدس بھی ہمارے ہی حکم سے قبلہ مقرر ہوا تھا۔ اس لئے جنہوں نے اس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کیں ان کا ثواب اپنی جگہ قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ تو انسانوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ وہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا

آسمان سے تو راہی ہے
اب بھیر اپنا منہ طرف مسجد حرام۔

بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرا منہ طرف
آسمان سے تو راہی ہے

تجھے پھیریں گے۔ اب تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر۔

تجھے پھیریں گے۔ اب تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر۔

قِبْلَةً تَرْضَاهَا، (اس قبلہ کی طرف جسے تو پسند کرتا ہے) قبلہ (جس طرف رُخ کر کے عبادت کی جائے یعنی مرکز توجہ) اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

تَرْضَاهَا: (جسے تو پسند کرتا ہے) رضی اس کا مادہ ہے۔ یہاں اس سے مراد خانہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیم کا بنا کر وہ تھا۔ تمام عربوں کا محبوب عبادت خانہ تھا۔

وَجْهِكَ: (تیرا منہ) لفظی معنی منہ یا چہرے کے ہیں لیکن اس میں سارا جسم بھی شامل ہوتا ہے۔ یہاں مراد توجہ اور اشتیاق ہے۔

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: (مسجد حرام) عزت و حرمت والی مسجد یعنی مکہ معظمہ کی وہ مسجد اعظم جس کے اندر خانہ کعبہ واقع ہے۔ مسجد حرام کی موجودہ عمارت کا پہلا نقش خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ اس کے چاروں طرف بہت سے عالیشان اور بڑے بڑے والان ہیں۔ داخلہ کے لئے اکتالیس دروازے ہیں۔ ۶ مینار اور ۱۵ سے کچھ اور بڑے چھوٹے گنبد ہیں۔ اسے مسجد حرام یعنی قابل احترام عبادت گاہ کہتے ہیں۔ یہاں جنگ کرنا اور شکار کرنا بھی حرام ہے۔

مسلمانوں کا اصلی قبلہ خانہ کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ صرف تھوڑے دن کے لئے بیت المقدس کو آزمائش کی خاطر قبلہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہود طعن کیا کرتے تھے کہ جب مسلمانوں کی شریعت ہم سے مختلف اور ابراہیمی مذہب کے موافق ہے تو ہمارا قبلہ کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خانہ کعبہ کو قبلہ بنا کا حکم مل جائے تاکہ خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں۔ فرشتہ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف اٹھ جاتی اس آیت میں اسی کیفیت کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرزو کو پورا کیا اور فرمایا جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے تم نماز پڑھنا چاہتے ہو۔ ہم اسی کو تمہارا قبلہ بنا دیں گے۔ جب قبلہ کے بدلنے کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ مسجد میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے۔ نماز ہی میں آپ نے اور نمازیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں۔ مدینہ کی اس مسجد کو "مسجد قبلتین" کہتے ہیں۔

خانہ کعبہ قبلہ ہو گیا

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

اور جس جگہ تم ہو پھیرو منہ اپنے

شَطْرَةَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالَّذِينَ

طرف اس کے اور بے شک جنہیں دی گئی کتاب

لَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَالِمُ السُّرُورِ

البتہ جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے ان کا رب اور

مَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۲﴾

نہیں اللہ بے خبر ان سے جو وہ کرتے ہیں۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

اور جس جگہ تم ہو تم اسی کی طرف اپنے منہ پھیرنا

شَطْرَةَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالَّذِينَ

کرد۔ اور جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ وہ خوب

لَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ عَالِمُ السُّرُورِ

جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے اور

مَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۲﴾

اللہ ان کے عمل سے غافل نہیں ہے جو وہ کرتے ہیں۔

یہ بیان پہلے آچکا ہے کہ یہود اور نصرانی اپنے آپ کو ابراہیمی دین پر سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں۔

لہذا ہمیں کوئی نیا دین قبول کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچا کر

یہ بتایا کہ یہودیوں کا یہ قول غلط ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیم خالص توحید پر قائم تھے۔ اور شرک سے بالکل پاک تھے۔ اگر یہودی

یا عیسائی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سپرد کہتے ہیں۔ تو پھر انہیں دوسری راہیں چھوڑ کر اسلام کی بتائی ہوئی سیدھی راہ

پر ہولینا چاہیے۔ توحید اور نیک عملی کا قانون مضبوطی سے پکڑنا چاہیے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہی تھا۔

اس کے بعد قرآن مجید نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ

اہل کتاب کی ہٹ دھرمی

وَلَيْنٌ - اَتَيْتَ - الَّذِينَ - اَوْتُوا
 اور اگر تو لائے ان کے پاس جو دیئے گئے
 الْكِتَابِ - بِكُلِّ - آيَةٍ - مَا - تَتَّبِعُوا
 کتاب ساری نشانیاں نہ مانیں گے
 قِبَلَتِكَ - وَ - مَا - اَنْتَ - بِتَابِعٍ - قِبَلَتَهُمْ
 قید تیرا اور نہ تو ماننے والا ہے قید ان کا
 وَ - مَا - بَعْضُهُمْ - بِتَابِعٍ - قِبَلَةَ - بَعْضٍ
 اور نہ کوئی ایک ان کا ماننے والا ہے قید کسی دوسرے کا
 وَ لَيْنٌ - اَتَّبَعْتَ - اَهُوَاءَهُمْ - مِنْ - بَعْدِ
 اور اگر تو نے تابعداری کی خواہشیں ان کی اس سے پیچھے
 مَا - جَاءَكَ - مِنَ - الْعِلْمِ - اِنَّكَ - اِذَا
 جو آیتیرے پاس سے علم بے شک تو
 لَمِنَ - الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۵﴾
 البتہ سے بے انصافوں -

وَلَيْنٌ اَتَيْتَ الَّذِينَ اَوْتُوا
 اور اگر تو اہل کتاب کے پاس لائے ساری
 الْكِتَابِ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَتَّبِعُوا
 نشانیاں تو بھی وہ تیرے قید کر نہ
 قِبَلَتِكَ وَ مَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبَلَتَهُمْ
 مانیں گے۔ اور نہ تو ان کا قید ماننے والا ہے۔
 وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبَلَةَ بَعْضٍ
 اور نہ ان میں کوئی ایک دوسرے کا قید مانتا ہے۔
 وَ لَيْنٌ اَتَّبَعْتَ اَهُوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ
 اور اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس علم
 مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذَا
 کے بعد جو تجھے پہنچا ہے تو بے شک تو بھی
 لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۵﴾
 بے انصافوں میں ہوا۔

بے انصافوں میں ہوا۔

اس آیت میں یہود کی ہٹ دھرمی اور ضد بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر تو اگر اہل کتاب کو اپنی پیغمبری کی ساری نشانیاں دکھا دے۔ خانہ کعبہ کے اصلی قید ہونے کے تمام دلائل بیان کر دے۔ وہ پھر بھی اسے قید ماننے کو تیار نہیں ہوں گے بلکہ ضد حسد دشمنی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اپنے قدیم قید پر ہی قائم رہیں گے اور چونکہ تمہیں تمہیں نے سب سے افضل اور (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا قید مٹا فرمایا ہے اس لئے تمہیں ان کے ادنیٰ قید کے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اسرائیل کی امامت ختم ہو جانے کی وجہ سے آپ کو ایک مستقل اعلیٰ اور عالمگیر قید دیا گیا ہے۔ لہذا اہل کتاب اس چیز سے ناامید ہو جائیں کہ آپ کبھی ان کا قید مانیں گے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ خود اہل کتاب ایک قید کے پیرو نہیں ہیں۔ اس لئے وہ یہ توقع کیسے کر سکتے ہیں کہ تم ان کا قید مانو گے۔ آخر میں خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ اگر یہ جان لینے کے بعد کہ اصلی قید خانہ کعبہ ہی ہے۔ آپ نے اہل کتاب کا کہا مانا اور ان کے قید کو اختیار کر لیا تو تم بھی بے انصافوں میں شامل ہو گے۔ اگرچہ کوئی رسول کبھی کسی گناہ سے آلودہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس تنبیہ سے امت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جھوٹے دین کی پیروی بہت بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ اس میں بڑے سے بڑے آدمی کو بھی کوئی رعایت نہیں دی جاسکتی۔

اہل کتاب اور پیغمبر اسلام

الَّذِينَ - اتَيْنَهُمُ - الْكِتَابَ - يَعْرِفُونَهُ
 وہ لوگ جنہیں ہم نے دی کتاب پہچانتے ہیں اے
 كَمَا - يَعْرِفُونَ - أَبْنَاءَهُمْ - وَإِنَّ
 جیسے پہچانتے ہیں بیٹے اپنے اور بے شک
 فَرِيقًا - مِّنْهُمْ - لَيَكْتُمُونَ - الْحَقَّ - وَ
 ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق اور
 هُمْ - يَعْلَمُونَ (۱۳۶) الْحَقَّ - مِنْ - رَبِّكَ
 وہ جانتے ہیں حق سے تیرا رب
 فَلَا - تَكُونَنَّ - مِنَ - الْمُسْتَرِينَ (۱۳۷)
 چھپنے والوں سے نہ بنو گے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ
 جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اے ایسی
 كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ
 اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو اور بے شک
 فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ
 ان میں سے ایک فرقہ ہے جو حق کو جان بوجھ
 هُمْ يَعْلَمُونَ (۱۳۶) الْحَقَّ مِنْ رَبِّكَ
 چھپاتے ہیں۔ حق تیرے رب کی طرف سے
 فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ (۱۳۷)
 ہے۔ نہ تو تم شک کرنے والا نہ ہو۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہودی اور عیسائی اپنی مذہبی کتابوں کے ذریعہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آخر وقت میں ایک نبی آئے گا۔ وہ اپنے دل سے کوئی بات نہ کہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق تعلیم دے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان لوگوں نے وہ نشانیاں آپ میں پائیں جو ان کی کتابوں میں درج تھیں۔ وہ اچھی طرح پہچان گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہے اور اس کی تعلیمات حق اور سچ ہیں۔ لیکن محض دشمنی، ضد اور بغض کی وجہ سے انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا اور تمام پیشین گوئیوں کو چھپانے لگے جو ان کی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں۔ اور یوں ظاہر کرنے لگے۔ جیسے وہ پیشین گوئیاں انہوں نے پڑھی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا ہے کہ اہل کتاب حق کو مانیں یا نہ مانیں آپ کے نبی ہونے کی پیشین گوئیوں کو چھپائیں یا ظاہر کریں آپ کے قبلہ کو صحیح سمجھیں یا نہ سمجھیں حق ہر حالت میں حق ہی ہے اور آپ برحق نبی ہیں۔ نبی کی طرف سارے احکام ہمارے پاس سے بھیجے جاتے ہیں۔ امت مسلمہ کا مستقل قبلہ خانہ کعبہ ہی ہو گا۔ اس لئے کسی قسم کے شک و تردید میں نہ پڑیں۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیشگوئیاں قدیم آسمانی کتابوں میں موجود تھیں اہل کتاب ان کو اچھی طرح جانتے تھے اور آپ کو ایسا ہی پہچانتے تھے جیسے باپ بہت سے بچوں کے اندر بھی اپنے بیٹوں کو پہچان لیتا ہے اور اے اپنے بچے کو پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

انوس اہل کتاب نے آنحضرت صلعم میں تمام نشانیاں پائیں۔ ان کج دلوں نے گواہی دی مگر وہ آج تک پوری طرح تعصب بند ہو کر حلقہ گوش اسلام نہ ہوئے۔

نیکی میں سبقت

وَلِكُلِّ وَّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاسْتَبِقُوا
 اور ہر کسی کے واسطے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے سو تم
 الْخَيْرَاتِ اٰیٰتٍ تَكُوْنُوْنَ اٰیٰتٍ بِكُمْ
 نیکیوں میں سبقت کرو۔ جہاں کہیں تم ہو گے تمہیں اللہ اکٹھا کر
 اللهُ جَمِيعًا اِنَّ اللهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ
 لائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر
 قَدِيْرٌ ﴿۱۳۸﴾
 ہے۔

وَلِكُلِّ وَّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاسْتَبِقُوا
 اور واسطے ہر ایک کے سمت وہ اس طرف منہ کرتا ہے تم سبقت کرو
 الْخَيْرَاتِ اٰیٰتٍ تَكُوْنُوْنَ اٰیٰتٍ بِكُمْ
 نیکیاں جہاں کہیں تم ہو گے لائے گا تمہیں
 اللهُ جَمِيعًا اِنَّ اللهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ
 اللہ اکٹھا بے شک اللہ اوپر ہر چیز
 قَدِيْرٌ ﴿۱۳۸﴾
 قادر ہے۔

خیرات، (نیکیاں) خیر اس کا واحد ہے۔ صدقہ و خیرات کے علاوہ ہر قسم کی نیکی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جائے اور مقصد محض اللہ کو خوش کرنا ہو۔ خیرات میں داخل ہے۔ اہل کتاب کی جتنی بندی اور خود غرضی بیان کرنے کے بعد قرآن مجید نے انہیں سیدھی راہ کی تلقین کی۔ اور بتایا کہ سچائی ایک ہی ہے جو سب کو دی گئی تھی۔ لیکن گذشتہ امتوں نے اسے گم کر دیا۔ قبلہ کا مقرر ہونا دین کے بنیادی مسائل میں سے نہیں ہے۔ کہ اسے حق و باطل کا معیار سمجھ لیا جائے۔ ہر امت کے لئے اپنا اپنا قبلہ ہے اور وہ اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتی ہے۔ اصل چیز جو سمجھنے اور کرنے کی ہے۔ وہ ہے خیرات یعنی نیک کام اس لئے اس میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرو اور اسے ہی دینداری کی اصل بنیاد سمجھو۔

اہل کتاب تعصب اور مذہب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ حق کی طرف رجوع ہی نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتے۔ شرارتوں اور سازشوں میں پیش پیش رہتے۔ یہ لوگ اپنے دین کی تعلیمات سے غافل ہو کر معمولی مسائل میں الجھنیں پیدا کرتے اور کچھ نہیں تو وہ قبلے کا سوال ہی لے بیٹھتے۔ حالانکہ وہ ایسا اہم نہیں کہ اس کی بحث میں اپنے عزیز وقت کو گنواؤ۔ قبلہ کو اللہ کا حکم سمجھو۔ جو وقت اور مصلحت پر موقوف ہے۔ اصل کام تو نیک کاموں میں سب سے آگے بڑھنا ہے۔ اگر امت کا اجتماع نیکی پر ہوگا۔ اور وہ زندگی میں نیکی کو شامل کر لیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک مرکز پر جمع کرے گا۔ اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ اور مخالفتیں مٹ جائیں گی۔

خانہ کعبہ اور اتما حجّت

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اور جس جگہ سے تو نکلے سر اپنا منہ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

مسجد حرام کی طرف کرے اور بیشک تیرے
وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ

رب کی طرف سے یہی حق ہے اور اللہ تمہارے
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ

کاموں سے بے خبر نہیں۔ اور جہاں سے
خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

تو نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرے
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

اور جس جگہ تم ہو اسی کی طرف
وَوُجُوهَكُمْ شَطْرًا لِئَلَّا يَكُونَ

منہ کرو تاکہ لوگوں کو تم سے جھگڑنے
لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ

کا موقع نہ رہے نہ ان میں جہاں انشا
ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي

ہیں سر ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس
وَلَا تَمَنَّوْا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

راسلے کہ تم پر اپنا فضل کامل کروں اور تاکہ تم سیدھی
تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

راہ پاؤ۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ - فَوَلِّ

اور سے جگہ تو نکلے سر کرے
وَجْهَكَ - شَطْرَ - الْمَسْجِدِ - الْحَرَامِ

اپنا منہ طرف مسجد حرام -
وَإِنَّهُ - لَلْحَقُّ - مِنْ - رَبِّكَ - وَمَا - اللَّهُ

اور بیشک البتہ حق سے تیرا رب اور نہیں اللہ
بِغَافِلٍ - عَمَّا - تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ - وَمِنْ - حَيْثُ

بے خبر سے تمہارے کام اور سے جہاں
خَرَجْتَ - فَوَلِّ - وَجْهَكَ - شَطْرَ - الْمَسْجِدِ

تو نکلے کرے اپنا منہ طرف مسجد
الْحَرَامِ - وَحَيْثُ - مَا - كُنْتُمْ - فَوَلُّوا

حرام اور جس جگہ تم ہو کر
وَوُجُوهَكُمْ - شَطْرًا - لِئَلَّا - يَكُونَ

منہ اپنے طرف اس کی تاکہ نہ رہے
لِلنَّاسِ - عَلَيْكُمْ - حُجَّةٌ - إِلَّا - الَّذِينَ

لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو لوگ
ظَلَمُوا - مِنْهُمْ - فَلَا - تَخْشَوْهُمْ - وَاخْشَوْنِي

بے انصاف ان میں سوز ان سے ڈرو اور مجھ سے ڈرو
وَلَا تَمَنَّوْا - نِعْمَتِي - عَلَيْكُمْ - وَلَعَلَّكُمْ

اور اس لئے کہ کامل کروں اپنا فضل تم پر اور تاکہ تم
تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

سیدھی راہ پاؤ۔

ان آیات میں بھی قبلہ کی تبدیلی کا حکم مذکور ہے اور ساتھ ہی ارشاد ہے کہ ایسا نہ ہو تمہارے عمل سے لوگوں کو حجّت بازی کا موقع ملے اور مکہ کے کافر و مشرک یہ کہہ سکیں یہ دین ابراہیمی کے اچھے پیروکار ہیں جو ان کے کعبہ کو قبلہ بھی نہیں مانتے جہاں تک ڈر کا تعلق ہے وہ صرف اللہ کا چاہیے فضل و کرم کی تکمیل اور ہدایت و کامرانی اسی کے اختیار میں ہے۔

آنحضرتؐ کی خصوصیات

كَمَا ارْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا

جیسا کہ ہم نے تم میں بھیجا رسول بھیجا۔

مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَ

تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور

يُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْحِكْمَةَ

تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے۔ کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَمْ تَكُونُوا

اور اس کے اسرار اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ

تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

جانتے تھے۔

كَمَا ارْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا

جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں رسول

مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَ

تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے ہماری آیتیں اور

يُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَمْ تَكُونُوا

اور اس کے اسرار اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہ

تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

تم جانتے

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جن خصوصیات کا ذکر ہے۔ ان میں سے چار اس سے قبل آیت نمبر ۱۲۹ میں صفحہ ۱۵۵ پر بھی بیان ہو چکی ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۱ اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں ۱۲۱ لوگوں کا تزکیہ نفس فرماتے ہیں ۱۳۱ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھاتے ہیں۔ ۱۴۱ کتاب کے اسرار و رموز اور عملی صورتیں سکھاتے ہیں۔ ۱۵۱ پانچویں یہ کہ تمہیں وہ کچھ بتلاتے ہیں جو اس سے قبل تمہیں بالکل معلوم نہ تھا۔

انسانی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مختلف قوموں کی طرف اپنے نبی بھیجے اور سچائی کا پیغام ان تک پہنچانے کا انتظام فرما دیا۔ رفتہ رفتہ ہر ایک قوم کو وہ بندی میں مبتلا ہو گئی۔ خدا اور تعصب سے کام لینے لگی اور آسمانی علم و ہدایت کے راستہ سے بہت دور جا پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ تاکہ پہلی امتوں کے ناکارہ ہو جانے کے بعد نئی امت کی بنیاد ڈالیں۔ اپنی تعلیم اور صحبت کے اثر سے انہیں عدل پسند بنا لیں اور یہ امت تمام دنیا کی قوموں کی ہدایت اور رہنمائی کا منصب سنبھالے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ تحویل قبلہ یعنی قبلے کا بدلنا ان نعمتوں کی تکمیل ہے جن کا سلسلہ پہلے ہی سے شروع ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں تحویل قبلہ ان نعمتوں کے سلسلہ کی آخری کڑی ہے جس کی پہلی کڑی تمہارے ہی اندر سے ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجنا ہے۔ تاکہ وہ تمہارے لئے تمام عظیم الشان نعمتوں کا سرچشمہ بنے۔ تمہیں قرآن مجید کی آیات سنائے۔ ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے طریقے بتائے۔ قرآن مجید کے قانونوں پر چلنا سکھائے اور ان قانونوں کے اصول اور ان کی باریکیاں تمہیں سمجھائے تاکہ تم علم و عمل دونوں کے اعتبار سے ساری امتوں پر فوقیت لے جاؤ۔ اور انہیں تمہارا علم و عمل دیکھ کر سب سے افضل ماننے کے سوا چارہ نہ رہے۔

ظاہر ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب انتظام تمہارے لئے نہ کرتے تو تم انجان رہتے اور زندگی کے مسائل کے حل کا طریقہ تمہیں کبھی معلوم نہ ہو سکتا۔

ذکر و شکر

فَاذْكُرُونِيْ - اَذْكُرْكُمْ - وَ - اشْكُرُوا

سو تم یاد رکھو مجھے میں یاد رکھوں گا تمہیں اور - احسان مانو

فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوا

سو تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور تم میرا

لِيْ - وَ - لَا تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

میرا اور نہ - ناشکری کرو۔

لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

- احسان مانو اور ناشکری مت کرو۔

فَاذْكُرُونِيْ (سو تم مجھے یاد کرو) اس کا مادہ ذکر ہے۔ اس کے معنی یاد کے ہیں۔ چنانچہ تسبیح اور وظائف کو ذکر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی یاد کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اشْكُرُوْنِيْ (میرا احسان مانو) شکر کے معنی قدر پہنچانا ہیں جسے احسان ماننا بھی کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں اور قوتوں کا صحیح اور بجا استعمال کرنا۔ ناقدری سے پرہیز کرنا جسے کفرانِ نعمت بھی کہتے ہیں۔

پہلی آیات میں امت مسلمہ کی ترقی کے قاعدے اور اصول بیان کر دیئے گئے ہیں تو اب ضروری ہے کہ قرآن مجید کی دعوت قبول کرنے والوں کو ان قاعدوں کے مطابق عمل کرنے کے لئے ہدایات دی جائیں اور انہیں کہا جائے کہ ان باتوں کو سامنے رکھ کر سرگرم عمل ہو جائیں۔ چنانچہ انہیں سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ اللہ کو ہر دم یاد رکھو۔

اپنے رب کو یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس کی بنائی ہوئی راہ پر پوری ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اٹھتے، بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، غرض ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسند کو مقدم رکھتے۔ خاص طور پر اس یاد کے لئے عبادت کا طریقہ بھی مقرر کر دیا جس کا قائم رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ میں تم پر دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے خاص فضل و کرم کی بارش کرتا رہوں گا۔ اور تم پر نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں ہوتی رہیں گی۔

دوسرا حکم امت مسلمہ کو یہ چہوا کہ ہمارے ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو۔ شکر کی بہترین شکل یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق اسی کے کاموں میں لگایا جائے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے کام کرنے کی جو حدیں مقرر فرمائی ہیں ان کے اندر رہ کر کام کیا جائے۔ اس سے نعمتوں میں اضافہ اور زیادتی ہوتی ہے۔ اسی اضافے اور زیادتی کو برکت کہتے ہیں۔

تیسرا حکم یہ ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، اس کی بخشی ہوئی طاقتوں اور قوتوں کی ناقدری نہ کرو۔ ناشکری سے نہ صرف نعمت چھین جاتی ہے بلکہ شدید عذاب اور سزا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام قوموں کی تعلیم اور رہنمائی کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اس فرض کو کامیابی کے ساتھ نبھانے کے لئے ضروری تھا کہ پہلے ان میں اعلیٰ درجے کے اخلاق اور ضروری خوبیاں پیدا کی جائیں۔ ان خوبیوں میں سے تین خوبیاں آج کے سبق میں بیان کی گئی ہیں، جو تمام خوبیوں کی جڑ ہیں۔ یعنی یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس کی نعمتوں اور دی ہوئی قوتوں کو اسی کے حکموں کے مطابق صرف کریں۔ اور اس نے ہمیں جو طاقتیں، قوتیں اور اسباب بخشے ہیں انہیں اس کی نافرمانی میں نہ لگائیں۔

صبر اور نماز

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ
 اے وہ لوگ جو ایمان والے مدد سے صبر
 وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾
 اور نماز بیشک اللہ ساتھ صبر کرنے والے
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ
 اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد مانگو۔
 وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾
 بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسْتَعِينُوا (مدد چاہو) اس کا مصدر استعانت ہے اور مادہ عون ہے۔ اس کے معنی مدد کے ہیں۔ معاون۔ معاونت اور تعاون کے لفظ بھی اسی مادہ سے نکلے ہیں۔

پچھلے سبق میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک بہت بلند منصب بخشا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دنیا سے شرک و جنت پر دنیا دور کریں۔ اس کے گوشہ گوشہ میں توحید کا پیغام پہنچائیں اور دنیا کی تمام اقوام کی ہدایت اور پیشوائی کا فرض انجام دیں۔ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے ضروری تھا کہ مسلمانوں کے اندر اعلیٰ اوصاف اور اخلاق حسنی پیدا کر دیئے جائیں۔

ان اوصاف میں تین پچھلے سبق میں بیان ہو چکے ہیں یعنی یہ کہ وہ اللہ کی عبادت اور اطاعت میں سرگرم رہیں۔ اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح مواقع پر صرف کریں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری نہ کریں۔ آج کے سبق میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہیں۔ اور کامیابی کے لئے دعا کرتے رہیں۔

اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لئے یہاں دو طریقے ارشاد فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ مشکلات اور مصیبتوں میں صبر کرو۔ اور دوم یہ کہ نماز باقاعدگی سے پڑھتے رہو۔ ہر مقصد کے حصول میں تکلیفوں اور مصیبتوں کا پیش آنا لازمی ہے۔ اس لئے مصیبتوں اور رکاوٹوں کی بنا پر اپنے نسب العین کو نہ چھوڑنا صبر ہے۔

صبر ابرواشت اور مقابلہ کی طاقت اس لفظ کی تشریح سبق ۶۶ میں اس سے ماقبل گذر چکی ہے۔ تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے آپ کو گھبراہٹ سے روکنا۔ مشکلات اور تکالیف کا پامردی سے مقابلہ کرنا۔ نفسانی خواہشات کو عقل پر غالب نہ آنے دینا۔

نماز کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر و فکر سے روح کو قوت ملتی ہے جس جماعت میں یہ دو قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ کبھی ناکام نہیں رہ سکتی۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے مقصد کی پیروی میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کریں گے۔ انہیں اللہ کی خاص معیت اور رفاقت نصیب ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس فرد یا جماعت کے ساتھ اللہ ہو وہ کبھی اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اپنے اندر یہ صفاتیں پیدا کر لینی چاہئیں اور دعوت و تبلیغ میں سرگرم ہو جانا چاہئے۔

شہید زندہ جاوید ہوتا ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَ لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَ لَكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۲﴾

اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے ہیں سبیل اللہ مردے بلکہ زندہ اور لیکن تم شعور نہیں رکھتے

فَسَبِيلِ اللَّهِ الشُّرُكُ الرَّاهِ فِي نَظَاهِرِهِ كَمَا كَوْنِي خَاصِّ رَاسْتَةِ طَرِكٍ أَوْ شَاهِرَةٍ كِي صَوْرَتِ فِي نَهْمِي - بَلْكَ الشُّرُكُ الرَّاهِ سِي مَرَادِهِ طَرِيقَهُ بِي جَوَاشِدِنِي مَقْرَرٌ ذَرْمَايَا - مَثَلًا الشُّرُكُ الرَّاهِ كِي لِنِي مَالٍ وَ دَوْلَتِ خَرِجِ كَرْنَا - جِهَادٍ وَ غَيْرِهِ -

اب ان مواقع اور حالات کا ذکر شروع ہوتا ہے جہاں ضرورت ہوگی۔ یہ ہر اس شخص کو پیش آتے ہیں جو حق کی راہ پر چل رہا ہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دے رہا ہو۔ کیونکہ ان تکلیفوں اور مصیبتوں کے بغیر اچھے اور بُرے آدمی میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے بہت سی جگہوں پر جہاں اس نے قتال اور لڑائیوں کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ وہاں بار بار یہ چیز واضح کی ہے۔ کہ جنگ صرف اس لئے ہوئی اور مسلمانوں پر مصیبتیں صرف اس لئے آئیں کہ منافق اور مومن میں فرق ہو جائے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی زندگی شہیدوں کے خون سے وابستہ ہے جس طرح کھیتی کے لئے پانی اور سورج کی گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ہی آزادی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کے لیے گردنیں نہ کٹیں۔ بے شمار مجاہدوں کا خون نہ بہے۔ جماعت کے لوگ قتل نہ ہوں اور قوم کے لئے ہر شخص سرکٹانے کے لئے تیار نہ ہو۔

جب امت کے قابل قدر لوگ جنگ میں قتل ہونے لگتے ہیں تو قوم میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ کسی دوسری قوم کو اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یہی جذبہ اور جوش قوم کی اصل زندگی اور اس کی شہ رگ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں اپنی جانیں دیں گے۔ ان کی قوم کبھی غیروں کی غلام نہیں ہو سکتی۔

جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والی نسلوں کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔ ظاہر ہے کہ کوئی عمل ایسا نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور اپنی نسل کی حفاظت کے جذبات کا مجموعہ ہو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس فعل کا اجر بھی دائمی ہو اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب حق کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی راہ میں قربان ہونے والے پر موت طاری ہو۔ لہذا شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ البتہ ہماری اپنی کم فہمی کے باعث ہم اس کی زندگی کا احساس نہیں رکھتے۔

امتحان اور آزمائش

وَلَنْبَلُوْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ	وَلَنْبَلُوْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
اور البتہ ہم تمہیں کچھ سے ڈر	اور البتہ ہم تمہیں کچھ سے ڈر
وَالْجُوعِ وَنَقْصِ مِّنَ الْأَمْوَالِ	وَالْجُوعِ وَنَقْصِ مِّنَ الْأَمْوَالِ
اور بھوک سے اور مالوں اور جائزوں اور	اور بھوک اور نقصان سے مال
وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمْرِ تٌ وَبَشِيرٍ	وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمْرِ تٌ وَبَشِيرٍ
میوؤں کے نقصان سے اور صبر کرنے والوں	اور جانیں اور میوے اور خوشخبری سے
الصَّابِرِينَ (۱۵۵)	الصَّابِرِينَ (۱۵۵)
کو خوشخبری دے۔	صبر کرنے والے

پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے صبر کا اعلیٰ درجہ حاصل کیا۔ یعنی انہوں نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور راہ حق میں سرکٹ کر شہید ہوئے۔ اب اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی میں مسلمانوں کو ایسی تکلیفیں اور آزمائشیں پیش آئیں گی جن کا برابر قائم رہنا موت سے بھی زیادہ ایذا دینے والا ہے۔ ایسے موقعوں پر بزدلی اور کمزوری ہرگز نہیں دکھانی چاہئے۔ بلکہ صبر سے کام لینا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ خوش رہتے ہوئے اس کے احکام کی تعمیل میں لگے رہنا چاہئے۔

یہ آزمائشیں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً دشمن کا خوف۔ حق گوئی پر قید و بند اور نظر بندی کا خطرہ۔ جلا وطنی اور اسیری کا ڈر۔ خشک سالی۔ قحط۔ خوراک اور دوسری ضروریات زندگی کی قلت۔ اموال و جائداد۔ روزگار اور معاش میں کمی۔ یار و مددگار عزیز و اقارب اور بھائی بندوں کا اللہ کی راہ میں کٹ جانا۔ اللہ اور رسول کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے دوران میں اپنے رشتہ داروں کو اپنے سامنے فنا ہوتے دیکھنا۔ میوؤں، پھلوں اور دوسری کھانے پینے کی چیزوں کی قلت وغیرہ۔

ان تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائے گا۔ ثابت قدمی اور صبر کو دیکھا جائے گا۔ صابریں میں داخل ہونا کچھ سہل نہیں۔ اس واسطے یہاں تنبیہ کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کی کوشش کے دوران میں ایسی بہت سی تکلیفیں پیش آتی ہیں۔ لیکن صبر کا تقاضا یہی ہے کہ ہم غمزدہ اور دل برداشتہ ہونے کی بجائے اپنے مقصد کی دھن میں سرگرم رہیں۔ اسے حاصل کرنے کا خیال اپنی پوری قوت کے ساتھ قائم رہے اور ان تھک محنت سے اس میں لگے رہیں۔

صبر کرنے والوں کی سیرت

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾
 وہ لوگ کہ جب پہنچے انہیں مصیبت
 قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾
 ہمیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم تو اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

مُصِيبَةٌ: مصیبت لغوی معنی افتاد کے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص بھی مسلمان کو ناگوار گزے پس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔
 اس سے پہلی آیت میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہیں گی اور جو شخص صبر سے کام لے گا وہ ان آزمائشوں میں آسانی سے کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے صبر کرنے والوں کا انجام بخیر ہوگا۔ آج کی آیت میں ان صبر کرنے والوں کی نشانی بیان کی گئی ہے کہ صابرین میں وہ لوگ شامل ہیں جو ہر مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف جانے والے ہیں۔

اس آیت میں ہمیں تین باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ پہلی یہ کہ ہم تمام سب اللہ کی ملکیت ہیں۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر شے بھی ہماری اپنی نہیں۔ نہ بیوی، نہ بچے، نہ مال، نہ جائداد، نہ وطن، نہ خاندان، نہ جسم، نہ جان۔
 انسان کے رنج و غم اور درد و حسرت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ جب ذہن سے یہ خیال نکال دیا جائے اور سمجھا جائے کہ جو چیز ہے سب اللہ کی ہے۔ پھر رنج و ملال کا موقع ہی نہیں رہتا۔ ہر کٹھن اور مصیبت پر یہ ہی کلمہ دہرا دینا چاہئے کہ اپنا کچھ نہیں سب اللہ کے لئے ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رنج اور تکلیفیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں۔ سب آئی جانی، فانی اور عارضی ہیں۔ یہ ختم ہو جائیں گی۔ اور عنقریب انہیں چھوڑ کر مالک حقیقی کی خدمت میں حاضری دینی ہے۔ اس لئے ان سے گھبرانا کیا۔
 تیسری بات یہ ہے کہ یہ مصیبتیں اور آزمائشیں یونہی بیکار نہیں۔ ان کا اجر و ثواب دوسری زندگی میں ضرور ملے گا جو انہیں صبر سے برداشت کر گیا۔ حق پر ثابت قدم رہا اور مقصد حقیقی کو ماتھے سے نہ چھوڑا۔ اُسے اس استقامت کا اجر ضرور ملے گا۔

جس شخص کے یہ تینوں عقیدے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے۔ اسی قدر سکون اور اطمینان نصیب ہوگا۔ ہمیں چاہئے کہ ان باتوں کو ہم ذہن میں خوب اچھی طرح بٹھالیں تاکہ یہ دل پر نقش ہو جائیں۔ اگرچہ صبر کا تعلق دل سے ہے لیکن زبان سے یہ کلمہ ادا کرنے سے زبان دل کی ساتھی ہو جاتی ہے اور اس سے قوت و طاقت ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ آپ ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی **إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** فرماتے تھے۔

صبر کرنے والوں کا صلہ

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۵۶﴾
 وہی ان پر عنایتیں سے ان کا رب اور مہربانی ہے اور وہی سیدھی راہ پر

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۵۷﴾
 ایسے ہی لوگوں پر اپنے رب کی عنایتیں ہیں اور مہربانی ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں

صَلَوَاتٌ (عنایتیں) اس کا واحد صَلَوَةٌ ہے۔ نماز کے علاوہ یہ لفظ دُعا اور رحمت و برکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
 مُتَّقُونَ (سیدھی راہ پر) یہ لفظ ہدایت کے لئے ہے کی تشریح سبق نمبر ۹ میں گذر چکی ہے۔ مختصر یہ کہ اہتداء کے معنی ہیں
 راہ معلوم کرنا۔ اس پر چلنا۔ قائم رہنا یہاں تک کہ منزل مل جائے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو خوشخبری سنانے کا حکم ہے جنہوں نے اللہ کے احکام کو مانا اور ان پر عمل کیا۔
 پہلی آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے ایمان کی پختگی اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا امتحان لینے کے لئے اُن کی
 آزمائشیں ہوا کریں گی۔ انہیں طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچیں گی۔ دشمن کی مخالفت کا خوف ہوگا۔ سچ بولنے پر اہل غرض
 کی طرف سے اذیت پہنچے گی۔ مخالفین کا دباؤ ہوگا۔ قحط، فاقہ، جان و مال کا نقصان اور کھانے پینے کی چیزوں کی کمی کی
 تکلیف بھیلنی پڑے گی۔

ان مصائب کی وجہ سے انسان للہج۔ حرص اور طمع میں اُکرتے ہوئے بھٹک سکتا ہے۔ اس لئے جو لوگ ان مخالفتوں
 کی پروا نہ کرتے ہوئے اللہ کا نام اور اللہ کا دین بلند کرنے کا مقصد نہ چھوڑیں گے۔ بلکہ ثابت قدمی اور استقلال سے اس
 پر ڈٹے رہیں گے۔ وہ صابروں میں شامل ہوں گے۔ ایسے لوگ یہی کہیں گے کہ ہم اور ہماری ہر چیز اللہ کے لئے ہے۔
 اور انجام کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اگر اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے ہوئے ہمیں یا ہماری ان چیزوں کو
 نقصان پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا بہتر سے بہتر بدلہ دینے پر قادر ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ان باتوں کا صلہ ضرور
 عطا فرمائے گا

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے صبر کرنے والوں کا اجر بہت بڑا ہے۔ دُنیا و آخرت میں اُن پر ہماری خاص عنایتیں
 ہوں گی۔ ہم اپنی خاص نعمتیں ان پر بھیجیں گے اور ہماری مہربانی ان پر جاری رہے گی۔ اس لئے انہیں حق کے مخالفوں کی
 مخالفت کے خوف سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے بلکہ ان آزمائشوں میں پورا اترنا چاہئے۔

یہ بھی بتایا گیا کہ آزمائشوں میں صبر کرنے والے سیدھی راہ پر ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ تک کامیابی کے ساتھ پہنچ
 جائیں گے۔

حج کے مراسم

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ
بے شک صفا اور مروہ سے نشانیاں

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ
بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے

اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ
اللہ سوجو کوئی حج کرے بیت یا عمرہ

اللَّهُ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ
ہیں۔ سوجو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا
تو نہیں گناہ اس پر کہ طواف کرے دونوں کا

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا
پر کچھ گناہ نہیں۔ کہ ان دونوں کا طواف کرے۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ
اور جو کوئی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو یقیناً اللہ قدردان

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ
اور جو کوئی اپنی خوشی سے کچھ نیکی کرے تو اللہ یقیناً قدردان

عَلَيْهِمْ (۱۵۸)

جاننے والا

عَلَيْهِمْ (۱۵۸)

سب کچھ جاننے والا ہے

لصَّفَا وَالْمَرْوَةَ (صفا و مروہ) مسجد حرام کے پاس یہ دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا و مروہ بائیں طرف ہے ان دونوں کے درمیان تقریباً سوا فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ صفا کے لغوی معنی صاف پختہ یا خالص پستان کے ہیں اور مروہ کے لغوی معنی سفید سفید نرم پتھر کے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو وادی فاران میں چھوڑ گئے۔ وہ ابھی دودھ پیتے بچہ ہی تھے۔ جب ماں بیٹے کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا اور بچہ پیاس کے مارے تڑپنے لگا تو ماں انتہائی بے چینی اور بے قراری کی حالت میں انہی دو پہاڑیوں پر ادھر سے ادھر دوڑتی تھیں تاکہ کہیں پانی کا چشمہ دکھائی دے جائے۔

شَعَائِرُ (نشانیاں) جمع ہے شعیرہ کی۔ اس کے معنی ہیں عبادت کی مقرر جگہ یا عبادت کا طریقہ۔ حج میں جن مقرر مقامات اور جن طریقوں پر رسوم حج ادا کی جاتی ہیں۔ وہ سب شعائر میں داخل ہیں۔

حج اسلامی عبادت میں چوتھا رکن ہے۔ ماہ ذوالحجہ میں مقررہ تاریخ پر مخصوص طریقہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت۔ قربانی طواف اور دوسرے مراسم بجالانے کو حج کہتے ہیں۔

عموہ خانہ کعبہ کی زیارت کا ایک طریقہ جس کا ثواب حج کے برابر نہیں۔ اس کے لئے کوئی مہینہ اور تاریخ مقرر نہیں اس کے مراسم بھی مختصر ہیں۔

يَطَّوَّفُ (طواف کرے) یہ لفظ طوف سے بنا ہے جس کے معنی گھومنا اور کسی چیز کے گرد چکر لگانا ہیں۔ طواف خانہ کعبہ کے گرد چکر کاٹنے کو کہتے ہیں جو حج کے مراسم میں شامل ہے۔

ان آیات میں حج اور اس کے بعض مراسم کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ محض رسمیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں مقصد یہ ہے کہ انسان میں نیکی کا جذبہ پیدا ہو۔ وہ گناہوں سے پاک ہو کر اللہ کے حضور میں سر بسجود ہو جائے۔

اللہ کی لعنت

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ
بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارا ہے صاف
الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا
حکم اور ہدایت کی باتیں اس کے بعد کہ ہم
بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۚ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ
انہیں لوگوں کے لئے کتاب میں کھول چکے ہیں وہی ہیں جن پر
اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّهُ ۗ (۱۵۹)

إِنَّ - الَّذِينَ - يَكْتُمُونَ - مَا - أَنْزَلْنَا - مِنْ
بیشک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارا ہے
الْبَيِّنَاتِ - وَالْهُدَىٰ - مِنْ - بَعْدِ - مَا
صاف حکم اور ہدایت کی باتیں سے بعد اس کے کہ
بَيَّنَّاهُ - لِلنَّاسِ - فِي - الْكِتَابِ - ۚ - أُولَٰئِكَ - يَلْعَنُهُمُ
ہم انہیں کھول چکے لوگوں کیلئے میں کتاب میں ان پر لعنت کرتا
اللَّهُ - ۗ - وَيَلْعَنُهُمُ - اللَّهُ ۗ (۱۵۹)

ہے اللہ اور ان پر لعنت کرتے ہیں۔ لعنت کرنے والے

الَّذِينَ يَكْتُمُونَ (جو لوگ چھپاتے ہیں) یہ لفظ کتمان سے نکلا ہے اس سے مراد ہے کوئی چیز جان بوجھ کر چھپائی جائے اور
جہاں اس کا اظہار ضروری ہو وہاں ظاہر نہ کی جائے۔ یہاں اشارہ اہل کتاب اور تمام لوگوں کی طرف ہے جو یہ حرکت کرتے ہوں۔
الْبَيِّنَاتِ (صاف حکم) مراد ایسی نشانیاں اور حکم ہیں جو بجائے خود واضح اور روشن ہیں۔ نیز بیانات سے مراد رسالت
محمدی کے دلائل بھی ہیں۔

اللَّعْنُونَ (لعنت کرنے والے) لعن اس کا مادہ ہے اور لعن اس کا واحد ہے۔ لعنت پھٹکار اور دھتکار کو کہتے ہیں
شریعت کی اصطلاح میں لعنت سے مراد ہے بعد عن الرحمة (رحمت خداوندی سے دوری اور رحمت الہی سے محرومی)
پچھلے سبقوں میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ انسان کو اپنے اندر اعلیٰ خوبیاں اور بہترین اخلاق پیدا کرنے چاہئیں اسے چاہئے
کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مصروف رہے۔ دوسروں کو اس سیدھی راہ کے اختیار کرنے کی تلقین کرے۔ مصیبتوں اور تکلیفوں
میں صبر سے کام لے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو صحیح طور سے درست مقام پر استعمال کرے اور ناشکری نہ کرے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ان حکموں کو چھپائیں گے۔ دوسروں کو تبلیغ نہیں کریں گے۔ اصل بات کی بجائے
من گھڑت باتیں بیان کریں گے اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو دلائل اور پیشینگوئیاں آسمانی کتابوں میں موجود
نہیں۔ ان کو چھپائیں گے وہ لوگ ملعون ہیں۔ ان پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے۔ اور اللہ کی دوسری مخلوق بھی جن میں انسان، حیوان،
فرشتے اور جن وغیرہ سب شامل ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں اور دوسرے لعنت کرنے والے
اس کے حق میں لعنت کی بددعا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب حق کو چھپانے کا وبال نازل ہوتا ہے تو دوسری مخلوق بھی اس کے
مجنور میں پھنس جاتی ہے۔

توبہ کی شرائط

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَ

لیکن جنہوں نے توبہ کی اور اپنے کام کو درست کیا اور

بَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ

حق بات بیان کر دی۔ سچی لوگ ہیں جنہیں میں معاف کرتا ہوں

وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾

اور میں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہوں

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا - وَأَصْلَحُوا - وَ

لیکن وہ جنہوں نے توبہ کی اور اپنے کام کو درست کیا اور

بَيَّنُّوا - فَأُولَٰئِكَ - أَتُوبُ عَلَيْهِمْ

حق بات بیان کر دی۔ تو یہی ہیں میں معاف کرتا ہوں انہیں

وَأَنَا - التَّوَّابُ - الرَّحِيمُ ﴿۱۶۰﴾

اللہ میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان

(توبہ کی) توبہ کے معنی ہیں لوٹنا یعنی کسی کام سے باز آ جانا اور آئندہ کے لئے اسے ترک کر دینے کا ارادہ کر لینا۔

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی معافی کے لئے تین شرائط بیان کی ہیں۔

۱- توبہ یعنی گناہ کے احساس و اعتراف کے ساتھ اسے ترک کر دینے کا ہمتیہ کر لینا۔

۲- اصلاح یعنی گناہ اور خرابی سے پیدا شدہ برائیوں کی درستی کر دینا۔

۳- جن باتوں کو چھپا کر وہ جرم کے مرتکب ہوئے تھے انہیں بیان کر دینا یعنی تلافی مافات کرنا۔

پہلی آیات میں بیان ہوا ہے کہ یہودی اور عیسائی دنیاوی لالچ اور حرص میں آ کر اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو بدل دیا کرتے تھے یا کسی مخالفت کے ڈر سے حق بات کہنے سے ڈرتے تھے اور اصل حکم چھپاتے تھے۔ اس طرح ان کے حق چھپانے سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے، ایماندار شک و شبہ میں پڑ جاتے اور حق کی پیروی کرنے والوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی تھیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ملعون قرار دیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی قدیم آسمانی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی خبر پہلے ہی سے دے دی گئی تھی لیکن جب ان لوگوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے سے انہیں دنیاوی نقصان ہوگا۔ ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی اس بشارت کو چھپانا شروع کر دیا۔

ایسے گناہ گاروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ انہیں سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کی لعن طعن کا بھی نشانہ بنیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ یہ ملعون بالکل ناامید نہ ہو جائیں بلکہ وہ اگر اب بھی اپنی بری عادتوں اور حق کو چھپانے سے باز آ جاتیں اور آئندہ کے لئے توبہ کر لیں یعنی اپنی حالت کو درست کر لیں تو ہم نہ صرف اس کی توبہ قبول کر لیں گے بلکہ اپنی رحمت کے سائے تلے بھی آئیں گے وہ ہماری نعمتوں اور رحمتوں کے مستحق ہو جائیں گے۔

کفر کی موت

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ

بے شک جو کافر ہوئے اور وہ کافر ہی

كُفَرًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ

مرگئے انہی پر اللہ کی لعنت ہے۔

وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾

اور فرشتوں اور سب لوگوں کی

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

اس میں ہمیشہ رہیں گے ان پر سے عذاب ہلکا نہ

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۶۲﴾

ہوگا۔ اور نہ انہیں مہلت ملے گی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا - وَمَاتُوا - وَهُمْ

بیشک وہ جو کافر ہوئے اور مر گئے اور وہ

كُفَرًا - أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ

کافر وہی ہیں جن پر لعنت اللہ

وَالْمَلَائِكَةُ - وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾

اور فرشتے اور لوگ سب

خَالِدِينَ فِيهَا - لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا ہوگا ان پر سے

الْعَذَابُ - وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۶۲﴾

عذاب اور نہ انہیں مہلت ملے گی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان کیا گیا تھا کہ جو لوگ زندگی میں اپنے گناہوں اور بُرے کاموں سے توبہ کر لیں اُن پر نادم ہوں۔ آئندہ بُرے کام نہ کرنے کا ارادہ کر لیں اور نیک راہ اختیار کر لیں تو ہم انہیں معاف فرمائیں گے ان کی طرف شفقت و کرم سے متوجہ ہوں گے۔ ان کی توبہ قبول فرمائیں گے اور رحمت کے سائے تلے لے آئیں گے اس ارشاد سے گنہگاروں اور بدکاروں کو گناہ چھوڑنے کی تلقین کی گئی تھی اور نیک بننے کی ترغیب دی گئی تھی جو لوگ اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں۔ دراصل وہی عاقبت اندیش ہیں۔

اب اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس رعایت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ بلکہ ضد اور مٹ دھرمی سے غلط راہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی پھر زندگی بھر اُسے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ کبھی سیدھی اور ایمان کی راہ کی طرف نہ جھکے۔ ہمیشہ بدکاری اور گنہگاری کی زندگی بسر کی اور اسی حالت کفر میں مر گئے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور دنیا و جہاں کے تمام لوگ لعنت بھیجتے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی رحمت، فرشتوں کی برکت اور انسانوں کی شفقت سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی سزا یہ ہوگی کہ وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے ان پر مسلسل اور لگاتار عذاب نازل ہوگا اور پچ بھگنے کی انہیں ہرگز مہلت نہ ملے گی۔

معافی اور سزا کے بارہ میں اسلام کی تعلیم حد درجہ فطری اور متوازن ہے۔ ایک طرف تو اسلام نے توبہ کا طریقہ بتایا کہ جب انسان کو گناہ کا احساس ہو جائے۔ وہ اس کا اعتراف کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اسے اللہ سے معافی مل جاتی ہے۔ دوسری طرف یہ اعلان کیا جو گناہ اور سرکشی پر اصرار کرے کُفر و شرک سے باز نہ آئے وہ لعنت میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اللہ ایک ہے

وَالْهَكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾
 اور تم سب کا سب کا سب ہی سب ہے اس کے سوا
 وَالْهَكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾
 اس کے بڑا مہربان مہابت رحم والا

اسلام کا سب سے اہم مسئلہ توحید کا ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ تمام عقائد کی جڑ اور تمام نیک کاموں کی بنیاد اسی ایمان پر قائم ہے کہ تمام انسانوں کا پروردگار، کائنات کا مالک، عبادت کا مستحق اور قیامت کے دن حساب لینے والا فقط ایک خدا ہے۔ وہی انسان، گناہ، بدکاریاں اور خرابیاں کرتا ہے جسے نہ تو اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ اور برتر ہستی کے وجود کا یقین ہو اور نہ اس کی قوت و طاقت پر اور نہ حساب کے دن پر۔

اہل کتاب اور مشرک قوموں میں جس قدر گمراہی جاہلیت، تاریک خیالی اور وہم پستی موجود تھی۔ اسے دور کرنے کے لئے اسلام نے توحید خداوندی کا عظیم ترین عقیدہ پیش کیا اور بتایا کہ انسان کی ہر ضرورت کو پوری کرنے والا اکیلا خدا ہے اڑے وقت اس کی مدد کرنے والا، نعمتیں دے کر اس کا امتحان کرنے والا روزی مہیا کرنے والا اور پھر اپنی رحمت سے گناہ معاف کر دینے والا وہی خدا ہے۔ اس لئے وہی عبادت کے لائق ہے۔ ہر وقت اسی کو پکارنا چاہئے۔ اسے ہی اپنا مالک اور آقا سمجھنا چاہئے۔ آخرت میں اس کے حضور جواب دہی اور حساب کتاب کا احساس رکھنا چاہئے۔

عقیدہ توحید ہی ایسا عقیدہ ہے، جو ہمیں سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں مدد دیتا ہے۔ اس عقیدہ پر کار بند ہونے سے ہمیں ہر وقت اس کا فکر لگ جاتا ہے کہ کہیں اصل راہ سے بھٹک نہ جائیں۔ دوسروں کے ساتھ بد معاملگی سے پیش نہ آئیں جس طرح اللہ تعالیٰ ہم پر مہربان ہے۔ اسی طرح ہم بھی اس کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آئیں۔

اس آیت سے دو باتیں خاص طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ اس کے سوا انسان کا سر کبھی کے سامنے نہیں جھکنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سراپا لطف و کرم ہے۔ وہ جبار اور قہار ضرور ہے۔ لیکن اس کی رحمت تمام چیزوں پر حاوی ہے انسان کو اس کی رحمت سے کبھی مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہئے۔

مشکلات کیسی ہی بڑی ہوں۔ مقابلہ کتنا ہی زوروں کا ہو۔ اگر ہم حق پر ہیں تو وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ ہمیں کبھی اپنے در سے محروم نہ کرے گا۔

اللہ کے نشانات

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
 بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور
 اِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلكِ الَّتِي
 رات اور دن کے بدلتے رہنے اور کشتیوں میں جو
 تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ
 دریا میں چلتی ہیں لوگوں کے کام کی چیزیں لے کر اور
 مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا
 پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے اتارا پھر اس
 بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
 زمین کو زندہ کیا اس کے مرے بیچے اور اس میں
 فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ مَوْءُودَةٍ تَصْرِيفٍ
 سب قسم کے جانور پھیلانے اور ہواؤں کے
 الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
 بدلتے ہیں اور بادل میں جو اس کے
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ
 حکم کا تابع ہے۔ زمین اور آسمان کے درمیان بیشک ان سب چیزوں

يَعْقِلُونَ ﴿۱۳۶﴾

میں عقلمندوں کیلئے نشانیاں ہیں

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
 بیشک میں پیدا کرنا آسمان اور زمین اور
 اِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلكِ الَّتِي
 بدلتا رات اور دن اور کشتیاں جو
 تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ
 چلتی ہیں دریا ساتھ اس کے کام کی چیزیں لوگ اور
 مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا
 جو اتارا اللہ سے آسمان سے پانی پھر زندہ کیا
 بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ
 اس سے زمین بیچے اس کی موت اور پھیلانے
 فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ مَوْءُودَةٍ تَصْرِيفٍ
 اس میں سے تمام جانور اور بدلتے
 الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
 ہوائیں اور بادل تابع درمیان
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ
 آسمان اور زمین نشانیاں لوگ

يَعْقِلُونَ ﴿۱۳۷﴾

عقلمند

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت اور قدرت کی بے شمار نشانیاں بیان فرمائی ہیں تاکہ انسان ان پر غور کرے اور اس کی الوہیت اور برتری کا اعتراف کرے۔

زمین و آسمان کی پیدائش۔ دن رات کا چکر۔ دریا اور سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا۔ آسمان سے بارش کا اتنا بارش سے مڑوہ زمین میں جان پڑ جانا۔ زمین میں جانوروں کا پھرنا۔ ہواؤں اور بادلوں کا زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور قدرتوں کا نشان نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر ان پر عقل والے غور کر سکتے ہیں۔ نادان کسی چیز سے سبق نہیں لیتے۔

غیر اللہ سے محبت

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ

اور بعض وہ لوگ ہیں جو بناتے ہیں اوروں کو اللہ کے

اللَّهُ آندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

برابر ان کی ایسی محبت رکھتے ہیں۔ جیسی اللہ کی محبت

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

اور مومنوں کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ

اور بعض لوگ جو بناتے ہیں سے دوسرے

اللَّهُ آندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

اللہ برابر ان کی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

اور جو لوگ ایمان لائے زیادہ تر محبت اللہ کی

اَشَدُّ لَدَرَبْر، یہ لفظ نند سے بنا ہے جس کے معنی ہیں مثل یا مقابل۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں محبت، مورتیاں اور دیوتا وغیرہ یا رئیس اور پیشوا۔ یا کوئی اور شے اللہ تعالیٰ کے سوا دل میں جگہ حاصل کر لے اور اس کی محبت دل پر غالب آجائے۔ اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت، رحمانیت اور رحیمیت بیان کرنے کے بعد بتایا کہ انسان کی ضروریات کے لئے ہم نے ساری کائنات پیدا کی۔ مثلاً زمین، آسمان، رات، دن، کشتیاں، بارش، زمین کی پیداوار۔ مویشی، چوپائے، ہوائیں اور بادل وغیرہ۔ انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور آرام سے زندگی گزارتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ ان نعمتوں کو پلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

افسوس انسانوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شکر ادا کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ اس کی نعمتیں کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انہیں اپنے معبود بناتے ہیں۔ اللہ کا شریک ٹھہرانے ہیں۔ اور ان سے ایسی محبت اور عقیدت ظاہر کرتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہئے تھی۔ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

بعض نادان اور نا عاقبت اندیش لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے بتوں، دیوتاؤں اور پیشواؤں کو شریک ٹھہراتے ہیں انہیں قدرت والا سمجھتے ہیں۔ مثلاً عیسائی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کی عبادت کرتے ہیں۔ جاپان والے اپنے بادشاہ کو خدائی خاندان سے سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب خالق و مالک اسی کی ذات ہے۔ معبود وہی ہے تو محبت بھی اسی کی ہونی چاہئے۔ ایک مومن کامل کی نشانی یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھے۔ اپنے دل میں اس کی محبت سب سے زیادہ مضبوط کرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

مومن وہ ہے جس کی دشمنی اور دوستی اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ جسے اللہ چاہے۔ وہ اسے دوست رکھتا ہے اور جس سے اللہ ناراض ہو اسے دشمن سمجھتا ہے۔

تمام قوت اللہ کی ہے

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ
اور اگر یہ ظالم دیکھ لیں اس وقت کو جب

يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ
کہ عذاب دیکھیں گے کہ پیاری قوت

لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ وَآتَى اللَّهُ
اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا

شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾
عذاب سخت ہے

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ
اور اگر دیکھ لیں یہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جب

يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ
دیکھیں گے عذاب کہ قوت

لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ وَآتَى اللَّهُ
اللہ کے لئے ساری اور کہ اللہ

شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾
سخت عذاب

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے واحد ہونے، کائنات کا خالق ہونے اور مومنوں کا رتبہ بتانے کے بعد اپنی قوت اور طاقت کا پتہ دیا اور فرمایا کہ کافر اور مشرک اپنی کم عقلی، جہالت اور ناعاقبت اندیشی کے سبب مختلف چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں انہیں اپنی حاجتوں کا پورا کرنے والا سمجھتے ہیں۔ مصیبت کے وقت مدد کرنے والا خیال کرتے ہیں اور عبادت کے صلہ میں انعامات کی بارش کرنے والا گمان کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں قوتوں کی مالک ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کاش! یہ منکر ہیں حق اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے اس عذاب کو دیکھ لیتے جو ہم قیامت کے دن ان پر نازل کریں گے جسے دیکھ کر یہ فوراً کہہ اٹھیں گے کہ ہر قسم کی قوت و طاقت، عظمت و قدرت اور اختیار و اقتدار صرف اللہ کے لئے ہے کسی کو اس کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ اس کے سوا کوئی دوسری ہستی کسی کی مدد نہیں کر سکتی اور ہر چیز اس کے آگے عاجز ہے۔ اس روز کسی کا مال و اسباب کچھ اس کے کام آئے گا اور نہ عزیز و قریب ساتھ دے سکیں گے ہر شخص اپنے محرم بھائی بند ماں باپ بیوی بچوں، یار دوستوں اور عزیزوں سے دور بھاگے گا تاکہ کہیں ان کا وبال اس کے اوپر نہ آ پڑے۔ اس روز مشرک لوگ اپنے ان باطل معبودوں اور جھوٹے شریکوں کو بھول جائیں گے اور الامان الامان پکاریں گے۔

دنیاوی زندگی میں انسان پر طرح طرح کی مصیبتیں اور آزمائشیں نازل ہوتی ہیں۔ اسے اپنی عقل سے کام لے کر یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ان سے سبق حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جانا چاہئے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس عاجزی اور نیاز مندی کو توبہ و استغفار اور دعا کو عبادت کی جان بتلایا گیا ہے فرمایا:

الدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ أَدْعَاءُ عِبَادَتِكَ مَغْفِرَةٌ

مُشْكَرُونَ کی بے بسی

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ
 جب بیزار ہو جائیں وہ پیروی کی گئی سے جنہوں نے
 اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ
 پیروی کی اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گے
 بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ
 ان سے اسباب اور کہیں گے وہ جو
 اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ
 پیروکار کاش کہ ہمارے لئے لوٹ جانا پھر ہم بھی بیزار ہوجاتے ان سے
 كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَلِكَ يَرَبُّهُمْ
 جیسے یہ بیزار ہوئے ہم سے اس طرح انہیں دکھائے گا
 اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسْرَتٍ عَلَيْهِمْ
 اللہ ان کے کام حسرت ان پر
 وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾
 اور نہیں وہ نکلنے والے سے آگ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے ایک ہولناک منظر کا بیان فرمایا ہے۔ کاش! غلط کارِ مُشْكَرِکِ آج اس پر غور کر کے عبرت
 پکڑ لیں اور بے راہ روی سے باز آجائیں۔

اس دن جھوٹے مرشد جنہوں نے دنیا میں نادان عوام کو اپنے پیچھے لگا رکھا تھا۔ ان لوگوں کو چھوڑ دیں گے جنہوں نے دنیا میں ان
 کی پیروی کی تھی اور ان کے پیچھے لگ کر راہِ حق چھوڑ بیٹھے تھے۔ یہ گھڑی ان نادان پیروکار مریدوں کے لئے بڑی بھیا تک ہوگی
 کہ ان کے مرشد جو بے دے چکے ہوں گے۔ اسباب کٹ گئے ہوں گے اور عذاب سامنے نظر آ رہا ہوگا۔

نادان مرید کہیں گے کہ کاش! دنیا میں ایک بار جانا نصیب ہو اور ہم ان مکار مرشدوں سے اسی طرح بیزاری اختیار کریں
 مگر اب کچھ نہ ہو سکے گا۔ عمل ایک مرت کا دفتر بن کر ان کے سامنے ہوں گے اور جہنم کی آگ سے پھسکار سے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔
 الَّذِينَ اتَّبَعُوا جن کی پیروی کی گئی، اتباع اس کا مصدر ہے جس کے معنی پیروی کرنا ہیں۔ مراد مرشد جن کی پیروی کی
 جاتی ہو۔

الَّذِينَ اتَّبَعُوا جنہوں نے پیروی کی یعنی وہ پیروکار اور مرید جنہوں نے پیروی کی ہو۔

حلال و طیب غذا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ
اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے کھاؤ
حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوتِ
حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کے قدموں
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾
کی۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ
اے لوگو! کھاؤ میں سے جو میں زمین
حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوتِ
حلال پاک اور نہ پیروی کرو قدم
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾
شیطان بیشک وہ تمہارا دشمن کھلا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے حلال و حرام کے فرق کو بیان فرمایا ہے اور کھانے پینے کی چیزوں میں دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں (۱) حلال ہونا (۲) طیب ہونا۔
حلال: اس چیز کو کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممنوع نہ ہو۔ شریعت نے اسے جائز کہا ہے۔ حرام اور ناپسندیدہ نہ قرار دیا ہو۔ مثلاً پانی، سبزیاں، گوشت، دالیں وغیرہ۔
طیباً: پاکیزہ اور چیز جو حلال ہو۔ ساتھ ہی نجاست اور گندگی سے پاک ہو۔
غذا کے اندر اسلام نے حلال و طیب کی دو شرائط لگا کر ایک بہت بڑی خوبی پیدا کی ہے۔ ان اصولوں کی بنا پر ہر وہ شے جو پاکیزہ نہیں۔ روح و جسم کے لیے مضر ہے یا جائز طور پر حاصل نہیں کی گئی ہے۔ اس کا کھانا پینا اور استعمال کرنا ممنوع ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزگی کا اس قدر خیال رکھا کہ وہ چیزیں جن کی بوجہ عام طور پر طبیعت پر گراں گزرتی ہے، مکروہ قرار دیں اور انہیں کھا کر مسجد میں آنے کو ناپسندیدہ بیان کیا تاکہ ساتھی نمازیوں کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔ عربوں نے بعض چیزیں از خود حرام قرار دے رکھی تھیں مثلاً بتوں کے نام پر پھپھوڑے ہوئے جانور اور اس طرح بعض دوسری غذائیں۔ نیز انہوں نے بعض حرام چیزوں کو شیر مادر کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسلام نے اس بات کو روکا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے: "جس شخص کا کھانا حرام کا۔ لباس حرام کا۔ غذا حرام کی ہو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔"
اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ حلال و طیب کی پروا نہیں کرتے وہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے۔ وہ کبھی انسان کی خیر خواہی نہیں کرتا۔

برائی اور بے حیائی

إِنَّمَا - يَا مُرْكُوبًا - بِالسُّوءِ - وَالْفَحْشَاءِ
وہ نہیں علم کرے گا برائی سے اور بے حیائی

وَأَنْ تَقُولُوا - عَلَى - اللَّهِ - مَا
اور کہ جھوٹ لگاؤ پر اللہ جو

إِنَّمَا يَا مُرْكُوبًا بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ
وہ نہیں علم کرے گا کہ بڑے کام اور بے حیائی

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا
کرد اور اللہ پر جھوٹ لگاؤ وہ باتیں جنہیں

لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾

تم نہیں جانتے

لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۸﴾

نہیں تم جانتے

السُّوءُ برائی، وہ چیز جو عقلاً اور شرعاً بُری ہو۔

الْفَحْشَاءُ بے حیائی، وہ جسے اخلاق اور ادب نے ناپسندیدہ ٹھہرایا ہے۔ لفظ فحش اور فاحشہ اسی سے ہیں۔

اس آیت میں شیطان کی دو خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ ہمیشہ انسان کو بُرائی اور بے حیائی سکھاتا ہے۔ اس سے کبھی بھی انسان کو فائدہ کی امید نہیں رکھنی چاہئے بلکہ اس کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ سراسر بُرائی، گندگی، بے حیائی، گمراہی اور ناپاکی میں آلودہ ہے اور دوسروں کو بھی آلودہ رکھنا چاہتا ہے۔ ہر لحظہ کسی نہ کسی شرارت، فساد، فتنہ اور گڑ بڑ پر اُکساتا ہے اور نیکی میں روٹے اٹکاتا ہے۔ ایسی تمام خواہشیں اور کام جو انسانی برادری اور خود انسانیت کے لیے مہلک ہیں وہ سب بُرائی اور بے حیائی میں آجاتے ہیں۔ سوسائٹی کے امن و امان کو خراب کرنا۔ باہمی اخوت اور برادری میں تفریق پیدا کرنا۔ اتحاد اور تعاون کی جڑ اُکھاڑنا۔ بندوں کے حق پورے نہ کرنا۔ غرض تمام شر و فساد پھیلانے والے کام شیطانی ہیں۔

شیطان کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو ترغیب دیتا ہے کہ اپنے پاس سے من گھڑت باتیں بتایا کرے اور ظاہر یہ کرے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ لیکن شیطان کی پیروی کرنے والے لوگ مال کی حرص، دنیاوی طمع، عارضی فائدے اور ناپائیدار چیزوں کو حاصل کرنے کی خاطر یہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ یہودی علماء میں یہ مرض عام ہو گیا تھا۔ وہ لوگ عوام کو دھوکہ دینے کے بے اپنے مفید مطلب باتیں کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف فسوس کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دین کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں اور وہ آئندہ کے لیے ناکام ہو گئے۔ ہمیں اس آیت سے سبق سیکھنا چاہئے کہ نہ بدی اور بے حیائی میں حصہ لیں۔ نہ جھوٹے مسائل گھر کر لوگوں کو سناٹیں کیونکہ یہ دونوں کام شیطانی ہیں۔

اندھی تقلید

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا
 اور جب کہا جاتا ہے ان سے تابعداری کرو جو
 أَنْزَلَ اللَّهُ - قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ
 نازل فرمایا اللہ کہتے ہیں بلکہ ہم تابعداری کریں گے
 مَا الْفَيْنَا عَلَيْهِ - أَبَاءَنَا - أَوْ لَوْ كَانَ
 جو ہم نے دیکھا اس پر اپنے باپ دادا بھلا اگرچہ ہوں
 أَبَاؤُهُمْ - لَا يَعْقِلُونَ - شَيْئًا - وَلَا
 ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ اور نہ
 يَهْتَدُونَ ﴿١٤٠﴾
 سیدھی راہ جانتے ہوں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا
 اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو
 أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ
 اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں ہم تو اس کی تابعداری کریں گے
 مَا الْفَيْنَا عَلَيْهِ - أَبَاءَنَا - أَوْ لَوْ كَانَ
 جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا - بھلا اگرچہ ان کے
 أَبَاؤُهُمْ - لَا يَعْقِلُونَ - شَيْئًا - وَلَا
 باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ
 يَهْتَدُونَ ﴿١٤٠﴾
 سیدھی راہ جانتے ہوں

اس آیت میں وہم پرستوں کی ایک عادت کا بیان ہے یعنی جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اس کے حکم اور قانون کی پیروی کرو۔ اس کے حکموں کے مطابق دولت کمادو۔ اس کے حکموں کے مطابق دولت خرچ کرو۔ معاملات میں، لین دین میں، خرید و فروخت میں، بیابہ شادی میں، نکاح و طلاق میں اسی کی دی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرو۔ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا اور اپنے بڑوں کی رسموں اور خاندانی روایات کا لحاظ کریں گے۔ ہم تو ان راستوں پر چلیں گے جن پر ہم نے اپنے بڑوں سے بڑھوں کو چلتے دیکھا۔ گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھڑک کر یہ لوگ اپنے بڑوں کی روایات کو مانتے ہیں۔ ان کی رسموں کو مقدم سمجھتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت سے زیادہ اہمیت اور وقعت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے بڑوں کی اندھا دھند پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ممکن ہے کہ ان کے باپ دادا کو کوئی سمجھ بوجھ نہ ہو۔ وہ گمراہی میں بھٹک رہے ہوں۔ سیدھی راہ سے بالکل مٹے ہوئے ہوں۔ لہذا ایسے باپ دادا کی اندھی پیروی سے یہ لوگ ضرور تباہی اور بربادی میں جا گریں گے۔ علامہ اقبال نے اس تصور کو شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے

آئین نو سے ڈرنا۔ طرز کس پر اڑنا
 منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اندھی تقلید کی مثال

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي
اور ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص
يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً
ایک چیز کو پکارے جسے سوا پکارنے اور چلانے کے
صَمٌّ بَكْرٌ عَمَىٰ فَهْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾
کچھ نہ سنے وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتے

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي
اور مثال وہ لوگ جو کافر ایسی ہے کوئی شخص
يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً
پکارتے ایک چیز کو اور نہ سنے سوا پکارنا اور چلانا
صَمٌّ بَكْرٌ عَمَىٰ فَهْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾
بہرے گونگے اندھے سو وہ نہیں سمجھتے

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان کافروں کی مثال ان جانوروں جیسی ہے جنہیں چرواہا پکارتا ہے۔ جانور اس کی آواز کو سنا ضرور ہے۔ لیکن سمجھتا کچھ نہیں۔ چرواہا سمجھے، آگ لاپتا ہو یا بڑا بھلا کہہ رہا ہو۔ جانور کو سوائے چیخ و پکار کے کچھ تہ نہیں چلتا۔ یہاں پکارنے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور کفار کو جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ضرور سنتے ہیں لیکن اس میں غور و فکر نہیں کرتے کہ اس آواز میں ان کے لئے کیا کچھ ہے اور انہیں اس آواز کے جواب میں کیا کرنا ہے۔

دعوت حق کو قبول نہ کرنے والے کو یا بہرے ہیں کہ حق کی آواز ان کے کانوں سے داخل ہو کر دل پر اثر نہیں کرتی۔ وہ سنی بات کو ان سنی کر دیتے ہیں۔ وہ گونگے ہیں کہ حق کو سنتے اور سمجھتے ہیں لیکن زبان سے اس کا اعتراف نہیں کرتے۔ اگر دل مان بھی لے پھر بھی اقرار نہیں کرتے اور دوسروں تک حق کا پیغام نہیں پہنچاتے۔ وہ اندھے ہیں کہ راہ حق کو نہیں دیکھتے۔ آنکھیں ہونے کے باوجود انہیں کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ اگر ان طاقتوں کا استعمال حق کے لئے نہ ہو اور حق کی راہ میں کام نہ آئیں تو ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ جس ہستی نے انسان کو طاقتیں بخشی ہیں اگر یہ اسی کے احکام کے مطابق کام نہ کریں۔ انسان کو اس کے حقیقی مالک کا راستہ نہ دکھائیں۔ ان سے ملنے کا طریقہ نہ بتائیں تو ان کے ہونے کا کیا فائدہ؟ مثال کے طور پر کسی کے پاس کھانے کی چیز موجود ہو اور اسے کام میں نہ لائے تو کہا جائے گا کہ اس شخص کے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ یا کسی آدمی کے پاس روپے پیسے کے ڈھیر ہوں لیکن وہ انہیں خرچ نہ کرتا ہو بلکہ انہیں گن گن کر سنبھال کر رکھتا ہو تو یہی کہا جائے گا کہ یہ دولت نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی حال ان کفار کا ہے کہ ان کے پاس کان۔ زبان۔ آنکھیں موجود ہیں لیکن ان سے وہ کام نہیں لیتے جو لینا چاہئے۔

حرام غذائیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
 مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن
 كُنتُمْ رِثَاءَ تَعْبُدُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ
 عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَالْحَمَّ وَالْخِنْزِيرِ
 وَمَا أُهْلِيَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ
 اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ
 مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن
 كُنتُمْ رِثَاءَ تَعْبُدُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ
 عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَالْحَمَّ وَالْخِنْزِيرِ
 وَمَا أُهْلِيَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ
 اور جو یا جائے اس پر سوا اللہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور فرمایا ہے کہ ہم نے بے شمار پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ انہیں کھائے اور اپنی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ لگائے۔ اللہ تعالیٰ کی صحیح بندگی کا تقاضا تو یہی ہے کہ انسان اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو۔ اس کا شکر ادا کرے اور کسی دوسری ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اس کے بعد چند حرام اشیاء کا ذکر ہے۔

الْمَيْتَةَ (مردہ جانور) یعنی ایسا جانور جو از خود مر جائے۔ یا ہلاک ہو گیا ہو لیکن اسے شریعت کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو۔

اسی طرح اگر زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مردار ہی شمار ہوگا۔ دو جانور ایسے ہیں جو حدیث کی رو سے ذبح کرنے کے بغیر بھی جائز ہیں ایک مچھلی دوسرے مڈھی۔

مردار کے علاوہ حرام اشیاء میں دم (خون) سور کا گوشت اور وہ جانور بھی شامل ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔

لَحْمَ الْخِنْزِيرِ سور کا گوشت قرآن مجید میں سور کی حرمت کا ذکر واضح لفظوں میں موجود ہے۔ تحقیقات سے یہ بات پابند ہو

کو پہنچ چکی ہے کہ سور سب سے زیادہ بے غیرت جانور ہے اور اس کا گوشت متعدد اخلاقی اور جسمانی مضر اثرات رکھتا ہے۔ سور کا گوشت کھانے والی اقوام اس کا زندہ ثبوت ہے۔

مَا أُهْلِيَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے یعنی کسی اور کے نام پر ذبح کیا جائے یا بھینٹ چڑھایا جائے۔ اُھلّٰی کے لفظی معنی آواز بلند کرنا اور پکارنا ہیں۔

مجبوری کی صورتیں

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا

رَحِيمٌ ﴿۱۴۲﴾

نبایت مہربان ہے۔

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
تو نہیں گناہ اس پر بیشک اللہ بخشنے والا

رَحِيمٌ ﴿۱۴۲﴾

مہربان

اضْطُرَّ ا بے اختیار ہو جائے اور ضرورت اسی کے مادہ سے نکلا ہے۔ اس کا مصدر اضْطَرَّ ا بے اختیار ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایسی مجبوری میں پھنس جائے کہ جان پر اپنے تو ایسی مجبوری کے وقت حرام غذا صرف اس حد تک کھانے کی اجازت ہے جس سے جان بچ سکے۔ مثلاً کھانا میسر نہ ہو اور جان نکلنے کی نوبت آجائے اور حرام شے کے سوا کوئی چیز نہ ملے یا تنگ دستی کی وجہ سے حلال غذا میسر نہ آتی ہو یا کسی مرض میں ماہر طبیب کے مشورے پر حرام شے کا استعمال ضروری ہو۔ صرف ان صورتوں میں اس حد تک حرام شے کے استعمال کی اجازت ہے جس سے جان بچ سکے۔

غَيْرَ بَاغٍ (نافرمانی نہ کرے) غَيْرَ بَاغٍ کا مطلب یہ ہے کہ حرام غذا کھانے والے کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو۔ صرف جان بچانا مقصود ہو۔ چونکہ جان بچانا بھی اسی کا حکم ہے۔ لَاعَادٍ (زیادتی نہ کرنے والا) یعنی شریعت کی حدود سے بڑھنے والا نہ ہو۔ اگر مجبوری کے عالم میں کھانے لگے تو زیادہ نہ کھائے بلکہ صرف اتنا کھائے جس سے بس صرف جان بچ جائے۔

غَفُورٌ (بخشنے والا) یعنی ایسی بخشش والا کہ بعض حالات میں گناہوں پر سزا نہیں دیتا بلکہ گناہ بھی باقی نہیں رہنے دیتا۔ مثلاً مجبوری میں بقدر ضرورت حرام شے کے استعمال پر بندش نہیں کرتا اور سزا نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت اور مہربانی سے کام لے کر ان حرام چیزوں کو بھی بعض بعض حالات میں حلال کر دیا ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان کسی وجہ سے ان کے استعمال پر مجبور ہو جائے کہ اس کے بغیر جان نہ بچتی ہو اور دوسری یہ کہ وہ اس وقت حرام چیز محض لذت حاصل کرنے کے لئے نہ کھائے بلکہ بقدر ضرورت ہو جس سے بس زندہ رہ سکے۔ جان بچانا صرف فرض ہے۔

مجبوری کی حالت میں ان چیزوں کو نہ کھانا گناہ بھی ہے۔ کیونکہ جان بچانا اولین فرض ہے۔ ایسے موقعوں پر غذا نہ کھانا خودکشی کے برابر ہے اور ظاہر ہے کہ خودکشی حرام ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اول تو ان حرام چیزوں سے کلی پرہیز کریں اور اگر ان کے استعمال پر مجبور ہو جائیں تو نیت نیک رکھیں اور کم سے کم مقدار استعمال کریں۔

بڑے عالموں کی سزا

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ
بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ اللہ
اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَسْتُرُونَ بِهِ
نے کتاب نازل کی اور اس پر تھوڑا سا
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ
مول لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں
فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ
نہیں بھرتے مگر آگ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ
بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کیا
اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَسْتُرُونَ بِهِ
اللہ سے کتاب دیتے ہیں اس پر
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ
مول تھوڑا وہ نہیں بھرتے
فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ
میں اپنے پیٹ مگر آگ

ثَمَنًا قَلِيلًا (تھوڑا سا مول) آخرت کے فوائد اور اجر و ثواب کے مقابلہ میں دنیا کے فائدے خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں
بے حقیقت اور تھوڑے ہیں۔ یہاں ثَمَنًا قَلِيلًا سے یہی مراد ہے۔
قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ ان تمام چیزوں پر روشنی ڈال دی جو انسان کے لیے حلال ہیں اور ان چیزوں کی بھی
وضاحت کر دی جو نوع انسانی کے لیے حرام ہیں۔ یہ تمام قوانین اس لئے نازل کئے گئے کہ لوگ ان سے رہنمائی حاصل کریں، اور
اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے حکموں کی تعمیل کریں۔ ہر شخص تک ان سچے اور اعلیٰ حکموں کو پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ زیادہ سے
زیادہ لوگ اپنے آپ کو ان کی روشنی میں سنوار سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شریعت میں بھی ایسے حکم اور ممنوعات شامل کئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ قوم سیدھی راہ پہچان لے
لیکن ہوا یہ کہ ایک گروہ مذہب کا ٹھیکیدار بن گیا اور یہ گروہ اجارہ ور رہا، علماء کا طبقہ سمجھا جانے لگا۔ تورات کی تشریح اور تفسیر
کرنا اس گروہ نے اپنی ٹھیکیداری سمجھ لیا۔ پھر دنیاوی طمع میں آکر لوگوں کو اپنے مفید مطلب مسئلے بتانے لگے اور چند ٹکے لے کر اصل
احکام کو الٹ پھیر کر اور اول بدل کر لوگوں کی مرضی کے مطابق باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس طرح احکام کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ یہ طبقہ
خود بھی راہ راست سے ہٹا اور اس گروہ نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اس آیت میں ان کی یہ سزا بتائی گئی ہے کہ وہ اس جرم کے مرتکب ہو کر آگ کھا رہے ہیں جیسے کسی نہایت لذیذ کھانے میں زہر
ملا ہوا ہو۔ تو ویسے ظاہری طور پر تو اس کی لذت بہت ہوگی، لیکن پیٹ میں جانے کے بعد وہ آگ لگا دے گا اسی طرح یہ لوگ
دنیاوی طمع میں آکر آخرت برباد کر رہے ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان کی زندگی بہت ٹھاٹھ اور آرام سے گذر رہی ہے، لوگ ان کی عزت
کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا انجام بہت ہولناک ہوگا۔

مزید سزائیں

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہ کرے گا

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے

عَذَابٌ

دردناک عذاب ہے۔

وَلَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور نہ ان سے بات کرے گا۔ اللہ دن قیامت

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے عذاب

عَذَابٌ

دردناک

پچھلے سبق میں ان عالموں کا ذکر کیا گیا تھا جو حق کو چھپاتے ہیں۔ اللہ کے احکام کو بدل کر اپنی یاد دوسروں کی مرضی کے مطابق پیش کرتے ہیں۔ عارضی فائدوں اور دنیاوی لالچ میں آکر سیدھی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان کا انجام یہ بتایا گیا تھا کہ مال و دولت نہیں بلکہ اپنے پیٹ میں آگ بھری ہے۔ اب ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مزید تین سزائیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے خطاب نہیں کرے گا۔ اس طرح یہ بڑے علماء اللہ کی رحمت اور شفقت سے محروم رہیں گے۔ خالق کائنات اور قیامت کے دن کا مالک ان کی طرف سے رخ پھیر لے گا۔ یہ اس کی رحمت سے محرومی اور غصے کا اظہار ہوگا۔
۲۔ وہ گناہوں سے کبھی پاک نہیں ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈالے گا اور انہیں تزکیہ و اصلاح میسر نہ ہوگی۔ بعض اور گنہ گاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کام لے کر سزا دینے کے بعد معاف فرما دے گا اور پاک کر دے گا۔ لیکن یہ بڑے عالم ہمیشہ دوزخ میں پڑے سڑتے رہیں گے۔ نہ ان کے گناہ جھڑپیں گے نہ وہ پاک ہوں گے اور نہ جنت میں داخل ہو سکیں گے۔

۳۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی اور روحانی بھی اور اس مصیبت سے انہیں کبھی نجات نہ ملے گی۔ اللہ اس عذاب سے بچائے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق بات کو چھپانا، سچ کو ظاہر نہ کرنا۔ سچ باتوں کی غلط تعبیر کرنا اور اللہ کے احکام کو غلط رنگ میں ظاہر کرنا کتنا بڑا جرم ہے جس کی اتنی بڑی سزائیں ہیں۔ یہ اس لئے اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے قوم کی قوم تباہ ہو جاتی ہے اور سیدھی راہ سے ہٹ کر گمراہی کے تاریک گڑھے میں جا گرتی ہے اگر ایک طرف حق کوئی اور بے باکی سب سے اعلیٰ صفات ہیں تو دوسری طرف روباہی اور مدامہنت (حق کو چھپانا) بدترین اخلاقی جرم ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظالم حکمران کے سامنے حق بات بیان کرنے کو جہاد سے تعبیر فرمایا ہے۔

گھائے الاسودا

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَاةَ بِالْهُدَى
 یہی جنہوں نے خریدنا گمراہی کو ہدایت کے لئے
 وَالْعَذَابِ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَدَهُمْ
 اور عذاب بخشش کے بدلے کس قدر وہ صبر کرنے والے
 عَلَى النَّارِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ
 میں اپنی دوزخ پر یہ اس لئے کہ اللہ اتاری
 الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
 کتاب حق کے ساتھ اور یہ جنہوں نے اختلاف کیا
 فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۚ
 میں کتاب میں صد دور

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَاةَ بِالْهُدَى
 یہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی
 وَالْعَذَابِ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَدَهُمْ
 اور بخشش کے بدلے عذاب، سوہ کس قدر صبر کرنے والے
 عَلَى النَّارِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ
 میں دوزخ پر یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے کتاب حق
 الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
 کے ساتھ اتاری۔ اور جن لوگوں نے کتاب
 فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۚ
 میں اختلاف کیا۔ وہ دور صد میں جا پڑے ہیں۔

اس آیت میں سچائی کے پھیلنے اور چند ٹکوں پر دین کے بیچنے والے لوگوں کے سودے کی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ خود تو یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے حق بیچ کر مال و دولت اکٹھا کر لیا۔ دنیا کمالی۔ عیش کا سامان اکٹھا کر لیا اور بڑا اچھا سودا کیا۔ لیکن قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اس سودے میں انہوں نے سب کچھ کھو دیا۔ انہوں نے ہدایت کو قربان کر کے گمراہی خریدی ہے۔ راہ راست کو بھلا کر کج رومی اختیار کی ہے۔ روشنی چھوڑ کر تاریکی میں پناہ لی ہے۔ ایمان ترک کر کے گمراہی کو ترجیح دی ہے۔ آخرت کی بجائے دنیا کو پسند کیا ہے۔ اس سے زیادہ خسارے اور نقصان والا سودا اور کون سا ہوگا۔ ان لوگوں نے عارضی فائدوں کو حاصل کیا ہے اور ہمیشہ کے آرام حاصل کرنے کی کوئی پروا نہیں کی۔

سچی بات کو چھپانا۔ اللہ کے احکام کو غلط رنگ دینا۔ حق فروشی کی تجارت کرنا۔ تھوڑے سے فائدے کے لئے حق کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے اور اس جرم کی سزا بہت دردناک ہے۔ یہودیوں کی بد عملیوں سے ہمیں سبق سیکھنا چاہئے تاکہ ہم ان گناہوں کی سزا سے بچ سکیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ اللہ نے حق نازل کیا۔ لیکن انہوں نے حق میں اختلاف کیا۔ اگر اختلاف کی کوئی جائز وجہ ہوتی پھر بھی کوئی بات تھی۔ لیکن انہوں نے محض ضد اور تعصب کی وجہ سے حق کو نہ مانا۔ تعاون کی بجائے اختلاف اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ انہوں نے مذہب کو بھی نسل اور خاندانی میراث سمجھ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت صرف اس لئے کی کہ وہ اسرائیلی نہیں بلکہ اسمعیلی تھے۔ اگرچہ ایک ہی دادا کی اولاد تھے۔

اصل نیکی

اچھے عقائد

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
 نیکی یہی نہیں کہ اپنا منہ کر لو مشرق یا
 قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ
 مغرب کی طرف لیکن نیکی یہ ہے جو
 مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
 کوئی اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر
 الْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ
 اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور پیغمبروں پر

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
 نہیں نیکی کہ کر اپنے منہ
 قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ
 طرف مشرق اور مغرب لیکن نیکی
 مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
 جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت کا اور
 الْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ
 فرشتے اور کتابیں اور پیغمبر

الْبِرُّ نیکی عربی زبان میں اس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ ہر قسم کی نیکی اس لفظ کے مفہوم میں آجاتی ہے۔
 الْمَشْرِقُ مشرق جس طرف سے سورج پڑھے۔ بہت سی مشرقی قومیں سورج کو دہاتا مان کر پرستش کرتی رہی ہیں اور چونکہ یہ
 مشرق کی طرف سے نکلتا ہے اس لئے جاہل قوموں نے مشرق کو بھی ایک مقدس سمت سمجھ لیا۔ قرآن مجید نے اس خیال پر ضرب کاری لگائی اور بتایا
 کہ صرف کسی سمت کو مقدس مان لینا اطاعت اور نیکی نہیں۔ نیکی کی تکمیل تو اچھے عقیدہ اور درست ہموں سے ہوتی ہے۔
 الْمَلَائِكَةُ فرشتے، اس نورانی مخلوق کا وجود ماننا جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہموں پر لگے ہوتے ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے
 الْكِتَابُ کتاب مراد تمام آسمانی کتابیں ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا لازمی ہے۔
 النَّبِيِّينَ مراد تمام انبیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً دنیا میں تشریف لائے۔ ان سب
 پر ایمان لانا ضروری ہے۔

یہودیوں نے جب شرک کی مذمت اور شرک کرنے والے کی سزا کا اعلان قرآن مجید کی زبانی سنا تو کانپ اٹھے اور جواب میں کہنے
 لگے کہ ہم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اس لیے ہم تو آسمانی کتاب کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم پر عذاب کیوں نازل ہوگا
 اس آیت میں ان کی اس کٹ جتنی کا جواب دیا گیا ہے۔

یہ آیت قرآن مجید کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔ اس میں نیکی کا ایک جامع تصور دیا گیا ہے کہ نیکی محض بندگی اور پرستش کا نام
 نہیں اور کسی خاص سمت رخ کر کے عبادت کرنے کا نام نہیں بلکہ اسلام کے نزدیک نیکی عقیدہ و عمل دونوں کی درستی سے پیدا ہوتی
 ہے۔ اس میں ایمان، معاملات، عبادات، اخلاق اور اخلاص و قربانی سب کی یکساں حیثیت ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ اسباق میں
 مسلسل بیان ہوگی۔

اصل نیکی — اچھے معاملات

وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
 اور دے مال اوپر اس کی محبت رشتہ دار
 وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ
 اور یتیم اور محتاج اور
 ابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَ
 مسافر اور مانگنے والے اور
 فِي الرِّقَابِ
 میں گردن چھڑانے

وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
 اور اس کی محبت پر مال دے رشتہ داروں کو
 وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَ
 اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور
 ابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَ
 مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور
 فِي الرِّقَابِ
 گردن چھڑانے میں۔

غلی حُبِّهِ اس کی محبت پر یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال کا خرچ کرنا ہی مطلوب نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں اس کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرنا مقصود ہونا چاہئے۔ اس سے یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ "انسان کو مال سے محبت ہو اور اس کی ضرورت ہو اور اس کے باوجود مال خرچ کرے"۔ اس سے بھی ایک پختہ مومن کی خوبی کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل میں مال کی محبت ہے۔ اس کی خواہشیں زندہ ہیں۔ وہ اپنی ذات اور اپنی دل پسند اشیاء پر خرچ کرنا چاہتا ہے لیکن اللہ کے حکم کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے اور اپنی خواہشوں کو دبا کر اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ذاتی شوق کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر قربان کر دیتا ہے۔ ذَوِي الْقُرْبَىٰ رشتہ دار۔ رشتہ داروں کو مالی امداد دینے میں بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ ساری امت کا معاشی نظام اسی پر مستحکم ہے۔ ہر صاحب استطاعت کو سب سے پہلے اپنے نادار عزیزوں۔ کنبہ والوں۔ بھائیوں۔ بہنوں۔ بھتیجیوں۔ بھانجیوں اور دوسرے قریبیوں کی خبر گیری کرنا چاہئے۔

فِي الرِّقَابِ (گردنوں کے چھڑانے میں) یہ رقبہ کی جمع ہے۔ لفظی معنی گردن کے ہیں۔ مصادیہ میں اس سے مراد ایسے شخص ہیں جو آزاد نہیں، غلام ہیں۔ اس حکم سے یہ مراد ہے کہ معاوضہ دے کر انہیں چھڑانا نیکی ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نیک کسی خاص سمت رخ کرنے کا نام نہیں بلکہ نیک بننے کے لیے پہلی شرط عقائد کی درستی اور تکمیل ایمان ہے اب نیک کے دوسرے جز یعنی مالی قربانی کا ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مانا انسان کو مال سے محبت ہوتی ہے لیکن نیک انسان وہی ہے جو مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ کی محبت اور رضا جوئی کی خاطر اللہ کے بندوں پر خرچ کرے۔ ضرورت مند اور مستحق امداد انسانوں میں سرفہرست اپنے قرابت دار ہیں۔ پھر یتیم مسکین، مسافر، سوائی اور مجبور و محکوم انسان ہیں جو آزادی سے محروم ہیں۔

اصل نیکی — صلوة و زکوٰۃ

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى
اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ
الزَّكَاةَ
دیا کرے

پچھلے دو سبقتوں سے یہ بیان چلا آ رہا ہے کہ نیکی کی اصل اور سچی روح یہ نہیں ہے کہ انسان کسی خاص سمت کو مقدس جان کر اس طرف منہ کر کے عبادت کرے بلکہ نیکی کی حقیقی روح عقیدوں کی درستی، معاملات کی صفائی، عبادتوں کے بجالانے، اخلاق کے سنوارنے اور ان کاموں کے کرنے میں ہے جو قرآن مجید بیان کرتا ہے یعنی انسان کے عقائد وہی ہونے چاہئیں جن کا قرآن مجید تقاضا کرتا ہے اور انسان دوسرے انسانوں سے اسی طرح پیش آئے جس طرح شریعت ہدایت کرتی ہے۔

عقائد اور مالی قربانی کے بعد قرآن مجید نے نیکی کے دوسرے حصے یعنی عبادتوں کا ذکر کیا ہے۔ عبادات میں سب سے بڑی عبادت بدنی اور مالی قربانی ہے۔ بدنی عبادت کی صورت نماز ہے اور مالی عبادت کی صورت زکوٰۃ ہے۔ نماز کی بہت سی خوبیاں خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہیں اور احادیث میں بھی اس کے تذکرے جا بجا ملتے ہیں۔ نماز اسلامی معاشرہ کی ایک اہم ٹرٹی ہے۔ نماز انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ نافرمانی سے باز رکھتی ہے۔ نماز ایک مومن کی معراج ہے۔ روحانی، اخلاقی اور سماجی زندگی میں آدمی کو تقویت بخشتی ہے۔

مالی عبادات میں زکوٰۃ سب سے بنیادی عبادت ہے۔ ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ اپنی دولت کا اڑھائی فیصد حصہ اللہ کی راہ میں مستحق لوگوں کے لئے نکال دے۔ قرآن کریم کی یہ مقرر کی ہوئی زکوٰۃ اس قدر ضروری اور مفید ہے کہ اگر مسلمان اس کی پوری طرح پابندی کریں تو امت میں کوئی شخص فاقے نہیں مر سکتا۔ بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ اگر خود کشی کی نوبت نہیں آسکتی۔ کوئی در بدر بھیک نہیں مانگ سکتا۔ ہمارے معاشرہ میں بے راہ روی، تنگ دستی، بے بسی اور زبوں حالی نہ رہے ساری امت مجموعی طور پر مضبوط ہو جائے۔ امن فروغ پائے اور ترقی کی راہیں کھل جائیں۔

قرآن مجید میں تقریباً ہر جگہ صلوة و زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ اگر وہ آیات جمع کی جائیں جن میں صلوة و زکوٰۃ کے مسائل، احکام اشارے یا تذکرے موجود ہیں تو ان کی مجموعی تعداد تین صد سے زیادہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں ان دونوں فرائض کی حیثیت کسی قدر اونچی اور اہم ہے۔ ان ارکان کی بجا آوری اور باقاعدگی کے بغیر اسلامی سوسائٹی کا تصور ہی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ ان سے غافل مسلمانوں کو فاسق اور منکر کو دائرہ اسلام ہی سے خارج تصور کیا جاتا ہے۔

اصل نیکی — ایقائے عہد

وَالْمُؤْفُونَ - بِحَبْدِهِمْ - إِذَا
اور پورا کرنے والے ان کے اقرار جب
عَهْدُوا
عہد کریں

وَالْمُؤْفُونَ بِحَبْدِهِمْ إِذَا
اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے جب
عَهْدُوا
وہ کسی سے عہد کریں

عقائد، معاملات اور عبادات کا بیان کرنے کے بعد اب اخلاق کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق کے اچھے ہونے کی سب سے بڑھ کر بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے عہد، قول و قرار اور وعدے کا پورا پورا پابند رہے۔ اس کی اپنی ذاتی زندگی کے لیے اور ان لوگوں کے لئے جن کے ساتھ اُسے واسطہ پڑتا ہے۔ عہد کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔

عہد کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً انسان کا معاہدہ اپنے رب کے ساتھ ہو یا دوسرے انسانوں کے ساتھ۔ روزمرہ کی زندگی میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے، اپنے بھائی بندوں سے، عزیز واقارب سے اور عام انسانوں سے بہت سے وعدے کرنے پڑتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وعدہ سے مراد وہ ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنا ہم اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ رکھا ہے کہ وہ ہمارا خالق اور معبود ہے۔ ہم اسی کی عبادت کریں گے۔ ضرورت کے وقت اسی کو پکاریں گے۔ اسے واحد اور مختار سمجھیں گے۔ اب یہ ہم پر ذمہ داری ہے کہ اپنے اس عہد سے نہ پھریں۔

اسی طرح ہم نے اپنے بھائی بندوں سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ بزرگوں کی خدمت اور فرمانبرداری، اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت دینی اخلاق اور اصلاح اعمال کی پوری کوشش کریں گے۔ رشتہ داروں اور عزیزوں کی مالی مدد کریں گے۔ ہم نے عوام سے یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ معاشرہ میں یتیم مسکین، غریب، محتاج، مسافر، قیدی اور مجبور انسانوں کی ضروریات کا احساس کریں گے۔ اُن کی امداد کریں گے۔ اب ہمیں چاہئے کہ ان تمام ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھائیں اور ان سے غفلت نہ برتیں۔

اس کے علاوہ ہمارے اوپر یہ ذمہ داری بھی ہے کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے یا جہاں ہم ملازم ہیں۔ وہاں سے حاصل کی ہوئی تنخواہ اور معاوضہ کے بدلے پوری ایمانداری کے ساتھ کام کریں۔ کسی رورعایت کو جائز نہ سمجھیں۔ معلوم ہوا کہ ہم نے اپنی عملی زندگی میں بے شمار انسانوں سے کوئی نہ کوئی وعدہ کر رکھا ہے۔ ذمہ داریوں کا ایک بہت بڑا گنھا اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے۔ لازم ہے کہ ساری ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ اور پوری دیانتداری اور آسٹن طریقے سے اس طرف توجہ دیں۔

آج اکثر انسان اس معاملہ میں بہت پست ہو گئے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں عہد کی پاسداری کا خیال نہیں کرتے۔ وعدہ کو وعدہ ہی نہیں سمجھتے۔ حد یہ ہے کہ قومی اور ملکی معاہدے بھی اس وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک بس نہیں چلتا۔ جو نہی طاقت حاصل ہوتی ہے تمام تحریری معاہدے توڑ دیئے جاتے ہیں۔

اصل نیکی — صبر و ثبات

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ اور سختی اور تکلیف میں صبر کرنے والے	وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ اور صبر کرنے والے ہیں سختی اور تکلیف
وَإِذَا جَاءَ أُولَئِكَ مِنْكَ الذِّكْرُ اور لڑائی کے وقت یہی لوگ	وَإِذَا جَاءَ أُولَئِكَ مِنْكَ الذِّكْرُ اور وقت جنگ یہی وہ جو کہ
صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۴۴﴾ سچے ہیں۔ اور یہی پرہیزگار ہیں۔	صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۴۴﴾ سچے اور یہی لوگ وہ پرہیزگار

بَأْسَاءٌ (سختی) اس کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔

الضَّرَّاءُ (تکلیف) اس کا تعلق جسمانی بیماریوں اور تکلیفوں سے ہے۔

جِئْنَا الْبَأْسِ (لڑائی کے وقت) یعنی اللہ کی راہ میں دشمن سے جنگ کرتے وقت۔

صَابِرِينَ (صبر کرنے والے) یعنی ہر مشکل پریشانی اور تکلیف کا مقابلہ کرنے والے اور ثابت قدمی سے صحیح راہ پر قائم رہنے والے۔

انسانی اخلاق کی تعبیر کے لئے قرآن مجید نے راہنمائی کی ہے اور فرمایا ہے کہ پختہ اخلاق والے شخص میں یہ خوبیاں ہونی چاہئیں وہ اپنے

عہد کو پورا کرتا ہو۔ اپنی ذمہ داریوں کو نہایت اچھے طریقے سے نبھاتا ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد پوری خوبی کے ساتھ ادا کرتا ہو۔ وہ

مالی پریشانیوں جسمانی بیماریوں اور خدا کے دشمنوں سے جنگ کے وقت صبر و استقامت سے کام لیتا ہو۔

عملی زندگی میں انسان کو طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بے روزگاری۔ غربت۔ افلاس۔ معاشی بدحالی۔ فاقہ اور

تنگدستی اور اسی قسم کی تمام دوسری پریشانیاں انسان کو روزانہ ستاتی رہتی ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ۔ ان کی شادی بیاہ کا سوال اور

ایسی ہی دوسری شدید ضروریات آدمی کو تنگ کرتی ہیں اور وہ صبح و شام اسی ادھیڑ بن اور کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ان کے علاوہ طرح

طرح کی بیماریاں اور بدنی تکلیفیں گھیرا ڈالے رہتی ہیں۔ آج خود بیمار ہے۔ کل گھر کا کوئی دوسرا آدمی بستر پر پڑ گیا۔ ان کی دوا دارو۔ علاج

معالجہ ایک الگ پریشانی کا باعث بنا رہتا ہے۔

پھر دشمن کا خطرہ، جنگ کے چھڑ جانے کا اندیشہ۔ تباہی اور بربادی کا امکان۔ بھیل اور گڑ بڑ کا خوف۔ یہ تمام چیزیں انسان

کو پریشان کئے رہتی ہیں۔

یہاں یہ آیت ختم ہوتی ہے جس میں نیکی کا اسلامی تصور پیش کیا گیا ہے۔ درست عقیدہ رکھنے والے، مالی قربانی کرنے والے۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ پابندی سے ادا کرنے والے۔ عہد پورا کرنے والے اور صبر و ثبات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے والے ہی سچے انسان

ہیں اور یہی متقی و پرہیزگار ہیں۔

قتل کا بدلہ — قصاص

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
اے ایمان والو! تم پر فرض کیا گیا ہے
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ وَالْحَرْبِ وَالْحُرِّ
مقتولوں میں قصاص (برابری) کرنا، آزاد کے بدلے آزاد
وَالْعَبْدِ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ
اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - كُتِبَ عَلَيْكُمُ
اے ایمان والو فرض ہو تم پر
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ - الْحَرْبِ وَالْحُرِّ
برابری کرنا میں مقتول، آزاد آزاد کے بدلے اور
الْعَبْدِ بِالْعَبْدِ - وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ
غلام غلام کے بدلے اور عورت عورت کے بدلے

قتل (مقتولین) اس کا واحد قاتل ہے یعنی مقتول۔ خصوصاً وہ مقتول جسے کسی شخص نے ارادہ کے ساتھ یعنی جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔

قِصَاصٌ (بدلہ میں برابری) یعنی کسی جرم کا بدلہ لینے میں برابری اور مساوات سے کام لینا۔ شریعت کی اصطلاح میں قتل کے بدلہ میں قتل کرنا یا زخم کے بدلہ میں ایسا ہی برابر کا بدلہ لینا مراد ہے۔
كُتِبَ عَلَيْكُمْ (تم پر فرض کیا گیا) كُتِبَ کے لفظی معنی ہیں لکھا گیا۔ لفظ علی ساتھ آجانے سے اس کے معنی ہو جاتے ہیں فرض کیا گیا اور مقرر کیا گیا۔

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے ہاں دستور تھا کہ اگر کسی اپنے خاندان کا فرد قتل کر دیا جاتا تو وہ قاتل کے خاندان کے بہت سے آدمی قتل کر دیتے۔ اگر کسی اونچے گھرانے کا کوئی غلام قتل ہو جاتا، تو بدلہ میں قاتل کے خاندان کے کسی آزاد آدمی کو قتل کرتے خواہ قتل کرنے والا کوئی غلام ہی ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اونچے گھرانے کے غلام کی قدر ادنیٰ گھرانے کے آزاد کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے غلام کو نہیں بلکہ آزاد کو قتل کیا جائے۔ پھر اگر اونچے گھرانے کی کوئی عورت ادنیٰ گھرانے کی کسی عورت کے ہاتھوں قتل ہو جاتی تو مقتول کے وارث اصل قاتل کو چھوڑ کر اس خاندان کے کسی مرد کو قتل کرتے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ہماری عورت ادنیٰ گھر کے مرد کے برابر ہے۔

قرآن مجید نے اس نسلی امتیاز اور فرق کو ختم کر دیا اور حکم دیا کہ جہاں تک انسان ہونے کا تعلق ہے، سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ جانیں سب کی برابر ہیں۔ عزیز ہو یا امیر، شریف ہو یا ذلیل، عالم ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا، تندرست ہو یا بیمار، گویا جان کے لحاظ سے سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو صرف اسی قاتلہ عورت کو قتل کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی جان مقتول کی جان کے برابر ہے۔ کوئی غلام قاتل ہو تو اسے ہی قتل کیا جائے کوئی ذلیل آدمی قاتل ہو تو قصاص میں اس ذلیل ہی کو قتل کیا جائے گا۔ کسی دوسرے کو نہیں۔

قتل کا بدلہ — معروف احسان

فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ
 پھر جسے معاف کیا جائے اسے اس کے بھائی کچھ تالبداری کرنی چاہیے
 بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ
 دستور کے مطابق اور ادا کرنا چاہیے اسے خوبی کے ساتھ
 ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ
 یہ آسانی ہوئی ہے تمہارا رب اور مہربانی
 فَمَنْ أَعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَعَلَهُ
 پھر جو کوئی زیادتی کی بعد اس کے تو اس کیلئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۸﴾

عذاب دردناک

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ
 پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو دستور
 بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ
 کے مطابق تالبداری کرنی چاہئے اور اسے ادا کرنا چاہئے خوبی کے ساتھ
 ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ
 یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہوئی۔
 فَمَنْ أَعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَعَلَهُ
 پھر جس نے زیادتی کی اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۸﴾

دردناک عذاب ہے۔

مِنْ أَخِيهِ اس کے بھائی سے اس سے مراد ہے مقتول کے وارث کی طرف سے۔ جذبہ محبت اُبھارنے کے لئے اُسے لفظ "بھائی" کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔

اتَّبِعْ بِالْمَعْرُوفِ دستور کے موافق پیروی کرنا) مقصد یہ ہے کہ اگر مقتول کے وارث بدلہ میں خون معاف کر دیں۔ صرف خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کا فرض ہے کہ دستور کے مطابق پوری پوری مناسب رقم ادا کرے اور بِإِحْسَانٍ (خوبی، شرافت اور نیکی کے ساتھ) ادا کرے۔ پچھلے سبق میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے درمیان فطری مساوات کا جو اصول مقرر فرمایا ہے اس کی رُو سے قتل کا بدلہ قتل مقرر کیا گیا ہے۔ اب یہ بیان فرمایا کہ مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر سکتے ہیں یا اس سے خون بہا کی رقم لے کر خون سے دستبردار ہو سکتے ہیں یا خون بہا کی رقم میں بھی کچھ کمی کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں قاتل سزا سے بچ سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مقتول کے وارث اگر قاتل کی جان بخشی اور خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو وہ اتنی بھاری رقم کا مطالبہ نہ کریں جو قاتل کی ہمت سے باہر ہو۔ ضد میں اگر خواہ مخواہ اُسے تنگ نہ کرنے لگیں۔ یا خون بہا معاف کرنے کے بعد دوبارہ پورے معاوضہ کا مطالبہ شروع نہ کر دیں بلکہ دستور کے مطابق معقول اور مناسب رقم وصول کریں۔

مقتول کے وارثوں کو تاکید کرنے کے بعد قاتل کو بھی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس رقم کو نہایت خوش اسلوبی اور خوبصورتی کے ساتھ ادا کرے۔ خواہ مخواہ طول دینے پیمیدگی یا بدمزگی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قاتل کو قتل کی انتہائی جانی سزا دینے کیساتھ یہ تخفیف کا طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر مہربانی کرنے والا ہے اس نے اپنی شفقت سے کام لیتے ہوئے سزا کو ہلکا کر دیا ہے لیکن اگر اس کے بعد بھی کوئی ان قوانین کی خلاف ورزی کرے گا اور حدود سے باہر قدم رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے دردناک سزا دے گا۔

قصاص میں زندگی ہے

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ۗ وَلكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ۗ
 اور تمہارے لئے میں قصاص زندگی اور قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔
 يَاۤ اُولِي الۡاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ يَاۤ اُولِي الۡاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۹﴾
 اے عقلمندوں تاکہ تم بچتے رہو اے عقلمندوں تاکہ تم بچتے رہو۔

قتل کے جرم میں قاتل کو جان سے مار دینے کی سزا بظاہر بہت سنگین اور سخت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ خیال ہوتا ہے کہ قاتل کو سزا دے کر جان بوجھ کر ایک اور جان ضائع کر دی جاتی ہے۔ لیکن اگر اس حکم کی مصلحت اور حکمت کا گہرے غور سے جائزہ لیا جائے۔ تو یہ حقیقت واضح ہوگی۔ کہ اس سے مزید ایک زندگی فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر قاتل کی سزا قتل نہ رکھی جائے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی جان کی قدر نہ رہے گی۔ ظالم لوگ بیدھڑک اور بے دریغ قتل کریں گے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوگا کہ وہ تھوڑا سا جرمانہ بھرنے یا قید بھگتنے کے بعد رہا ہو جائیں گے۔ اس طرح انسانی جان بہت سستی ہو جائے گی۔ جیسا کہ عرب کے اندر جاہلیت کے زمانہ میں عملی طور پر موجود تھا۔ اگر قاتل کی سزا قتل نہ ہو۔ تو ہر مالدار آدمی بلا تامل چھوٹی سی بات پر بھی دوسروں کو قتل کر دیا کرے گا اور جرمانہ ادا کر کے اپنے آپ کو بھرا سکے گا لیکن اگر اسلامی طریق کے مطابق قتل کی سزا قتل رکھ دی جائے۔ یعنی تمام انسانی جانوں کو برابر سمجھا جائے جان کی قیمت جان ہی مقرر کر دی جائے۔ تو قتل بہت کم ہوں گے۔ کیونکہ معلوم ہوگا۔ کہ اگر اس کے ہاتھوں کوئی ملا گیا۔ تو وہ جرمانہ بھر کر آزاد نہیں ہو سکے گا۔ خود اسی کو قتل کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ان حالات میں قتل کے واقعات زک جائیں گے۔ اور لوگ اپنی جانوں کو محفوظ پائیں گے۔ گویا قتل کی سزا اگر قتل نہ ہو۔ تو لوگوں کی جانیں تلف ہوتی ہیں۔ لیکن جب قتل کی سزا قتل ہو تو لوگوں کی جانیں بچتی ہیں یہ ہے فی القصاص حیاۃ۔

قصاص کا قانون عدل اور مساوات کا قانون ہے۔ یہ تمام انسانیت کی زندگی کے ہر پہلو میں نظم، راستی اور اعتدال کا بہترین نمونہ ہے۔ کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے۔ اور کمزور اور طاقتور کے حقوق برابر برابر محفوظ ہو جائیں۔ جب اس قانون پر ایک عرصہ تک عمل ہوتا رہے گا۔ تو اسکی روح ساری امت میں پیدا ہو جائے گی۔ اور آئین پسندی باہم صلح امت کی زندگی کا ایک اہم پہلو بن جائے گی۔

اسلام نے بظاہر جرموں کی سزائیں بہت سنگین رکھی ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا جائے۔ تو دراصل وہ جرم ہی اس قدر سنگین سزا چاہتے ہیں۔ اس سے کم سزا دینا لوگوں میں جرم کو معمولی بنا دینے کا سبب ہوگا۔ دوسرے مقصد تو جرائم کا انسلاو ہے نہ کہ منکر کو نقص مذاق اور شغل بنا دینا۔ آج کل یہی ہو رہا ہے۔ کہ سزایاب مجرم مزید جرم کرتے ہیں۔ نہ انکی اصلاح ہوتی ہے۔ نہ دوسروں کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔

وصیت

كُنِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَرَضَ كَمَا يُرِيدُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

خیرا (مال) اس لفظ کے معنی فلاح اور بہتری کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ پاکیزہ مال کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔
الْوَصِيَّةُ (وصیت) اس کے لفظی معنی حکم دینا اور درخواست کرنا ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو مرنے والا اپنے پیچھے رہنے والوں کو کر جاتا ہے۔ جو اس کی موت کے بعد پوری کی جاتی ہیں۔ علماء نے وصیت کی کئی قسمیں بیان کی ہیں۔
۱۔ بعض وصیتیں واجب ہوتی ہیں مثلاً زکوٰۃ۔ امانت یا قرض ادا کرنے کی وصیت جس کا پورا کرنا انتہائی ضروری اور فرض ہے۔
۲۔ بعض وصیتیں مستحب ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی نیک کام کیلئے وصیت کر جانا یا کسی ایسے عزیز کو کچھ دے جانا جسے میراث نہ پہنچ رہی ہو۔
۳۔ بعض صرف مباح ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی جائز امر کے لئے وصیت کرنا۔
۴۔ بعض ایسی ہوتی ہیں۔ جن کا پورا کرنا قرآن مجید نے منع کیا ہے۔ مثلاً کوئی حرام کام کیلئے وصیت کر جائے جس کا پورا کرنا ممنوع ہے۔
۵۔ بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ انہیں پورا کرنے کے لئے بعض شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً مرنے والا اپنے مال کے تیسرے حصے سے زیادہ حصہ کی وصیت کر جائے۔ اس کی تعمیل دوسرے وارثوں کی رضامندی پر موقوف ہوتی ہے۔ مسئلہ وصیت کے بارہ میں اگلی آیات میں بھی مسائل موجود ہیں۔ ان کو بھی پیش نظر رکھیں تو مسئلہ صاف ہو جائے گا۔
پچھلی آیات میں قتل کے بارہ میں اسلامی احکام تھے۔ اب مرنے والے کے مال سے متعلق احکام بیان ہو رہے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ تمام وارثوں اور حق داروں کا حصہ مقرر فرما دیا گیا ہے۔ اس لئے وصیت ان حصوں کی روشنی میں جائز یا ناجائز ہو سکتی ہے۔
بالتہ جائد کے تیسرے حصے میں وصیت ہو سکتی ہے۔
بِالْمَعْرُوفِ (انصاف کے ساتھ) یہ لفظ پہلے بھی استعمال ہو چکا ہے۔ عرف اس کا مادہ ہے۔ یعنی ایسی بات جو جانی پہچانی ہو۔ عام طور پر اسے بہتری اور نیکی تصور کیا جاتا ہو۔ چنانچہ اس کا ایک ترجمہ دستور کے مطابق بھی کیا جاتا ہے۔ وصیت میں اس کی شرط لگا کر ان تمام خرابیوں کو روک دیا گیا ہے۔ جو وصیت کرنے والا جانبداری یا ناراضگی کی بنا پر کر سکتا تھا۔ کہ کسی کو بہت زیادہ دے جاتا اور کسی کا حق بالکل تلف کر دیتا۔

وصیت میں تبدیلی

فَمَنْ بَدَّلَهُ - بَعْدَ - مَا - سَبِعَهُ
 پھر جو کوئی اسے بدل ڈالے بعد اس کے جو سب سے چکا

فَأَثْمًا - إِثْمُهُ - عَلَى - الَّذِينَ - يَبْدِلُونَهُ
 تو اس کا گناہ اپنی پر ہے وہ لوگ جو اسے بدلا

إِنَّ - اللَّهَ - سَمِيعٌ - عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾
 بیشک اللہ سنتے والا جاننے والا ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ - جَنَفًا - أَوْ
 پھر جو کوئی خوف کرے سے وصیت کرنی والا طرفداری کا یا

إِثْمًا - فَأُصْلَحَ - بَيْنَهُمْ - فَلَا - إِثْمَ
 گناہ پھر صلح کرادے باہم ان میں تو نہیں گناہ

عَلَيْهِ إِذْ - اللَّهُ - غَفُورٌ - رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾
 اس پر بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو مرنے والے کے پاس وصیت کے وقت موجود ہوں۔ کہ اگر وہ مرنے والے کی وصیت میں کوئی رد و بدل کریں گے۔ تو اس کا گناہ انہی پر ہوگا۔ ممکن ہے۔ بعض لوگ اپنے فائدہ کی خاطر وصیت میں کوئی تبدیلی کریں۔ اور پھر اسے پیش کر کے اپنی غرض پوری کر لیں۔ اصل سے بے خبر لوگوں کو بظاہر اس میں وصیت کرنے والے یا وصیت کے مطابق فیصلہ دینے والے کا قصور معلوم ہوگا۔ کہ اس نے حق تلفی کی۔ آیت نے وصیت کرنے والے اور فیصلہ دینے والے کی مجبوری بیان کر دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ اصل ملزم وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے جھوٹی شہادت اور غلط گواہی پیش کی اور وصیت کو بدلا۔ جنہوں نے اپنے فائدے کے پیش نظر غلط بیان دیے اور جھوٹے ثبوت فراہم کئے۔

اسی آیت میں وصیت بدلنے کی صورت ایک صورت جائز بتائی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ وصیت کرنے والے نے کسی کی حق تلفی کی ہے۔ ترکہ کی ناجائز تقسیم کی ہے۔ قانون الہی کے خلاف ہدایت کی ہے۔ یا وصیت گناہ اور نا انصافی سے کی ہے۔ مثلاً وہ کسی ایسے کام پر مال صرف کرنے کی وصیت کر گیا ہے۔ جو شرعاً ممنوع ہے۔ ان صورتوں میں گواہ اور فیصلہ کرنے والے کو حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ وارثوں کو صحیح مشورہ دے۔ ان میں باہم تصفیہ کرادے اور وصیت تبدیل کرادے۔ اس صورت میں وصیت کی تبدیلی گناہ نہیں ہوگی۔ گویا اصل بات اخلاص عمل اور نیکی ہے۔

روزوں کا حکم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
 الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
 مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

اے ایمان والو تم پر فرض کیا گیا
 روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا
 تم سے اگلے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

الصِّيَامُ (روزہ) صوم کی طرح مصدر ہے جس کے معنی روزہ ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں روزہ اسے کہتے ہیں۔ کہ انسان فجر سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک کھانے پینے اور جنسی اختلاط سے رکا رہے۔ مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہیں۔ احادیث میں روزہ کے دوران میں گناہوں سے بچنے رہنے کی تاکید بار بار آئی ہے۔ مثلاً غیبت فحش کلامی، بے حیائی بد کلامی وغیرہ۔ علم طب یہ بتاتا ہے کہ روزہ جسمانی بیماریوں کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ضبط نفس اور سپاہیانہ زندگی پیدا ہوتی ہے۔ گویا روزہ ایک طرف روحانی خرابیوں کا علاج ہے۔ اور دوسری طرف جسمانی قوتوں کو مست کرنے اور بیماریوں کا علاج کرنے والا ہے۔

الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (مہلے لوگ) روزہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کی شریعت میں روزہ کو بہت اہمیت حیثیت حاصل تھی اسلئے پہلے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی طرح تم پر بھی روزہ فرض کیا جاتا ہے مقصد یہ ہے کہ روزہ واپس اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کو پورا کرنے سے بھی ایک خاص مدت تک رکا رہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) اللہ تعالیٰ نے ساتھی روزوں کا مقصد بھی بیان فرمادیا ہے یعنی روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ نفس کی غلاطت اور گندگی دور ہو تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔ جس طرح نقصان دینے والی چیزوں پر ہیز کرنے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روح اور اخلاق کو نقصان پہنچانے والی تمام عادتوں سے پرہیز کرنے سے انسان کی روحانی استعداد ترقی پاتی ہے۔ اس خصوصیت کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ روزہ کا دوسرا مقصد سکرگذاری بیان کیا گیا ہے۔ جو اس کو ع میں آگے روزہ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی روحانی لحاظ سے بھی اور جسمانی لحاظ سے بھی مفید ترین نسخہ ہے ہمیں چاہیے کہ اس فریضہ کو نہایت احترام اور کمال پابندی سے نبھایا کریں۔ بظاہر روزہ میں مشقت اور دشواری ہے۔ لیکن اس کے فوائد پر نگاہ رکھی جائے تو یہ مشکلیں ان فائدوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

مریض اور مسافر کو رعایت

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
 چند روز گنتی پھر جو کوئی ہو تو میں سے
 مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
 بیمار یا سفر پر ہو
 فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ
 تو گنتی سے دن اور دنوں سے ہے۔

آیات مَّعْدُودَاتٍ گنتی کے چند دن، آیت کے اس ٹکڑے میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو گنتی کے چند دنوں کے لئے روزے رکھنے ہوں گے۔ یعنی ہر سال رمضان کے مہینے میں جو کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کا۔ امت کی تنظیم کے لئے وقت اور مدت کا یہ تعین نہایت ضروری تھا۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ جب کسی کا جی چاہے۔ اور دنوں کے لئے جی چاہے روزہ رکھے۔ بلکہ تمام اہل ایمان پر فرض کیا گیا۔ کہ وہ ایک ہی خاص وقت پر اور ایک ہی خاص مدت میں اس مبارک فریضہ کو ادا کریں۔ ماہ رمضان کے تعین سے ایک ناکندہ یہ بھی ہوا۔ کہ روزے اول بدل کر مختلف موسموں میں آجاتے ہیں اور ہر ایک شخص کو گرمی سردی کے موسم میں روزہ رکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس سے ایک یہ پہلو بھی نکل آتا ہے۔ کہ فرض روزوں کی تعداد کچھ بڑی نہیں۔ یہ نہیں سال بھر روزے ہی رکھتے جاؤ یا سال کا آدھا یا چوتھائی حصہ ہو۔ بلکہ سال میں صرف ایک مہینہ مقرر ہے۔ وقت اور مدت مقرر کر دی گئی۔ لیکن ایسے لوگوں کو کچھ رعایت بھی دے دی گئی ہے۔ جو ان حدود اور شرائط کو پورا کرنے سے معذور ہوں۔ یہ لوگ جب اپنی مجبوریوں سے نجات پالیں۔ تو وہ رمضان کے چھوڑے ہوئے روزے کسی دوسرے وقت میں رکھ سکتے ہیں۔

سب سے پہلے ان لوگوں کو رعایت دی گئی ہے۔ جو بیمار ہوں اور بیماری کے باعث روزہ رکھنا ان کے لئے دشوار ہو۔ بیماری کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ پھر اس کے علاوہ موسم اور عمر کے اختلافات بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں یہاں ایسی بیماری مراد ہے۔ جو روزہ رکھنے میں خلل انداز ہو۔ اور ایسی شدید ہو کہ انسان روزہ نہ رکھ سکے۔ شریعت نے بیماری کا نام نہیں بتایا۔ بلکہ مسلمان کے خلوص اور دیانتداری پر اور ماہر معالج کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ بیمار کے علاوہ ان لوگوں کو بھی رعایت دی گئی ہے۔ جو سفر پر ہوں۔ یہ دونوں قسم کے آدمی یعنی مریض اور مسافر سال میں کسی اور وقت اپنے روزے پورے کریں۔ لیکن گوشش ہی ہونی چاہئے۔ کہ جلد از جلد قضا روزے پورے کر لیتے جائیں۔ کیا معلوم زندگی اور مہلت کب تک کے لئے ہے؟

مجبوری کا فدیہ

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ ۖ
 اور جنہیں مشکل ہو۔ بدلہ ہے
 وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ ۖ
 ان کے ذمہ
 طَعَامٌ مِّسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ ۖ
 کھانا فقیر کوئی خوشی سے کہے
 طَعَامٌ مِّسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ ۖ
 ایک فقیر کا کھانا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی خوشی سے نیکی
 خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهِ ۖ
 نیکی تو اچھا اس کے لئے
 خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهِ ۖ
 کہے تو اس کے واسطے اچھا ہے

يُطِيقُونَهُ مراد ہے کہ وہ لوگ جنہیں روزہ رکھنے کے لئے غیر معمولی طاقت لگانی پڑتی ہو۔ اور روزہ کی مشقت برداشت کرنا ان کیلئے مشکل ہو۔ مثلاً بوڑھے لوگ، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں۔ ناتواں اور کمزور اشخاص وغیرہ اس لفظ میں افعال کا ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے۔

مَنْ تَطَوَّعَ (جو خوشی سے کرے) طوع اس کا مادہ ہے اردو میں بھی طوعاً ذکر ہا، کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کچھ خوشی سے کچھ ناخوشی سے۔

آیت کے اس ٹکڑے میں ان لوگوں کے لئے رعایت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جنہیں روزہ رکھنے میں بہت مشکل اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہو۔ ان کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ روزہ پھوڑنے کے بدلے میں کسی فقیر یا محتاج کو روزانہ دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلادیا کریں۔ اور کھانے کا معیار وہی ہو جو عام طور پر خود ان کا رہتا ہے۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے۔ کہ روزہ پھوڑنے کا صحیح فدیہ تو ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس بدلہ کی مقدار بڑھاوے یعنی ایک سے زیادہ فقروں کو کھانا کھلاوے۔ کھانے کی قسم بہتر کر دے۔ تو اور بہتر ہے۔ اس احسان اور نیک عملی کا معاوضہ اسے ضرور ملے گا۔ اس کی آخرت سنور جائے گی۔

صدقہ و خیرات۔ فیاضی حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی تاکید اسلام ہر مقام پر ہر حال اور ہر وقت میں کرتا ہے۔ لیکن رمضان کے مبارک مہینہ میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ چنانچہ اس مہینے کے ختم ہونے پر یا ختم ہونے سے پہلے صدقہ فطر ادا کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اس سلسلے کی اہم کردہی ہے۔ تاکہ کوئی مسلمان بھوکا نہ رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویسے ہی بہت فیاض اور سخی تھے۔ لیکن حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رمضان مبارک میں تیز آندھی کی طرح یعنی بہت زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے۔

ہمیں چاہیے کہ اپنے راہبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ اور سخاوت اور فیاضی میں ایک سر سے بڑھ کر چھٹیوں۔ روزوں میں غریب کی غربت اور بھوکے کی بھوک کا احساس ہوتا ہے۔ لازم ہے کہ اپنی خوشحالی اور فارغ البالی میں اس احساس کو زندہ رکھیں۔ اور غربا مستحقین کو امداد و اعانت سے محروم نہ کریں۔

روزے کی برکتیں

وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۲﴾

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

اور اگر تم روزہ رکھو بہتر تمہارے لئے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۲﴾

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

آیت کے اس ٹکڑے میں روزوں کی اہمیت اور خیر و برکت کا ایک بار پھر بیان کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اگرچہ کوئی معقول عذر انسان کو روزہ قضا کرنے پر یا فدیہ دینے پر مجبور کر دے۔ پھر روزہ رکھنے سے جو فائدے اور برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ وہ صرف رمضان میں روزہ رکھنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ قضا یا کفارہ سے نہیں۔ اس لئے تبنیہ کر دی گئی۔ کہ اگر تم روزہ کی فضیلتیں مصلحتیں اور حکمتیں سمجھو۔ تو تمہارے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ تم روزہ رکھو اور فدیہ وغیرہ کی اجازت خواہ عموماً فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے روزے کی فرضیت، حکمت اور اس کے سلسلے میں ضروری احکام کا ذکر جو اس رکوع کی سابقہ آیات میں فرمایا ہے۔ انہیں ہم یہاں دوبارہ خلاصہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

۱۔ روزہ ہر بالغ مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔ کہ یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اس سے غفلت۔ سستی اور روگردانی بہت بڑا گناہ ہے۔ فقہانے روزے کی فرضیت کے انکار کو کفر قرار دیا ہے۔

۲۔ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ اسلام نے کوئی نئی بات نہیں کی۔

۳۔ روزہ کا مقصد انسان میں روح کی پاکیزگی۔ پرہیزگاری، تقویٰ اور بندگی پیدا کرنا ہے۔

۴۔ روزوں کی تعداد مقرر ہے۔ یعنی رمضان کے مہینے میں کبھی ۲۹ اور کبھی ۳۰ دن۔

۵۔ اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص بیمار ہو اور اس قابل نہ ہو کہ روزے پورے کر سکے۔ تو وہ اس مہینے کی بجائے کسی اور وقت جبکہ وہ تندرست ہو روزے رکھ سکتا ہے۔

۶۔ ان دنوں اگر کوئی شخص سفر پر ہو۔ تو وہ اپنے روزے کسی اور وقت پورے کر سکتا ہے۔ جبکہ وہ سفر پر نہ ہو۔

۷۔ فدیہ کی مقدار ایک فقیر کو کھانا کھلانے کے برابر ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ان رعایتوں کا مستحق ہوتے ہوئے بھی روزہ رکھے اور اپنی خوشی سے نیکی میں بڑھ چڑھ کر صفحہ لے۔ تو یہ اس کے حق میں اور بھی بہتر ہے۔

ابھی روزہ کا بیان اور اس کے مسائل ختم نہیں ہوئے ہیں۔ اس رکوع میں مسلسل یہ بیان جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح علم و عمل اور سمجھنے سمجھانے کی توفیق بخٹھے۔

رمضان کی فضیلت

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي

شہر رمضان کا مہینہ ہے
اُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

جس میں قرآن نازل ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ - الَّذِي

مہینہ رمضان جس میں
اُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

نازل ہوا اس میں قرآن

رَمَضَانَ (ماہ رمضان) یہ لفظ رمض سے نکلا ہے۔ جس کے لفظی معنی دھوپ اور گرمی کی شدت کے ہیں۔ یہ اسلامی سال کے نویں مہینے کا نام ہے۔ اسلامی سال شمسی نظام کے بجائے قمری نظام سے چلتا ہے۔ اور چاند کے مہینے مختلف موسموں میں اول بدل کر آتے ہیں اس لئے رمضان بھی مختلف موسموں میں آتا ہے۔ اور روزہ دار کو ہر قسم کے موسم میں روزے رکھنے کا موقع ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رمضان المبارک کے اندر روزے مقرر کرنے کی خصوصیت اور وجہ بیان فرمائی ہے اور وہ ہے اس ماہ مقدس میں نزولِ قرآن۔

قرآن مجید یوں تو تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ اور تین سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ لیکن اس کی ابتدا اس مقدس مہینے ماہ رمضان سے ہوئی۔ سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ اس ماہ میں نازل ہوئی تھیں۔ احادیث مبارکہ میں یہ بھی آیا ہے کہ لیلۃ القدر میں پورا قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اترا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ یہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ایک مقدس اور بابرکت رات ہوتی ہے۔ کلام اللہ میں اس رات کو ہزار مہینوں سے افضل بیان کیا گیا ہے۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ سال میں جس قدر قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا۔ رمضان میں جبریل امین حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر سنا جاتے۔ حضور صلعم کے وصال کے آخری سال میں اللہ کے فرشتے نے آپ کو مکمل کلام مجید سنایا اور حضور صلعم سے سنا۔

رمضان المبارک میں اللہ کا کلام نازل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یادگار قائم رکھنے کے لئے اس میں روزے فرض کر دیئے۔ کلام اللہ نوع انسانی کی زندگی کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اور رمضان کے روزے زندگی کو پاکیزہ بنانے کا ذریعہ ہیں۔ مبارک میں جو رمضان پائیں اور روزے مکمل رکھ لیں۔ اور اپنی زندگیوں کو پاکیزہ بنا کر متقین کی فہرست میں شامل ہو جائیں۔

قرآن مجید کی خصوصیات

هُدًى لِّلنَّاسِ - وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ
 ہدایت لوگوں کیلئے اور روشن دلیلیں سے ہدایت
 وَ الْفُرْقَانِ
 اور حق کو باطل سے جدا کرنے والا

آیت کی ابتداء میں رمضان المبارک کی فضیلت واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا۔ کہ قرآن مجید آخری آسمانی کتاب اسی مہینے میں آخری نبی صلعم پر اتنی شروع ہوئی۔ اب یہاں قرآن مجید کی تین خصوصیات بیان فرمائیں۔
 ۱۔ ہُدًى (ہدایت) یہ کہ قرآن مجید تمام نبی نوع انسان کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ہر فرد اپنے خالق حقیقی اور زندگی کی صحیح منزل تک پہنچنے کے لئے صحیح راستہ صرف قرآن مجید سے ہی حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ رہنمائی کا ہر ذریعہ غلط ہوگا۔ اس کے سوا ہر راہ گمراہی کی راہ ہوگی۔ راہ راست کی طرف ہدایت قرآن مجید اور صرف قرآن مجید ہی کو سکتا ہے۔ انسان کی زندگی کو مجموعی طور پر کامیابی سے گزارنے کے لئے اس کے ہر پہلو سے متعلق قرآن مجید نے ایسے قاعدے دیئے ہیں جو سیدھے راستے اور حقیقی منزل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا۔ هُدًى لِّلنَّاسِ (قرآن مجید تمام نوع انسانی کیلئے ہدایت ہے) لفظ ہدایت کی مزید تشریح سبق (۹) میں مطالعہ فرمائیں۔

۲۔ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ (ہدایت کی روشن دلیلیں) یہ کہ قرآن مجید نے ہدایت اور رہنمائی کے تمام اصول اور ضابطوں کو اس قدر کھول کر بیان کیا ہے۔ کہ وہ بالکل صاف آسان اور سہل ہو گئے ہیں۔ اور ہر شخص انہیں سہولت کے ساتھ سمجھ سکتا ہے چونکہ قرآن کی خوبی بَيِّنَاتٍ (کھلے کھلے دلائل) ہے۔ اس لئے قرآن پاک کے اصول عام فہم۔ سادہ اور قابل عمل ہیں کوئی بات عقل کے خلاف اور کوئی اصول ناقابل عمل نہیں ہے۔

۳۔ الْفُرْقَانِ (حق کو باطل سے جدا کرنے والا) قرآن مجید کی تیسری خوبی یہ ہے۔ کہ جو لوگ اس مقدس کتاب کو پڑھتے ہیں۔ ان میں صحیح فیصلہ کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سچ اور جھوٹ، صحیح اور غلط۔ حق اور باطل، ایمان اور کفر، صلاح اور فساد، اطاعت اور سرکشی اور عبادت، انکار میں فرق کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی صفت الْفُرْقَانِ (حق اور باطل میں تمیز کرنے والا) ہے۔

ایسی کتاب جس میں یہ تین خوبیاں ہوں۔ اس کا ہر حکم انسان کے لئے زندگی کا پیغام نہیں تو اور کیلئے ہے؟ اس کے ہر حکم میں ان گنت برکتیں اور حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔

کاش! مسلمان اللہ کے اس آخری پیغام کو خود بھی سمجھیں۔ اور دنیا کو بھی سمجھا سکیں۔ اگر ہم دنیا کے کونے کونے میں اللہ کا کلام نہ پھیلا سکے۔ تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔

روزہ کی فرضیت

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

کہ تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے

فَلْيَصُمْهُ

تو اس کے روزے ضرور رکھے

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

سو جو کوئی پائے تم میں سے مہینہ

فَلْيَصُمْهُ

تو ضرور روزے رکھے اس کے

آیت کے اس ٹکڑے میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص بھی اپنی زندگی میں ماہ رمضان پائے۔ وہ ضرور روزے رکھے۔ استثنائاً صرف مریض اور مسافر کے لئے ہے۔ جس کی تفصیل پہلے بھی گذر چکی ہے۔ اور آیت کے آخری حصہ میں بھی آئے گی۔ یہ حکم رمضان کی فضیلتوں کے پیش نظر دیا جاتا ہے۔ جنہیں ہم ایک مرتبہ پھر ذیل میں خلاصہ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ دنیا کی ہر قوم میں روزہ رکھنے کا دستور ہے مثلاً عاشورہ کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی۔ تو یہودیوں میں اس دن کا روزہ شروع ہوا۔ عیسائیوں میں بھی روزہ رکھنے کا قانون موجود ہے۔ ہندو اور دوسری قوموں میں بھی روزہ کا تصور اور رواج پایا جاتا ہے۔ تفصیلات مختلف ہیں۔ لیکن اصل موجود ہے۔

روزوں کے بے شمار فضائل ہیں اس سے صحت و تندرستی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ غریب لوگوں کی حالت سے امیر لوگ عملی طور پر باخبر ہو جاتے ہیں۔ پیٹ بھر کر کھانے والوں اور فاقہ کاٹنے والوں میں برابر می پیدا ہوتی ہے۔ روحانی قوتوں میں ترقی ہوتی ہے۔ حیوانی خواہشوں پر پابندی ہوتی ہے۔ خدا ترسی انسان کے اندر مضبوط ہوتی ہے۔ مثلاً گرمی کا موسم ہے سخت پیاس لگ رہی ہے۔ مکان میں ٹھنڈا پانی رکھا ہے۔ روزہ دار کو دیکھنے والا کوئی نہیں۔ لیکن وہ پانی نہیں پیتا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی عورت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ اب کوئی دوسری قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور جب رمضان میں روزہ کے ذریعے اس نے اپنے آپ کو خدا کے حکم سے جائز، حلال اور پاکیزہ خواہشاً کو بھی چھوڑنے کا عادی بنا لیا۔ تو حرام۔ ناجائز اور بڑی عادتوں کے چھوڑنے میں اسے کوئی وقت محسوس نہ ہوگی۔ یہ وہ اخلاقی پاکیزگیاں ہیں۔ جن کا پیدا کرنا روزے کا مقصد ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ کہ اگر ایک روزہ دار بھوٹ کہنا۔ لغو بکنا اور فضول کام کرنا نہیں چھوڑتا۔ تو خدا کو اس کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی پرواہ نہیں۔ گو یا روزے کا اصل مقصد اخلاق کو سنوارنا ہے۔ اگر اخلاق درست نہ ہوں۔ تو روزے سے کیا فائدہ حاصل ہوا ہم مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ روزوں کی اس قدر فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر ہر سال اس ماہ روزے رکھیں۔ رمضان کا احترام کریں۔ اور اپنے اندر اخلاقی۔ جسمانی اور روحانی خوبیاں پیدا کریں۔ تاکہ نزول قرآن کا مقصد پورا ہو۔ اور رمضان المبارک واقعی نزول قرآن کا جشن اور یادگار ثابت ہو جائے۔

اللہ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ
اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ
گنتی پوری کئے سے دن اور چاہتا ہے
اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمْ
اللہ تم پر آسانی اور نہ چاہتا تم پر
الْعُسْرَ
دشواری نہیں چاہتا

اس آیت میں قرآن مجید نے یہ حقیقت ظاہر کی ہے۔ کہ دینِ فطرت یعنی اسلام نہایت آسان اور سہل ہے۔ اسلام انسانوں سے سخت مشقتیں، دشوار ریاضتیں اور ناقابل عمل عبادتیں نہیں چاہتا۔ بلکہ اسلام میں بہت سی گنجائشیں اور بیشمار سہولتیں رکھ دی گئی ہیں۔ کمزور مجبور انسانوں کو رعایتیں دی گئی ہیں۔ اسلامی شریعت میں ایسا کوئی حکم نہ ملے گا۔ جس میں انسان کے حالات، عمر، صحت، موسم اور دوسری مجبوریوں اور مشکلوں کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔

پچھلی آیت میں یہ حکم دیا گیا تھا۔ کہ جو شخص اپنی زندگی میں رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے رکھے۔ اس سے شاید بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہو۔ کہ اس حکم میں سب آجاتے ہیں۔ اور معذور کی رعایت نہیں کی گئی۔ اس لئے اب حکم دہرا دیا گیا۔ کہ جو مریض اور مسافر ہو۔ وہ رمضان کے بجائے کسی اور مہینے میں روزے رکھ سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس آیت سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ اگرچہ شریعت کے احکام بظاہر کسی قدر دشوار اور مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اصل وہ ہماری کامیابی۔ ترقی اور آسانی راہ کے لئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہم سے دشمنی نہیں۔ جو مشکل احکام دے۔ بلکہ وہ ہمارا خالق۔ معبود اور ارحم الراحمین ہے۔ وہ ہر حالت میں ہماری آسانی اور سہولت کا لحاظ رکھتا ہے۔ اس کا ہر حکم مصلحتِ زندگی اور خوشحالی کے لئے ہوتا ہے۔

جن حکموں کو ہم مشکل سمجھتے ہیں۔ دراصل وہ بھی آسان ہوتے ہیں۔ ہم اپنی تن آسانی اور سستی کی وجہ سے انہیں مشکل سمجھتے ہیں۔ واقعی آج تک ہم نے کبھی نہیں سنا کہ رمضان کے روزوں کی وجہ سے کوئی مر گیا ہو یا کسی کی صحت خراب ہو گئی ہو۔ اس کے برعکس روزہ سے صحت بہتر ہوتی ہے روحانیت کا تو کیا ذکر ہے۔

روزہ کے دوسرے مقاصد

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ - وَ لِتُكْبِرُوا
اور اس لئے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو
اللہ - عَلٰی - مَا - هَدٰکُمْ - وَ لَعَلَّکُمْ
اللہ ہو جو تمہیں ہدایت کی اور تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

شکر ادا کرو۔

تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

شکر ادا کرو۔

اس سے قبل آیت (۱۸۳) یعنی سبق (۲۱۲) میں روزے کے بڑے مقصد تقویٰ (پرہیزگاری) کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب آیت کے اس آخری حصہ میں روزے کے مزید تین مقاصد اور سہولتوں کا بیان ہوا ہے۔
۱۔ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (تاکہ تم گنتی پوری کرو) مراد یہ ہے کہ معذور لوگ اپنے روزے کسی اور وقت رکھ لیں۔ اور رمضان کی گنتی پوری کر لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ کہ اگر انسان مقررہ وقت پر اپنا فرض ادا نہ کر سکے اور بروقت اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکے۔ تو اسے دوسرا موقعہ دیا گیا۔ تاکہ وہ اللہ کا فرمان پورا کر لے اور اس کی خوشنودی حاصل کر لے۔ گویا شریعت کے احکام کی بجا آوری ضروری ہے۔ سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ لیکن ٹالا نہیں جاسکتا۔

۲۔ لِتُكْبِرُوا لِلَّهِ (اللہ کی بڑائی بیان کرو) مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر چل کر اس کی عظمت و بزرگی کے گیت گائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اپنی حکمت اور علم سے کام لے کر سیدھی راہ دکھا دی۔ جس پر چلنے والا ہر آفت سے محفوظ رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے۔ کہ اللہ کے نام اور اس کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ صبح و شام دین کی بندگی میں مصروف رہے۔ اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہے۔ مشرق و مغرب میں اس کا نام بلند کرے۔ تاکہ کوئی قوم ہدایت سے محروم نہ رہ جائے۔

۳۔ لَعَلَّکُمْ تَشْكُرُونَ (تاکہ تم شکر ادا کرو) تیسری غرض یہ ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ اور اس کا احسان مانیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ ان نعمتوں کو مقرر کردہ طریقے سے استعمال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو سہولتیں ہمیں دی ہیں ان کی ناشکری اور ناقدری نہ کریں۔ بلکہ اس کی دی ہوئی قوتوں۔ طاقتوں۔ نعمتوں اور صلاحیتوں کو صحیح اور دوست طور پر استعمال کریں۔

دُعَا

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي . فَأِنِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ . دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ . قَرِيبٌ يَقْبَلُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ .

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَأِنِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ . دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ . قَرِيبٌ يَقْبَلُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ .

عَنِّي (میری بابت) یعنی میرے قریبی اور دوری کے متعلق پوچھیں۔ بعض مذاہب نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان کی رسائی سے اس قدر دور اور یلند خیال کیا ہے۔ کہ گویا وہاں تک پہنچنا بالکل ناممکن ہے۔ اسلام نے اس غلط عقیدے کو رد کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے نہایت قریب ہے۔

إِنِّي قَرِيبٌ (میں قریب ہوں) مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم اور واقفیت کے لحاظ سے بھی انسان کے قریب ہے اور اسکی دعا اور اسے قبول کرنے کے لحاظ سے بھی اسکے قریب ہے، قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: میں انسان کی شہرگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

مذہب کی روح یہ ہے۔ کہ انسان سب سے کٹ کر صرف ایک اللہ کا مور ہے۔ اسی سے اپنی ہر مراد مانگنے۔ اسی کے آگے سوال کا ہاتھ اٹھانے۔ اسکی زندگی اور موت اس کی عبادت اور قربانی اسی کے لئے ہو۔ اس روح کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم دی۔ اور فرمایا کہ میں انسانوں سے دور نہیں ہوں۔ بلکہ جب کبھی کوئی شخص تمام جانب سے ہٹ کر پورے اجناس کے ساتھ مجھے پکارتا ہے۔ تو میں اسکی پکار کو سنتا ہوں۔ اسے جواب دیتا ہوں۔ اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ اسکی تنہا پوری کرتا ہوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ رات کے آخری تیسرے حصے میں اللہ تعالیٰ قریب ترین آسمان پر آکر یہ اعلان کرتا ہے کہ سے کوئی مانگنے والا جس کی دعا قبول کروں ہے کوئی سوال کرنے والا جس پر نوازش کروں ہے کوئی بخشش مانگنے والا جسے معاف کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ دعا عبادت ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس درجہ باحیا اور کریم ہے کہ وہ کسی دعا کرنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن دعا کے قبول ہونے کی ایک شرط یہ ہے۔ کہ دل غافل اور بے پرواہ نہ ہو۔ رات کے اس آخری حصے ہی پر کیا موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خلوص اور ایمان داری کے ساتھ اسے پکارے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے کتنا بھرپور۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کیلئے کیسی امید گنہگار روحوں کیلئے کیسی۔ تھکے ماندوں کیلئے کیسا سہارا۔ بے بسوں کے لئے کیسا آسرا اور کیسی قوت بھروی ہے۔ انسان اس سے نہ مانگے تو اور کس سے مانگے؟ مگر کس قدر غافل اور ظالم ہے یہ انسان کہ اس سے مانگتے وقت شمرتا ہے۔ اور اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے جھکتا ہے۔

دُعَا کی دو شرطیں

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي - وَ لِيَوْمِنَا - بِي
 تو چاہیے کہ وہ حکم مانیں میرا اور ایمان لائیں مجھ پر
 فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَ لِيَوْمِنَا بِي
 تو چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں
 لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (۱۸۶)
 تاکہ وہ نیک راہ پر آئیں
 لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (۱۸۶)
 تاکہ وہ نیک راہ پر آئیں

پہلے سبق میں بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے نہایت قریب ہے۔ وہ ان کے حالات سے سب سے زیادہ واقف ہے۔ ان کی حاجات سے آگاہ ہے۔ ان کی مصلحتوں کو جانتا ہے۔ ان کی فلاح و بہبود چاہتا ہے۔ ان کی پکار کو سنتا ہے۔ ان کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور ان کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کی دو بنیادی شرائط بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي (وہ میرا حکم مانیں) جواب۔ مستجاب۔ اجابت وغیرہ لفظ اسی مادہ سے ہیں۔ قبول کرنا اور مان لینا اس کے معنی میں شامل ہے۔ دعا کی شرط اول یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقوں۔ اس کی ہدایتوں اور حکموں کو مانتا ہے۔

۲۔ وَ لِيَوْمِنَا بِي (اور وہ مجھ پر ایمان لائیں) ایمان۔ مؤمن وغیرہ اسی لفظ سے نکلے ہیں۔ ایمان کی تشریح پہلے بھی ہو چکی ہے۔ یعنی زبان سے ماننا۔ دل سے یقین رکھنا۔ اور اس کے مطابق عمل کا ارادہ رکھنا۔ قبولیت دعا کی دوسری شرط ہے۔ ان بنیادی شرائط کے علاوہ قرآن و حدیث میں اور بھی کئی شرائط بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً۔

صحیح اور درست چیز کیلئے دعا کرنا۔ اخلاص اور یقین کے ساتھ مانگنا۔ حلال روزی۔ پاک غذا کھانا اور نیکو کار ہونا وغیرہ۔ بعض اوقات ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ہمیں مایوس اور دل برداشتہ ہونے کے بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اور فیصد حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ ہماری دعائیں نقائص اور کمزوریوں کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے۔ بعض وقت دعا کی قبولیت ہمارے حق میں مضر ہو۔ اسلئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی حکمت پر بہتری کا یقین رکھنا چاہیے۔

دوسری بات جو ہمیں پیش نظر رکھنی چاہیے۔ کہ بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا مناسب نہیں کہ دعا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات کسی بیماری پر کوئی دوا مفید نہیں ہوتی۔ لیکن علاج ترک نہیں کیا جاتا۔ اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ دعا قبول نہ ہونے پر اسے ترک کر دیا جائے۔ قبول نہ ہونے میں ضرور کوئی مصلحت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ہماری مصلحت سے واقف ہے۔ ہماری فلاح چاہتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے۔ کہ وہ راہ کراہی کے آگے دعا کریں اسکے بتا ہونے طریقہ پر عمل کریں۔ کیونکہ یہی راہ کامیابی کی راہ ہے۔

میاں بیوی کا تعلق

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

تہارے لئے جائز ہوا روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا

إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ

اپنی بیویوں سے۔ وہ تمہارا لباس ہیں

وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ

اور تم ان کا لباس ہو۔

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ - الرَّفَثُ

جائز ہوا تمہارے لئے رات روزہ بے حجاب ہونا

إِلَى نِسَائِكُمْ - هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ

طرف تمہاری بیویاں وہ لباس تمہارے لئے

وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ

اور تم لباس ان کے لئے

الرَّفَثُ بے حجاب ہونا رفث کے لفظی معنی ہیں ایسا کلام جو جنسی جذبے اور نفسانی خواہشات کو اکساتے یہاں مراد خود خواہشات کو پورا کرنا ہے۔

آپ جانتے ہیں۔ کہ اسلامی شریعت کے احکام آہستہ آہستہ نازل ہوئے ہیں۔ اہل کتاب (یہود) کی طرح مسلمان بھی روزوں کے ایام میں رات کے وقت سونے کے بعد بیویوں سے صحبت سے باز رہتے تھے۔ اس آیت کے ذریعہ اس میں نرمی کی گئی۔ اور رات کے وقت مباشرت کی اجازت دے دی گئی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام، جذبات اور خواہشات کو سرے سے مٹانا نہیں چاہتا۔ بلکہ تمام کام اللہ کے حکم اور اس کی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے تو کوئی کام کرو اور جب وہ منع فرمائے تو اس سے رک جاؤ۔ چونکہ ہماری مصلحت اور بہتری وہی سمجھتا ہے۔ ہمیں اپنے نفع و نقصان کا کچھ پتہ نہیں۔

روزوں کے علاوہ میاں بیوی پر دن رات کی کوئی پابندی نہیں۔ لیکن روزے میں دن کے وقت منع فرما دیا۔ اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے۔ یا ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

لباس میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس فرما کر اس قریبی رشتہ کو ظاہر کیا ہے۔ جو انہیں اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے سے حاصل ہے۔ یہ لباس کی تشبیہ کئی صورتوں میں موجود ہے۔ مثلاً ان کے آپس کے قریبی تعلقات۔ ایک دوسرے کی محتاجی۔ جسمانی اعتبار سے انتہائی قرب۔ ایک دوسرے کے لئے زیب و زینت اور اطمینان و آسائش کا موجب ہونا سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دوسرے کے انتہائی راز دار ہونے کے باوجود پردہ پوشی کرنا۔

غور کیجئے کہ ایک لفظ لباس سے کتنی باتیں سمجھا دی ہیں۔ میاں بیوی دونوں پر لازم ہے کہ وہ واقعی ایک دوسرے کا لباس یعنی راز دار۔ امین۔ پردہ پوش۔ سکون قلب کا سامان اور راحت کا موجب ثابت ہوں۔

مباشرت کا مقصود

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ
 معلوم ہے اللہ کہ تم تھے خیانت کرتے
 أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ
 اپنی جانوں سے سوتھیں معاف کیا اور درگذر کی تم سے
 فَالْأُنَّ بِأَشْرُوهُنَّ وَأَبْتَعُوا مَا كَتَبَ
 پھر اب اپنی عورتوں سے ملو اور طلب کرو وہ جو لکھ دیا
 اللَّهُ لَكُمْ
 اللہ تمہارے لئے
 لکھ دیا ہے وہ طلب کرو

تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ تم اپنی جانوں سے خیانت کرتے تھے، بعض کمزور مسلمان اپنے ساتھ خود خیانت کے مجرم ہوتے تھے۔ علامہ راغب اصفہانی نے اختیان کے معنی کئے ہیں۔ خیانت کا ارادہ کرنا۔ اس رو سے معنی ہوں گے۔ کہ تم دل میں خیانت کا ارادہ کرتے تھے۔

بِأَشْرُوهُنَّ (اپنی عورتوں سے ملو) لفظ مباشرت اسی مادہ سے ہے۔ جس کے معنی میں عورت سے صحبت کرنا۔ پچھلے سبق میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ابتدائے اسلام میں اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی روزوں کے ایام میں سونے کے بعد بیوی سے صحبت نہ کرتے تھے۔ مگر بعض لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر اس پابندی کو توڑ بیٹھتے۔ یا کسی کے دل میں خیانت کا ارادہ اور جذبہ پیدا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے بات صاف کر دی۔ اور رات کے وقت کھانے پینے کی طرح مباشرت کی بھی صاف اجازت عطا فرمادی۔

أَبْتَعُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے وہ طلب کرو) ابتغاء کے معنی میں کسی چیز کے طلب کرنے اور حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ ما کتب اللہ (جو اللہ نے لکھ دیا ہے) اس سے مراد اولاد اور نسل ہے جو مباشرت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اجازت دینے کے ساتھ گویا ایک تنبیہ بھی کر دی۔ یعنی عورتوں کے پاس اولاد پیدا کرنے کی غرض سے جانا چاہیے۔ مباشرت کے عمل سے اگرچہ طبعی لذت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا مقصد حصول اولاد اور افزائش نسل رکھا ہے۔ تاکہ انفرادی لذت مجموعی مفاد کا سبب بنتی رہے۔

قرآن مجید کی اس ہدایت سے واضح ہو گیا۔ کہ منع حمل اور ضبط تولید وغیرہ سب غلط اور ناجائز راستے ہیں۔ مباشرت کا یہ نتیجہ قدرتی طور پر نکلتا ہے۔ اس کی امید رکھنی چاہیے اور اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ محض شہوت رانی کوئی مقصد نہیں ہے۔

روزہ کے اوقات

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تمہیں صاف نظر آئے

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ

صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے جدا

مِنَ الْفَجْرِ نَتْمًا إِلَى الْوَيْلِ

پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

الفجر (فجر) مراد صبح کاؤب نہیں۔ بلکہ وہ نور کا ترٹکا ہے۔ جو صبح کاؤب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے۔ جب روشنی مشرق اور

مغرب کی جانب پھیلنے لگتی ہے۔ اور اس کو صبح صادق کہتے ہیں۔ صبح صادق تک سحری کا وقت رہتا ہے۔ حدیث میں سحری

آخری وقت کھانے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو لوگوں کی نماز

کی تیاری کیلئے بہت سویرے اذان دے دیتے ہیں۔ انکی اذان سے یا محض شمال جنوب میں روشنی دیکھ کر سحری ختم نہ کرو۔ بلکہ روشنی کے

پھیل جانے کو معتبر سمجھو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ سحری کے وقت کھانے پینے سے احتیاط اس وقت ضروری ہے جب

صبح کی روشنی راستوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہو جائے۔

اللیل (رات) عربی میں رات کا آغاز دن کے خاتمہ اور سورج کے غروب ہو جانے کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے چنانچہ اسلامی

کیلنڈر (قمری سنہ) کی تاریخ غروب آفتاب کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس شمسی سال میں تاریخ نصف رات

گذرنے پر بدلتی ہے۔ الی اللیل (رات تک) مطلب یہ ہوا۔ کہ جو نہی رات داخل ہونے لگے۔ روزہ افطار کرو۔ یہ مطلب نہیں

کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے وقت تک روزہ رکھے رہو۔

اس حکم سے پہلے مسلمان روزہ افطار کر نیچے بعد جب سو جاتے۔ تو پھر اگلی شام تک کچھ نہ کھاتے اس آیت میں یہ اجازت

دے دی کہ روزہ افطار کرنے کے بعد سے لے کر فجر تک کھاؤ پیو۔ اور عورتوں سے صحبت بھی کر سکتے ہو۔

یہ ایک اور رعایت اور سہولت ہے۔ جو بعد میں دی گئی۔ کہ جب تک رات کی دھاری صبح کی دھاری سے جدا ہو جائے۔

کھانے پینے کی عام اجازت ہے۔ اور پھر سحری ختم ہونیکے بعد سارا دن روزہ کھنا سوکھا حتیٰ کہ سوچ غروب ہونے اور تاریکی پھیلنے شروع ہو جائے۔

اس حکم سے یہ پتہ بھی چلتا ہے۔ کہ بغیر سحری کھائے ہوئے اور روزہ افطار کرنے مسلسل رکھتے چلے جانا مکروہ ہے اسلام

اعتدال کی راہ سکھاتا ہے۔ شدت اور سختی پسند نہیں کرتا۔ لہذا شریعت نے جو طریقہ مقرر کیا ہے۔ ہمیں اس کی پابندی

کرنی چاہیے اور جو رعایات دی ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اعتکاف کے احکام

وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ ۝
اور نہ عورتوں سے ملو۔ اور تم۔ اعتکاف کریوالے
فِي الْمَسْجِدِ ۝
میں مسجدیں۔

وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ ۝
اور عورتوں سے نہ ملو جب تم اعتکاف میں ہو
فِي الْمَسْجِدِ ۝
مسجدوں میں

لَا تَبَاشِرُوهُنَّ (عورتوں سے نہ ملو) یہاں لفظ مباشرت اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی صحبت کے علاوہ بوس و کنار بھی نہ کرو۔

عَاكِفُونَ (اعتکاف کرنا) لفظ اعتکاف سے ہے جس کے لغوی معنی ہیں۔ اپنے کو کسی شے سے روک کر رکھنا۔ یا اسے اپنے آپ پر لازم کر لینا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے۔ مسجد میں بیٹھ کر اپنے آپ کو عبادت کے لئے وقف کر لینا۔ روزوں کے سلسلہ میں ایک اور حکم یہ دیا۔ کہ جب تم اعتکاف کر رہے ہو۔ تو عورتوں کے پاس مت جاؤ۔ اعتکاف کے بارے میں چند مزید ضروری احکام ہم بیان کرتے ہیں۔

اعتکاف کرنے والے پر لازم ہے۔ کہ وہ اس زمانہ میں ہر وقت مسجد میں رہے۔ وہیں کھائے پئے اور سوتے جاگے۔ صرف بدنی اور شرعی ضرورتوں کے لئے ہی مسجد سے باہر نکل سکتا ہے۔ اعتکاف کیلئے مدت کم سے کم ایک دن ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ فی المساجد کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیے۔ البتہ عورتوں کا اعتکاف مسجد کی بجائے گھر کے کسی گوشہ میں ہو سکتا ہے۔

اعتکاف کے دوران گفتگو جائز ہے۔ بشرطیکہ مسجد کے احترام اور اعتکاف کے آداب کے خلاف نہ ہو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ کہ آپ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لئے مسجد میں اعتکاف فرماتے۔ اور دنیاوی معاملات سے اپنا تعلق بالکل توڑ لیتے۔ اسی لئے اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ یعنی ایسی سنت کہ محلہ کا ایک آدمی کرے۔ تو دوسروں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

اعتکاف کے بہت سے فوائد ہیں۔ روحانی قوت حاصل کرنے۔ ایمانی اعتبار سے تازہ دم ہونے کیلئے اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں انسان اپنا وقت مسلسل اطاعت اور عبادت میں گزارتا ہے۔ اسے تہائی اور یکسوئی میسر آتی ہے۔ ہمیں چاہیے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر پورا پورا عمل کریں۔ ایمان کی روشنی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے مستحق ہوں۔ اور کم سے کم چند دن کے لئے کامل طور پر پاکیزگی حاصل کریں۔ دنیاوی تعلقات اور معاملات سے کچھ مدت کے لئے اپنا رشتہ توڑ لیں۔ اور معبود حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

حدود اللہ

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ط

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سوان کے نزدیک نہ جاؤ

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ

اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۴﴾

تا کہ وہ بچتے رہیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ - فَلَا تَقْرَبُوهَا ط

حدیں اللہ سونہ ان کے نزدیک جاؤ

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ - لِلنَّاسِ

اس طرح بیان فرماتا ہے اللہ اس کی آیتیں لوگوں کے لئے

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۴﴾

تا کہ وہ بچتے رہیں

تِلْكَ رِیۡہ اس سے ان چھ سات احکام کی طرف اشارہ ہے۔ جو پہلے سبقوں میں بیان ہو چکے ہیں۔
حُدُودٌ (حد کی جمع) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے اور قاعدے ہیں جنکی پابندی پر بار بار قرآن مجید میں زور دیا گیا ہے۔

آیات تائیں) مراد احکام ہیں اس لفظ کی تشریح اس سے قبل سبق (۱۴۲) میں گذر چکی ہے۔

روزے کی برکات اور اس کی فرصیت بیان کرنے کے بعد قرآن مجید نے اس سے متعلق تمام ضمنی قوانین بتا دیئے اعتکاف کے لوازمات اور دوسرے ضابطے بھی واضح کر دیئے۔ اب آیت کے اس آخری ٹکڑے میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تمام قوانین اصول۔ حدیں اور بندشیں اللہ تعالیٰ نے وضع کی ہیں۔ ان سے منہ موڑنا اور خلاف ورزی کرنا معمولی بات نہ ہوگی بلکہ نہیں مقرر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جو حکمت اور علم والا ہے۔ اس کی ہدایات اور احکام برحق ہیں۔ مصلحت پر مبنی ہیں۔ انسانوں کی فلاح اور کامیابی کے ضامن ہیں۔ ان کی پیروی اور تعمیل سے دنیا و آخرت سنورے گی۔ ان کی روگردانی اور سرتابی، تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوگی۔ اس لئے کسی انسان کو ان سے باہر نہیں جانا چاہیئے اسکی باندھی ہوئی حدود کے اندر رہنا چاہیئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام۔ اس کی حدیں۔ اوقات۔ اعتکاف اور اس سے متعلق دوسرے امور تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔ اسی طرح وہ باقی احکام انسان کی فلاح اور بہتری کے لئے تفصیل سے بیان فرماتا ہے ان پر مضبوطی سے کار بند ہونے سے انسان میں تقویٰ۔ پرہیزگاری، جذبہ اطاعت و فرمانبرداری، اخلاص و ایثار، پاکدامنی و پاکبازی۔ نیک علی اور نیکو کاری پیدا ہوگی۔

انسان اپنی کم فہمی کی بنا پر اپنی مصلحت اور بہبود کے لئے خود کوئی راہ قائم نہیں کر سکتا۔ اسے ایک بزرگ و برتر ہستی۔ عالم کل اور حاکم مطلق کی ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خدائے واحد ہے۔ اس نے نہایت شفقت سے کام لے کر ہمیں کامیابی و کامرانی کی راہ بتا دی ہے۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ بلا تامل اس صراط مستقیم پر چل پڑیں۔ اور مقصود اصلی پالیں۔

ناحق مال

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں باحق

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناهق نہ کھاؤ۔

لَا تَأْكُلُوا (نہ کھاؤ) یہ لفظ اعلیٰ سے نکلا ہے جس کے معنی کھانا ہیں۔ محاورہ کے اعتبار سے صرف کھانا ہی مراد نہیں بلکہ کسی طرح بھی ناجائز طور پر مال حاصل کر کے استعمال کرنا مراد ہے۔

أَمْوَالَكُمْ (ایک دوسرے کا مال) تمام مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے اور یہاں اس کے معنی اپنا مال نہیں بلکہ ایک دوسرے کا مال ہوں گے۔

بَيْنَكُمْ (آپس میں) علمائے اس لفظ کا دائرہ بہت وسیع بیان کیا ہے۔ صرف مسلمانوں کے مال تک ہی حکم محدود نہیں بلکہ مراد تمام انسانوں کا مال ہے۔ خواہ مسلم ہو یا کافر۔ کسی کا مال بھی دغا۔ فریب۔ ظلم اور ناهق لینا جائز نہیں۔

بِالْبَاطِلِ (ناحق) مراد ہر ناجائز طریقہ ہے۔ اس کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جائز طریقہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کے سوا جو صورت بھی اختیار کی جائے۔ وہ ناجائز اور باطل تصور ہوگی۔

روزوں کی فریفت سے یہ مقصود تھا۔ کہ امت کے افراد کے نفس پاکیزہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کر نیکی کے لئے پہلے وہ اپنے اندر حلال چیزوں کو چھوڑنے کی عادت پیدا کریں۔ تاکہ آئندہ ناجائز طریق سے حاصل کیا ہوا مال ان کے لئے چھوڑنا آسان ہو جائے اور اس سے بالکل پرہیز کریں۔

مل جل کر رہنے سے تیارہ اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے فرما دیا کہ باہمی لین دین میں کسی کا مال ظلم کر کے کھانے کی کوشش ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ لوٹ مار کرنا۔ قمار بازی میں الجھنا۔ دھوکے فریب چابازی اور دیگر باطل طریق سے مال حاصل کرنا ایک دم ترک کر دینا چاہیے۔ ایسے ہی گاتے بجانے کی اجرت۔ شراب کا کاروبار مثلاً بنانا۔ خرید و فروخت وغیرہ رشوت لینا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ امانت میں خیانت کرنا اور کمزور بے بس کا ناهق مال کھانا باطل طریقے ہیں۔ جو چھوڑنے چاہئیں۔

قرآن مجید نے اس کا فیصلہ زیادہ تر لوگوں کے اپنے ضمیر پر چھوڑ دیا ہے۔ کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری خود محسوس کرے اپنا چال چلن اور برتاؤ درست کرے۔ اعمال کے حساب کا ڈرا اپنے اندر رکھے۔ ہر معاملہ دیانت اور امانت کے ساتھ کرے۔ تاکہ حکومت کو صرف خاص خاص حالتوں میں مداخلت کرنے کی ضرورت ہو۔

اس آیت کا چھوڑ دینا یہ ہے کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم رمضان کے دنوں میں پاک اور ناجائز چیزوں کو ترک کر دو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ تم ہمیشہ کیلئے ناجائز مال کھانا اور حاصل کرنا چھوڑ دو۔ کبھی دھوکے فریب۔ خیانت۔ ظلم۔ زیادتی۔ بے انصافی سے کسی کا مال حاصل نہ کرو۔ رشوت اور ناجائز تحفے وصول کرنا حرام ہے۔ جس طرح روزوں سے مسلمانوں کے نفس پاکیزہ ہوں گے۔ اس طرح ان حکم کی پیروی سے ان کے عمل پاک ہو جائیں گے۔ اس کا مبارک اثر اخلاق۔ معاشرت۔ سیاست۔ عدالت۔ فرض زندگی کے ہر شعبے پر پڑے گا۔

رشوت

وَتُدَلُّوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ
اور نہ پہنچاؤ انہیں تک حاکم
لِتَأْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ
کہ کھا جاؤ کوئی حصہ سے مال لوگ
بِالْاِثْمِ - وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۸
ناحق اور تم جانتے ہو۔

۲۳
ع
۷

تُدَلُّوْا (پہنچاؤ) لفظ اولاد سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں کنوئیں میں ڈول ڈالنا۔ کسی چیز کو کہیں پہنچانا۔ یا اسے وسیلہ بنانا بھی معنی مراد لے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ حاکموں کو اپنا طرفدار بنانے یا ان تک رسائی حاصل کرنے کا مال کو فدیہ نہ بناؤ۔ اور رشوت یا مالی تحفے مخالف دے کر حاکموں پر اثر نہ ڈالو۔

فَرِیْقًا (کوئی حصہ) اس لفظ کے معنی کسی گروہ یا فریق کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں حصہ یا جزو کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
بِالْاِثْمِ (ناحق) ہر قسم کی برائیاں اثم کے مفہوم میں شامل ہیں۔

سوسائٹی میں عدل و انصاف اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کی خاطر قرآن مجید نے یہاں دو باتوں پر زور دیا ہے۔ ایک یہ کہ قدرانے۔ ڈالیاں۔ دعوتیں اور رشوت کے دوسرے تمام ایسے ذرائع جن سے حاکموں پر اثر ڈالنا اور ان سے رسوخ پیدا کرنا مقصود ہو۔ ناجائز ہیں۔ کیونکہ اس طرح حاکم جانبدار ہو سکتے ہیں۔ انصاف کی ترازو ڈیڑھی ہو جاتی ہے۔ عدل اور حق پرستی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ ظلم اور حق تلفی عام ہو جاتی ہے۔ جھوٹے دعوے۔ جعلی کاغذات۔ جھوٹی گواہیاں جھوٹے حلفنامے اور حق بات سے کترانا عام ہو جاتا ہے۔ اس طرح بدعنوانیاں پھیلتی ہیں۔ اور قتل و خون زیادہ ہو جاتے ہیں۔ ان سب کے بچنے کے لئے یہ قانون بنا دیا گیا۔ کہ حاکموں کو غیر جانبدار۔ عدل پرست اور حق کا طرفدار رکھنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ کوئی فرد اپنے مال سے حاکم کو درغلانے کی کوشش نہ کرے۔ دوسری اہم بات جو اس سلسلے میں قرآن مجید نے بتائی۔ وہ یہ کہ ہر معاملے اور لین دین میں خود انسان کا ضمیر اسے نیکی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور برائی پر ملامت کرتا ہے ظاہر ہے کہ دنیا کی بہتر سے بہتر عدالت اور عادل سے عادل حاکم کے فیصلے بہر حال مقدمہ کی صورت حال اور گواہوں کی شہادت کے مطابق ہی ہوں گے اور ان میں غلطی اور لغزش ممکن ہے۔ لہذا کسی حاکم اور قاضی کے فیصلے کے باوجود اصل مجرم ان کی نگاہ میں جرم سے اور گنہگار اپنے گناہ کی سزا سے بچ سکتا ہے۔ لیکن انسان کا ضمیر اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ بشرطیکہ اس نے ضمیر کی آواز کو دبا دبا کر مار ہی نہ دیا ہو۔

حدیث میں آتا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا میرے پاس مقدمہ آتا ہے۔ مدعی ثابت کر دیتا ہے حالانکہ حق دوسری جانب ہوتا ہے میں اس بیان کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں۔ لیکن وہ سمجھے کہ ایک مسلمان کا مال ناجائز طریق سے لینا آگ کو لینا ہے۔

چاند کا حساب

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ
تجھ سے پوچھتے ہیں سے نئے چاند کہہ دے یہ
يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ
تجھ سے نئے چاند کا حال پوچھتے ہیں کہہ دے کہ یہ

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط
اوقات لوگوں کے لئے اور حج

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط
لوگوں کے لئے اور حج کے لئے مقررات اوقات ہیں۔

اہلہ (نئے چاند) ہلال کی جمع ہے چاند کے متعلق لوگوں کے سوال کچھ اس قسم کے تھے۔ پہلے چاند کا طلوع ہونا۔ پھر تاریخ و اس کا بڑھنا اور پھر تاریخ وار اس کا گھٹنا۔ یہاں تک کہ اس کا غائب ہو جانا کیوں ہے؟ اور ان تبدیلیوں کی وجہ کیا ہے۔

مَوَاقِيْتُ (اوقات) ہیقات کی جمع ہے جس کے معنی ہیں۔ مقررہ وقت یا وقت معلوم کرنے کا پیمانہ اور آلہ۔

چاند میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ عام دیکھنے اور محسوس کرنے کی بات ہے۔ انسان کا ایسے امور کے بارے میں سوال کرنا ایک فطری بات ہے۔ کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجوہات کیا ہیں؟ اس کے طلوع ہونے اور غائب ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے ان سوالوں کے جواب میں فرمایا۔ کہ چاند کے گھٹنے بڑھتے دینے میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے لوگوں کے دنیاوی معاملات اور شرعی حسابات میں دنوں تاریخوں، مہینوں اور سالوں کا تعین آسانی سے ہو جاتا۔

قرآن مجید کے اس صاف بیان سے ادھام پرستی اور شرک کی جو ٹکٹ جاتی ہے دنیا کی بہت سی قومیں چاند کی پوجا کرتی تھیں۔ ایسی قوموں نے نئے چاند کو دیوتا مان کر اس کی پرستش کی۔ اور بڑھتے ہوئے چاند کو مبارک اور گھٹتے ہوئے کو منحوس سمجھا۔ چنانچہ یہ لوگ چاند کی آنری تاریخوں میں بیاہ شادی تک نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا مقصد واضح کر دیا۔ کہ اس سے انسان کے کام کے اوقات بہ سہولت مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ دوسرے دنیاوی معاملات کے علاوہ عبادت اور شرعی حسابات میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ یہاں حج کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا۔ کہ یہ عرب لوگوں کی زندگی کا بہت اہم جز تھا۔ قرآن مجید نے شمسی حساب پر قمری حساب کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اس میں چند فوائد ہیں۔ پہلا یہ کہ شمسی حساب میں بڑی دقیقہ پیش آتی ہیں۔ چونکہ وہ ایک ہی حالت میں رہتا ہے۔ طلوع و غروب کے لحاظ سے اس میں جو معمولی سا تغیر ہوتا ہے۔ عوام اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ پیمانہ اور غیر مہذب علاقوں میں ٹھیک ٹھیک شمسی حساب رکھنے والا ماہر ملنا بہت مشکل ہے۔ تیسرے یہ کہ چاند کی حالتوں میں باقاعدہ تغیر واقع ہونے کی وجہ سے بہر تعلیم یافتہ اور جاہل وقت اور تاریخ کا اندازہ کر سکتا ہے۔ چوتھے یہ کہ چاند کے طلوع و غروب کا موسم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام روئے زمین پر مختلف مہینے موسموں میں آتے رہتے ہیں اور ہر علاقہ کے مسلمان اپنی عبادات باری باری مختلف موسموں میں ادا کر سکتے ہیں۔

جاہلیت کی ایک رسم

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا - وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى - وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

اور نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں سے ان کی پشت اور لیکن نیکی جو کوئی ڈرے اور آگے سے ان کے دروازے اور اتقوا اللہ تاکہ تم مراد کو پہنچو ﴿۱۸۹﴾

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا - وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى - وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

اور نیکی یہ نہیں ہے کہ گھروں میں آؤ ان کے سے ان کی پشت اور لیکن نیکی جو کوئی ڈرے اور آگے سے ان کے دروازے اور اتقوا اللہ تاکہ تم مراد کو پہنچو ﴿۱۸۹﴾

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رواج تھا۔ کس جج کے دنوں میں جب عرب کے لوگ حج کے لئے احرام باندھ لیتے تو گھر میں جانے کے لئے دروازہ سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونئی سمجھتے۔ بلکہ مکان کی کچھلی دیوار میں راستہ بنا کر اس سے داخل ہوتے یا پھوڑے سے چھت پر چڑھ جاتے اور اندر کودتے۔ وہ اسے اپنے نزدیک بڑی عبادت اور خانہ کعبہ کی تعظیم سمجھتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض صحابی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ اور احرام کی حالت میں دروازوں سے اندر داخل ہونا احرام کے آداب کے خلاف سمجھنے لگے۔

اس آیت میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ نیکی اس بات میں نہیں ہے کہ مکان میں پھوڑے سے داخل ہو۔ اور نیکی یہ بھی نہیں ہے کہ خود کو کوئی بات اپنے پاس سے گھر کر کے عبادت سمجھنے لگ جاؤ۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل کرو۔ اس کے ارشادات کی نافرمانی سے ڈرو۔ برے کاموں سے پرہیز کرو۔ اور جب بھی مکان میں آنا چاہو اس کے دروازے سے داخل ہو قدیم رسموں اور گھڑی ہوئی بدعتوں کو چھوڑ دو تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے حکموں کی روشنی میں بجالاؤ۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہر ایسا عمل جس کی تصدیق یا تائید قرآن و سنت میں نہ پائی جائے۔ اسے اپنے دل سے عبادت سمجھ لینا اور شریعت میں داخل کر دینا یا اپنے اوپر لازم کر لینا گناہ ہے اور اسی کا نام بدعت ہے۔ پھر یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ اصل نیکی تقویٰ الہی ہے۔ یعنی اس کے فرمان پوری طرح ماننا۔ اور ان پر عمل کرنا۔ اللہ کی نافرمانی سے خوف کھانا۔ اسکی منع کی ہوئی باتوں سے بچنے رہنا۔ یہی نیکی اللہ کو مطلوب ہے۔ یہی انسان کے عمل اور زندگی کے اچھے اور برے ہونے کی کسوٹی ہے۔

آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی نیکی کا انجام دنیا و آخرت دونوں میں انتہائی کامیابی اور یا مراد ہی ہے۔ یہ آیت ہمیں پھر یاد دلاتی ہے کہ تقویٰ خوف خدا فلاح و کامیابی کا آپس میں کس قدر گہرا تعلق ہے۔ دونوں جہانوں میں سرخروئی اور ابدی آرام حاصل اسول تقویٰ ہے۔

اللہ کی راہ میں جنگ

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ - اور لڑو

اور لڑو میں راہ اللہ

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ

وہ لوگ جو تم سے لڑتے ہیں اور نہ زیادتی کرو

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (۱۹۰)

بیشک اللہ نہ پسند کرتا ہے زیادتی کرنے والے

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور اللہ کی راہ میں لڑو

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ

ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (۱۹۰)

بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

قَاتِلُوا (لڑو) لفظ قتال سے ہے جس کے معنی ہیں جنگ کرنا۔ لڑنا۔ یہ حکم مسلمانوں کو اس حالت میں مل رہا ہے جبکہ ان پر ان کے دشمن اور مخالفین اسلام ظلم ڈھا چکے ہیں۔ یہ ظلم چند دن کیلئے نہیں۔ بلکہ تیرہ برس تک مکہ میں قیام کے دوران میں ہوتا رہا ہے۔ کافروں کی زیادتی اور بے رحمی کے جواب میں صبر کرتے ہوئے مسلمان جب وطن اور گھر بار چھوڑ کر بے وطن ہوئے۔ مدینہ میں جا بسے۔ تو اس قدر لمبے اور سخت امتحان کے بعد دشمنوں سے مدافعت کے لئے جنگ کی اجازت ہوئی وہ بھی ظالموں کے بار بار چھیڑ چھاڑ اور حملے کرنے پر۔

فِي سَبِيلِ اللَّهِ (اللہ کی راہ میں) یعنی ذاتی غرض کے لئے نہیں۔ بلکہ صرف اللہ کا بول بلند کرنے، شرک مٹانے اور دین حق کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے۔

الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ (جو لوگ تم سے لڑتے ہیں) یعنی وہ جنہوں نے تم پر تہمتیں اٹھائیں ان الفاظ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ جنگ میں پہل کر نیوالے مسلمان نہ تھے۔ اور نہ انہیں ہونا چاہیے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگیں حفاظت اور مدافعت کے لئے تھیں۔ (۲) دوسری یہ کہ جنگ صرف ان لوگوں کے خلاف کی جائے جو عملی طور پر لڑائی میں حصہ لے رہے ہوں اس حکم کی رو سے تمام بوڑھے بچے۔ عورتیں۔ بیمار غیر جانبدار لوگ مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے البتہ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ میں وہ تمام دشمن شامل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوئے اور کسی صورت میں لڑنے والوں کی مدد کر رہے ہوں۔

لَا تَعْتَدُوا (زیادتی نہ کرو) یہ لفظ اعتداء سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں حق سے بڑھنا اور حد سے آگے نکل جانا۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱۔ حد سے مراد شریعت کی حد بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام اور غصہ کے جوش میں دشمن قوم کے ایسے لوگوں کو بھی قتل کر دینا۔ جو لڑائی میں شامل نہ ہوں۔ ان کے کھیتوں۔ باغوں اور پھلدار درختوں کو آگ لگا دینا۔ ان کے بے زبان جانوروں کو مار دینا۔ ۲۔ حد سے مراد معاہدہ کی حد بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسری قوموں کی تقلید کر کے خود بھی معاہدوں کی پرواہ نہ کرنا اور حدی کی ابتدا کر کے ہتھیاروں دینا۔ (۳) حد سے زیادتی کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی اور مقصد اور غرض کیلئے جنگ کی جائے۔

جنگ اور جلا وطنی

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقِفْتُمُوهُمْ
اور انہیں مار ڈالو جس جگہ انہیں پاؤ
وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ
اور انہیں نکال دو جہاں انہوں نے تمہیں نکالا

اقتلواہم (انہیں مار ڈالو) جہ سے مراد وہی لوگ ہیں جو لڑائی کے لئے نکلے ہوں۔ یہ حکم حالت جنگ کا ہے ہر وقت کا نہیں۔
حیث تَقِفْتُمُوهُمْ (جس جگہ انہیں پاؤ) یعنی ان جنگ کرنے والوں اور قتل کرنے والوں کو جہاں کہیں پاؤ۔ قتل کرو۔
جب جنگ ہو رہی ہے۔ تو ہاتھ نہ روکو۔

مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ (جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا) یعنی مکہ سے کفار و مشرکین نے تمہیں نکالا تھا۔
اس آیت میں قتال و جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کے دشمن ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمان ابھرنے نہ پاتیں۔ انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ اس لئے ایسے مخالفوں کا وجود اسلام کے لئے ہر وقت خطرہ کا باعث ہے۔
لہذا جہاں کہیں مسلمان ان پر غلبہ حاصل کریں۔ اور وہ پر امن شہری بن کر رہنا پسند نہ کریں اور شہرتوں سے باز نہ آئیں تو انہیں قتل کریں۔

بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس لئے تعمیر کیا تھا۔ کہ تمام روئے زمین کے لوگ وہاں آکر خالص طور پر اللہ کے لئے عبادت کریں۔ اس کے اصلی وارث مسلمان تھے۔ اس لئے کہ مسلمان ہی تمام اقوام میں دین ابراہیمی کے نام لیا تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین حق کے پابند تھے۔ مسلمانوں نے اسے نئے سرے سے دین اسلام کا مرکز بنا نا چاہا۔ لیکن کافر اور مشرکوں نے مسلمانوں کی مخالفت کی۔ ان کے راستے میں روٹے اٹکائے۔ انہیں کلمہ حق کہنے سے روکا۔ اور ان پر ظلم اور سختیاں کیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو مکہ ہی سے نکال دیا۔

مظلوم مسلمان اپنے آبائی وطن اور مرکز کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ وہاں بھی کافروں نے انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا مختلف قسم کی سازشیں کیں۔ برابر پھیر پھار اور مخالفت جاری رکھی۔ مسلمانوں کو حج کرنے سے روکا۔ دعوت اسلامی میں ایک بڑی رکاوٹ بن گئے۔ مدینہ پر حملے شروع کر دیئے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا۔ کہ ایسے کافر دشمنوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور اپنا آبائی وطن اور روحانی مرکز واپس لینے کے لئے انہیں وہاں سے نکال دو۔ کیونکہ ان کی ایذا رسانیاں حد سے گذر چکی ہیں۔

ایک مسلمان کی ہستی انسانیت کا صحیح نمونہ ہے۔ وہ دین فطرت اسلام پر عمل پیرا ہے۔ وہ اپنے قول و فعل سے اخلاق حسنہ کا علمبردار ہے۔ کامل انسانیت کا نمونہ ہونے کی حیثیت میں اسے پوری آزادی سے زندہ رہنے کا حق ملنا چاہیے۔ اسلام نہ کسی کی آزادی چھینتا ہے۔ نہ اپنی آزادی قربان کر سکتا ہے۔ نہ کسی ایسے دستور طریق کار اور نظام کو برداشت کر سکتا ہے جو امن سوز۔ باطل پرست خدا دشمن۔ اور شرافت و انسانیت کے لئے باعث تنگ ہو۔

فتنہ قتل سے بدتر ہے

وَ الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ ۚ
 اور فتنہ زیادہ سخت سے مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

الْفِتْنَةُ (فتنہ) فتن سے بنا ہے۔ کھوٹ نکالنے کے لئے سونے کو آگ میں ڈالنا اس کے لفظی معنی میں محض آگ میں ڈالنا بھی اس کے معنی میں۔ اس اعتبار سے اصطلاحی طور پر دھک اور تکلیف اور آزمائش اور امتحان کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی راہ میں ایذا پہنچانے اور بدامنی قتل و غارت گری اور زبردستی دین سے ہٹانے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ یہاں انہیں آخری معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

انسان کو قتل کرنا بالاتفاق بہت بڑی برائی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑی برائی یہ ہے کہ لوگ دوسروں کی آزادی گویا حق زندگی پھینکنے کی کوشش کریں۔ ان کے حقوق کو پامال کریں۔ ایک قوم کو صرف اسلئے کہ وہ توحید کی قائل اور شرک سے میرا ہے۔ مٹانا چاہیں۔ توحید کی جگہ کفر و شرک پھیلانا چاہیں۔ اگر اس فتنہ اور شرارت کو دور نہ کیا جائے۔ تو پھر یہ پھیلتا پھیلتا اس قدر عام ہو جائے گا۔ کہ کوئی قوم زندہ نہ رہ سکے گی۔ بلکہ سبھی جنگ و جدال اور قتل کی آگ کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ اس لئے اگر فتنہ کو دبانے کے لئے تھوڑے سے آدمی قتل کرنے پڑیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ بڑی برائی کو روکنے کیلئے تھوڑی بہت قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

اسلام ایک دین ہے۔ جو انسان کو انسانیت نیک اخلاق۔ سچائی و انصاف۔ نیکی اور پرہیزگاری کی راہ دکھاتا ہے۔ اس لئے اس دین سے دشمنی کرنا گویا انسانیت سے دشمنی کرنا ہے۔ اور اس کا منکر ہونا زندگی کا منکر ہونا ہے۔ اسلام سے ہٹنے والا اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دیتا ہے۔ اس لئے الگ ہونے والا گویا موت کے منہ میں آجاتا ہے۔ ہر وہ آدمی جو اسلام جیسے فطری دین سے لوگوں کو روکتا ہے۔ وہ فتنہ پرداز ہے۔ اور اگر وہ زندہ رہے گا۔ تو دوسرے لوگوں کے اخلاق اور اعمال کو خراب کرے گا۔ اس لئے ایسے انسانیت دشمن طبقہ کا وجود ہر حالت میں ناقابل برداشت ہے۔ بہتر ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے۔ تاکہ ایک بھیرے سب کو گندہ نہ کرے۔ اس کی یہ فتنہ پردازی پر امن تبلیغ کی معاندانہ مخالفت۔ انسان کی فطری آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ آنکار دنیا کو فتنہ و فساد۔ کشت و خون اور فتنہ پردازی کی طرف لے جا کر رہے گی۔ اس لئے پیشتر اس کے کہ وسیع پیمانے پر قتل و خون ہو۔ بہتر یہی ہے کہ ابھی اس کی جڑ اکھاڑ دی جائے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ گھروں سے نکال دینا۔ جلا وطن کر دینا یا قتل کر دینا تو بعد کی بات ہے۔ اصل چیز تو یہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے اخراج جلا وطنی اور قتل و خون کو روکنے کے لئے اس جرم کو کاٹنے کی ضرورت ہے اور وہ جرم ہے فتنہ۔ فتنہ کی تمام شکلوں کو سر سے سے مٹا دینا چاہیے۔ خواہ ان کے لئے قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ یہی وسیع قتل کو ختم دیتا ہے۔ قتل سے بھی اشد تر اور بری چیز ناسحق فتنہ و فساد پھیلانا ہے۔ اسلئے فتنہ پرداز مفسدوں کو ختم کرنا انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے۔

خانہ کعبہ کا احترام

وَلَا تُقْتَلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور نہ ان سے لڑو پاس مسجد حرام
حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ فَإِنْ قَتَلُواكُمْ

جیت تک کہ وہ تم سے لڑیں اس جگہ پھر اگر وہ تم سے لڑیں
فَأَقْتُلُوهُمْ كَمَا كُنْتُمْ تُقْتَلُونَ ۝۱۹۱

تو انہیں مارو یہی ہے سزا کافروں کی
فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

پھر اگر وہ باز آئیں تو بے شک اللہ بخشنے والا
رَحِيمٌ ۝۱۹۲

وَلَا تُقْتَلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو
حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ فَإِنْ قَتَلُواكُمْ

جب تک کہ وہ تم سے اس جگہ نہ لڑیں۔ پھر اگر وہ تم سے لڑیں
فَأَقْتُلُوهُمْ كَمَا كُنْتُمْ تُقْتَلُونَ ۝۱۹۱

تو انہیں مارو کافروں کی سزا یہی ہے۔
فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

پھر اگر وہ باز آجائیں۔ تو بے شک اللہ بخشنے
رَحِيمٌ ۝۱۹۲

رَحِيمٌ ۝۱۹۲

والا نہایت مہربان ہے۔

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (مسجد حرام کے پاس) خانہ کعبہ کے چاروں طرف کئی میل کا علاقہ اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اس کے احرام میں یہ بھی شامل ہے۔ کہ یہاں جنگ نہ لڑی جائے اور کشت و خون نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ جانور کا شکار بھی نہ کیا جائے۔ آیت کے ابتدائی حصہ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ دین سے روکنا۔ فساد پھیلانا۔ ایذا پہنچانا بدامنی اور غارت گری اور زبردستی دین سے ہٹانا فتنہ میں شامل ہیں۔ اور فتنہ ہر حال میں دباننا چاہیے۔ خواہ قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ فتنہ کو دبانے کیلئے اگر ابتدا میں جنگ نہ کی جائے۔ تو یہ پھیلتا پھیلتا پوری قوم اور ملک کو لپیٹ میں لے لے گا۔ اور پھر وسیع پیمانے پر جھگڑے کشمکش لوٹ مار بدامنی اور قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر دشمنان اسلام اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں اور حرم شریف میں ہی جنگ شروع کر دیں۔ تو پھر تم بھی اس جگہ ان سے جنگ کر سکتے ہو۔ عام حالات میں حکم یہ ہے۔ کہ خانہ کعبہ کے نزدیک جنگ اور خونریزی نہ ہو۔ کیونکہ یہ گھر احترام اور امن کی جگہ ہے لیکن فتنہ کو فرو کرنا اس قدر ضروری ہوا۔ کہ وہ لڑائی کی لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ امن کے دشمنوں کی ہنرا یہی ہے کہ انہیں ان کے وطنوں سے جلا وطن کیا جائے یا قتل کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر وہ فتنہ و فساد سے باز آجائیں۔ بدکاری و بد عملی سے توبہ کر لیں اور اسلام کی پناہ میں آجائیں۔ تو پھر تم ان پر تلوار نہ اٹھاؤ۔ بلکہ انہیں اپنا بھائی سمجھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے پھلے گناہ بخش دیتا ہے۔

اس آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ (۱) مسجد حرام ایک امن کی جگہ ہے۔ یہاں قتل و خونریزی اور جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ (۲) اگر یہاں حملہ ہو۔ تو جوابی جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ (۳) قتال و جہاد اجتماعی فریضہ ہے۔ چنانچہ بار بار اور ہر جگہ جمع کے صیغہ میں ہی حکم دیا گیا ہے۔

قتال کی حکمت

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ - لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ
اور ان سے لڑو یہاں تک نہ رہے فتنہ
وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا
اور ہو جائے دین اللہ کے لئے پھر اگر وہ باز آجائیں
فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۳﴾
تو نہیں زیادتی مگر اوپر ظالم

قتلواہم (ان سے لڑو) اس سے تمام کافر مراد ہو سکتے ہیں۔ لیکن علماء نے صرف کلمہ کے مشرکین ہی مراد لئے ہیں۔ چونکہ یہاں روئے سخن انہیں کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

الدین (دین) یہ لفظ عربی میں جزا و سزا یعنی بدلے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ متعدد معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً بدلہ۔ طریق فکر و عمل۔ مذہب۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری وغیرہ۔

اس آیت میں یہ حکم عام کر دیا گیا۔ کہ تم فتنہ پرداز کافروں اور اسلام کے دشمنوں سے برابر جنگ کرتے رہو۔ حتیٰ کہ فتنہ و فساد ختم ہو جائے۔ اور اللہ کا قانون غالب ہو جائے۔ کسی شخص میں اللہ کے قانون کی مخالفت، دشمنی اور خلاف ورزی کی طاقت نہ رہے اور اگر کوئی شخص اس کی توہین کرے۔ تو اسے فوراً سزا مل جائے۔

اسلام اس چیز کا خواہشمند ہے کہ اللہ کا قانون عام ہو۔ تمام دوسرے مذاہب کے ماننے والے اطمینان سے اپنی اپنی جگہ زندگی بسر کر سکیں۔ عبادت گاہیں اور مذہبی مقامات بدکار لوگوں کی دست برداری محفوظ رہیں۔ اور اسلام کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ صرف یہی ایک صورت ہے۔ جس سے دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ ورنہ فتنہ ہمیشہ سراٹھاتا رہے گا۔ اور لوگ کبھی چین سے زندگی بسر نہ کر سکیں گے۔ اس کے لئے اسلام کے پاس تین راہیں کھلی ہیں۔

۱۔ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔ اگر وہ اسے مان لیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلعم اور یوم آخر پر ایمان لے آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بخش دے گا۔ اور وہ اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں کے برابر حقوق پالیں گے۔

۲۔ اگر لوگ اسلام قبول کرنے کو تیار نہ ہوں۔ البتہ اس کی مخالفت سے باز آنے کا اقرار کریں۔ تو وہ شوق سے اسلامی سلطنت میں رہیں۔ اس صورت میں ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔

۳۔ اگر ان دونوں باتوں پر راضی نہ ہوں۔ اور وہ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں۔ یعنی خود غرضی میں دیوانہ ہو جائیں۔ تو پھر ان کا فیصلہ تلوار سے کر دینا چاہیے ان کی سزا قتل کے سوا اور کوئی نہیں۔ فتنہ پرداز اور امن دشمن انسانوں کو کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

حرمت والے مہینے

الشَّهْرُ الْحَرَامُ - بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ - وَالْحُرْمَةُ
 مہینہ حرمت والا مہینے کا حرمت والا اور ادب رکھنے میں
 الْقِصَاصُ قِمْنٌ اَعْتَدِي عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا
 بدلہ پھر جس نے زیادتی کی تم پر تم زیادتی کرو
 عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدِي عَلَيْكُمْ
 اس پر جیسی جو اس نے زیادتی کی تم پر

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرْمَةُ
 حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کا بدلہ ہے اور ادب
 الْقِصَاصُ قِمْنٌ اَعْتَدِي عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا
 رکھنے میں بدلہ ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر
 عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدِي عَلَيْكُمْ
 زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ (حرمت والا مہینہ) جاہلیت کے زمانہ میں عرب کے مختلف قبیلے آپس میں ہمیشہ جنگ کرتے رہا کرتے تھے۔ لیکن یہ بات انہوں نے ٹھہرائی تھی۔ کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہا کرے۔ اور یہ زمانہ امن و صلح کے ساتھ گزارا جائے۔ ان کے نزدیک ان چار مہینوں کی پاکی اور بزرگی بہت مانی ہوتی تھی۔ وہ چار مہینے یہ تھے۔

محرم قمری سال کا پہلا مہینہ
 ذی قعدہ قمری سال کا گیارہواں مہینہ
 رجب قمری سال کا ساتواں مہینہ
 ذالحجہ قمری سال کا بارہواں مہینہ

اس آیت کا شان نزول اور تاریخی پس منظر یوں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابیوں کو ساتھ لے کر عمرہ کی غرض سے ذی قعدہ شہر میں مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے لیکن وہاں کے مشرک آپس سے اور آپ کے ساتھیوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ بلکہ تیر اندازی اور سنگ بازی شروع کر دی۔ انہوں نے اس مقدس اور حرمت والے مہینے کی بھی پرواہ نہ کی۔ یہ آیت اسی مہینہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی مہینہ کی حرمت اور عزت اس وقت تک باقی رہ سکتی ہے۔ جبکہ دوسرا فریق بھی اس کا احترام اور عزت کرے۔ اور اگر یہ نہیں۔ تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ اگر دوسرا فریق احترام والے مہینے میں بھی جنگ سے باز نہیں آتا۔ تو تم بھی ان کے مقابلے میں جنگ شروع کر دو۔ اگر انہوں نے اس بات کا لحاظ نہیں کیا کہ یہ مہینہ حرمت والا ہے یا یہ کہ حرمت والی جگہ ہے یا تم مسلمانوں نے احرام باندھ رکھا ہے۔ تو پھر تم بھی تیار ہو جاؤ اور ہتھیار اٹھا لو۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ اگر انہوں نے تمام حرمتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تم پر زیادتی کی ہے۔ تو تم بھی ان کو جواب دو یہاں لفظ اعتدا (ان پر زیادتی کرو) اس لئے آیا ہے کہ عربی زبان میں یہ محاورہ ہے کہ جس فعل کی سزا دینی ہے اس کی سزا کیلتے بھی وہی لفظ بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں جو اب میں سزا دیا اور قتل کرو۔ یہ مراد ہرگز نہیں کہ تم بھی زیادتی کرو۔

اللہ متقیوں کے ساتھ ہے

وَاتَّقُوا اللَّهَ - وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
اور ڈرتے رہو اللہ اور جان لو کہ اللہ
مَعَ - الْمُتَّقِينَ (۱۹۳)
ساتھ پرہیزگار

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ
مَعَ الْمُتَّقِينَ (۱۹۳)
پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

اتَّقُوا اللَّهَ (اللہ سے ڈرتے رہو) پرہیزگاری (تقویٰ) اختیار کرنے کا یہ حکم قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ کہ ہر کام کرتے وقت اس سے خوف کھاؤ۔ پرہیزگاری اختیار کرو۔ تقویٰ کی زندگی بسر کرو۔ بری باتوں سے پرہیز کرو۔ گناہ۔ بدی اور شیطنت سے نفرت کرو۔ یہ تمام احکام صرف ایک جملہ کے ماتحت آتے ہیں اور وہ ہے اتَّقُوا اللَّهَ مسلمان کی زندگی کے ہر شعبے میں تقویٰ کا عنصر نہایت اہم ہے۔ جب تک مسلمان کے قول و فعل اور عمل میں یہ چیز نمایاں نہ ہو۔ اس کا اسلام مکمل نہیں ہو سکتا تقویٰ اسے اعتدال سکھاتا ہے۔ نیکو کاری کی طرف رغبت دلاتا ہے اور بدکاری سے دور کرتا ہے۔ اس وقت تک سورہ بقرہ کی صرف (۱۹۴) آیات گزری ہیں۔ اور یہاں تک تقویٰ کا ذکر مختلف شکلوں میں (۱۱۴) بار آچکا ہے۔ خصوصاً حکم عبادت کے بعد۔ نبی اسرائیل کے تذکرہ کے بعد۔ اخلاقی اصولوں کے ذکر کے بعد حکم قصاص کے بعد۔ وصیت کے حکم کے بعد۔ روزے کے حکم کے بعد ہر جگہ تقویٰ کو ہی مقصود و مطلوب بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید خواہ حلال و حرام کا ذکر کر رہا ہو۔ نکاح و طلاق کے مسائل پر بحث کر رہا ہو۔ یتیم و مسکین کے مال و دولت کے قوانین بتا رہا ہو۔ وصیت اور ورثہ کی تقسیم پر گفتگو کر رہا ہو۔ باہمی معاشرت اور میل جول کے اصول واضح کر رہا ہو۔ یا جہاد و قتال کے امور پر روشنی ڈال رہا ہو۔ ہر جگہ تقویٰ کا سبق اس کے ساتھ ضرور دے گا۔ اور اس کی اہمیت ضرور بتائے گا۔ آخر کیوں؟ انسان خواہشات کا پتلہ، جذبات کا غلام اور احساسات کا خادم ہوتا ہے۔ وہ ہر کام کرتے وقت ان کے زیر اثر ہوتا ہے وہ اعتدال اور انصاف پر قائم رہنے کی بجائے بے انصافی پر اتر آتا ہے۔ اعتدال کا چھوڑنا اسے ظلم ہوتی تھی، بے انصافی اور زیادتی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک مسلمان کی شان سے بہت نیچی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ خواہ زندگی کے کسی میدان میں سرگرم عمل ہو۔ اعتدال کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے اسے یہ سبق سکھایا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی ہنستی۔ اس کے احکام اور اس کے حضور حاضری کو پیش نظر رکھے۔ وہ سمجھے کہ دنیاوی مال و متاع اور عزت و شہرت سب عارضی ہیں۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی ہے۔ اس لئے انصاف پسندی سے اگر عارضی نقصان ہوتا بھی ہو۔ تو اسے برواشت کر لینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد صرف متقیوں کو ہی ملتی ہے اور ظاہر ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی حمایت نصیب ہو جاتے اس سے زیادہ سعادت مند خوش نصیب اور کامیاب انسان اور کون ہو سکتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا

اور خرچ کرو میں راہ اللہ اور نہ ڈالو

بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا

اپنے ہاتھوں سے میں ہلاکت اور نیکی کرو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶۵﴾

بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والے

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جان

بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا

اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶۵﴾

بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ اپنے ہاتھوں سے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، پہلی آیات میں قتال و جہاد کا حکم تھا اور اس جملے سے پہلے اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرنے کا حکم موجود ہے۔ گویا ارشادِ باری یہ ہے کہ جب ملک و ملت اور دین و اسلام کے لئے جہاد کی ضرورت ہو اور مالی قربانی مطلوب ہو۔ اس وقت نخل سے کام نہ لو اللہ کی راہ میں دولت صرف کرنے سے ہاتھ نہ روکو۔ ایسا اگر کرو گے۔ تو گویا اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارو گے۔ اپنے آپ کو خود ہلاک کر دو گے۔ اس طرح صرف ملک و ملت کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ قوم کی شکست تمہاری شکست ہوگی۔ اور دین کا نقصان تمہارا زوال ہوگا بعض لوگ اس جملہ کا ہا کھل غلط مطلب نکالتے ہیں۔ کہ جان بوجھ کر خطرہ میں نہ کو دو اور جان بوجھوں میں نہ ڈالو۔ یہاں اس جملہ سے ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ بات صحیح ہے۔ لیکن یہاں اس کا نہ ذکر ہے نہ موقع ہے۔

پہلی آیات میں جہاد اور قتال کا حکم دے کر مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا تھا۔ کہ اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دیں۔ اسکے دین کو بلند کرنے کیلئے دین کے دشمنوں سے لڑیں اگر مشرک اور کافران کے کام میں مزاحم ہوں۔ تو ان سے جنگ کریں اور ظلم کو روکنے کے لئے تلوار اٹھائیں۔ اس آیت میں اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کرنے کا حکم ہے۔

دشمنوں کو کچلنے اور فتنہ و فساد کو دبانے کے لئے اول جانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ اللہ کے سپاہی جانوں کو پہلی پھر رکھ کر جوشِ اسلام سے معمور، موت و ہلاکت سے بے پروا ہو کر میدانِ جنگ میں کود پڑیں۔ اور اللہ کا نام بلند کر نیکی کا واحد مقصد کیلئے جان لڑاویں۔ اس مقصد کے لئے دوسرے درجہ پر مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اسلحہ پتھیر اور جنگ کے آلات خریدے جاسکیں۔ سپاہیوں کے پیمانہ نگان کی کفالت کی جاسکے۔ شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں اور بیواؤں کی ضروریات زندگی پوری کی جاسکیں۔ فوج کیلئے خورد و نوش کی اشیاء فراہم کی جاسکیں اور محصور ہو جانے کی صورت میں سامانِ خوراک وغیرہ کا ذخیرہ کیا جاسکے۔

أَحْسِنُوا یعنی حسن سلوک اور نیکی کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ تم جو کچھ بھی کرو وہ حسن نیت، اخلاص سے کرو۔ کوئی کام محض بیگارا تارنے اور قرض چکانے کے طور پر نہ کرو۔ نیز یہ کہ قتال و جہاد کے اندر بھی حسن سلوک میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک کی یہاں تک تلقین فرمائی کہ جانور کو فوج کرنے لگو۔ تو ایسے کرو کہ اسے کم سے کم تکلیف ہو۔

قتال و جہاد کے احکام

آیت (۱۹۵) پر جہاد کے احکام ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد حج کا مسئلہ شروع ہوگا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلاصہ کے طور پر قتال و جہاد کی فرقیقت۔ شرائط و حدود اور احکام بیان کر دیتے جاتیں۔ چونکہ ایک طرف تو بعض گمراہ لوگ سرے سے قتال کے ہی منکر معلوم ہوتے ہیں دوسری طرف ہمارے دشمن مورخین خصوصاً مغربی مصنف جہاد کو محض مار دھاڑ۔ قتل و غارت گری اور مذہبی خونریزی جنگ بیان کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔

ہم سورۃ بقرۃ کی آیات کے حوالے سے نبر وار مسائل بیان کرتے ہیں۔ جو احکام قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر آتے ہیں۔ وہ اپنی جگہ بیان ہوں گے۔

- ۱۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرو (۱۹۰)
 - ۲۔ جنگ صرف ان لوگوں سے کرو جو تم سے لڑیں (۱۹۰) بالفاظ دیگر امن پسندوں یعنی بچوں۔ عورتوں۔ بیماروں۔ معذوروں اور نہتے لوگوں سے نہیں۔
 - ۳۔ زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے (۱۹۰)
 - ۴۔ جنگ کے اندر دشمن کو جہاں پاؤ قتل کرو (۱۹۱) یاد رہے۔ کہ یہ حکم حالت جنگ کا ہے زمانہ امن کا نہیں۔
 - ۵۔ جن جن علاقوں سے دشمنوں نے تمہیں ملک بدر کیا تھا۔ وہاں سے تم انہیں نکال دو (۱۹۱)
 - ۶۔ فتنہ و فساد نہ خود کرو۔ نہ کسی کو کرنے دو۔ یہ قتل سے بھی بدتر کام ہے (۱۹۱)
 - ۷۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں صرف انہیں کو مار سکتے ہو۔ جو وہاں لڑیں۔ ورنہ نہیں (۱۹۱)
 - ۸۔ اگر دشمن جنگ سے رک جائے۔ تو جنگ بند کرو (۱۹۲)
 - ۹۔ قتل و بجانے اور اللہ کا دین غالب ہو جانے تک جنگ کرو (۱۹۳)
 - ۱۰۔ ظالموں کے سوا کسی پر تشدد نہ کرو (۱۹۳)
 - ۱۱۔ حرمت والے مہینوں کا احترام کرو۔ ان میں جنگ بند کرو (۱۹۴)
 - ۱۲۔ تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی اللہ سے ڈرو۔ اللہ متقیوں کا ساتھ دیتا ہے (۱۹۴)
 - ۱۳۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے۔ تو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال لو گے (۱۹۵)
 - ۱۴۔ نیکی اور حسن سلوک کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (۱۹۵)
- غور کیجئے۔ ان میں کون سی بات ہے جو عقل۔ انصاف اور شرافت کے منافی ہے؟

حج

وَآتُوا الْحَجَّ
اور حج پورا کرو

وَآتُوا الْحَجَّ
اور حج پورا کرو

الحج، اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ بشرط شخص جو استطاعت رکھتا ہو اس پر حج زندگی میں ایک بار ادا کرنا فرض ہے۔ ورنہ وہ گنہگار ہوگا۔ حج اسلامی سال کے آخری چھ مہینے ذوالحجہ کی نو تاریخ کو ادا ہوتا ہے پہلے سارے مسلمان شہر مکہ میں خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے جمع ہوتے ہیں پھر میدان عرفات میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس سورۃ میں حج کے احکام سے قبل اور حج والی آیات کے بعد قتال و جہاد کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں کا آپس میں کس قدر گہرا تعلق ہے۔ اسلام کا کوئی رکن ایسا نہیں جس میں ذاتی نیکی اور پاکیزگی کے علاوہ قوم کی اجتماعی بہبودی، ترقی و خوشحالی اور سر بلندی کا مقصود نہ ہو۔ حج میں خاص بات یہ ہے کہ روئے زمین کے تمام مسلمان ہر سال ایک مرتبہ مرکز اسلام میں جمع ہوتے ہیں وہاں کوئی اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ کالے، گورے، امیر غریب، بادشاہ فقیر عالم جاہل اور چھوٹے بڑے کا مذہب سے کاڈھا ملا کر یک جا کھڑے ہوتے ہیں۔ سب کا ایک ہی لباس ہوتا ہے۔ ہر ایک کے لبوں پر ایک ہی صدا ہوتی ہے۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ

”میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں تیرے لئے حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں تیری ہیں اور شکر تیرا ہے۔ ہر حاجی احرام باندھتا ہے۔ یہ بغیر ہلہ ہوا ہر ایک کا ایک جیسا لباس۔ مساوات۔ ساوگی یک جہتی اور عشق الہی کا اظہار کرتا ہے۔ حج کے دوران میں سر منڈانا۔ ناخن تراشنا۔ شکار کرنا اور بیوی سے مباشرت کرنا منع ہے۔ گویا خواہشات اور طبعی زیبائش اور آرائش سے باز رہ کر ایک مستقل تربیت حاصل کرنی مقصود ہے۔ تمام حاجی ایک وقت مقررہ میں میدان عرفات میں حج کے روز جمع ہوتے ہیں۔ خطبہ سنتے ہیں۔ اللہ کے حضور میں دعائیں کرتے ہیں۔ گناہ بخشواتے ہیں۔ اور رحمت الہی کے خزانے جمع کرتے ہیں۔ منی کے اندر قربانیاں دیتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ بیت اللہ کے گرد طواف کرتے ہیں۔ جہرات پر کنکریاں مارتے ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ آب زمزم سے عیش کی پیاس بجھاتے ہیں۔ ہر قسم کی معصیت۔ گناہ اور بد خلقی سے رُکے رہتے ہیں۔ گویا گناہ بخشوا کر آج از سر نو زندگی کا حساب شروع کر رہے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جنہیں حج کی توفیق ملی اور انہوں نے حج ادا کیا۔ حج کے مقاصد کو سمجھا۔ اور آئندہ اپنی زندگی نیکی اور پاکیزگی سے بسر کی۔“

حج و عمرہ کے چند احکام

وَالْحُمْرَةَ - لِلَّهِ - فَإِنْ - أَحْصَرْتُمْ - فَمَا
 اور عمرہ اللہ کے لئے پھر اگر تم زوک دینے جاؤ تو جو
 وَ الْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أَحْصَرْتُمْ فَمَا
 اور عمرہ اللہ کے لئے پھر اگر تم زوک دینے جاؤ تو جو
 اسْتَيْسَرَ - مِنَ - الْهَدْيِ
 میسر ہو سے قربانی
 اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
 میسر آئے قربانی کرنی چاہئے۔

الْعُمْرَةُ (عمرہ) سے چھوٹا حج بھی کہتے ہیں۔ عمرہ ادا کرنے کے آداب حج جیسے ہی ہیں۔ البتہ عمرہ ادا کرنے کے لئے ایام حج کی قید نہیں۔ بہ وقت ادا ہو سکتا ہے۔ دوسرے اس کے مناسک و مراسم بھی حج سے کم ہیں۔
 اللہ (اللہ کے لئے) حج و عمرہ محض اللہ کی رضا کے لئے بجا لاؤ۔ نیت خالص رکھو۔ اور ان قاعدوں اور حکموں کا وپا شناری کے ساتھ خیال رکھو۔ جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں۔ ان باتوں سے بچو جن سے منع کیا گیا ہے ورنہ ٹہہت جاتی رہے گی۔
 یوں تو سارے کام اور ارادے اللہ تعالیٰ ہی کی خوشنوی کے لئے ہونے چاہئیں۔ لیکن یہاں حج اور عمرہ کے ساتھ اس پر خاص زور اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس میں سفر و پریش آتا ہے جس میں سیر و تفریح اور اچھی بری بہت سی اغراض باسانی شامل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ قباری اورین غرض اللہ کی رضا جوئی کے سوا کچھ نہ ہو۔ سیر و سیاحت از خود ہو جائے گی۔ تجارت کی اجازت ہے۔ اس اجازت سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ لیکن تجارت کو سفر حج کا مقصد نہیں بنا سکتے ہو۔ نہ بے ایمانی اور چوری کی تجارت کر سکتے ہو ان باتوں کی اجازت نہیں۔

أَحْصَرْتُمْ (تم زوک دینے جاؤ) یہ لفظ اخصار سے بنا ہے جس کے لفظی معنی گھر جانے اور بند ہو جانے کے ہیں۔ خواہ یہ گھر جانا کسی سبب سے ہو۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حج کا ارادہ رکھنے والا کسی بیماری کی وجہ سے منزل پر نہ پہنچ سکے یا کسی دشمن نے اس کا راستہ روک رکھا ہو یا کوئی موسمی اور دوسری رکاوٹ حائل ہوگئی ہو۔

ھڈی (قربانی) لفظی معنی اس پیشکش کے ہیں جو خانہ کعبہ کے لئے بھیجی جاتے یہاں اس سے مراد قربانی کے جانور ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا ہے۔ کہ اس عبادت کو بجالانے میں صرف ایک مقصود پیش نظر ہونا چاہئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی۔ نہ تو اس سفر سے کھیل تماشا مطلوب ہو اور نہ سیر و تفریح۔ بلکہ جس قدر قواعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں ان کے مطابق عمل ہونا چاہئے اس حکم میں اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کے لئے رعایت بھی رکھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حج یا عمرہ کرنے کیلئے احرام باندھے لیکن بد قسمتی سے راستے میں وہ بیمار پڑھ جائے۔ یا کوئی اور دشواری اور مجبوری پیش آجائے۔ مثلاً راستہ نہ ملے۔ زلزلہ نہ رہے وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں اس کیلئے حکم ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کا جانور کسی دوسرے کے ہاتھ بیت اللہ بھیج دے۔

سر منڈانا

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ
 اور نہ منڈاؤ۔ اپنے سر۔ جب تک کہ۔ پہنچ جائے
 الْهَدْيُ مَحَلَّةٌ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
 قربانی۔ اپنی جگہ۔ پھر جو کوئی۔ تم میں سے
 مَرِيضًا أَوْ بِأَذَىٰ مِنْ رَأْسِهِ فِدْيَةٌ
 بیمار۔ یا اسے تکلیف ہے اس کا سر۔ تو بدلہ دے
 مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ
 سے۔ روزے۔ یا۔ خیرات۔ یا۔ قربانی

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ
 اور اپنے سر کی حجامت نہ کراؤ۔ جب تک قربانی
 الْهَدْيُ مَحَلَّةٌ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
 اپنی جگہ نہ پہنچ جائے پھر تم میں سے جو کوئی
 مَرِيضًا أَوْ بِأَذَىٰ مِنْ رَأْسِهِ فِدْيَةٌ
 بیمار ہو یا اسے سر کی تکلیف ہو تو وہ بدلہ دے
 مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ
 روزے یا خیرات یا قربانی کا

نُسُكٍ (قربانی) لفظی معنی ذبح کے ہیں۔ یہاں مراد اللہ کی راہ میں قربانی ہے۔ جو کہ از کم ایک بکری ہونی چاہیے اور اس سے بہتر یہ کہ ایک گائے یا اونٹ کی ہو۔

مَحَلَّةٌ (اپنی جگہ) یعنی قربانی کی جگہ۔ اس سے مراد حرم شریف ہے۔

اسلام ایک فطری مذہب ہے۔ اس کے احکام انسان کی فطرت کے بالکل مطابق بنائے گئے ہیں۔ اسلام میں ہر انسان کی خوبیوں اور کمزوریوں کو مد نظر رکھا ہے۔ اس کی ضرورتوں اور تقاضوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔ ایسے کام جو انسان کی تربیت ترقی اور کامیابی کے لئے ضروری تھے۔ انہیں ضروری اور لازم قرار دیا گیا ہے۔ جو باتیں انسان کی زندگی اور نصب العین کے لئے مفید نہ تھیں۔ انہیں ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔

آیت کا ابتدائی حصہ مختصر کے حکم کا تتمہ ہے جس کا ذکر پچھلی آیت میں شروع ہوا تھا۔ یہاں تک بیان کر دیا گیا تھا کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے اور راستہ میں کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ حج یا عمرہ پورا نہیں کر سکتا۔ تو وہ کسی کے ہاتھ قربانی کا جانور بیت بیح و سے۔ اس آیت میں اس حکم کو کہہ کر پورا کیا گیا ہے۔ کہ جب تک یہ جانور حرم میں نہ پہنچے اور وہاں اس کی قربانی نہ کر دی جائے۔ اس وقت تک یہ روکا ہوا شخص سر نہیں منڈا سکتا۔ یعنی احرام نہیں کھول سکتا۔ اس کے آگے حج کے عام احکام کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حج کے حکم میں معذور لوگوں کے لئے ایک اور رعایت مقرر فرمائی ہے یعنی جو شخص حج کے زمانہ میں سر نہ منڈانے کا حکم پورا نہ کر سکتا ہو یعنی کسی بیماری یا کسی اور سبب سے سر منڈانے پر مجبور ہو۔ تو اسے چاہیے۔ کہ اس کے بدلے میں یا تو تین روزے رکھے تاکہ اس کا نفس سرکشی سے پاک رہے یا چھ مسکینوں کو صدقہ الفطر کی مقدار کے مطابق پونے دو سیر کے حساب سے گہوں دے تاکہ پہلا حکم نہ بجالانے کی صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ نہ جائے۔ یا جانور کی قربانی دے۔

حج اور عمرہ کی مشابہت

فَإِذَا أَمِنْتُمْ مَوْقِنًا فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْحُمْرَةِ

پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو۔ تو جو کوئی۔ فائدہ اٹھائے۔ عمرہ کو ملا کر

إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

ساتھ حج تو جو میسر ہو سے قربانی

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

پھر جسے نہ ملے تو روزے رکھے تین دن

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ

میں حج اور سات جب تم لوٹو

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

یہ دس پورے

فَإِذَا أَمِنْتُمْ مَوْقِنًا فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْحُمْرَةِ

پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو حج

إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

کے ساتھ ملا کر تو جو میسر ہو سے قربانی میسر ہو۔

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

پھر جسے قربانی نہ ملے وہ روزے رکھے تین دن

فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ

حج کے دنوں میں اور سات روزے جب تم لوٹو

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

یہ دس پورے ہوتے

أَمِنْتُمْ (تمہاری خاطر ہو) یعنی خطر سے اور مرض کی حالت سے نکل کر تم اسلحہ و امان میں آ جاؤ۔

تَمَتَّعَ (فائدہ اٹھائے) لفظی معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس سے مراد حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنا ہے۔ یعنی حج کے زمانہ میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج ادا کیا جائے جاہلیت کے زمانہ میں عربوں نے یہ غلط عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ حج کے موسم میں عمرہ کرنا گناہ ہے۔

إِذَا رَجَعْتُمْ (جب تم لوٹو) اس سے مراد یہ ہے۔ حج کے اعمال سے فارغ ہو کر واپس آؤ۔ خواہ حج کرنے والا ابھی مکہ میں ہی ہو اور اپنے وطن واپس نہ گیا ہو۔ البتہ بعض علماء نے اس سے صرت یہ مراد لیا ہے کہ جب مکہ سے واپس گھر پہنچ جاؤ۔

اس آیت میں اس حاجی کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ جو موسم حج میں عمرہ اور حج دونوں ادا کرے اس کو قرآن یا تمتع کہتے ہیں۔ ایسے حاجی پر قربانی واجب ہے جو ایک بکرا ہے۔ یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ ہے۔ یہ قربانی اس پر

واجب نہیں جو فقط حج ادا کرے اور اس کے ساتھ عمرہ نہ کرے۔ جو قرآن یا تمتع کریں۔ لیکن انہیں قربانی میسر نہ ہو۔ افلاس کی وجہ سے یا کسی اور قوی عذر سے قربانی نہ دے سکیں۔ تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دس روزے رکھیں۔ تین حج

کے دنوں میں جو یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ پر ختم ہوتے ہیں اور سات وطن واپس پہنچ کر۔ روزوں کی شکل میں یہ کفارہ دینا اس لئے ضروری قرار دیا گیا۔ کہ آدمی جب اللہ کا حکم پورا نہ کر سکے۔ تو کہیں اس کا نفس اسے بغاوت یا نافرمانی کی طرف

نہے جائے اس لئے اس کے بدلے روزے رکھے تاکہ اس کا نفس پاکیزہ اور اس کی نیت نیک رہے۔

حکم قرآنی کی وضاحت

ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي
 اس لئے نہ ہوں گھرواے پاس
 الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
 مسجد حرام اور ڈرتے رہو اللہ اور جان لو
 أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۹۶)
 کہ بیشک اللہ سخت عذاب

ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي
 یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھرواے مسجد حرام
 الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
 کے پاس نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو
 أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۹۶)
 کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

۲۰۵۸

ذَلِكَ (یہ) اسم اشارہ ہے۔ اور یہ اشارہ پہلی آیت کے مسئلہ کی طرف ہے یعنی تمتع (رج اور عمرہ ملا کر ادا کرنا) آیت کا مقصد یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کر لینے کا فائدہ اٹھانے کی اجازت صرف باہر والوں کو ہے۔ مگر میں رہنے والوں کو نہیں۔ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (مسجد حرام کے پاس) مراد ہے کہ مکہ اور اس کے گرد و نواح کے رہنے والے تمام باشندے یعنی میقات کی حد کے اوپر رہنے والے سب اس میں شامل ہیں۔

میقات۔ اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں سے حرم کے حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جہاں پہنچ کر حج اور عمرہ کی نیت کر لینا اور احرام باندھ لینا واجب ہو جاتا ہے۔ مختلف اطراف سے خانہ کعبہ میں حج کے لئے آنے والوں کے واسطے میقات الگ الگ ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ (اللہ سے ڈرتے رہو) یعنی ان تمام احکام کی بجا آوری اور تعمیل میں اللہ کا خوف اور اللہ کی موجودگی کا تصور سامنے رکھو کہ تمام نیکیوں کی بنیاد یہی تقویٰ ہے۔ ایک بار پھر غور کیجئے کہ ہر حکم کے بعد تقویٰ کا ہی مطالبہ ہو رہا ہے۔ شَدِيدُ الْعِقَابِ (سخت عذاب دینے والا) علماء کا قول ہے کہ یہاں عذاب کے ساتھ شدید کا لفظ خاص طور پر اس لئے لایا گیا ہے۔ کہ جس طرح بیت اللہ جیسے مقدس مقام میں انسان نیکی کرے۔ تو اس کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر یہاں پہنچ کر کسی گناہ کا مرتکب ہو۔ تو اسے اس قدر مقدس مقام کے لحاظ سے بھی سزا سخت ملے گی۔

پہلے سبق میں جو رعایت بیان کی گئی تھی۔ یہ اس کی شرط بیان کی گئی ہے۔ رعایت یہ تھی کہ اگر لوگ حج اور عمرہ ملا کر کرنا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ البتہ انہیں اپنی استطاعت کے مطابق قرآنی دینی ہوگی۔ حج اور عمرہ ملا کر کرنے کی اجازت ان کیلئے ہے۔ جو مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس حکم کے ساتھ ایک مرتبہ پھر یہ واضح کر دیا گیا کہ اصل چیز تو تقویٰ ہے۔ ہر حکم اور عبادت کو پورا کرتے وقت اللہ کا خوف اور اس کی خوشنوی پیش نظر رہنی ضروری ہے۔ کیونکہ تمام احکام کا مقصد نفس کی پاکیزگی اور اخلاق کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں عالی ترین احکامات ہیں۔ جن پر اسلامی زندگی کی بنیاد رکھی ہے۔ اگر کسی نے انہیں بدلنے کی کوشش کی یا ان کا انکار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دیگا۔

زمانہ حج اور اخلاقی حدود

الْحَجُّ - أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ - فَمَنْ

حج مہینے معلوم پھر جس نے

فَرَضَ - فِيْهِنَّ - الْحَجَّ - فَلَا رَفْثَ - وَ

لازم کرنا ان میں حج تو نہیں بے عیب تا عورت اور

لَا فُسُوقَ - وَلَا جِدَالَ - فِي الْحَجِّ

نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا میں حج

الْحَجُّ - أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ - فَمَنْ

حج کے چند مہینے معلوم ہیں پھر جس نے

فَرَضَ - فِيْهِنَّ - الْحَجَّ - فَلَا رَفْثَ - وَ

ان میں حج لازم کرنا تو عورت سے بے عیب نہ ہو اور

لَا فُسُوقَ - وَلَا جِدَالَ - فِي الْحَجِّ

نہ حج کے زمانہ میں گناہ اور جھگڑا کرے۔

آشہرہ مہینے حج کے لئے شوال - ذی قعدہ اور ماہ ذی الحجہ کے دس دن مقرر ہیں۔ حج کے اصل ارکان ذی الحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں۔ لیکن احرام دو ماہ پہلے شوال ہی کے مہینے سے باندھنا شروع ہو جاتا ہے۔ احرام اس پوشاک کا نام ہے۔ جو حرم (میقات) کی حدود میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی پر واجب ہو جاتی ہے یہ پوشاک کیا ہے بے سلی دو چادریں، حضرت امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ حاجی جب چاہے احرام باندھ سکتا ہے۔ لیکن ماہ شوال سے پہلے اس کا باندھنا ناپسندیدہ ہے۔ ان کے نزدیک شوال سے پہلے بھی احرام باندھ لینا اس لئے جائز ہے۔ کہ احرام حج کا رکن نہیں بلکہ صرف حج کیلئے شرط ہے۔ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ (ان میں حج لازم کر لیا) یعنی حج کے موسم میں حج کرنے کی نیت کر لی اور حج اپنے اوپر واجب کر لیا۔ اس لئے لازم کرنے کی عملی نشانی احرام باندھ لینا۔

رَفْثَ عورت سے بے عیب ہونا، یہاں مراد ہے بیوی سے خلوت کے ساتھ مخصوص باتوں کا کرنا۔

فُسُوقَ رگناہ کرنا، اس سے مراد ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہ ہیں۔

جِدَالَ (جھگڑا کرنا) مار پیٹ ہاتھ پائی۔ حجت۔ تکرار۔ گالی گلوچ اور ناشائستہ الفاظ سے خطاب کرنا۔

اس آیت میں حج کے چند ضروری احکام بیان کئے گئے ہیں۔ حج کے مہینے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اس دوران میں خاص طور پر تین

باتوں سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۱۔ بیوی کے ساتھ احتلاط اور بے عیبی بالکل ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ شہوانی خیالات زبان پر لانے کی بھی اجازت نہیں۔ جب طرح روزوں

میں کئی جائز امور سے پرہیز کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح حج کے زمانہ میں بھی پوری طہارت اور پاکیزگی برقرار رکھنے کا حکم ہے۔ ۲۔ تمام قسم

کے چھوٹے اور بڑے گناہوں سے بچا جائے۔ ظاہر ہے کہ احرام کی حالت میں جب کئی جائز کام بھی ناجائز ہو جاتے ہیں تو دوسرے گناہوں

سے تو بچنے کی سختی سے تلقین لازمی تھی۔ (۳) ہر قسم کے جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حج کے موقعہ پر دنیا کے تمام حصوں سے لوگ

آتے ہیں۔ ہر عمر۔ ہر قماش اور ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر کسی قسم کی بدکاری اور جھگڑوں کی طرف رغبت ہو سکتی ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو پہلے ہی منع کر دیا۔ تاکہ مسلمانوں میں پاکدامنی اور قوت برداشت پیدا ہو۔

حج کا زادِ راہ

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ اللَّهُ

اور جو کچھ تم کرتے ہو سے نیکی اسے جانتا ہے اللہ

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ

اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ کہ بیشک بہتر زادِ راہ تقویٰ

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ اللَّهُ

اور جو کچھ نیکی تم کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ

اور زادِ راہ لے لیا کرو کہ بے شک بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔

وَأَتَّقُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہو۔

وَأَتَّقُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

اور مجھ سے ڈرتے ہو۔ اے۔ عقلمندو

جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کے ہاں یہ رواج تھا۔ کہ حج کو جاتے وقت سفر کی ضروریات ساتھ نہ لیتے تھے۔ بالکل خالی ہاتھ چل پڑتے اور راستے میں لوگوں سے بھیک مانگتے۔ ان کے نزدیک یہ بات بزرگی کی نشانی تھی۔ بعض لوگ تو یہاں تک کرتے کہ حج کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنا تمام سرمایہ بالکل لٹا جاتے۔ یہ معمول ان لوگوں نے خواہ مخواہ اپنے دل سے گھڑ رکھا تھا۔ حالانکہ یہ کسی طرح عبادت کا حصہ نہ تھا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح دوسروں پر بوجھ پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روانہ ہوتے وقت ضرورت کی مطابق روپیہ پیسہ ساتھ لے لیا کرو۔ اور اپنا بوجھ کسی دوسرے پر نہ ڈالا کرو۔ اللہ تعالیٰ نیتوں اور اراؤں کو جانتا ہے۔ ظاہری نمائش اور بناوٹی پاکیزگی کو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اگر تم راستے کے لئے سفر خرچ لے لو تو اس میں گناہ کی کوئی بات نہیں اور نیکی کے منافی نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اصلی چیز تقویٰ ہے۔ یعنی برائی سے فطری طور پر پرہیز کرنا اور نیکی کی طرف فطری طور پر رغبت کرنا۔ اس لئے اللہ ہی ڈرتے رہنا چاہیے۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے۔ کہ اللہ کا ہر حکم پورے خلوص و دیانتداری اور اطاعت سے بجالانا چاہیے۔ ہر کام صرف اسی کی خوشنودی کے لئے کرنا چاہیے۔ دکھ۔ تکلیف۔ پریشانی۔ مصیبت اور آفت میں صرف اسی کو اپنا سہارا سمجھنا چاہیے۔ نجات کیلئے اسی کو پکارنا چاہیے۔ سکھ، آرام اور چین میں اسی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ہر کام کا آغاز اسی کا نام لے کر اور ہر کام کا انجام اسی کے نام سے کرنا چاہیے۔ زندگی کے ہر میدان میں اس کی مدد تلاش کرنی چاہیے۔ سارے معاملات طے کرنے میں صرف جائز طریقے اختیار کرنے چاہئیں اور منع کی ہوتی باتوں سے بچنا چاہیے۔ خوف خدا ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے۔

یہی تقویٰ ہے۔ جس کے متعلق قرآن مجید میں بار بار حکم آتا ہے۔ کہ اس کی اہمیت مسلمان کی زندگی میں بہت زیادہ ہے۔ اسے بھول جانے سے انسان کی زندگی ناامیدی، پریشانی اور ناکامی سے بھر جاتی ہے۔ لہذا تقویٰ میں کمال حاصل کرنے کیلئے ہمہ وقت کوشش کرنی چاہیے۔ حج تقویٰ پیدا کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔

دنیاوی فائدے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا
تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل
تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تلاش کرو
فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ
فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ
فضل سے تمہارا رب
فضل سے تلاش کرو

فَضْلًا (فضل) فضل کے لفظی معنی زیادہ کے ہیں۔ یہاں فضل سے مراد مال و دولت اور تجارت کے منافع ہیں۔ ان معنوں میں یہ لفظ متعدد جگہ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

ایک صحابی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ - مجنہ - اور ذوالحجاز بڑی بھاری منڈیاں تھیں بچ کے دنوں میں یہاں خوب تجارت ہوا کرتی تھی۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد لوگوں نے اسے مناسب خیال نہ کیا۔ کھج کے دنوں میں تجارت کی جائے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں کے لئے جاتے ہیں۔ یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ بیچنے کیلئے مزدلفہ، عرفات و منیٰ لے جاتے ہیں۔ ان کا کھج ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں تجارت آگئی وہاں عبادت کہاں باقی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی اور قیامت تک کے لئے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام مال و زر اور دنیا کے خلاف نہیں بلکہ ان کاموں کے خلاف ہے جو انسان کو دین اور عقبیٰ کے خیال سے غافل کر دیں۔

اسلام جس طرح آخرت کی فلاح و کامیابی کا ضامن ہے۔ اسی طرح لوگوں کی دنیاوی فلاح و بہبود کا بھی خواہش مند ہے۔ اور یہ خصوصیت اس کی ہر عبادت میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے ارکان انسان کی روحانی قوت کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کے دنیاوی، مادی، جسمانی، معاشی اور سیاسی فلاح و بہبود کو بڑھاتے ہیں۔

حج کے سلسلے میں دور دراز سے آنے والے مسلمان خشکی اور بحری سفر اختیار کرتے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں سے ملت اسلامیہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس موقع پر پیشہ تجارتی اور معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان باتوں کے پیش نظر قرآن مجید نے یہ اہازت و وسعہ دی کہ حج کرنے والے اصلی مقصد حج کو قرار دیں۔ اور اس کے ساتھ اگر تجارت بھی کر لیں۔ تو کوئی گناہ کی بات نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ تجارت غرض نہ بن جائے۔ اصل مقصد حج ہی رہے۔

مِنْ رَبِّكُمْ کا جملہ کہہ کر یہ بھی بتا دیا۔ کہ جو رزق یا فائدے تمہیں حاصل ہوتے ہیں۔ یہ تمہاری اپنی ذاتی کوشش یا محنت کا نتیجہ نہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ اپنی رحمت سے تمہیں دیتا ہے اس لئے تجارت اور کاروبار کرتے وقت بھی اس بات کی طرف نظر رکھو کہ جو نفع تمہیں ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

بروہ کام جو ایک انسان خدا کے احکام کے مطابق انجام دیتا ہے اور اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اسلام ایسے کام کو داخل عبادت قرار دیتا ہے اور دین کے منافی نہیں کہتا۔ اسلام جس چیز سے روکتا ہے۔ وہ ذخیرہ اندوزی قیمتیں بڑھانا۔ حرام کی تجارت کرنا اور اور ناجائز کاروبار ہیں۔

عرفات اور مشعر الحرام

فَاِذَا اَفْضَلْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ

پھر جب تم طواف کے لئے عرفات سے لوٹو
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ
تو مشعر الحرام کے نزدیک اللہ کو یاد کرو۔

فَاِذَا اَفْضَلْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ

پھر جب تم لوٹو۔۔۔ سے عرفات
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ
تو یاد کرو۔ اللہ۔ نزدیک مشعر۔ الحرام

اَفْضَلْتُمْ تم لوٹو یہ لفظ افاضہ سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں انبوه در انبوه چلنا یا واپس ہونا۔ اصطلاح میں اس سے

مراد عرفات سے مزدلفہ کو واپسی ہے۔

عَرَفَات (عرفات) مکہ معظمہ سے جو سترک مشرق کی طرف طائف کو جاتی ہے۔ اس پر مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان ہے۔ اس کا نام عرفات ہے۔ اس میدان میں ایک پہاڑی بھی واقع ہے اس کا نام بھی عرفات ہے۔ جسکی بلندی سطح زمین سے ۳۰۰ گز ہے تمام سال یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے ۹ ذی الحجہ کو حاجیوں کی آمد سے اس میں بہت ہنق ہوتی ہے۔ حاجی ۹ ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ میں آجاتے ہیں۔ اور اگلے روز ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے وقت ہی عرفات کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوپہر کو عرفات کے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ دوپہر سے عصر کے وقت تک حاجیوں کو وہیں رہنا پڑتا ہے۔ اس قیام کو اصطلاح میں وقوف کہا جاتا ہے۔ اس میدان میں حاضر حج کا سب سے زیادہ اہم کام ہے۔ عرفات کے میدان میں قیام کا یہ سارا وقت توبہ واستغفار اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارنا چاہیے جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو تو مزدلفہ (مشعر الحرام) کیلئے کوچ ہونا چاہیے اس روز ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر عرفات کی مسجد نبرہ میں ظہر کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔ اور مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ واپس پہنچ کر عشاء کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔

الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (مشعر الحرام) مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام کا لفظ اس کی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اس خاص مقام کا نام ہے۔ جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے ویسے سارے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔ مزدلفہ۔ مکہ سے کوئی چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ منیٰ سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے اور حاجی ۹ کو عرفات اسی راستے سے جاتے ہیں۔ لیکن عرفات سے واپسی کے لئے دوسرے راستے سے آنے کا حکم ہے۔ اسی راستہ میں مزدلفہ پڑتا ہے۔ حاجیوں کے قافلے رات یہیں گزارتے ہیں۔ اور پہاڑی کے اوپر مسجد میں سارا وقت نماز۔ عبادت اور توبہ واستغفار میں بسر کرتے ہیں حج کے تمام اعمال میں سے فرض تین ہیں۔

۱) احرام باندھنا (۲) ذوالحجہ کی ۹ تاریخ کو عرفات میں حاضر ہونا جسے وقوف بھی کہا جاتا ہے۔ (۳) طواف۔ ان تینوں میں اہم ترین وقوف ہے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب عرفات سے واپس لوٹو۔ تو مزدلفہ میں قیام کر کے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ توبہ استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہو۔

ذکر و عبادت

وَ اذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ

اور اسے یاد کرو جس طرح تمہیں سکھایا اور بیشک تمہیں

مِّنْ قَبْلِهِ لِمَنِ الصَّالِّينَ ﴿۱۹۸﴾

اس سے پہلے سے ناواقف۔

وَ اذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ

اور اسے (اس طرح) یاد کرو جس طرح تمہیں سکھایا۔

مِّنْ قَبْلِهِ لِمَنِ الصَّالِّينَ ﴿۱۹۸﴾

اور بے شک اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔

الصَّالِّينَ (ناواقف) یہ صال کی جمع ہے۔ اس کے عام معنی گمراہ کے ہیں۔ لیکن یہ لفظ غافل اور ناواقف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں صال سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام سے ناواقفیت ہے۔

ذکر کے معنی یاد کے ہیں۔ ذاکر یاد کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہاں ذکر سے مراد عبادت الہی ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد ان طریقوں سے کرو۔ جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتائے ہیں۔ ان طریقوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گمراہی اور نئی صورتیں قائم کر لینا سخت گناہ ہے۔

دنیا اور دنیا والوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا حملہ یہی رہا ہے۔ کہ انہیں حقیقی راہ سے ہٹا کر من گھڑت طریقے

میں الجھا دیتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی لوگ بے شمار رسموں اور غلط عقیدوں میں مبتلا تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ ان کے

اپنے بنائے ہوئے مخصوص طریقے اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہو سکتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی اس آیت نے پوری طرح

ان گمراہیوں اور غلط فہمیوں کی تردید کر دی۔

قرآن مجید نے لفظ الصَّالِّينَ استعمال کر کے یہ بھی واضح کر دیا۔ کہ جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی سے

کام نہ لے اس کی بھیجی ہوئی وحی کو مشعل راہ نہ بنائے اور اس کی نازل کی ہوئی تعلیم کو بنیاد عمل نہ بھرتے وہ ناواقف

اور بھٹکتا ہی رہے گا۔ وہ اپنی طرف سے کتنا ہی زور لگا کر کوئی راستہ تلاش کرے۔ اور کیسے ہی پرستش کے طور طریقے

لجھا کر لے۔ پوجا کی صورتیں سوچ لے۔ لیکن سب باتیں گمراہی کی طرف لے جائیں گی اصل طریقہ وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ بتاتا

ہے۔ اس لئے اپنی اور اپنے جیسے انسانوں کی خود ساختہ برتری بے ناقص ہوگی۔ اور اس پر چلنا گمراہی کا باعث ہوگا۔

منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے صحیح ترین رہنما قرآن مجید ہے۔ اس میں بیان کی ہوئی باتیں اس ہستی کی بتائی

ہوتی ہیں۔ جو دانا دینا۔ حاضر و ناظر حلیم و حکیم اور خالق و مالک ہے وہ ہماری نہ دریا ت کو اچھی طرح جانتا ہے اس کے

اپنے وسیع علم سے کام لے کر ایسی راہ بتاتا ہے۔ جو آسان اور سیدھی ہو۔ ہمیں چاہیے کہ صرف اسی راہ کو معتبر مانیں اور

انسانوں کے گمراہ سے ہوئے تمام طریقوں کو چھوڑ دیں۔

مساوات کا حکم

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ

پھر طواف کے لئے پھر دو جہاں سے لوگ پھر دو
وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
اور اللہ سے مغفرت چاہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے

رَحِيمٌ (۱۹۹)

والا مہربان ہے۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ

پھر۔ پھر دو۔ سے۔ جہاں۔ پھر دو لوگ
وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
اور۔ مغفرت چاہو۔ اللہ۔ بیشک۔ اللہ بخشنے والا

رَحِيمٌ (۱۹۹)

مہربان

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں قریش بیت اللہ کے مجاور تھے۔ اور اس بنا پر وہ اپنے آپ کو تمس کہتے تھے۔ حج کے دنوں میں عام لوگ عرفات کے میدان میں جا کر قیام کرتے۔ لیکن قریش مزدلفہ ہی تک رہتے کیونکہ مزدلفہ حرم کی حد میں ہے۔ اور عرفات اس سے باہر۔ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ حرم کی حدود سے باہر جانا ان کی بزرگی اور عزت کے خلاف ہے۔ اور وہاں جا کر ان کا عوام سے ملنا مذہبی فضیلت کے منافی ہے۔ قرآن مجید نے اس غلط خیال کی تردید کی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان دو بہت بڑی غلطیوں کو دور کیا ہے۔ جن میں دنیا ہمیشہ سے مبتلا رہی ہے۔ اور آج بھی بہت سے

لوگ اتنی ترقی کے بعد بھی ان میں مبتلا ہیں۔

اول یہ کہ قومی امتیاز اور نسلی برتری کوئی چیز نہیں۔ اللہ کی نظر میں سب یکساں اور برابر ہیں۔ اس کے ہاں اگر کسی چیز کی قدر ہے۔ تو وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ اس لئے مساوات کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب تمام قومی اور نسلی امتیازات مٹا دیئے جائیں اور ہر نسل و رنگ کے انسانوں کو ایک جیسا سمجھا جائے۔

دوسرے یہ کہ قوموں کی تباہی اور بربادی اس وقت شروع ہو جاتی ہے۔ جب تعلیم یافتہ اونچے طبقے اور عوام میں تعلق باقی نہ رہے۔ وہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑ دیں۔ حالانکہ پڑھے لکھے لوگوں کو اپنی امداد کے لئے قوت و توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ عام لوگوں سے اپنا تعلق توڑ لیں گے۔ ان سے میل جول بند کر دیں گے۔ تو وہ رفتہ رفتہ خود تباہ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے۔ کہ عوام کو ہر وقت رہنمائی اور اصلاح کرنے والوں کی ضرورت رہتی ہے۔ جب انہیں سیدھی لادہ تباہی والا کوئی نہ ملے گا۔ تو وہ گمراہی کی طرف بڑھتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ان میں اور حیوانوں میں فرق باقی نہ رہے گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سب ایک ہی جگہ قیام کریں گے اور ایک جگہ سے ہی ان کی واپسی ہوگی۔ گویا کسی میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ تو بہ استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہو۔ آئندہ غلط حرکات سے باز رہنے کا وعدہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ تمہاری خطائیں معاف فرمائے گا۔ وہ بہت بخشش والا رحمت والا ہے۔

مناسک حج کے بعد

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ - فَادْكُرُوا

پھر جب پورے کرچکو حج کے کام اپنے تو یاد کرو

اللَّهُ كَذِكرِكُمْ آبَاءَكُمْ - أَوْ أَسْتَدَّكُمْ - ذِكْرًا

اللہ - جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادا بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَادْكُرُوا

پھر جب اپنے حج کے کام کو پورا کرچکو تو اللہ کو

اللَّهُ كَذِكرِكُمْ آبَاءَكُمْ - أَوْ أَسْتَدَّكُمْ - ذِكْرًا

یاد کرو۔ جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادا کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

قَضَيْتُمْ (پورے کرچکو) یہ لفظ قضا سے نکلا ہے جس کے معنی میں بجالانا یا کرچکنا۔ خصوصاً عبادت ادا کر لینا۔

مَنَاسِكَكُمْ (اپنے حج کے کام) مناسک سے مراد وہ مراسم اور عبادت ہیں۔ جن کا تعلق حج سے ہے۔ انہیں مناسک کے علاوہ شعائر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح حج کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے۔

حاصلیت کے زمانہ میں دستور تھا۔ کہ حج سے فارغ ہو کر حاجی منیٰ کے میدان میں تین دن تک (۱۰-۱۱-۱۲ ذوالحجہ) حج کرتے اور یہاں اپنے قبیلے اور باپ دادا کے کارناموں کا ذکر کرتے۔ ان کی فضیلتیں اور بڑائیاں بیان کرتے۔ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فخر یہ انداز میں خاندانی عظمت کا اظہار کرتے۔ باپ دادا کی بزرگی بیان کرنے سے کیا فائدہ۔

انسان کو برتری اور بزرگی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا۔ پرورش کرنے والا۔ عقل۔ سمجھ۔ دانائی۔ اور حکمت عطا کرنے والا اور شرافت اور عظمت عطا کرنے والا وہی ہے اس لئے ہر قسم کی تعریف اور ثنا اسی کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کی بزرگی اور بڑائی کے گیت گانا اور انہیں معبود کا درجہ دینا شکر کے برابر ہے۔ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ جب سے حج کا ذکر شروع ہوا ہے۔ مساوات پر مہیزگاری۔ عاجزی اور تزکیہ نفس پر برابر زہد دیا جا رہا ہے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کے ذکر۔ عبادت اور توبہ و استغفار کی تلقین کی جا رہی ہے۔ حرم کی حدود میں داخل ہوتے ہی سب کو ایک ہی قسم کا لباس پہننے کا حکم ہے۔ پھر بعض ان جائز کاموں سے بھی پر مہیز کرنے کا حکم ہے۔ جو اس راہ میں حائل ہو سکتے تھے۔ بہت سی دل پسند اور مرغوب طبع باتوں سے باز رہنے کو کہا گیا ہے۔ قدم قدم پر بیک یعنی اُسے اللہ میں حاضر ہوں۔ کہنے کا حکم ہے۔ مسلسل ذکر الہی کی ہدایت کی گئی ہے۔ عبادت کی یہ خصوصیت صرف اسلام ہی میں پائی جاتی ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو غور سے سنیں۔ ان پر عمل کریں۔ زندگی کی اصلاح کریں۔ حرام اور ناجائز چیزوں سے پر مہیز کریں۔ اس کا ذکر ملتند کریں۔ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیں اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں اور دنیا کی قوموں کے لئے اچھے اخلاق اور بہتر عمل کا زندہ نمونہ بن کر مثال قائم کریں۔

دنیا کے طلبگار

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا
پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا
فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
میں دے اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ

خَلَاقٍ ۲۰۰
نہیں

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا
پھر کوئی آدمی جو کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دے
فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
میں دنیا اور نہیں اس کے لئے آخرت کچھ

خَلَاقٍ ۲۰۰
حصہ

دنیا میں بعض انسان ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن پر دنیا کی ہوس اس قدر غالب ہے کہ وہ اسے ہی اپنا انتہائی مقصد سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کے نزدیک سب سے بڑی کامیابی اور فتح یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مادی فائدے حاصل کریں۔ مال و زر کے ڈھیر لگائیں۔ دولت و ثروت اکٹھی کر لیں۔ اس کی جستجو میں وہ اندھے ہوئے جاتے ہیں۔ دنیا کے یہ طلبگار حرص و لالچ کے پیکر ہیں پھنس کر اپنی عاقبت اور حسن انجام کو بھی اس دوڑ و دوپ میں قربان کر دیتے ہیں۔

اس مرض میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو اخلاق میں پست۔ معاملات میں کھوٹے۔ برتاؤ میں خود غرض۔ آخرت کے انکاری اور عارضی فائدوں کے دیوانے ہوں۔ ان کی نگاہ ہمیشہ قریبی نفع پر ہی رہتی ہے۔ یہ لوگ دیر پانٹناج کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہر کام میں وہ اسی چیز کے متمنی رہتے ہیں۔ جس کا جلدی سے انہیں پھل مل جائے۔ صبر اور تحمل کی طاقت ان میں نہیں ہوتی۔ غرض اس دوڑ و دوپ اور کوشش میں وہ اس قدر مگن ہو جاتے ہیں اگر عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگیں۔ یا کوئی نیک کام بھی کریں۔ تو اس میں بھی ان کا مقصد صرف دنیاوی فائدے حاصل کرنا ہوتا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کو محض اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ ان کے پاس روپے پیسے کے ڈھیر لگا دے۔ ان کی مادی ضروریات پوری کر دے۔ جہاد میں صرف اس لئے حصہ لیتے ہیں کہ مال غنیمت ملتا آجائے۔ حج صرف اسلئے کرتے ہیں کہ تجارتی فائدے سمیٹ لیں نماز اور زکوٰۃ اس لئے ادا کرتے ہیں کہ لوگوں کا اعتماد حاصل کریں اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ ان لوگوں کے نزدیک جنت اور آخرت کی نعمتیں کوئی شے نہیں۔ وہ قیامت کو ایک بیکار عقیدہ سمجھتے ہیں۔ مرنے کے بعد کی یقینی زندگی ان کے خیال میں ایک انہونی سی بات ہے۔ زندگی کے اعمال کے بدلہ کا عقیدہ وہ نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک زندگی صرف دنیا ہی کی ہے اور کامیابی صرف دنیاوی ہے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ یہ منافقانہ اور کافرانہ روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا ہماری مسلسل زندگی کا ایک مختصر سا حصہ ہے۔ باقی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی ہمیں موت کے بعد ہی نصیب ہوگی۔ وہ ہمارے ان اعمال کا پھل ہوگی۔ جو ہم اس دنیا میں کریں گے۔ آخرت کی زندگی ابدی۔ قائم و دائم اور ختم نہ ہونے والی زندگی ہے۔ اس کا آرام اور کامیابی اصل کامیابی ہے چاہیے تو یہ کہ اپنی دنیا کی زندگی کو اس طرح استوار کریں کہ یہ ہماری آنے والی زندگی کیلئے کامیابی کا زین بنے۔

دنیا اور آخرت کے طالب

ذَمِّنْهُمْ لَنْ يَقُولَ رَبَّنَا اِتِّبْنَا
 اور ان میں کوئی جو کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دے
 فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ
 میں دنیا میں خوبی اور میں آخرت
 حَسَنَةً وَفِيْنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۱
 خوبی اور ہمیں بجا عذاب دوزخ

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا اِتِّبْنَا
 اور کوئی ان میں کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں
 فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ
 دنیا میں خوبی دے اور آخرت میں
 حَسَنَةً وَفِيْنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۱
 خوبی (دے) اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو صرف دنیا کے طلبگار ہیں۔ وہ اگرچہ اللہ کا انکار تو نہیں کرتے۔ لیکن آخرت کو بالکل نہیں مانتے۔ ان کی دعائیں۔ التجائیں۔ تمنائیں اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ اور ان کی عبادت کا مقصد بھی صرف دنیا کے فوائد کا حصول ہوتا ہے۔ اللہ نے ان کی سزا یہ بتائی۔ کہ آخرت میں انہیں کسی قسم کا ثواب اور حصہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ جو کچھ چاہتے ہیں اور جس کے لئے کوشش کرتے ہیں، وہ انہیں دنیا میں مل جائے گا۔ اب جبکہ انہوں نے اس دنیا میں اپنا مطلب پایا۔ تو آخرت میں ان کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔

موجودہ سبق میں ان صحیح خیال اور درست کردار مومنوں کا ذکر ہے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جن کے نزدیک قیامت اور مکافات عمل ضرور پیش آئیں گے۔ اس لئے ان کی نظر محض دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ آخرت کے منہ موز کر صرف دنیا نہیں چاہتے۔ اور ایسے کام نہیں کرتے۔ جن سے انہیں دنیا کا فائدہ تو مل جائے۔ لیکن آخرت کا ثواب جاتا رہے۔ وہ اپنے معاملات برتاؤ اور معاشرت میں حسن انجام کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

حَسَنَةً سے یہ ظاہر ہے کہ مومن خیر و خوبی کا طالب ہے۔ دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی۔ دنیا میں وہ نیک عمل کرنے کی توفیق مانگتا ہے۔ اپنی دعاؤں اور عبادتوں سے وہ نیک عملی اور نیکو کاری کی استعداد اور طاقت طلب کرتا ہے۔ اور آخرت میں اس نیک عملی اور نیکو کاری کا نیک پھل مانگتا ہے۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے۔ دنیا میں اعلیٰ اخلاق اور عمدہ معاملات کرتا ہے۔ اور آخرت کے لیے توشہ بناتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے کہ مجھے دوزخ کی آگ سے بچاؤ، مجھے جنت میں جگہ دے اور کامیابی نصیب کر، بہترین انسان کی زندگی کا معیار یہی ہے، کہ وہ اپنی زندگی اور زندگی کے معاملات میں دنیا اور آخرت دونوں کو پیش نظر رکھے اور جہنم کے عذاب سے ڈرتا رہے۔

یہ بات یاد رہے۔ کہ اسلام نے دنیا اور آخرت کا مقابلہ تو بتلایا ہے۔ لیکن دین دنیا کا مقابلہ نہیں کیا۔ مبارک ہیں وہ انسان جو دنیا میں ایسی زندگی بسر کریں کہ ساتھ ہی ان کی آخرت بھی سنور جائے۔

مُحَاسِبَةُ أَعْمَالٍ

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ
 انہی لوگوں کیلئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔
 وَاللَّهُ سَرِيعٌ ۚ ۝۲۲
 اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

قرآن مجید نے پچھلی آیتوں میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک وہ جو صرف دنیا کی زندگی میں ہی ہر قسم کی کامیابی چاہتے ہیں۔ اپنے ہر عمل اور ہر عبادت سے ان کا مقصود صرف دنیا کمانا ہوتا ہے۔ وہ نہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ نہ دوسری زندگی کے نتائج پر۔ اس لئے اپنی محنت اور کوشش کا پھل وہ اسی دنیا میں مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔

دوسرے وہ جو اللہ پر قیامت اور دوسری زندگی سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اپنی نیکیوں کے بدلے صرف دنیاوی جاہ و جلال ہی نہیں مانگتے۔ بلکہ ایسے کام کرتے ہیں۔ کہ ان کی دنیا اور عاقبت دونوں درست ہو جائیں۔ دنیا کے علاوہ انہیں اخروی زندگی میں بھی آرام ملے گا۔ گویا وہ دونوں زندگیوں کو اپنی اپنی جگہ پر رکھتے ہیں۔ آخرت بیچ کر دنیا نہیں کماٹے اور نہ دنیا کو ترک کر کے آخرت کی تلاش کرتے ہیں۔ بلکہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی چاہتے ہیں۔ وہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے دوزخ میں نہیں لپکتے جو انہیں دوزخ میں ڈلا دیں۔

ان دوسری قسم کے لوگوں کا انجام آج کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ ان لوگوں کو ان کے نیک عملوں کے عوض آخرت میں نیک اجر ملے گا۔ ان کی خواہش کے مطابق دوزخ سے انہیں دور رکھا جائے گا۔ ان کی بھول چوک معاف کر دی جائے گی جنت میں رہنے کو جگہ دی جائے گی۔ اور وہ دیکھ لیں گے۔ کہ دنیا کی زندگی کے بعد ایک آخرت کی زندگی بھی ہے۔ دنیا کا مال و متاع اس زندگی کے لطائف کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ دنیا کی آسائشیں عورت اور مرتبے سب عارضی اور ناپائیدار تھے۔ اس کے مقابلہ میں جنت کی نعمتیں ابدی اور سکون بخش ہیں۔ یہاں کا آرام اور چین ہمیشہ رہنے والا ہے۔

سَرِيعٌ الْجِسَابِ کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے۔ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور صرف دنیا مانگتے ہیں۔ انہیں بتا دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ قیامت کچھ دور نہیں۔ اس دن یہ لوگ دیکھ لیں گے۔ کہ آخرت کو بھول کر دنیا میں ہی اپنے عملوں کا اجر مانگ کر وہ کتنے خسارے میں رہے۔ دوسری طرف اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تسکین دی ہے۔ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی چاہتے ہیں۔ انہیں بتا دیا کہ تمہیں بہت جلد تمہارے نیک کاموں کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اس لئے تم اپنی اس روش پر اور سچتہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو مقدم بیان کیا ہے۔ اور آخرت کی دعا کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ یعنی اسلام دنیا کا مخالف نہیں بلکہ چاہتا ہے کہ دنیا کے کام آخرت کے تصور سے کئے جائیں۔

حج کے ایام

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط
اور یاد کرو - اللہ - میں - دن
وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ط
اور گنتی کے چند (مقررہ) دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔

ایام مَّعْدُوْدٰتٍ (گنتی کے چند دن) ایام کا واحد یوم ہے اور معدودت عدد سے ہے۔ ان دنوں سے مراد ذی الحج کی دسویں۔ گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ہیں۔ انہیں اصطلاح میں ایام تشریق بھی کہتے ہیں۔ تشریق کے معنی قربانی سگانے کے ہیں۔ ان دنوں میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ تمام حاجی و ذوالحجہ کو ظہر سے مغرب کے وقت تک عرفات میں جمع رہتے ہیں۔ وہاں سے سورج مغرب ہونے تک واپسی شروع ہو جاتی ہے۔ رات من و لطفہ میں قیام کرتے ہیں۔ اگلے دن یعنی اذی الحج کو منیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔ منیٰ کو معظمہ سے شمال مغرب میں چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ کسی زمانہ میں یہ ایک میدان تھا۔ اب یہاں بہت سی پختہ اور عالی شان عمارتیں بن گئی ہیں۔ حج کے موسم میں حاجی یہ عمارتیں بڑے بڑے کرایوں پر لیتے ہیں اور یہاں خوب رونق رہتی ہے۔ اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور پر رونق بازار لگتا ہے دینیا جہان کی چیزیں اس بازار میں مل جاتی ہیں۔ حاجی ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ کی شام تک یہیں رہتے ہیں۔ اور حج کے سلسلہ میں کئی واجبات اور سنتیں یہاں بجا لاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرتے ہیں سر کے بال اترواتے ہیں۔ شیطانون کے کنکریاں مارتے ہیں اور احرام اتارتے ہیں۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان دنوں میں یہاں اللہ کو خوب یاد کرو۔ اس کی یاد اور عبادت میں مشغول رہو۔ ان دنوں میں اللہ کی یاد کی ایک خاص صورت یہ ہے کہ ہر حاجی دسویں تاریخ کو بڑے پتھر (حجرہ عقبی) پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتا جاوے۔ کنکریاں مارنے کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح گیارہ اور بارہ تاریخ کو یکے بعد دیگرے تینوں پتھروں پر سات سات کنکریاں مارے لیکن ان پر کنکریاں سورج ڈھلنے کے بعد ماریں ہوں گی۔ اس کے بعد مکہ جانے کی اجازت ہے۔

آپ نے دیکھا کہ جب سے حج اور اس کے احکام کا بیان شروع ہوا ہے ذکر الہی کی تاکید قرآن مجید نے بار بار کی ہے یوں بھی دل سکون روح کی پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ذکر الہی ہے۔ اور حج کے ساتھ تو اس کی خاص مناسبت ہے۔ دنیا کے تمام گوشوں سے مختلف نسل اور مختلف مزاجوں کے لوگ یہاں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ سفر کی مشکلیں پر دیں کی تکلیفیں۔ وطن کی یاد اہل و عیال سے علیحدگی تمام ایسی باتیں ہیں۔ جن سے ہر انسان کا پریشان ہو جانا لازمی ہے۔ ایسے اجتماعوں میں ایک دوسرے سے الگ جانا سخت کلامی اور کش مکش کا واقع ہو جانا معمولی بات ہے۔ لیکن حج میں ایسی باتوں کا امکان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حاجی ان مشقتوں کو بھول کر صرف ایک چیز کی طرف دھیان دیں اور وہ ہے ذکر الہی۔ اس کی اطاعت کر کے اسی کے احکام سننے اور سنانے میں مصروف رہیں۔ اسی کی حمد و ثنا میں مگن رہیں۔ کثرت تکبیر میں باقی سب کچھ بھول جائیں۔

نیکی کی اصل تقویٰ ہے

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ

پھر جو کوئی دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس پر کوئی گناہ

عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لَا

نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں

لِمَنْ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

جو کہ ڈرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو

أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾

بیشک تم اسی کے پاس جمع ہو گے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ

پھر جو کوئی جلدی چلا گیا میں دو دن تو نہیں گناہ

عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لَا

اس پر اور جو کوئی رہ گیا تو نہیں گناہ اس پر

لِمَنْ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ اور جان لو

أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾

بے شک تم اس کے پاس جمع ہو گے

جیسا کہ پچھلے سبق میں بیان کیا گیا ہے۔ عبادت کے خاص تین دن ہیں جنہیں ایام تشریفی کہتے ہیں۔ یعنی ۱۰-۱۱ اور ذوالحجہ لیکن اگر کوئی شخص بارہویں تاریخ کے بعد بھی وہاں ٹھہرتا ہے اور ذکر الہی کرتا ہے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر کوئی شخص صرف دو ہی دن وہاں ٹھہرنے کے بعد مکہ کو روانہ ہو جاتے۔ تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ اصل حیر تقویٰ ہے اللہ کا ڈر اور خوف، یعنی ان چیزوں سے پرہیز کرنا۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اس کی اطاعت میں کوئی عذر اور بہانہ تلاش نہ کرنا۔ اس کی خوشنودی کو مقصد بنانے رکھنا اس کے احکام پر عمل کرنا اور دوسروں کو ترغیب دینا۔ یوم حشر کو سامنے رکھنا۔ موت بعد زندگی پر ایمان رکھنا اور اس کے لئے سامان کرنا۔

شرعی احکام کی تعمیل میں کچھ بے قاعدگی بعض مجبوریوں کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ مجبوریوں صرف اسی شخص کی مافی جہاتیں کی جو نیک نیتی، پاکدامنی اور پرہیزگاری کا پابند ہے۔ کسی بغاوت اور سرکشی سے اللہ کے احکام کے خلاف عمل نہیں کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اللہ کے حکموں کے ماننے میں برگزبرگز بہانہ یا عذر تلاش نہیں کرے گا اصل چیزیں کا انسان میں پیدا کرنا اور کار ہے۔ وہ تقویٰ ہے اس کے ہوتے ہوتے اگر لاچار یا مجبوری کی بنا پر کچھ کوتاہی ہو جائے تو معاف کی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید تقریباً ہر حکم کے ساتھ تقویٰ الہی کی تلقین کرتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام سے مقصود انسانی زندگی میں طہارت، پاکیزگی اور عمدگی پیدا کرنا ہے۔ لیکن اگر ان خصوصیتوں کے ہوتے ہوئے کوئی شخص احکام بجالانے سے کچھ مجبور ہو۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(یہاں حج کا بیان ختم ہوتا ہے)

قسمیں کھانے والے جھگڑالو

وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي
اور بعض آدمی وہ جو تجھے پسند آتی ہے اس کی بات میں

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا
زندگانی کے کام - دنیا - اور گواہ کرتا ہے اللہ اوپر - جو

فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اللَّهُ الْخَصَّامُ ﴿۲۳﴾
میں اس کے دل اور وہ سخت جھگڑالو

وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي

اور بعض آدمی وہ ہے کہ تجھے اس کی بات پسند آتی ہے دنیا
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا
کی زندگانی کے کاموں میں اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو

فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اللَّهُ الْخَصَّامُ ﴿۲۳﴾
گواہ کرتا ہے اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ (اور بعض آدمی) ضروری نہیں کہ بعض سے صرف ایک آدمی ہی مراد ہے۔ ایک بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسی فطرت کے
بہت سے آدمی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ (اس کی بات) یعنی اس کا یہ دعویٰ کہ وہ اسلام پر قربان ہونے کو تیار ہے اسے اسلام سے بہت محبت ہے۔

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (دنیا کی زندگانی کے کاموں میں) یہاں فی سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اسے اپنی چرب زبانی سے دنیا حاصل
کرنی ہوتی ہے۔ آخرت نہیں۔ اور وہ دنیاوی امور کے متعلق ایسی باتیں بتاتا ہے۔ گویا اس سے بڑھ کر کوئی عقلمند اور دانا نہیں۔
يُشْهَدُ اللَّهُ (اللہ کو گواہ کرتا ہے) یعنی اللہ کی قسمیں کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے قسم کھانے سے مراد یہی ہوتی
ہے۔ کہ میں اس کو اپنے اس بیان پر گواہ ٹھہراتا ہوں۔ جس کی میں قسم کھا رہا ہوں۔

اس سے قبل ج کا بیان گذر چکا ہے۔ اور یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ کچھ بد قسمت انسان صرف دنیا کے سچے لگے ہوتے ہیں۔
وہ آخرت کے سچے نتائج سے یکسر محروم ہیں۔ لیکن نیک بندے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور دنیا
عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس آیت سے بد نیت اور منافقین کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ انکی زبان شیریں معلوم ہوتی ہے۔ بظاہر باتیں بڑی عقل کی کرتے
ہیں۔ لیکن دل سے سخت جھگڑالو اور فتنہ پرور ہوتے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قید ثقیف
کا ایک شخص احنس بن شریق تھا۔ وہ ظاہری طور پر اسلام کا بڑا غمخوار اور ہمدرد معلوم ہوتا تھا اپنی زبان سے اسلام سے اپنی محبت کا بہت دعویٰ
کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتا تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتا۔ بات بات پر قسمیں کھاتا۔ لیکن جب مجلس سے
اٹھ کر چلا جاتا۔ تو طرح طرح کی شرارتوں میں لگ جاتا اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی
شخص کے لئے اتری لیکن یہ ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جو اس فطرت کا آدمی ہو۔ اس قسم کے منافق کی مزید نشانیاں اگلی آیتوں میں
بیان کی جائیں گی۔ یہاں منافق کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ کہ وہ زبان سے بڑے دعوے باندھتا ہے لفظی طور پر اپنے مومن
بوزیر کا یقین دلاتا ہے لیکن دراصل وہ بڑا جھگڑالو ہے۔ اسلام اور اسکے پیروں سے دشمنی رکھتا ہے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

فساد پر دازی

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ
اور جب لوٹے دوڑتا پھرے میں ملک
لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
تاکہ فساد کرے اس میں اور تباہ کرے کھیتیاں اور نسل
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝۲۵
اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ
اور جب تیرے پاس سے لوٹے تو ملک میں دوڑتا پھرے
لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کرے
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝۲۵
اور اللہ فساد ناپسند کرتا ہے۔

تَوَلَّى (لوٹے) اس کے دو معنی ہیں لوٹنا یا حاکم بننا۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر چل دے۔ اور دوسرے معنوں کی رو سے حاکم بن جائے۔ بعض مفسروں نے یہاں یہی معنی کئے ہیں۔ یعنی وہ ملک کا حاکم ہو جاتا ہے یا کسی جگہ اسے اقتدار مل جاتا ہے۔

سَعَى (دوڑتا پھرے) اس لفظ کے معنی ہیں سرگرم ہو جانا۔ دوڑو و دوپ کرنا۔ کوشش میں لگ جانا۔ یہاں مراد فساد مچانے اور خرابی برپا کرنے میں سرگرم ہو جانے سے ہے۔

فِي الْأَرْضِ (ملک میں) ارض (زمین) کا لفظ لانے سے عام طور پر یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کہ منافقین بڑے وسیع پیمانے پر اپنی سرگرمیاں کرتے ہیں۔ وہ دور دور تک خرابیاں برپا کرتے ہیں۔ البتہ ارض کے الفاظ سے کسی خاص جگہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جیسے شہر مدینہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین نے مرکز بنا رکھا تھا۔

الْحَرْثَ (کھیتیاں) یعنی فساد برپا کرنے والوں نے کھیتوں کو برباد کیا۔ اور انہیں آگ لگا دی۔ اس سے بعض مفسرین نے غور میں بھی مراد لی ہے اور بعض لوگوں نے دین کو نقصان پہنچانا بھی اس کے مفہوم میں شامل کیا ہے۔

النَّسْلَ (جانیں) نسل کو تباہ کرنے میں نسل انسانی اور نسل حیوانی دونوں شامل ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں اس سے مراد نسل انسانی ہی لی ہے مجموعی طور پر قتل و غارت اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہے۔

پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ ظاہر میں اسلام کی ہمدردی کے دعوے کرتا ہے لیکن اندر سے اسلام کا دشمن ہے۔ پھر یہ کہ اللہ کی کھا کھا کر اپنے سچا مونیکی یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ بات بات پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ لیکن دراصل وہ جھگڑا تو قسم کا آدمی ہے۔ ہر حق بات سے الجھتا ہے۔ سچ کا دشمن ہے۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اس آیت میں ایسے لوگوں کی مزید نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یعنی یہ کہ ملک میں فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکاتے ہیں۔ ہنگامہ آرائی کرتے ہیں۔ متحد قوم کو مختلف گروہوں میں بانٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ انکی طرف متوجہ ہوں۔ رکھیت جلا دیتے ہیں۔ میوٹی ہلاک دیتے ہیں۔ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ خلاف فطرت فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جس سے نسل انسانی لازمی طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔

جھوٹا وقار

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ

اور جب کہا جائے اس سے ڈر اللہ آمادہ کرے اُسے

الْعِزَّةَ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ

غور گناہ پر سوا سے کافی ہے دوزخ

وَلَبِئْسَ الْيِهَادُ

اور بیشک برا ٹھکانہ

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ

اور جب اُسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو غرور

الْعِزَّةَ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ

اسے گناہ پر آمادہ کرے سوا سے کافی ہے دوزخ کافی

وَلَبِئْسَ الْيِهَادُ

ہے اور بیشک وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں منافقوں کی ایک اور نشانی بیان کی گئی ہے۔ یعنی لوگوں پر ظلم کرنے جھوٹے دعوے بلند کرنے۔ فتنہ و فساد مچانے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے غرور میں آکر اللہ تعالیٰ سے بھی سرکشی اور بغاوت کرتے ہیں۔ جب لوگ انہیں سمجھاتے ہیں کہ ہنگامہ آرائی اور شہرت کی راہ سے ہٹ کر سیدھی راہ پر آؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو امن اور چین کی زندگی بسر کرو۔ تو وہ اپنی جھوٹی شان اور خود ساختہ عزت کو برقرار رکھنے کے لئے سرکشی اور گناہ میں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے ہیں۔

لوگوں کے یہ کہنے پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ان کے غرور پر زبردست چوٹ پڑتی ہے۔ جھوٹی آرزوؤں اور جھوٹی شان کا بنا ہوا ان کا سارا محل و ہوا سے نیچے آگرتا ہے۔ جس سے ان کا پول کھل جاتا ہے اور وہ کہیں کے نہیں رہتے۔ لہذا اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے وہ اللہ کی تافرمانیاں کرنے کی پروا نہیں کرتے۔ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مہربانوں اور ناجائز حربہ استعمال کر کے راستباز لوگوں کی رائے کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم بنا رکھا ہے۔ جہاں انہیں جھونک دیا جائے گا۔ یہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے اور اپنے غرور کا مزہ چھکیں گے۔

شرعیات اسلام کے مقاصد تو یہ ہیں۔ کہ دنیا میں عدل و انصاف اور امن و چین عام ہو جائے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی آزادی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی تعلیم اور بتائی ہوئی ہدایت پر چلنے کے لئے سہولتیں حاصل ہوں اور ہر شخص کو اپنا حق پانے کے لئے آسانی ہو۔

ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے میں مومن اسلام کی مدد کرتا ہے۔ کافر اس راستے میں روڑے اٹھاتا ہے۔ اور منافق ایسا مارا آستین ہے۔ کہ اسلام سے حدود و ثمنی رکھتا ہے۔ اور اپنے ظاہری دعوں اور چھوٹے بیانیوں سے اسلام کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن اپنی دلی دشمنی ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے یہ سخت سزا میں مبتلا ہوگا۔

شرعیات اسلام کے مقاصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی منافق ڈالتا ہے۔ دل کی بات کو ظاہر نہیں کرتا۔ فتنہ اور فساد میں سرگرم رہتا ہے۔ کھینوں اور جانوروں کو تباہ کرتا ہے واقعی جھوٹا وقار اور خود ساختہ عزت کا تصور نصیحت اور عبرت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔

اللہ کی رضا چاہنے والا

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ

اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے جو اپنی جان کو بیچتا ہے۔
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ

اور میں سے لوگ جو بیچتا ہے اپنی جان
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ

اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ

اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ

رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۴

رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۴

بندوں پر مہربان ہے۔

مہربان بندوں پر

اس آیت میں ان سچے مومنوں کا ذکر ہے جو اپنی جان تک اس مقصد کیلئے قربان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے انسان اگر حقیقت پر غور کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ جن ذاتی جھگڑوں پر پڑا ہے۔ وہ سب بیچ میں۔ تنگ نظر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر مال و متاع اور زمین و جانداروں کے قبضے میں ہیں۔ سب ان کے اپنے ہیں۔ جس قدر وہ اور زیادہ حاصل کریں گے وہ بھی ان کا اپنا ہو جائیگا۔ ان کا خیال ہے کہ دنیاوی عزت اور شان و شکوہ ہی انسان کا مقصد ہے۔ انہیں سب طریقے سے حاصل کر لینا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اول نہ تو وہ خود اپنے اوپر اختیار رکھتے ہیں نہ اپنی جان داد اور جو کچھ ان کے پاس ہے یا جو کچھ وہ مزید حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا دھرا ہیں یا یہیں پڑا رہ جائے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کے بازو ٹوٹ جائیں۔ قوتیں شل ہو جائیں اور دل و دماغ خیل ہو جائیں۔ پھر یہ مار دھاڑ۔ لوٹ کھسوٹ اور فتنہ و فساد کیوں؟ کیا اس زندگی کے لئے جس کا کوئی بھروسہ نہیں؟ کیا اس شان و شوکت کے لئے جس کی کوئی بنیاد نہیں؟

ایک مومن ان باتوں سے آگاہ ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی کوئی چیز اپنی نہیں بلکہ اس رب کی ہے جس نے اسے زندگی دی۔ اس کی پرورش کی۔ اور اسے دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے قابل کیا۔ لہذا ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہر چیز کے استعمال کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ اگر اسی کی دی ہوئی چیزوں کو اس کے راستے میں اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا جائے تو ہمارا کیا جاتا ہے۔ اگر کم ہو جائے گا تو وہ اور دے دے گا۔ اگر اپنی اکیلی جان جس پر ہمیں کچھ بھی اختیار نہیں۔ اس کی رضا جوئی کے لئے دے دی جائے۔ تو ہمارا کیا کم ہو جائیگا۔ اسی کی دی ہوئی جان جسے فنا ہونا ہی تھا۔ اسی کے لئے دے دی۔ تو اس سے بڑھ کر اس کا مصرف اور کیا ہو سکتا ہے۔

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔ انسان اس کی عنایات۔ نوازشوں اور لطف و کرم کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتا۔ کاش! انسان کبھی اس حقیقت پر غور کر لیا کرے تاکہ نیکر گزاری اور قدر دانی اسکے اندر پیدا ہو

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ
اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ
ایمان والو! داخل ہو جاؤ میں اسلام

كَافَّةً مَّا تَتَّبِعُوا خُطُوتِ الشَّيْطَانِ
ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔

كَافَّةً مَّا تَتَّبِعُوا خُطُوتِ الشَّيْطَانِ
پورے اور نہ پیروی کرو قدم شیطان

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۸﴾
بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۸﴾
بیشک وہ تمہارے لئے دشمن کھلا

السِّلْمِ (اسلام) سلم کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں۔ اور یہ لفظ جنگ کے مقابل آتا ہے۔ یہاں مفسروں نے السلم سے مراد اسلام لیا ہے۔ لغت کے ماہروں نے بھی اس لفظ کے یہ معنی تسلیم کئے ہیں۔ کَافَّةً (پورے پورے) اس لفظ کا مادہ کف ہے۔ جس کے معنی روکنا ہیں۔

کافہ سے مراد یہ ہے کہ پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور ہر طرح سے اسلام کی اطاعت کرو۔ خُطُوتِ (قدم) خطوہ اس کا واحد ہے۔ مراد ہے نقش قدم۔ یعنی اطاعت و فرمانبرداری۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ چند یہودی اسلام لائے۔ لیکن انہوں نے اسلامی شریعت کے ساتھ ہی ساتھ یہودی مذہب کی تعمیل بھی جاری رکھی۔ مثلاً ہفتہ کے دن کو مقدس سمجھنا۔ اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام سمجھنا اور توراہ کی تلاوت وغیرہ پھر اسی طرح بعض لوگ اپنی طرف سے ہی کوئی عقیدہ گھر لیتے یا کوئی عمل مقدس سمجھ لیتے اور اسلامی شریعت کے ساتھ ساتھ خود ساختہ باتوں کو بھی دین میں شامل کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکام کے ساتھ دوسرے احکام کی تعمیل کرنے کو روکنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور فرمایا کہ پورے کے پورے مسلمان ہو جاؤ۔ یعنی نہ تو اپنی طرف سے غلط عقائد گھر دو۔ نہ سنی نہ سنی باتوں کی پیروی کرو۔ نہ دوسری تعلیمات کی تعمیل کرو۔ نہ یہ کہ جو بات اچھی نہ لگی یا جو شکل معلوم ہوئی یا پسند نہ آئی اسے نہ مانا۔ اسلام صرف چند عقیدوں کا نام نہیں۔ یا صرف چند عبادتوں کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ پوری زندگی کے لئے مکمل اعلیٰ اور عمدہ ترین ضابطہ ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے۔ انسانی فطرت کے تمام تقاضے پورا کرتا ہے۔ اس کی کمزوریوں کو مد نظر رکھتا ہوا احکام میں رعایت کرتا ہے۔ منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ دین و دنیا کی اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہدایت کرتا ہے۔ لہذا اسلام کو من و عن پورے کا پورا ماننا ضروری اخلاق۔ معاشرت۔ معیشت۔ سیاست۔ غرض زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کے قوانین پر چلنا ضروری ہے۔

جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ گویا شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کا کھلا دشمن ہے۔ اس خیر کی امید خود درجہ حماقت اور اور نادانی ہے۔ اسلام اور کفر یکجا نہیں ہو سکتے۔ لہذا یا تو پورے طور پر رحمان کے بند بن جاؤ ورنہ شیطان کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا جس میں گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

دانستہ غلطی نہ کرو

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ
 البَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
 صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست

حَكِيمٌ (۲۰۹)
 حکمت والا ہے۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ
 البَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
 صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست

حَكِيمٌ (۲۰۹)
 حکمت والا

البَيِّنَاتُ (صاف حکم) اس سے مراد ایسے کھلے ہوئے احکام ہیں جن میں کسی قسم کی پیچیدگی اور شبہ نہیں۔ مثلاً ایک اللہ پر ایمان لانا، عقیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کا عقیدہ۔ نماز کا حکم اس قسم کے تمام احکام مہود اور دوسری جماعتوں تک پہنچ چکے تھے۔

زَلَلْتُمْ (بھسلنے لگو) یہ لفظ زَلَّة سے ہے جس کے لفظی معنی میں پل جانا۔ ڈگمگانا اور بھسلنا یہ بے اختیاری میں بھی ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ بھول کر بہک جانا بھی گناہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ عَزِيزٌ (زبردست) یعنی ایسی ہستی جو جب اور جو کچھ چاہے سزا دے سکتی ہے۔ اس کا ترجمہ غالب بھی کیا جا سکتا ہے۔ حَكِيمٌ (حکمت والا) یہاں آیت کی رعایت سے یہ معنی ہوں گے۔ کہ ایسی ہستی جو ہمیشہ مناسب وقت پر ہی سزا دیتی ہے۔ اور اس سزا دینے میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ حکمت والا ہے۔

انسان کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت اور شفقت سے کام لے کر اس کی ہدایت کیلئے انبیاء کا سلسلہ قائم کیا۔ اسے سیدھی راہ دکھانے اور کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً مختلف قوموں میں اپنے برگزیدہ پیغمبر بھیجتا رہا۔ یہ رسول بھولے ہوئے انسانوں کو راہ حق دکھاتے رہے اور بہکے ہوؤں کو بھنور نکالتے رہے۔ انکے اخلاق سنوارتے رہے اور گندگیوں سے پاک کرتے رہے۔ لیکن تاریخ عالم بتاتی ہے۔ کہ بد قسمت لوگوں نے ان سے روگردانی کی۔ کبھی انہیں جلا وطن کیا۔ کبھی قتل کیا۔ ان سے اس طرح کا سلوک کر کے انہوں نے اپنے لئے خود گڑھا کھودا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی تعلیمات کو اہل جہاں پر واضح کیا۔ اپنے اسوہ حسنہ سے ان تعلیمات پر عمل کر کے دکھایا۔ اپنی صحبت اور ہم نشینی سے نیک اور برگزیدہ لوگوں کی جماعت پیدا کر کے دکھایا کہ اللہ تعالیٰ کے واضح احکام یہ ہیں۔ اور ان پر عمل کر کے یہ کامیاب حاصل کی جا سکتی ہیں۔

انسان کی یہ کس قدر بڑی بد قسمتی ہے۔ کہ اس قدر بلند مرتبہ حاصل کرنے کے باوجود اس سے منہ موڑتا ہے۔ اس کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس کا دشمن جو بناتا ہے۔ ایسے بد کرداروں کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ کیونکہ اب ان کیلئے کوئی عذر اور بہانہ باقی نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت قائم ہو چکی ہے۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ ہم تک دین حق نہیں پہنچا تھا۔

غیر معقول مطالبہ

<p>هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمْ کیا وہ دیکھتے ہیں یہی کہ ان پر آئے</p> <p>اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ اللہ میں سائبانوں سے ابر اور فرشتے</p> <p>وَقُضِيَ الْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ تَرْجِعُ اور طے ہو جائے تفتہ اور طرف اللہ لوٹیں گے</p> <p>الْأُمُورُ ٢١٠ سب کام لوٹیں گے</p>	<p>هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمْ کیا وہ دیکھتے ہیں یہی کہ ان پر آئے</p> <p>اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ اللہ میں سائبانوں سے ابر اور فرشتے</p> <p>وَقُضِيَ الْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ تَرْجِعُ اور طے ہو جائے تفتہ اور طرف اللہ لوٹیں گے</p> <p>الْأُمُورُ ٢١٠ سب کام</p>
---	--

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوتیں بخشی ہیں جس میں عقل اور فہم کی قوت بھی شامل ہے۔ تاکہ انسان سچ اور جھوٹ نیک اور بد اور انصاف و ظلم میں تیز کر سکے۔ ان قوتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے انبیاء بھیجے۔ اور ان کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے مختلف نشانیاں بھی بھیجیں۔ تاکہ انسان ان نشانیوں کو دیکھ کر پیغمبروں پر ایمان لائے۔ ان کی تعلیمات میں غور کرے۔ اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں اول تو وہ نشانیاں ہیں جو گویا خود منہ سے بولتی ہیں مثلاً کائنات کی تخلیق۔ اس کا انتظام۔ اس کا ارتقا۔ پھر انسان کی ضروریات اور ان کی تسکین کا سامان۔ یہ سب چیزیں بتاتی ہیں۔ کہ ان کا بنانے والا ضرور کوئی ہے۔ جو قادر مطلق ہے۔ حکیم و داناست ہے۔ حاضر و ناظر ہے۔ رحیم و شفیع ہے۔

دوسری وہ نشانیاں ہیں جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ مثلاً آپ کا ذاتی کامل نمونہ۔ آپ کا بے دریغ کردار۔ آپ کا حسن اخلاق اور آپ کے معجزات وغیرہ۔

ان دونوں قسم کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد انسان کی عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے۔ جو تمام جہانوں کا خالق ہے اور سب کی تربیت کرنے والا ہے۔ اگر کوئی آدمی یا گروہ اس سے منہ موڑتا ہے۔ تو گویا وہ اس بات کا انتظار کر رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود فرشتوں کے لشکر کے ساتھ ان کے سامنے آئے اور بتائے کہ یہ میرا حکم ہے اسے مانو۔ اس قسم کا انتظار ایسے لوگوں کی بربادی اور تباہی پر جا کر ختم ہوگا۔ اس لئے کہ نہ ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے عقل و بصیرت دی اور اس کے بعد اپنی نشانیاں بھیج دیں۔ اب ان پر یقین کرنا انسان پر فرض ہو گیا۔ اگر کوئی شخص نہ ان نشانیوں پر غور کرے اور نہ عقل و فہم سے کام لے۔ تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا کیونکہ اس کے ایمان نہ لائیں کوئی وجہ باقی نہیں رہی پھر ان سب کو اللہ کے حضور میں جمع ہونا ہے۔ کیونکہ سب کاموں کا مدار اسی اللہ پر ہے اور وہی ان کا فیصلہ فرمائے گا۔

بنی اسرائیل سے عبرت

سَلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا اتَيْنَهُمْ
بنی اسرائیل سے پوچھ ہم نے انہیں کس قدر کھلی ہوئی نشانیاں
مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَ مَنْ يُبَدِّلْ
غایت کہیں - اور جو کوئی اللہ کی نعمت
نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ
بدل ڈالے بعد اس کے کہ وہ نعمت لے پہنچ چکی ہو

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱

تر اللہ کا عذاب سخت ہے۔

سَلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا اتَيْنَهُمْ
بنی اسرائیل کس قدر ہم نے انہیں دیں
مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَ مَنْ يُبَدِّلْ
نشانیاں کھلی ہوئی - اور جو کوئی بدل ڈالے
نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ
نعمت اللہ سے بعد کہ وہ لے پہنچ چکی ہو

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱

تر اللہ سخت عذاب۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے کھلم کھلا انسانوں کے پاس نہیں آئے۔ بلکہ اللہ نے ہمیشہ انسانوں کی ہدایت کے لئے ان میں سے ہی نبی اور رسول بھیجے ہیں۔ یہاں اس آیت میں اس حقیقت کو بنی اسرائیل کی تاریخ سے واضح کیا جا رہا ہے یعنی یہ کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت سی ایسی نشانیاں عطا کیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی صداقت اور ان کی تعلیم کی سچائی ظاہر ہوتی تھی لیکن انہوں نے ان تمام نشانیوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے انعام کئے لیکن انہوں نے ناشکرے پن کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو احسانات کئے۔ ان میں سے چند مختصر طور پر ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) انہیں فرعون کے ظلم سے نجات دلائی۔ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرا دیتا تھا۔ اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ ان سے سخت مشقت کے کام لیتا تھا۔ ہر طرح سے ذلیل اور خوار کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے ظلم سے بچایا۔

(۲) ان میں حضرت موسیٰؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر بھیجا۔ جس نے انہیں فرعون کی غلامی اور قبطیوں کی حکومت اور عسکری نکال دیا۔

(۳) ان کے دشمن فرعون کو ان کے سامنے سمندر میں غرق کر دیا (۴) سینا کے بے آب و گیاہ علاقوں میں ان پر بادل کا سایہ کیا۔

سلوہی اتارا۔ پانی کے چشمے نکال دیئے (۵) ان کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰؑ کو توراہ عطا فرمائی (۶) انہیں ملک فلسطین میں آباد کیا

(۷) ان کی نسل میں نبیوں کا ایک سلسلہ بڑھی دیتیک تا ئم رکھا۔

لیکن ان لوگوں نے ان تمام احسانات کے باوجود بھی نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب سے منہ مٹا دیا۔ اس کے احکام سے روگردانی کی من مانی کارروائیوں میں لگن رہے۔ اس نافرمانی کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب بھیجے تاکہ وہ راہِ راست کی طرف آئیں لیکن پھر بھی ان کے علماء نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے الفاظ و معانی بدل دیئے اور جان بوجھ کر کتاب میں رد و بدل کیا جو ہم نے اندھا دھند ان کی پیروی کی۔ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی بات پڑے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری کلام "قرآن مجید" کو نہیں مانیں گے تو وہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اور ان کا حشر بھی ویسا ہی ہوگا۔ جیسا پہلی اقوام کا ہوا ہے۔

مومنوں کا مذاق نہ اڑاؤ

زَيْنَ - لِلَّذِينَ - كَفَرُوا - الْحَيَاةُ - الدُّنْيَا

فریفتہ کیا ہے۔ وہ جنہوں نے کفر کیا زندگی دنیا

وَيَسْخَرُونَ - مِنْ - الَّذِينَ - آمَنُوا - وَ

اور ہنستے ہیں سے لوگ ایمان والے اور

الَّذِينَ - اتَّقَوْا - فَوَقَّعَهُم - يَوْمَ - الْقِيَامَةِ

پر ہیزگار لوگ ان سے بالاتر دن قیامت

وَاللَّهُ - يَرْزُقُ - مَنْ - يَشَاءُ - بِغَيْرِ - حِسَابٍ ۝۲۱۲

اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب۔

زَيْنَ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

کافروں کو دنیا کی زندگی پر فریفتہ کیا ہے۔

وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

اور ایمان والوں پر ہنستے ہیں اور جو پر ہیزگار ہیں۔

الَّذِينَ اتَّقَوْا فَوَقَّعَهُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وہ قیامت کے دن ان کافروں سے بالاتر ہوں گے۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۱۲

اور اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دیتا ہے۔

وَقَّعُوا

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکوں کے رئیس مسلمانوں پر ہنستے تھے۔ انہیں ذلیل سمجھتے تھے حضرت بلالؓ، عمارؓ، صہیبؓ اور دوسرے غریب صحابہؓ کا مذاق اڑاتے اور کہتے۔ (نعوذ باللہ) ان نادانوں نے آخرت کے خیال پر دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو اپنے سر لیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ ان فقیروں محتاجوں اور بے بس لوگوں کی امداد سے طاقتور عرب رئیسوں اور سرداروں پر غالب آنا چاہتے ہیں اور دنیا بھر کی اصلاح ان غریبوں کی مدد سے کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے اس مستحضر اور منہسی کی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی انہیں بتایا گیا کہ ان کا اس طرح سوچنا جہالت اور نادانی سے ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہی غریب اور تنگ دست قیامت کے دن ان رئیسوں کے اعلیٰ اور برتر ہونگے۔ اللہ جسے چاہے بیشمار روزی عطا فرمائے چنانچہ ایک دن آیا کہ انہیں غریبوں کو جن پر کافر ہنستے تھے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی دولت ملی اور اس زمانے کی ایران اور روم جیسی بڑی بڑی سلطنتوں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں غالب بنادیا دنیا کی دولت حکومت اور قیادت ان کے سپرد کر دی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مالدار اور رئیس لوگ جو اللہ تعالیٰ کے منکر ہوں وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر اکرٹتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کی ہر چیز اپنی دولت سے خرید لیں گے اور دنیا کی سرطقت اپنی دولت کی مدد سے فتح کر لیں گے۔ اسی غرور اور تکبر کی بنا پر یہ لوگ غریب ایماندار اور حق پرست لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے نزدیک دولت ہی شرافت اور ریاست کی نشانی ہوتی ہے۔ ان کی نگاہ میں اخلاق کی برتری۔ کردار کی پاکیزگی کچھ بھی نہیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ دولت ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ یہ ایک ڈھلتا سا ہے کبھی یہاں دکھی وہاں اسے ایک جگہ ٹھیراؤ میسر نہیں ہے۔ ایسی چیز جس پر کوئی اختیار اور قابو نہ ہو اور جو عارضی اور ناپائیدار ہو اس قدر اکرٹنا حال اور فضول ہے۔ اصل چیز نیکی اور پرہیزگاری ہے۔ یہی سب سے بڑی دولت ہے۔ اسی کے بدلے قیامت میں بہترین اجر ملے گا اور تمام دولت مند منکر لوگ اس روز مغلوب ہوں گے۔ وہ ذلت اور رسوائی میں ڈوبے ہوں گے اور اپنے کئے پر پھپھکتے ہوں گے کیا اچھا ہو کہ یہ لوگ آج سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے۔ وہ ان سے چھین کر ایمانداروں کو دے سکتا ہے۔ انہیں غریب اور مسکین لوگوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ خود اپنی آخرت سنوارنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے کہ ہم برا کلمہ منہ سے نہ نکالیں۔ آمین۔

أُمَّتٍ وَاحِدَةٍ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ فِيهِ الْفُرْقَانُ
 تھے لوگ جماعت ایک پھر بھیجے
 اللَّهُ الْبَشِيرِ وَالْمُنذِرِ
 اللہ پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے
 وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
 اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی تاکہ فیصلہ کرے
 بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ
 درمیان لوگ جس میں وہ جھگڑا کریں آپس میں۔

أُمَّةً وَاحِدَةً (ایک جماعت) امت کے معنی ملت اور جماعت کے ہیں۔ یہ لفظ اس سے پہلے کئی جگہ استعمال ہو چکا ہے۔
 سبق (۱۵۴) میں اس کی تشریح گزر چکی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابتداء میں تمام اولادِ آدم ایک جماعت تھی۔ سب کا مذہب ایک ہی تھا۔ تمام لوگ توحید پر قائم تھے
 جب کبھی ان کے عقائد میں اختلاف پیدا ہوتا۔ تو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے نبی آتے اور ان کے اختلافات ختم کرتے۔
 گویا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ شروع میں کسی کو صحیح مذہب کا علم نہ تھا۔ اور موجودہ توحید تک پہنچنے میں کئی منازل
 سے گزرنا پڑا ہے۔

قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ فِيهِ الْفُرْقَانُ (پھر بھیجے) یہاں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد یعنی جب باطل پرست بے شمار عقیدے اور مذہب
 بنا بیٹھے۔ اور ان میں اختلاف بڑھ گئے۔
 الْمُنذِرِينَ: (خوشخبری سنانے والے) یعنی ان لوگوں کو جو اللہ کے دیئے ہوئے قانون کو قبول کر لیں۔ خوشخبری سنانے والے لفظ
 بشر اس کا مادہ ہے۔

الْمُنذِرِينَ: (ڈرانے والے) یعنی ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے خلاف انکار اور بغاوت کریں۔ ڈرانے والے
 انذار اس کا مصدر ہے۔ لِيَحْكُمَ: (تاکہ فیصلہ کرے) یعنی انہی نبیوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے۔
 حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی دین آ رہا ہے۔ کچھ مدت کے بعد لوگوں نے اس دین میں اختلاف ڈالا تو اللہ تعالیٰ
 نے وقتاً فوقتاً نبیوں کو بھیجا جو ایمان والوں کو ثواب کی خوشخبری سنانے تھے اور کافروں کو عذاب ڈرانے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں
 بھی بھیجیں۔ تاکہ لوگوں کے اختلافات اور جھگڑے دور ہو جائیں اور سچا دین ان کے اختلاف سے بچا رہے۔

ذہبی اختلاف

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ

اور کتاب میں صرف انہی لوگوں نے مجھڑا ڈالا جنہیں

اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ

کتاب ملی تھی۔ اس کے بعد کہ انہیں صاف حکم پہنچ چکے۔

بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ

آپس کی ضد سے پھر اللہ نے ہدایت دی ایمان

اٰمَنُوْا لِمَا اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنْ الْحَقِّ

دالوں کو اس سہی بات کی جس میں وہ مجھڑ رہے تھے

بِاٰذِنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ

اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھا

اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

راستہ بتاتا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ

اور نہیں مجھڑا ڈالا اس میں مگر انہوں نے

اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ

جنہیں کتاب ملی تھی سے بعد اس کے کہ ان کو پہنچے صاف حکم

بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ

ضد آپس میں پھر ہدایت کی اللہ انہیں

اٰمَنُوْا لِمَا اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنْ الْحَقِّ

جو ایمان لائے اس کی مجھڑ رہے تھے سے سچ اپنے

بِاٰذِنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ

حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جسے چاہے

اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

طرف راستہ سیدھا۔

الَّذِينَ اُوْتُوْهُ (جنہیں ملی تھی) ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں نبیوں کے واسطے سے کتابیں ملی تھیں خصوصاً ان قوموں کے امام اور پیشوا کیونکہ یہی لوگوں کو گمراہی کی طرف لے جاتے اور عوام صرف ان کے پیچھے ہولیتے۔

بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آپس کی ضد سے) یہاں یہ بات صاف ہو گئی۔ کہ اختلاف اور مجھڑے کا اصل سبب آپس کی ضد اور نفسانیت تھی۔ اور یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ خود اللہ تعالیٰ کے حکموں میں کوئی ایسا بیچ تھا۔

بِاٰذِنِهِ (اپنے حکم سے) قرآن مجید میں لفظ اذن حکم اور اجازت دونوں معنوں میں آیا ہے۔ یہاں مراد اللہ کا فضل اور توفیق ہے۔ آیت کے اس ٹکڑے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور کتابوں کے آجانے کے بعد انہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتابیں

ملی تھیں۔ مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کے امام و پیشوا توراہ اور انجیل میں اختلاف ڈالتے تھے۔ ان کے معنی بدل دیتے تھے اور ان کی شرح و تفسیر بھی من مانی کرتے تھے۔ یہ سارا اختلاف وہ بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپس کی ضد و دنیاوی مال و متاع کے لالچ میں کرتے تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں کو جو ایمان کے طالب تھے اور جن میں ایمان کی صلاحیت موجود تھی۔ سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی۔ اس پر چلنے کی توفیق بخشی۔ اور انہیں گمراہ لوگوں کے اختلاف سے بچایا۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ

دنیا کا دستور کچھ ایسا ہے کہ بڑے لوگ اختلاف ڈالتے ہیں اور ہمیشہ اسی میں سرگرم رہتے ہیں۔ اس لئے ایمان والوں کو ان کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے بلکہ اللہ کے نبی کی ہدایت اور تعلیم کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ ہدایت وہی ہے جو اللہ نے وحی اور کامیابی اس طریق پر عمل کرنے سے حاصل ہوگی جو اللہ نے دکھلایا ہے۔

آزمائش کی گھڑی

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ
 لَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ
 قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِبًا وَالصَّارِعُونَ
 زُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ الْإِن
 نَصُرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ۝۲۱۷

کیا تمہیں خیال ہے کہ چلے جاؤ گے جنت اور
 نہیں تم پر گذرے حالات ان جیسے جو چلے سے
 تم سے پہلے انہیں پہنچی سختی اور تکلیف اور
 ہر بھڑاٹے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور وہ جو
 ایمان لائے اس کے ساتھ کب آئیگی مدد اللہ سن رکھو کہ
 مدد اللہ قریب۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ
 لَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ
 قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِبًا وَالصَّارِعُونَ
 زُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ الْإِن
 نَصُرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ۝۲۱۷

کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ
 تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گذرے جو تم سے پہلے
 تم سے پہلے انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور بھڑاٹے
 گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے
 تھے کہنے لگے اللہ کی مدد کب آئے گی۔ سن رکھو کہ
 اللہ کی مدد قریب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ فلاح اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے انسان کو سختیوں، مصیبتوں اور مشکلوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مشقت اور تکلیف جیسے بغیر اور امتحان سے گذرے بغیر کامیابی کی امید رکھنا درست نہیں ہے۔ اس آیت میں سب سے بڑی بھلائی جنت کو قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اتنی بڑی نعمت محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ بھلائی اور جنت کی راہ اس لئے کٹھن بنا دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کی طلب اور ڈھپ ہے جسے حقیقی جستجو ہوگی۔ وہ ان تمام طاقتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے بخشی ہیں کام میں لا کر اس مقصد کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا۔ وہ اس کی خاطر ہر متاع قربان کرنے کو تیار ہوگا نیز جو لوگ کٹھن راہ سے گذر کر اپنے مقصود پائیں گے۔ وہ اس کی صحیح قدر بھی سمجھ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے پھلی امتوں کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ کامیابی پانچواں ہمیشہ سے تنگی اور سختی کا مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ اللہ کے دشمن اور ان کی سے عداوت رکھنے والے لوگ ایسے ایمانداروں کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ انہیں بے بس اور بیچارہ بنا کر چھوڑتے ہیں اور اس حد تک ان پر ظلم کرتے ہیں کہ نبی اور اس کے ساتھی ایمان دار لوگ پکار اٹھتے ہیں۔ کہ اللہ اب تو ظلم و ستم کی حد ہو گئی آزمائش کی انتہا ہو گئی تیری مدد کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ایماندار لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی مدد انہیں ضرور پہنچے گی۔ لیکن اس مدد کا ایک مقررہ دستور ہے۔ پہلے آزمایا جاتا ہے جب وہ پورے صبر اور ثابت قدمی سے جمے رہیں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں آخر کار کامیاب کرتا ہے اور حق کا دشمن ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو کر رہتا ہے۔

کہاں خرچ کریں

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں۔ کہہ دو

مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

جو مال تم خرچ کرو سو ماں باپ اور

وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

قرابت والوں اور یتیموں کے لئے اور محتاجوں

وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ

اور مسافروں کے لئے اور جو کچھ تم بھلائی کر دے

خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

سو وہ بے شک اللہ کو خوب معلوم ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں کہہ دو

مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے

وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

اور قرابت والے اور یتیم اور محتاج

وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ

اور مسافر اور جو کچھ تم کر دے بھلائی

خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

سو بیشک اللہ اس سے معلوم ہے۔

خیر: (مال) یوں تو لفظ خیر میں ہر قسم کی نیکی خواہ بدنی ہو یا مالی۔ بھڑی ہو یا بڑی شامل ہے۔ لیکن اس کے معنی نیک کماٹی اور مال کے بھی ہیں۔ اور یہاں خیر سے مراد مال ہی ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی نیک کماٹی اور پاکیزہ دولت میں سے جتنا ہو سکے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی وہ مستحق بتلا دیئے۔ جن پر دولت خرچ کرنی چاہیے۔

۱۔ وَالِدَيْنِ: ہماری دولت میں سب سے پہلا حق والدین کا ہے۔ افسوس آج کل کھاتے پیتے۔ شادی شدہ اور کماڈ نوجوان والدین کا حق نہیں پہچانتے ہیں۔

۲۔ قَرَابَتٍ دَارٍ: والدین کے بعد قرابت دار (رشتہ دار) آتے ہیں۔ اسلام نے کس قدر زریں اصول دیا۔ کہ خیرات و نیکی اپنے قریب سے شروع کرو اور دور تک پہنچاؤ۔

۳۔ يَتِيمٍ: وہ جو ماں باپ کے سایہ سے محروم ہیں۔ تم ان کے سر کا سایہ بن کر نگہبانی اور تربیت کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کے بہت سے حقوق بیان فرمائے ہیں اور ان کی خدمت کو بہت اونچی نیکی قرار دیا ہے۔

۴۔ مَسْكِينٍ: وہ کمزور اور ناکارہ انسان جو کمانے سے معذور ہوں۔

۵۔ مُسَافِرٍ: پانچواں درجہ ضرورت مند مسافر کا ہے۔

جنگ کا حکم

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ - وَ هُوَ
 فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ
 كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ - وَ هُوَ
 فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ
 كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ - وَ هُوَ
 فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ
 كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ - وَ هُوَ
 فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ

ہم یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ ہماری ہدایت کا چشمہ صرف اسلام ہی ہے۔ اسلام ہماری زندگی کے لئے ایک مکمل دستور العمل ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے منہ موڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرے تو اصل منزل سے دور ہو جائے گا۔ راہ سے بھٹک کر اپنے آپ کو ہلاکت کے حوالہ کر دے گا۔ کیونکہ اسلام سے منہ موڑنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ شخص امن و امان برباد کر دے گا۔ فتنہ و فساد پھیلائے گا۔ دوسروں پر ظلم کرے گا۔ ان کی حق تلفی کرے گا۔

ان تمام لوگوں کی جو اسلام سے روگردانی کرتے ہیں۔ شر و فساد میں سرگرم ہوتے ہیں۔ سازشوں اور تباہیوں سے دنیا کے امن کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں اور امن برباد کرنے والوں سے جنگ کریں۔ انہیں قتل کریں کیونکہ ایسے لوگوں کا خاتمہ ہی اسلام کی ترقی اور عالم کائنات کی خوشحالی کا سبب بن سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال (یعنی لڑنے) کا حکم مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جانے کے بعد ملا۔ جبکہ انہیں نئی ریاست کی بنیاد قائم کرنی تھی۔ کھلے بندوں اسلام کی دعوت دینی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق ایک نئی سوسائٹی کو وجود میں لانا تھا۔ لیکن اس وقت مسلمان کمزور و بے بس تھے۔ تعداد میں تھوڑے تھے۔ جنگ کا سامان پاس نہیں تھا۔ زبوں حالی اور پریشانی میں گرفتار تھے۔ اس لئے جنگ کا حکم طبعی طور پر ناگوار گزارنا لازمی تھا۔ لہذا انہیں بتا دیا گیا کہ تمہیں خواہ جنگ کتنی ہی بڑی لگے۔ لیکن تمہیں اپنے فرض کو ضرور ادا کرنا ہے۔

انسان کو سب سے زیادہ پیاری شے اپنی زندگی ہوتی ہے۔ اس کا خاتمہ اسے ناگوار اور ناپسند معلوم ہوتا ہے۔ جنگ میں جان کا جاتے رہنا۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنا عام ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ اس جنگ کے دور رس نتیجے اور بعد میں ملنے والے فائدے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اگر عارضی طور پر ناگوار ہے تو برداشت کر لیا جائے اور گذر جانے والے نقصان کو سہہ لیا جائے تو اس کا ثمرہ بہت میٹھا اور اعلیٰ ملے گا۔ ہمیں چاہیے کہ دنیا کی پسندیدہ چیزوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل بے چون و چرا کریں۔ ہمیں اپنی جان و اولاد اور مال قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنی چاہیے۔

انسان کی پسند ناپسند

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ

اور شاید تمہیں ایک چیز بری لگے اور وہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا

بہتر ہو اور شاید کوئی چیز جس لگے اور وہ

وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ

تمہارے لئے بری ہے اور اللہ جانتا ہے اور

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾

تم نہیں جانتے۔

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ

اور شاید کہ تمہیں بری لگے ایک چیز اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا

بہتر تمہارے لئے اور شاید کہ جس لگے کوئی چیز

وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ

اور وہ بری تمہارے لئے اور اللہ جانتا ہے اور

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾

تم نہیں جانتے۔

عَسَىٰ: (شاید) ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے۔

آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ قتال تمہیں بظاہر برا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قومی زندگی اور ملی سر بلندی کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔

اب اسی مضمون کو واضح کرنے کے لئے کتنے پیارے اور اچھوتے انداز میں ارشاد ہوتا ہے۔

”ممكن ہے تم کسی چیز کو پسند نہ کرو۔ حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو۔ حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔“ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اپنے بڑے بھلے کو نہیں جانتے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے حق میں بہتر کیا ہے اور بُرا کیا ہے۔ البتہ تمہارا خالق و مالک خوب جانتا ہے کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو وہ جیسے جیسے کہتا ہے اور جو جو وہ حکم دیتا ہے کئے جاؤ۔ اس میں تمہارا بھلا ہی بھلا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں سب سے مشکل کام جان و مال کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور جنگ میں یہ دونوں خطرے درپیش ہوتے ہیں۔ انسان جان و مال جیسی عزیز شے کو آسانی سے قربان کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ ہاں اسے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ زندگی اور اس زندگی کا یہ سارا ساز و سامان عارضی ہے۔ ہمیشہ کی زندگی اور مستقل آرام اس کے بعد نصیب ہو گا۔ تو پھر انسان کی نگاہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

دوسرے اگر انسان کو یقین ہو جائے کہ میرا نفع و نقصان، میرا خالق و مالک مجھ سے بہتر سمجھتا ہے بلکہ میں کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتا۔ تمام حکمتیں اور بھلائیاں اسی کے اختیار میں ہیں۔ اور وہ جو کچھ کہتا ہے۔ میرے بھلے کے لئے ہی کہتا ہے۔ اس صورت میں انسان جان و مال کیا ہر عزیز سے عزیز شے قربان کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ اور اس وقت اس کی نگاہوں میں کوئی چیز نہ بچے گی۔

ماہ حرام میں جنگ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
تجھ سے حرمت کے مہینے کو پوچھتے ہیں اس میں لڑنا
فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ
کیسا ہے کہہ دے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ
تجھ سے پوچھتے ہیں سے مہینے حرام لڑنا
فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ
اس میں کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ: (حرمت کا مہینہ) قمری سال کے چار مہینے محرم۔ رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ عربوں کے نزدیک بڑے برکت والے اور پاک مہینے سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ قتل و غارت اور جنگجوئی ان کا پیشہ تھا۔ لیکن ان چار مہینوں میں وہ ہر قسم کی جنگ بند رکھتے۔ یہاں خاص طور پر اشہر الحرام سے مراد رجب کا مہینہ ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ سلسلہ میں ایک مرتبہ سفر کے دوران میں بعض صحابیوں کی مشرکوں سے مٹھ بھیس ہو گئی اور جنگ میں ایک مشرک مارا گیا۔ ان اصحاب کے نزدیک یہ جنگ جہاد کی تیس تاریخ کو ہوئی جو کہ حرمت کا مہینہ نہیں تھا۔ لیکن بعد کو علم ہوا کہ جہاد کی تاریخ کا چاند ۲۹ کا ہو گیا تھا اور جس روز جنگ لڑی گئی وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی جو کہ حرمت والا مہینہ تھا۔ اس غلطی کو جو نادانستہ طور پر ہو گئی تھی۔ کافر اور مشرکوں نے خوب اچھا لالا اور طعنہ دینے لگے۔ کہ دیکھو مسلمان اب ان مہینوں کا بھی احترام نہیں کرتے۔ رجب کے مہینے میں بھی جنگ شروع کر دی۔ اس پر وہ صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ یہ غلطی بے خبری میں ہو گئی ہے۔ اب کیا حکم ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو بتایا گیا کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی بات ہے لیکن یہ اس صورت میں جب یہ گناہ دانستہ طور پر کیا جائے اور ماہ حرام کا علم رکھنے کے باوجود جنگ لڑی جائے اور یہ جنگ جو مسلمانوں نے لڑی ہے۔ یہ جان بوجھ کر نہیں لڑی بلکہ اس میں ان سے بھول ہو گئی تھی۔

علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اب بھی جب کبھی کافر حرمت والے مہینوں میں جنگ شروع کریں تو مسلمان اپنی حفاظت کے لئے دفاعی اور جوابی جنگ لڑ سکتے ہیں ان کے حملے کا جواب دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان مہینوں کے تقدس کے مقابلہ میں جانیں زیادہ مقدس ہیں۔ ان کا بچانا زیادہ ضروری ہے ان برکت والے مہینوں میں جنگ کرنا اگرچہ برا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ بُری وہ باتیں ہیں جو کفار کرتے ہیں مثلاً اللہ پر ایمان نہ لانا۔ ایک سے زیادہ معبودوں کی پرستش کرنا۔ روزِ آخر کو نہ ماننا۔ فتنہ و فساد پھیلانا۔ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال دینا۔ کیونکہ یہ جنگ سے کم بُری اور گھناؤنی نہیں ہیں۔ خود کفار اپنی روش پر نظر نہیں کرتے۔ انہوں نے مسلمانوں کی چھوٹی سی غلطی پر جو ان سے نادانستہ عمل میں آئی طعنہ دینے شروع کر دیئے۔

ان امور کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں ہے۔ جو دوسرے سبق میں آپ پڑھیں گے۔ کافر و مشرک اپنی روش پر تو نظر نہیں کرتے مسلمانوں سے الجھتے ہیں۔ ایک نادانستہ لغزش پر طعن و تشنیع کی بوجھاڑ کر رہے ہیں۔

کافروں کی روش

وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرًا بِهِ وَالسُّجْدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجِ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ

اور روکن سے راہ اللہ اور نہ ماننا اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اسے نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے لوگوں کو وہاں سے نکل دینا اور اس کے لوگ وہاں سے زیادہ نزدیک اللہ اور فتنہ بڑھ کر سے قتل۔

اور نکلنے سے بھی بڑھ کر ہے۔

سَبِيلِ اللَّهِ (اللہ کی راہ) یہاں مراد اسلام ہے۔ یہی اللہ کا پسندیدہ طریقہ ہے جس پر چل کر انسان اپنی دنیا اور آخرت کو سزا رکھتا ہے۔ پچھلے درس میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ ایک مرتبہ چند مسلمانوں نے کافروں سے مقابلہ کے وقت ایک کافر کو مار دیا۔ یہ واقعہ نادانستہ طور پر ان سے حرمت والے مہینہ میں ہو گیا۔ کافروں نے اس پر طعن و تشنیع کی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ ماہ حرام میں جنگ کرنا گناہ ہے لیکن اس کے مقابلہ میں وہ گناہ بڑے ہیں جو خود کافر کرتے ہیں ان گناہوں میں سے کچھ آج کے سبق میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ صَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (اللہ کی راہ سے روکنا) یعنی لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنا اور جو اسلام قبول کر لیں انہیں سخت اذیتیں پہنچانا۔ جو ارادہ کر رہے ہوں انہیں دھمکیاں دینا۔ مکہ کے کافر یہ تمام گناہ کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو پیغمبر اسلام پر ایمان لانے سے منع کرتے تھے جو لوگ مسلمان ہو جاتے انہیں بہت مارتے پتیتے گرم پتھروں پر لٹاتے جب مکہ معظمہ سے نکل جانے کا ارادہ کرتے تو اللہ کے بندوں کو جانے سے بھی روکتے۔

۲۔ كُفْرًا بِهِ (اللہ سے کفر کرنا) دوسرا گناہ جو کافر کرتے تھے۔ وہ تھا اللہ سے کفر۔ اس کی ہستی اور اس کی صفتوں سے انکار۔

۳۔ السُّجْدِ الْحَرَامِ (خانہ کعبہ) اللہ کا یہ گھر عبادت کے لئے تھا۔ مگر اس جگہ کافروں نے بے شمار بت رکھ چھوڑے تھے۔ مسلمان بیت اللہ کو توجید کا گھر بنا چاہتے تھے لیکن کافر مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکتے تھے اور اللہ کی عبادت میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔

۴۔ إِخْرَاجِ أَهْلِهِ (مکہ والوں کو وہاں سے نکال دینا) مکہ کے کافروں نے مسلمانوں پر اس قدر سختیاں کیں اور اتنے ظلم ڈھائے کہ ان سچاپوں کو آخر مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ غریب بے کس مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں پناہ لی اور سب کچھ چھوڑ کر صرف جانیں لے کر بھاگے۔ یہ کس قدر بڑا گناہ ہے جس کے مرتکب اہل مکہ ہوئے۔

۵۔ الْفِتْنَةُ (فساد، غارت گری، دین سے ہٹانا) کفار مکہ یہ سب خرابیاں کر رہے تھے مگر اپنے ان جرائم پر ان کی نظر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب حالات یہ ہوں۔ تو قتال ہر حال میں واجب ہے۔

کافروں کی کوششیں

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى
 يَرْدُوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ - اِسْتِطَاعُوا
 اور جاری رکھیں گے تم سے لڑنا یہاں تک
 وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى
 يَرْدُوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ - اِسْتِطَاعُوا
 اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ
 تمہیں پھیر دیں سے تمہارا دین اگر قابو پائیں۔
 اگر قابو پائیں تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔

اس آیت میں یہ بات کھول کر واضح کر دی گئی ہے کہ مسلمان جب تک اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہیں گے مشرک اور کافر ہر طرح سے ان کی مخالفت کرتے ہی رہیں گے۔ وہ ہر حالت میں اور ہر موقع پر زک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے خواہ یہ موقع انہیں حرم کی حدود کے اندر پیش آئے خواہ پاک اور حرمت کے مہینے میں۔ جیسا کہ حدیبیہ کے موقع پر انہوں نے کیا۔ اس موقع پر انہوں نے کسی احترام اور برکت کی پرواہ نہ کی۔ صرف مسلمانوں سے دشمنی اور حسد کی وجہ سے مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو مکہ جانے اور عمرہ کرنے سے روکا۔ اس لئے اس قسم کے اسلام دشمن اگر مسلمانوں پر طعن و تشنیع کریں بھی۔ تو اس کی کوئی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ اور صرف مہینے کی حرمت کی وجہ سے ان سے جنگ کرنے سے رکتا نہیں چاہیے۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مکہ کے مشرک اسلام سے کس قدر سزا اور حق کے کس قدر دشمن تھے۔ وہ اس بات پر مصر تھے کہ جہاں تک ان کا بس چلے۔ ہر ممکن طاقت اور ہر تدبیر استعمال کر کے مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیں۔ انہیں اسلام کے قبول کرنے سے روکیں۔ انہیں پرانے اور باطل عقیدوں کے ماننے پر مجبور کریں۔ بت پرستی پر قائم رکھیں! اور ہو سکے تو اسلام کا نام و نشان ہی مٹادیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر اور مشرک اسلام کے اس قدر کیوں مخالف تھے؟ اس کے ختم کرنے کے کیوں درپے تھے؟ مسلمانوں کے عقیدوں کو بڑی نگاہ سے کیوں دیکھتے تھے؟ اسلام کی تعلیم سے نفرت کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت ان لوگوں نے اپنے مذہب، اپنی سیاست اور اپنی معاشرت اپنے ڈھب پر بنا رکھی تھی۔ ان کے اغراض و مقاصد اپنی ہی فلاح و بہبود تک محدود تھے۔ وہ اپنی سوسائٹی کی روایات کو ہی برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے خلاف اسلام ایک کامل مساوات اور عالمگیر ترقی کا پیغام دیتا تھا۔ انسان ہونے کے لحاظ سے ہر شخص کو برابر کا حق دیتا تھا کسی خاص مفاد پرست سوسائٹی کا وجود ماننے سے انکاری تھا۔ اس لئے وہ تمام لوگ جو محدود دنیویانے پر سوچتے تھے۔ اور جو تنگ نظر، خود غرض تھے! انہوں نے اس کی مخالفت اور عداوت پر کمر باندھی۔

حق کے سامنے باطل کیسے ٹھہر سکتا تھا۔ روشنی کے آنے کے بعد اندھیرا کیسے باقی رہ سکتا تھا؟ وہ لوگ خود ہی اپنی جہالت اور عداوت میں غرق ہو گئے۔ اور ہمیشہ کی سزا کے حقدار ٹھہرے۔ دنیا میں بھی نامراد ہوئے آخرت میں بھی جہنم کے مستحق ٹھہرے۔

مرتد کی سزا

<p>وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَن دِينِهِ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے۔ فِيمَتٍ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ پھر کفر کی حالت ہی میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے عمل أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا اور آخرت میں ضائع ہوئے اور وہ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا وہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ خَالِدُونَ ﴿۲۱۶﴾ رہیں گے۔</p>	<p>وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَن دِينِهِ اور جو کوئی پھرے تم میں سے اس کا دین فِيمَتٍ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ پھر مرجائے اور ہو کافر تو ایسوں کو ضائع ہوئے أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ان کے اعمال میں دنیا اور آخرت اور وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا وہ رہنے والے دوزخ وہ اس میں خَالِدُونَ ﴿۲۱۶﴾ ہمیشہ رہیں گے۔</p>
---	---

پچھلے سبق سے یہ واضح ہو گیا تھا کہ کافر اور مشرک ہر طریقے سے مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے رہیں گے انہیں ڈرائیں دھمکائیں گے۔ طرح طرح کی امیدیں دلائیں گے انہیں لالچ دیں گے ان کی ساری کوششیں اسی لئے ہوں گی کہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کو بڑھنے نہ دیں۔ انہیں لوٹا کر دوبارہ جہالت اور تاریکی میں لے آئیں۔

اس آیت میں یہ تہنید کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، کافروں کے زیر اثر خواہ ڈر کر خواہ کسی لالچ میں آ کر اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جائے گا اور مرتے دم تک کفر ہی پر اڑا رہے گا۔ تو اس کے تمام عمل ضائع ہو جائیں گے۔ اسے دنیا میں بھی اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اور قیامت میں بھی۔

اسلام سے پھر کر کفر کی طرف لوٹ جانے والے کی سزا دنیا میں یہ ہوگی کہ اس کا جان و مال محفوظ نہ رہے گا۔ مسلمان بوی سے اس کا نکاح قائم نہ رہ سکے گا۔ مسلمان کی میراث سے اسے حصہ نہ مل سکے گا۔ بلکہ یہاں تک کہ اگر حکومت اسلامی ہو تو ایسے بد عہد، باغی اور مرتد کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔

آخرت میں اسے یہ سزا ملے گی کہ وہ اپنے اجر و ثواب سے محروم رہے گا جس قدر نیکیاں اور عبادتیں دنیا میں کی ہوں گی ان کا بدلہ نہیں ملے گا۔ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اسی میں ہمیشہ جلتا رہے گا اور ہر طرح سے نقصان اٹھائے گا۔

فِيمَتٍ وَهُوَ كَافِرٌ (اسی حالت کفری میں اسے موت آجائے) اس فقرہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر خدا نخواستہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو دین کی طرف واپس آجانے کا موقعہ پھر بھی رہتا ہے۔ آخرت کی سزا اسی صورت میں ہے جب کفر کی حالت ہی میں مرجائے۔ مرتد کی سزا اس قدر سخت اس لئے ہے کہ ایک بار اسلام کو سمجھ لینے کے بعد اس نے بغاوت کی۔ پھر اسے دیکھ کر دوسروں کے دل میں بھی شک پیدا ہونے کا امکان ہے۔

ایمان بھرت اور جہاد

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا - وَالَّذِينَ

بیک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے
هَاجَرُوا - وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ہجرت کی اور لڑے ہیں راہ اللہ
أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ - وَ

وہ امیدوار رحمت اللہ اور
اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

اللہ بخشنے والا مہربان

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے
هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے
أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَ

وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں - اور
اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے -

الَّذِينَ هَاجَرُوا، (جنہوں نے ہجرت کی) مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنے وطن حبشی عزیز اور محبوب شہ کو چھوڑا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی کی طرف چلے گئے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ جَاهِدُوا (لڑے) یہ لفظ جہاد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں شدید کوشش اور جدوجہد۔ اس میں ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں شامل ہیں اور سب سے بڑی مشکل جنگ و قتال کی ہے۔

فِي سَبِيلِ اللَّهِ: (اللہ کی راہ میں) ہجرت اور جہاد کے ساتھ یہ قید لگا کر ثابت کر دیا کہ مسلمان کسی اپنی ذاتی غرض یا مفاد کے لئے ہجرت یا جہاد نہیں کرتے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں بھیتے ہیں۔ يَرْجُونَ (امیدوار ہیں) اس لفظ سے مقصود ان مومنوں کو خوشخبری دینا ہے۔ جو نادانستہ ماہ حرام میں ایک کافر کو قتل کر بیٹھے تھے۔ پچھلی آیتوں سے ان صحابیوں کو جنہوں نے بھول کر پاک مہینے میں ایک کافر کو قتل کر دیا تھا۔ یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے اوپر کوئی گناہ نہیں لیکن انہیں اس بارہ میں کچھ فکر تھا کہ معلوم نہیں اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں اس پر یہ بات نازل ہوئی کہ جو لوگ ایمان لائے جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دشمنوں سے لڑے وہ بیک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اجر و ثواب کے حقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی خطائیں بخشنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔ یہ اپنے اس قسم کے عبادت گزار بندوں کو ان کے حق سے محروم نہ کرے گا۔ اس آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کافر اور مشرک مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے انہیں اذیتیں پہنچائیں گے انہیں وطن سے نکال دیں گے ان سے جنگ کریں گے لیکن مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہمت نہ ہاریں وہ اپنے ایمان پر ڈٹے رہیں اگر کافر مسلمانوں کو جلا وطن کر دیں۔ ان سے جنگ کریں تو مسلمانوں کو ان کا مقابلہ ڈٹ کر کرنا چاہیے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اور کرم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے۔ اگر اس راہ میں مشکلات آئیں تو وطن تک کو چھوڑ دیا۔ اگر پھر بھی دشمنان دین نے چین نہ لینے دیا۔ تو جہاد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ لیکن دین سے غافل نہ ہوئے۔

شراب اور جوا

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
تجھ سے پوچھتے ہیں سے شراب اور جوا۔ تجھ سے شراب اور جوا کا حکم پوچھتے ہیں۔

عَنْ: (سے) یعنی شرعی حکم کے بارے میں اور حلال و حرام کی بابت۔

الْخَمْرُ، (شراب) خمر کے لفظی معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا ہیں۔ اور مٹی کو خمر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سر کو ڈھانپ لیتی ہے شراب کو بھی خمر اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس سے انسانی عقل پر پردہ پڑتا ہے۔ اور انسان کے حواس درست طور پر باقی نہیں رہتے انکو اور کھجور کی شراب کے علاوہ خمر بہر اس چیز کو کہا گیا ہے جو نشہ آور ہو۔

الْمَيْسِرُ، (جوا) یہ لفظ بھی اپنے وسیع معنی میں آیا ہے۔ اور جوا کے تمام قسموں پر حاوی ہے۔ خواہ وہ کسی صورت اور نام سے ہو۔

اسلام سے پہلے شراب اور جوا کا عرب میں عام رواج تھا۔ ہر چھوٹا بڑا اس قدر شراب پیتا تھا کہ گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور جوا کے قسموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ ان دونوں کے نتیجے میں جنسی تعلقات کی ابتری، مالی مشکلات اور ظلم و تعدی کی دبا عام طور پر پھیلی ہوئی تھی لیکن اس حالت پر غور کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی عقل ان چیزوں کے عوض بیچ چکے تھے۔ بعض صحابہؓ کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شراب اور جوا کے بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود دریافت کیا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال و دولت کو برباد کرنے والی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم و تربیت سے آپ کے صحابیوں میں ایسی ناپاک اور گندی چیزوں کے بارے میں نفرت کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ جن نیکیوں اور خوبیوں کا حکم اسلام دیتا ہے ان کے حاصل کرنے میں شراب اور جوا جیسی چیزیں سدراہ ہیں۔ کیونکہ ان احکام سے یہ مقصود ہے کہ ہمارے اندر پاکیزگی، نیکی اور عاقبت اندیشی پیدا ہو۔ اس کے برعکس شراب اور جوا سے عقل جاتی رہتی ہے۔ گالیاں بکنے کی عادت پڑتی ہے۔ گندگی کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے۔ طبیعت حرام کاری کی طرف مائل ہوتی ہے۔

اسرائیلی پیغمبروں نے بھی شراب اور جوا کے حرام ہونے کے بارے میں اپنی اپنی امتوں کو حکم دیئے۔ لیکن ان کے پیرو ممانعت کے باوجود باز نہ رہ سکے۔ آخر کار اسلام ہی نے ان کی بُرائی کو اس قدر کھول کر بیان کیا۔ کہ آج امت مسلمہ میں جس قدر حقارت کی نظروں سے شرابی اور جوا کی کو دیکھا جاتا ہے۔ شاید ہی کسی اور غلط کار اور بدکار کو دیکھا جاتا ہو۔ شراب کی حرمت کے سلسلہ میں یہ پہلی آیت ہے۔ یہیں سے شراب اور جوا کے حرام ہونے کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

شراب اور جوئے کے بارے میں حکم

قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعٌ
 قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعٌ
 کہہ ان دونوں میں گناہ بڑا اور نائدے
 لِلنَّاسِ نَزْلٌ وَ اِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ
 لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ بڑا سے
 نَفْعِهِمَا
 ان کا نائدہ۔
 بڑا ہے۔

صحابیوں کے اس سوال کے جواب میں کہ شراب اور جوئے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے صاف حکم بتایا کہ دونوں گناہ ہیں۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ان دونوں چیزوں میں لوگوں کے لئے نائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ لیکن ان کے نقصانات نائدوں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے عقل سلیم کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ دونوں چیزیں چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

اِثْمٌ (گناہ) سے مراد سب روہ نعل ہے۔ جو نیکی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اس لفظ کے استعمال نے بتا دیا کہ شراب اور جوئے انسان کو نیکی سے روکتے ہیں جس قوم میں اور جس سوسائٹی میں شراب عام ہو۔ وہاں فساد، بے حیائی اور گناہ بہت بڑھ جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو وہ اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ بدکاری اور حرام کاری میں الجھ جاتا ہے۔ اپنے فرائض سے غافل ہو جاتا ہے۔ نشہ کی حالت کو پورا کرنے کی اگر استطاعت باقی نہ رہے۔ تو ناجائز اور حرام طریقے سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چوری، ٹھگی، غبن، قتل اور غارتگری سے بھی نہیں چوکتا۔

جو انسان کی مالی حالت کو تباہ کر دیتا ہے۔ ٹوٹ مار، چوری، غبن، لالچابی پن کی طرف مائل کرنا ہے۔ عیاشی اور فضول خرچی تو اس کے اولین اثرات ہیں۔ جو ایک جواری کو آگھیرتے ہیں۔ جوئے کی مختلف شکلیں ہیں مثلاً گھڑوڑ کی شرطیں، لاٹریاں اور ڈسے وغیرہ۔ ممکن ہے شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہو۔ کئی آدمی اس بہانے سے شراب پیتے ہیں۔ لیکن جب دوسری دوا موجود ہو تو شراب کیوں کر روا ہو سکتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ شراب سرور آور ہے۔ لیکن کتنی دیر کے لئے؟ اور نشہ اترنے کی تکلیف کس قدر جانگسل ہوتی ہے۔ شراب غموں کو بھلاتی ہے۔ مگر کتنے لمحات کے لئے؟ اور انجام کار دولت کی بربادی، اخلاق کی خرابی جسمانی بیماریاں اور خدا و خلق میں رسوائی۔

یہی حال جوئے کا ہے۔ عارضی جیت ہو سکتی ہے۔ مگر مار نہ ہونے کی کیا ضمانت ہے۔ اور یہ مفت کا جیتا ہوا روپیہ کس کے پاس رہتا ہے۔ ہم نے آج تک کسی جواری کو دولت مند بنتے نہیں دیکھا ہے۔ اگر مفت میں کماتے ہیں تو حرام میں لٹاتے ہیں۔

مالی قربانیوں کا معیار

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں
قُلِ الْعَفْوَ ۗ
کہہ دے جو اپنے خرچ سے بچے۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں
قُلِ الْعَفْوَ ۗ
کہہ دے جو اپنے خرچ سے بچے۔

الْعَفْوُ، (جو اپنے خرچ سے بچے) انگریزی زبان میں اس لفظ کے مفہوم سے قریب تر لفظ سرپلس (SURPLUS) ہے جسے فارسی میں 'زائد از ضرورت' بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے جائز اور ضروری اخراجات نکال کر جو بچا سکتے ہو۔ وہ خرچ کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی سوسائٹی کی مالی حالت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کا بہترین قاعدہ بیان فرمایا ہے۔ اس قاعدہ پر عمل کرنے سے وہ مقصد پورا ہو سکتا ہے جسے حاصل کرنے کے لئے بہت سی قومیں کوشش کرتی رہی ہیں۔ لیکن پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکیں۔ یعنی ایسا نظام جس میں ہر شخص کی روزی کا سامان کر دیا جائے۔ قوم بیکاری اور غربت کی لعنت سے نجات حاصل کرے۔ فاقہ کشی سے بچ سکے! افلاس کی بنا پر کوئی خودکشی، عصمت فروشی، اخلاق سوزی اور انسانیت کشی پر مجبور نہ ہو۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص حلال اور جائز طریقے سے روپیہ کماٹے اس میں سے اپنی ضرورتیں پوری کرے۔ جائز ضروریات کے بعد جو بچا سکے وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔

اس حکم میں ان تمام خرابیوں کا علاج ہے جو انسانی سوسائٹی میں اس وقت موجود ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل انسانی محنت کی قدر و قیمت بہت کم ہو گئی ہے۔ جہاں اور ذہنی کوششوں کا پورا معاوضہ حاصل نہیں ہوتا۔ انسانی محنت کی جگہ اب 'بٹرنے' نے لے لی ہے۔ چنانچہ سوسائٹی دو گروہوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک نہایت امیر طبقہ جو تعداد میں بہت قلیل ہے اور دوسرا نہایت غریب طبقہ جو تعداد میں بہت زیادہ ہے۔ ایک طرف عیاشی آرام پرستی اور اقتدار ہے۔ دوسری طرف غربت، مشقت اور بے بسی ہے۔ امراء غریبوں کے خون سے اپنی تجوریوں بھر رہے ہیں۔ اور غریب ان کے پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں۔ اس سے عوام میں بے چینی اور مایوسی پیدا ہو گئی ہے۔

مغربی اقوام نے اس کے کئی حل سوچے۔ لیکن سب ناکام ہو گئے! اس کا بہترین اور واحد حل وہی ہے جو قرآن مجید نے تجویز کیا ہے یعنی یہ کہ ہر دولت مند شخص اپنے پاس صرف اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہی روپیہ رکھے اور باقی مستحق لوگوں پر تقسیم کر دے۔ ظاہر ہے کہ اس حکم پر عمل کرنے سے نہ تو روپیہ چند ہاتھوں میں اکٹھا ہوگا۔ نہ افلاس بڑھے گا۔ بلکہ محنت سے کام کرنے والا شخص کبھی بھوکا نہ مرے گا۔ یہ ہے موجودہ مالی خرابیوں اور غربت کی اصلاح کا طریقہ جو کسی اور کے پاس نہیں۔

غور و فکر کی دعوت

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ
 لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
 تا کہ تم فکر کرو۔ میں دنیا اور آخرت۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ
 لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
 تا کہ تم فکر کرو۔ دنیا اور آخرت کی باتوں میں۔

پچھلے سبق میں آپ پڑھا آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے سیدھے اور صاف راستے بتائے ہیں جنہیں اختیار کر لینے کے بعد ہم دنیا کی حالت کو بہتر اور مضبوط بنا سکتے ہیں۔ غربت، افلاس، بے بسی، فاقہ کشی، بے چینی اور ایسی جیسی انسان کش چیزیں نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ غریبوں کی تنگ دستی اور افلاس ختم کر سکتے ہیں۔ ایسا ہو جائے تو پھر ہڑتالوں، دنگا فساد اور لڑائی جھگڑے کی نوبت ہی نہیں آسکتی۔ ہر شخص محنت کر کے اپنی ہمت اور قابلیت کے مطابق روزگار حاصل کر سکے گا۔ تجارت اور صنعت بڑی خوش اسلوبی سے ترقی کرتی چلی جائے گی۔

اللہ کے احکام ہمارے سامنے ہیں۔ دیرِ نقطہ اس بات کی ہے کہ ہم سوچ سمجھ سے پورے طور پر کام لینا شروع کر دیں۔ ان میں دنیاوی فوائد کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں۔ جن کو آخرت کے فوائد کہا گیا ہے۔ ان کا سمجھنا غور و فکر پر موقوف ہے۔ بہر حال ان احکام کا انسان کے اندر ایک صاف شکل میں ہونا ضرور اس بات کو چاہتا ہے کہ آدمی ان پر غور کرے اور فکر سے ان کا مفید ہونا معلوم کرے۔ اس وقت تک ان احکام کے فوائد تجربے سے بھی ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات یقیناً فکر کی معاون ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری بہتری اور رہنمائی کے لئے جو مختلف احکام نازل فرمائے ہیں۔ کیا یہ اس لئے ہیں کہ ان کی طرف توجہ نہ دی جائے؟ ان سے غفلت اور لاپرواہی برتی جائے؟ ان کی ہنسی اڑائی جائے؟ ہرگز نہیں۔ احکام الہی انسانی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔ دنیا میں خوشحالی اور سکون لاتے ہیں۔ آخرت میں سرخروئی اور انعام کا سبب بنتے ہیں۔ ان سے ناواقف رہنے سے انسان اندھیرے میں جا پڑے گا۔ اور ان کو اختیار کرنے سے چاروں طرف روشنی پائے گا۔

دنیا میں کیونکر زندگی گزارنی ہے؟ آخرت کے لئے کیونکر توشہ بنایا جائے؟ یہ سب کچھ ان احکام میں مذکور ہے۔ ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے سے ہی انسان زندگی کا حقیقی لطف اٹھا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ہمیں بار بار غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ احکام الہی سے تمہاری عقبی بھی درست ہوگی اور خود یہ دنیا بھی سنور جائے گی۔

یتیموں کی اصلاح

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ - قُلْ - اِصْلَاحُ
 اور تم سے پوچھتے ہیں یتیم کے بارے میں سنو ان کا
 لَہُمْ خَيْرٌ
 ان کے کام کا بہتر ہے۔
 وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ اِصْلَاحُ
 اور تم سے یتیموں کے بارے میں حکم پوچھتے ہیں کہہ دے ان کے
 لَہُمْ خَيْرٌ
 کام کا سنو ان کا بہتر ہے۔

الْیَتَمٰی (یتیم) یہ لفظ یتیم کی جمع ہے اور یتیم سے مراد وہ لڑکا یا لڑکی ہے جس کے سر سے باپ یا ماں یا دونوں کا سایہ اٹھ گیا ہو۔ باپ کے مرجانے سے اگر بچہ یتیم ہوا ہو۔ تو اس کی یتیمی اور بھی زیادہ قابل رحم ہو جاتی ہے۔
 اِصْلَاحُ: (سنوارنا) اس میں ہر طرح کی جسمانی مالی اور اخلاقی سنوارا جاتی ہے۔ یہاں اس کا تعلق خاص طور پر مالی اصلاح سے ہے۔
 یہ آیت ان صحابہ کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔ جن کی سرپرستی میں یتیم بچے پرورش کے لئے دیئے گئے تھے۔ بعض لوگ یتیموں کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتَامَىٰ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ (یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اچھے طریقے کے) اس پر جو لوگ یتیموں کے سرپرست تھے ڈر گئے اور ان کے خرچ کو بالکل جُدا کر دیا۔ خرچ الگ کرنے میں یہ دقت پیش آئی کہ جو چیز یتیموں کے لئے تیار کی جاتی۔ اس میں سے اگر کچھ بچ رہتی تو وہ خراب ہو جاتی۔ اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا۔ اس لئے انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ یتیموں کے خرچ کا کیا نظام رکھا جائے۔ اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ رہنے دیا جائے۔
 اس آیت میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ اصل مقصد تو یتیموں کی اصلاح ہے جس طرح بھی ممکن ہو۔ کوئی تدبیر اختیار کرو۔ نیت اور ارادہ صرف اصلاح اور یتیم کی بہتری ہو۔ خواہ خرچہ ساتھ ہو یا جُدا۔

سوسائٹی میں ایسے بچوں کی تعداد اچھی خاصی ہے جو اپنے والدین کی شفقت سے بچپن میں محروم ہو گئے۔ ایسے بچوں کی تعداد جنگ کے زمانہ میں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ وہ اپنی جائیداد اور مال و اسباب کا صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے اہل نہیں ہوتے۔ ان بچوں کی نگہداشت نہایت ضروری ہے۔ وگرنہ ان کیلئے بے راہ رو ہو جانے اور بگڑ جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے جو لوگ ان کی سرپرستی و تربیت اپنے اوپر لیں انہیں ان کے مال و جائیداد کو نہایت دیانتداری کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔
 آج کل یتیموں کی پرورش اور یتیم خانوں کا اجراء ایک باقاعدہ تجارتی مشغلہ بن کر رہ گیا ہے۔ بعض اداروں کے کرتادھرتا اپنی ناجائز اغراض کے لئے یتیم بچوں کو اپنا آلہ کار بناتے ہیں۔ معاشی، سماجی اور اخلاقی لحاظ سے نہایت دلیل درسا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کی تربیت اور نگہداشت پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اور اس کا اجر و ثواب کثیر بیان فرمایا ہے۔

یتیموں کے بارے میں احکام

وَإِنْ تَخَاطَبُوهُمْ فَاخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ

اور اگر ان کا خرچ ملا تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور

يَعْلَمُ الْمُنْفِيسَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَاللَّهُ

جانتے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے (کے فرق) کو جانتے ہے۔

شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبُكُمْ إِنْ لَمْ يَرْزُقْ

اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا بے شک اللہ

حَكِيمٌ ۲۲۰

زبردست تدبیر والا ہے۔

وَإِنْ تَخَاطَبُوهُمْ فَاخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ

اور اگر ان کا خرچ ملا تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ

يَعْلَمُ الْمُنْفِيسَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَاللَّهُ

جانتے خرابی کرنے والے سے سنوارنے والے اور اگر

شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبُكُمْ إِنْ لَمْ يَرْزُقْ

چاہتا اللہ تو تم پر مشقت ڈالتا بے شک اللہ زبردست

حَكِيمٌ ۲۲۰

تدبیر والا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سوال یتیموں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع حکم ارشاد فرمایا کہ یتیموں کی اصلاح بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ ان کی حیثیت تمہارے بھائیوں کی سی ہے۔ ان کے ساتھ تکلف کیسا؟ مقصود تو یہ ہے کہ یتیم کے مال کی اصلاح اور درستی ہو۔ سو جس طرح بھی ہو اسی طرح کر لینا چاہیے۔ اگر یتیم کا فائدہ اس میں ہو کہ اس کا حساب علیحدہ رکھا جائے۔ تو یوں کر لینا چاہیے۔ اور اگر بہتری اس میں نظر آئے کہ اس کا مال اپنے مال سے ملا لیا جائے تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ آخر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

پرانی تہذیبوں میں اور ان کے علاوہ موجودہ کئی قوموں میں یتیموں کو نہایت حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسلام نے فاختوا انکم کہہ کر بتا دیا کہ انسان ہونے کے لحاظ سے ان میں اور تم میں کوئی فرق نہیں۔ وہ تمہیں ایسے ہی عزیز ہونے چاہئیں جیسے تمہارے بھائی تمہیں عزیز ہیں۔ انہیں ترقی کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ ان کی راہ میں کسی طرح بھی روڑے نہیں اٹکانے چاہئیں بلکہ ان کے مقصد کو حاصل کرنے میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ جس طرح بھائی اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں تمہیں ان کی اصلاح و درستی پیش نظر رکھنی چاہیے اور اس کے لئے کوئی سا بھی طریقہ جو تم پسند کرو۔ اسے اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ سب کی نیتیں جانتا ہے اور خوب سمجھتا ہے کہ کون فساد می اور کون مصلح ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ اگر وہ چاہتا تو یتیموں کے بارے میں وہ تمہیں سخت حکم بھی دے سکتا تھا۔ جو تمہیں پورے کرنے پڑتے۔ اس لئے کہ وہ زبردست اور غالب ہے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ہر حکم کی مصلحت سمجھتا ہے۔ وہ ایسے حکم نہیں دیتا جو تم پر گراں اور مشکل ہوں۔

مشركہ سے نکاح

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ ط
اور نہ نکاح کر مشرک عورتیں جب تک ایمان لائیں۔
اور مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔

الْمُشْرِكَاتِ: (مشرک عورتیں) یہ مشرکہ کی جمع ہے۔ یہ لفظ شرک سے بنا ہے۔ یعنی وہ عورت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتی ہو۔ یہ لفظ اپنے وسیع اور عام معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اس حکم میں ہر کافر عورت داخل ہے۔ محض بت پرست ہونا لازمی نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کی فقہ میں ہر غیر مسلم عورت سے نکاح ناجائز ہے لیکن حنفی علماء کے نزدیک عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ لیکن اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی عورتوں سے نکاح جائز ہے جس کی اجازت شریعت میں باقاعدہ موجود ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس حکم کی مزید تشریح یہ ہے کہ :-

(۱) ہندو، سکھ یا آتش پرست عورت سے نکاح درست نہیں۔ (۲) اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اسے ناپسند فرمایا ہے۔ احادیث میں بھی دیندار عورت سے ہی نکاح کرنے کی ترغیب اور تاکید موجود ہے۔ (۳) ایسی عورت جو اپنی وضع سے اہل کتاب معلوم ہوتی ہو۔ لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے یہ پتہ چل جائے کہ اس کے عقیدے اہل کتاب کے نہیں ہیں۔ تو اس سے بھی نکاح درست نہیں ہے۔

غرض ہر اس عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ جو مومن نہ ہو۔ اسلام نے نکاح کے سلسلہ میں ذات نسل رنگت وغیرہ کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ صرف ایمان دار درست عقیدہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ انتہائی الفت اور رفاقت کا ہوتا ہے۔ دونوں میں گہری مناسبت کا ہونا لازم ہے۔ میاں بیوی کا تمام عمر کامیابی کے ساتھ نباہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بیوی شوہر کی زندگی کے اصل اصول یعنی توحید و رسالت کی منکر نہ ہو۔ اگر یہ مناسبت نہیں ہے۔ تو ان کا زندگی کے ہر پہلو میں کامیابی کے ساتھ چلتے جانا بالکل ناممکن ہے۔ اور اس سے بھی بڑی خرابی اولاد کی تربیت مذہب اور مستقبل پر پڑتی ہے۔ باپ اپنی طرف کھینچتا ہے اور ماں اپنی طرف۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

خاوند اپنی گھریلو زندگی کے تمام معاملات کا فیصلہ اسی عقیدہ کی روشنی میں کرے گا۔ بیوی اپنے عقیدہ کے مطابق سوچے گی۔ اور دونوں میں زبردست اختلاف اور جھگڑا ہوتا رہے گا۔ اس کا برا اثر ان کے بچوں پر پڑے گا۔ اور اولاد کا مستقبل خراب ہو جائیگا۔ اس لئے حکم ہوا کہ استعدت باہ کرنے والے نتائج سے بچنے کے لئے مشرکہ سے نکاح نہ کیا جائے۔ یہود اور مسیحیوں کے ہاں بھی مذہبی طور پر یہ پابندی موجود ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج وہ اس پر عمل نہ کریں۔

مسلمان لونڈی کا درجہ

وَلَا مَمْلُوكَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

اور البتہ مسلمان لونڈی مشرک بی بی سے بہتر ہے
وَلَوْ اَعَجَبْتُمْوهَا

اگرچہ وہ تمہیں بھی لگے۔

وَلَا مَمْلُوكَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے
وَلَوْ اَعَجَبْتُمْوهَا

اور اگرچہ تمہیں بھی لگے۔

آیت کے پہلے حصہ میں ایک مشرک عورت کا مسلم سے ناقابلِ نکاح ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مشرک عورت میں خواہ تمام خوبیاں موجود ہوں! اس میں ظاہری طور پر ہر طرح کی کشش موجود ہو۔ لیکن جب اس میں ایمان کی روشنی نہیں تو مسلمان کے لئے کوئی کشش نہیں ہونی چاہیے! اس کے مقابلہ میں اگر ایک مسلمان عورت جسے خواہ آزادی جیسی نعمت میسر نہ ہو۔ اسے نکاح میں لانا زیادہ بہتر ہے۔

ایک مشرک یا غیر مسلم عورت کی پسندیدگی کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ مال دار ہو۔ بہت سی جائیداد کی مالکہ ہو حسین جمیل ہو۔ تعلیم یافتہ ہو۔ اعلیٰ خاندان سے ہو۔ بہت سلجھی ہوئی ہو۔ لائق و فائق ہو۔ نسوانیت کا ہر تقاضا پورا کرتی ہو۔ لیکن ایک ایماندار عورت کے سامنے اس مشرک کی یہ تمام خوبیاں بیچ ہیں۔ جب کہ اس مشرک کی زندگی کے بنیادی اصول غلط ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ایک مومنہ لونڈی کو پسند نہ کرنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً بد صورتی، غربت یا ان پڑھ اور باندی ہونا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی لونڈی اپنے ایمان کی بدولت مشرک عورت سے برتر ہے۔ اس لئے نکاح کے لئے ایسی عورت کو ترجیح دینے کا حکم دیا ہے۔

مشرک عورت سے نکاح کرنے سے خود شوہر کی اپنی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ بات بات پر اختلاف رائے۔ بات بات پر جھگڑا۔ گھریلو معاملات میں تنازعہ، بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اختلاف رائے۔ اس قسم کی چھٹلش کا اثر نہ صرف خاندان پر بلکہ بچوں پر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بچے اپنے سامنے سیدھی راہ نہیں پاتے۔ باپ کی تعلیم اور ہوتی ہے ماں کی کچھ اور۔ البتہ اگر نکاح کسی مسلمان باندی سے کر لیا جائے۔ تو اس میں ایسی دشواریاں اور الجھنیں نہ پیدا ہوں گی۔ کیونکہ اولاد بہر حال مسلمان رہے گی اور مسلمان ہونا خواہ برکت کے ساتھ ہو مشرک اور کفر سے اولیٰ ہے۔ اس زمانے میں جبکہ غلامی کی لعنت دنیا میں اسلام کی تداویر کی بدولت ختم ہو چکی ہے لونڈی غلام کوئی ہے ہی نہیں! اس لئے یہ آیت فقط اس ممانعت کو تقویت دیتی ہے جو مشرک اور کافر عورتوں سے نکاح کی بابت آیت کے پہلے حصہ میں بیان ہوئی۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت لونڈی غلام موجود تھے۔ اس وقت یہ سمجھا گیا کہ مسلم لونڈی سے شادی کرنے میں بھی کچھ معاشری نقصانات ہیں۔ لیکن وہ ان خرابیوں اور الجھنوں سے کم ہیں جو ایک غیر مسلم عورت کو رفیقہ حیات بنانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ آج بھی ہم اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ ازدواجی رشتے اور تعلقات پیدا کرنے کے لئے اسلام کا خیال سب پر مقدم ہے۔ لونڈیوں کی بابت یہ مسئلہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ ان کی اولاد غلام ہوگی جب تک کہ وہ لونڈی کے مالک سے نہ ہو۔ آزاد عورت کی اولاد آزاد ہی ہوگی۔ خواہ باپ کیسا ہی ہو۔ نیز یہ کہ آج کل لونڈی غلام قطعاً نہیں ہیں۔ اس کا بیان سورہ نساء میں بھی آئے گا۔

مُشْرِكِ مَرَدٍ سَ نَكَاحِ

وَلَا تُنْكَحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا

اور نہ نکاح کرو مشرکین جب تک ایمان لائیں

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَ

البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ

لَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى التَّارِ

اگرچہ تمہیں عجب لگے وہ بلا تے ہیں طرف دوزخ

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ

اور اللہ بلا تے ہیں طرف جنت اور بخشش اپنے حکم سے

وَيَبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲۱﴾

اور بیان کرتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

وَلَا تُنْكَحُوا (نکاح نہ کرو) یہاں خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی لڑکیوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ یہ حکم خود عورتوں کو

براہ راست نہیں مل رہا کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ وجہ ظاہر ہے کہ لڑکی کا نکاح ہمیشہ باپ یا کسی مرد سرپرست کے ذریعہ ہی ہوتا ہے

إِلَى التَّارِ: (دوزخ کی طرف) یعنی ان عقائد اور ان اعمال کی طرف بلا تے ہیں جن کا انجام دوزخ ہے۔

إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ: (جنت اور بخشش کی طرف) یعنی اللہ ایمان و اسلام کی طرف ترغیب دیتا ہے۔ اور ایسا طریقہ زندگی

اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے جس کا انجام جنت و مغفرت ہے۔

بِإِذْنِهِ، (اپنے حکم سے) اذن کے معنی توفیق، ارادہ اور حکم ہیں۔

آیت کے پہلے ٹکڑے میں مسلمانوں کو حکم تھا۔ کہ وہ کسی کافر یا مشرک عورت سے نکاح نہ کریں۔ خواہ وہ انہیں کتنی ہی پسند

آتی ہو۔ اس ٹکڑے میں فرمایا کہ اپنی عورتوں کو بھی کافر مردوں کے نکاح میں ہرگز نہ دو۔ جب تک کہ کافر لوگ ایمان نہ لائیں۔ علماء

تے لکھا ہے کہ شوہر اگر پہلے سے مسلمان ہے اور خدا نخواستہ بعد کو مرتد ہو گیا ہو تو مسلمان عورت اسی وقت اس کے نکاح سے باہر

ہو جائے گی۔ جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ عورت عدت پوری کر کے کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں اور عورت مسلمان ہو گئی تو اب نکاح کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں سوائے

اس کے کہ شوہر بھی اسلام قبول کرے۔

یہاں پھر یہ واضح کر دیا گیا کہ مشرک مرد خواہ تمہیں کتنا ہی پیارا لگے کتنا ہی پسند آئے ہر حالت میں اس غیر مسلم سے مسلمان

غلام بہتر ہے۔ کیونکہ مشرک سے شادی کے اور جو نتائج نکلتے ہیں۔ وہ بہت بھیانک ہوتے ہیں۔ مشرک مرد عقائد و اعمال کی

نہایت بری تعلیم دین گے اور تمہیں دوزخ کی آگ میں جھونکنے کا سبب بنیں گے۔

۲۸۶

حیض کی حقیقت

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ
ہو اذی فاعترزوا النساء فی

گندگی ہے۔ سو تم عورتوں سے حیض کے وقت

الْمَحِيضِ

الگ رہو۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ
ہو اذی فاعترزوا النساء فی

گندگی سو تم الگ رہو عورتوں میں

الْمَحِيضِ

حیض۔

حیض، (حیض) حیض اس خون کو کہتے ہیں جو عورتوں کو ہر ماہ آتا ہے۔ جسے اذی (گندگی) ماہواری بھی کہتے ہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں نے بھی حیض کے خون کو گندہ قرار دیا ہے۔ اور طب کے ماہروں کا بھی دعویٰ ہے کہ یہ ناقص خون ہے۔ یہ خون رنگ بو اور اجزاء کے اعتبار سے بھی عام خون سے مختلف ہے۔ اس میں حد درجہ گرمی ہوتی ہے۔

فاعترزوا، (سو تم الگ رہو) یہ لفظ اغترال سے نکلا ہے جس کے یہاں معنی یہ ہیں کہ عورت سے ہم بستری کے عمل سے الگ رہو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طرف تو مجوسی اور یہودی حیض کے زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا کھانا پینا بھی ناپاک سمجھتے تھے بعض لوگ اس زمانہ میں عورت کو گھر میں رکھنا بھی جائز نہ سمجھتے تھے۔ ہندو آج بھی ایام حیض میں عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتے۔ دوسری طرف عیسائی عین حیض کے ایام میں ہم بستری ہونے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ صحابہ نے آپ سے پوچھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افراط و تفریط کو برائیاں اور فرمایا کہ نہ تو اس قدر نفرت ضروری ہے کہ عورت کو اس گھر میں نہ رہنے دیا جائے اور اس کے ہاتھ کا کھانا ناپاک سمجھ لیا جائے۔ اور نہ اس قدر لاپرواہی کرنی چاہیے کہ مجامعت سے بھی پرہیز نہ کیا جائے بلکہ سیدھی راہ یہ ہے کہ اس حالت میں مجامعت نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔ رہنا سہنا سب درست ہے۔

قرآن مجید زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ یہ زندگی کے ہر اس شعبہ کے بارے میں احکام و ہدایات دیتا ہے۔ جس کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں انسان نہ صرف کھانا پینا۔ سونا ہی ہے۔ بلکہ اس کے اندر جنسی بھوک بھی پیدا ہوتی ہے۔ بچے پیدا کرنے کی خواہش بھی ہوتی ہے۔ خاص تعلقات قائم کرنے کی آرزو بھی ہوتی ہے۔ اس لئے ان تمام باتوں کے متعلق قرآن مجید مناسب حکم دیتا ہے۔

دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز طریقہ اختیار کیا ہے۔ قرآن مجید نے بتایا کہ اس زمانہ میں صرف جنسی اختلاط منع ہے۔ باقی اس کا عام طور پر اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ سب جائز ہے۔ اذی، (گندگی) قرآن مجید نے حیض کو گندگی بتلایا ہے۔ اس کے دوسرے معنی تکلیف اور آزار بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے اسی تکلیف اور آزار کے باعث ان ایام میں ہم صحبت ہونے کو منع کیا گیا ہو۔ آج طبی طور پر بھی یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے۔ کہ ان ایام میں اختلاط متعدد بیماریوں کا باعث ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر حضرات خود بھی اس سے شدید طور پر روکتے ہیں۔

حیض کے بعد

وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا

اور نہ ان کے قریب جاؤ جب تک وہ پاک ہوں جب
تَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَوَهَّنَ مِنْ حَيْثُ أَهْرَكُمُ

وہ پاک ہو جائیں تم ان کے پاس آؤ سے جہاں تمہیں حکم دیا
اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۚ وَ

اللہ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور
يَحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۚ (۲۲۲)

دوست رکھتا ہے پاک رہنے والے۔

وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا

اور جب تک وہ پاک نہ ہوں ان کے قریب نہ جاؤ پھر جب
تَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَوَهَّنَ مِنْ حَيْثُ أَهْرَكُمُ

وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جیسے اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔
اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۚ وَ

بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ
يَحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۚ (۲۲۲)

پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

الْمُتَطَهِّرِينَ، (توبہ کرنے والے) اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جن سے شرعی احکام میں کبھی اتفاقیہ طور پر کوئی غلطی ہو جائے۔ اور
وہ بعد میں توبہ کر لیں اور اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں۔

الْمُتَطَهِّرِينَ: (گندگی سے بچنے والے) خاص طور پر اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عورت کی ناپاکی اور گندگی کے زمانہ میں جنسی
اختلاط سے بچتے رہیں۔

پچھلے سبق میں قرآن مجید نے حیض کو گندگی اور نجاست قرار دیا تھا اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب یہ گندہ خون آنا بند ہو جائے اور
عورت غسل کر لے تو پھر اس سے اختلاط جنسی کی اجازت ہے۔ یہ جائز فعل فطری اور جائز طریق سے ہونا چاہیے بغیر فطری طریقہ سے نہیں۔
ہم پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مزد و عورت میں جنسی کشش رکھی ہے اور جنسی عمل سے اگرچہ طبعی لذت بھی حاصل ہوتی ہے
لیکن یہ لذت ہی آخری مقصد نہیں ہے۔ میاں بیوی کے تعلق کا اصل مقصد اور نتیجہ حصول اولاد ہے۔ اسے فراموش کر کے اگر کوئی
شخص کسی اور طریقے سے لذت حاصل کرنا چاہے تو وہ بالکل ناجائز ہے۔

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم لواطت میں مبتلا تھی حضرت لوط نے اپنی قوم کو سمجھایا لیکن انہوں نے
ایک نہ مانی اور آخر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اپنے عذاب سے غارت کر دیا اور بعد کی آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بنایا اس
لئے اس چیز کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اگر انسان دوبارہ اس گناہ کا مرتکب ہوگا تو اس پر پھر وہی عذاب آسکتا ہے۔

آخر میں قرآن مجید نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اپنی پھلی غلطیوں پر توبہ کرتے ہیں ان پر نادم ہوتے ہیں۔
اور آئندہ اس غلطی کے مرتکب ہونے سے پرہیز کرتے ہیں اس لئے اگر کوئی شخص ماضی میں اس گناہ کا مرتکب رہا ہو تو اسے فوراً
توبہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ پاکی اور طہارت رکھنے والوں کو بھی پسند کرتا ہے۔

بیوی کا درجہ

نِسَاءُكُمْ - حَرَّتٌ - لَكُمْ - فَأَتُوا حَرَثَكُمْ
 تنہاری عورتیں کھیتی تمہاری سوجاؤ اپنی کھیتی
 نِسَاءُكُمْ - حَرَّتٌ - لَكُمْ - فَأَتُوا حَرَثَكُمْ
 تنہاری عورتیں کھیتی تمہاری سوجاؤ اپنی کھیتی
 آتی - شِئْتُمْ
 آتی شِئْتُمْ
 جسطرح تم چاہو۔
 جسطرح تم چاہو۔

حَرَّتٌ: (کھیتی) کھیت زمین کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جس میں بیج بویا جاتا ہے اور اس میں سبزی غلہ اور نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ گویا بیوی تمہاری نسل بڑھانے اور اولاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ ازدواج کے سلسلہ میں بیوی کی صحیح حیثیت واضح کر دی ہے۔ یعنی یہ کہ بیوی مرد کی کھیتی ہے اور جس طرح کسان اپنی کھیتی کو اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر عزیز رکھتا ہے۔ اس کی نگرانی کرتا ہے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس سے پیداوار حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کو بھی اپنی عزیز ترین دولت سمجھے۔ اس کی مناسب نگرانی کرے اور اس سے اولاد حاصل کرے۔

گویا ثابت ہوا کہ اسلام کے نزدیک ہم بستری کا اصل مقصد حصول اولاد ہی ہے۔ اگرچہ اس کے دوسرے پہلو یعنی طلب لذت کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ ضبط تولید طبعی امر نہیں ہے۔ کیونکہ کون ایسا احمق کسان ہوگا۔ جو بیج تولوے لیکن فصل نہ چاہے۔ پودا اگنے سے پہلے ہی اسے اکھاڑ پھینکے۔ پھر یہ امر بھی روشن ہو جاتا ہے کہ جس طرح کسان اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کے لئے دُعا کرتا ہے فصل کے پھلنے پھوٹنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح شوہر کو بھی اللہ تعالیٰ سے صالح اولاد لینے کے لئے دُعا کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے کھیتی کی مثال دے کر بہت کچھ سمجھا دیا ہے۔ کاش انسان اس مثال پر غور کرے اور ان تعلقات کو اپنی زندگی اور انجام کار کے اعتبار سے مبارک بنا لے۔

آتی شِئْتُمْ: (جہاں سے تم چاہو) لفظ آتی کے معنی جہاں کے ہیں۔ اس کے علاوہ جب اور جس طرح کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس مسئلہ کو کیسے پر حکمت طور پر اشاروں اشاروں میں سمجھایا ہے کہ طریق کار اور وقت پر پابندی نہیں۔ ہاں اس بات پر پابندی ہے کہ غیر فطری طریق اختیار کر کے اپنی قوت اور نسل کو ضائع نہ کرو۔ اس کی مزید تفصیل آیت کے آخری حصہ میں موجود ہے جو اگلے سبق میں آئے گی۔

آئندہ کی فکر

وَقَدْ مَوَّأَ لِنَفْسِكُمْ وَأَتَّقُوا اللَّهَ

اور آگے کی تدبیر کر اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ

وَأَعْلَمُوا أَنَّهُمْ مَلْفُؤَةٌ وَبَشِيرِ

اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۳۳﴾

ایمان والوں کو۔

وَقَدْ مَوَّأَ لِنَفْسِكُمْ وَأَتَّقُوا اللَّهَ

اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَأَعْلَمُوا أَنَّهُمْ مَلْفُؤَةٌ وَبَشِيرِ

اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور ایمان والوں

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۳۳﴾

کو خوشخبری سنا۔

یہ بات اس سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ موت کے بعد ہماری زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ نئے دور میں داخل ہو جاتی ہے اور وہاں اس کا آرام یا کوفت ان اعمال پر منحصر ہے۔ جو ہم اس دنیا میں کرتے ہیں اس زندگی کے افعال و اعمال کا برا یا بھلا عکس اس کی زندگی کی ناکامی یا کامیابی کی شکل میں پڑتا ہے۔ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ہمیں سختی اور صعوبتیں جھیل کر مستقبل کے لئے توشہ بنانا ہے۔ وہ آخرت جزا و سزا پانے کی جگہ ہے۔

پچھلے سبق میں مرد و عورت کے تعلقات بیان کئے گئے تھے۔ اور بتایا گیا تھا کہ ان کے جنسی ملاپ کا اصل مقصد اولاد اور نسل ہے۔ اب آیت کے اس حصہ میں تاکید کے طور پر یہ یاد دہانی کرادی گئی ہے کہ آئندہ کے لئے اپنے حق میں کچھ کرتے رہو اور اس عین لذت کے مشغلوں کے وقت بھی بالکل لذت پرستی میں غرق نہ ہو جاؤ۔ بلکہ اپنی لذتوں کو بھی اطاعت و عبادت بنا لو۔ اور یہ اسی طرح بنایا جاسکتا ہے کہ تم بہر کام کرتے وقت اس کا انجام بہتر بنانے کی فکر کرو۔

تقویٰ کی تاکید قرآن مجید نے بار بار کی ہے کہ انسان ہر حال میں، زندگی کی ہر حالت میں اٹھتا بیٹھتا، سوتا، جاگتا، کھاتا، پیتا اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے! فراط و تفریط سے بچ کر سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ وہ اہل ایمان کو نیک جزاء کی خوشخبری سناوے جن کے اوصاف یہ ہیں۔

۱۔ تَدْمُوْا لِنَفْسِكُمْ كُو سَانِي رَكْهْتِي هُوْثِي مَوْنِي كُو آئِنْدِي كِي فِكْرِي هُوْتِي هِي۔ وَهِي لَذْتِي وَشَهْوَتِي كُو مَطْلُوبِي نِي نِي نِي بَلْكَ اِنْجَامِي كَارِي اُوْرِي بِيْتَرْتَا شُجِي كُو مِيْشِي نَظَرِي رَكْهْتَا هِي۔

۲۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ كَا حَكْمِي بَارِي سَانِي سِي مَدْعَايِي هِي كِي مَسْلَمَانِي خِدَاخُوْفِي اُوْرِي بِرِيْتَرْتَا شُجِي كِي اِنْدِي رَايَكِي مِثَالِي اِنْسَانِي بِنِي جَايِي دُنْيَا سِي دِي كِيهِ كَرِي شُكِي كَرِي۔

۳۔ مَلْفُؤَةٌ (تم اسے مننے والے ہو) عین جنسی مسائل کے ذکر میں یاد دلایا جا رہا ہے۔ کہ آخر تمہیں اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ خبردار کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے اس دن شرمساری ہو۔

قسموں کا غلط استعمال

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ
 اور مت بناؤ اللہ نشانہ اپنی قسموں کے لئے
 أَنْ تَبْرُوا وَتَتَّقُوا وَتَصْلِحُوا بَيْنَ
 کہ نیک سلوک کرو اور پرہیزگاری کرو اور صلح کراؤ میں
 النَّاسِ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾
 لوگ اور اللہ سنتا جانتا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ
 اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے لئے نشانہ مت بناؤ
 أَنْ تَبْرُوا وَتَتَّقُوا وَتَصْلِحُوا بَيْنَ
 کہ نیک سلوک کرنے اور پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرانے سے
 النَّاسِ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾
 (بچ جاؤ) اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

عُرْضَةً: (نشانہ) یہ لفظ نشانے اور ڈھال کے علاوہ رکاوٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں اس کے معنی رکاوٹ ہی ہیں۔

سَمِيعٌ: (سنتا ہے) اللہ تعالیٰ انسان کی باتوں کا سننے والا ہے اس لئے انسان کو ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالنی چاہیے
 عَلِيمٌ: (جانتا ہے) اللہ تعالیٰ انسان کے حالات جاننے والا ہے اس لئے اسے اپنی نیت میں برکت اخلاص رکھنا چاہیے
 تَبْرُوا: (تم نیک سلوک کرو) یہ لفظ برسے سے جس کے معنی نیکی کے ہیں
 بعض لوگ کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ نہ اس کے پاس جاؤں گے اور نہ اس سے بولیں گے۔
 نہ اس کے اور اس سے لڑنے والوں کے درمیان صلح صفائی کرائیں گے۔ یہاں تک کہ قریبی رشتہ داروں میں بھی اس قسم کی ناچاقیاں ہو
 جاتیں اور پھر یہ قسمیں بہت سے نیک کام چھوڑ دینے کا بہانہ بن جاتیں۔ جب کوئی کہتا کہ ان کاموں کو کیوں کرنا چھوڑ دیا تو یہی
 بہانہ پیش کر دیتے کہ ہم تو اس کام کی قسم کھا چکے ہیں۔

نیک کاموں کو چھوڑ دینا تو ویسے ہی بُرا تھا۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کا بزرگ و بزرگ نام لے کر نیک کاموں سے بچنے کی
 صورت پیدا کی جائے۔ آیت اسی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور حکم ہو رہا ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا اور اگر کسی نے قسم کھا بھی
 لی ہو تو اس کا توڑنا اور کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ علماء نے بے ضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے
 کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی بے توقیری ہوتی ہے۔ اور بڑے کام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا تو اور بھی بُرا ہے۔
 اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک اور عظمت و جلال والا ہے۔ اس کا نام بھی بڑی شان اور بزرگی والا ہے۔ اس قدر اونچے
 اور عالی نام کو بڑے کاموں پر گواہ بنانا نہایت بُرا ہے۔ پھر اس کے نام کو نیک کام کے نہ کرنے کے لئے عذر بناٹے رکھنا اور
 بھی بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک کام سے نہیں دکتا۔ اس لئے یہ عذر بالکل بے معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ایسے کاموں کے لئے ہرگز
 نہیں کھانی چاہیے۔ اور اگر غلطی سے کوئی کھا رکھی ہو۔ تو اسے توڑ کر کفارہ دے دینا چاہیے۔

لغو تسمیٰ میں

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ
 وَ لَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ
 وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ تمہیں پکڑتا نہیں ہے ہودہ میں تمہاری تسمیٰ
 لیکن تمہیں پکڑتا ہے ان پر جن کا ارادہ کیا تمہارے دل
 اور اللہ غفورِ حلیم ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا۔

بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ (تمہاری بیہودہ قسموں پر) لغو بیہودہ قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو بناو واقفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں یا محض عداوت کے طور پر بے ساختہ زبان سے نکل جاتی ہیں اور ان میں ارادہ کے بغیر بھی جھوٹ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ عالموں نے بتایا ہے کہ لغو کی کئی قسمیں ہیں۔ ان کا تعلق گذرے ہوئے واقعات سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور عداوت سے بھی کہ آدمی یونہی بلا وجہ قسمیں کھاتا رہے۔ بات بات پر قسم کھائے۔ علماء نے نہایت ناپسندیدہ امر قرار دیا ہے۔

غَفُورٌ: (بخشنے والا) اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے۔ اپنی اسی شان سے کام لیتے ہوئے اس نے ایسی قسموں پر مواخذہ معاف کر دیا۔

حَلِيمٌ: (تحمل کرنے والا) اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے۔ اپنی اسی شان سے کام لیتے ہوئے وہ لغو قسموں پر بھی سزا نہیں دیتا بلکہ سزا کو ملتوسی کر دیتا ہے تاکہ انسان کو توبہ کا موقع مل جائے۔

پہلی آیت میں ذکر ہو رہا تھا کہ نیک سلوک، نیکو کاری، پرہیزگاری اور صلح صفائی کے کام محض اللہ کی نام کی غلط قسموں کا بہانہ بنا کر ترک نہ کرو۔ ایسی قسمیں کوئی معنی نہیں رکھتیں ہیں۔ مثلاً کوئی کہے اللہ کی قسم میں آئندہ مسجد میں نماز نہ پڑھوں گا۔ یہ غلط قسم ہے کیونکہ اللہ تو مسجد میں نماز ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ شخص خود اللہ کا نام اس کام سے باز رہنے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔

اب اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ قسم وہ معتبر ہے جو دل سے کھائی جائے۔ یہ نہیں کہ عداوت کے طور پر یا جھوٹ موٹ غلط سلط قسم کھالی اور ڈٹ گئے۔

بیہودہ قسمیں قابل مواخذہ نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انہیں توڑ کر کفارہ ادا کر دینا چاہیے اور ایسی لغویات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسلام ایسے بکے اور چھپورے پن کو پسند نہیں کرتا ہے۔

طلاق کی ابتدا

لِ-الَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ
 لے جو لوگ قسم کھاتے ہیں سے اپنی عورتیں
 تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُ
 بہت چار ماہ پھر اگر باہم مل جائیں
 فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۲۲۶) وَإِنْ
 تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان اور اگر
 عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
 ارادہ کریا طلاق تو بیشک اللہ سننے والا
 عَلِيمٌ (۲۲۷) جاننے والا۔

لِالَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ
 جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم کھاتے ہیں۔
 تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُ
 (ان کے واسطے) چار ماہ کی مہلت ہے۔ پھر اگر باہم مل جائیں
 فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۲۲۶) وَإِنْ
 تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر
 عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
 طلاق کا ارادہ کریا تو بے شک اللہ سننے والا
 عَلِيمٌ (۲۲۷) جاننے والا ہے۔

یُؤْلُونَ (قسم کھاتے ہیں) ایلاء سے بنا ہے۔ اس کے معنی قسم کھانا ہیں اور اصطلاح میں بیوی سے جدا رہنے کی قسم کھانا مراد ہے۔ عربوں میں اس کا عام رواج تھا کہ ذرا غصہ آیا اور بیوی سے جدا رہنے کی قسم کھا بیٹھے۔ طلاق (پھوڑ دینا) قانونی طور پر خاوند اور بیوی کے باہمی تعلقات بالکل ختم ہو جانے کا نام طلاق ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا میں طلاق کے متعلق مختلف طریقے رائج تھے۔ یہودیوں کے ہاں طلاق کے سلسلہ میں کوئی قید یا ذمہ داری نہ تھی۔ جس کا جب جی چاہتا۔ بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ بیوی اسی وقت دوسرا خاوند کر سکتی تھی۔ اس آزادی کے مقابلہ میں عیسائیوں نے بہت زیادہ سختی اختیار کی۔ خاوند و بیوی کے علیحدہ ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہ رکھی۔ سوائے اس کے کہ بیوی کسی سے زنا کرے۔ یہی حال ہندو مذہب کا ہے۔ ان کے ہاں طلاق آج تک ناجائز چلی آرہی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔

عربوں کا دستور تھا کہ شوہر ایلاء کر لینے کے بعد جو ان کے نزدیک ایک طرح کی طلاق تھی۔ بیوی کے خرچ، دوسری ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی سے علیحدہ ہو جاتا تھا۔ اسلام نے اس رواج میں اصلاح کی اور بتایا کہ ایلاء نکاح کے فسخ ہو جانے کے برابر نہیں بلکہ صرف آغاز ہے۔ اسلام نے غور و فکر کے لئے ایک مدت مقرر کر دی اور اس مدت کی میعاد چار مہینے رکھی جو اس مقصد کے لئے بالکل کافی ہے کہ خاوند بیوی کی جدائی کے اہم معاملہ اور اس کے سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کرے۔ اسلام نے اس کی اجازت رد رکھی ہے کہ اگر شوہر ایمان داری کے ساتھ محسوس کرے کہ اس کی شریک زندگی اس کے تعاون نہیں کرتی یا جائز تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تو اسے وہ طلاق دے دے۔ بجائے اسکے کہ دونوں تمام عمر کڑھتے رہیں ایک دوسرے سے بیزار میں بہت ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔

عَدَّتْ

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ
اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو
ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ
تین حیض اور نہیں حلال انہیں کہ
يَكْتَسِبْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ
ان کے پیٹ میں جو پیدا کیا ہے وہ چھپا رکھیں اگر
إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ - يَتَرَبَّصْنَ - بِأَنْفُسِهِنَّ
اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو
ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ - وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ - أَنْ
تین حیض اور نہیں حلال انہیں کہ
يَكْتَسِبْنَ - مَا خَلَقَ اللَّهُ - فِي أَرْحَامِهِنَّ
چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ میں ان کے پیٹ
إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ - بِاللَّهِ - وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
اگر وہ رکھتی ہیں ایمان اللہ پر اور دن پچھلا۔

الْمُطَلَّقَاتُ (طلاق والی عورتیں) ہر طلاق یافتہ عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے۔ نفقہ کی رو سے صرف وہ بیویاں مراد ہیں۔ جو آزاد ہوں، بالغ ہوں۔ اور ان سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو۔ وہ عورتیں نہیں ہیں جو شرعی لوندیاں ہوں یا بالغ ہوں اور جنہیں مرد نے چھوڑا ہو۔
يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ: (اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں) یعنی یہ نہ ہو کہ ادھر شوہر نے طلاق دی اور ادھر دوسرا شوہر کر لیا۔ اس طرح یہ تعلق ایک کھیل بن کر رہ جائے گا۔

ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (تین حیض) ویسے قُرُوء کے لفظی معنی محض ایک مقررہ مدت کے ہیں لیکن یہاں اس کے معنی حیض کے ہیں۔
مَا خَلَقَ اللَّهُ: (جو اللہ نے پیدا کیا) رحم کے اندر جو چیز ہو یعنی اگر حمل سے ہوں تو اپنا حمل چھپائے نہیں۔
اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر شوہر عورت کو طلاق دے دے تو اس عورت کو فوراً دوسرا شوہر نہیں کر لینا چاہیے بلکہ تین حیض تک انتظار کرنا چاہیے۔ اس انتظار کی مدت میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ مثلاً ایک تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کا پورا موقع مل جاتا ہے۔ دوسری طرف حمل کی بابت پورا یقین ہو جاتا ہے۔ اس طرح کسی شخص کی اولاد کسی دوسرے کو نہیں ملتی۔ اس لئے عورت کا فرض ہے کہ اس کے پیٹ میں جو ہوا سے ظاہر کر دے۔

اس مدت کو شریعت کی اصطلاح میں عَدَّتْ کہتے ہیں۔ گویا اس سبق میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ نمبر ایک یہ کہ طلاق کے بعد ایک مقررہ مدت تک انتظار کرنا واجب ہے، دوسرے یہ کہ اگر وہ پیٹ سے ہوں تو اسے چھپائیں نہیں بلکہ ظاہر کر دیں۔ ان دونوں حکموں میں بے شمار اخلاقی اور سماجی فائدے ہیں۔

طلاق کے جو مسائل قرآن مجید کے اس حصہ میں مسلسل بیان ہو رہے ہیں۔ وہ ہماری خاص توجہ چاہتے ہیں۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں دنیا میں طلاق ایک دل لگی بن چکی ہے۔ مغرب میں بایں شاید چند فیصدی عورتیں طلاق حاصل نہیں کرتی ہوں گی اور مشرق میں عورتوں پر مظالم ہوتے ہیں۔ مگر طلاق نہیں ملتی۔ آج اسلام کی یہ اعتدال پرور تعلیم عام ہونے کی اشد ضرورت ہے۔

رجعت اور میان بیوی کی حیثیت

وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور ان کے خاوند زیادہ حق رکھتے ہیں انہیں لوٹانے کا میں اس

اگر چاہیں سلوک سے رہنا اور عورتوں کے لئے جیسا

الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ م - وَ

وہ ان پر دستور کے موافق اور

لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط - وَاللَّهُ

مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۲۲۸

زبردست تدبیر والا ہے۔

وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور ان کے خاوند اس مدت میں ان کو لوٹانے کا زیادہ

حق رکھتے ہیں۔ اگر وہ دونوں سلوک سے رہنا چاہیں اور

الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ م - وَ

عورتوں کا بھی دستور کے موافق مردوں پر حق ہے جیسے مردوں

لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط - وَاللَّهُ

کا ان پر ہے اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۲۲۸

زبردست تدبیر والا ہے۔

ذَٰلِكَ: (اس میں) یعنی تین مہینے کی میعاد میں۔

أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ: (انہیں لوٹانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں) اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ خاوند کو چاہیے کہ جہاں تک

ہو سکے بالکل آخری فیصلہ نہ کرے اور بہتر ہے کہ میاں بیوی پھرنے سے پہلے سے آباد ہو جائیں اور مستقل جدائی کی نوبت نہ پیدا ہو۔

اسلامی شریعت نے طلاق کو صرف ضرورت کے موقع پر علاج اور آخری تدبیر کے طور پر جائز رکھا ہے خواہ مخواہ اس کی

ترغیب نہیں دی اور نہ بلا ضرورت اسے پسند کیا ہے۔ رسول پاک کی ایک حدیث میں بھی اسے ابغض المباحات کہا گیا ہے (یعنی

اللہ کی طرف سے جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند) اس لئے اگر شوہر بچا کر کے بعد شوہر

بیوی کو واپس لینا چاہے۔ تو طلاق کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اصطلاح میں اس کو رجعت کہتے ہیں۔

رجعت کی اجازت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین مہینے بھی کر دی ہے کہ طلاق کو محض اس لئے منسوخ کرنا چاہیے کہ آئندہ زندگی میں دونوں

ایک دوسرے کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ رہیں۔ اور اس سے عورت کو تکلیف پہنچانا مقصود نہ ہو شوہر اگرچہ قانونی طور پر طلاق

منسوخ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے نیک سلوک کا تعلق ہے۔ یہ بات قانون سے نہیں بلکہ محض اخلاق اور نیک نیت پر منحصر

ہے۔ اس لئے ظاہری اور باطنی دونوں طور پر انسان کو نیک روش اختیار کرنی چاہیے۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔ دنیا کو

اس چیز کی اطلاع دی گئی ہے۔ کہ تم یہ نہ سمجھو کہ بس شوہروں کے حقوق ہی بیویوں پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیویوں کے حقوق بھی

شوہروں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ البتہ مرد کو عورت پر ایک طرح کی فضیلت در تری حاصل ہے۔ یہ فضیلت مرد کو عقل اور

قوت کے لحاظ سے حاصل ہے۔ یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو نہایت قوت اور حکمت والا ہے ہیں یہ احکام بلا حرج و مان لے چکے ہیں

رجعی طلاق

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ - فَاِمْسَاكُ - بِمَعْرُوفٍ

طلاق دو بار پھر رکھ لینا دستور کے موافق اور تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ - وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ

ان تَاخِذُوا - مِمَّا اتَّيْمُوهُنَّ شَيْئًا

اِلَّا اَنْ يَخَافَا - اِلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ

لیکن جب دونوں ڈریں کہ نہیں قائم رکھ سکیں گے حکم اللہ۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ

طلاق (رجعی) دو بار تک ہے اس کے بعد دستور کے موافق رکھ لینا یا بھلی طرح سے پھوڑ دینا اور تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ - وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ

ان تَاخِذُوا - مِمَّا اتَّيْمُوهُنَّ شَيْئًا

اِلَّا اَنْ يَخَافَا - اِلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ

دونوں اس بات ڈریں کہ اللہ کا حکم قائم نہ رکھ سکیں گے۔

فَاِمْسَاكُ: (پھر رکھ لینا) یعنی پہلی ابتدائی طلاق پائی ہوئی بیوی کو رجوع کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا۔

بِمَعْرُوفٍ: (دستور کے موافق) یعنی شرعی قاعدوں کے مطابق جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔

بِاِحْسَانٍ: (بھلی طرح سے) یعنی طلاق سے مقصود جھگڑے کو دور کرنا اور ناخوشگوار صورت حالات کو ختم کرنا ہے عورت کی دل شکنی، تحقیر یا تذلیل مقصود نہیں۔

مَا اتَّيْمُوهُنَّ شَيْئًا: (جو کچھ عورتوں کو دیا ہو) عام مفسروں نے اس سے مراد مہر کی رقم لی ہے لیکن بعض علماء نے اسے ہر اس مال تک وسعت دی ہے جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہو۔ مثلاً کپڑے، زیور وغیرہ۔

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ شوہر دس بیس جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا لیکن پھر اس سے رجعت کر لیتا۔ اس برائی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا کہ رجعت صرف دو بار طلاق دینے کے بعد ہو سکتی ہے۔ دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے پھوڑ دے لیکن پھر عدت کے بعد رجعت باقی نہیں رہتی۔

ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اور اگر تیسری بار طلاق دے دی جائے تو پھر ان میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔ جب تک وہ عورت کسی مرد کے گھر میں نہ بسے اور وہ دوسرا خاوند مر جائے یا طلاق دے دے۔

کبھی مرد غصہ میں اگر طلاق دے دیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ اب تک بیوی کو جو کچھ دیا گیا ہے۔ وہ سب اس سے پھین لیتا ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے ہاں یہ بڑا دستور اور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اس ظالمانہ اصول کی ممانعت کر دی گئی اور بتایا کہ مہر وغیرہ جو کچھ انہیں پہلے دے چکے ہو۔ اب واپس نہیں لے سکتے ہو۔

اِمْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ اور تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ سے غرض یہ ہے کہ شوہر اگر رجعت کرے تو دستور کے موافق اور حسن معاشرت کے ساتھ رہے اور اگر رخصت کرنا چاہے تو بھی سہولت اور عمدگی کے ساتھ اسے رخصت کرے غرض حسن معاشرت اور حسن سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے۔

خلع

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَاقِيَا حَدُودَ اللَّهِ
 پھر اگر تم ڈرو نہ قائم رکھ سکیں گے حدیں اللہ
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيمَا افْتَدَتْ
 تو نہیں گناہ دونوں پر اس میں کہ عورت بدلے
 بِهِ تِلْكَ حَدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا
 اس سے یہ حدیں اللہ سونہ ان سے بڑھو
 وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ
 اور جو کوئی بڑھ چلے حدیں اللہ سو وہی لوگ
 هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾

ہیں ظالم۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يَاقِيَا حَدُودَ اللَّهِ
 پھر اگر تم لوگ اس بات سے ڈرو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيمَا افْتَدَتْ
 رکھ سکیں گے۔ تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ اس میں کہ عورت بدلے
 بِهِ تِلْكَ حَدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا
 کر (چھوٹ جائے) یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ سوان سے
 وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ
 آگے مت بڑھو اور جو کوئی اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے بڑھ چلے
 هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾

سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک عورت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں۔ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو عورت نے کہا: میرا شوہر میرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و اطوار پر مجھے کوئی اعتراض ہے۔ لیکن مجھے اس سے طبعی نفرت ہے۔ میں اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔ اگر مجھے اسلام کا ڈرنہ ہو تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے منہ پر تھوک دوں، آپ نے عورت سے مہر واپس دلوادیا اور اسے طلاق دلوادی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر تمہیں ڈر ہو کہ خاوند اور بیوی میں ایسی بیزاری ہے کہ ان کی گذران نہ ہو سکے گی۔ تو پھر ان دونوں کے علیحدہ ہو جانے میں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ عورت مال دے کر اپنے آپ کو نکاح سے چھڑا سکتی ہے اور مرد وہ مال واپس لے سکتا ہے۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواہشمند عورت ہو، شریعت کی اصطلاح میں خلع ہے۔ خلع کے احکام کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہمارے خاندان، گھروں معاملات اور معاشرت کی اصلاح اور درستی کے لئے ہر معاملہ میں احکام دیتا ہے۔ اگر مرد اپنی بیوی سے ناخوش ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ چلنا دشوار ہے تو وہ اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح بیوی اگر یہ دیکھے کہ اس کا گزارہ اپنے خاوند سے مشکل ہے تو وہ بھی اس سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ مقصد ہر حالت میں اصلاح احوال ہے۔ ازدواجی تعلقات کو بہتر بنانا ہے۔ جس صورت میں بھی ممکن ہو۔ آخر میں یہ شبیہ کر دی گئی ہے کہ یہ شرائط اور حدیں اللہ تعالیٰ نے قائم کر دی ہیں۔ لہذا ان کو توڑ کر آگے نکل جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ دنیا کا معاشرہ نیکی اور تقویٰ پر قائم ہو۔ کوئی کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہ کرے۔ ان پابندیوں کو حد اللہ کہا جاتا ہے۔

رجوع کی صورت

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ
 حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا ۚ فَإِنْ طَلَّقَهَا
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا
 أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ
 اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳﴾

پھر اگر اسے طلاق دی تو نہیں حلال اسے اس کے بعد
 جب تک نکاح کرے خاوند اس کے سوا پھر اگر اسے طلاق دے
 فلا جناح علیہما ان یتراجعا ان ظننا
 تو نہیں گناہ ان دونوں پر کہ باہم مل جائیں اگر خیال کریں
 ان یقیمَا حدود اللہ و تیلک حدود
 کہ قائم رکھیں گے علم اللہ اور یہ حدیں
 اللہ یبیینہا لقوم یتعلمون ﴿۲۳﴾
 اللہ انہیں بیان کرتے ہوئے لوگوں کے واسطے جاننے والے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ
 حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا ۚ فَإِنْ طَلَّقَهَا
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا
 أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ
 اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳﴾

پھر اگر اس عورت کو طلاق دی تو اب اس کے بعد اسے وہ
 عورت حلال نہیں جب تک کہ وہ اس کے سوا کسی خاوند سے نکاح
 نہ کرے پھر اگر دوسرا خاوند طلاق دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر
 باہم مل جائیں اگر خیال کریں کہ اللہ کا حکم قائم رکھیں گے اور یہ حدیں
 اللہ یبیینہا لقوم یتعلمون ﴿۲۳﴾
 اللہ کی بازگشتی ہوتی ہیں انہیں جاننے والوں کے لئے بیان فرماتا ہے۔

مِنْ بَعْدُ: (اس کے بعد) یعنی تیسری طلاق کے بعد۔

تَنْكِحَ (نکاح کرے) یہ لفظ نکاح سے بنا ہے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تین بار طلاق دینے کے بعد مطلقہ عورت اس
 وقت تک پہلے شوہر کو جائز نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کر کے طلاق نہ لے لے یہاں نکاح اپنے
 اصطلاحی معنی عقد نکاح کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ یہاں یہ لفظ اپنے اصلی اور لغوی معنی "بہبستری" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے
 کیونکہ صرف عقد کا مفہوم تو خود لفظ زوجا سے نکل آتا ہے۔ اس لئے تَنْكِحَ سے مقصود بہبستری کو ظاہر کرنا تھا جو اس کے لفظی معنی ہیں۔
 إِنْ ظَنَّا، (اگر خیال کریں) یعنی اگر امید اور ارادہ رکھتے ہوں کہ اس کے بعد درستی اور خوبی کے ساتھ باہم رہ سکیں گے
 اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر خاوند پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجعت نہ کرے تو اب تیسری بار یعنی دوسری طلاق کے بعد
 تین مہینے غور و فکر اور صلح و صفائی کرانے کے لئے کافی ہے۔ اس تیسری طلاق کے بعد شوہر، عورت رجعت نہیں کر سکتا بلکہ اس کا اب اس سے باز
 نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس صورت کے کہ وہ عورت تین ماہ بعد یعنی عدت کے دن گزارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح
 کرے اور وہ اس سے صحبت کر کے اپنی خوشی سے اسے طلاق دے یا فوت ہو جائے اور تین ماہ کی مدت یعنی زمانہ عدت گزر جائے۔
 یہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی شریعت طلاق کو یقیناً پسند نہیں کرتی اس لئے اس بارہ میں طرح طرح کی قیدیں
 لگا دی ہیں اور اس چیز کی ہدایت کی ہے کہ طلاق خوب سوچ سمجھ کر دی جائے۔ دو موقع بھی دیئے کہ دوبارہ اتحاد کریں لیکن ان سب مراحل
 سے گزر جانے کے بعد جب طلاق ناندھی ہو جائے تو پھر اب رعایت کا کوئی موقع نہیں شوہر کو اب دوبارہ آسانی سے بیوی واپس نہیں مل سکتی۔

حلالہ

اسلام ایک فطری مذہب ہے۔ انسان کی پوری زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے۔ دنیاوی اور اخروی زندگی کی فلاح و بہبود حاصل کرنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسلام حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ پر پوری طرح حاوی ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا مشد نہیں جس کا حل نہ بتاتا ہو اور کوئی ایسا پہلو نہیں جس کے بارے میں احکام نافذ نہ کرتا ہو۔

انسان کی اجتماعی زندگی گھرانے سے شروع ہوتی ہے۔ اگر گھریلو زندگی کامیاب ہو اور میاں بیوی کے تعلقات بہتر حالت میں ہوں تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو بڑی اچھی فضا میں پائے گا۔ اپنا کام اچھے طریقے سے کر سکے گا۔ بچوں کو اعلیٰ نمونے میں لگے اور وہ بھی بڑے ہو کر نیک راہ پر چلیں گے۔ اس لئے اسلام مسلمان کی گھریلو زندگی کو بہتر بناتا ہے۔ خاندان میں شوہر اور بیوی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر ان میں باہمی تعاون ہو تو اس گھرانے کا ہر بچہ بڑی سہولت سے ترقی کی راہیں طے کرتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر مرد و عورت میں ناچاہتی ہو اور فکر و عمل میں اختلاف ہو تو ان کا خود بھی اکٹھے چلنا نہایت دشوار ہے اور ان کا یہ اختلاف اولاد کے لئے بھی مہلک ثابت ہوگا۔

اسلام انسانی فطرت کے اس پہلو سے بھی آگاہ ہے اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیتا ہے۔ اگر مرد طلاق دینا چاہتا ہے تو خوب سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے۔ اگر عورت شوہر کے ماتحتوں نالوں سے تو وہ بھی چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے لیکن مرد عورت کے ازدواجی تعلقات کی اہمیت جتانے کے لئے شریعت نے بعض احکام اور پابندیاں نافذ کر رکھی ہیں۔ مثلاً اگر شوہر طلاق کا ارادہ پکار رکھتا ہے اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر رجعت نہیں کرتا۔ بلکہ تیسری طلاق دے دیتا ہے۔ تو اس کے بعد وہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اگر کرنا چاہے تو اس کی شرط بہت کڑی ہے یعنی یہ کہ مطلقہ سے کوئی اور شخص شادی کرے اس سے صحبت کرے اور پھر اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا فوت ہو جائے اور پھر اس کے بعد پوری عدت گزر جائے۔ اس نکاح جدید کو اصطلاح میں حلالہ کہتے ہیں۔ لیکن اس حلالہ کے بعد نکاح انسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہو۔ اور اس پر اعتماد ہو۔ ورنہ باہمی جھگڑے اور حقوق کو تلف کرنے کی نوبت آجائے گی۔ اور وہ دونوں گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے۔ جو اس کو ایک پیشہ بنا لیتے ہیں۔ یعنی ایک مرد اس لئے اس مطلقہ سے شادی کرتا ہے۔ کہ وہ اسے پھر طلاق دے دے۔ تاکہ پہلا مرد عورت مذکورہ سے پھر نکاح کر سکے۔ افسوس کہ ہم مسلمانوں نے ان مسائل کا حق نہ پہچانا۔ اور دین کو مذاق بنا لیا۔ شریعت نے طلاق پر جو پابندیاں مقرر کی تھیں۔ ان کی پرواہ نہ کی۔ جب جی چاہا بے سوچے سمجھے طلاق دے دی۔ جب غصہ فرود ہوا اور عقل ٹھکانے آئی اور پھپھانے لگے اور حلالے کی ناجائز صورتیں اختیار کرنے لگے۔ یہ سب خرابی دین سے غفلت جہالت اور مسائل کا احترام نہ کرنے سے پیدا ہوئی۔

بیویوں کے ساتھ برتاؤ

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب تم نے طلاق دی عورتیں پھر پہنچیں ان کی عدت

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سِرِّحُوهُنَّ

تو انہیں رکھو دستور کے موافق یا انہیں چھوڑ دو

بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا

دستور کے مطابق اور نہ انہیں روکے رکھو ستانا

لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ

تاکہ زیادتی کرے اور جو کرے گا ایسا رُہِشک

ظَلَمَ نَفْسَهُ ط

نقصان کرے گا اپنا۔

نقصان کرے گا۔

نقصان کرے گا۔

نقصان کرے گا۔

نقصان کرے گا۔

نقصان کرے گا۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی پھر اپنی عدت کو پہنچیں

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سِرِّحُوهُنَّ

تو انہیں دستور کے موافق رکھ لو یا انہیں چھوڑ دو

بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا

مطابق اور ان کو نہ روکے ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی

لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ

کرے اور جو ایسا کرے گا۔ وہ بے شک اپنا ہی نقصان

ظَلَمَ نَفْسَهُ ط

کرے گا۔

کرے گا۔

کرے گا۔

کرے گا۔

کرے گا۔

کرے گا۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ (ان کی عدت) اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی عدت کا زمانہ اب ختم ہونے پر ہو لیکن پوری طرح ختم نہ ہو چکا ہو۔ ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ اب رجعت کی گنجائش باقی نہ رہی۔

اس آیت میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ جب خاوند ایک یا دو مرتبہ بیوی کو طلاق دے دے اور آخری تیسری بار طلاق نہ دی ہو۔ تو اس طلاق سے پہلے اگر وہ رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر رجوع نہ کرنا چاہے تو تیسری مرتبہ طلاق دے دے۔ یا پھر اگر وہ خاموش رہے گا تو عدت پوری ہونے کے بعد خود بخود سمجھ لیا جائے گا کہ وہ رجوع کرنا نہیں چاہتا اور اس نے ارادہ بیوی سے تعلق توڑ لیا ہے۔ لیکن ضروری چیز یہ ہے کہ خاوندان دونوں راستوں سے جو راستہ بھی اختیار کرے وہ دستور کے مطابق اور شریعت کے موافق ہو یعنی اگر وہ اسے اپنی زوجیت میں لینا چاہے تو بڑی شرافت اور عزت سے دوبارہ لوٹائے اور اگر اس سے تعلق توڑ لینا چاہے تو بڑی شرافت اور عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کر دے۔ غرض دونوں صورتیں قانون اور آداب کے موافق ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی کو تنگ کرنے اور ستانے کے لئے رجعت کر لے اور یوں اسے خواہ مخواہ قید میں ڈالے رکھے۔

جو لوگ عورتوں کی حق تلفی کرتے ہیں اور محض ستانے کے لئے دوبارہ زوجیت میں لے لیتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اس طرح وہ خود اپنے اور ظلم کرتے ہیں۔ وہ اپنا نقصان آپ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسا کرنے سے ان کا اپنا گھر آباد نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ برباد ہو جائے گا۔ خود انہیں کبھی چین اور سکون نصیب نہیں ہوگا۔ ان کی گھرلو زندگی پریشانیوں اور دکھوں کا چشمہ بن جائیگی۔ دونوں اپنی اولاد کی ذمہ داریوں سے کوتاہی کریں گے۔ اسی طرح تباہی اور بربادی ڈیرہ جملے گی۔ اگر کچھ عرصہ بعد یہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دے بھی دے تو پھر کوئی شریف عورت اس کی بیوی بننے کیلئے تیار نہیں ہوگی۔ خاوند کیلئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے تاکہ خود بھی خوش رہ سکے اور وہ بھی۔

احکام الہی کا مذاق

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا
اور اللہ کے احکام کو ہنسی نہ ٹھہراؤ اور تم
وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
پر اللہ کا جو احسان ہے یاد کرو اور وہ جو
مَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ
کتاب اور علم کی باتیں تم پر انارین تمہیں اس کے ذریعہ
وَالْحِكْمَةَ يَعْظُمُ بِهِ وَاتَّقُوا
نصیحت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور جان
اللَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
رکھو کہ اللہ سب کچھ جانت
عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾
ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا
اور نہ ٹھہراؤ احکام اللہ ہنسی
وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
اور یاد کرو احسان اللہ تم پر اور
مَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ
جو اتاری تم پر سے کتاب اور
وَالْحِكْمَةَ يَعْظُمُ بِهِ وَاتَّقُوا
علم کی باتیں تمہیں نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ اور ڈرتے رہو
اللَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
اللہ اور جان رکھو کہ اللہ ہر شے
عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾
جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تشبیہ کر دی ہے کہ ہمارے حکموں کو ہنسی اور مذاق نہ بناؤ کہ جس حکم پر چاہا عمل کر لیا اور جسے چاہا چھوڑ دیا۔ بلکہ سارے احکام پر پوری طرح کار بند ہو جاؤ کیونکہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔

معاشرتی زندگی کا بنیادی پتھر خاندان اور خاندانی زندگی ہے اور خاندان کا بنیادی نقطہ میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں اس لئے یہ کہنا بالکل درست اور سجا ہو گا کہ ساری قوم کے معاشرتی نظام کی بنیاد میاں بیوی کے حقوق اور فرائض کی درستی اور سجا آوری ہے۔ اگر شوہر اپنی بیوی کے اور بیوی اپنے شوہر کے تمام حقوق نہایت خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہوں تو سارے معاشرہ کی زندگی نہایت پختہ بنیادوں پر قائم ہوگی لیکن اگر میاں بیوی کے تعلقات خراب ہو گئے آپس میں کسی قسم کی ناجائز پیدا ہو گئی۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ ساری سوسائٹی خطرے میں ہے۔ اس لئے تمام اصلاح پسند لوگوں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ وہ کسی طرح بھی میاں بیوی کے تعلقات خراب نہ ہونے دیں اسلام نے اس طرف خصوصیت سے زور دیا ہے۔

اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں ہنسی مذاق کو دخل نہ دو مثلاً پہلے طلاق دے دی اور بعد میں رجعت کر لی اور کہہ دیا کہ طلاق تو محض ہنسی مذاق میں کہی تھی یا یونہی جوش میں کہہ دیا تھا۔

شریعت کی ان تمام باتوں میں بڑی حکمت اور مصلحت بھری ہوئی ہے انسان کا کام ہے کہ وہ ان باتوں پر غور کرے اور ان کی تہ تک پہنچے اللہ تعالیٰ نے یہ احکام ہماری رہنمائی اور ہدایت کے لئے بھیجے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتیں جانتا ہے۔ ہمارے حالات سے واقف ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ نیت صاف رکھنا معاملات کو سدھارنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

عورت کی رضا

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب تم نے طلاق دی عزتیں پھر پورا کر چکیں اپنی عدت
فَلَا تَعْضَلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

تو نہ انہیں روکو کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے
إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ

جبکہ راضی ہو جائیں آپس میں دستور کے مطابق
يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

نصیحت کی جاتی ہے۔ جو کہ رکھتا ہے تم میں سے ایمان اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ لَكُمْ أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ

اور دن قیامت اس میں بڑی ستھرائی تمہارے لئے اور بہت
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں
فَلَا تَعْضَلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

تو اب انہیں اس سے نہ روکو کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے
إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ

جبکہ آپس میں دستور کے موافق راضی ہو جائیں۔ یہ نصیحت اس کو
يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

کی جاتی ہے۔ جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ لَكُمْ أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ

رکھتا ہے۔ اس میں تمہارے لئے ستھرائی اور پاکیزگی ہے اور اللہ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ (پھر اپنی عدت پوری کر چکیں) فَبَلَغْنَ کا ترجمہ ہے پھر پہنچ جائیں یعنی پوری کر لیں أَجَلَهُنَّ کا ترجمہ ہے ان کی اپنی مدت یعنی مقررہ میعاد۔ جسے شریعت کی اصطلاح میں عدت کہتے ہیں۔

إِذَا طَلَّقْتُمُ: (جب تم نے طلاق دی) یہاں یہ خطاب براہ راست تو شوہروں سے ہے لیکن مخاطب پوری ملت ہے۔
أَزْوَاجَهُنَّ: (اپنے انہی خاوندوں سے) یعنی وہ شوہر جنہیں عورتیں پسند کریں خواہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے۔ جو ایک بار انہیں

پھوڑ چکے ہیں۔
تَرَاضُوا (راضی ہو جائیں) اس لفظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ ایجاب اور قبول نکاح کے رکن ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ شوہر

اور بیوی کی بجائے بعض اوقات ان کے ولی یا وکیل ایجاب قبول کر لیں اور وہ دونوں تسلیم کر لیں بصورت دیگر اگر دونوں راضی نہ ہوں تو نکاح نہیں ہوتا۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دے دی اور عدت میں رجعت بھی نہ کی جب مدت ختم ہو گئی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ پہلے خاوند نے بھی نکاح کا پیام دیا عورت اس بات پر راضی تھی لیکن عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور

نکاح کو رد کر دیا۔ اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوشنودی اور بیہودی کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اس کے موافق نکاح ہونا چاہیے۔ اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل نہیں دینا چاہیے البتہ اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے نکاح کرنا چاہیے۔ تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔

دودھ پلانے کی مدت

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ
 اور بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں
 حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ
 دو برس پورے دو برس جو کوئی چاہے کہ
 يَتِمَّ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ
 پوری کرے دودھ کی مدت اور اوپر رکھے والا
 رِزْقُهُنَّ وَكَسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
 عورتوں کا کھانا اور ان کا کپڑا دستور کے موافق نہ
 لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَا
 نہیں تکلیف دی جاتی کسی کو لیکن اس کی گنجائش کے موافق نہ
 تُضَارُّ وَالِدًا يَوْلِيهَا وَلَا
 نقصان دیا جاتے ماں اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ
 مَوْلُودٌ لَهُ يَوْلِيهَا
 جس کا بچہ ہو (باپ) اس کے بچے کی وجہ سے۔

رَضَاعَةٌ: (دودھ کی مدت) اسلامی شریعت میں بچے کو دودھ پلانے کی فطری مدت کامل دو سال مقرر کی گئی ہے۔ اس میں
 کمی بیشی باہمی رضامندی پر چھوڑ دی گئی ہے۔ ان احکام کی تفصیلات موجودہ اور آئندہ سبق میں موجود ہیں۔

الْوَالِدَاتُ: (بچے والی عورتیں) مراد بچوں کی مائیں ہیں۔ خواہ نکاح میں ہوں یا طلاق پا چکی ہوں۔
 اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماں اپنے بچے کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے۔ جو ماں باپ بچے
 کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں۔ ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے۔ جیسا کہ آیت کے آخر میں آتا ہے۔ اس حکم میں وہ مائیں بھی
 داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت گزر چکی ہو۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ بیوی کا کھانا کپڑا خاندان پر حال
 میں لازم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت جس ماں سے پورا کرنا چاہیں یا باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں
 تو اس کی مدت مکمل دو سال ہے اس کے بعد یہ بھی واضح ہو گیا کہ باپ کو بچے کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ پہلی صورت
 میں تو اس کے نکاح میں ہے۔ دوسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہوگی اور بچے کے ماں باپ کسی طرح سے ایک دوسرے
 کو تکلیف نہ دیں۔ مثلاً ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا وجہ ماں سے بچے کو جدا کر کے کسی اور سے دودھ نہ پلائے یا کھانے کپڑے
 میں تکلیف نہ کرے۔

دودھ پلانے کے دیگر قانون

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ
 اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ
 ارَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَ
 چاہیں دودھ چھڑائیں سے رضا دونوں اور
 تَشَاوَرًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا - وَإِنْ
 مشورہ تو نہیں گناہ ان کے اوپر اور اگر
 ارَادْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ
 تم چاہو کہ دودھ پلواؤ دایہ سے اپنی اولاد
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا
 تو نہیں گناہ تم پر جب تم حوالہ کر دو جو تم
 اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ - وَاتَّقُوا اللَّهَ وَ
 نے ٹھہرایا تھا دستور کے موافق اور ڈرو اللہ اور
 اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۲۳﴾
 جان رکھو کہ اللہ ساتھ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

الْوَارِثِ: (وارث) وارث سے مراد وہ محرم رشتہ دار ہے جو باپ کے بعد شرعی وارث ہے۔
 مِثْلُ ذَلِكَ: (یہی) یعنی جس طرح باپ پر بچہ کی ماں کے حقوق کی حفاظت لازمی ہے اسی طرح باپ کے بعد اس کے قریب
 ترین وارث عزیزوں پر بھی واجب ہے۔

بچہ کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مرجائے تو پھر حکم اس طرح ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہو تو اسی مال میں
 سے اس کا خرچ چلے گا۔ اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مال دار عزیزوں میں سے جو لوگ اس کے محرم ہوں اور محرم ہونے کے علاوہ
 شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہوں تو ان وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہوگا۔ دودھ پیتے بچہ کے اخراجات جو دوسروں
 پر واجب کئے گئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ بچہ خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا اس سے ایک یہ بات بھی نکالی جاسکتی ہے
 کہ محتاج عورتوں، ایتھم مردوں اور نابالغوں کے اخراجات زندگی ان کے رشتہ داروں کے ذمہ ہیں۔
 اس کے بعد یہ حکم بھی دے دیا کہ اگر والدین دوبرس سے پہلے ہی دودھ چھڑا دینا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں لیکن یہ فیصلہ وہ
 باہمی صلاح و مشورہ سے کریں۔ ماں کا جذبہ شفقت اور پرورش کا حق زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کے معاملات کو صرف باپ کی رائے
 پر نہیں چھوڑ دیا گیا۔ پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ بعض حالات میں جب ماں کی بجائے دودھ کسی دوسری عورت سے پلوانا درکار ہو تو
 اس میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اجرت ادا کر دی جائے۔

عدت

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ
اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں
ازْوَاجًا يَتَرَبِّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ
عورتیں تو انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار
أَشْهُرًا وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ
بہنے اور دس دن پھر جب پوری کر چکیں اپنی عدت
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي
تو نہیں گناہ تم پر اس بات میں کہ وہ کریں میں
أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
اپنے حق قاعدہ کے موافق اور اللہ تمہارے کام
خَبِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ
اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی عورتیں چھوڑ
ازْوَاجًا يَتَرَبِّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ
جائیں تو چاہئیں کہ وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور
أَشْهُرًا وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ
دس دن انتظار میں رکھیں پھر جب اپنی عدت پوری کر چکیں
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي
تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ اپنے حق میں قاعدہ
أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
کے موافق کریں اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر
خَبِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

ہے۔

خبر ہے۔

يَتَرَبِّصْنَ: (انتظار میں رکھیں) مراد یہ ہے کہ خاوندوں کی وفات کے بعد ان کی بیویاں نکاح سے رُک جاتی ہیں۔ انتظار کی اس مدت کا اصطلاحی نام "عدت" ہے۔ جس عورت کو طلاق مل جائے اس کی عدت پورے تین ماہ اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ عدت کے ایام میں بناؤ سنگار جائز نہیں۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے دوسرے مذاہب نے کوئی خاص رعایت نہیں کی۔ بلکہ ہندو مذہب نے توستی ہونے یعنی بیوہ کو زندہ ہی آگ میں جل جانے کا حکم دیا۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے اور پوری طرح زندہ رہنے کا حق بخشا ہے اور یہ حکم نافذ کیا ہے کہ عورت خاوند کی وفات کی تاریخ سے ٹھیک چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو روکے رکھے۔ نکاح اور اس کے متعلق دوسری باتوں کی طرف توجہ نہ دے۔ بناؤ سنگار نہ کرے۔ اگر اس دوران میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت بدل جائے گی اور اسے وضع حمل تک اپنے آپ کو دوسرے نکاح سے روکنا پڑے گا۔

جب بیوگی کی عدت ختم ہو جائے تو نکاح کا پیغام دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں خطاب تمام امت کو ہے یعنی تم پر ایسی بات کے جائز رکھنے میں کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی شخص اگر خلاف شرع کام کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ اپنی ہمت و طاقت کے مطابق اسے روکیں ورنہ یہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ایسے انہیں دیکھنا چاہیے کہ بیوگی کی عدت کے بعد عورت جو کوئی کارروائی کرے وہ شریعت کے قانون اور دستور سے باہر نہ ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے وہ ضرور باز پرس کرے گا۔

نکاح ثانی کا نامہ پیام

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ

اور نہیں گناہ تم پر اس میں اشارہ میں کہو
بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنُتُمْ

سے پیام نکاح عورتیں یا پوشیدہ رکھو
فِي أَنْفُسِكُمْ عِلْمَ اللَّهِ أَنْكُمْ سَتَدْرُونَ هُنَّ

میں اپنے دل معلوم ہے اللہ کہ تم البتہ ان کا ذکر کر گئے
وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

اور لیکن نہ ان سے وعدہ کر چپ کر مگر کہہ دو
قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ

کوئی بات شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو نکاح
حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ

یہاں تک کہ پہنچ جائے مقررہ مدت اس کی انتہا اور جان رکھو کہ
اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَ

اللہ جانتے جو کچھ میں تمہارے دل سراسر سے ڈرتے رہو اور
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۲۲۵)

جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا بخشنے والا

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ

اور اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کا پیام
بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنُتُمْ

نکاح اشارہ میں کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو۔
فِي أَنْفُسِكُمْ عِلْمَ اللَّهِ أَنْكُمْ سَتَدْرُونَ هُنَّ

اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر کر گئے لیکن
وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

ان سے نکاح کا وعدہ چپ کر نہ کرو مگر یہی کہ کوئی
قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ

بات شریعت کے رواج کے موافق کہہ دو اور نکاح کا ارادہ
حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ

نہ کرو۔ یہاں تک کہ مقررہ مدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے
اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَ

اور جان رکھو کہ اللہ جانتا ہے جو تمہارے دل میں ہے سراسر ڈرتے
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۲۲۵)

رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب مطلقہ عدت کا دور گزار رہی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کرے لیکن زبان پر نہ لائے یا اگر لائے بھی تو صرف اشارہ کے طور پر صاف اور واضح طور پر اپنا ارادہ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں انسان کی ایک کمزوری بیان فرمادی یعنی عورت کسی کو پسند آئی اور اس کے دل میں بس گئی ہو تو وہ شخص اس کا ذکر ضرور زبان پر لاتا ہے۔ اس لئے یہ تشبیہ کر دی کہ غم کے اس زمانہ میں عورت سے نکاح کا وعدہ ظاہری طور پر یا خفیہ طور پر کرنا جائز نہیں۔ عدت کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے نکاح کا پیام نہ دو۔

چھونے سے پہلے طلاق

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ
 تَمَّ بِرَكْعَةٍ غَنَاهُ نَهَيْتُمْ إِنْ تَمَّ طَلَاقُ دُونَ
 مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ
 رِقَّتَ كَمَا نَهَيْتُمْ لَهَا بِرَكْعَةٍ غَنَاهُ نَهَيْتُمْ إِنْ تَمَّ طَلَاقُ دُونَ
 فَرِيضَتَهُنَّ وَتَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 مَتَاعًا وَتَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 بِمَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 بِمَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 بِمَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ
 تَمَّ بِرَكْعَةٍ غَنَاهُ نَهَيْتُمْ إِنْ تَمَّ طَلَاقُ دُونَ
 مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ
 رِقَّتَ كَمَا نَهَيْتُمْ لَهَا بِرَكْعَةٍ غَنَاهُ نَهَيْتُمْ إِنْ تَمَّ طَلَاقُ دُونَ
 فَرِيضَتَهُنَّ وَتَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 مَتَاعًا وَتَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 بِمَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 بِمَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا
 بِمَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ مَتَاعًا

مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ: (جنہیں ہاتھ نہ لگایا ہو) یہ لفظ مس سے ہے جس کے معنی اچھونا اور ہاتھ لگانا ہیں۔ مراد عورت کے قریب جانا اور ہم بستر ہونا ہے۔

مَتَعُوهُنَّ: (انہیں خرچ دو) یہ لفظ متاع سے ہے۔ یعنی انہیں خرچ اور ضروریات زندگی بہم پہنچاؤ۔ علماء نے خاص طور پر اس سے لباس مراد لیا ہے۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا ہو اور بلا صراحت نکاح کر لیا ہو۔ تو مہر بعد میں مقرر ہو جائے گا۔ البتہ بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے یعنی خلوت صحیحہ سے قبل ہی اگر طلاق دے دی جائے۔ تو مہر کچھ لازم نہ ہو گا۔ لیکن خاوند کے لئے ضروری ہو گا کہ عورت کو کچھ دے دے۔

طلاق کے بعد عورت کو جو کچھ دینا ہے۔ وہ خاوند کی حیثیت کے مطابق مقرر ہو گا۔ اگر وہ امیر اور دولت مند ہے تو وہ معقول رقم دے اور اگر نادار اور تنگ دست ہے تو پھر جو اس کی توفیق ہو۔ وہی دے دے۔ بالسعدون کا لفظ بڑھا کر یہ تاکید بھی کر دی کہ رقم کی ادائیگی میں کسی طرح کی زحمت یا تنگی نہ پہنچائی جائے۔ بلکہ معروف طریقے سے یعنی دستور کے مطابق ہو۔ خاوند کی سہولت اور بیوی کی ضروریات پیش نظر رکھتے ہوئے دیا جائے۔

آخر میں یہ بتایا گیا کہ محسنین (نیکی کرنے والوں) پر یہ بات واجب ہے کہ مسلمان کو ہر شخص سے حسن سلوک کرنا چاہیے۔ لیکن عورت کے معاملے میں انہیں زیادہ خوش معاملگی سے یہ باتیں طے کرنی چاہئیں۔

طلاق اور مہر

وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اور اگر تم نے انہیں طلاق دیدی سے پہلے کہ

تَسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنَصِفْ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا

انہیں ہاتھ لگاؤ اور تم ٹھہرا چکے تھے ان کے لئے

أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ

مہر تو آدھا جو تم مقرر کر چکے تھے مگر

لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ

کہ درگزر کری عورتیں یا درگزر کرے وہ شخص اس کے اختیار میں

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

پر مہر نگاری اور نہ بھلاؤ احسان کرنا آپس میں

بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔

اس آیت میں مطلقہ اور اس کے مہر کی ادائیگی کے متعلق کچھ اور احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا

تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کی نوبت آجائے تو آدھا مہر لازم ہے۔ لیکن خود عورت یا وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی باگ

ڈور ہے۔ کل یا مہر کے کسی حصہ سے درگزر کریں تو اور بات ہے۔

اس کے بعد یہ بھی بتایا کہ اگر مرد درگزر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑائی دی اور اسے

نکاح باقی رکھنے اور طلاق دینے کا مختار بنایا۔ اب اگر ہاتھ لگانے کے بغیر طلاق دے کر خاندان آدھا مہر بھی اپنے ذمہ نہ لے تو یہ

تقویٰ کے مناسب نہیں۔ بیوی کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوتی۔ گویا مہر اور طلاق کی چار صورتیں ہوتیں۔ نہ مہر مقرر کیا ہو

نہ صحبت ہوئی ہو۔ اس صورت میں کچھ مناسب مدد دے دے۔ دوسرے یہ کہ مہر مقرر ہوا اور صحبت نہ ہوئی نصف مہر ادا کرے

تیسرے یہ کہ مہر مقرر ہوا اور صحبت ہوئی پورا مہر ادا کرے۔ چوتھی صورت یہ کہ مہر مقرر نہ ہوا اور صحبت ہوئی۔ اس صورت میں

مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اور اگر تم نے اس سے قبل انہیں طلاق دے دی کہ تم

تَسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور ان کے لئے تم مقرر کر چکے تھے مہر

فَرِيضَةً فَنَصِفْ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا

تو جو تم نے مقرر کیا تھا اس کا نصف (ادا کر دو) مگر یہ

أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ

کہ وہ عورتیں درگزر کریں یا وہ شخص درگزر کرے جس کے ہاتھ میں

عَقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ

نکاح کی گرہ ہے اور اگر تم درگزر کر دو تو قریب

لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ

قریب ہے۔ اور باہم احسان کرنا نہ بھلاؤ

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

۲۲۴

نمازوں کی پابندی

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ

سب نمازوں سے خبردار رہو اور درمیانی نماز سے

الْوَسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿۲۳۸﴾

اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَآلًا أَوْ رُكْبَانًا

پھر اگر تمہیں کسی کا ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لو یا سوار

فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا

پھر جب تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح

عَلَيْكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

تمہیں سکھایا ہے جسے تم نہ جانتے تھے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ - وَالصَّلَاةِ

خبردار رہو سب نمازوں سے اور نماز

الْوَسْطَىٰ - وَقَوْمُوا لِلَّهِ - قَانِتِينَ ﴿۲۳۸﴾

درمیانی اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے

فَإِنْ خِفْتُمْ - فِرْجَآلًا - أَوْ - رُكْبَانًا

پھر اگر تمہیں ڈر ہو تو پیادہ یا سوار

فَإِذَا أَمِنْتُمْ - فَأَذْكُرُوا - اللَّهَ - كَمَا

پھر جب تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح

عَلَيْكُمْ - مَّا لَمْ تَكُونُوا - تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

تمہیں سکھایا ہے نہ تم جانتے تھے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ: (سب نمازوں سے خبردار رہو) یعنی نمازوں کی پابندی کرو۔ عالموں نے نماز کی پابندی کے تین درجے بتائے ہیں۔ سب سے پہلا درجہ تو یہ ہے کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات بھی نہ پھوڑے جائیں۔ درمیانی درجہ یہ ہے کہ نماز کا جسم ہر طرح پاک و صاف ہو۔ دل میں عاجزی اور انکساری ہو۔ سنتیں اور مستحبات کا پورا پورا خیال رکھتا ہو۔ سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ کر نماز پڑھی جائے گویا نماز اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو۔ اور اسے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نماز کو دیکھ رہا ہے۔

الصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ: (بیچ والی نماز) اس بیچ والی درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے بعض عالموں نے اس سے نماز ظہر اور مغرب

اور بعض نے فجر بھی مراد لی ہے۔

قَانِتِينَ: (ادب سے) یہ لفظ قنوت سے نکلا ہے جس کے معنی دعا شروع و خضوع اور عاجزی و انکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔

پچھلی آیتوں میں بیویوں کے حقوق اور مطالبات کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ اور آگے پھر یہی ذکر چلے گا۔ درمیان میں نماز کے متعلق کچھ احکام آگئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں معاشرت و معاملات، قانون و اخلاق کے مسائل عبادت سے الگ نہیں اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

طلاق کے حکموں میں نماز کا حکم بیان فرمانے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان دنیا کے معاملات اور باہمی جھگڑوں میں پڑ کر کہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو نہ بھلا دے۔

درمیانی نماز (عصر کی نماز) کی تاکید اس لئے زیادہ فرمائی۔ کہ اس وقت انسان دنیاوی کاموں میں زیادہ مشغول ہوتا ہے۔ اس لئے اس طرف توجہ دلا دی کہ دنیاوی کاموں میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول نہ جاؤ۔ بلکہ ذکر و عبادت بھی جاری رکھو۔ یہاں خوف اور امن کے اوقات میں نماز کے احکام بھی بتائے گئے ہیں اگر رطائی اور دشمن سے خوف کا وقت ہو تو پیادہ اور سواری پر اشارے سے نماز پڑھ لینا چاہیے۔

بیوہ کے لئے وصیت

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ

اور جو لوگ تم سے مر جائیں اور چھوڑ جائیں

أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا

عورتیں وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے لئے خراج دینا

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجُنَّ

تک ایک برس بغیر نکالنے پھر اگر عورتیں نکل

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ

جائیں پس نہیں گناہ اور تمہارے اس میں کہ وہ کریں

فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ

میں اپنے حق سے جمل بات اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۲۳۰ وَ لِلْمُطَلَّاتِ

زبردست حکمت والا اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے

مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى

خرچ قاعدہ کے موافق لازم ہے اور

السَّقِينِ ۲۳۱ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

پرہیزگار اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے

آيَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۲۳۲

اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو۔

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ

اور جو لوگ تم سے مر جائیں اور اپنی عورتیں چھوڑ

أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا

جائیں تو وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر دیں۔ ایک برس

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجُنَّ

تک خراج دینا گھر سے نکالے بغیر پھر اگر وہ عورتیں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ

آپ نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ وہ اپنے حق

فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ

میں جملی بات کریں اور اللہ زبردست ہے

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۲۳۰ وَ لِلْمُطَلَّاتِ

حکمت والا اور طلاق دی ہوئی عورتوں

مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى

کے لئے قاعدہ کے موافق خراج دینا پرہیزگاروں پر

السَّقِينِ ۲۳۱ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

لازم ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان

آيَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۲۳۲

کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

وصیۃ لآزواجہم (اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر دیں) یہ ازدواجی مسائل کے سلسلہ میں اس سورۃ کی آخری آیت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شوہر اپنے آخر وقت میں ہونے والی اپنی بیوہ کے لئے ایک اور آسانی کی صورت پیدا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ورثاء کو وصیت کر جائے کہ بیوہ ایک سال اس کے گھر میں رہ سکتی ہے۔ اور مراعات کی حقدار ہو سکتی ہے۔

عورت کو طلاق دی جائے یا وہ قصائے الہی سے بیوہ ہو جائے۔ مہر مقرر ہو چکا ہو یا نکاح کے وقت مہر کی صراحت نہ ہوئی ہو۔ ہر حال میں اسلام حسن سلوک عفو و درگزر اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے۔ بعد میں عورت کا حصہ اور عدت مقرر کر دی گئی۔ اب اس آیت پر عمل ضروری نہیں۔

موت سے نہ بھاگو

الْمُتَرِّقِينَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ

ان کے گم اور وہ ہزار ہزار سے ان کے گم اور وہ ہزار ہزار سے ان کے گم اور وہ ہزار ہزار سے ان کے گم اور وہ ہزار ہزار سے

فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مَوْتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ

پھر فرمایا ان کو اللہ مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

بے شک اللہ والا فضل اور لوگ

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝۲۴۳

اور لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے۔

الْمُتَرِّقِينَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے موت کے ڈر سے حالانکہ وہ ہزاروں تھے پھر اللہ نے انہیں فرمایا کہ مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا

فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مَوْتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ

پھر فرمایا ان کو اللہ مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝۲۴۳

اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

الْمُتَرِّقِينَ (کیا تو نے نہیں دیکھا) عربی زبان میں خطاب کرنے کا یہ ڈھنگ ایسے موقعوں پر اختیار کیا جاتا ہے جب کسی بہت بڑے اور جانے بوجھے واقعہ کی طرف توجہ دلائی ہو۔ یہاں دیکھنے سے محض آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ خیال، غور و فکر اور عقل سے غور کرنا مقصود ہے اور جب اس کے ساتھ لفظ "إلى" آجائے تو اس سے مراد بھی ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے کوئی سبق دینا مقصود ہے۔

الَّذِينَ خَرَجُوا (جو نکلے) اشارہ یہود کی طرف ہے جو اپنے گھروں سے موت کے خوف سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور عرب کے باشندے اس واقعہ سے خوب واقف تھے۔

اس آیت میں ایک بہت قدیم واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ہزاروں افراد پر مشتمل یہودی موت کے ڈر سے (جس کا سبب یا تو وبا خیال کی جاتی ہے یا دشمن کا حملہ) اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ نہ انہوں نے تقدیر پر یقین کیا۔ اور نہ دشمن کے خلاف ہمتی اٹھائے۔ بلکہ بزدل بن کر جان بچانے کی کوشش میں چل نکلے۔ لیکن ان کا یوں بھاگنا کچھ بھی کام نہ آیا۔ اور وہ موت کے چنگل سے نہ بچ سکے۔

سات دن کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر نے دعا کی اور وہ دوبارہ زندہ ہو گئے تاکہ آئندہ کے لئے وہ توبہ کریں اور معلوم کر لیں کہ موت و حیات کا رشتہ کسی اور بالاتر مہستی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان پر فضل و کرم کرتا ہے۔ انسان اس کے احسان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔ اسے ہر دم اللہ کریم کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

قرض حسن

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا
 اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ اللہ
 أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۳﴾ مَنْ ذَا
 بے شک سنتا جانتا ہے۔ اور کون شخص
 الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
 ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے پھر اللہ اسے کئی
 فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ
 گنا کر دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور وہی
 يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۳۵﴾
 کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹے جاؤ گے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا
 اور لڑو میں راہ اللہ اور جان لو
 أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۳﴾ مَنْ ذَا
 کہ بیشک اللہ سنتا ہے جانتا ہے کون ایسا
 الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
 جو قرض دے اللہ قرض اچھا
 فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ
 پھر دوگنا کر دے اسے کئی گنا اور اللہ
 يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۳۵﴾
 تنگی کر دیتا ہے اور کشائش کرتا ہے اور اسی طرف لوٹے جاؤ گے۔

عَلِيمٌ (جانتا ہے) مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاد کرنے والوں اور جہاد نہ کرنے والوں کے دل کے ارادوں اور زبان سے کئے ہوئے اعلانات کو جانتا ہے۔

قَرْضًا حَسَنًا: (اچھا قرض) ایسا قرض جس کے بعد مقروض کو تنگ نہ کیا جائے نہ احسان بتایا جائے نہ بدلہ لیا جائے اور نہ مقروض کو حقیر سمجھا جائے وسیع معنوں میں اس سے مراد ہر وہ رقم بھی ہوتی ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو۔ یہاں جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے اہل عرب بر اچھے معاوضہ والے عمل کو "قرض حسن" کہتے تھے اور ہر بے معاوضے والے عمل کو برا قرض کہا کرتے تھے چونکہ جہاد کی راہ میں مال خرچ کرنے سے آخرت میں کئی گنا زیادہ واپس ملتا ہے۔ اس لئے اس خرچ کے عمل کو قرآن مجید نے "قرض حسن" قرار دیا ہے۔

فَيُضْعِفُهُ (پھر دوگنا کر دے) مراد ہے اس کے اجر و ثواب کو دوگنا کر دے اس کا مصدر "اضعاف" چند در چند اور کئی گنا زیادہ کرنا ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا تھا کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے دشمن کے خوف سے بھاگنا نہیں چاہیے۔ اب صریح طور پر جہاد کا حکم ہے کہ دین حق کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرو جہاد کے لئے جنگ کے سامان آلات و ہتھیار اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو صاحب استطاعت ہیں۔ یہ حکم دیا کہ تم دل کھول کر مال خرچ کرو تمہاری اس قربانی کو اللہ تعالیٰ کئی گنا کر کے واپس کرے گا۔ تم ہرگز نہ سمجھو کہ روپیہ خرچ کرنے سے غریب ہو جاؤ گے۔

سپہ سالار کا انتخاب

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَأَتَىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَوْ يُوتِ سَعَةَ مِّنَ الْمَالِ

اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ مقرر کر دیا۔ تمہارے لئے طالوت بادشاہ وہ کہنے لگے کیونکر بل سکتی ہے اسے بادشاہت ہم پر اور ہم زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اسے بادشاہت اس سے اور نہیں دی گئی اسے وسعت مال سے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَأَتَىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَوْ يُوتِ سَعَةَ مِّنَ الْمَالِ

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے وہ کہنے لگے اسے ہم پر بادشاہت کیونکر بل سکتی ہے۔ اور ہم اس کے مقابلہ میں حکومت کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور اسے تو مال میں وسعت نہیں ملے گی۔

طالوت (طالوت بن کث) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے بہت بڑے سب سے پہلے بادشاہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ ان کا زمانہ ۱۰۲۸ ق م سے ۱۰۱۲ ق م میں بیان کیا جاتا ہے۔ آپ قبیلہ بن یامین سے تھے۔ آپ کا خاندان معمولی درجہ کا تھا۔ اس خاندان میں کبھی کوئی بادشاہ نہیں ہوا تھا۔ وہ کوئی خاص مالدار اور دولت مند بھی نہ تھے۔ غلط اندیش یہودیوں نے آپ کے سپہ سالار مقرر ہونے پر یہی اعتراض کیا۔ کہ وہ کوئی مالدار نہیں۔ ایک غریب آدمی ہیں بھلا ہم دولت مندوں پر ایک غریب کو کیسے سرداری بل سکتی ہے۔ حکومت اور سرداری تو امیروں کا پیدائشی حق ہے۔ ایک یہودیوں پر کیا منہر ہے۔ ہمیشہ مادہ پرست قوموں نے اسی قسم کے غلط اصول بنائے اور حکومت کو امیروں اور دولت مندوں کے گھر کی لونڈی سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ تصور حد درجہ احمقانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ اسی لئے آنے والی نسلوں کی عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں یہودیوں کے اس غلط تصور کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ تاکہ آئندہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو اور کوئی قوم دولت و ثروت کو سرداری و سر بلندی کا معیار نہ سمجھ بیٹھے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی قوم یا کوئی جماعت دولت مندی کو برتری کا سبب تصور کرتی ہے تو اسے وہی سزا عجلتنی پڑے گی۔ جو اس سے قبل یہودیوں کو برداشت کرنی پڑی۔ چونکہ فطرت کا قانون نہیں بدلتا ہے۔

سپہ سالار کی خصوصیات

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ

نہی نے کہا یقیناً اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور
زَادَا بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ
وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلَكَةً مِّنْ يَّشَاءُ وَ

اللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ (۲۳۷)

اللہ وسیع کرنے والا جاننے والا ہے۔

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ

اس نے کہا یقیناً اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور
زَادَا بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

اسے زیادہ دی فراخی میں علم اور جسم
وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلَكَةً مِّنْ يَّشَاءُ وَ

اللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ (۲۳۷)

اللہ فضل کرنے والا جاننے والا ہے۔

آیت کے پہلے حصہ میں ذکر تھا کہ شموئل بنی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت کی سپہ سالاری کا اعلان فرمایا۔ یہودیوں نے اپنی امارت کے زعم میں ان کے اس انتخاب پر اعتراض کیا کہ وہ ہم سے زیادہ دولت مند نہیں۔ ہمارے بادشاہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

اللہ کے نبی نے حکومت اور سرداری کے لئے اللہ کریم کی مقرر کردہ خصوصیات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ اللہ نے اسے علم میں وسعت اور فراوانی بخشی ہے۔ دوسرے یہ کہ جسمانی اعتبار سے وہ تمہارے مقابلہ میں زیادہ طاقتور ہے۔

بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ: (اللہ نے اسے علم میں وسعت دی ہے) علم سے مراد حقائق کو جاننا اور اسرار کو پہچاننا ہے اس ایک لفظ میں بے شمار معانی پوشیدہ ہیں اور تمام علوم و فنون اس میں شامل ہیں خصوصاً ملک گیری اور ملک رانی کے علوم۔

الْجِسْمِ: (جسم) مقصد یہ ہے کہ طالوت تمہارے مقابلہ میں قد و قامت کے اعتبار سے اور قوت و طاقت کے لحاظ سے زیادہ اہلیت کے مالک ہیں جس شخص میں علم اور جسم کی دونوں طاقتیں زیادہ ہوں گی۔ وہ دوسروں پر فوقیت اور سرداری کے لائق ہوگا۔

مَلَكَةً: (اپنا ملک) مدعا یہ ہے کہ حکمرانی اصل میں اللہ کی ہے۔ اور یہ حکومت حقیقت میں اس ذاتِ واحد کے لئے ہے۔

سرداری زیادہ فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری!

اب یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے کہ اپنے بندوں میں وہ سب سے اہل اور مستحق کو اپنی طرف سے حکومت چلانے

کی خدمت سپرد کر دے۔

تابوت سکینہ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ

اور کہا ان سے ان کا نبی کہ نشانی اس کی عظمت

أَنْ يَأْتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ

کہ تمہارے پاس آئے صندوق جس میں تھی خاطر

مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا شَرَكَ

سے تمہارا رب اور بچی ہوئی چیزیں ان میں جو پھوڑ آئی

الْمُوسَىٰ وَالْهَارُونَ تَحْمِلُهَا

اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون اسے اٹھادیں گے

السَّلَاطِينُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ

فرشتے بیشک میں وہ نشانی تمہارے لئے

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

اگر تم یقین رکھتے ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ

اور ان کے نبی نے بنی اسرائیل سے کہا کہ طاقت کی یہ نشانی

أَنْ يَأْتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ

ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق لایا جائیگا جس میں تسلی خاطر ہے۔

مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا شَرَكَ

تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جو پھوڑ گئی

الْمُوسَىٰ وَالْهَارُونَ تَحْمِلُهَا

موسیٰ اور ہارون کی اولاد اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے۔

السَّلَاطِينُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ

بے شک میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے۔ اگر

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

تم یقین رکھتے ہو۔

تم یقین رکھتے ہو۔

تم یقین رکھتے ہو۔

تم یقین رکھتے ہو۔

مجاہدوں کی آزمائش

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ

پھر جب باہر نکلا طالوت نو جہیں لے کر کہا

إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ

بیک اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ

اس کا تو نہیں میرا اور جس نے نہ چکھا اسے

فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً

تو وہ بیک میرا مگر جو بھرے ایک چلو

بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

لپنے ہاتھ سے پھر سب نے پیا اس سے مگر تھوڑے ان میں سے

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ

پھر جب طالوت نو جہیں لے کر باہر نکلا کہا بیک

إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ

اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرتا ہے۔ سو جس نے اس

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ

نہر کا پانی پیا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اسے نہ چکھا تو وہ

فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً

بے شک میرا ہے مگر جو کوئی لپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے

بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ

پھر سب نے پیا اس سے مگر ان میں سے تھوڑے نے

نہر: (نہر) ایک دریا جس سے اس لشکر کو گزرنا تھا۔ اس کا نام دریائے اردن بیان کیا جاتا ہے۔ شرق اردن کی ہاشمی

حکومت کا نام بھی اسی دریا کی نسبت سے ہے۔ یہ دریا شمال سے جنوب کو بہتا ہے اور بحیرہ مردار میں جا گرتا ہے۔

مَنْ شَرِبَ مِنْهُ: (جس نے اس سے پی لیا) مراد یہ ہے جس نے اس دریا کا پانی جی بھر کر اور سیر ہو کر نوش کیا۔ وہ میرا نہ فرمان

شمار ہوگا اور میری جماعت سے خارج ہو جائے گا۔

عُرْفَةً بِيَدِهِ: (لپنے ہاتھ سے ایک چلو) یعنی پیاس بجھانے اور ہونٹوں کی خشکی دور کرنے کے لئے تھوڑا سا صرف چلو بھر

پانی پی لینے کی اجازت ہوگی۔

طالوت یہود کے لشکر کو جانوت کے مقابلہ کے لئے لے کر چلے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے ایک آزمائش مقرر

کی اور وہ یہ تھی کہ راستہ میں دریائے اردن کا پانی سیر ہو کر نہ پیئیں۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر حکم اور ہر پابندی میں انسان کے لئے کوئی نہ کوئی فائدہ

ضرور پوشیدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ محض ایک امتحان نہ تھا۔ بلکہ اس پابندی میں صحت و کردار کے اعتبار سے انہیں کا فائدہ تھا۔

جو اس وقت تو ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا۔

ہارحیت قلت وکثرت پر موقوف نہیں

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا

پھر جب طاقت اور اس کے ایماندار ساتھی پار ہوئے تو وہ

مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

کے ساتھ کہنے لگے آج ہم میں طاقت نہیں ہے

بِجَاوِزَتِ وَجُنُودَهُ قَالَ الَّذِينَ

جائزہ اور اس کا لشکر کہنے لگے وہ لوگ جنہیں

يُظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ كَمِمَّنْ

خیال تھا کہ انہیں ملانے والے ہیں اللہ کے حکم سے بڑی

فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ

جماعت تھوڑی غالب ہوئی جماعت بڑی

بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۳۹﴾

کلم اللہ اور اللہ ساتھ صبر کرنے والے۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا

پھر جب پار ہوا وہ اور جو ایمان لائے اس

مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

کے ساتھ کہنے لگے طاقت نہیں ہے آج

بِجَاوِزَتِ وَجُنُودَهُ قَالَ الَّذِينَ

جائزہ اور اس کا لشکر کہنے لگے وہ لوگ جنہیں

يُظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ كَمِمَّنْ

خیال تھا کہ انہیں ملانے والے ہیں اللہ کے حکم سے بڑی

فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ

جماعت تھوڑی غالب ہوئی جماعت بڑی

بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۳۹﴾

کلم اللہ اور اللہ ساتھ صبر کرنے والے۔

جَاوِزَتِ، یہود کے مخالف فلسطینیوں کے لشکر کا سردار تھا۔ یہ شخص دیو قامت اور کڑیل جوان تھا۔ توریت مقدس میں اس کی قوت و توانائی اور شہ زوری کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ قدوس فٹ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ سر سے پاؤں تک آہن پوش رہتا۔ ایک بھاری ڈھال اس کے ہاتھ میں رہتی۔

حضرت طاوت اپنے مومن ساتھیوں کو لے کر چلے۔ تو پہلے ہی انہیں خبردار کر دیا کہ راستہ کی نہر سے چلو بھر سے زیادہ پانی نہ پیئیں۔ ورنہ ساتھ چھوٹ جائے گا۔ یہی ہوا۔ چند ایک کے سوا سب نے جی بھر کر پانی پیا۔ اور چلنے کے قابل ہی نہ رہے۔ یہ قلیل جماعت دشمن کے مقابلے پر پہنچی۔ تو اپنی قلت تعداد کو دیکھتے ہوئے اللہ کے یہ بندے کہنے لگے آج اتنے بھاری لشکر سے ہم کیسے مقابلہ کریں گے مگر کامل یقین اور نچپتہ ایمان ساتھی پکار اٹھے۔

”نہیں فتح ہماری ہوگی۔ تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ قلیل جماعتیں بھاری لشکروں پر اللہ کے حکم سے کامیاب ہو گئی ہیں۔“ ہارحیت کا فیصلہ لشکروں کی تعداد سے نہیں بلکہ اللہ کی مدد اور دلوں کی طاقت سے ہوتا ہے۔ جو صبر و ثبات کا دامن نہ چھوڑے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ دیا کرتا ہے۔

ثابت قدمی بہت بڑی طاقت ہے۔ میدان عمل میں ڈٹ جانے والوں کی مدد کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے امداد فرماتا ہے اور انہیں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

صبر و استقامت

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ - وَجُنُودِهِ

اور جب سامنے ہوئے جالوت اور اس کی فوجیں
قَالُوا رَبَّنَا افرغ علينا صبراً و

بولے ہمارے رب ڈال دے ہمیں صبر اور
ثَبَّتْ - اَقْدَامَنَا - وَاَنْصَرْنَا - عَلَي الْقَوْمِ

جھٹکے رکھ ہمارے پاؤں اور ہماری مدد کر اور قوم
الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ - بِاِذْنِ اللّٰهِ

کافر - پھر شکست دی انہیں حکم سے اللہ
وَقَتَلَ - دَاوُدُ - جَالُوتَ - وَاِتَّهَ اللّٰهُ

اور مار ڈالا داؤد جالوت اور دی اللہ
الْمُلْكَ - وَالْحِكْمَةَ - وَعَلَّمَهُ - مِمَّا

سلطنت اور حکمت اور انہیں سکھایا جو
يَشَاءُ وَاَوْ لَوْ رَا - دَفَعُ اللّٰهُ - النَّاسَ

چاہا اور اگر نہ دیکھ اللہ لوگ
بَعْضَهُمْ - بِبَعْضٍ - لَفَسَدَتِ - الْاَرْضُ

ان میں سے بعض سے تو خراب ہو جاتا تک
وَلٰكِنَ - اللّٰهُ - ذُو فَضْلٍ - عَلَي الْعٰلِيْنَ ﴿٢٥١﴾

اور لیکن اللہ والا فضل اور جہان والوں -

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ

اور جب جالوت اور اس کی فوجیں سامنے ہوئیں
قَالُوا رَبَّنَا افرغ علينا صبراً و

تو بولے اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے اور
ثَبَّتْ اَقْدَامَنَا وَاَنْصَرْنَا عَلَي الْقَوْمِ

ہمارے پاؤں جھٹکے رکھ اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر
الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ

پھر مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے شکست دی
وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاِتَّهَ اللّٰهُ

اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے اسے سلطنت و حکمت
الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا

دی اور جو چاہا سکھایا اور اگر اللہ دفع نہ کرتا ایک
يَشَاءُ وَاَوْ لَوْ رَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ

کو دوسرے سے تو تک خراب ہو
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ

جاتا لیکن اللہ جہان والوں
وَلٰكِنَ اللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَي الْعٰلِيْنَ ﴿٢٥١﴾

پر بہت مہربان ہے -

داؤد: (داؤد) داؤد بن یسی ۱۰۲۳ تا ۹۴۳ ق م ایک پیغمبر گذرے ہیں۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر ۱۶ جگہوں پر آیا ہے۔ آپ حضرت طاوت کی فوج میں ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے اور اس وقت تک ان کی نبوت کا اعلان ہوا تھا اور نہ وہ ابھی بادشاہ مقرر ہوئے تھے۔ جب حضرت طاوت کا لشکر جالوت کے مقابل آیا تو اس نے اپنی قوت اور توانائی کے زور میں اللہ کے بندوں کو لٹکا کر مومن کبھی اپنی کثرت تعداد یا دست و بازو کی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق مانگی اور ثابت قدم رہنے کے لئے دعا کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ وہ طاوت کے لشکر میں شریک تھے ان کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور حق پرست لشکر کامیاب و کامران ہوا۔ اللہ کی سنت یہی ہے کہ ایک کے ہاتھوں دوسرے کو شکست دے کر دنیا سے خرابی اور فساد کو مٹاتا ہے۔

گذشتہ نشانیاں

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

آیتیں اللہ ہم سناتے ہیں تجھے

بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾

ٹھیک ٹھیک اور بے شک تو ہے رسول۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم تجھے ٹھیک ٹھیک سناتے

بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾

ہیں اور بے شک تو ہمارے رسولوں میں سے ہے۔

بِالْحَقِّ (ٹھیک ٹھیک) اس سے مراد یہ ہے کہ گذشتہ قصے اور نشانیاں کمی بیشی کے بغیر پیغمبر کو سنائی جاتی ہیں۔ اس لفظ کو لاکر یہ بھی واضح کر دیا کہ قرآن مجید دوسری کتابوں کی طرح قصوں کو مسخ نہیں کرتا۔

مِنَ الْمُرْسَلِينَ (رسولوں میں سے) اس لفظ سے واضح ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بھی دوسرے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہی کی ہے پیغمبر نہ تو خدا ہے نہ کوئی دیوتا ہے۔ غرض قرآن مجید شرک سے بچنے کے لئے صحیح صحیح الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس جملہ سے یہ بھی واضح ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو علم و حکمت اور نبوت دی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی ان نعمتوں سے سرفراز کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ یہ گذشتہ قصے جو ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سناتے ہیں۔ یہ بالکل حق ہیں۔ ان میں کسی طرح کا خشک و شبہ نہیں۔ ان قصوں میں بے شمار نصیحت کی باتیں ہوتی ہیں جو آنے والی قوموں اور نسلوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگوں کو اپنے گھروں سے نکلنا، اچانک مرجانا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جانا، جاہلوت کا ان پر حملہ کرنا۔ ان کا سپہ سالار کے لئے درخواست کرنا۔ حضرت طاہر علیہ السلام کا بادشاہ بننا، انہیں علم اور جسم میں بڑائی دینا۔ تابوت سکینہ کا واپس آ جانا۔ طاہر کا جاہلوت کے مقابلے میں نکلنا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا جاہلوت کو قتل کرنا اور انہیں سلطنت و حکمت کا عطا ہونا۔ ان سب باتوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو دیتا ہے اور ان میں ہمارے لئے نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ بھی بتایا کہ تو ہمارے رسولوں میں سے ایک رسول ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ہم گذشتہ زمانوں کے قصے اور نشانیاں تجھ پر کھولتے ہیں اور یہ باتیں صرف پیغمبروں کو ہی بتائی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ تمام باتیں نہ تو آپ نے کسی کتاب میں پڑھی ہیں نہ کسی آدمی سے سنی ہیں۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے تجھے پہنچتی ہیں۔

قرآن مجید میں سابقہ اقوام اور انبیائے کرام کے بے شمار واقعات کا ذکر موجود ہے۔ ہر سورہ میں جا بجا ان کے حالات کا ذکر اور اشارات موجود ہیں۔

ان بیانات سے کہیں بھی تاریخ نویسی اور سیرت نگاری مقصود نہیں بلکہ اصل مدعا نصیحت و عبرت ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ گذشتہ امتوں کے حالات کے آئینہ میں ماضی کے ذریعہ اپنے حال کو درست کریں اور مستقبل کی فکر کریں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ ہماری حد درجہ غفلت اور نادانی ہوگی۔

دوسرے پارہ کے اسباق کا خلاصہ

پہلے پارے کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہوئی۔ اس میں پورے کلام اللہ کا خلاصہ تھا۔ اس کے بعد سورہ البقرہ کی ابتداء میں کلام مجید کی حیثیت اور مومن۔ کافر۔ منافق۔ جماعتوں کا ذکر تھا۔ اس کے بعد خلافتِ آدمؑ۔ بنی اسرائیل کی تاریخ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کا بیان ہوا اور ساتھ ساتھ بہت سے مسائل کا ذکر ہوا۔ اس کی تفصیل سبق نمبر ۱۶۶ میں گذر چکی ہے۔

دوسرے پارہ کی ابتداء میں وقتِ اسلامیہ کے مقصدِ حیات اور فرائضِ ملی کا ذکر ہوا کہ یہ ملت دنیا کی نگران بنائی گئی ہے اس کے فوراً بعد تحویلِ قبلہ کا ذکر ہوا نیز یہ کہ قبلہ کا مقصد پوری ملت کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے۔

تیسرے رکوع میں شہادت اور شہیدوں کا درجہ بتلایا اور اس کے فوراً بعد توبہ کا طریقہ اور شرائط بتلائیں۔ چوتھے اور پانچویں رکوع میں حلال و حرام غذاؤں اور باپ دادا کی رسموں کی طرف توجہ دلائی۔

چھٹے رکوع کی پہلی آیت میں "نیک" کا ایک جامع تصور دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قصاص۔ وصیت۔ روزہ رمضان۔ دعا اور اعتکاف کے مسائل کا ذکر نہایت خوب صورتی سے موجود ہے۔

آٹھویں۔ نویں اور دسویں رکوع میں قتال فی سبیل اللہ اور حج کے مسائل بیان ہوئے ہیں اور درمیان میں کئی دوسرے مسائل بھی آگئے ہیں۔

اس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہوا۔ شراب کی حرمت۔ اہل شرک سے نکاح کی ممانعت کا حکم ہوا۔ اہل کتاب کا بھی ذکر آیا۔

بعد ازاں مسلسل چار رکوع یعنی بارہ سے پندرہ تک ازدواجی زندگی کے مسائل سے متعلق ہیں۔ مثلاً حیض و نفاس طلاق عدت۔ نہر۔ رضاعت اور دوسرے متعلقہ مسائل۔

دوسرے پارہ کے آخری دو رکوع یعنی نمبر سولہ اور سترہ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ مذکور ہے۔ یعنی جالوت کے مقابلہ میں حضرت طالوت کی لشکر کشی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سرفروشی۔ حق پرستوں کی شاندار کامیابی۔ اور باطل کی رسوا کن شکست۔

رسولوں کے درجات

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى

بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ

بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ

الجزء الثاني من نطق لازم

الرُّسُلُ :- واحد رسل ہے جس کے لئے پیغمبر اور نبی کے لفظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مصدر "رسالت" ہے۔ یعنی پیغام پہنچانا رسول اس مقدس گروہ کو کہا جاتا ہے جس نے اللہ کے پیغام اس کے بندوں تک کی پیشی کے بغیر پہنچائے۔

فَضَّلْنَا (ہم نے فضیلت دی) "فضل" اس کا مادہ ہے جس کے معنی بزرگی کے ہیں۔ تمام بزرگیاں اور بڑائیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے نوازے۔ کوئی شخص اپنے طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔ دولت، وجاہت، علم، زور، بازو یا خاندان کا غرض کوئی ایسی شے نہیں جس کے ذریعہ لازمی طور پر کسی کو بزرگی اور فضیلت حاصل ہو جائے۔ سوائے اس کے کہ اس کا فضل شامل حال ہو۔

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ (جس سے اللہ نے کلام فرمایا) یعنی وہ رسول جس سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ اور براہ راست اس تک اپنا پیغام پہنچایا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ رسولوں میں بعض کے درجے بعض سے بلند ہیں۔ مثلاً بعض سے اس نے براہ راست کلام فرمایا۔ بعض سے فرشتے کے ذریعے اور کچھ ایسے پیغمبر بھی ہوئے جو صرف پہلی شریعت کو زندہ کرنے کے لئے آئے۔ کوئی نئی کتاب لے کر نہیں آئے۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر آیا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ (ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے) اس سے مدعا یہ ہے کہ جہاں تک رسالت کا تعلق ہے ہم کسی کو چھوڑنا نہیں کہتے لہذا ان دونوں آیتوں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں اپنے اپنے محل پر درست ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ جب سے دنیا کا وجود ہوا ہے۔ اس وقت سے آج تک ہر زمانہ میں اور ہر امت میں نبی مبعوث ہوئے وہ سب ایک ہی خدا کا پیغام لائے۔ ہر ایک کا پیغام اپنے اپنے زمانے میں واجب الطاعت تھا۔ ہم ان سب کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ

اور ہم نے دیئے عیسیٰ بیٹے مریم کھلے معجزے

وَآتَيْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ - وَكَوْشَاءَ

اور ہم نے اسے قوت دی روح القدس اور اگر چاہتا

اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ

اللہ نہ لڑتے لوگ جو بعد ان کے

مِنْ بَعْدٍ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ - وَ

سے بعد جو پہنچے انہیں صاف حکم اور

لَكِنْ اِخْتَلَفُوا فِيهِمْ مَنْ آمَنَ - وَ

لیکن (لیکن ان میں) اختلاف پڑ گیا پھر ان میں کوئی جو ایمان لایا اور

مِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ - وَكَوْشَاءَ - اللَّهُ مَا

ان میں کوئی جو کافر ہوا اور اگر چاہتا اللہ نہ

أَقْتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

دہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ

اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے معجزے دیئے اور

وَآتَيْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ - وَكَوْشَاءَ

اس کو روح القدس یعنی جبریل سے قوت دی اور

اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ

اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے

مِنْ بَعْدٍ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ - وَ

انہیں میں نہ لڑتے اس کے بعد کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچے

لَكِنْ اِخْتَلَفُوا فِيهِمْ مَنْ آمَنَ - وَ

لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا اور پھر کوئی ان میں ایمان لایا اور

مِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ - وَكَوْشَاءَ - اللَّهُ مَا

کوئی کافر ہوا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے

أَقْتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

لیکن اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

ابن قریبہ: (مریم کا بیٹا) اس لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حضرت عیسیٰ جنہیں عیسیٰ خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں حقیقت میں مریم کے بیٹے ہیں خدا یا خدا کے بیٹے نہیں۔ وہ شکل و صورت میں ایسے ہی انسان ہیں جیسا کہ دوسرے اور ضروریات انسانی میں بھی دوسرے انسانوں جیسے ہیں۔

الْبَيْتُ: (کھلے معجزے) ان سے مراد وہ تمام کھلی ہوئی نشانیاں اور معجزے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو دیئے گئے تھے جنہیں دیکھ کر ہر عقلمند اور انصاف پسند آدمی حضرت عیسیٰ کو نبی مان لینے پر مجبور ہوا۔

رُوحُ الْقُدُسِ: (روح القدس) قرآن مجید کی اصطلاح میں اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ وہ اگرچہ بہت مقرب فرشتہ ہیں۔ تاہم ایک مخلوق ہیں اور عیسیٰ جو انہیں تین خداؤں میں سے ایک خدا سمجھتے ہیں غلطی پر ہیں۔ فرشتہ بھلا خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

أَيَّدْنَاهُ: (اور اس کو ہم نے قوت دی) اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام بڑے کمال اور فضل کے مالک تھے۔ پھر بھی آپ انسان ہی تھے اور انسانوں کی طرح وہ بھی نقصان سے بچاؤ اور نفع حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے۔

آخر میں یہ بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ جنہوں نے ان تمام پیغمبروں کی اور سب کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن نشانیاں دیکھ لیں آپس میں نہ لڑتے۔ یہ لوگ یہودی عیسیٰ اور مشرکین ہیں ان میں سے بعض تو ایمان لائے اور جزا کے مستحق ہوئے اور بعض نے کفر و انکار کیا اور سزا کے مستحق ہوئے۔

اللہ کی راہ میں خرچ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ

اے لوگو! ایمان والو! خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا

مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ - وَ

سے پہلے کہ آئے دن نہ خرید و فروخت اس میں اور

لَا خُلَّةَ - وَلَا شَفَاعَةَ - وَالْكَافِرُونَ - هُمُ

نہ آشنائی اور نہ سفارش اور جو کافر رہی

الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۳﴾

ظالم ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ

اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو

مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ - وَ

دیا اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس دن نہ خرید و فروخت ہے

لَا خُلَّةَ - وَلَا شَفَاعَةَ - وَالْكَافِرُونَ - هُمُ

نہ آشنائی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی

الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۳﴾

ظالم ہیں۔

عالم ہیں۔

رَزَقْنَاكُمْ، (ہم نے تمہیں عطا کیا) یہاں جمع متکلم کا صیغہ لاکر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ مال و دولت اور رزق و خوشحالی جو

کچھ بھی لوگوں کے پاس ہے۔ وہ سب ہمارا ہی دیا ہوا ہے اور اصل میں ہمیں ہی حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہیں۔ مال و دولت

صرف کرنے کا حکم دیں۔

یَوْمٌ (دن) یہاں دن سے مراد روز قیامت ہے مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنے اور نیکیاں جمع کرنے کا

موقع اس دنیا میں ہے۔ اس کے بعد جب روز قیامت آپہنچے گا تو پھر کسی عمل کا موقع نہیں مل سکے گا۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے عبادات اور معاملات کے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان تمام نیک کاموں میں

سب سے زیادہ دشوار کام جان اور مال کی قربانی ہے۔ اس لئے بار بار ان کا حکم آتا ہے۔ ان کی محبت ہی انسان کو گناہ کی طرف لجاتی ہے

حضرت طاہر اور آپ کے دشمن جالوت کا قصہ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اہمیت بتادی اور لوگوں کو حکم دیا کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کریں۔ سامان جنگ خریدنے کے لئے مال و زر کی ضرورت ہوتی ہے اس

لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم کے ساتھ ہی مال خرچ کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔ اور یہ بات واضح کر دی کہ اے ایمان والو! تمہیں دینے والے ہم

ہیں۔ تمہیں اس چیز کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ کہ نیک کاموں پر مال خرچ کرنے سے تم غریب ہو جاؤ گے۔ یا آئندہ کیلئے تم سچا نہیں سکو گے

بلکہ اس چیز پر نظر رکھو کہ تمہارا اپنا کچھ نہیں یہ صرف ہماری دین ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم مال و زر کی محبت میں پڑ کر اسے جمع کرتے رہو اور مہلت کا

وقت ختم ہو جائے۔ کیونکہ اس وقت نہ تو کہیں سے اس مال کے بدلے میں نیکی خریدی جا سکے گی۔ اور نہ بدی کی سزا سے نجات مل سکے گی۔

نہ وہاں سفارش چلے گی۔ نہ کسی کی دوستی اور آشنائی کام آئے گی۔ دنیا میں انسان کچھ لے دے کہ یا دوستی آشنائی سے یا سفارش سے کام

نکال لیتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن صرف عمل کام آئیں گے۔

آیت الکرسی

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا

اللہ نہیں معبود مگر وہ زندہ تھامنے والا نہیں

تَأْخُذُ نَوْمًا وَلَا سِنَّةً وَلَا نَوْمًا لَهُ مَا فِي

اسے پورے دن اور نہ نیند اس کا جو کچھ میں

السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ

آسمان اور جو کچھ میں زمین کون ہے

ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

جو سفارش کرے اس کے پاس بغیر اجازت کے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

جانتا ہے جو کچھ روبرو اور جو کچھ ان کے پیچھے

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِنْدِهِ إِلَّا

اور نہیں احاطہ کرتے کسی چیز کا سے اس کی معلومات مگر

بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ

جتنا وہ چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی آسمان

وَالْأَرْضِ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ

اور زمین اور نہیں گراں اسے ان کا تھامنا اور وہی

الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (۲۵۵)

بزر عظمت والا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا

تَأْخُذُ نَوْمًا وَلَا سِنَّةً وَلَا نَوْمًا لَهُ مَا فِي

اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ

السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ

آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کون ہے جو

ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

اس کے پاس سفارش کرے اس کی اجازت کے بغیر

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

جانتا ہے جو کچھ ان کے روبرو اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِنْدِهِ إِلَّا

اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے

بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ

مگر جتنا کہ وہی چاہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین

وَالْأَرْضِ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ

کو گنجائش ہے اور ان کا تھامنا اس کو گراں نہیں اور وہی سب

الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (۲۵۵)

بزر عظمت والا ہے۔

الْحَيُّ: (زندہ) مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اب تک ہے۔ زندگی کی صفت اس کی ذاتی صفت ہے نہ کبھی پہلے اس پر موت طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی۔ الْقَيُّومُ: (تھامنے والا) یعنی ایسی ہستی جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے قیام اور بقا کا سبب بھی ہے اور سب کو نبھاتا ہوئے ہے۔ كُرْسِيُّ: (کرسی) اس سے یہ مراد نہ لینا چاہیے کہ نعرہ باندھتا اللہ تعالیٰ کوئی جسم رکھتا ہے اور وہ کرسی نشین ہے۔ کرسی کے معنی علم کے لئے گئے ہیں اور قدرت اور طاقت کے بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت ساری کائنات پر غالب ہے۔

يَشْفَعُ عِنْدَهُ: (اس کے پاس سفارش کرے) شفاعت کے معنی سفارش کے ہیں۔ اور شافع سفارش کرنے والے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں کئی بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کی اجازت نہ ہوگی اور جو سفارش کرے گا بھی۔ وہ حق و صداقت کے خلاف نہ کرے گا۔ اس ایک جملہ نے سابقہ امتوں کے غلط عقیدے کی ترمیم کر دی ہے۔

سیدھی بات

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَوتِ وَالْأَرْضِ

تو کہہ کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمانوں سے اور زمین سے

قُلِ اللّٰهُ اِنَّا اُوْدِيَّاكُمْ لَعَلَّيْ هُدٰى

کہہ دے اللہ اور تختیں ہم یا تم ابنہ ہدایت پر ہیں

اَوْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۷﴾ قُلْ لَا تَسْئَلُوْنِ

یا گمراہی میں ہیں کھلی کہہ دے نہ پوچھے جاؤ گے تم

عَمَّا اٰجْرَمْنَا وَلَا نَسْئَلُ عَمَّا نَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اس کی بابت جو ہم نے گناہ کیا اور نہ پوچھے جائینگے ہم اس کی بابت جو تم کرتے ہو

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَوتِ وَالْأَرْضِ

تو کہہ تمہیں آسمان اور زمین سے روزی کون دیتا ہے

قُلِ اللّٰهُ اِنَّا اُوْدِيَّاكُمْ لَعَلَّيْ هُدٰى

بتا دے کہ اللہ اور یا ہم اور یا تم بے شک ہدایت پر ہیں

اَوْ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۷﴾ قُلْ لَا تَسْئَلُوْنِ

باصریح گمراہی میں پڑے ہیں تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی جو ہم

عَمَّا اٰجْرَمْنَا وَلَا نَسْئَلُ عَمَّا نَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

نے گناہ کیا اور ہم سے اس کی پوچھ نہ ہوگی جو تم کرتے ہو

مکہ والوں کا اس وقت وہی حال تھا جو آج کل دنیا کے دھندلوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کا حال ہے۔ اللہ کا نام لیتے

تھے اس کی قدرت کو مانتے تھے اور اس کے اختیار کے قائل تھے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسروں کو بھی مانتے تھے۔ بتوں کے

انگے نذر دنیا زینت پیش کرتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ یہ اللہ کی درگاہ میں ہماری سفارش کر کے ہمارا کام کرا دیں گے۔ اس آیت میں تو

دالوں کو اور ان جیسا خیال رکھنے والوں کو سمجھا یا جا رہا ہے کہ غفل سے کام لو اور سوچو کہ تمہارے کھانے پینے اور آرام کی چیزیں تمہیں

کون دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا ہم پہنچانا سوا اللہ کے کسی کا بس نہیں۔

ارشاد ہے کہ ان سے پوچھ کر تو دیکھ کہ تمہارا رزق تمہیں کون دیتا ہے ظاہر بات ہے کہ اس سوال سے سٹ پٹا جائیں گے

کیونکہ جب بت نہ تھے (بتوں کی پوجا عرب میں بے حد کی ایجاد تھی) تب بھی انہیں فراخی کے ساتھ اسی طرح رزق ملتا تھا۔ اس لیے

ان کو یاد دلا دے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ دیتا ہے اور یہ تم بھی مانتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ بتوں کو شریک نہیں کرتے اور تم

اسے جسے تمہارا جی چاہے اللہ کا شریک ٹھہرا لیتے ہو۔ ظاہر ہے کہ دونوں فریق سچے نہیں ہو سکتے۔ اب یا تو تم سیدھے راستہ پر ہو یا ہم

یا تم گمراہ ہو یا ہم اور گمراہی بھی ایسی کہ جو صاف نظر آرہی ہے۔

سنو! اپنی عاقبت کی فکر کرو تم سے ہماری غلط کاریوں کی بابت سوال نہیں ہوگا اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کی بابت پوچھا

جائے گا۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے اعمال کا ذمہ دار خود ہوگا۔

آیت الکرسی کی تشریح

آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور عظمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ اسے کبھی فنا نہیں صرف وہی ہے جو عبادت کے لائق ہے وہ ایسی صفتوں کا مالک ہے۔ کہ اس کے علاوہ کسی کی تعریف مناسب نہیں۔ وہ کل مخلوقات کا پیدا کرنے والا سب کا پالنے والا تمام کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے اور ان تمام کاموں کے کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں اسے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ وہ اکیلا ہی یہ سارے کام انجام دیتا ہے۔ اور وہ ان پر پوری طرح حاوی ہے وہ ازل سے ہے اور اب تک رہے گا۔ اس کی ذات سے ہی سب زندہ ہیں۔ وہ ہمیشہ سے قائم ہے اور دوسروں کے قائم رہنے کا سبب ہے۔ اسے کبھی تکان نہیں ہوتی۔ ساری کائنات کے اس قدر وسیع انتظام کے باوجود بھی اسے نہ آرام کی ضرورت پڑتی ہے نہ اسے کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ نیند وہ ہمہ وقت بیدار اور ہوشیار ہے۔

اس کا حلقہ اختیار تک یا محدود نہیں بلکہ ساری کائنات، زمین و آسمان پر محیط ہے۔ سب کچھ اسی کے لئے ہے اور اسے ہر چیز پر اختیار اور غلبہ حاصل ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کے حکم سے بندھی ہوئی ہیں اور جس طرح چاہے کام لیتا ہے۔ اس قدر علم و قدرت اور عظمت کا مالک ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے پاس کسی شخص کو سفارش کی جرات نہیں ہو سکتی ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ درویش ہو یا دنیا دار، امیر ہو یا غریب۔ بڑا ہو یا چھوٹا اپنے کئے کا پھل خود حاصل کرے گا۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں بانٹ سکے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کسی کو اجازت دے تو وہ اس کے دربار میں کچھ عرض کر سکتا ہے۔ وہ ہر شخص کے دل کی باتیں جانتا ہے۔ وہ ہر کسی کے ارادوں اور نیتوں سے واقف ہے۔ وہ ہر مخلوق کی نیکی اور بدی کا حساب رکھتا ہے اور یہ اس کے لئے بالکل آسان ہے۔ کسی کو اتنی طاقت نہیں کہ وہ اس کے علم کا کچھ حصہ اس کی اجازت کے بغیر پاسکے۔ بلکہ جس قدر علم کسی کو حاصل ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا نتیجہ ہے۔ اسکی کرسی علم اور کرسی حکومت کل کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ بڑی، چھوٹی، اچھی، بُری ظاہر و پوشیدہ ہر چیز اس پر روشن ہے۔ وہ اتنے وسیع سلسلہ کی نگرانی کر نیے تھک نہیں جاتا۔ اسکے لئے یہ سب انتظام آسان ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ تمام صفتوں اور خوبیوں کا مالک ہے اس کے مرتبہ کی کوئی انتہا نہیں مختصر یہ کہ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی مندرجہ ذیل صفات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ وہ الہی (زندہ) ہے۔

۲۔ القیوم (خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے اور کائنات کے نظام کو تھامنے والا ہے)

۳۔ اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

۴۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور اسی کے لئے ہے۔

۵۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے سامنے کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔

۶۔ وہ ہر کسی کے تمام حالات سے باخبر ہے۔

۷۔ کوئی اس کے علم اور اقتدار میں سے کچھ چھین نہیں سکتا۔

۸۔ زمین و آسمان اور ساری کائنات کی حفاظت اسکے لئے آسان ہے۔

۹۔ بندی اور عظمت اسی کے لئے ہے۔

دین میں جبر نہیں

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ

دین میں کوئی جبر نہیں ہے شک ہدایت گمراہی
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ
سے جدا ہو چکی ہے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ

نہیں جبر میں دین ہے شک جدا ہو چکی
الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ
ہدایت سے گمراہی

لَا إِكْرَاهَ: (کوئی جبر نہیں) "کواہ" سے یہ لفظ بنا ہے۔ کراہیت بھی اسی سے ہے۔ ایسا کام جو اپنی مرضی سے نہ کیا جائے بلکہ اس میں زبردستی اور جبر کو دخل ہو۔ اسے جبر واکراہ کہا جاتا ہے۔

الدِّينِ: (مذہب) لفظ دین دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) جزا و سزا یعنی بدلہ (۲) طریق فکر و عمل یعنی طریق زندگی (یہاں انہیں دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

الرُّشْدُ: (ہدایت) راشد اس کا اسم فاعل ہے جس کے معنی ہدایت یافتہ کے ہیں۔ یہاں لفظ رشد سے ہدایت کے عام معنوں کے علاوہ خود اسلام کے معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

الْغَيِّ: (گمراہی) غ۔ و۔ ی اس کا مادہ ہے جس کے معنی بہکانے اور گمراہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ یہاں "الغی" سے کفر و شرک کی گمراہی مراد ہے۔ اغواء (بہکانا) اسی سے بنا ہے۔

اس آیت سے اسلام کی مذہبی آزادی واضح ہوتی ہے۔ اسلام ہر شخص کو مذہب کے بارے میں اختیار عطا کرتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ اپنے ماننے والوں پر تبلیغ کو فرض قرار دیتا ہے۔ لیکن اس امر کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ وہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کریں اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔

اسلام کی مکمل تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنے ہمسایوں بلکہ محکوم رعایا کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان میں مسجدوں کے ساتھ مندر نہ ہوتے۔ مسلمانوں کے دار الخلافوں میں شاہی قلعوں کے زیر سایہ مندر گوردوارے اور غیر مسلموں کے عبادت خانے نہ ہوتے۔

ایک بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ایک شخص اسلام قبول کرنے کے بعد آزاد ہے کہ اسلام کی جس بات کو چاہے، مانے اور جس کو چاہے نہ مانے۔

جب ایک بار مذہب اسلام قبول کر لیا۔ تو اس کے تمام حکموں کو ماننا ہوگا۔ اب آزادی اور اختیار کا سوال نہیں رہتا۔ آزادی صرف مذہب کے قبول اور رد کرنے میں ہے۔ عمل میں نہیں۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہو جائے تو مذہب کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔

ہدایت اور گمراہی

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ - وَ- يُؤْمِنْ

جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والے اور یقین لائے
بِاللَّهِ - فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ

اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلق مضبوط
لَا انْفِصَامَ لَهَا - وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵۶﴾

نہیں ٹوٹنے والا اور اللہ سنتا ہے جانتا ہے
اللَّهُ - ذُو الْوَلِيِّ - الَّذِينَ اٰمَنُوا - يُخْرِجُهُم مِّنَ

اللہ مددگار رک ایمان والے انہیں نکالتا ہے سے
الظُّلُمَاتِ - اِلَى الْنُّورِ - وَالَّذِينَ كَفَرُوا

اندھیرے طرف روشنی اور جو لوگ کافر ہوئے
اُولٰٓئِهِمُ الطَّاغُوتُ - يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ

ان کے رشتی شیطان انہیں نکالتے ہیں سے
النُّورِ - اِلَى الظُّلُمَاتِ - اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ

روشنی طرف اندھیرے یہی لوگ دوزخ میں رہنے
النَّارِ - هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۵۷﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
الطَّاغُوتُ: (سرکش گمراہ کرنے والا) طغی اس کا مادہ ہے۔ طاعنی اور طغیان بھی اس سے نکلے ہیں۔ "الطَّاغُوت" سے مراد وہ ہستی ہے جو

بااختیار ہو۔ خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب ہو۔
ذُو، (مددگار۔ دوست) اس کی جمع اولیاء ہے۔ یہ لفظ رفق۔ سرپرست۔ کارساز اور دوست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

الظُّلُمَاتِ: (اندھیرے) اس کا واحد ظلمت ہے۔ روشنی اور نور ایک ہی ہو سکتا ہے لیکن تاریکیاں کئی قسم کی ہو سکتی ہیں۔ یہاں کفر و
شُرک بے ایمانی اور گمراہی کی تاریکیاں مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ جو کوئی ہدایت اختیار کرے گا۔ وہ گویا نور میں پہنچ جائے گا۔ اللہ اس کا رفیق و کارساز
ہوگا۔ جو کوئی کفر و سرکشی اختیار کرے گا۔ گویا وہ اندھیروں اور تاریکیوں میں گرفتار ہو جائے گا۔ سرکش اور گمراہ اس کے ساتھی ہوں گے
اور جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِنْ

جو گمراہ کرنے والوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو
بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ

تو اس نے مضبوط حلق پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا
لَا انْفِصَامَ لَهَا - وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵۶﴾

نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔
اللَّهُ ذُو الْوَلِيِّ الَّذِينَ اٰمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ

اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے روشنی
الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہوئے
اُولٰٓئِهِمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ

ان کے رشتی شیطان ہیں انہیں نکالتے ہیں روشنی
النُّورِ اِلَى الظُّلُمَاتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ

سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخ میں رہنے
النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۵۷﴾

وہ اس میں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔
الطَّاغُوتُ: (سرکش گمراہ کرنے والا) طغی اس کا مادہ ہے۔ طاعنی اور طغیان بھی اس سے نکلے ہیں۔ "الطَّاغُوت" سے مراد وہ ہستی ہے جو

بااختیار ہو۔ خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب ہو۔
ذُو، (مددگار۔ دوست) اس کی جمع اولیاء ہے۔ یہ لفظ رفق۔ سرپرست۔ کارساز اور دوست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

الظُّلُمَاتِ: (اندھیرے) اس کا واحد ظلمت ہے۔ روشنی اور نور ایک ہی ہو سکتا ہے لیکن تاریکیاں کئی قسم کی ہو سکتی ہیں۔ یہاں کفر و
شُرک بے ایمانی اور گمراہی کی تاریکیاں مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ جو کوئی ہدایت اختیار کرے گا۔ وہ گویا نور میں پہنچ جائے گا۔ اللہ اس کا رفیق و کارساز
ہوگا۔ جو کوئی کفر و سرکشی اختیار کرے گا۔ گویا وہ اندھیروں اور تاریکیوں میں گرفتار ہو جائے گا۔ سرکش اور گمراہ اس کے ساتھی ہوں گے
اور جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔

حضرت ابراہیم اور نمرود

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ

کیا نہ دیکھا تو نے طرف وہ شخص جس نے جھگڑا کیا ابراہیم

فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ مُرَادًا

میں اس کا رب کہ اسے دی اللہ سلطنت جب

قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ

کہا ابراہیم میرا رب جو زندہ کرتا ہے اور

إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ

ابراہیم بے شک اللہ لاتا ہے سورج سے

الشَّرْقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

مشرق تو لے آ لے سے مغرب تب رہ حیران ہو گیا

الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جو کافر اور اللہ نہیں راہ دکھاتا

الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

بے انصاف۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ

کیا تو نے اس شخص کو نہ دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب

فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ مُرَادًا

کی بابت جھگڑا کیا اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی

قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ

جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا

إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ

ہے۔ وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا

الشَّرْقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے اب

الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

تو لے سے مغرب کی طرف سے لے آ تب وہ کافر

الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

حیران رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کو راہ

نہیں دکھاتا۔

الَّذِي حَاجَّ: (جس نے جھگڑا کیا) حضرت ابراہیم سے بحث کرنیوالا شخص آپ کے زمانہ کا بادشاہ تھا مفسروں نے نمرود کا نام لیا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں ایمانداروں اور کافروں کا ذکر تھا اور نور کی روشنی اور کفر کی تاریکی کا بیان تھا۔ اب اس آیت کی تائید میں چند مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی مثال میں نمرود بادشاہ کا ذکر ہے۔ وہ سلطنت کے غرور سے اپنے آپ کو سجدہ کروانا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا۔ نمرود نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ رب تو میں ہوں حضرت ابراہیم نے جواب دیا۔ رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے حضرت ابراہیم کی اس دلیل کے جواب میں نمرود نے دو قیدی منگائے۔ ان میں سے جو بے قصور تھا۔ اسے مار ڈالا اور قصور دار کو چھوڑ دیا۔ اور کہا آپ نے دیکھا جس کو چاہوں مارتا ہوں اور جسے چاہوں موت سے بجاتا ہوں۔

اگرچہ نمرود حضرت ابراہیم کے چیلنج کا صحیح جواب نہ دے سکا تھا۔ آپ نے سوچا کہ نمرود میری دلیل کو نہیں سمجھا اس لئے آپ نے سورج کی دلیل پیش کی اور فرمایا میرا رب سورج کو مشرق سے چڑھاتا ہے تو مغرب سے چڑھتا ہے اور دکھا اس پر وہ مغرور و حتمی لاجواب ہو گیا اور اس سے کچھ بن نہ پڑا۔ لیکن اس کے باوجود نمرود ایمان نہ لایا۔ واقعی بے انصافوں کو ہدایت کی راہ نہیں ملتی۔

اُجْرْمِي بَسْتِي كِي مَشَال

اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ

یا وہ شخص گذرا۔ اور وہ گریٹا تھا

عَلَى عُرُوشِهَآءَ قَالِ اِنِّي يُحْيِي هٰذِهٖ۔ اللّٰهُ

اور اس کی چھتیں بولا کیونکہ زندہ کریگا اسے اللہ

بَعْدَ مَوْتِهَآءَ فَاَمَاتَهُ۔ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ

بعد اس کی موت پھر مردہ رکھا اللہ سو برس پھر

ثُمَّ بَعَثَهُ قَالِ كَمْ لَبِثْتُ قَالِ لَبِثْتُ

اسے اٹھایا کہا کتنی دیر تو یہاں رہا بولا میں رہا

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالِ بَلْ لَبِثْتُ مِائَةَ

ایک دن یا کم ایک دن کہا نہیں بلکہ تو رہا سو

عَامٍ فَاَنْظُرْ اِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ

برس اب دیکھ طرف اپنا طعام اور اپنا پینا نہیں

يَتَسَنَّهٖ وَاَنْظُرْ اِلَى حِمَارِكَ وَلِيَجْعَلَ اٰيَةً

سڑ گیا اور دیکھ طرف اپنا گدھا اور ہم نے تجھے بنا ناچا نمونہ

لِلنَّاسِ وَاَنْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِرُهَا

لوگوں کے لئے اور دیکھ طرف ہڈیاں کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں

ثُمَّ نَكْسُوهَا لِحًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالِ

پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب ظاہر ہوا اس پر کہ اٹھا

اَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

مجھے معلوم ہے بیشک اللہ اور ہر چیز پر قادر ہے۔

اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ

یا تو نے نہ دیکھا اس شخص کو کہ وہ ایک شہر پر گذرا اور وہ شہر

عَلَى عُرُوشِهَآءَ قَالِ اِنِّي يُحْيِي هٰذِهٖ اللّٰهُ

اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا۔ بولا اللہ اسے کیونکہ زندہ کریگا اس کے مرنے

بَعْدَ مَوْتِهَآءَ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ

کے بعد پھر اللہ نے اسے سو برس تک مردہ رکھا پھر اسے

ثُمَّ بَعَثَهُ قَالِ كَمْ لَبِثْتُ قَالِ لَبِثْتُ

اٹھایا پوچھا تو یہاں کتنی دیر تک رہا۔ بولا ایک دن یا

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالِ بَلْ لَبِثْتُ مِائَةَ

ایک دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو سو برس

عَامٍ فَاَنْظُرْ اِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ

رہا اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا

يَتَسَنَّهٖ وَاَنْظُرْ اِلَى حِمَارِكَ وَلِيَجْعَلَ اٰيَةً

اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھے نمونہ بنا ناچا لوگوں کے لئے

لِلنَّاسِ وَاَنْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِرُهَا

اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر

ثُمَّ نَكْسُوهَا لِحًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالِ

ان پر گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہوا تو یہ کہہ

اَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

اٹھے کہ مجھے معلوم ہے کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

الَّذِي مَرَّ: (جو شخص گذرا) اس شخص کے بارے میں مختلف قول ہیں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے آپ اسرائیلی سلسلہ کے ایک مشہور پیغمبر گذرے ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔ ۲۵۹ ق م میں ڈیڑھ ہزار یہودیوں کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس شخص سے مراد حضرت یرمیاہ نبی ہیں یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیغمبر تھے اور توہینِ نبوی سے پہلے ہی تھے۔

سابقہ مثال کی وضاحت

سورہ بقرہ کی اس آیت میں جس اجڑی ہوئی بستی کا ذکر ہے۔ اس کے بارہ میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ البتہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ اس میں بیت المقدس کی طرف اشارہ ہے۔ جسے بخت نصر (شاہ بابل) نے بری طرح برباد کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کی نشانی دکھانے کے لئے یہ مثال بیان کی گئی ہے۔ بخت نصر نے بیت المقدس پر چڑھائی کر کے اس کو دیران کیا اور بنی اسرائیل کے بہت سے لوگوں کو قید کر کے لے گیا۔

حضرت عزیرؑ قید سے چھوٹ کر آئے تو راستہ میں آپ نے دیران شہر دیکھا جس کی عمارتیں تہ و بالا ہو چکی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنے دل میں کہا کہ یہاں کے رہنے والے سب مر چکے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو کیونکر زندہ کریگا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت حضرت عزیرؑ پر موت طاری ہو گئی اور سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ آپ سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا اور نہ اس علاقے کی خیر باہر پھیلی اس اثناء میں بخت نصر بھی مر گیا اور کسی دوسرے بادشاہ نے بیت المقدس کو آباد کیا۔ سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عزیرؑ زندہ ہوئے۔ ان کا کھانا اسی طرح پاس ہی رکھا تھا۔ ان کا گدھا جو مر چکا تھا اور جس کی ہڈیاں گل سڑ چکی تھیں آپ کے سامنے زندہ ہو گیا۔ اس سو سال کے عرصہ میں بنی اسرائیل قید سے رہا ہو کر شہر میں آباد بھی ہو چکے تھے۔

حضرت عزیر علیہ السلام جب فوت ہوئے تھے۔ اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا۔ اور جب زندہ ہوئے تو ابھی شام نہ ہوئی تھی اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ یہاں کتنی دیر بٹھہرے تو سوچ کر کہنے لگے کہ یا تو ایک دن ہوا ہے یا اس سے بھی کم۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے سامنے گدھے کی تمام ہڈیاں صحیح ترکیب کے ساتھ اس کے بدن میں جمع ہو گئیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھ گیا اور کھال بھی درست ہو گئی۔ پھر خدا کے حکم سے اس میں جان آگئی اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

حضرت عزیرؑ نے اس تمام کیفیت کو دیکھنے کے بعد کہا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگرچہ میں پہلے بھی جانتا تھا کہ مردے کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔ اب اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عزیرؑ کے یقین میں پہلے کچھ کمی تھی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ انہیں پہلے مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت عزیرؑ یہاں سے بیت المقدس پہنچے تو انہیں کسی نے نہ پہچانا کیونکہ خود تو یہ جوان رہے اور ان کے سامنے کے بچے بوڑھے ہو گئے۔ جب انہوں نے زبانی توریت سناٹی۔ تو لوگوں کو ان کا یقین ہو گیا۔ اس نکتے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے بلکہ یہ کام اس کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ قیامت کا آنا یقینی ہے جبکہ تمام مردے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دم کے دم میں پھر زندہ ہو جائیں گے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہمیں شہر کے نام سے کوئی غرض نہیں جس امر پر کلام اللہ نے بحث ضروری نہیں سمجھی۔ ہمیں بھی اس پر جگر خراشی کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ قرآن مجید کا مقصد تاریخی واقعات کو بطور تاریخ بیان کرنا ہے۔ نہ ہم اللہ کی کتاب کو تاریخ کے طور پر پڑھتے ہیں۔ اصل مقصد نپند و موعظت ہے۔ اسے ہر دم پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مردوں کو زندہ کرنا

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ

اور جب کہا ابراہیم پروردگار مجھے دکھا کیونکر
تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ

زندہ کریگا مردے فرمایا کیا نہیں تجھے یقین کہا
بَلَىٰ وَ لَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ

کیوں نہیں لیکن تاکہ تسکین ہو جائے میرے دل کی کہا تو چڑھ
أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

چار سے چار جانور پھر ان کو ہلا اپنے ساتھ
ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پھر رکھ دے اور ہر پہاڑ ان کے بدن ٹکڑا
ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَا أَيُّهَا سَعِيَاءُ وَعَلَّمْ

پھر ان کو بلا تیرے پاس آئیں گے دوڑتے اور جان لے
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

بیشک اللہ زبردست حکمت والا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ

اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا کہ
تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ

تو مردے کیسے زندہ کریگا فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں
بَلَىٰ وَ لَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ

نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کی تسکین ہو جائے
أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

فرمایا تو اڑنے والے چار جانور پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے
ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

پھر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر انہیں
ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَا أَيُّهَا سَعِيَاءُ وَعَلَّمْ

بلا تیرے پاس دوڑتے آئیں گے اور جان لے کہ اللہ
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

زبردست حکمت والا ہے۔

کَيْفَ: (کیونکر) یہاں یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردوں کے زندہ ہونے پر کوئی شک ظاہر نہیں کیا بلکہ
صرف یہ پوچھا کہ وہ کس خاص کیفیت کے ساتھ زندہ کئے جائیں گے ان کو دوبارہ زندگی بخشنے کا خاص طریقہ کیا ہوگا؟

مِنْهُنَّ جُزْءًا: (ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا) یعنی ان چاروں جانوروں کے بٹے جملے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔
آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و عظمت کو بیان کر کے بتایا تھا کہ ہدایت اور گمراہی کی راہیں صاف صاف واضح ہو
چکی ہیں! اس لئے اب ہر عقل سلیم والے شخص کو چاہیے کہ وہ نیکی کی راہ اختیار کرے۔

اس کے بعد قرآن مجید نے مختلف واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ نیکی اور بدی کی راہوں کے صاف صاف کھل جانے کے باوجود
بعض لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرود کا واقعہ بیان کیا گیا۔ پھر مردوں کو زندہ کرنے
کی قدرت و اختیار کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا اور اس کی مزید تاکید کے لئے ان آیتوں
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جسے تفصیل کے ساتھ ہم اگلے سبق میں بیان کریں گے اور اس کے بعد وہ
باتیں بھی لکھیں گے جو اس واقعہ سے بطور سبق لی گئی ہیں۔

حضرت ابراہیم کا ایک واقعہ (مرنے کے بعد زندگی)

توحید اور عقیدہ آخرت دو ایسی حقیقتیں ہیں جن پر مذہب اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والا شخص کبھی بے راہ نہیں ہو سکتا اور مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین رکھنے والا اپنے اعمال پر ہمیشہ کڑی نظر رکھتا ہے اور برائی سے پوری طرح احتیاط اور پرہیزگاری کو شش کرتا ہے۔ یوں تو قیامت اور مرنے کے بعد کی زندگی پر ہر مومن کو کلی یقین ہے اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کامل یقین تھا۔ تاہم آپ نے مشاہدہ کی خاطر اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ تو موت کے بعد کی زندگی بخشا ہے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تجھے اس پر یقین نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے البتہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد دل کو اور زیادہ اطمینان حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ وہ چار جانور لائیں۔ اور چاروں کو اپنے ساتھ بلائیں تاکہ پہچان رہے پھر انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت ملا جلادیں۔ اور پھر وہ گوشت مختلف پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا کر کے رکھ دیں اور درمیان میں کھڑے ہو کر ان کا نام لے لے کر بلائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے ایک جانور کا نام لے کر پکارا تو اس جانور کے جسم کے ٹکڑے تمام پہاڑوں سے اکٹھے ہو کر آپس میں ملے اور زندہ جانور کی شکل بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ اسی طرح چاروں جانور زندہ ہو کر ان کے پاس آگئے۔ اس سبق سے بعض نہایت پر حکمت باتیں نکلتی ہیں جنہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو جو مشاہدے ہوتے ہیں۔ ان سے ان کے ایمان اور یقین میں ترقی ہوتی ہے۔

۲۔ جس قسم کا سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ اس قسم کے سوالات محض بے اعتقادی سے ہی پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کی تہ میں نیکی اور تحقیق کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

۳۔ ایمان کے بڑھنے سے اطمینان قلب پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ پندوں کے زندہ ہونے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز سے دوڑے چلے آنے کو انہونی بات نہ سمجھنا چاہیے۔ اس کے لئے

ہم ایک ادنیٰ سی مثال دیتے ہیں۔ فرض کریں کہ لوہا تانبہ پتیل اور سونے کے باریک باریک ٹکڑے آپس میں ملا کر ان کی چار ڈھیریاں الگ الگ رکھ دی جائیں اور پھر درمیان میں ایک مقناطیس لارکھیں تو لوہے کے ٹکڑے چاؤں ڈھیروں سے الگ ہو کر مقناطیس کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز میں مقناطیسی قوت موجود تھی۔ انہوں نے جس جانور کو بلا یا۔ وہی ان کے پاس چلا آیا۔ اس مثال سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ اس کے نزدیک کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔

۶۔ اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے ہر حکم اور ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ آیۃ الکرسی سے جو مضمون شروع ہوا تھا۔ وہ اس آیت پر آکر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مسائل کا ذکر شروع ہوگا اور درمیان میں عقائد کا ذکر بدستور آتا رہے گا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ

سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ

وَاللَّهُ يُضِعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ تَحْرًا لَا يُتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا

مِنَّا وَلَا أَذَىٰ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

ہوں گے۔

آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و قدرت کا بیان فرمایا۔ اس کے بعد تین قصے بیان کئے اور بتایا کہ ہدایت اور گمراہی نیز زندگی اور موت اس کے اختیار میں ہے۔

اب جہاد اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس کے متعلق ضروری شرائط کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال سے کر فرمایا کہ جو لوگ اس کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں انہیں کئی گنا ثواب ہوگا جس طرح اس کا فضل ہم اس دنیا میں زمین کی پیداوار کے سلسلے میں دیکھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے نیک اعمال کے اجر میں بھی وہ اپنے فضل سے کام لے گا۔ ہم اگر دانہ لوٹیں تو اس کے فضل و رحمت سے اس دانے سے سات سو دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ چاہے تو اس سے بھی بڑھا کر سات ہزار اور اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے وہ خرچ کرنے والے کی نیت کو جانتا ہے اس کے خرچ کی مقدار سے خوب واقف ہے اور جو مال نیک نیتی سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائیگا۔ وہ اسکا کئی گنا اجر دے گا۔ اسکے بعد یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ضرورت مندوں پر مال خرچ کرتے ہیں اور ان پر کوئی احسان نہیں جتاتے انہیں طعنے دے کر نہیں ستاتے۔ ان سے کسی قسم کی خدمت نہیں لیتے اور ان کی تحقیر نہیں کرتے۔ انہیں پورا پورا ثواب ملے گا۔ ایسے لوگوں کو نہ ماضی کا غم ہوگا۔ اور نہ مستقبل کا خوف ہوگا۔

خیرات ضائع نہ کرو

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

نرم جواب دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر
صَدَقَةٌ يَتَّبِعُهَا أَذَىٰ وَاللَّهُ غَنِيٌّ

ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے نیاز بردبار
حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

ہے۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات ضائع
تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ

نہ کرو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

نرم بات اور درگزر بہتر سے
صَدَقَةٌ يَتَّبِعُهَا أَذَىٰ وَاللَّهُ غَنِيٌّ

خیرات جس کے پیچھے ستانا اور اللہ بے نیاز
حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

بردبار۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات
تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ

ضائع کرو اپنی خیرات احسان سے اور تکلیف۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ: (نرم بات) قول کے معنی ہیں گفتگو اور جواب اور "معروف" کے معنی ہیں دستور کے مطابق۔ مراد ہے نرم اور

شیریں کلام۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو خیرات صدقات سے کچھ نہ دیا جاسکتا ہو۔ تو اسے نرمی اور خوش کلامی سے جواب دے
دینا اس سے بہتر ہے کہ اسے تکلیف پہنچائی جائے۔

مَغْفِرَةٌ: (درگزر کرنا) مقصد یہ ہے کہ اگر ضرورت مند سوالی بار بار سوال کرے۔ سختی یا بد تہذیبی سے مانگے۔ اور اس کا سوال
کرنا طبیعت پر گراں گذرے تو تکلیف پہنچانے سے بہتر ہے کہ اس سے درگزر کی جائے۔

أَذَى: (آزار) اس لفظ کے معنی میں ہر قسم کی ایذا رسانی اور تکلیف پہنچانا شامل ہے۔

مَنَّ: (احسان) نیکی کر کے اسے جتلانا اور احسان دھڑنا من کہلاتا ہے۔

اسلام نے حسن سلوک اور صدقہ و خیرات کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے اور اس طرح ضرورتمندوں پر دولت خرچ کرنے
کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شمار کیا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک پیسہ خرچ کرنے کا اجر و
ثواب سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اگر کسی ضرورتمند سوالی کو تم کچھ دے نہ سکو تو کم از کم اس سے نرم گفتاری اور درگزر سے پیش آؤ۔ بھڑکنا
اور ڈوانٹ ڈپٹ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اللہ کی راہ میں کچھ دے کر ضرورتمند پر احسان دھرتے ہو یا اسے تکلیف
پہنچاتے ہو تو تمہارا دیا ہوا سب اکارت جاتے گا۔ اس کا تمہیں کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

خیرات ضائع کرنے کی مثال

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءً لِلنَّاسِ - وَ

اس شخص کی طرح خرچ کرتا ہے اپنا مال دکھاوا لوگوں کے اور

لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ - وَالْيَوْمِ الْآخِرِ - فَمَثَلُهُ

ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور آخرت کے دن اس کی مثال

كَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ - فَأَصَابَهُ

ایسی جیسے صاف پتھر اس پر مٹی اس پر برسا

وَأَبُلُ - فَتَرَكَهُ - صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ

زور کا مینہ اسے پھوڑ دیا صاف ہاتھ نہیں لگتا

عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا - وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

پر کچھ اس سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲۶۳)

کافر قوم -

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءً لِلنَّاسِ وَ

اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتا ہے۔

لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ

اور اللہ اور آخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتا اس کی مثال ایسے

كَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ

ہے جیسے صاف پتھر اس پر کچھ مٹی پڑی ہے۔ پھر اس زور سے

وَأَبُلُ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ

مینہ برسا کہ اسے بالکل صاف کر چھوڑا ایسے لوگوں کو اس کا (مثال)

عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

جو انہوں نے کمایا کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور اللہ کافروں کو

الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲۶۳)

سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ریا کاری کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا۔ صدقہ صرف ریا سے باطل ہو جاتا ہے خواہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہو۔ ایمان کی قید کو اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریا کاری مومن کی نشان سے بغید ہے۔ دکھاوا صرف منافقوں اور کافروں کے مناسب حال ہے۔

گذشتہ آیات میں خیرات کی مثال ایسی بتائی گئی تھی جیسے ایک دانہ لوبیا اور اس سے سات سو دانے پیدا ہو گئے اب یہ فرمایا کہ کئی گنا اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے نیت کا نیک ہونا شرط ہے اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال اس دانے کی ہے جو ایک ایسے پتھر پر بویا گیا جس پر پتھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی لیکن جب مینہ برسا تو پتھر بالکل صاف رہ گیا اور سات سو دانے پیدا ہونے کی بجائے وہاں سے کچھ بھی پیدا نہ ہوا بلکہ اصل بیج بھی بہ گیا۔

پتھر بیج بونے کی یہ مثال ریا کاروں کے بالکل مناسب حال ہے۔ کیونکہ جس طرح ظاہری طور پر پتھر دھوکا دیتا ہے کہ شاید اس پر دانہ آگ سکے۔ اسی طرح ایک یا کار بھی ظاہری طور پر دیکھنے والوں کو یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے لیکن اندرونی طور پر جس طرح پتھر سے دانہ نہیں آگ سکتا۔ اسی طرح اس شخص کا دل ظاہری حالت سے بالکل مختلف ہوتا ہے اور اس کے ہاتھوں کبھی کوئی نیک عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا دل ایک چٹان کی طرح سخت اور بے رحم ہے۔

ایسے گمراہ لوگوں کو جو اپنے آپ پر اظہم کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سیدھی راہ نہیں دکھائیگا کیونکہ وہ اپنے بڑے ارادوں میں اس قدر سخت ہو چکے ہیں کہ نیک بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ایک اور مثال

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
 اور ان کی مثال جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی
 اَبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
 خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کے ایسی
 اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا
 ہے جیسے بلند زمین پر ایک باغ ہے۔ اس پر زور کا مینہ پڑا
 وَاَيْلٌ فَاتَتْ اُكْلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ
 تو وہ باغ اپنا پھل دوچند لایا اور اگر اس پر مینہ نہ پڑتا
 يَصِيْبَهَا وَاَيْلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا
 تر پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو
 تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

خوب دیکھتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ - اَمْوَالَهُمْ
 اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال
 اَبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ - وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
 حاصل کرنا خوشی اللہ اور ثابت کر کے سے
 اَنْفُسِهِمْ - كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ - اَصَابَهَا
 ان کے دل ایسی جیسے باغ بلند زمین پر اس پر پڑا
 وَاَيْلٌ فَاتَتْ اُكْلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ
 زور کا مینہ تو وہ لایا اپنا پھل دوچند اور اگر نہ
 يَصِيْبَهَا وَاَيْلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا
 اس پر پڑا مینہ تر پھوار اور اللہ سے
 تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

تمہارے کام دیکھتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ کی راہ میں صرف اس لئے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو جائے۔
 وہ اس کی رضامندی حاصل کر لیں اور اپنی اطاعت کا ثبوت دیں۔

ان لوگوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے ایسے باغ سے دی ہے جو کسی اونچی جگہ پر واقع ہو جہاں کی ہوا قدرتی طور پر لطیف اور بار آور ہو۔
 اس باغ پر اگر زور کا مینہ برسے تو یہ باغ دگنا پھل لائے اور اگر زور کا مینہ نہ برسے اور تھوڑی سی پھوار پڑ جائے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ پھل لائے۔
 یہاں مینہ کی مثال مال خرچ کرنے سے دی گئی ہے اور باغ کے اونچی جگہ ہونے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اسکی نیت بالکل درست ہے وہ محض اللہ کی
 رضا کے لئے مال خرچ کرتا ہے اسلئے اگر وہ بہت زیادہ مال خرچ کرے تو اس کا نتیجہ ایسا ہی اچھا ہوگا جیسے باغ پر بہت زور کا مینہ برسے اور اچھا پھل
 لائے نیت کے صاف ہونے کی صورت میں اگر وہ تھوڑا ہی مال خرچ کرے تو بھی اسے اس کے برابر جملے کا جیسا کہ پھوار پڑنے سے بھی باغ کچھ نہ کچھ پھل ضرور لاتا ہے۔
 یہاں ایک اور حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ جس طرح انسان بدی سے برائی کی طرف مائل ہوتا ہے ایسی طرح نیکی سے اس کا رجحان
 نیکی کی طرف ہو جاتا ہے اور فطری طور پر وہ نیکی پر ثابت قدم ہو جاتا ہے۔

مبارک ہیں وہ انسان جو نیکیوں کی طرف سبقت کریں اور برائیوں سے پرہیز کریں۔

ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنی چاہیے کہ بڑی بڑی مالی قربانی ریاکاری کے تصور سے احسان دھرنے اور ایذا دہی سے ضائع ہو جاتی ہے۔
 دوسری طرف چھوٹی سے چھوٹی خیرات بڑا پھل لاتی ہے بشرطیکہ اس مقصد محض فرض کی ادائیگی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب ہو۔

ریا کاری سے خرچ کرنے کی مثال

أَيُّودٌ أَحَدَكُمُ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ

کیا پند آتا ہے تم میں کسی کو کہ یہ اس کا باغ

مَنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ

سے کھجور اور انگور بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ

اس کے نیچے نہریں اس میں سے سب

الشَّرَاةِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ

میرے اور اس پر آئیں بڑھاپا اور اس کی اولاد

ضَعْفَاءٌ فَأَصَابَهَا عِصَابٌ مِنْ

کمزور تب اس پر آٹا گولا جس میں آگ

فَأَحْرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

جس سے وہ جل گیا یوں سمجھتا ہے اللہ تمہیں

الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

آیتیں تاکہ تم غور کرو۔

أَيُّودٌ أَحَدَكُمُ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ

کیا تم میں سے کسی کو یہ پند آتا ہے کہ اس کا ایک باغ

مَنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ

ہو کھجور اور انگور کا اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ

اسے اس باغ میں ہر طرح کے میوہ حاصل ہوں اور

الشَّرَاةِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ

اس پر بڑھاپا آگیا ہر اور اس کی اولاد کمزور

ضَعْفَاءٌ فَأَصَابَهَا عِصَابٌ مِنْ

ہو تب اس باغ پر ایک گولہ آٹے جس میں آگ ہو جو باغ

فَأَحْرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

کو جلا ڈالے اللہ تعالیٰ تم کو اسی طرح اپنی آیات سمجھاتا

الآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

ہے تاکہ تم غور کرو۔

اس آیت میں ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو محض لوگوں کو دکھانے کے لئے صدقہ و خیرات دیتے ہیں یا خیرات کر کے لوگوں پر احسان جتاتے ہیں اور انہیں روحانی یا جسمانی تکلیف پہنچاتے ہیں۔

اس طرح مال خرچ کر نیوالے کی مثال ایسی ہے جیسے اس کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے جو سرسبز و شاداب اور خوب پھلا پھولا ہوا ہے۔ ہر طرح کے میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ باغ کا مالک بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ خود کام نہیں کر سکتا اور اس کے بچے بھی ابھی چھوٹے چھوٹے ہیں جو اپنے باپ کا دکھ درد بانٹنے کی بجائے خود اس پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔ عین اس شدید بڑھاپے اور بچوں کی حاجتمندی کے وقت ایک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ اس وقت باغ کے مالک کے غم اور حسرت کا اندازہ کیا ہوگا۔

اس سے کہیں بڑھ کر بری حالت اس بد نصیب کی ہوگی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو گئی گو یا ریا کاری سے نیکیوں کو ایسے ہی آگ لگتی ہے اور ان کا اجر یونہی برباد ہو جاتا ہے جیسے اس باغ کو آگ لگ گئی اور اس کا مالک تباہ ہو گیا اللہ تعالیٰ یہ تمام مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے کہ ہم ان میں غور کریں اور عبرت پکڑ کر اپنا سارا کیا دھرا آخر میں ضائع نہ کر دیں۔

اللہ کی راہ میں اچھی چیز دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا - مِنْ
 طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا
 لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْخَبِيثَ
 مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا
 أَنْ تُغْنِصُوا فِيهِ - وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
 غَنِيٌّ حَمِيدٌ (۲۶۷)

اے ایمان والو! خرچ کرو۔ اس میں سے جو تم نے نکالا
 ستمہاری جو تم کماؤ اور اس میں سے جو ہم نے نکالا
 تمہارے لئے زمین اور نہ قصد کرو گندی چیز
 اس میں کہ خرچ کرو حالانکہ نہ تم لوگے اسے مگر
 یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں اور جان رکھو کہ اللہ
 بے پروا خویوں والا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ
 طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا
 لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْخَبِيثَ
 مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا
 أَنْ تُغْنِصُوا فِيهِ - وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
 غَنِيٌّ حَمِيدٌ (۲۶۷)

اے ایمان والو! خرچ کرو ستمہاری چیزیں اپنی
 کمائی میں سے اور اس میں سے کہ جو ہم نے
 تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اور اس میں سے گندی چیز کا
 قصد نہ کرو کہ اسے خرچ کرو حالانکہ تم اسے کبھی نہ لوگے مگر
 یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا
 خویوں والا ہے۔

الْخَبِيثُ: (گندی چیز) مراد ہے ردی اور ناکارہ چیز۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں مختلف احکام دیئے جا چکے ہیں۔ گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے وقت ریاکاری اور نمائش سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔ نیز لوگوں کو ستانا اور اپنی بڑائی جنانا بھی مقصود نہ ہونا چاہیے جن کو مال دیا جائے ان پر احسان نہ رکھا جائے انہیں ایذا پہنچائی جائے اور انہیں حقیر نہ سمجھا جائے بلکہ نیک ارادے اور خلوص دل سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا کوئی اور مقصد نہ ہو۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جائز اور پاک کمائی میں سے اچھی اور اعلیٰ چیزیں دی جائیں یعنی یہ نہ ہو کہ بچا کھچا باسی، بدبودار، خراب اور گلا سٹرا مال غریبوں مسکینوں اور محتاجوں کو دے دیا جائے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کبھی ایسا ہی گندہ مال تمہیں دیا جائے تو کبھی نہ لو۔ ناک منہ چڑھانے لگو نفرت کا اظہار کرو۔ سوائے اس کے کہ کسی خاص وجہ سے تم خاموش رہو اور چشم پوشی کر جاؤ تو دوسری بات ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے نام پر خراب مال ہرگز نہ دینا چاہیے۔

لازم ہے کہ اچھے سے اچھا مال اور اچھی سے اچھی شے جو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ وہ شوق سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ زیادہ ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ تو ہمارے اس صدقہ و خیرات سے کلی طور پر بے نیاز ہے۔ اسے قطعی طور پر ان چیزوں کی ضرورت نہیں بلکہ جتنی خوشی کے ساتھ ہم اس کی راہ میں خرچ کریں۔ اتنا زیادہ وہ اور دے گا۔

اللہ کے وعدے اور انعام

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ - وَيَأْمُرُكُمْ

بِالْفَحْشَاءِ - وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ

وَفَضْلًا - وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُوْتِي

الْحِكْمَةَ - مَنْ لَّيْسَ لَهُ مِنْ قَوْلِ

الْحِكْمَةِ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا - وَمَا

يَذْكُرُونَ إِلَّا أُولَ الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

نصیحت یعنی میں تم کو عقل

داناٹی اور سمجھ بوجھ کو حکمت کہتے ہیں! انہیں معنی کی مناسبت سے فلسفہ کو حکمت اور فلسفی کو حکیم کہا جاتا ہے قرآن

مجید میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے۔

خیر کثیر (بہت بھلائی) اس آیت میں دولت کے کمانے اور خرچ کرنے کی صحیح تدبیر اور اس سلسلہ میں دانشمندی پانے کو

بہت بڑی بھلائی کہا گیا ہے۔

اس آیت میں انسان کو ایک شیطانی دوسرے سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جو اسے انفاق فی سبیل اللہ سے روکنے کا سبب بن سکتا ہے۔

ساتھ ہی اس کا تیر اور علاج بتایا گیا ہے۔

مال و دولت سے محبت اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت، اسے بچا بچا کر صرف کرنے کی طرف رجحان انسان کی کمزوری ہے

اس لئے انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے سارے کا سارا ختم ہو جائے گا۔ میرے

پاس کچھ نہ بچے گا۔ میں ناوار اور غلٹ بن کے رہ جاؤں گا! اللہ تعالیٰ نے ان خیالات اور دوسروں کو ختم کرنے کیلئے یہ بتایا کہ یہ تعلیم شیطان کی ہے۔

اسے دل میں جگہ نہ دو۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور فضل و رحمت والا ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی اسی نے دے رکھا ہے اور آئندہ بھی وہی دے گا۔

اس لئے اس کی راہ میں خرچ کرنے سے مفلسی کا خوف ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خوش ہو کر اور زیادہ دے گا۔

ایسی باتوں کی سمجھ اور باتوں کی تک پہنچنے کی قوت اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے یہ سمجھ عطا ہو وہ بڑا خوش نصیب

ہے۔ کیونکہ یہ بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی دولت ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ

بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ

وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُوْتِي

الْحِكْمَةَ مَنْ لَّيْسَ لَهُ مِنْ قَوْلِ

الْحِكْمَةِ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا

يَذْكُرُونَ إِلَّا أُولَ الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

خیرات کیسے کی جاتے

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ

اور جو تم خرچ کرو گے سے خیرات یا قبول کرو

مِّنْ نَّذِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا

سے منت تو بیشک اللہ جانتا ہے اور نہیں

لِلظَّالِمِينَ ۚ مِّنْ أَنْصَارٍ ۙ (۲۴۰) إِنْ تَبَدُّوا

ظالم کے لئے سے مددگار اگر ظاہر کرو

الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۗ وَإِنْ تُخْفَوْهَا

خیرات اچھی بات وہ اور اگر اسے چھپاؤ

وَتَوَلَّوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَ

اور پہنچاؤ فقیر تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور

يَكْفُرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

دور کرے تم سے سے تمہارے گناہ اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۗ (۲۴۱)

کاموں سے خیر دار۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ

اور تم جو خیرات تقسیم کرو گے۔ یا کوئی منت قبول کرو گے

مِّنْ نَّذِيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا

تو بیشک اللہ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی

لِلظَّالِمِينَ ۚ مِّنْ أَنْصَارٍ ۙ (۲۴۰) إِنْ تَبَدُّوا

مددگار نہیں اگر خیرات ظاہر کر کے دو تو

الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۗ وَإِنْ تُخْفَوْهَا

کیا اچھی بات ہے اور اگر اسے چھپاؤ اور دو

وَتَوَلَّوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَ

فقیروں کو تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور تمہارے

يَكْفُرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

کچھ گناہ دور کر دے گا اور اللہ تمہارے کاموں

تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۗ (۲۴۱)

سے خوب خیر دار ہے۔

نذیر: (منت) فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی مراد کے پورے ہونے پر اپنے اوپر کوئی چیز لازم کر لینا جو واجب نہ ہو ایک

مرتبہ نذرمان لینے کے بعد اس کی ایفا واجب اور ضروری ہو جاتی ہے۔

الْفُقَرَاءُ: (فقیروں، حاجتمندوں) واحد فقیر ہے جس کے معنی ضرورت مند اور حاجتمند ہوتے ہیں۔ اردو میں عام طور پر اللہ والے درویش

اور گدا گروں کو فقیر کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسے محتاج کو لفظ فقیر سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے اسباب معیشت بند ہو گئے ہوں۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ یا نذرمانیں وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے

ناجائز کام کی نیت رکھنا ناجائز جبکہ نذرماننا یا ناجائز موقع پر خرچ کرنے کا ارادہ رکھنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور ایسے شخص کا کوئی حامی و

مددگار نہ ہوگا۔ اور نہ اس کا کام اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا۔

اس سبق کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تم صدقات و خیرات خواہ چھپا کر دو یا ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ پوری طرح اس سے

خبردار ہے اگر یہ خوف ہو کہ یہ لوگ ریاکاری یا دکھلاوانہ سمجھیں تو یہ سچی چھپا کر کرو۔ اگر یہ خیال ہو کہ لوگوں کو بھی ترغیب دی جائے تو بلا سب کے

سامنے دو بہر حال سچی کا قبول ہونا نیت پر موقوف ہے چھپا کر اس لئے خرچ کرنا کہ لینے والے کو شرم محسوس نہ ہو۔ یا ظاہر طور پر اس لئے خرچ کرنا

کہ اوروں کو بھی شوق ہو۔ دونوں بہتر ہیں لیکن ہر لحاظ سے موقع اور مصلحت کا لحاظ اور نیت کی درستی ضروری ہے۔

خیرات کا پورا پورا اجر

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ

یہ نہیں تیرے اور انہیں راہ پر لانا لیکن اللہ

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يُنْفِقُونَ مِنْ

راہ پر لائے جسے چاہے اور جو کچھ تم خرچ کر دے سے

خَيْرٍ فَلَا نَفْسِكُمْ وَمَا يَنْفِقُونَ إِلَّا

مال سو اپنے لئے جب تک کہ خرچ کر دے من

اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا يَنْفِقُونَ مِنْ

حاصل کرنے رضا جوئی اللہ اور جو کچھ خرچ کر دے سے

خَيْرٍ يُؤْتِ الْيَكْمُ وَانْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ﴿۲۴۲﴾

مال سو پورا ملے گا تمہیں اور تمہارا نہ حق رہے گا۔

خیر (مال) یہ لفظ شرک کے مقابل ہے اور اس کے مفہوم میں بہرہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل، اخلاق، تعلیم

مال وغیرہ۔ قرآن مجید میں مال کے لئے خیر کا لفظ کسی جگہوں پر آیا ہے گو یا اسلام مال دولت کو بری اور ناپاک شے نہیں کہتا بلکہ اچھی اور

خوب چیز بتلاتا ہے اس لئے اسے لفظ "خیر" کے نام سے یاد کیا ہے۔ برائی دولت میں نہیں بلکہ اسے ناجائز طریق پر جمع کرنے جمع رکھنے اور ناجائز

کاموں پر خرچ کرنے میں ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ

انہیں راہ پر لانا تیرے ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے چاہے

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَنْفِقُونَ مِنْ

راہ پر لائے اور تم جو کچھ مال خرچ کر دے

خَيْرٍ فَلَا نَفْسِكُمْ وَمَا يَنْفِقُونَ إِلَّا

سو اپنے ہی لئے ہے جب تک کہ خرچ کر دے من

اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا يَنْفِقُونَ مِنْ

اللہ کی رضا جوئی میں اور جو کچھ مال خرچ کر دے

خَيْرٍ يُؤْتِ الْيَكْمُ وَانْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ﴿۲۴۲﴾

تمہیں پورا پورا ملے گا اور تمہارا حق نہ رہے گا۔

خیر (مال) یہ لفظ شرک کے مقابل ہے اور اس کے مفہوم میں بہرہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل، اخلاق، تعلیم

مال وغیرہ۔ قرآن مجید میں مال کے لئے خیر کا لفظ کسی جگہوں پر آیا ہے گو یا اسلام مال دولت کو بری اور ناپاک شے نہیں کہتا بلکہ اچھی اور

خوب چیز بتلاتا ہے اس لئے اسے لفظ "خیر" کے نام سے یاد کیا ہے۔ برائی دولت میں نہیں بلکہ اسے ناجائز طریق پر جمع کرنے جمع رکھنے اور ناجائز

کاموں پر خرچ کرنے میں ہے۔

خیرات کے مستحق

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ
 فقیروں کے لئے جو رکے ہوئے ہیں میں راہ
 اللَّهُ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ
 اللہ نہیں طاقت رکھتے چلنا پھرنے میں ملک
 يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
 انہیں سمجھتے ہیں نادانف مالدار سے سوال نہ کرنا
 تَعْرِفُهُمْ لَيْسِيَهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ
 تو انہیں پہچانتا ہے ان کے پھرے سے نہیں سوال کرتے لوگ
 الْخَائِفَ وَمَا يَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ
 لپٹ کر اور جو خرچ کر دے سے کام کی چیز تو بے شک
 اللَّهُ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۴۳﴾
 اللہ اسے جانتا ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ
 (خیرات) ان فقیروں کے لئے ہے جو اللہ کی راہ میں رکے ہوئے
 اللَّهُ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ
 میں جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے نادانف ان
 يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
 کے سوال نہ کرنے سے مالدار سمجھتا ہے تو انہیں ان کے
 تَعْرِفُهُمْ لَيْسِيَهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ
 پھرے سے پہچانتا ہے وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے
 الْخَائِفَ وَمَا يَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ
 اور تم جو کام کی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔
 اللَّهُ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۴۳﴾
 بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔

أَحْصَرُوا: (رکے ہوئے ہیں) اس لفظ میں بڑی گنجائش ہے یعنی گھر جانا۔ خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے مراد وہ
 لوگ ہیں جو دین کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے روزی نہیں کما سکتے مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بعض مفسروں نے
 وہ لوگ بھی مراد لئے ہیں جو علوم دین میں مشغول ہیں اور علم حاصل کرنے میں اس طرح لگے ہوتے ہیں کہ روزی کا سامان نہیں کر سکتے۔
 أَغْنِيَاءَ: (مالدار) یہ لفظ غنی سے بنا ہے اور اس کا واحد غنی ہے یعنی وہ جس کے پاس حاجت سے زیادہ مال موجود ہو۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صدقہ و خیرات کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں بند ہو کر چلنے پھرنے کھانے کمانے سے رکے ہوئے
 ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست مثلاً اصحاب صفہ نے گھر بار چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی صحبت اختیار کر لی تھی وہ علم دین سیکھنے لگ گئے اس طرح کچھ اصحاب مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد کرنے میں مشغول
 تھے۔ یہ نیک بندے کسی سے سوال نہ کرتے تھے البتہ ان کی ضرورت مندی ان کے پھرے پھرے اور رنگ روپ معلوم کی جاسکتی تھی۔
 ہمیں چاہیے کہ آج بھی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور علم دین سیکھنے میں مشغول ہوں ان کی مدد کریں ان کی حاجتیں پوری کریں۔
 اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم جو مال و دولت میری راہ میں خرچ کر دے گا۔ تمہاری کوئی قربانی
 میری نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دولت کو لفظ "خیر" سے تعبیر کیا ہے اور ان لوگوں کو نظر کرم کا خاص طور پر مستحق
 قرار دیا ہے۔ جو لپٹ لپٹ کر پیچھے نہیں پڑتے۔ بلکہ خود داری سے کام لیتے ہیں اور اپنی غربت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

خیرات کا اجر

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَ

جو لوگ اپنے مال دن رات خرچ کرتے ہیں ظاہر

النَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

اور پوشیدہ اور ظاہر ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

ان پر اور نہ ڈر ہے۔ اور نہ وہ

لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۳﴾

نغمین ہوں گے۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات اور

النَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

دن پوشیدہ اور ظاہر ان کے لئے ان کا اجر

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

ان پر اور نہ ڈر ہے۔ اور نہ وہ

لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۳﴾

نہ وہ نغمین ہوں گے۔

خَوْفٌ (ڈر) یہ لفظ عام طور پر انہیں عربی معنی میں اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خوف مستقبل کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔

يَحْزَنُونَ: (وہ نغمین ہوں گے) حزن اس کا مادہ ہے جس کے معنی غم و الم ہیں۔ حزن ہمیشہ ماضی کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً انسان پر کوئی تکلیف دہ حادثہ ہو گیا ہے۔ وہ ماضی میں کسی خطا اور غلطی کا متکب ہوا ہو۔ تو اسے ایک قسم کا رنج و طلال ہوگا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔ دن رات ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ صبح و شام صدقات و خیرات سے غریب پروری کرتے ہیں۔ اور ظاہر اور پوشیدہ اس نیکی میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے مالا مال فرمائے گا۔ اور اپنے انعام و کرام سے خوش کر دے گا۔

یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ نیکی کا بدلہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ بزرگوں نے غالباً اس مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے "وہ در دنیا ستر در آخرت" کا بلا جلا اردو فارسی محاورہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں وعدہ فرمایا ہے۔ کہ تمہیں پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تم پر ہرگز کم نہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس انعام کے علاوہ دو باتیں اور بھی فرمائی ہیں۔ کہ ایسے نیکی رساں بندوں کو نہ ماضی کا غم ہوگا۔ اور نہ مستقبل کا خوف۔ یعنی انہیں اپنے ماضی کے اعمال و افعال پر کوئی افسوس نہ ہوگا اور اسی طرح وہ مستقبل کے بارے میں قطعی طور پر مایوس اور ناامید نہ ہوں گے۔

سود حرام ہے

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا
 جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے مگر
 كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ
 جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص جو اس کھوٹے جن
 مِنَ الْمَسِّ ذَالِكِ يَا نَهْمٌ قَالُوا إِنَّا
 سے لپٹ کر یہ حالت اس واسطے کہ انہوں نے کہا کہ
 الْبَيْعِ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ
 سوداگری ایسی جیسے سود لینا حلال کیا اللہ تجارت
 وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ
 اور حرام کیا سود پھر جیسے پہنچی نصیحت
 مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَ
 سے اس کا رب وہ باز آگیا اس کیلئے جو ہو چکا اور
 أَمْرًا إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ
 اس کا معاملہ طرف اللہ اور جو پھرے تو وہی
 أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۴۵﴾
 والے دوزخ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا
 جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ قیامت کو نہیں اٹھیں گے مگر
 كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ
 جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کے حواس کھوٹے ہوں جن نے
 مِنَ الْمَسِّ ذَالِكِ يَا نَهْمٌ قَالُوا إِنَّا
 لپٹ کر۔ ان کی یہ حالت اس لئے ہوگی کہ انہوں نے کہا
 الْبَيْعِ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ
 کہ سوداگری بھی تو ایسی ہے جیسے سود لینا حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ
 وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ
 نے حلال کیا اور سود کو حرام کیا پھر جسے اپنے رب کی طرف سے
 مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَ
 نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو ہو چکا اور اس کا
 أَمْرًا إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ
 معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو کوئی پھر سولے تو وہی لوگ دوزخی
 أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۴۵﴾
 ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

الرِّبَا (سود) اس لفظ کے لغوی معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ بشریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے
 اصل قرضہ پر زیادتی۔ یا بلا معاوضہ حاصل کرنا اور مال پر زیادتی چاہنا۔ عربوں کے ہاں اس سے مراد وہ زائد رقم تھی جو قرض خواہ معاوضہ
 میں وصول کرتا تھا۔ جسے آج کل سود کہتے ہیں بعض لوگوں نے سود کی جگہ اسے نفع کہنا شروع کر دیا ہے یوں لفظ بدل دینے سے حقیقت
 نہیں بدلتی ہے۔ مِنَ الْمَسِّ (لپٹ کر) جس طرح جن کے لپٹنے سے انسان کے حواس جاتے رہتے ہیں۔
 مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ، (اس کے رب کی نصیحت) یعنی سود کے حرام ہونے کا حکم۔
 مَا سَلَفَ، (جو گذر چکا) مقصد یہ ہے کہ سود کی حرمت کے اعلان سے پہلے جو سود لیا دیا اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ باز پرس اس
 وقت سے شروع ہوگی جب سے یہ واضح حکم آگیا ہے اور شدید طور پر ممانعت کر دی گئی ہے۔

سود کی برائیاں

سود کے حرام اور جائز ہونے والی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خیرات و صدقات کی فضیلتیں بیان فرمائی تھیں چونکہ خیرات و صدقات سے غریبوں کے معاملات میں سہولت اور بے مردتی کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے۔ کئی گنا دور ہو جاتے ہیں اخلاقِ مروت خیر اندیشی نفع رسانی اور خدمتِ خلق کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی اہمیت کھول کر بیان کی گئی۔

اب سود کی حرمت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ یہ بالکل خیرات کی ضد ہے۔ اگر خیرات سے مروت بڑھتی ہے تو سود سے ظلم ترقی کرتا ہے اسی لئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور اس کی ممانعت کا ذکر ہوا ہے جو اپنی جگہ پر انتہائی مناسب اور بر محل ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سود خور اپنی قبروں سے اٹھتے وقت سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے بلکہ جنبٹیوں اور دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے اٹھیں گے بالکل ہی منتظر دنیا میں بھی نظر آتا ہے۔ جہاں اور سا ہو کار روپے کے پیچھے باؤلے بنے رہتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی جن یا بھوت چمٹ گیا ہے ہر دم ان پر سود ہی کا فکر سوار رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ایسے لوگوں کے اس حالت میں مبتلا ہونے کی وجہ بھی بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح تجارت میں مالی نفع مقصود ہوتا ہے اسی طرح سود میں بھی مالی نفع ہی پیش نظر ہوتا ہے۔ جب تجارت حلال ہے تو سود کیوں حرام ہو جائے گا انہیں معلوم نہیں کہ تجارت اور سود میں اخلاقی اور معاشی لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ سود کی مقررہ رقم کسی کھٹکے اور نقصان کے اندیشہ کے بغیر سر حال میں پہنچ کر کوئی رہتی ہے اس کے برخلاف تجارت میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور تاجر کو نقصان پہنچنے کیلئے وقت محنت اور داغ غرض سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے پھر تجارت ختم اور کم بیش ہوتی رہتی ہے لیکن سودت اور مہلت کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ قرضدار کی حالت اکثر اوقات تباہی و بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔

سود کی حقیقت پر تھوڑا سا بھی اگر غور کر لیا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ آخر یہ کس چیز کا معاوضہ ہوتا ہے بولے مفت خوری کی بدترین شکل کے آخری اور کیا ہے۔ ان تمام خرابیوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انسان کی مصلحت و بہبود کے لئے سود کو حرام قرار دیا۔ مختصراً اس کی برائیاں یہ ہیں۔ سود خور میں سنگدلی پیدا ہو جاتی ہے اس کی حرص بڑھتی ہے۔ بلا مشقت مال ہاتھ آنے سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے۔ مفت کا مال خرچ کرنے میں بھی بے اعتدالی آجاتی ہے۔ اور یہ مال عیاشیوں میں اڑایا جاتا ہے۔ زر پرستی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ بخل اور باہمی رقابت جنم لیتی ہے۔ قرضدار کی خانہ خرابی اور بے عزتی اس کے سوا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے درگزر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اس نصیحت اور سود کی حرمت کا حکم سننے کے بعد باز آجائے اس کا پچھلا سود معاف ہو جائے گا لیکن جو باز نہ آیا۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں جلیے گا۔

دنیا نے سود کے نام بدلے لیکن اس کے نتائج اور خرابیاں کیسے بدل سکتی ہیں۔ ہمیں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خاص طور پر اس مسئلہ کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اگر ہم اس ملک میں سود ختم نہ کر سکیں تو ہماری وجہ سے اسلام کے قانون پر حرف آئے گا اور ہم خود بھی اس کی خرابیوں سے بچ نہ سکیں گے۔

سُود اور خیرات کا موازنہ

يَسْحَقُ - اللَّهُ - الرِّبَا - وَيُرِي - الصَّدَقَاتِ

مٹاتا ہے اللہ سود اور بڑھاتا ہے خیرات

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ - كُلَّ - كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۱۴۶﴾

اور اللہ نہیں خوش ہے ہر ناشکر گنہگار۔

إِنَّ - الَّذِينَ - آمَنُوا - وَعَمِلُوا - الصَّالِحَاتِ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک

وَأَقَامُوا - الصَّلَاةَ - وَآتَوُا - الزَّكَاةَ - لَهُمْ

اور قائم رکھی نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ ان کے لئے

أَجْرُهُمْ - عِنْدَ - رَبِّهِمْ - وَلَا - خَوْفٌ - عَلَيْهِمْ

ان کا ثواب پاس ان کا رب اور نہ خوف ان پر

وَلَا - هُمْ - يَحْزَنُونَ ﴿۱۴۷﴾

اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۱۴۶﴾

اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار سے خوش نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ

نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لئے ان

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں خوف ہے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۴۷﴾

اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سود اور خیرات کا موازنہ کرتے ہوئے دونوں کا جدا جدا انجام بتلایا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ سود خواہ کتنا ہی بڑھتا چلا جائے اس کا انجام مفلسی اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں قطعی طور پر کوئی برکت نہیں ڈالتا۔ انجام کار ایسی دولت سے خانہ خرابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سود خوار افراد اور قوموں کا انجام اس کا ثبوت ہے ان میں باہم خوریزی و تباہی بربادی ہی ہوئی اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ صدقات و خیرات کو بڑھاتا ہے ان میں برکت ڈالتا ہے ان کا ثواب کئی گنا کرتا ہے خیرات و صدقات کے نتیجہ میں خوشحالی اور فارغ البالی پیدا ہوتی ہے۔

پھر یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سود خوار کو جو گنہگار بھی ہے اور ناشکر گزار بھی کبھی پسند نہیں کرے گا۔ وہ گنہگار اس لئے ہے کہ بے بس اور حاجت مند لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور ناشکر اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال و دولت دیا تھا کہ اسکی راہ میں خرچ کرے غریبوں مسکینوں میں تقسیم کرے۔ حاجتمندوں کی امداد کرے لیکن اس کے بجائے وہ بخل سے کام لیتا ہے۔ روپیہ کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے۔ بھائیوں کو جھوکوں مرتے، فاقہ کشی کرتے مفلسی بے چارگی میں تڑپتے دیکھتا ہے۔ لیکن اسے ترس نہیں آتا اس کا دل نہیں مسیبتا۔ بلکہ وہ ظالم اور سنگدل بن جاتا ہے۔ لہذا اس کے لئے سخت وعید ہے۔

سود خور کے مقابل اللہ تعالیٰ نے اس ایماندار اور نیک عمل شخص کا اجر بھی بتا دیا۔ جو نماز قائم کرتا ہے۔ زکوٰۃ و خیرات دیتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا پورا اجر ملے گا۔ اسے کبھی خوف یا ڈر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ نہ وہ کبھی رنجیدہ خاطر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیکی کی توفیق دے اور زکوٰۃ و خیرات کرنے کی طاقت دے۔ آمین۔

سود لینا چھوڑ دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ

ذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن

تَبِمَ فَلَکُمْ ذُؤُوسٌ أَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُونَ

وَلَا تَظْلَمُونَ ﴿۲۴۹﴾

اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ

ذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن

تَبِمَ فَلَکُمْ ذُؤُوسٌ أَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُونَ

وَلَا تَظْلَمُونَ ﴿۲۴۹﴾

اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

ما بقی (جو باقی رہا) مطلب یہ ہے کہ اس حکم سے قبل جو سود حاصل کر چکے ہو۔ وہ معاف کیا جاتا ہے اس کے بعد سود وصول نہ کرو گے۔ صرف اصل زر حاصل کر سکو گے۔

حَرْبٌ (جنگ) اللہ اور رسول کی طرف سے سُود خواروں کے خلاف اعلانِ جنگ کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اسلام کے مخالفین کی فہرست میں شمار کیا جائے۔ ذُؤُوسٌ أَمْوَالِکُمْ (تمہارے اصل مال) اسے اس مال اور اصل زر بھی کہا جاتا ہے۔

ان آیتوں میں مندرجہ ذیل احکام دیئے گئے ہیں۔

۱۔ سود کی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے ہو سولے چکے لیکن ممانعت کے بعد جو چڑھا وہ چھوڑ دو۔

۲۔ اگر تم باز نہ آؤ تو تمہارے ساتھ اللہ و رسول ایسا ہی سلوک کریں گے جیسا باغیوں اور مرتدوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۳۔ اگر ممانعت کے بعد کا چڑھا ہوا سُود تم مانگو تو یہ بھی ظلم ہوگا۔

۴۔ جو سُود تم پہلے لے چکے ہو۔ اگر مقررین خواہ اصل دیتے وقت اس سُود کی رقم کاٹے تو یہ ظلم ہوگا۔

۵۔ اگر مقررین مفلس ہو تو اس سے فوری تقاضا نہ کرو بلکہ اسے اتنی دیر تک مہلت دو کہ وہ اصل واپس دینے کے قابل ہو جائے۔

اندازہ کیجئے سو کی ممانعت کس شدت سے کی گئی ہے اس قدر واضح حکم کے بعد بھی اگر کوئی جواز کی صورتیں نکالے اور سو سی لین دین

سے باز نہ آئے۔ وہ اللہ اور رسول کا باغی نہیں تو اور کیا ہے۔

تنگدستی رعایت

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ

اور اگر ہو تنگدستی بہت تک اور اگر ہو تنگدستی بہت تک

مِيسْرَةٍ وَإِنْ أَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ

تم ہو جانتے اور تم ڈرو اس دن تم لوٹائے جاؤ

فِيهِ إِلَى اللَّهِ تَحْتَبَرُ فِئْتَانًا يَلْمِزُ الْآخَرَ وَتُمْتَلِئُونَ

گے اس میں طرف اللہ پھر پورا پورا دیا جائیگا ہر شخص جو

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

اس نے کمایا اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ

اور اگر تنگدستی ہو تو کشائش ہونے تک بہت دینی

مِيسْرَةٍ وَإِنْ أَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ

تمہیں سمجھ ہو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر

فِيهِ إِلَى اللَّهِ تَحْتَبَرُ فِئْتَانًا يَلْمِزُ الْآخَرَ وَتُمْتَلِئُونَ

جس روز اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو جو

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

انہی نے کمایا پورا پورا دیا جائیگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

آیت نمبر ۲۸۰ سے سو د کے بارے میں احکام مسلسل بیان ہو رہے ہیں۔ اب تک یہ بات بالکل صاف طور پر بیان ہو چکی ہے کہ سود حرام ہے۔ جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو ان کی کیفیت دیوانوں جیسی ہوگی وہ سیدھی طرح کھڑے بھی نہ ہو سکیں گے! اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے کام لے کر سابقہ بد عنوانیوں کو یکسر معاف کر دینے کا اعلان فرمادیا اور شدید تاکید فرمادی کہ آئندہ یہ کاروبار پوری طرح ختم کر دیا جائے۔ سود کی جگہ خیرات و صدقات کے ذریعہ حاجتمندوں کی ضروریات پوری کی جائیں۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا اگر کوئی اب بھی باز نہ آیا تو سمجھا جائے گا کہ وہ اللہ اور رسول کا باغی ہے۔ لہذا اسے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کیلئے تیار رہنا چاہیے۔

ان ہدایات و احکام کے بعد یہ آیات ہیں جو اس سبق کا حصہ ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔ اگر مقررہ تنگدستی ہے تو اس کی فارغ البالی اور کشادگی تک اسے بہت دے دو۔ تاکہ وہ باسانی ادا کر سکے۔ بلکہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ جو ادا نہیں کر سکتے۔ انہیں معاف ہی کر دو۔ معافی کی یہ ترغیب ان الفاظ میں دی گئی۔ "اگر تم معاف ہی کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔"

"اگر تمہیں سمجھ ہو۔" قابلِ عذریات یہ ہے کہ معافی کا فائدہ بظاہر مقررہ کو پہنچے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر تمہیں سمجھ ہو تو اس کا فائدہ خود تمہاری ذات کو ہے۔ آخر میں آخرت کا ذکر فرما کر انتہائی خدا خونی اور اعمال کی جواب دہی کا احساس دلایا۔

لکھت پڑھت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بَيْنَ

لے ایمان والے جب تم معاملہ کرو ادھار کا

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّىٰ فَاكْتُبُوا لَهُ وَلِيكْتُبَ

ہم دقت مقرر تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھ دے

بَيْنَكُمْ كَاتِبًا بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ

تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے اور نہ انکار کرے لکھنے والا

أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ

اس سے کہ لکھ دے جیسا اے سکھایا اللہ سو چاہیے کہ لکھ دے

وَلْيُسَلِّمِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلَا يَتَّقِ

اور بتایا جائے وہ شخص جس کے اوپر قرض اور ڈرے

اللَّهِ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسُ مِنْهُ شَيْئًا

اللہ اس کا رب اور نہ کم کرے اس سے کچھ

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ

پھرا ہے وہ شخص جس کے اوپر قرض بے عقل یا

ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُسَلِّمَ هُوَ

ضعیف یا نہیں قوت رکھتا کہ بتائے وہ

فَلْيُسَلِّمْ وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ تِلْكَ

بتادے اس کا ولی انصاف سے۔

دین، (ادھار) عربی زبان میں "دین" ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جن میں بدلہ کی ادائیگی اسی وقت نہ ہو۔

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک مقررہ مدت تک) علماء نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ قرضہ کے معاملہ میں مدت بالکل صاف اور مقرر ہونی چاہیے

گول مول نہ رہے۔ غیر معین مدت کی بجائے تاریخ مقرر کی جائے۔

قرآن مجید نے پہلے صدقہ و خیرات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان فرمائے اس کے بعد سود اور اس کی ممانعت اور برائی بیان فرمائی۔ اب

قرض اور ایسے لین دین کا ذکر ہے جس میں کسی مدت کا وعدہ ہو۔ بھول چوک کا امکان ہر وقت ہے اس لئے ایسے معاملے کو لکھ لینا چاہیے۔ اور

ایسا اہتمام کیا جائے کہ آئندہ کسی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ لکھنے والے کو چاہیے کہ لکھنے میں کوتاہی نہ کرے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ مدیون

اپنے ہاتھ سے لکھے یا کاتب کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں کسی بیشی نہ کرے۔ اگر بے عقل یا سست اور ضعیف ہو تو ایسی صورتوں

میں اس کے مختار اور وارث کو چاہیے کہ معاملہ انصاف سے لکھوادے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بَيْنَ

لے ایمان والے جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّىٰ فَاكْتُبُوا لَهُ وَلِيكْتُبَ

کسی دقت مقررہ تک تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھنے والا

بَيْنَكُمْ كَاتِبًا بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ

انصاف سے تمہارے درمیان لکھ دیا کرے اور لکھنے والا انکار نہ کرے

أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ

اس سے کہ لکھ دے جیسا اے اللہ نے سکھایا سو چاہیے کہ لکھ دے

وَلْيُسَلِّمِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلَا يَتَّقِ

اور وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بتایا جائے اور اللہ سے ڈرے

اللَّهِ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسُ مِنْهُ شَيْئًا

جو اس کا رب ہے اور اس میں سے کچھ کم نہ کرے پھر اگر

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ

وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل یا ضعیف ہے۔

ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُسَلِّمَ هُوَ

یا وہ خود بتانے کی طاقت نہیں رکھتا تو

فَلْيُسَلِّمْ وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ تِلْكَ

اس کا ولی انصاف سے بتادے۔

دین، (ادھار) عربی زبان میں "دین" ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جن میں بدلہ کی ادائیگی اسی وقت نہ ہو۔

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک مقررہ مدت تک) علماء نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ قرضہ کے معاملہ میں مدت بالکل صاف اور مقرر ہونی چاہیے

گول مول نہ رہے۔ غیر معین مدت کی بجائے تاریخ مقرر کی جائے۔

قرآن مجید نے پہلے صدقہ و خیرات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان فرمائے اس کے بعد سود اور اس کی ممانعت اور برائی بیان فرمائی۔ اب

قرض اور ایسے لین دین کا ذکر ہے جس میں کسی مدت کا وعدہ ہو۔ بھول چوک کا امکان ہر وقت ہے اس لئے ایسے معاملے کو لکھ لینا چاہیے۔ اور

ایسا اہتمام کیا جائے کہ آئندہ کسی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔ لکھنے والے کو چاہیے کہ لکھنے میں کوتاہی نہ کرے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ مدیون

اپنے ہاتھ سے لکھے یا کاتب کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں کسی بیشی نہ کرے۔ اگر بے عقل یا سست اور ضعیف ہو تو ایسی صورتوں

میں اس کے مختار اور وارث کو چاہیے کہ معاملہ انصاف سے لکھوادے۔

گواہی

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتِنِ مِمَّنْ

نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں میں سے
ترضون من الشہداء ان تضل احدہما
تم پسند کرو سے گواہ تاکہ اگر بھول جائے ان میں سے ایک
فتذکر احدہما الاخریٰ ولا یاب

تو یاد دلائے اسے دوسری اور نہ انکار کریں
الشہداء اذا ما دعوا ولا تسموا

گواہ جب وہ بلائے جائیں اور نہ کاہلی کرو
ان تکتبوا صغیرا او کبیرا الی اجلہ
کہ لے لکھو چھوٹا یا بڑا تک اس کی میعاد۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ

اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کرو پھر اگر دو مرد نہ
فان لکم یكونا رجلین فرجل و امرأتین

ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہی
ممن ترضون من الشہداء ان تضل احدہما

میں پسند کرتے ہو تاکہ ان میں سے اگر ایک بھول جائے
احدہما فتذکر احدہما الاخریٰ ولا یاب

تو دوسری اسے یاد دلا دے اور انکار نہ کریں
الشہداء اذا ما دعوا ولا تسموا

گواہ جب وہ بلائے جائیں اور اس کے لکھنے سے کاہلی نہ کرو
ان تکتبوا صغیرا او کبیرا الی اجلہ

خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک۔

یہ آیت جو پچھلے سبق سے شروع ہے۔ اس سورت کی بلکہ پورے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے۔

اس میں لین دین کے اندر لکھت پڑھت کرنے گواہی دینے اور بین وغیرہ کے تفصیلی احکام موجود ہیں۔ آیت کے ابتدائی حصہ میں یہ ذکر تھا کہ ادھار کو ضرور تحریر میں لے آیا کرو۔ اگر خود نہ لکھ سکو تو کسی سے لکھا لو۔ خود نہ لکھا سکو تو وارث کا فرض ہے کہ وہ لکھا دے۔

اب یہ ارشاد ہے کہ لکھت پڑھت کے علاوہ دو گواہ بھی کر لیا کرو۔ اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ٹھہرو تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے ساتھ ہی گواہوں کو حکم ہوا کہ وہ گواہی کے لئے بلانے پر پس و پیش نہ کیا کریں کہ یہ گناہ ہوگا۔

معاملات کو تحریر میں لانے کے بارہ میں مکرر یہ تاکید کی گئی ہے کہ سود اتھوڑا ہو یا زیادہ۔ قرض چھوٹا ہو یا بھاری۔ لکھنے میں سستی نہ کرو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ معاملات کی درستی اور انصاف کے تقاضے اس کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے ہیں۔

گواہی کے احکام

ذَالِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ - وَاقْوَمٌ لِلشَّهَادَةِ

اس میں انصاف نزدیک، اللہ اور درست رکھنے والا گواہی
وَأَدْنَىٰ - اِلَّا تَرْتَابُوا - اِلَّا - اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً

اور نزدیک نہ شبہ میں پڑو مگر یہ کہ ہر سودا
حَاضِرَةً - تَدِيرُوْنَهَا - بَيْنَكُمْ - فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

ہاتھوں ہاتھ لینے دیتے رہو آپس میں نہیں تم پر
جُنَاحٌ - اِلَّا - تَكْتُبُوْهَا - وَاشْهَدُوا - اِذَا

گناہ اگر اسے نہ لکھو اور گواہ کر دو جب
تَبَايَعْتُمْ - وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ - وَلَا شَهِيدٌ

تم سودا کرو اور نہ نقصان کرے لکھنے والا اور نہ گواہ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا - فَاِنَّهُ فُسُوْكُمْ بِكُمْ - وَالتَّقْوَا

اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ تمہارے اندر اور ڈرتے رہو
اللّٰهُ - وَيُعَلِّمُكُمُ - اللّٰهُ - وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ اور نہیں سکھاتا ہے اللہ اور اللہ ہر ایک چیز
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

جاتا ہے۔

ذَالِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاقْوَمٌ لِلشَّهَادَةِ

اس میں اللہ کے نزدیک ہے پورا انصاف اور گواہی کو بہت درست
وَأَدْنَىٰ اِلَّا تَرْتَابُوا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً

لکھنے والا اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو
حَاضِرَةً تَدِيرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

ہاتھوں ہاتھ آپس میں اسے دیتے رہو تو تم پر کچھ گناہ
جُنَاحٌ اِلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاشْهَدُوا اِذَا

نہیں اگر اسے نہ لکھو اور جب تم سودا کرو تو گواہ
تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ

کر لیا کرو اور نہ لکھنے والا نقصان کرے اور نہ گواہ اور اگر
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهُ فُسُوْكُمْ بِكُمْ وَالتَّقْوَا

ایسا کرو تو یہ تمہارے اندر گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے
اللّٰهُ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

رہو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

جاتا ہے۔

اَقْسَطُ (زیادہ انصاف) اَقْسَطُ سے نکلا ہے اس کے معنی میں انصاف۔ اسی سے لفظ مُقْسِطٌ ہے جو اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے۔

اس کے معنی میں۔ انصاف کرنے والا۔

اَقْوَمٌ (زیادہ وسعت رکھنے والا) قِيَامٌ قَوَامٌ قِيَمٌ وغیرہ لفظ اسی مادہ سے نکلتے ہیں۔ اَقْوَمٌ کے معنی ہیں سب سے زیادہ اور

بہتر طور پر درست رکھنے والا۔

تِجَارَةً حَاضِرَةً (ہاتھوں ہاتھ سودا) ایسی تجارت جو دست بدست ہو یعنی ادھار اور وعدوں پر نہ ہو بلکہ دست بدستی ہو۔

یہ آیت گذشتہ دو سبق سے مسلسل چل رہی ہے اور لیں دین کو تحریر میں لے آنے اور گواہ بن لینے کے بارہ میں ہدایات جاری ہیں اس آخری حصہ

میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ لکھت پڑھت کر لینے سے شک و شبہ اور مغالطہ نہ پیدا ہوگا۔ البتہ دست بدست سونے میں اس کی ضرورت نہیں اسی طرح گواہوں

پر اور کاتب پر لازم ہے کہ وہ بھی انصاف سے کام لیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ وگرنہ وہ گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

رہن کی ہدایات

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا
 اور اگر تم ہو اور کوئی کھنے والا نہ پاؤ تو گرد
 كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ
 کھنے والا تو گرد کھنے چاہئے ہاتھ میں پھر اگر اعتبار کرے
 بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي
 ایک دوسرا چاہئے کہ پورا کرے وہ شخص جس پر اعتبار کیا
 أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْفُرُوا
 اپنی امانت اور ڈرتا ہے اللہ اس کا رب اور نہ چھپاؤ
 الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمهَا فَإِنَّهُ
 گواہی اور جو کوئی چھپائے تو بے شک گنہگار
 قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾
 اس کا دل اور اللہ جو تم کرتے ہو جانتا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا
 اگر اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کھنے والا نہ پاؤ تو گرد
 كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ
 ہاتھ میں کھنی چاہئے پھر اگر ایک دوسرے کا اعتبار
 بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي
 کرے تو چاہئے کہ جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو
 أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْفُرُوا
 پورا ادا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی
 الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمهَا فَإِنَّهُ
 کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گنہگار
 قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾
 ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔

رہن: (چیزیں جو گرو رکھی جائیں) لفظ "رہن" اردو میں بھی عام استعمال ہوتا ہے یعنی قرض کے سلسلہ میں امانت کے طور پر قرض خواہ کو کچھ دے دینا۔ مثلاً زبیر، مکان، جائیداد وغیرہ۔

اس بارہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ رہن شدہ چیز سے فائدہ اٹھانا ممنوع ہے۔ اگر قرض خواہ مرہون شے سے نفع حاصل کرے تو یہ سود کے برابر ہوگا اور شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ رہن صرف ضمانت کی حد تک رکھا جاسکتا ہے۔ نفع حاصل کرنے کے لئے نہیں۔

یُؤَدِّ (پورا کرے) "آداء" سے یہ لفظ بنا ہے۔ جس کے معنی پورا کر دینے کے ہیں۔ غالباً اردو کا لفظ ادا کرنا بھی اسی سے نکلا ہے۔ اس آیت میں کتابت و شہادت کے سلسلہ کی آخری ہدایات دی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اگر تم سفر کی حالت میں ہو۔ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور کوئی دوسرا کاتب بھی میسر نہیں۔ تو اس صورت میں کچھ رہن رکھ دو اور جس کے پاس امانت یا رہن رکھا جائے۔ وہ امانت کو دیانتداری کے ساتھ واپس ادا کر دے۔

اس کے علاوہ ایک بار پھر تاکید کی کہ گواہی سرگز نہ چھپاؤ۔ ورنہ تم گنہگار ٹھہرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

اللہ محاسب فرمائے گا

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَ اِنْ تَبَدَّلُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ

اور اگر اپنے جی کی بات ظاہر کر دو گے یا اسے
تُخَفَّوْا يَحْسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرْ

چھپاؤ گے تو تم سے اللہ اس کا حساب لے گا پھر
لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَ

جسے چاہے عذاب دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اللہ کیلئے جو میں آسمان اور جو میں زمین
وَرَاۤءَ تَبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ

اور اگر ظاہر کرو جو میں تمہارے جی یا
تُخَفَّوْا يَحْسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرْ

اسے چھپاؤ گے تم سے حساب لے گا۔ اس کا اللہ پس بخشنے گا
لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَ

جسے چاہے اور عذاب دے گا جسے چاہے اور
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اللہ اوپر ہر چیز قادر۔

اس آیت سے سورہ بقرہ کا آخری رکوع شروع ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا انداز بیان یہ ہے کہ ہر سورہ کے آخر میں اس کا اصل مضمون دہرایا جاتا ہے۔ بلکہ ہر آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی ایسا لفظ آتا ہے جو پوری آیت کے مضمون کو واضح کر دے۔ اس کے علاوہ کلام اللہ کے اسلوب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مختلف احکام اور ہدایات کے درمیان ایمان باللہ خدا خونی اور ایمان بالآخرت کو بار بار بیان کرتا ہے۔

اس بارے میں بیشتر صحیحہ مالی معاملات پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں اللہ کی راہ میں خرچ کے لئے تاکید اور ترغیب ہے۔ اس مسئلہ کو مختلف مثالوں کے ذریعہ دل نشین انداز میں بیان کر کے اس خرابی کی نشاندہی کی ہے جو اس نیکی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یعنی سودی کاروبار کی صورت میں حرام کی کمائی۔ اس کے علاوہ تجارت میں مہیرا پھیری اور بے ایمانی بھی انسان کو سنگدل اور بد بخت بنا دیتی ہے۔ اسی لئے لکھتے پڑھتے اور گواہی کو خاص طور پر ضروری قرار دیا۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ سب مال دوزخ زمین و آسمان کی ساری کائنات اللہ ہی کے لئے ہے۔ اگر تم اس کے حکم کے مطابق اور اس کی رضا کے لئے کچھ خرچ کر دو گے تو تمہارا زکوٰۃ کوئی احسان ہے نہ اس سے تمہارے مال میں کچھ کمی آئے گی۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن اور ہر شے کا محاسب لے گا۔ نجات و عذاب پر اسے کامل اختیار ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اجزائے ایمان

اَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ
 رسول نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اترا
 وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمَّنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ
 اور مسلمانوں نے بھی سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو
 وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
 مانا اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو کہ ہم کسی کو جدا
 مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَبِعْنَا وَاَطَعْنَا
 نہیں کرتے اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا
 غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾
 اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ
 مان لیا رسول جو کچھ اترا اس پر سے اس کا رب
 وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمَّنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ
 اور مسلمان سب مانا اللہ اور اس کے فرشتے
 وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
 اور اس کی کتابیں اور اس کے رسول نہیں جدا کرتے میں ایک
 مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَبِعْنَا وَاَطَعْنَا
 سے اس کے رسول اور کہا اٹھے ہم نے سنا اور قبول کیا
 غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾
 تیری بخشش اے ہمارے رب اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اَمَّنَ الرَّسُولُ: (رسول نے مان لیا) اپنی رسالت پر سب سے پہلے ایمان لانے والے خود پیغمبر ہی ہوتے ہیں۔

اَمَّنَّا بِاللّٰهِ: (اللہ کو مانا) اللہ پر ایمان لانے سے مراد ہے کہ اس کی ذات اور صفات دونوں کی تصدیق کی جائے۔

روایات میں اس آیت کا شان نزول یوں آتا ہے کہ جب اس سے پہلی آیت نازل ہوئی کہ دل کے خیالات کا بھی حساب ہوگا اور ان پر گرفت ہوگی تو صحابہ کرام بہت گھبرائے اور ڈرے انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو ارشاد ہوا۔ تَوَلَّوْا سَبْعًا وَاَطَعْنَا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکموں میں کتنی ہی مشکل یا وقت نظر آئے تم اس کے ارشادات تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کرو بلکہ پختہ ارادے سے اطاعت پر تیار ہو جاؤ۔

صحابہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ تو یہ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہو گئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ یعنی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے اور ان پر عمل کرنے کو تیار ہیں اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند آئی اور یہ آیت اتری۔ جو اس سبق میں مذکور ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ایمان کی تعریف فرمائی جس سے ان کے دلوں کو تسلی ہوئی۔ صحابہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم اہل کتاب کی طرح نبیوں میں فرق روا نہیں رکھتے بلکہ سب کو اس کا رسول اور پیغمبر تسلیم کرتے ہیں یہ نہیں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے کو نہ مانیں ہمیں کامل یقین ہے کہ ہم سب کو تیری طرف لوٹ کر جانا ہے اور تیرے حضور پیش ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جو ابدی کا یہ احساس انسان کو نیکی اور پرہیزگاری سکھاتا ہے۔

دُعائیں

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو مگر اس کی گنجائش اسی کیلئے
مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط

جو اس نے کمایا اور اس پر پڑتا ہے جو اس نے کمایا
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا

اے ہمارے رب نہ ہمیں پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا

اے ہمارے رب اور نہ رکھ ہم پر بوجھ ہماری جیسا
حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا

رکھا تھا اوپر لوگ سے ہم سے پہلے اے ہمارے رب
وَلَا تُحِمْ لَنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ

اور نہ ہم سے اٹھوا جو نہیں طاقت ہمیں جس کی اور درگزر
عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا

ہم سے اور ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر تو ہمارا رب
فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۶﴾

ہماری مدد کر اور کافروں پر رحم کر۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا
اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے اسی
مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط

کے لئے ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کمایا
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا

اے ہمارے رب ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا

اے ہمارے رب ہم پر بوجھ نہ رکھ جیسا ہم اگلے لوگوں
حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا

پر رکھا تھا اے ہمارے رب اور ہم سے وہ بوجھ
وَلَا تُحِمْ لَنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ

نہ اٹھوا جس کی ہمیں طاقت نہیں اور ہم سے درگزر
عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا

کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا رب ہے
فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۶﴾

کافروں پر ہماری مدد کر۔

یہ اس سورت کی آخری آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر شخص کو جزا و سزا اس کے اعمال کے مطابق ملے گی۔ اگر کسی نے نیکی کی تو اسے اس کا اجر ضرور ملے گا اور اگر کسی نے برائی کی تو اس پر اس کی سزا ضرور آئے گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کی تلقین کی۔

۱۔ اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔

۲۔ اے ہمارے رب! ہم سے پہلی امتوں پر جیسا بوجھ اور وبال پڑا۔ وہ ہم پر نہ ڈالنا۔

۳۔ ہم پر ایسی ذمہ داریاں نہ ڈالنا جو ہم پوری نہ کر سکیں۔

۴۔ ہمیں معاف فرما دے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

۵۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ابدیٰ قاسم ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔ آمین (خدا کرے ایسا ہی ہو)

ان دعاؤں پر قرآن مجید کی سب سے طویل سورۃ البقرۃ ختم ہو جاتی ہے۔

سورة بقرہ پر ایک نظر

الحمد لله! سورة البقرة کی تشریح و تفسیر ختم ہوئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے ہم ایک بار پھر اس کے مضامین اور مطالب

پر نظر ڈال لیں۔

سورة کی ابتداء میں انسان کی ہدایت و کامیابی اور مختلف انسانی جماعتوں کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے فوراً بعد خلافتِ آدمؑ تاریخِ بنی اسرائیل اور ملتِ ابراہیمی کے اہم اور ضروری کوائف و حالات کا بیان ہے تاکہ مسلمان ان کی خرابیوں سے عبرت پکڑیں اور ان برائیوں میں مبتلا نہ ہوں جو گذشتہ اقوام کی تباہی کا موجب ہوئیں۔

حلال و حرام اور نیک و بد کی تمیز سکھانے کے بعد نیکی کا ایک جامع تصور دیا۔ اور معاشرتی زندگی کے مسائل بیان کئے مثلاً نصاب اور وصیت وغیرہ۔ ساتھ ہی روزہ حج اور جہاد کی تعلیم دی گئی اور پھر خاندانی زندگی کے اہم معاملات کی طرف توجہ مبذول کی۔ مثلاً نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ تربیتِ اولاد۔ خاندانِ نبوی کے حقوق اور دوسرے متعلقہ مسائل۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کی تاریخ میں سے حضرت داؤد علیہ السلام اور طالوت و جالوت کا واقعہ بیان کرنے کے بعد پند و موعظت کے کئی پہلو پیش کئے گئے۔ آیت الکرسی کے بعد ایمان اور کفر کی حقیقت روشن کی گئی۔ اور اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مبارک زندگی کے کئی واقعات بیان ہوئے۔

سورة کے آخری حصہ میں انفاق فی سبیل اللہ پر خاص طور سے توجہ دلائی۔ اس سلسلہ میں متعدد مثالیں دیں۔ سود کو حرام قرار دیا۔ تجارت اور کاروبار میں دیانتداری اور خوش اسلوبی کی خاطر لکھت پڑھت اور شہادت کو ضروری

قرار دیا۔

سورة کا خاتمہ دعاؤں پر ہوا۔ ان دعاؤں کی تفصیل ابھی گذشتہ سبق میں گذری ہے۔

سورة آل عمران کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ اس سورت میں آل عمران کا ذکر ہے۔ اس لئے سورت کا نام بھی آل عمران قرار پایا۔ سورة بقرہ میں خاص طور پر بنی اسرائیل کی جانب خطاب تھا اس سورت میں خطاب عیسائیوں کی طرف ہے۔ سورة بقرہ کی طرح سورة آل عمران کے فضائل بھی حدیثوں میں کثرت سے آئے ہیں۔

سورة آل عمران کے شان نزول کی بابت ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے۔ دین حق کی روشنی دور و نزدیک پھیلی۔ مگر مدینہ کے آس پاس کے یہودی اللہ تعالیٰ کا سچا دین آنے پر دین حق سے منکر ہو گئے۔ بخران کے عیسائیوں کی ایک جماعت بخت اور مناظرہ کے لئے آئی۔ بخران عرب کے جنوب میں یمن کے علاقے میں ایک مقام کا نام ہے۔ ان دنوں یہاں سیحیوں کی آبادی تھی۔ یہ جماعت چودہ بڑے بڑے لوگوں پر مشتمل تھی جن میں تین آدمی خاص طور پر مشہور ہیں۔

۱۔ عبدالمسیح عاقب، دولت اور سرداری کے لحاظ سے۔

۲۔ ایہم السید، رائے اور تدبیر کے لحاظ سے۔

۳۔ ابو حارثہ بن عقیل، مذہبی عالم ہونے کے لحاظ سے۔

یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ "بنی بکر بن وائل" سے تعلق رکھتا تھا۔ روم کے بادشاہوں نے اس کی مذہبی علمیت بزرگی اور شہرت کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ بہت سا مال و زر خرچ کر کے گرجے تعمیر کئے اور اسے مذہبی امور کے اعلیٰ عہدہ پر مقرر کیا۔ یہ لوگ مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مفصل گفتگو کی۔

قرآن مجید کی اس مبارک سورة میں اہل کتاب کو اتحاد و تعاون کی ایک اپیل بھی کی گئی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اگر دوسرے معاملات میں شریک کار نہیں ہو سکتے تو کم از کم توحید کی تعلیم اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں مل جل کر کام کریں کہ یہ ہم سب کا متحدہ مقصد ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام دنیا میں ایک ہی مقصد لے کر آئے۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باریکا ہے۔ اور آپ کی امت "خیر امت" کے لقب سے شرف و کمال کی مالک ہے۔ چنانچہ اس بیان کے ساتھ ہی دنیا کی اس آخری امت کو اس کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا۔ اور بتلایا کہ یہ قوم اس طریق سے گریز کرے جو دنیا کی پہلی قوموں کی تباہی کا موجب ہوا۔ سورة آل عمران کے آخری حصے میں اسلامی تاریخ کے دو اہم واقعات ان کے اسباب اور نتائج کا تجزیہ کیا گیا ہے یعنی غزوة بدر اور غزوة احد جو ۳ھ اور ۴ھ میں پیش آئے۔ سورة آل عمران کا یہ حصہ خاص طور پر توجہ سے مطالعہ کے قابل ہے۔

سورة آل عمران مَدَنِيَّةٌ

آيَاتُهَا ۲۰ رُكُوعَاتُهَا ۲۰

اللہ تعالیٰ کی صفات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ①

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے

الْقَيُّومُ ②

سب کا تھانے والا۔

الْقَيُّومُ ②

تھانے والا۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ بخران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسیح کی خدائی کے قائل تھے انہیں خدا کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کو بھی مانتے تھے گفتگو شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل سے ثابت کیا کہ حضرت مسیح اللہ کے بندے تھے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں پرورش پائے اور باہر آکر انسانوں کی طرح کھائے پئے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بھی بے بنیاد ہے کہ حضرت مسیح کو سولی دی گئی اور انہوں نے تڑپ تڑپ کر جان دی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ حی (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی۔ اس نے تمام مخلوق کو وجود عطا کیا۔ اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یقیناً موت آئے گی اور ظاہر ہے جو اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے دوسری مخلوق کو کیسے قائم رکھ سکتا ہے۔

یہ سن کر وہ سب لاجواب ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اگر اب بھی تمہارے دل میں شک رہ گیا ہے تو آؤ ہم اور تم اپنی اپنی اولاد کو لے کر باہر نکلیں اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹے پر عنت ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کا جواب مشورہ کر کے دیں گے چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ شخص خدا کا رسول ہے۔ اگر ہم یوں اس کا مقابلہ کریں گے تو ہم پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے گھر چلے چلو سو وہ آپس بخران لوٹ گئے۔

الْحَمْدُ (حروف مقطعات) اس کی تشریح سورہ بقرہ میں کی گئی تھی۔ اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے۔ بزرگوں نے مختلف مطلب بیان کئے ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ الْحَمْدُ خَلْدٌ ہے اَنَا اللَّهُ اَعْلَمُ (میں اللہ سب سے زیادہ علم والا ہوں) مزید تشریح کیلئے سبق نمبر ۱۵ ملاحظہ کریں۔ مختصر یہ کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدوں کا رد کیا ہے۔ ان کے تین عقیدے مشہور تھے۔

اول: تثلیث (یعنی خدا، عیسیٰ اور روح القدس تینوں ملی کر خدا بنتے ہیں)

دوم: مسیح خدا ہے وہ انسان کی شکل میں آیا ہے۔ سوم: مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سے پہلا عقیدہ باطل ہو گیا پھر حی اور قیوم کے ذریعہ دوسرے اور تیسرے عقیدے کو غلط کر دیا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ گویا وہ اپنی پیدائش میں ماں کے محتاج ہوئے اور جب حضرت عیسیٰ کو فنا ہے تو وہ قیوم نہیں ہو سکتے لہذا وہ اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید اور کتب سابقہ

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
اتاری تجھ پر کتاب ساتھ حق کے تصدیق کرتی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَ
جو اگلی کتابیں اور اتارا تورات اور

الْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ
انجیل سے پہلے ہدایت لوگوں کے لئے

وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
اور اتارا فیصلے بیک جو منکر ہوئے

بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَ
ساتھ آیتوں سے اللہ ان کے لئے عذاب سخت اور

اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۳﴾
اللہ زبردست بدلہ لینے والا۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

تجھ پر سہی کتاب اتاری جو تصدیق کرتی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَ

پہلی کتابوں کی اور انجیل اور توراہ کو

الْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ

اتارا اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے

وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور فیصلے اتارے بیک جو اللہ کی آیتوں سے

بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَ

منکر ہوئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور

اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۳﴾

اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

بِالْحَقِّ: (سچی) لفظ حق کے معنی میں حکمت و دانائی بھی داخل ہے اور سچائی بھی یعنی کلام اللہ پر حکمت بھی ہے اور برحق بھی۔
مُصَدِّقًا: (تصدیق کرنے والا) یعنی قرآن مجید گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ ہر آسمانی کتاب کو برحق تسلیم کرتا ہے انبیاء
علیہ السلام اور ان کی تعلیمات کو خدا کی طرف سے مانتا ہے۔

الْفُرْقَانُ: (فیصلے) ان معنوں کے علاوہ فرقان سے مراد وہ مخصوص امتیاز بھی ہے جو اس کے ذریعہ حق و باطل کے درمیان پیدا ہو۔
بعض علماء کے نزدیک اس سے معجزے اور دلائل مراد ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا فرمائے فرقان، قرآن مجید کا نام بھی ہے اس کے لفظی معنی
میں۔ جدا جدا کرنے والا یعنی حق و باطل اور سچ بھوٹ کو جدا جدا کر دینے والا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے رسولِ کریم قرآن عین حکمت کے موافق سچائی اور انصاف لے کر تیری طرف اترا ہے اور اسکی
ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ کتابیں پہلے لوگوں کی ہدایت فراہماتی کرتی تھیں اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا
کہ سچ کی خدائی اور خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا کیونکہ اصول دین کے لحاظ سے تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ کے مناسب ایسی چیزیں اتاریں۔ جو حق و باطل، حرام و حلال اور بھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز اور فرق کرنیوالی
ہوں۔ آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ جو لوگ جاننے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ماننے سے انکار کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور سزا دے
گا۔ وہ غالب ہے اور انتقام لینے پر کامل قدرت رکھتا ہے۔

غلط عقیدوں کی تردید

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي
 الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ⑤ هُوَ الَّذِي
 يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑥

اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں زمین میں اور نہ
 آسمان میں وہی تمہارا نقشہ بناتا
 ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے۔ اس
 کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي
 الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ⑤ هُوَ الَّذِي
 يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑥

بھگ اللہ نہیں چھپی اور اس کے چیز میں
 زمین اور نہ میں آسمان وہی جو
 نقشہ بناتا ہے تمہیں میں پیٹ جس طرح چاہے
 نہیں معبود مگر وہ زبردست حکمت والا۔

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ ان لوگوں کو سخت سزا دے گا۔ جو اس کی آیتوں کا انکار کریں گے۔ اور موجودہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے جس طرح اس کا اختیار کامل ہے۔ اسی طرح اس کا علم بہت وسیع ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چھوٹی بڑی شے ایک لحظہ کے لئے اس کے علم سے غائب نہیں رہ سکتی۔ تمام نیکیوں اور گناہوں کی نوعیت اس کے علم میں ہے۔ مجرم بھاگ کر چھپنا چاہے تو کہاں جا سکتا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح کر دی کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں ایسا کامل علم حاصل نہ تھا وہ اسی قدر جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا تھا۔ مسیح کی خدائی کی تردید کے لئے اللہ نے اپنی ایک اور صفت ذکر فرمائی یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچہ کا نقشہ بناتا ہے۔ نر و مادہ خوبصورت، بدصورت، بنا اور نابینا، گونگا بہرہ جیسا بھی چاہے پیدا کرتا ہے۔ خون منی کے ایک معمولی قطرہ سے انسان کو بنا کھڑا کرتا ہے۔ اس لئے کوئی انسان جو خود بھی ماں کے پیٹ کی تاریکیوں میں رہ کر آیا ہو۔ عام بچوں کی طرح کھانا پینا، پشیا پاشیا نہ کرنا ہو وہ اللہ کیسے کہلا سکتا ہے۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ جب ان کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ ہی ان کا باپ ہے۔ اس آیت میں انکے اس سوال کا جواب دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے رحم میں جس طرح چاہے انسان کا نقشہ تیار کرے خواہ ماں باپ دونوں کے ذریعے سے یا صرف ماں کی قوت سے اسی لئے آگے الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ والی صفات بیان کی ہیں یعنی وہ غالب زبردست قوتوں کا مالک ہے اور وہ سب پر حکمت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے بنایا۔ ان کی بیوی کو بغیر ماں کے پیدا کیا۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ایسے خالق و مالک اور حکیم کی حکمتوں میں شک و شبہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

آیات کی دو قسمیں

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ

دہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں حکمتیں ہیں۔ اَمْرُ الْكِتَابِ وَ

اخر متشبهت فاما الذين في قلوبهم

زئغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء

الفتنه وابتغاء تاويله وما يعلم

تاويله الا الله فالراسخون في العلم

يقولون امثابه كل من عند ربنا و

ما يدكر الا اولو الالباب ⑤

بمختص ہیں جنہیں عقل ہے۔

مُحْكَمَاتٌ، (محکم قرآن مجید کی وہ واضح اور صریح آیتیں ہیں جن کے مطالب مقرر ہیں اور ان کے معانی میں کوئی شبہ نہیں۔

اَمْرُ الْكِتَابِ (کتاب کی اصل) ہر شے کا اصل کو اَمْرُ کہتے ہیں۔ یہاں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آیتیں بالکل صاف اور واضح ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں وہی اصل اور معیار ہیں۔

مُتَشَابِهَةٌ (مشابہ) ایسے کلام کو کہتے ہیں جس سے کئی باہم ملتے جلتے مطالب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جائے۔ اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ صرف علماء ان کے درمیان فرق کر سکتے ہوں۔ عوام کا فرض ہے کہ ایسی آیات کے مطالب میں علماء پر تکیہ کریں اپنی عقل پر بھروسہ نہ کریں۔

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ (جن کے دلوں میں کجی ہے) یہاں ارشاد ان قوموں کی طرف ہے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی صاف اور صریح ہدایات اور تعلیمات کو پیٹھ پیچھے ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو زور زور سے اصل قرار دے لیا۔ اس آیت کی تشریح ہم اگلے سبق میں کریں گے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ

دہی جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں آیتیں حکمتیں اور

اخر متشبهت فاما الذين في قلوبهم

زئغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء

الفتنه وابتغاء تاويله و ما يعلم

تاويله الا الله فالراسخون في العلم

يقولون امثابه كل من عند ربنا و

ما يدكر الا اولو الالباب ⑤

نہیں سمجھتے سوا والے عقل۔

مُحْكَمَاتٌ، (محکم قرآن مجید کی وہ واضح اور صریح آیتیں ہیں جن کے مطالب مقرر ہیں اور ان کے معانی میں کوئی شبہ نہیں۔

اَمْرُ الْكِتَابِ (کتاب کی اصل) ہر شے کا اصل کو اَمْرُ کہتے ہیں۔ یہاں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آیتیں بالکل صاف اور واضح ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں وہی اصل اور معیار ہیں۔

مُتَشَابِهَةٌ (مشابہ) ایسے کلام کو کہتے ہیں جس سے کئی باہم ملتے جلتے مطالب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جائے۔ اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ صرف علماء ان کے درمیان فرق کر سکتے ہوں۔ عوام کا فرض ہے کہ ایسی آیات کے مطالب میں علماء پر تکیہ کریں اپنی عقل پر بھروسہ نہ کریں۔

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ (جن کے دلوں میں کجی ہے) یہاں ارشاد ان قوموں کی طرف ہے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی صاف اور صریح ہدایات اور تعلیمات کو پیٹھ پیچھے ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو زور زور سے اصل قرار دے لیا۔ اس آیت کی تشریح ہم اگلے سبق میں کریں گے۔

محکمات و تشابہات

جب بخران کے عیسائی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واضح دلائل سے عاجز آگئے۔ تو کہنے لگے کہ آخر آپ بھی حضرت مسیح کو کلمہ اللہ اور روح اللہ مانتے ہیں۔ یہ ہمارے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان کی اس حجت بازی کا جواب یہاں ایک عام قاعدہ کی صورت میں دیا گیا ہے۔ جس کے سمجھ لینے سے بہت سے اختلافات اور شکوک دور ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قرآن مجید اور دوسری تمام آسمانی کتابوں میں دو قسم کی آیتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن کا مفہوم معلوم اور مقرر ہوتا ہے۔ ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور حقیقت میں کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل یہی آیات ہوتی ہیں۔ آیات کی دوسری قسم "تشابہات" کہلاتی ہیں۔ یعنی ایسی آیتیں جن کا مفہوم اور مطلب معلوم کرنے میں کچھ شبہ واقع ہوتا ہو۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ دوسری قسم کی آیتوں کو پہلی قسم کی آیتوں کی روشنی میں دیکھا جائے۔ جو معنی اس کے خلاف پڑیں۔ انہیں رد کر دیا جائے۔ اگر کوشش کے باوجود مفہوم واضح نہ ہو۔ پھر بھی معنی تلاش کرنے والے کو حد سے نہیں گزرنا چاہیے۔ انسان ہمہ دان نہیں ہے کہ ہر چیز کا احاطہ کر سکے۔ اپنے علم کا قصور تسلیم کر کے خاموش رہنا چاہیے۔ ایسے طریقہ پر مطلب نہ نکالنا چاہیے۔ جو مذہب کے مسلم اصول اور واضح آیات کے خلاف ہو۔ مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت وضاحت کر دی ان ہُوَ الْآعْبُدُ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (وہ صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا ہے) دوسری جگہ فرمایا ان مَثَلِ عِيسَى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ اسے اللہ نے مٹی سے پیدا کیا) اور کئی مقامات پر مسیح کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کو غلط ثابت کیا ہے۔

اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے "کلمہ اللہ" اور "روح اللہ" وغیرہ جیسے اشاروں کے پیچھے دوڑے اور اس کے وہ معنی چھوڑ کر جو پہلی واضح آیتوں کے موافق ہوں۔ ایسے سطحی معنی لینے لگے۔ جو کتاب کی عام تشریح کے خلاف ہوں۔ یہ کج روی اور بٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ بعض بدطینت لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسائیں اور بعض کمزور عقیدہ لوگ ایسے تشابہات سے اپنی رائے اور خواہش کے مطابق کھینچ کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہوتا ہے۔

جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں۔ وہ محکمات و تشابہات کو اللہ کی طرف سے جانتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیتیں ایک ہی سرچشمہ سے آتی ہیں۔ اسی لئے وہ تشابہات کو محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو جھوٹے ان کی سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ اسے اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔ مختصر یہ کہ معمولی علم رکھنے والے ایک عامی کا فرض ہے کہ وہ تشابہات میں نہ الجھے جو آیات ایک سے زیادہ معنی رکھتی ہیں۔ اس کے معانی علمائے دین سے دریافت کر لے۔ اور جن آیات کے مطالب واضح ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرنے میں کسی قسم کی سستی اور پس و پیش سے کام نہ لے۔

دو دعائیں

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

اے ہمارے رب نہ پھیر ہمارے دل بعد جب تو ہمیں ہدایت کر چکا
وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۝

اور عنایت کر ہمیں سے اپنے پاس رحمت ۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ

بے شک تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ اے رب ہمارے بیکر تو
جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۝

جمع کرنے والا لوگ ایک دن نہیں شبہ اس میں

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيثَاقَ ۝

بے شک اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو نہ پھیر جبکہ تو ہمیں ہدایت کر چکا
وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۝

چکا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بیشک تو

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ

ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ اے رب تو لوگوں کو
جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۝

جمع کرنے والا ہے اس دن جس میں کوئی شبہ نہیں بیشک

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيثَاقَ ۝

اللہ خلاف وعدہ نہیں کرتا۔

لا تُزِغْ (نہ پھیر۔ کج نہ کر) اس سے پہلی آیت میں لفظ "زُيغ" آچکا ہے جس کے معنی کجی ہیں۔ یہ لفظ بھی اسی مادہ سے نکلا ہے۔
لا تُزِغْ والی دعائیں بندہ حق یہ درخواست کرتا ہے کہ مولیٰ کریم جب ایک بار ہدایت نصیب ہو جائے اور حق بات کا سراغ مل جائے
تو دل میں کجی نہ پیدا ہو۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اپنے اس قدر بلند درجات اور شاندار کمالات کے اکثر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کرتے
تھے۔ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَىٰ دِينِكَ (اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ)
اہل علم جانتے ہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کرے گا اور ٹیڑھے دلوں والے جو مسائل میں
جھگڑتے تھے سب کا دو ٹوک فیصلہ ہو جائے گا۔ ہر مجرم کو اپنی کج روی اور بٹ دھرنی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسی لئے اہل علم ہمیشہ
ایسے کج رویوں سے بیزار رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طالب رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا انجام بھی بتا دیا کہ انہیں کوئی چیز دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا
نہیں بچا سکتی۔ نجران کے عیسائی عالم محض اس لئے اسلام قبول نہ کرتے تھے کہ عیسائی بادشاہ اپنے انعام و اکرام دنیا ختم نہ کر دیں۔
بتایا گیا کہ یہ تمام مال و دولت عارضی ہے اور قیامت کے دن ان میں سے کوئی شے بھی کام نہیں آئے گی۔ اس لئے جو لوگ محض دنیا
مال و دولت یا عزت و سماہ کی خاطر ایمان نہیں لاتے وہ خوب سمجھ لیں کہ مال و دولت اور جتنے انہیں عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں۔ اور وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ لہذا جزائے اعمال کے پورے یقین کے
نیک اعمال میں لگا رہنا چاہیے۔

ایک تہیہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ

بھیج جو لوگ کافر ہیں ہرگز کام نہ آئیں گے ان کے
أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ

مال اور نہ ان کی اولاد سے اللہ
شَيْئًا وَ أُولَئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ⑩

کچھ اور وہی لوگ ایندھن آگ۔

كَذَابٍ ۚ أَلِ فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ

جیسے دستور آگ فرعون اور لوگ سے
قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ

ان سے پہلے انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتیں پھر انہیں پکڑا اللہ
بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪

ان کے گناہوں پر اور اللہ سخت عذاب

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ ۚ وَ

کہہ لوگوں کو کافر عنقریب تم مغلوب ہو گے اور
تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ⑫

ہانکے جاؤ گے طرف جہنم اور بڑا ٹھکانا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ

بے بھک جو لوگ کافر ہیں انہیں ان کے مال اور
أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ

اولاد اللہ کے پاس ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے
شَيْئًا وَ أُولَئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ⑩

اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں۔

كَذَابٍ ۚ أَلِ فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ

جیسے فرعون والوں کا دستور اور جو ان سے پہلے تھے
قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ

انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پھر اللہ نے انہیں ان کے
بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪

گناہوں پر پکڑا اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ ۚ وَ

کافروں کو کہہ دے کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور
تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ⑫

دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا بڑا ٹھکانا ہے۔

اس سبق کی پہلی آیت میں کفار و مشرکین کو تہیہ کی گئی ہے کہ جس طرح کفر و شرک کی سزا قدیم قوموں کو ملی تھی۔ اسی طرح ایسے

گناہوں کی سزا تمہیں بھی ملے گی۔

اس آیت میں فرعون اور اس سے پہلے کی قوموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں

کو جھٹلایا۔ اس کی نشانیوں سے انکار کیا۔ اس کے احکام سے نافرمانی کی۔ ان تمام گناہوں کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں گرفتار کیا۔

اور سخت سزا دی۔ اس لئے ان گذشتہ اقوام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اور موجودہ کفار و مشرکین کو کج روی سے باز رہنا چاہیے۔

دوسری آیت میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ یہ تمام کافر جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔ جلد ہی مغلوب ہوں گے۔

اہل اسلام سے شکست کھائیں گے۔ دنیا میں سزایاب ہونے کے بعد آخرت میں انہیں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں بھونک دیا

جائے گا۔ جو یقیناً بہت بڑی جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا

گذر چکا ہے تمہارے سامنے نماز میں دو فوجیں مقابلہ ہوا

فِي فِئَةٍ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى

ایک فوج لڑتی ہے میں راہ اللہ اور دوسری

كَافِرَةٌ يَرُدُّوهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَى الْعَيْنِ

کافر انہیں دکھائی دیتے ہیں اپنے سے دو چند مزید آنکھوں سے

وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ وَإِن

اور اللہ زور دیتا ہے اس کی مدد جسے چاہے بے شک

فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّلَّذِينَ لَّا يَبْصُرُونَ ۝۱۳

میں اسی عبرت والے دیکھنے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا

ابھی تمہارے سامنے دو فوجوں میں ایک نماز گذر چکا ہے جن میں مقابلہ

فِي فِئَةٍ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى

ہوا ایک فوج اللہ کی راہ میں لڑتی ہے اور دوسری فوج

كَافِرَةٌ يَرُدُّوهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَى الْعَيْنِ

کافروں کی ہے وہ انہیں کھلی آنکھوں سے اپنے سے دو چند دکھائی

وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ وَإِن

دیتے ہیں اور اللہ جسے چاہے اپنی مدد کا زور دیتا ہے۔ دیکھنے

فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّلَّذِينَ لَّا يَبْصُرُونَ ۝۱۳

دلوں کے لئے اس میں عبرت ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دیدہ عبرت رکھنے والوں کے لئے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ واقعہ جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقع پر اسلامی لشکر اور کافروں کی فوج میں مقابلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کو پہنچی اور حق و باطل میں فرق ہو گیا۔ جنگ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ان کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ ان کے جنگجو بڑے ماہر اور تجربہ کار تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف تین سو تیز تھی۔ جن کے پاس صرف ستراونٹ دو گھوڑے چھ زہریا اور محض آٹھ تلواریں تھیں۔ ایک لشکر کو دوسرا لشکر دو چند نظر آتا تھا۔ کافروں کے دل میں مسلمانوں کی کثرت کا خوف طاری ہو گیا اور وہ مروع ہو گئے۔ دوسری طرف مسلمان کافروں کو اپنے سے دگنا دیکھ کر اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور ثابت قدمی اور استقلال سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد کر کے فتح و نصرت کی امید رکھتے تھے۔ اگر کافروں کی پوری تعداد چوتین گنا تھی مسلمانوں پر ظاہر ہوتی تو ممکن تھا ان پر خوف طاری ہو جاتا۔ بہر حال ایک قبیل اور بے سروسامان جماعت کو ایسی مضبوط جماعت کے مقابلہ میں اس طرح غالب کرنا اہل بصیرت کے لئے ایک عبرتناک واقعہ ہے۔ اس دن وہ پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں جو برسوں پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں سے کی گئی تھیں۔

اس سبق سے معلوم ہوا کہ اصل چیز صبر اور توکل ہے۔ تعداد اور کثرت اور ساز و سامان نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں اور اس سے مدد مانگیں کہ تمام کامیابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

غزوہ بدر کے جس واقعہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اس نوعیت کا تاریخ اسلام میں صرف ایک واقعہ نہیں۔ جب بھی حق پرست اس جذبے اور دلوں کے ساتھ میدان میں سر بکھ ہو کر نکلے ہیں اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال رہی ہے۔

فانی اشیاء سے محبت

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ

فریفتہ کیسے لوگوں کو محبت مرغوب چیزیں جیسے
النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ الْمُقَنْطَرَةَ

عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کر کے ہوائے
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

سے سونا اور چاندی اور گھوڑے نشان زدہ
وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ

اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَ حَسَنِ

زندگی دنیا اور اللہ اس کے پاس اچھا

الْبَابِ ۱۴

ٹھکانا۔

الْبَابِ ۱۴

پاس ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ: (لوگوں کو فریفتہ کیا ہے) اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت اور کشش ایک طبعی بات ہے اور بذاتِ خود گناہ نہیں۔ البتہ ان چیزوں سے فائدہ شریعت کے احکام کے ماتحت لے کر اٹھانا چاہیے اور انکی محبت جائز حد کے اندر محدود رکھنی چاہیے۔ حُبُّ الشَّهَوَاتِ: (مرغوب چیزوں کی محبت) شہوات یہاں مرغوب اور دلپند چیزوں کے معنی میں آیا ہے یوں اسکے لفظی معنی ہیں۔ "خواہشات" مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا: (دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانا ہے) مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں انہیں مقصود زندگی نہیں بنالینا چاہیے۔ یہ صرف دنیا میں کام آنے کی چیزیں ہیں۔ دنیا خود بھی فانی ہے اور اسکے سارے سامان بھی فانی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بعض دنیاوی اشیاء میں انسان کے لئے طبعی طور پر کشش ڈال دی گئی ہے۔ یہ چیزیں اسے بہت پسندیدہ ہیں۔ لیکن اکثر لوگ حد سے زیادہ ان کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کو بھول جاتے ہیں۔ ان چیزوں کو عزیز رکھنا بذاتِ خود گناہ نہیں۔ دنیاوی زندگی گزارنے کے لئے یہ ناگزیر ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا برا نہیں لیکن احتیاط لازم ہے کہ ان کی طرف رجحان یا رغبت ضرورت سے زیادہ نہ ہو جائے کیونکہ اس طرح انسان ان میں مگن ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ انہیں مقصدِ حیات سمجھ لے گا۔ اور اپنی منزل کو بھول جائے گا۔ وہ راہ سے بہت دور بھٹک جائے گا۔

یاد رکھنا چاہیے یہ چیزیں فانی ہیں۔ صرف دنیا میں کام آنے والی ہیں۔ دنیا سے اٹھ جانے کے ساتھ ہی ان سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے ان کی صحیح جگہ پر انہیں رکھتے ہوئے آخرت کا بھی سامان کریں۔ اصل ٹھکانا وہیں ہے اور بقا بھی اسی زندگی کو ہے۔

متقیوں کے لیے اجر

قُلْ - اَوْنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ الَّذِيْنَ
کہہ دو کہ میں تمہیں بتاؤں بہتر ہے اس سے ان کے لئے

النَّوَاغِ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ

پریزگار میں پاس ان کا رب باغ جاری سے
تحتها - الاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا - وَازْوَاجٌ

ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں
مُطَهَّرَاتٌ - وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ - وَاللّٰهُ

سُخَّرِيٌّ اَوْ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ - وَاللّٰهُ

بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ⑩

دیکھتا ہے بندے

قُلْ اَوْنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ الَّذِيْنَ
کہہ دو کہ میں تمہیں اس سے بہتر بتاؤں پریزگاروں

النَّوَاغِ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ
کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے

تحتها - الاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا - وَازْوَاجٌ
نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور سخری

مُطَهَّرَاتٌ - وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ - وَاللّٰهُ

سُخَّرِيٌّ اَوْ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ - وَاللّٰهُ

بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ⑩

بندوں کو دیکھتا ہے۔

اَوْنَبِّئُكُمْ (کیا میں تمہیں بتاؤں) یہ لفظ بنا سے ہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔ نبی بھی اسی سے بنا ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔

مُطَهَّرَاتٌ: (سخری) یعنی ہر جسمانی آلودگی اور نجاست سے پاک مصاف۔

اس سبق میں وہ ٹھکانہ اور اس کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پریزگاروں کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت محفوظ رکھی ہے۔ آخرت کی تمام خوبیاں انہیں کے لئے ہیں۔

دنیا کی نعمتیں مال و دولت، بال بچے، کھیتی باڑی، مال مویشی سب ناپائدار اور بے ثبات ہیں۔ ان کا نہ کوئی بھروسہ ہے نہ اعتبار ان میں لگن ہو جانا اور خدا کو بھول کر ان چیزوں کے حصول کو مقصود زندگی بنا لینا عقل مندی نہیں ہے۔ شریعت کے احکام کے مطابق اور حدود کے اندر رہ کر ہی ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے خوف کھانا چاہیے اور پریزگاری کی راہ اختیار کرنی چاہیے کیونکہ ایسے متقیوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسین باغ دینے کا وعدہ فرمایا ہے جس میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہریں ہیں گی۔ نیک اور پاکیزہ بیویاں ملیں گی ایسے باغوں میں ہمیشگی کی زندگی ملے گی اور سب بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو گی۔ جس سے دل کو اطمینان، مسرت اور خوشی ہوگی۔ یہ نعمتیں صرف پریزگاروں کو ملیں گی جن کی صفات اگلی آیت میں بیان ہوں گی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہ ہر شخص کی نیت اور اس کے اعمال پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اس سے کوئی چھوٹی بڑی شے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں نہایت محتاط رہنا چاہیے۔ نیک عملی کی زندگی بسر کرنی چاہیے اور امید رکھنی چاہیے کہ وہ ہمارے اعمال کا ثواب دے گا۔

متقین کی صفات

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمْنَا فَأَغْفِرْ لَنَا
 ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصَّابِرِينَ
 وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ
 وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۷

وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو ہمیں بخش دے
 ہمارے گناہ اور ہمیں بچا عذاب دوزخ صبر کرنے والے
 اور سچے اور حکم بجالانے والے اور خرچ کرنے والے
 اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمْنَا فَأَغْفِرْ لَنَا
 ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصَّابِرِينَ
 وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ
 وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۷

وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہ
 بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا وہ صبر کرنے والے
 ہیں سچے اور حکم بجالانے والے ہیں اور خرچ کرنے والے اور پچھلی
 رات میں گناہ بخشوانے والے ہیں۔

بِالْأَسْحَارِ (پچھلی رات میں) سحر اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کا اندھیرا صبح کے اچالے سے مل رہا ہو۔ رات کے اس آخری
 حصے کی خوبی یہ ہے کہ یہ وقت خاص طور پر دل جمعی اور روحانی قوتوں کی بیداری کا وقت ہوتا ہے اگرچہ اس وقت جاگنا نفس پر شاق
 گذرتا ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جنہیں پچھلے سبق میں متقین کہا گیا ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں
 جنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ صفات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ یہ لوگ اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری پر غرور دکھند کرنے کے بجائے عجز و انکسار کا نمونہ بنے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ
 دست بدعا رہتے ہیں کہ اے خدا ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔
 ۲۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب کسی آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں ثابت قدمی اور
 استقامت عطا کرے۔

۳۔ یہ لوگ زبانِ دل اور نیت کے سچے ہوتے ہیں۔ معاملہ کے کھرے ہوتے ہیں جھوٹ، فریب اور منافقت سے تطہیٰ طور پر پرہیز کرتے ہیں
 ۴۔ بڑی بڑی تکلیفیں بھیلنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر جمے رہتے ہیں گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں غلط کاری اور بدی سے نفرت کرتے ہیں۔
 ۵۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت کو اس کے مقرر کئے ہوئے موقعوں پر خرچ کرتے ہیں بخل اور کجی سے کام نہیں لیتے۔
 صدقات و خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں نیکی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔

۶۔ رات کے پچھلے حصہ میں اٹھ کر اپنے رب سے اپنے گناہ اور خطا میں معاف کراتے ہیں یعنی رات کا آخری حصہ عبادت میں گزارنے میں اور
 یوں صدقِ دل سے گناہوں سے معافی کے طلبگار رہتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اندر یہ تمام صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہم بھی متقین میں شامل ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق بن سکیں۔

الوہیت خدانہ کی گواہی

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَ

گواہی دی اللہ کہ وہ نہیں معبود سوائے اس کے اور
الْمَلٰئِكَةُ وَ اُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ

فرشتے اور علم والے عالم انصاف کا
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱۸

نہیں معبود سوائے اس کے زبردست حکمت والا۔

النصف

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَ

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور
الْمَلٰئِكَةُ وَ اُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ

فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی وہی انصاف کا حکم ہے
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۱۸

اسکے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ وہ زبردست حکمت والا ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ: (اللہ نے گواہی دی) اللہ تعالیٰ کی یہ گواہی آسمانی کتابوں میں برابر آتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کا ایک ایک ذرہ شہادت دے رہا ہے کہ عبادت کے لائق رب العالمین کے سوا کوئی نہیں کتب الہی کی شہادت نقلی دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اور زمین و آسمان کی تمام چیزیں عقلی دلیل کا کام دیتی ہیں۔ گویا عقل و نقل دونوں قسم کی دلائل موجود ہیں۔

الْمَلٰئِكَةُ: (فرشتے) یعنی فرشتے بھی یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ گویا یہ بھی واضح کر دیا کہ خود فرشتے جنہیں مشرک قومیں دیوی اور دیوتا سمجھتے ہیں۔ اللہ کی توحید کے گیت گاتے ہیں۔

اُولُو الْعِلْمِ: (علم والے عالم) علم کے معنی جاننا اور معلوم کرنا ہیں۔ علم محض حرف شناسی اور کتابوں کی ورق گردانی کا نام نہیں بلکہ علم حقائق اشیاء اور معرفت حقیقت کا نام ہے خواہ وہ غور و فکر کے ذریعے ہو یا تجربات و مشاہدات کے ذریعے ہو۔ لہذا "اُولُو الْعِلْمِ" سے مراد وہ اہل علم ہیں جو حقیقت کو جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس سورت کے آغاز میں نجران کے عیسائیوں سے خطاب تھا۔ اور نہایت اچھے انداز سے الوہیت مسیح کے عقیدہ کو غلط بنا کر توحید کا اعلان کیا گیا تھا۔ درمیان میں اور چیزوں کا ذکر کیا جو ایمان لانے میں رکاوٹیں ثابت ہوتی ہیں مثلاً مال اولاد اور سامان عیش و عشرت پھر مومنین کی صفات بیان کیں جو ان رکاوٹوں کے باوجود حق پر قائم رہتے ہیں اس کے بعد دوبارہ توحید کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔

توحید کے ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے جبکہ خود اللہ تعالیٰ اپنی تمام کتابوں کے علاوہ کارخانہ قدرت سے اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ صرف وہی لائق عبادت ہے۔ اس کے علاوہ فرشتے اور اہل علم بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت دیتے ہیں۔ توحید کو نہ ماننا اور مشرک پر قائم رہنا صریحاً جہالت ہے۔

اپنی صفت "قائم بالقسط" بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ عیسائیوں کا مشدہ کفارہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام لوگوں کے گناہ ایک شخص کے سر لا دئیے جائیں۔ اور وہ ان سب کے لئے اکیلا ہی سزا بھگت کر سب کو بری کر دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ انصاف والا ہے۔ وہ ہر شخص کو اس کے اپنے عملوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اصلی دین — اسلام

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ
بے شک اللہ کے ہاں جو دین ہے سو یہی مسلمان حکم برداری ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ
بیکہ دین ہاں اللہ مسلمان حکم برداری۔

الْإِسْلَامُ (مسلمانی حکم برداری) اسلام کے لفظی معنی اسوئہ دینے کے ہیں۔ مذہب اسلام کو بھی اسی رعایت سے اسلام کہا جاتا ہے۔ کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کر دینے اور اس کے احکام کے آگے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے۔ گویا اسلام نام ہے تسلیم کا اور "مسلمانی" نام ہے حکم برداری کا۔

دین کے ایک معنی بدلہ کے ہیں اور دوسرے معنی مذہب کے ہیں۔ یعنی وہ طریقہ فکر و عمل جو ایک شخص اور قوم کے افکار و اعمال کی بنیاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جو طریقہ پسند فرمایا ہے۔ وہ اسلام یعنی اطاعت گزاری اور فرمانبرداری ہے جس کی کامل تکمیل اور آخری صورت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں ظاہر ہوئی۔

یوں تو تمام گذشتہ نبی یہی مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام دے کر خالص توحید کی طرف بلاتے رہے لیکن اس سلسلہ میں نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو جو مکمل، جامع ترین اور عالمگیر احکام و ہدایات دیں۔ وہ قدیم شریعتوں سے کئی لحاظ سے فوقیت رکھتی ہیں! اس لئے وہ ایک خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم ہوئیں۔ بہر حال اس آیت میں نجران کے عیسائیوں کے سامنے خاص طور پر اور تمام دنیا کے سامنے عام طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ دین صرف ایک ہی چیز کا نام ہے۔ وہ یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور جب اور جو حکم اسکی طرف سے پائے اسے بلا چون چو تسلیم کرے۔

اب جو لوگ مسیح کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتائیں جنہر رکھائیں نبیوں کو قتل کریں۔ سچے دین کو مٹانے کی کوشش کریں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی بشارتوں کے باوجود سچے نبی کو بھٹلائیں۔ کیا وہ لوگ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کے سپرد کہلانے کے حق دار ہیں۔ کامل فرمانبرداری کی مثال کے لئے حضرت ابراہیم کا اسوۂ حسنہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی زندگی مبارک اور سب سے آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس انسانیت کے لئے مکمل نمونہ ہے حضرت ابراہیم کا اپنا وطن چھوڑنا۔ نمرود سے مقابلہ کرنا۔ دودھ پیتے بچے اور بوی کو رضائے الہی میں بے برگ و گیاہ دادی میں تنہا چھوڑ دینا۔ اپنے بیٹے اسمعیل کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جانا۔ یہ سب باتیں تسلیم و رضا میں آپ کی مستعدی پر روشنی ڈالتی ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنان خدا کی اذیت سہنا۔ وطن سے ہجرت کر جانا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا کامل اطاعت اور فرمانبرداری کو واضح کرتی ہیں۔ یہی وہ اعلیٰ اور مقدس ہستیاں ہیں جو عالم انسانی کے لئے ہر لحاظ سے قابل تقلید ہیں اور جن کی پیروی کرنے کا نام اسلام و تابعداری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین!!

اختلاف کی وجہ

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أوتُوا الْكِتَابَ

اور نہیں مخالف ہوئے جنہیں دی گئی کتاب

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

مگر سے بعد ان کے پاس پہنچ چکا علم ضد

بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ

آپس کی اور جو کوئی انکار کرے علم اللہ توبیخ

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①۹

اللہ جلدی حساب۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أوتُوا الْكِتَابَ

اور کتاب والے مخالف نہیں ہوئے

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

مگر جب ان کے پاس علم پہنچ گیا آپس کی ضد اور ضد

بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ

آپس کی اور جو کوئی اللہ کے کلموں کا انکار کرے تو اللہ جلدی

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①۹

اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

بچھڑے سبق میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلام ایک واضح اور روشن حقیقت ہے جس قسم کے دلائل سے حضرت موسیٰ اور

عیسیٰ کی رسالت یا تورات و انجیل کا آسمانی کتب ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے اس سے بہتر مضبوط اور زندہ دلائل حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے کلام الہی ہونے کے موجود ہیں بلکہ خود وہ کتابیں آپ کی سچائی کی گواہی دے رہی ہیں۔

توحید ایک صاف اور واضح مضمون ہے جس کے خلاف باپ بیٹے کا نظریہ محض ایک بے معنی سی چیز ہے کوئی علمی اصول

اس کی تائید نہیں کرتا۔ اب جو اہل کتاب مخالف اسلام ہو کر ان روشن حقائق کو جھٹلائیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے سرتابی کریں

تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ محض ضد و عناد اور جاہ و مال کی حرص میں ایسا کر رہے ہیں۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان جو اختلافات ہوئے یا ان میں جو بہت سے فرقے بنے پھر مخالفت باہمی خوفناک جھگڑوں

اور لڑائیوں پر ختم ہوئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس کا منشا محض غلط فہمی یا جہالت نہ تھی بلکہ اکثر حالات میں محض مال و دولت کی محبت

اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ وارانہ اختلافات پیدا ہوئے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔ ان کی سزا بھی بتا دی گئی ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ان بد اعمالیوں اور شرارتوں

کا حساب لے گا اور انہیں سخت سزا دے گا۔ سزا نہ صرف آخرت میں ملے گی بلکہ دنیا میں انہیں اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس قدر شدید سزا کا سبب ان کی دشمنی اور عناد ہے۔ انوس یہ ہے کہ انہوں نے مخالفت اس وقت کی جب علم ان کے

سامنے آگیا اور حقیقت کھل گئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حقیقت واضح ہو جانے پر وہ صداقت کا ساتھ دیتے مگر محض باہمی ضد اور

مخالفت کے باعث وہ حق کے بھی مخالف ہو گئے۔ آیات الہی ان کے سامنے آئیں مگر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور کفر و انکار

کی راہ پر چل پڑے اور یہ بھول گئے کہ اللہ ان سے جلد حساب لینے والا ہے۔

نبی کا فرض محض تبلیغ ہے

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسَلْتُ وَجْهِي
 پھر اگر تجھ سے بھگڑیں تو کہہ میں نے تابع کیا اپنا منہ
 لِلَّهِ وَمِنْ أَتَّبَعِنَ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا
 اللہ کے لئے اور وہ جو میرے ساتھ ہیں اور کہہ انہیں
 الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَسَلْتُكُمْ فَإِنْ
 کتاب اور ان پڑھ کیا تم تابع ہوتے ہو پھر اگر
 أَسَلُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا
 وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی اور اگر منہ پھریں تو
 عَلَيْكَ الْبَلْغَةُ وَاللَّهُ بِصِيْرِكُمْ بِالْعِبَادِ (۲۰)
 تیرے ذمہ پہنچا دینا اور اللہ دیکھتا ہے بندے۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسَلْتُ وَجْهِي
 پھر بھی اگر تجھ سے بھگڑیں تو کہہ دے میں اپنا منہ اللہ کے حکم پر
 لِلَّهِ وَمِنْ أَتَّبَعِنَ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا
 تابع کیا اور انہوں نے بھی جو میرے ساتھ ہیں۔ اور کتاب والوں اور
 الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَسَلْتُكُمْ فَإِنْ
 ان پڑھوں کو کہہ دے کیا تم بھی تابع ہوتے ہو۔ پھر اگر وہ تابع ہوئے
 أَسَلُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا
 تو انہوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر منہ پھریں تو تیرے ذمہ صرف
 عَلَيْكَ الْبَلْغَةُ وَاللَّهُ بِصِيْرِكُمْ بِالْعِبَادِ (۲۰)
 پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

الْأُمِّيِّينَ، (ان پڑھ) یہاں مراد مکہ کے مشرکین ہیں جنہیں آسمانی کتابوں کا علم نہیں تھا اور یوں بھی ان میں علم کا نشان نہ تھا۔ معدیوں
 چند کے سوا سب کے سب ان پڑھ اور جاہل تھے۔

الْبَلْغَةُ (پہنچا دینا) اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا مقصود ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ فکر مند نہ
 ہوں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے۔ منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں۔
 اہل کتاب بھگڑا کرتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں انہیں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا فرضی اسلام بالکل بے فائدہ ہے
 اسلام وہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار ساتھیوں کے پاس ہے یعنی انسان ہمہ تن اپنے آپ کو خدائے واحد کے ہاتھ میں
 دے دے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کو دیکھ لو کہ کس طرح انہوں نے شرک بت پرستی بد اخلاقی فسق و فجور اور ظلم و ستم کا
 مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان و مال و وطن، کنبہ بیوی بچے غرض تمام مرغوب اور عزیز چیزیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر نثار کر دیں۔ ان کی
 آنکھیں ہر وقت حکیم الہی کی طرف لگی رہتی ہیں کہ ادھر سے حکم آئے اور ہم تعمیل کریں اس کے مقابلہ میں تم اپنا حال دیکھو کہ خود جب تنہا ہوتے
 ہو تو اقرار کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں لیکن اگر ان پر ایمان لائیں تو دنیا کا مال و جاہ چھینتا ہے۔ بہر حال اگر تم جان لینے کے
 بعد ایمان نہ لاؤ تو تمہاری مرضی ہم تو ایمان لا چکے ہیں۔

اس کے بعد ان مشرکین کو بتایا گیا ہے کہ تم خود دیکھ لیا کہ تم ہماری طرح کے مسلمان ہو۔ یا اب مسلمان بننے کو تیار ہو اگر اب بھی اطاعت
 گزار بن جاؤ تو تم سیدھے راستے پر جاؤ گے اور اگر تم نہ مانے تو ہمارا کام صرف تبلیغ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تم پر پہنچا دینا ہے تمہیں
 نیک و بد کی تمیز سکھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کے ظاہری اور باطنی حالات جانتا ہے۔

کافروں کی کرتوت

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ - وَ

بِتِلْكَ آيَاتِهِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ - وَيَقْتُلُونَ
بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا يَقْتُلُونَ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ حَقٍّ
أَوْ يَسْفِطُ النَّاسَ

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ - مِنَ النَّاسِ لَا

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ - وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۲۲﴾

اور آخرت اور نہیں ان کے لئے سے مددگار۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ

بِتِلْكَ آيَاتِهِ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ - وَيَقْتُلُونَ
بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا يَقْتُلُونَ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ حَقٍّ
أَوْ يَسْفِطُ النَّاسَ

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ - مِنَ النَّاسِ لَا

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ - وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۲۲﴾

میں ان کا کوئی مددگار نہیں۔

يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ (انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں) یعنی لوگوں کو اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں۔ باہمی معاملہ میں عدل و انصاف کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے سچے ساتھی ہیں

اس آیت میں نجران کے نصاریٰ اور دیگر کافروں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے منکر ہو کر پیغمبروں اور دوسرے نیک اور انصاف پسند لوگوں سے مقابلہ کرنا نصیحت کرنیوالوں سے جھگڑنا اور سنگدلی سے انہیں موت کے گھاٹ اتار دینا بہت بڑا ظلم ہے ان لوگوں کو سخت سزا ملے گی۔ ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں ۴۳ نبی اور ۱۶ صالحین کو شہید کیا اور اس طرح مجرموں کی فہرست میں شمار ہوئے۔ یہ تمام واقعات قرآن مجید اس لئے پیش کر رہا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کہنے والے دیکھ لیں کہ ان کے بزرگ کس قدر سیاہ کار رہے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے دونوں جہان میں محرومی ہوگی۔ ان کے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور آخرت میں بھی انہیں سزا مل کر رہے گی اور ان کا کوئی ساتھی یا مددگار نہیں ہوگا۔

ان تمام واقعات میں ہم لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ہے ہمیں چاہیے کہ جو گناہ اور جرائم گذشتہ قوموں نے کئے ہیں۔ ان سے مکمل طور پر بچتے رہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ جس سزا میں وہ مبتلا ہوئے وہ ہم پر بھی نازل ہو۔ ہم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے انکار نہ کریں نیک اور صالح لوگوں کو تنگ نہ کریں۔ بلکہ راہ راست پر قائم رہیں تاکہ دنیا اور آخرت میں سیاہ رو نہ ہوں۔

آخرت کا انجام

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ
فِيهِ وَوَقَّيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

اس میں اور پورا مل جائے گا ہر شخص جو اس نے کیا

وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

اور وہ حق تلفی نہ ہوگی۔

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ

پھر کیا ہوگا جب ہم انہیں ایک دن جمع کریں گے جس میں

فِيهِ وَوَقَّيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اپنا کیا ہوا پورا پورا مل جائے گا۔

وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

اور ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔

اس سورۃ کی ابتداء ہی سے اہل کتاب کو مخاطب کیا جا رہا ہے خصوصاً بار بار نصاریٰ کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی کتاب برحق کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ لیکن ان لوگوں کا رویہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے ہر سچے اور نیکو کار کو جھٹلایا۔ اس کی شدید مخالفت کی حد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قتل تک سے باز نہ آئے۔

دوسری طرف ان کے عقائد کے پودے پن کی حد یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس قدر معصوم خیال کرتے ہیں کہ دوزخ کی آگ انہیں کچھ نہ کہے گی۔ اگر دوزخ میں گئے بھی تو چند دن کے لئے یہ سب ان کے نفس کا دھوکہ ہے۔ ان باتوں کا حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں۔ بھلا کوئی شخص اپنے کئے کی سزا سے کیسے بچ سکتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور اس کے ہولناک نتائج کی طرف انہیں متوجہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اس دن کو کیوں بھول رہے ہو جس دن سب کو جمع کیا جائے گا۔ بھلا اس دن کے واقع ہونے میں کسی کو شک ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید سے قطع نظر کر لو۔ پھر بھی ہر مذہب میں یہ عقیدہ اجزائے دین میں شامل ہے۔

آخرت میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے جس نے ذرہ بھرنیکی کی ہوگی۔ وہ اس کی جزا پالے گا۔ اور جس نے دنیا میں ذرہ بھربدی کی ہوگی۔ وہ اس کی سزا بھی بھگنے گا۔ کوئی بھی اعمال کے نتائج سے بچ نہ سکے گا۔

آیت کا آخری جملہ یہ ہے کہ اس دن کسی کی حق تلفی نہ ہوگی۔ ذرہ ذرہ کا حساب ہو جائے گا اور معمولی سے معمولی کام کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ اگر انسان اس دن کو یاد رکھے تو وہ گناہ کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔

اللہ تعالیٰ کا اختیار و قدرت

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ تُوِّجِي الْمُلْكِ
 تُوَكَّبِ اللَّهُ مَالِكِ سُلْطَنُ تُوَدَّ سُلْطَنُ
 مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
 جِسَّ تَرْجَاءُ وَتَرْجَاءُ سُلْطَنُ جِسَّ سَلْطَنُ
 تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُنْزِلُ
 تُوَجِّهُ وَتُعْزِزُ مَنْ جِسَّ جِسَّ وَتُنْزِلُ
 مَنْ تَشَاءُ بِبِيْدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى
 جِسَّ جِسَّ تِيرَ مَا تُو خُوِي جِسَّ تُو
 كَلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ تُوِّجِي الْمُلْكِ
 تُوَكَّبِ اللَّهُ مَالِكِ سُلْطَنُ تُوَدَّ سُلْطَنُ
 مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ
 جِسَّ تَرْجَاءُ وَتَرْجَاءُ سُلْطَنُ جِسَّ سَلْطَنُ
 تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُنْزِلُ
 تُوَجِّهُ وَتُعْزِزُ مَنْ جِسَّ جِسَّ وَتُنْزِلُ
 مَنْ تَشَاءُ بِبِيْدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى
 جِسَّ جِسَّ تِيرَ مَا تُو خُوِي جِسَّ تُو
 كَلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾

ہر چیز پر قادر ہے۔

ہر شے قادر۔

مَالِكِ الْمُلْكِ (سلطنت کا مالک) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مالکیت کی صفت کو خاص طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ انسان کو اس کی قدرتوں اور طاقتوں کا احساس رہے۔ انسان اپنے عارضی اور فانی ذمیوی اقتدار کے نشہ میں حقیقی مالک کو بھول نہ جائے۔ چار دن کی چلتی پھرتی چھاؤں اسے احکم الحاکمین کے حکم سے غافل نہ کر دے۔

قرآن مجید کی اس آیت کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور انسان کی انتہائی عاجزی اور بے بسی کا بیان اس انداز میں موجود ہے کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے صوفیائے کرام یہ آیت بطور وظیفہ ورد کرنے کے لئے بتلایا کرتے ہیں۔

اگر اس آیت کو نجران کے عیسائی وفد کے سلسلہ میں بیان کرنا ہو تو اس کا ربط یوں بیان کریں گے کہ اے مسیحی عالمو! جن بادشاہوں کی سلطنت اور ان کی دی ہوئی عزت پر تم فخر کرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تمام جہان کی کل سلطنت اور عزت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ جسے چاہے دے جس سے چاہے پھین لے۔ اس حقیقت کا عملی مظاہرہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو دکھا دیا۔ جب ایک ادنیٰ اور غریب جماعت کو روم و فارس کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ مادی سلطنت و عزت تو کیا چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روحانی سلطنت و عزت کا آخری مقام یعنی نبوت نبی اسرائیل سے لے کر نبی اسمعیل میں پہنچا دی ان الفاظ کو دُعا کی شکل میں مسلمانوں کو تعلیم کر کے یہ بتایا کہ جو لوگ غریب تھے اپنے ایمان کی بدولت سلطنت کے مالک ہوں گے اور جو بادشاہ تھے وہ اپنی بد اعمالیوں کی بدولت ذلت میں گریں گے۔ ہر قسم کی خوبی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی قادر مطلق ہے۔

قدرتِ خداوندی

تَوَلِّجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ - وَ

تو داخل کرتا ہے رات میں دن اور

تَوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ - وَ

داخل کرتا ہے دن میں رات اور

تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ - وَ

نکالتا ہے زندہ سے مردہ اور

تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ - وَ

نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور

تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

رزق دیتا ہے جسے چاہے بے حساب -

تَوَلِّجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ وَ

تورات کو دن میں داخل کرتا ہے اور

تَوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ

اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور

تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

تو زندہ مردے سے نکالتا ہے اور

تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ

مردہ زندہ سے نکالتا ہے اور

تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو جسے چاہے بے شمار رزق دیتا ہے -

یہ آیت بھی اپنے معنی اور مفہوم میں پچھلی آیت کے ساتھ مشترک ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و اختیار کو بیان فرمایا تھا کہ اے ہر شے پرکلی اختیار حاصل ہے۔ وہ جسے چاہے عزت و امارت دے اور جسے چاہے ذلت و رسوائی میں گرا دے۔ موجود آیت میں بھی اس نے اسی حقیقت کو دہرایا ہے کہ کائنات میں ہر طرح کی تبدیلی اور تصرف اسی کی مشیت کے تابع ہے وہ موسموں میں اور رات دن میں تبدیلی کرتا رہتا ہے۔ وہ کبھی رات کو گھٹاتا اور دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دن کو گھٹا کر رات کو بڑھا دیتا ہے۔ اس طرح ایک کا کچھ حصہ دوسرے میں داخل کرتا رہتا ہے۔ مثلاً جاڑے میں چودہ گھنٹے کی رات اور دس گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور کچھ عرصہ بعد یعنی گرمی میں رات کے چار گھنٹے کاٹ کر دن میں داخل کر دیتا ہے۔ اس موسم میں رات دس گھنٹے کی رہ جاتی ہے اور دن چودہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔ یہ سب الٹ پھیر اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ چاند سورج اور ستارے اس کے ارادہ کے بغیر ذرا حرکت نہیں کر سکتے۔

دن چھوٹے بڑے کرنے کے علاوہ وہ مردہ سے زندہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور زندہ سے مردہ پیدا کرنے پر بھی اسے اختیار ہے۔ پہلے کی مثال انڈے سے جانور پیدا کرنا اور سیال نطفہ کے مادہ سے جاندار بچہ کا وجود پیدا کرنا ہے اور دوسرے کی مثال جانور سے انڈہ۔ آدمی سے نطفہ عالم سے جاہل اور ناقص سے کامل پیدا کرنا ہے۔

یہودی سمجھتے تھے کہ جو بزرگی انہیں حاصل تھی۔ وہ ہمیشہ رہے گی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت اور سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے وہ چاہے تو جاہلوں میں کامل پیدا کرے جیسے اس نے عرب کے امیوں میں نخر موجودات اور اشرف الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ رزق کے خزانے بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ وہ جسے چاہے بے حساب اور بے اندازہ عطا فرمائے انسان اس کے انعام و کرام کا شمار نہیں کر سکتا۔

کافروں سے دوستی

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ
 لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ
 مِّنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ
 مِّنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ
 ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا
 أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا وَيَحْدِرْكُمْ
 أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا وَيَحْدِرْكُمْ
 اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝۲۸
 اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝۲۸

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ
 لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ
 مِّنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ
 مِّنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ
 ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا
 أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا وَيَحْدِرْكُمْ
 أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُوا وَيَحْدِرْكُمْ
 اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝۲۸
 اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝۲۸

پچھلے سبق میں یہ بتایا گیا تھا کہ عزت دنیا یا عزت چھین لینا اللہ تعالیٰ کے ہی قبضہ و قدرت میں ہے۔ ہر طرح کی حکومت و سلطنت جاہ و عزت اور تصرفات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کیلئے جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ شایان شان نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کو چھوڑ کر یا انہیں کافی نہ سمجھ کر خواہ مخواہ اللہ کے دشمنوں، اس کے منکروں اور کافروں سے دوستی بڑھائیں۔ خدا اور رسول کے دشمن کبھی ان کے دوست نہیں بن سکتے جو شخص اس کے الٹ کرے گا۔ سمجھ لو کہ خدا کی محبت سے اسے کوئی سرکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونی چاہئیں۔

انسانوں کے اندر حسن سلوک کی صورتیں ممکن ہیں۔
 (۱) دوستی (۲) ظاہری خوش خلقی (۳) احسان و نفع رسانی۔

علماء نے فرمایا ہے کہ کفار سے اول شکل یعنی حقیقی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں۔ تیسری شکل یعنی احسان و نفع رسانی صرف ان کافروں سے جائز ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوں۔ دوسری شکل یعنی ظاہری خوش خلقی صرف تین حالتوں میں جائز ہے ایک اپنے بچاؤ کیلئے۔ دوم خود اسے اسلام پر لانے کی کوشش کے سلسلہ میں۔ سوم مینر بان ہونے کی صورت میں۔ یعنی جب کافر مہمان بن کر آئے ہیں ان تینوں صورتوں کے سوا اپنے ذاتی نفع یا مال و دولت حاصل کرنے کے لئے کسی طرح بھی دوستی جائز نہیں بلکہ جب یہ خطرہ ہو کہ وہ دین میں رخنہ ڈالے گا تو اس سے میل ملاپ بالکل ناجائز ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کو جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تاکہ وہ یاد رکھیں کہ بالآخر سب کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ جزا سزا دے گا اور اس کی گرفت سے بچ کر نکلنا کسی کے لئے ہرگز ممکن نہ ہوگا۔

کافروں کی پشیمانی

قُلْ إِنْ تَحْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تَبَدُّوْا
 كَبْرًا أَوْ تَحْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تَبَدُّوْا
 يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ

جانتا ہے ایسے اللہ اور جانتا ہے جو میں آسمان اور
 مَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ۲۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

قَدِيرٌ ۲۹ دن موجود پائیگا ہر شخص جو اس نے کی
 مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ

سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا

بُرَّاتِي آرزو کرے گا کاش کہ مجھ میں اور اس میں فرق
 بَعِيدًا ۳۰ وَيَحذِرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ

دُور کا اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے سے اور اللہ
 ذَوُونَ بِالْعِبَادِ ۳۰

مہربان بندوں پر۔

قُلْ إِنْ تَحْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تَبَدُّوْا
 تَرْكِبُوْنَ أَوْ تَحْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تَبَدُّوْا
 يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ

اللہ سے جانتا ہے۔ اور ایسے معلوم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے
 مَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ۲۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

قَدِيرٌ ۲۹ جس دن ہر شخص موجود پائیگا جو کچھ اس نے
 مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ

سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا

بُرَّاتِي آرزو کرے گا کاش کہ مجھ میں اور اس میں فرق ہوتا
 بَعِيدًا ۳۰ وَيَحذِرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ

دُور کا اور ڈراتا ہے آپ سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ بندوں
 ذَوُونَ بِالْعِبَادِ ۳۰

پر مہربان ہے۔

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات لوگوں سے چھپالے لیکن وہ اس طرح خدا سے کچھ نہیں چھپا
 سکتا اور اسے فریب نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے جو زمین و آسمان کی ہر شے پر جاوی ہے کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے
 باہر نہیں۔ قیامت کے دن ہر شخص کی نیکی بدی اسکے سامنے ہوگی۔ ساری عمر کا اعمال نامہ ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا اس وقت گنہگار یہ آرزو
 کرے گا کہ کاش دنیا میں بڑے عمل ہم سے دُور ہی رہتے لیکن اس روز افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ اس بات
 کی تشبیہ کر رہا ہے کہ تم بُرائی سے دُور رہو اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے بچے رہو۔ کافروں سے دوستی نہ رکھو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی
 ہے کہ قبل از وقت ہمیں خوفناک دن سے ڈراتا رہتا ہے تاکہ بُرائی چھوڑ کر جھلائی کی طرف رجوع کر سکیں۔ ہم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کے ان احکام پر غور کریں۔ بشر بُرائی اور گناہ سے ہمیشہ بچتے رہیں۔ جھلائی کی طرف راغب رہیں۔ تقویٰ اختیار کریں اللہ تعالیٰ سے
 ڈرتے رہیں اور نیکی کی زندگی بسر کریں۔

حضرت رسول اکرم کی پیروی

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
 تو کہہ دے اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی
 يَجِبْكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
 کہو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخش دے اور
 اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
 اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تو کہہ دے کہ حکم مانو اللہ اور
 وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا
 اس کے رسول کا پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کو کافروں
 يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾
 سے محبت نہیں ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
 تو کہہ اگر تم رکھتے ہو محبت اللہ تو میری پیروی کرو
 يَجِبْكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
 تم سے محبت کرے اللہ اور بخشنے تمہارے گناہ اور
 اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
 اللہ بخشنے والا مہربان تو کہہ حکم مانو اللہ
 وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا
 اور رسول پھر اگر اعراض کریں تو بیشک اللہ نہیں
 يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾
 محبت کافر۔

پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی کی ممانعت کا حکم دیا تھا۔ اب اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرو اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا معیار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور مکمل پیروی میں ہے یعنی اگر دیکھنا ہو کہ کون اپنے مالک حقیقی سے محبت کرتا ہے۔ تو اسے اطاعت محمدی کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لینا چاہیے جس قدر کوئی شخص حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر چلتا ہوگا۔ ان کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ سمجھتا ہوگا اور ان کی پیروی کرتا ہوگا۔ اسی قدر اس کا ایمان بھی مکمل ہوگا۔

اسے رسول اللہ سے محبت کرنے کا پھل یہ ملے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ حضور کے اتباع کی برکت سے اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور آئندہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور خاص توجہ کا مستحق ہوگا۔ گویا محبت خداوندی حضور کی پیروی کے بغیر ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں۔ یہاں یہ بتلا دیا گیا کہ اللہ کے نبی کا منکر خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی اللہ کا محبوب بنا چاہتا ہے۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔

صوفیائے کرام نے اس سے ایک عجیب و غریب نکتہ پیش کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبت کرنیوالے عاشق بندوں سے یہ کہا ہے کہ اگر میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے حبیب کی پیروی کرو۔ اس کے نتیجے میں خود میں تم سے محبت کرنیوالا بن جاؤں گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر کروں گا۔ اسکے ساتھ ہی تنبیہ کر دی۔ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کی تو منکروں میں تمہارا شمار ہوگا اور اللہ انکار کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔

انبیاء کا سلسلہ

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ
 إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾
 ابراہیم اور گھولے عمران اور نوح اور گھولے
 ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
 اولاد ایک ان میں سے دوسرا اور اللہ سنیے والا
 عَلَيْهِمُ ﴿۳۳﴾
 جاننے والا۔

ال عمران کا گھرانہ تاریخ میں عمران کے نام سے دو شخصیتیں گذری ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ کے والد ماجد عمران بن بصیر دوسرے
 ان کے کئی سو سال بعد حضرت مریم کے والد ماجد حضرت یحییٰ علیہ السلام کے نانا عمران بن مائان یہاں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ اکثر علماء
 اور محققین نے دوسرے عمران سے مراد لی ہے کیونکہ اس آیت میں آگے جا کر دوسرے عمران ہی کے گھرانے کا بیان ہے۔
 آدم: (آدم) اللہ تعالیٰ نے اپنی وسیع قدرت سے کام لے کر زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شے بنائی اس کی سب سے بڑی تخلیق حضرت
 آدم علیہ السلام ہیں جو روحانی اور جسمانی خوبیوں کا مجموعہ بنے۔ کائنات کو اس ہستی کی قدر بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم
 علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ آدم علیہ السلام نبوت کیلئے چنے گئے۔ ان کے بعد یہ نبوت حضرت شیث اور حضرت نوح علیہ السلام کو ملی پھر وہاں
 سے منتقل ہوتی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچی حضرت آدم اور نوح علیہ السلام کے بعد جتنے لوگ بھی دنیا میں آباد رہے۔ وہ سب
 ان کی اولاد سے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور نوح کی طرح نبوت کا درجہ بخشنے کیلئے حضرت ابراہیم اور ان کے گھرانے کو مخصوص کر
 لیا اور ان کے بعد جس قدر نبی آئے۔ وہ انہی کے دو بیٹوں حضرت اسمعیل اور اسمعیل کی نسل سے ہوئے۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ، (ایک دوسرے کی نسل سے) نسب کا سلسلہ باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے
 بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ انہیں حضرت ابراہیم کی نسل میں شمار نہیں کیا جاسکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آل
 عمران اور ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ تمام پیغمبر ایک دوسرے کی اولاد میں سے تھے کیونکہ حضرت مریم کے باپ عمران
 حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے۔ لہذا ثابت ہوا کہ کوئی پیغمبر حضرت ابراہیم کے خاندان سے باہر نہیں۔

سَمِيعٌ عَلِيمٌ کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ سب دعاؤں اور باتوں کو سنتا ہے۔ سب کے ظاہری اور پوشیدہ حالات
 کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی نہیں۔ وہ ہر ایک کے نفس اور خوبیوں سے باخبر ہے۔ اس لئے اس کا انتخاب کسی طرح
 ادھورا اور غلط نہیں ہو سکتا۔

حضرت مریم کی پیشکش

إِذْ قَالَتْ أُمُّرَاتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي

جب کہا عورت عمران نے رب میں

نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

نذر کیا تیرے لئے جو میں میرا پیٹ آزاد رکھ کر تو قبول کر

مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۵﴾

مجھ سے بیشک تو سننے والا جاننے والا۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا

پھر جب اسے بنا بولا نے رب میں اسے بنا

أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَيْسَ

لڑکی اور اللہ معلوم ہے جو اس نے بنا اور نہ ہو

الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

بیٹا بیٹی جیسا اور میں اس کا نام رکھا مریم

وَإِنِّي أَعِيزُ هَآبِكَ وَذَرِّيَّتَهَا مِنَ

اور میں اسے پناہ دیتی ہوں تیری اور اس کی اولاد کو سے

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۲۶﴾

شیطان مردود۔

إِمْرَأَةً عِمْرَانَ (عمران کی بیوی) اس کا نام "حزنبنت فاووذ" تھا۔ اس نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یہ منت

مان رکھی تھی کہ جو بچہ اسکے پیٹ میں ہے اسے اللہ کے نام پر آزاد کرتی ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بچہ تمام دنیاوی کاموں سے آزاد ہو کر ہمیشہ اللہ

کی عبادت اور کلیسا کی خدمت میں لگا رہے گا ساتھ ہی اسے دعا کی کہ اے اللہ تو اپنی مہربانی سے میری نذر قبول فرما تو میری عرض کو سنتا ہے اور میری نیت کو جانتا

گویا اس خاتون نے اشارہ یہ دعا کی کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو لیکن اس کی امید بر نہ آئی اور خلاف توقع اسکے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اسلئے اس نے بہت

حسرت کہا کہ اے اللہ میں نے تو لڑکی جنی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ بیٹی بڑی برکت والی ہے تجھے کیا پتہ اسکے بطن سے بڑی عزت والا اور مبارک بیٹا پیدا ہو گا۔

عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے اللہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں اللہ

تعالیٰ نے اسکی یہ دعا قبول فرمائی یہ نصیحت پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس زمانہ میں یہودیوں کے اندر ہر طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں لیکن پھر بھی خال خال

ان میں ایسے لوگ موجود تھے جو اللہ تعالیٰ سے لگن لگائے رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے تھے۔

إِذْ قَالَتْ أُمْرَاتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي

جب عمران کی عورت نے کہا اے رب میں نے جو کچھ

نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

میرے پیٹ میں ہے تیری نذر کیا سب سے آزاد رکھ کر سونو

مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۵﴾

مجھ سے قبول کر بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا

پھر جب اسے بنا تو بولا نے رب میں نے جنی لڑکی اور

أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَيْسَ

لڑکی اور اللہ معلوم ہے جو کچھ اس نے بنا تھا اور بیٹا نہ ہو جیسا

الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

وہ بیٹی تھی اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور

وَإِنِّي أَعِيزُ هَآبِكَ وَذَرِّيَّتَهَا مِنَ

اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۲۶﴾

شیطان مردود سے۔

حضرت مریم کی پرورش

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ - وَ أَنْبَتَهَا

پھر اسے قبول کیا اس کا رب اچھی طرح اور اسے بڑھایا
نباتاً حسناً - وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ

بڑھانا اچھی طرح کا اور اسے سپرد کیا زکریا جس وقت آتا
عَلَيْهَا زَكَرِيَّا - الْمِحْرَابَ - وَجَدَ عِنْدَهَا

اس کے پاس زکریا حجرہ پایا اس کے پاس
رِزْقًا قَالِ يَسْرِى - اَتَى - لَكَ - هَذَا قَالَتْ

کھانا کہا لے مریم کہاں سے تیرے پاس یہ کہا
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ - اِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ

یہ سے پاس اللہ بیشک اللہ رزق دیتا ہے جسے
يَشَاءُ - بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۷)

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ - وَ أَنْبَتَهَا

پھر اس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول کیا اور اسے اچھی
نباتاً حسناً - وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ

طرح بڑھایا اور اسے زکریا کے سپرد کیا جس وقت
عَلَيْهَا زَكَرِيَّا - الْمِحْرَابَ - وَجَدَ عِنْدَهَا

زکریا اس کے پاس حجرے میں آتے تو اس کے پاس کچھ
رِزْقًا قَالِ يَسْرِى - اَتَى - لَكَ - هَذَا قَالَتْ

کھانا پاتے (زکریا نے کہا) لے مریم تیرے پاس یہ کہاں سے آیا
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ - اِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ

ہے کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ جسے چاہے بے حساب
يَشَاءُ - بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۷)

رزق دیتا ہے -

چاہے بے حساب -

زکریا: آپ اللہ کے پیغمبر تھے اور رشتہ میں حضرت مریم کے خالو تھے حضرت مریم کے والد ماجد جناب عمران کی جب وفات ہوئی تو ان کی وفات کے بعد قوم کی سرداری حضرت زکریا کے حصہ میں آئی تھی -

الْمِحْرَابَ: (حجرہ) ایسی جگہ جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھے - مسجد کے محراب کو بھی اسی وجہ سے محراب کہا جاتا ہے کہ امام سب سے آگے اور سب الگ ہو کر اس جگہ کھڑا ہوتا ہے -

اگرچہ بیگل کی خدمت کے لیے اس زمانہ میں لڑکی قبول نہیں کی جاتی تھی تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی والدہ کی دعا قبول فرمائی اور بیت المقدس کے مجاوروں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کر لیں - جب اس کی پرورش کے متعلق بیگل کے درمیان اختلاف ہوا تو قرعہ اندازی کی گئی قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا -

اللہ تعالیٰ نے مریم کو جسمانی روحانی علمی اخلاقی ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا زکریا نگران بنے انہوں نے تربیت کے لئے زیادہ کوشش کی جب مریم ذرا بڑھی ہوئی تو عبادت خانے کے پاس ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا - سارا دن مریم عبادت میں وہاں مشغول رہیں -

ان کے حجرے میں حضرت زکریا کا آنا جانا اکثر رہتا تھا - آپ جب بھی وہاں تشریف لے جاتے تو ان کے پاس طرح طرح کی چیزیں پاتے آپ حیران ہوتے کہ مریم کے پاس یہ کہاں سے آنے لگیں اس لئے آپ نے پوچھا کہ مریم تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے وہ جسے چاہے بے حساب اور کثیر رزق دیتا ہے اور ایسے ذریعے سے دیتا ہے جس کا وہیم و گمان بھی نہیں ہو سکتا -

حضرت زکریا کی دعا

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ

دہیں دعا زکریا اس کا رب کہا اے رب
هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ

عطا کر مجھے سے اچھا پس اولاد پاکیزہ
إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

بھی تو سننے والا دعا اے بشارت دی فرشتے
وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۗ إِنَّ

اور وہ کھڑا تھا نماز پڑھتا تھا میں حجرہ
اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ۗ مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ

اللہ خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی تصدیق کرنے والا حکم
مِّنَ اللَّهِ ۗ وَوَسِيْدًا ۗ وَحَصُوْرًا ۗ وَنَبِيًّا

سے اللہ اور سردار اور پاک دامن اور نبی
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

صالحین سے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ

دہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی کہا اے میرے رب
هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ

مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر بیک تُو دعا
إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کاننے والا ہے۔ پھر اے فرشتے نے بشارت دی
وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۗ إِنَّ

جب وہ کھڑے ہوئے تھے نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ
اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ۗ مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ

تجے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو اس کے حکموں کی تصدیق
مِّنَ اللَّهِ ۗ وَوَسِيْدًا ۗ وَحَصُوْرًا ۗ وَنَبِيًّا

کے گا اور سردار اور پاک دامن اور نبی ہوگا
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

صالحین میں سے۔

حضرت زکریا اپنی قوم کی حالت دیکھ کر دل میں کڑھتے رہتے تھے اور سوچتے رہتے تھے کہ نبوت کا وہ علم جو حضرت ابراہیم کے

گھرانے کی خاص چیز ہے اب پوری قوم میں اس کا وارث کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ کیا میرے بعد یہ لوگ اس سے محروم ہو جائیں گے۔

گھر میں کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی بانجھ تھی اور خود بوڑھے ہو چکے تھے وہ برابر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ میرے علم کا کسی کو وارث بنا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی۔ ایک دن وہ حجرے کے اندر حضور خداوندی میں کھڑے تھے کہ فرشتے نے بیٹے کی بشارت

دی۔ اور اس کا نام یحییٰ بتلایا۔ اللہ کے فرشتے نے اس مبارک بچہ کی کچھ صفات بھی بیان کیں۔ مثلاً

(۱) وہ احکام الہی کی تصدیق کرے اور نبی ہوگا۔

(۲) وہ پاک دامن و پاکباز ہوگا۔ عورت کے قریب نہ جائے گا۔

(۳) وہ اللہ تعالیٰ کا نبی نہایت صالح اور انتہائی پاکیزہ انسان ہوگا۔

ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اولاد کی خواہش ایک فطری امر ہے! اللہ تعالیٰ دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور اُس کے

نیک بندے، نیک اولاد کے لئے ہی دعا کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ کی پیدائش

قَالَ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ غُلَامٌ وَّ قَدْ
 بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَاْمْرًا تى عَاقِرٌ قَالَ
 كَذٰلِكَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ
 رَبِّ اجْعَلْ لى آيَةً قَالَ اىْتِكَ الْاَلَا
 تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْرًا وَّ
 اذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

کہا لے رب کہاں سے ہوگا میرے لئے لڑکا اور مجھے
 پہنچ چکا بڑھاپا اور عورت میری بانجھ۔ فرمایا
 اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ کہا
 لے رب مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی فرمایا تیرے لئے نشانی
 بات کہے گا لوگ تین دن مگر اشارہ اور
 یاد کر اپنا رب۔ بہت اور سبح کر شام اور صبح۔

قَالَ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ غُلَامٌ وَّ قَدْ
 بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَاْمْرًا تى عَاقِرٌ قَالَ
 كَذٰلِكَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ
 رَبِّ اجْعَلْ لى آيَةً قَالَ اىْتِكَ الْاَلَا
 تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْرًا وَّ
 اذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

کہا لے رب میرے (ہاں) لڑکا کہاں سے ہوگا؟ جبکہ
 مجھے بڑھاپا پہنچ چکا اور میری عورت بانجھ ہے فرمایا
 اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ کہا لے رب میرے
 لئے کچھ نشانی مقرر کر دے۔ فرمایا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو
 لوگوں سے بات نہ کرے گا تین دن مگر اشارہ سے اور اپنے
 رب کو بہت یاد کر اور صبح و شام تسبیح کر۔

جب حضرت زکریا کو خوشخبری سنائی گئی کہ تیرے ماں ایک صالح بچہ پیدا ہوگا! انہیں بہت حیرت ہوئی کہنے لگے کہ اس کے ظاہری اسباب تو موجود نہیں، میں خود لپٹھا ہا ہو چکا ہوں اور بیوی بانجھ ہے۔ بیٹے کی ولادت کیسے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اسباب کی محتاجی نہیں ظاہری اسباب کے بغیر بھی میں جیسے چاہوں اور جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ حضرت زکریا کی جب امید بندھ گئی۔ تو عرض کیا کہ اے اللہ کوئی ایسی نشانی بتا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن تک مسلسل اشارہ کے سوا بات نہیں کرے گا۔ پس جب تو یہ دیکھے کہ ایسی حالت پہنچ گئی ہے اور تیری زبان خالص اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے وقف ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اب بچہ ہونے کو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نشانی بتائی۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ نشانی کی نشانی تھی اور عبادت کی عبادت یعنی ایک طرف تو حضرت زکریا کو یہ اطلاع دینے کی باعث بنی اور دوسری طرف خدا کے ذکر و شکر کا ذریعہ۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کو تاکید فرمادی کہ ان دنوں صبح و شام میری حمد و ثنا اور پاکیزگی کے بیان میں مصروف رہنا۔

اللہ تعالیٰ اسباب الاسباب ہے۔ وہ کل کائنات پر حاوی ہے جس کام کو کرنا چاہے دم بھر میں کر سکتا ہے۔ اسے کسی سبب کی ضرورت نہیں پڑتی لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ ظاہری اسباب پر نظر رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھے اور اپنی ہمتنا اسی کے حضور میں پیش کرے اگر ہم صرف اپنے دست بازو اور کوششوں پر انحصار کریں گے تو یہ نہ صرف گمراہی ہوگی بلکہ ناکامی کی صورت میں حد درجہ مایوسی ہوگی جس کا نتیجہ خودکشی ہوتا ہے۔

حضرت مریم کا درجہ

وَرَادُ قَالَتْ الْمَلَكَةُ يَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ

اور جب بولے فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھے پسند کیا اور
اصطفاك و طهرتك واصطفاك على

ستھ بنا یا اور تجھے سارے جہان کی عورتوں پر
نساء العالمین ﴿۴۲﴾ یسریٰ ائنتی لربک

پسند کیا۔ اے مریم اپنے رب کی بندگی کر
واسجدی وارکعی مع الزاکعین ﴿۴۳﴾

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

وَرَادُ قَالَتْ الْمَلَكَةُ يَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ

اور جب بولے فرشتے بولے اے مریم بیشک اللہ
اصطفاك و طهرتك واصطفاك على

تجھے پسند کیا اور ستھ بنا یا اور تجھے پسند کیا اور
نساء العالمین ﴿۴۲﴾ یسریٰ ائنتی لربک

عورتیں جہان اے مریم بندگی کر تیرا رب
واسجدی وارکعی مع الزاکعین ﴿۴۳﴾

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کر نیوالوں کے ساتھ رکوع کر۔

حضرت مریم کی کفالت

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ

اِيْتُهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

جب وہ جھگڑتے تھے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ

اِيْتُهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

وہ جھگڑتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید میں یہ بیان فرمایا ہے۔ یہ تمام گندے ہوئے واقعات جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سنار ہے ہیں۔ ہم نے بتائے ہیں نبی صلعم نے اپنے دل سے قطعی نہیں گھڑے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ کا نبی ظاہری حیثیت سے بالکل پڑھا لکھا نہیں۔ اور اہل کتاب کے ساتھ اٹھا بیٹھا بھی نہیں۔ جو ان کی زبانی انہیں یہ پڑانے واقعات معلوم ہو جاتے اور اگر بضر محال ان کے پاس رہا ہو تو ان لوگوں کے پاس بھی صحیح علم موجود نہیں ہے۔ وہ خود اوہام پرستی میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے صحیح واقعات کو بدل ڈالا ہے لہذا یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تمام قصے مثلاً حضرت مریم کی والدہ کا منت ماننا۔ مریم کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبول نیاز۔ مریم کی پرورش اور کفالت حضرت زکریا کی دعا اور سچی کی ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت وغیرہ۔ یہ تمام حالات اور واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دھی الہی کے سوا اور کس ذریعے سے معلوم ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید میں مذکورہ بالا دلیل دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوبارہ حضرت مریم کا ذکر شروع کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام نذر میں قبول کر لی گئیں تو انہیں بیت المقدس کی خدمت کیلئے بھیج دیا گیا اب ان کی پرورش کا مسئلہ تھا۔ قرار پایا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے۔ اسکی صورت یہ تجویز ہوئی کہ تمام مجاورین اپنے اپنے قلم جس کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے۔ بہتے پانی میں چھوڑ دیں جس کا قلم پانی کے بہاؤ کی طرف چلنے کی بجائے الٹا پھر جائے وہی مریم کا کفیل ہو گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت زکریا کا قلم الٹا پھر گیا۔ اسی نے حضرت مریم کی پرورش کا کام انہیں سونپ دیا گیا۔ حضرت زکریا یوں بھی عالم فاضل تھے اور رشتے میں حضرت مریم کے خالو تھے لہذا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حقہار کو حق پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت بھی موجود نہ تھے جب میکہ کے مجاوران پرورش کا فیصلہ کرنے کیلئے پانی میں قلم ڈال رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضور صلعم کو یہ علم وحی کی بدولت حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی اس دلیل کے بعد بھی جو لوگ رسول صلعم کی نبوت سے انکار کریں وہ گمراہ ہیں اور سیدھی راہ سے جھٹک گئے ہیں ان کیلئے سخت وعید ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید قصے کہانیوں کا مجموعہ نہیں۔ وہ کتاب ہدایت ہے اور درمیان میں جو واقعات بھی آتے ہیں وہ اس مقصد کو واضح کرنے کے لئے آتے ہیں۔

حضرت مسیح کی بشارت

إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤًا - إِنَّ اللَّهَ
 يَبْشُرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ
 تھے بشارت دیتا ہے اپنا ایک حکم اس کا نام مسیح
 عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَ
 عِيسَى بِيَا مَرْيَمَ مَرْتَبًا دَالًا فِي دُنْيَا
 الْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۵﴾ وَ يُكَلِّمُ
 آخِرَت اور میں مقربین اور باتیں کرے گا
 النَّاسَ فِي مَهْدٍ وَكَهْدًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾
 لوگ میں گود اور پوری عمر کو اور میں نیک بخت۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤًا - إِنَّ اللَّهَ
 يَبْشُرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ
 ہے اپنے ایک حکم کی جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم
 عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَ
 کا بیٹا ہے دنیا اور آخرت میں مرتبہ والا اور اللہ کے
 الْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۵﴾ وَ يُكَلِّمُ
 مقربوں میں سے ہے۔ اور وہ لوگوں سے باتیں کرے گا جبکہ
 النَّاسَ فِي مَهْدٍ وَكَهْدًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾
 ماں کی گود میں ہوگا اور جبکہ پوری عمر میں ہوگا اور وہ نیک بختوں میں سے ہے۔

کَلِمَةٍ: قرآن و حدیث میں کئی جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کو کَلِمَةُ اللَّهِ فرمایا گیا ہے جس طرح رُوح القدس جبریل علیہ السلام
 کا لقب ہے۔ اسی طرح کَلِمَةُ اللَّهِ حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب ہے۔ یوں تو اللہ کے کلمات بے شمار ہیں۔ لیکن حضرت مسیح کو کَلِمَةُ اللَّهِ
 خاص طور پر اس لئے کہا گیا۔ کہ ان کی پیدائش عام قاعدے کے خلاف باپ کے بغیر اللہ کے حکم سے ہوئی۔ جو کام عام عادت اور دستور کے
 خلاف ہو۔ وہ براہ راست اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

الْمَسِيحُ: (مسیح) یہ عبرانی لفظ "مسیح" یا "مشیحا" کی ایک شکل ہے۔ اس کے معنی "مبارک" کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام طور
 پر اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ: (مسیح کا دوسرا نام ہے) اور یہ عبرانی لفظ "ایشوع" سے بنا ہے۔ جس کے معنی سید کے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل غور
 ہے کہ قرآن مجید نے ابن مریم "حضرت عیسیٰ کے نام کے ساتھ خاص طور پر ایک جزو کی حیثیت سے رکھا ہے۔ اس لئے ان کی نسبت ہمیشہ ماں
 ہی کی طرف ہوا کرے گی۔ اسی طرح مریم کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے ان کا نام ہمیشہ کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کا جزو بنا دیا گیا۔
 جب حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ کی بشارت دی گئی۔ تو ممکن تھا کہ انہیں تشویش ہوتی کہ بغیر باپ کے دنیا کس طرح سچ ملنے گی۔ اور
 لوگ طرح طرح کی تہمتیں لگائیں گے۔ میں اپنی پاکدامنی کا کیونکر اظہار کر سکوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ تو اطمینان رکھ۔ میں اس کو نہ صرف آخرت
 میں بلکہ دنیا میں بھی بڑی عزت عطا کروں گا اور دشمنوں کے سارے الزام جھوٹے ثابت کروں گا تیرا بیٹا نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجے کا نیک
 ہوگا۔ وہ ابھی بچہ ہی ہوگا۔ کہ لوگوں سے باتیں کرے گا اپنی پاکدامنی اور برأت کے لئے تجھے بولنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تو صرف کہہ دینا کہ
 میں آج روزے سے ہوں۔ بات نہیں کر سکتی۔ بچہ خود ہی کلام کرے گا اور بڑا ہو کر بھی لوگوں کو اللہ کی باتیں بتائے گا۔

بن باپ کے بیٹا

قَالَتْ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ وَاكِدٌ وَّلَمْ

بولی اے رب! میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا؟ جبکہ مجھے

يَسْسِنِىْ بَشْرًا قَالَتْ كَذٰلِكَ اَنۡزَلِىْ اللّٰهُ يَخۡلُقُ

کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا اسی طرح اللہ جو چاہے

مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنۡمَّا يَقُوْلُ

پیدا کرتا ہے۔ جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے کہ

لَهٗ كُنۡ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ وَاكِدٌ وَّلَمْ

بولی اے رب کہاں سے ہوگا میرے ہاں لڑکا اور نہیں

يَسْسِنِىْ بَشْرًا قَالَتْ كَذٰلِكَ اَنۡزَلِىْ اللّٰهُ يَخۡلُقُ

مجھے ہاتھ لگایا آدمی فرمایا اس طرح اللہ پیدا کرتا ہے

مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنۡمَّا يَقُوْلُ

جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کام تو کہتا ہے

لَهٗ كُنۡ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

اے ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی معرفت جب حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔ تو آپ کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے سوچا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے ابھی تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ بن باپ کے بچے کی پیدائش کیونکر ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ ظاہری اسباب کا محتاج نہیں۔ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔ تو صرف یہ حکم دیتا ہے "ہو جا" اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت واضح ہوتی ہے۔ وہ مستبب الاسباب ہے۔ ہر کام کا سبب خود ہی پیدا کرتا ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور کائنات کی کل چیزیں بنالیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر شے پیدا کی۔ وہ اسباب اور ذرائع کا محتاج کیونکر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لئے قوانین بنا رکھے ہیں۔ مثلاً پانی سے پائس جاتی ہے۔ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جاتا ہے۔ حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انسان مر جاتا ہے۔ عورت اور مرد کے باہمی ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ یہ تمام باتیں عام عادت کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں۔ انہیں اصطلاحی زبان میں "تکوینی قوانین" کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی سبب واقع ہو تو اس کا فلاں نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس بارہ میں انسان کا مشاہدہ اس قدر سچے اور اٹل ہو چکا ہے۔ کہ وہ ہر نتیجہ کا سبب دریافت کرتا ہے اور ہر نتیجہ کو بر لانے کے لئے اس کا سبب پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ظہور پذیر ہو جس کا ظاہری یا طبعی سبب موجود نہ ہو تو اسے حیرت ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس مشاہدے کو غلط قرار دیا ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب کا وجود محض انسان کی تسکین کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت کے آگے ہر شے ممکن ہے۔ کسی کام کی تکمیل کے لئے اس کا اشارہ ہی کافی ہے۔ اس لئے اس نے خود فرمایا۔ کہ میں جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو کُن (ہو جا) کا اشارہ کرتا ہوں چنانچہ اس کے نتیجہ میں فوراً وہ کام نیکون (ہو جاتا ہے) ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت عیسیٰ کے معجزے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَ

اور اسے سکھا دیا کتاب اور دانائی کی باتیں اور تورات اور

الْانجيل (۳۸) وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ

انجیل۔ اور اسے پیغمبر کرے گا طرف بنی اسرائیل

آتِي قَدْ جِئْتَكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ آتِي

میں تمہاری طرف آیا ہوں نشانیاں لیکر سے تمہارا رب کہیں

أَخْلَقَ لَكُمْ مِّن الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

بناتا ہوں تمہارے لئے سے گلا شکل پرندہ

فَأَنْفَخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ

پھر پھونک دیتا ہوں اس میں تو ہو جاتا ہے جانور حکم سے اللہ اور

أَبْرَأَى الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأَحْيَى الْمَوْتَى

اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھا اور کورھی اور جلاتا ہوں مردے

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا

حکم سے اللہ اور تمہیں بتا دیتا ہوں جو کھا کر آؤ اور جو

تَدْخُرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

رکھ کر آؤ میں تمہارے گھر بیک میں اس نشانی

لَكُمْ ۚ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ (۳۹)

تمہارے لئے اگر تم رکھتے ہو یقین۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَ

اور اسے سکھا دیا کتاب اور دانائی کی باتیں اور تورات اور

الْانجيل (۳۸) وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ

انجیل اور اسے پیغمبر کرے گا بنی اسرائیل کی طرف بیشک

آتِي قَدْ جِئْتُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ آتِي

میں تمہارے پاس نشانیاں لیکر آیا ہوں اپنے رب کی طرف سے کہا

أَخْلَقَ لَكُمْ مِّن الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

میں تمہارے لئے گارے سے بنا دیتا ہوں پرندہ کی شکل پھر اس

فَأَنْفَخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَ

پھر پھونک دیتا ہوں تو وہ اڑتا جانور ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے اور

أَبْرَأَى الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأَحْيَى الْمَوْتَى

اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے اور کورھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا

اللہ کے حکم سے اور بتا دیتا ہوں تمہیں جو کھا کر آؤ اور جو

تَدْخُرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

رکھ کر آؤ اپنے گھروں میں اس میں تمہارے لئے پوری نشانی

لَكُمْ ۚ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ (۳۹)

تمہارے لئے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

ان آیات میں حضرت مریم کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو مندرجہ ذیل خوبیاں عطا کرے گا۔

(۱) اللہ اسے کتاب و حکمت خاص طور پر تورات اور انجیل کا علم عطا فرمائے گا (۳۸) وہ بڑی گہری حکمت کی باتیں یقین کرے گا (۳۹) اللہ تعالیٰ اسے پیغمبر بنا دے گا اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گا (۴۰) اسے کئی ایک معجزے عطا فرمائے گا حضرت عیسیٰ مٹی کے جانوروں میں پھونک ماریں گے اور وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر پرندوں کی مانند اڑنا شروع کر دیا کریں گے (۴۱) حضرت عیسیٰ لوگوں سے فرمائیں گے کہ میں مادرزاد اندھے اور کورھی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست کر دیتا ہوں (۴۲) میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں (۴۳) تم اپنے گھروں میں جو کھا کر آتے ہو وہ میں بتا دیتا ہوں اور جو پیچھے چھوڑ آتے ہو وہ بھی بتا دیتا ہوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا بڑا زور تھا لہذا حضرت عیسیٰ کو ایسے معجزے عطا ہوئے جو لوگوں پر یہ کھول دیں کہ حضرت عیسیٰ کو تمام لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔

حضرت مسیح کی تعلیم

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ

اور سچا بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے جو تورات

وَرِاحِلًا لَّكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

اور تاکہ حلال کر دوں تمہارے لئے بعض جو حرام تم پر

وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

اور تمہارے پاس آیا ہوں نشانی لے کر سے تمہارا رب سو ڈرو اللہ

وَاطِيعُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ

اور میرا کہا مانو بیشک اللہ میرا رب اور تمہارا رب

فَاعْبُدُوا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

سو اس کی بندگی کرو یہی راہ سیدھی۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ

اور اپنے سے پہلی کتاب تورات کو سچا بتاتا ہوں اور اس

وَرِاحِلًا لَّكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

واسطے کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام

وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

تمہارا رب سے تمہارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہوں سو

وَاطِيعُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ

اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بے شک اللہ میرا رب اور تمہارا رب ہے۔

فَاعْبُدُوا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

سو اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت موسیٰ پر اتاری تھی یعنی تورات

وہ اللہ کی طرف سے آئی ہے اور برحق ہے۔ اس کے عام اصول و احکام کو قائم رکھتے ہوئے زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں چند ایک

تبدیلیاں کروں گا۔ مثلاً بعض احکام میں جو پہلے سختی تھی۔ وہ اب اٹھادی جائے گی۔ جو چیزیں تم پر تمہاری کرتوتوں کی سزا میں حرام کر دی گئی تھیں۔

وہ میں تم پر حلال کر دوں گا۔ تم انہیں بلا خوف و خطر استعمال کر سکتے ہو اور اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ اس کے ساتھ میں اللہ کی طرف سے اپنی

نبوت و رسالت کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ اس نے مجھے کئی معجزے عطا فرمائے ہیں۔ میں جو احکام تمہیں دیتا ہوں ان کی تعمیل کرو اور جو

ہدایات دیتا ہوں ان پر چلو۔

یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کی فرمانبرداری میں تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ پیغمبر کوئی بات ایسی نہیں کہتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نہ ہو۔ وہ من گھڑت حکم نہیں دیتا۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر کی اطاعت کے بغیر اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکے۔

حضرت عیسیٰ نے بتایا کہ خدائے واحد میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ میرا اور اس کا تعلق باپ اور بیٹے کا نہیں۔ عباد اور معبود کا ہے

لہذا جس طرح میں اس کی بندگی کرتا ہوں۔ تم بھی اسی کی عبادت کرو۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو کیونکہ

یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے تسلسل میں ہے۔ حضرت مسیح کی معجزانہ پیدائش ان کی تعلیم اور معجزات کا ذکر مسلسل ہو رہا ہے۔ ان تمام

باتوں کا مدعا یہ ہے کہ انسانوں میں خدا خونی۔ رسول کی اطاعت اور معبود برحق کی بندگی کا احساس پیدا ہو۔ انسان دوسرے انسانوں کی بندگی

سے بالاتر رہ کر صرف اللہ کے سامنے جھکنا سیکھ لے۔ سیدھی راہ یہی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے حواری

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ
مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ
بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾
اور ہم نے دیکھ کر ان سے کفر بولا
مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ
بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾
کہ ہم نے حکم قبول کیا۔ لے رب ہم نے یقین کیا اس کا جو تو نے اتاری
اور ہم تابع ہوئے رسول تو ہمیں لکھ لے ساتھ ماننے والے۔
اور مکروا و مکرا للہ و اللہ خیر
اور مکریا اور مکریا اللہ اور اللہ بہتر ہے
الْمَاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ
مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ
بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾
کہ ہم نے قبول کیا۔ لے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو
تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے رسول کے سوا ہمیں لکھ لے ماننے والوں
وَمَكْرُوا وَمَكْرًا لِلَّهِ وَاللَّهُ خَيْرٌ
میں اور ان کافروں نے مکریا اور اللہ نے مکریا اور اللہ کا داؤد سب
الْمَاكِرِينَ ﴿٥٣﴾
سے بہتر ہے۔

الْحَوَارِيُّونَ، (حواری کی جمع ہے) حواریوں کے بارہ میں محققین کے مختلف اقوال ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے جو دوسرا اسرائیلی
حضرت مسیح پر ایمان لائے۔ وہ دھوبی کا کام کرتے تھے کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے یہ لوگ حواری کہلاتے تھے حضرت مسیح نے ان سے
کہا کپڑے کیا دھوتے ہو اور تمہیں دل صاف کرنا سکھا دوں! انہوں نے لبیک کہا اس طرح ان سب کا لقب حواری پڑ گیا۔
حضرت عیسیٰ کی تبلیغ و دعوت کے جواب میں جب بنی اسرائیل نے کفر و انکار کیا اور حضرت عیسیٰ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ میرا دین
قبول نہ کریں گے بلکہ ان کا ارادہ مجھے دکھ اور تکلیف پہنچانے کا ہے تو انہوں نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون میری مدد کرے گا۔
حواریوں نے حضرت عیسیٰ کو جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے ان لوگوں نے سنجیدگی سے سامنے اقرار کرنے کے بعد نہایت خلوص
دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ اقرار کیا کہ ہم انجیل پر ایمان لاکر تیرے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں ثبت فرمائے۔
مگر (تدبیر) مکر کے معنی تدبیر و چال کے ہیں اس کے خلاف اردو میں یہ لفظ بڑے مفہوم یعنی فریب اور دھوکا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے
یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں حتیٰ کہ بادشاہ وقت کے کان بھر دیئے
کہ یہ شخص حکومت کا باغی سپاہور (معاذ اللہ) تورات کو بدلنا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے مسیح کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی
خفیہ تدبیر کی جس کا ذکر اگلے سبق میں آئے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے جسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔

حضرت عیسیٰؑ سے اللہ کے وعدے

إِذ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَرَافِعَكَ

جب کہا اللہ نے عیسیٰ میں تجھے لے لوں گا اور اٹھاؤں گا

إِلَىٰ وَمُطَهَّرِكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَ

طرف اپنی اور تجھے پاک کر دوں گا سے لوگ کافر

جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا

رکھوں گا انہیں جو تیرے تابع ہیں غالب ان پر جو انکار کرتے ہیں

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ

تک دن قیامت پر میری طرف پھر آنا تمہیں پھر فیصلہ کر دوں گا

بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

تم میں جس میں تم اس میں جھگڑتے تھے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعْزِبْ عَنْهُمْ عَذَابَ اللَّهِ

سورہ لوگ جو کافر ہوئے انہیں عذاب دوں گا عذاب سخت

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٥٦﴾

میں دنیا اور آخرت اور نہیں ان کا کوئی مددگار۔

إِذ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَرَافِعَكَ

جس وقت اللہ نے کہا۔ لے عیسیٰ میں تجھے لے لوں گا۔ اور اپنی

إِلَىٰ وَمُطَهَّرِكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَ

طرف اٹھاؤں گا اور تجھے کافروں سے پاک کر دوں گا اور انہیں

جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا

جو تیرے تابع ہیں ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جو انکار کرتے ہیں

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ

قیامت کے دن تک پھر تم سب کو میری طرف پھر آنا ہے پھر تمہارے

بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

دو میان فیصلہ کر دوں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔ سورہ

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعْزِبْ عَنْهُمْ عَذَابَ اللَّهِ

لوگ جو کافر ہوئے انہیں عذاب دوں گا سخت عذاب دنیا

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٥٦﴾

میں اور آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

منکر یہودیوں کے کہنے پر جب بادشاہ نے لوگوں کو مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تا کہ انہیں سولی (صلیب) پر چڑھا دیں اور ایسی عبرتناک سزا دیں کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور ان کی سپردی چھوڑ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مطمئن فرما دیا کہ میں ان لوگوں کی سازشوں اور منصوبوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ ان لوگوں کا ارادہ ہے کہ تجھے پکڑ کر قتل کر دیں اور تیری پیدائش سے لوگوں کی ہدایت کا جو مقصد ہے۔ وہ برباد کر دیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو میں ان سے اپنی دی ہوئی یہ نعمت واپس لے لوں گا تیری جتنی عمر مقدر میں لکھی جا چکی ہے اور تیری پیدائش کا جو مقصد ہے وہ پورا کر کے رہوں گا۔ یہ اس طرح ہو گا کہ ہم تجھے صحیح و سالم اپنے پاس اٹھالیں گے۔ وہ تجھے صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں۔ ہم تجھے آسمان پر لے جائیں گے ان کا ارادہ ہے کہ تجھے رسوا کریں اور لوگوں کو ان کی سپردی سے روکیں لیکن ہم ان کے ناپاک ہاتھ تجھ تک نہ پہنچنے دیں گے بلکہ ان کے گندے ماحول سے تجھے بالکل پاک و صاف اٹھالیں گے اور اس کی بجائے کہ تیری بے عزتی ہو اور لوگ ڈر کر تیرے اتباع سے رک جائیں ہم تیرا اتباع کرنے والوں اور نام لینے والوں کو قیامت تک منکروں پر غالب رکھیں گے پھر روزِ آخر میں جب سب لوگ میرے پاس جمع ہوں گے تو میں تمام جھگڑوں کا دو ٹوک فیصلہ کر دوں گا۔ کافروں کو شدید عذاب ہو گا اور ایمانداروں کو ان کے نیک عملوں کا پورا پورا اجر ملے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیکو کار لوگوں کا اجر

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے سو وہ
فِيؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ وَحَسْبُ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

انہیں ان کا پورا حق دے گا۔ اور اللہ کو بے انصاف

الظَّالِمِينَ ﴿٥٤﴾

خوش نہیں آتے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام کئے نیک
فِيؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ وَحَسْبُ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

انہیں پورا دے گا ان کا حق اور اللہ نہیں اسے خوش آتے

الظَّالِمِينَ ﴿٥٤﴾

بے انصاف۔

گذشتہ آیات میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ منکر یہودیوں کی سازشوں کو خاک میں ملا دے گا۔ اپنی اعلیٰ اور احسن تدبیروں سے حضرت عیسیٰ کو ان کی انذار سانی سے بچائے گا۔ کفار کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا دے گا۔ اس آیت میں اہل ایمان اور نیکو کار لوگوں کے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب یہودیوں نے اپنی ناپاک تدبیریں سچتہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے قریب جب دنیا کفر اور گمراہی میں بھر جائے گی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت وفادار حمایتی کی حیثیت سے نازل کرے گا اور دنیا کو دکھلا دے گا کہ قدیم نبیوں کا اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب اور آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس درجہ کا تعلق ہے حضرت مسیح علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ اور اس کی پیروی کرنے والے یہودیوں کو چن چن کر ماریں گے۔ کوئی یہودی جان نہ بچا سکے گا۔ حتیٰ کہ درخت اور پتھر بھی بتائیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی کھڑا ہے اسے قتل کر دو۔ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے۔ عیسائیوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح کر کے تمام دنیا کو ایمان کے راستہ پر ڈال دیں گے۔ اس وقت تمام اختلافات مٹ سکا کر خدا کا سچا دین اسلام باقی رہے گا۔

گذشتہ سبق سے صاف یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور یہودیوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ آپ قتل کر دیئے گئے تھے۔ اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس بات کے نہ ماننے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہو سکتے ہیں اور اللہ کے حکم سے خود حضرت عیسیٰ مسیح کا پتلا بنا کر بھونک مار کر اسے زندہ بنا سکتے ہیں۔ اندھے اور کورھی کو نندہ دست کر سکتے ہیں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کر سکتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں اسی جسم کے ساتھ اور پر اٹھالیا جانا کیا بعید ہو سکتا ہے جس طرح فرشتے آسمان پر زندہ موجود ہیں اسی طرح حضرت مسیح بھی ہزاروں برس تک اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان پر زندہ رہ سکتے ہیں۔ حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا عقلمندی نہیں۔ ہم سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے ہر دم کوشاں رہیں اور اسلام کی طرف سے ہم پر جو فرض عاید ہوتے ہیں۔ ہر گھڑی ان کی ادائیگی میں لگے رہیں۔

حضرت عیسیٰ کی مثال

ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ

یہ آیتیں اور حقیقی بیان ہم تجھے پڑھ کر سناتے ہیں۔
الْحَكِيمِ ۵۸) إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی
كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

مثال ہے اسے مٹی سے بنایا پھر اسے کہا ہو جا
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۵۹) الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا

ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پھر
تَكُنُّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ۶۰)

نہرہ شک کرنے والوں سے۔

ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ

ہم پڑھتے ہیں تجھ پر سے آیتیں اور بیان
الْحَكِيمِ ۵۸) إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ

حقیقی۔ بے شک مثال عیسیٰ نزدیک اللہ
كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

جیسے مثال آدم سے بنایا ہے مٹی پھر کہا
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۵۹) الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا

اسے ہو جا وہ ہو گیا۔ حق سے تیرا رب پھر نہ
تَكُنُّ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ۶۰)

وہ سے شک کرنے والے

حضرت عیسیٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمام حقائق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیئے اور فرمایا کہ اگر اب بھی عیسائی تجھ سے
حضرت عیسیٰ کی نسبت جھگڑیں تو تو ان کی پرواہ نہ کر۔ سورج کی روشنی کا انکار کرنے والا نابینا کہلاتا ہے۔ اسی طرح حقیقت کا منکر بد بخت
اور بد انجام ہوتا ہے۔

اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے نہیں بلکہ اس کے بیٹے ہیں۔ وہ
کہتے کہ اگر وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم ہی بتاؤ وہ کس کا بیٹا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت آدم کا نہ باپ تھا نہ ماں لہذا
حضرت عیسیٰ کا اگر باپ نہ ہوا تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے کسی کے باپ نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ ورنہ اس
طرح تو حضرت آدم کا درجہ حضرت عیسیٰ سے بھی بلند ہونا چاہیے اور انہیں خدا کا بیٹا کہلانے کا زیادہ حق ہونا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کو بھی مٹی سے بنایا تھا اور حضرت عیسیٰ کو بھی مٹی سے بنایا۔ ان دونوں کی مثال ایک سی ہے۔ نہ وہ خدا
کے بیٹے تھے نہ یہ خدا کے بیٹے ہیں اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ "یسوع" کی بابت جو کچھ ہم نے بیان فرمایا سب حق ہے
اس میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں تو شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔

حضرت عیسیٰ کو حضرت آدم سے مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے اس قدر واضح دلیل دی ہے کہ اس مشکہ پر مزید کسی بحث کی گنجائش نہیں
رہتی تمام نوع انسانی کا باپ جو بغیر ماں اور بغیر باپ کے جنت میں پیدا ہوا۔ اگر وہ خدا نہیں اور خدا کا بیٹا نہیں تو ماں کے پیٹ سے اس
کو غیا میں پیدا ہونے والا خدا کا بیٹا اور خدا کی خدائی میں شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

مباہلہ

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ
 مِنْ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَ
 آبَاءَكُمْ وَنَسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا
 وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ
 اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾
 ان پر جو مجھوٹے ہیں۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ
 مِنْ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَاءَنَا وَ
 آبَاءَكُمْ وَنَسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا
 وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ
 اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾
 اللہ پر مجھوٹے۔

نجران کے عیسائی جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کے لئے آئے تھے انہوں نے اپنے تمام باطل عقیدوں کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے سب کا جواب قرآن مجید کی معرفت دیا اور انہیں لاجواب کر دیا۔
 نجران کے عیسائی واضح و لائل کو سن لینے کے بعد بھی ایمان نہ لائے اور اپنے باطل عقیدے پر ڈٹے رہے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تو ان عیسائیوں سے مباہلہ کر کہ دونوں فریق اپنی جان اور اولاد کے حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ ہم میں جو کوئی مجھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے مباہلہ کی یہ صورت پہلے ہی قدم پر یہ بتا دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی سچائی اور حقیقت پر یقین رکھتا ہے مباہلہ کی دعوت سن کر نجران کے وفد نے بہت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے جب مشورہ کے لئے جمع ہوئے تو ان میں سے سمجھ دار لوگوں نے کہا کہ تم لوگ دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور حضرت مسیح کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اسماعیل میں نبی بھیجئے کا وعدہ کیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہ وہی نبی ہوں کسی نبی سے مباہلہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت اور عذاب سے نہ بچے۔

نجرانی مشورہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ حضرت حسن حسین فاطمہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ساتھ لے کر باہر تشریف لارہے تھے یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے بلا سکتی ہے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو یا خیر انہوں نے مفاہلہ کا ارادہ چھوڑ دیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کرتے تو ایسی آگ ان پر برستی کہ اللہ تعالیٰ نجران کو تہ و بالا کر دیتا۔

لقصص الحق

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَنْ

بیک بھی ہے بیان سچا اور نہیں سے
إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُو الْعَزِيزُ

معبود مگر اللہ اور بیک اللہ ہی زبردست
الْحَكِيمُ ﴿۶۲﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

حکمت والا۔۔۔ پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہے
بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَنْ

بے شک یہی سچا بیان ہے۔ اور کوئی اللہ کے سوا
إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُو الْعَزِيزُ

معبود نہیں۔ اور بیک اللہ ہی زبردست اور حکمت والا
الْحَكِيمُ ﴿۶۲﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

ہے۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو اللہ فساد کرنے والوں
بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾

کو جانتا ہے۔

فساد کرنے والے۔

الْقَصَصُ الْحَقُّ (سچا بیان) قصص اسم واحد ہے یعنی واقعہ اور الحق کے معنی ہیں خالص سچا اور سونی صدی درست بقصص
الحق سے مراد صحیح واقعہ اور درست قصہ بھی ہو سکتا ہے اور سچا بیان بھی۔ یہاں آخری معنی ہی قرین قیاس ہیں۔

مُفْسِدِينَ (فساد کرنے والے) واحد مفسد ہے یعنی وہ شخص جو گڑبڑا بتری انتشار اور خرابی پیدا کرے۔ صلح اور اصلاح کے بجائے
جنگ اور خرابی کا موجب بنے۔

مباہلہ کی دعوت ان امور پر دی گئی تھی کہ جو کچھ حضرت مسیح کے متعلق قرآن مجید میں بیان ہوا وہی سچا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات
بہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے کے تعلقات سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے بلکہ وہ اکیلا اور تنہا ہے۔ وہ
سب کا خالق ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مخلوق اور اللہ تعالیٰ کا تعلق عبد و معبود کا ہے۔

اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے۔ وہ اپنی حکمت سے سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا قرار دے گا۔ اس نے اپنے رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کیلئے اسے مباہلہ کی پر حکمت تجویز بتائی جس کا جواب عیسائیوں سے بن نہ پڑا اور صلح کر کے واپس
روانہ ہو گئے۔ وہ غالب اور زبردست خدا منکروں اور حجت بازوں کو سخت سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر یہ لوگ نہ دلائل کو سنیں۔ نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ حق کو
پہچاننے اور قبول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے احکام کے آگے سر جھکانا نہیں چاہتے۔ ان کا مقصد صرف
فتنہ و فساد پھیلانا اور حقائق کو غلط رنگ میں پیش کرنا ہے۔ یہ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام مفسدین کو اچھی طرح جانتا ہے اور
وہ ان سب سے نہیٹ لے گا۔

اس آیت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حقائق ثابت ہونے کے بعد ان سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
کو تہ دل سے ماننا چاہیے۔ ان کو حق سمجھنا چاہیے اور ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

دَعْوَةُ اِتِّحَادٍ

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَىٰ كَلِمَةٍ
 سَوَاءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنِكُمْ اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
 وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
 بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا
 فَقُولُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۳﴾
 کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَىٰ كَلِمَةٍ
 سَوَاءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنِكُمْ اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
 وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
 بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا
 فَقُولُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۳﴾
 کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے وفد سے یہ فرمایا تھا کہ اَسْلِمُوا (مسلم بن جاؤ) وہ کہنے لگے اَسْلَمْنَا (ہم مسلم ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی طرح عیسائی بھی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اسلام پر قائم ہیں۔ اسی طرح جب اہل کتاب کو توحید کی دعوت دی جاتی تو کہتے کہ ہم بھی خدا کو ایک مانتے ہیں۔ یہاں ان کے اس دعویٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اہل کتاب توحید کے بنیادی عقیدے پر ہم اور تم دونوں متفق ہیں۔ یہ عقیدہ ہم سب کو ایک کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان دعویوں کو بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ جس طرح زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہو۔ اپنے اس دعویٰ کو عمل سے بھی سچ ثابت کر دکھاؤ اسے واحد مانو اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو۔ اس کے سوا نہ کسی کی بندگی کرو۔ نہ اس کی صفوں میں کسی کو شریک کرو۔ کسی کو اُس کا بیٹا یا بیٹی نہ بناؤ۔ اس کی حلال حرام کی ہوتی چیزوں میں اپنی مرضی نہ برتو۔ بلکہ اس کے احکام کو تسلیم کرو اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرو۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ نہ مانیں۔ توحید سے روگردانی کریں۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے باز نہ آئیں تو اے مسلمانو! تم یہ کہہ دو کہ اے اہل کتاب تم گواہ رہو۔ ہم اسلام پر قائم ہیں۔ ہم نے اپنے آپ کو خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہے اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔ یہ آیت اسلام کی اس بنیادی پالیسی کو واضح کرتی ہے کہ مسلمان نیکی اور نیک کاموں میں ہر جماعت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ اگر تعاون کسی صورت میں نہیں ہو سکتا تو وہ گناہ اور سرکشی کی صورت ہے۔ اہل کتاب جو ابتداء سے اسلام کی مخالفت کرتے رہے۔ انہیں بھی اسلام توحید کے مشترک عقیدہ کی تبلیغ و تعلیم میں اشتراک عمل کی دعوت دیتا ہے۔

اہل کتاب کو تنبیہ

يَا هَلْ أَلِيبَ لِمَ تَحَاجُّونَ - فِي - إِبْرَاهِيمَ

اے اہل کتاب کیوں مجھڑتے ہو میں ابراہیم

وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ

اور نہیں اتری تورات اور انجیل مجھ سے

أَعْدَاءٍ - أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ

اس کے بعد کیا نہیں تمہیں عقل - سنتے ہو تم لوگ

حَاجُّوكُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ - فَلِمَ

تم مجھڑ چکے جس میں تمہیں ساتھ خبر اب کیوں

تَحَاجُّونَ - فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

مجھڑتے ہو جس بات میں نہیں تمہیں کچھ خبر

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہودی اور عیسائی دونوں اسلام اور توحید کا دعویٰ کرتے تھے۔ نیز وہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی تعظیم و تکریم کے بھی دعویٰ کرتے

ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے جو تعلیمات اور عقائد ہمارے ہیں وہی حضرت ابراہیمؑ کے تھے

یعنی بقول ان کے معاذ اللہ ابراہیمؑ یہودی یا نصرانی تھے۔

يَا هَلْ أَلِيبَ لِمَ تَحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ

اے اہل کتاب ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں مجھڑتے ہو

وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ

اور تورات اور انجیل تو اتری ہیں اس کے بعد کیا

بَعْدَاءٍ - أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ

تمہیں عقل نہیں - سنتے ہو تم لوگ

حَاجُّوكُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ - فَلِمَ

مجھڑ چکے جس میں تمہیں کچھ خبر تھی اب کیوں

تَحَاجُّونَ - فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

مجھڑتے ہو جس بات کی تمہیں خبر نہیں اور

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہودی اور عیسائی دونوں اسلام اور توحید کا دعویٰ کرتے تھے۔ نیز وہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی تعظیم و تکریم کے بھی دعویٰ کرتے

ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے جو تعلیمات اور عقائد ہمارے ہیں وہی حضرت ابراہیمؑ کے تھے

یعنی بقول ان کے معاذ اللہ ابراہیمؑ یہودی یا نصرانی تھے۔

حضرت ابراہیم کا مسک

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا
 مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا
 وَلَا كِنًا كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ
 وَلَا كِنًا كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ
 مِنْ الْمُشْرِكِينَ ۝۶۷ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ
 مِنْ الْمُشْرِكِينَ ۝۶۷ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ
 بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَ
 بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَ
 الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝۶۸
 الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝۶۸

نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی
 اور لیکن تھا حنیف حکم بردار اور نہ تھا
 میں سے مشرکین بیشک زیادہ مناسبت لوگ
 ابراہیم سے لوگ جو اس کے ساتھ تھے اور وہ نبی اور
 جو ایمان لائے اور اللہ والی مسلمان

حَنِيفًا (یک رخ) ایسا شخص جو راہِ حق پکڑے اور تمام باطل راہیں چھوڑ دے۔ معبودِ برحق سے تعلق جوڑ کر سب سے تعلقات ختم کر دے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کو کئی بار اس مبارک لقب سے موسوم کیا گیا ہے۔
 مُسْلِمًا (حکمبردار) اسلام مسلم اور تسلیم کا مادہ سلسلہ ہے جس کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔ یہی تسلیم و رضا اصلِ دین ہے تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی شعار رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خاص طور پر حکم برداری کی اس خصوصیت کو اپنی کامل اطاعت سے روشن کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کو بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم کا حقیقی مسک کون سا تھا حضرت ابراہیم سیدھے سادے مسلمان تھے یعنی باطل کی تمام راہوں سے کٹ کر صرف ایک اللہ کے ہو رہے تھے اس کے فرمانبردار تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بتاتا ہے کہ وہ بہترین تسلیم و رضا کے مجسمہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حکم برداری میں اپنی بیوی اور نومولود بچے کو عرب کی دادی غیر ذمی زرع میں چھوڑ آنا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جانا اور خانہ کعبہ کی تعمیر میں لگ جانا سب باتیں یہ بتاتی ہیں۔ کہ آپ کس درجہ کے اطاعت گزار تھے وہ ہرگز مشرک نہ تھے جس طرح آج تم کسی کو اللہ کا بیٹا بنا رہے ہو اور کسی کو اس کی بیٹی تصور کر رہے ہو۔
 اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ابراہیم کے ساتھ زیادہ مناسبت ان لوگوں کو تھی جو ان پر ایمان لائے۔ یا پھر امتور میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو ہے یہ امت نام میں بھی اور عقائد و اعمال میں بھی حضرت ابراہیم سے مناسبت زیادہ رکھتی ہے اس امت کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے موافق بعوث ہوا ہے اور قرآن مجید کی تعلیمات انہیں اصولوں پر مبنی ہیں۔

گمراہ کن اہل کتاب

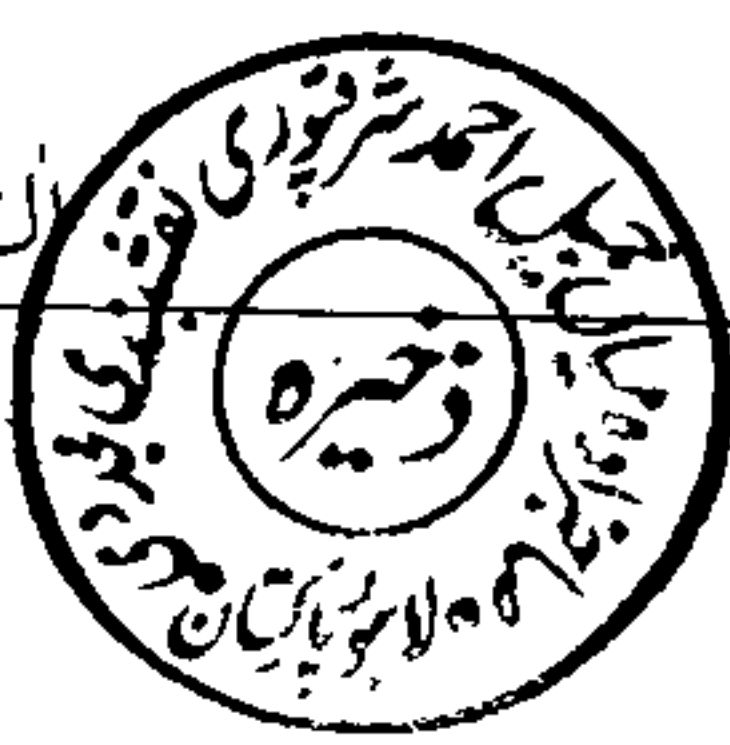
وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ
 آرزو ہے بعض سے اہل کتاب کہ
 يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ
 تمہیں گمراہ کریں اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو
 وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ
 اور نہیں سمجھتے اے اہل کتاب کیوں
 تَكْفُرُونَ - بِآيَاتِ اللَّهِ - وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾
 انکار کرتے ہو کلام اللہ اور تم قائل ہو
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
 اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ جھوٹ میں
 وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ - وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾
 اور چھپاتے ہو سچی بات اور تم جانتے ہو

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ
 بعض اہل کتاب کی آرزو ہے کہ
 يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ
 تمہیں گمراہ کر دیں حالانکہ وہ کسی کو اپنے سوا گمراہ نہیں کرتے
 وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ
 مگر سمجھتے نہیں اے اہل کتاب کیوں
 تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾
 اللہ کے کلام کا انکار کرتے ہو اور تم قائل ہو
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
 اے اہل کتاب کیوں سچ میں جھوٹ ملاتے ہو
 وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾
 اور سچی بات چھپاتے ہو اور تم خود جانتے ہو

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَعَالَى اللَّهُ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (اللہ مسلمانوں کا والی ہے) اس آیت میں بتایا کہ جب مومنوں کا والی اللہ ہے۔ تو اے اہل کتاب تمہارا داؤ ان پر چل نہیں سکتا۔ بعض اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح خود گمراہ ہیں مسلمانوں کو بھی راہ حق سے گمراہ کر دیں۔ لیکن مسلمان ان کے جال میں پھنسنے والے ہرگز نہیں۔ البتہ یہ لوگ اپنی گمراہی کے وبال میں مزید امانتہ کر رہے ہیں۔ ان کوششوں کا نقصان خود ان ہی کو پہنچے گا جسے فی الحال یہ سمجھتے نہیں۔

پھر اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار نہ کرو۔ حالانکہ تمہاری کتابوں میں جن کے تم قائل ہو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق بشارتیں موجود ہیں جنہیں تمہارے دل سمجھتے ہیں۔ اور جب تمہا ہوتے ہو تو اقرار کرتے ہو لیکن کھلم کھلا قرآن مجید اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے گریز کرتے ہو؟

یہودیوں نے توریت کے بعض احکام تو دنیاوی لالچ اور طمع میں آکر سرے سے موقوف ہی کر ڈالے تھے۔ بعض چھپا رکھے تھے اور قطعاً ان کا اعلان نہ کرتے تھے۔ مثلاً نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارتوں اور پیش گوئیوں کا ذکر عام نہ کرتے تھے اس آیت میں انہی امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اے اہل کتاب تم سچ اور جھوٹ کیوں ملاتے ہو اور سچی بشارتوں کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ باتیں حق ہیں۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کتاب مسلمانوں سے حسد رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اپنی طرح انہیں بھی گمراہ کر دیں کہ وہ اس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کریں گے۔ سازشیں اور خفیہ مشورہ کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کی تدبیروں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دے گا۔



مناہق اہل کتاب

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
اور بعض اہل کتاب نے کہا
أَمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا
جو کچھ مسلمانوں پر اترتا ہے اسے مان لو
وَجَهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ
دن چڑھے اور منکر ہو جاؤ آخر دن (شام کو) شاید
يَرْجِعُونَ ﴿۴۲﴾ وَلَا تُوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ
وہ پھر جائیں اور نہ مانو مگر اس کی جو
تَبِعَ دِينَكُمْ
تمہارے دین پر چلے

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
اور کہا بعض سے اہل کتاب
أَمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا
مان لو جو کچھ اترتا ہے لوگ ایمان لائے
وَجَهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ
دن چڑھے اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ
يَرْجِعُونَ ﴿۴۲﴾ وَلَا تُوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ
پھر جائیں اور نہ مانو مگر اس کی جو
تَبِعَ دِينَكُمْ
چلے تمہارا دین

ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکوں اور خیانتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی ایک چالاک یہ تھی۔ کہ اہل کتاب میں سے کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں۔ مگر شام کو یہ کہہ کر اسلام سے پھر جایا کریں کہ ہمیں اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی بشارت دی گئی تھی۔ اور تجربہ سے ان کے حالات بھی اہل حق کی طرح کے ثابت نہیں ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کمزور ایمان والے اس حرکت کو دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے اور یہ سمجھیں گے۔ کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص ہوگا۔ جو یہ لوگ اسے قبول کرنے کے بعد چھوڑ بیٹھے۔ عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم و فضل کا چرچا تھا۔ اس بنا پر یہ خیال پیدا ہو جائے گا۔ کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا۔ تو ایسے اہل علم سے رد نہ کرتے بلکہ سب آگے بڑھ کر قبول کرتے۔ اس تدبیر کے ساتھ ہی یہودیوں کو یہ تعلیم بھی دی گئی۔ کہ مسلمانوں کے سامنے جا کر اپنے آپ کو مسلمان ضرور ظاہر کرو۔ لیکن یہ یاد رکھو۔ کہ تم سچ مچ مسلمان نہ بن جانا۔ بلکہ بدستور یہودی رہنا۔ مسلمانوں کی بہت کونہ ماننا۔ بلکہ سچے دل سے شریعت موسوی کے پیرو رہنا۔ مسلمانوں کے ساتھ نماز اور دیگر عبادت میں شامل ہونے سے مقصود صرف یہی ہو کہ بعد میں اسے چھوڑ دیں گے۔ اور کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دیں گے۔ سپردی صرف اپنے دین ہی کی کریں گے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہودیوں نے کس مکاری سے اسلام کی دشمنی کی بھٹانی۔ لوگوں کو فریب دینے کی خاطر کیسی کسی چالیں چلیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا محافظ ہے۔ ان کی چالیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ پر محتاط رہیں۔ اور دشمنان اسلام کی چالوں میں نہ آئیں۔ اسلامی ممالک کے درمیان اسرائیلی ریاست کا خطرہ۔ اس کی ریشہ دوانیاں اور عیاریاں۔ آج بھی آنکھیں کھول دینے کی زندہ مثال ہیں۔

اہل کتاب کا حسد

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰهِ اَنْ يُّوْتٰى

کہ دے بیشک ہدایت اللہ یہ کہ مل گیا

اَحَدًا مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ اَوْ يَحٰجُوْكُمْ عِنْدَ

کسی اور کو جیسا کچھ تمہیں یا وہ غالب آگئے

رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيْدِ اللّٰهِ يُوْتِيْهِ

تمہارا رب کہہ کہ بڑائی ہاتھ اللہ دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاَسِعَ عَلَيْهِ

جسے چاہے اور اللہ گنجائش والا خبردار

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

خاص کرتا ہے اپنی مہربانی سے جس پر چاہے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

دالا فضل بڑا

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰهِ اَنْ يُّوْتٰى

کہ دے کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے یہ سب کچھ اس

اَحَدًا مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ اَوْ يَحٰجُوْكُمْ عِنْدَ

یہ ہے کہ کسی اور کو کیوں مل گیا جیسا کہ تمہیں ملا تھا یا وہ تم پر کیوں غالب

رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيْدِ اللّٰهِ يُوْتِيْهِ

آگئے تمہارے رب آگئے تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے

مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاَسِعَ عَلَيْهِ

دیتا ہے اور اللہ بہت گنجائش والا خبردار ہے

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

جس پر چاہے اپنی مہربانی خاص کرتا ہے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

بڑے فضل والا ہے

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہدایت تو اللہ کے دینے سے ملتی ہے کوئی کسی کو کتنا گمراہ کرنا چاہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اے یہود! جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، کائنات اور نور ڈال دیا ہے وہ نور تمہاری چالبازیوں سے بچنے والا نہیں تمہاری ترکیبیں سب بیکار ہو جائیں گی۔

اس آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہود مسلمانوں سے یہ چالبازیاں اور مکاریاں حسد کی بنا پر کرتے ہیں۔ وہ اس بات سے جلتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی شریعت اور نبوت و رسالت کیوں دی جا رہی ہے۔ جیسی خود یہود کو پہلے ملتی رہی ہے اور دینی جدوجہد میں دوسرے لوگ ان پر غالب آکر کیوں آگے نکلے جا رہے ہیں اور خدا کے آگے انہیں ملزم ٹھہرا رہے ہیں۔

یہودی اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ دنیا میں تمہارا ہماری ہی قوم شریعت کی اجارہ دار ہے۔ تو رات ہم پر اتری حضرت موسیٰؑ سے بعد کسی پیغمبر ہم میں آئے۔ پھر عرب کے ان پڑھ لوگوں کو اس فضل و کمال سے کیا واسطہ؟ ان میں نبی کیوں پیدا ہوا؟ لیکن ظاہر ہے کہ ان کے اس حسد سے تو رات کی وہ پیشگوئیاں تو غلط نہیں ہو سکتی تھیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسمعیل) میں سے ایک موسیٰؑ جیسا نبی اٹھائے گا۔ اپنا کلام (قرآن مجید) اس کے منہ میں ڈالے گا۔ چنانچہ بنی اسمعیل کو یہ دولت ملی۔ اور وہ علم و فضل اور مذہبی جدوجہد کے میدان میں نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ دنیا کی تمام اقوام سے آگے بڑھ گئے۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ وسیع علم و فضل والا ہے۔ اس کے خزانوں میں کئی نہیں۔ اور اسی کو خبر ہے کہ کسے کیا بڑائی ملنی چاہیے۔ نبوت، شریعت اور دین و ایمان اور ہر قسم کی فضیلتوں کا تقسیم کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے جس وقت جسے مناسب سمجھے عطا کرتا ہے۔

خان اہل کتاب

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطَارٍ
 اور بعض اہل کتاب میں بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ڈھیر مال
 يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ
 تو ادا کریں تجھے اور ان میں جو اگر امانت رکھے
 بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ
 ایک اشرفی نہ ادا کریں تجھے مگر جب تک تو رہے
 عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ
 ان پر کھڑا یہ اس واسطے کہ وہ کہتے ہیں نہیں
 عَلَيْنَا فِي الْأُمْنِ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى
 ہم پر میں اُمی لوگ گناہ اور بولتے ہیں اُدپر
 اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ
 اللہ جھوٹ اور وہ جانتے ہیں کیوں نہیں جو پورا کرے
 بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾
 اپنا اقرار اور پرہیزگار تو اللہ محبت کرتا ہے پرہیزگار

اہل کتاب کی دینی خیانت کے ساتھ دنیاوی خیانت کا بھی ذکر آ گیا۔ بھلا جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کر لیں اور امانت داری نہ
 برت سکیں۔ ان سے کیسے یہ امید ہو سکتی ہے کہ کسی دینی معاملہ میں ایمان داری برتیں گے۔
 ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد نگر جائیں۔ اور جب تک کئی
 تقاضہ کے لیے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے وہ امانت ادا نہ کریں۔۔۔ بیشک ان میں سب کا حال ایک جیسا نہیں بعض ایسے بھی
 ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رقی خیانت نہ کریں۔ یہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں۔ جو یہودیت سے ہزار ہوں کر
 اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ۔ یہودی اپنی اس دنیاوی خیانت اور بے ایمانی
 کے حق میں دلیل یہ دیتے ہیں کہ عرب کے اُمی جو ہمارے مذہب پر نہیں ان کا مال جس طرح بھی ملے روا ہے۔ غیر مذہب والوں کی امانت
 میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں۔ خصوصاً وہ عرب جو اپنا آباؤ دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی ایسا
 حق نہیں بخشا۔ امانت میں خیانت کرنے کی خدانے ہرگز اجازت نہیں دی بلکہ جو کوئی عہد کی وفا کرے۔ امانت کو پورا کرے۔ خداسے
 ڈر کر رہے۔ مذہب اخلاق سے پرہیز کرے۔ وہی خدا کو پسند ہے۔

عربوں کی سزا

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ
 شَتًّا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي
 الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ
 إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ
 لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٤﴾

جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے اقرار اور اپنی قسموں پر
 تھوڑا سا مال اُن کا کوئی حصہ نہیں انہیں آخرت
 میں اور نہ اللہ اُن سے بات کرے گا اور نہ اُنکی
 طرف قیامت کے دن نگاہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کریگا اور
 اُن کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

بیشک جو لوگ مول لیتے ہیں قرار اللہ اور ان کی قسمیں
 مول تھوڑا ان کا نہیں حصہ ان کا میں
 آخرت اور نہ بات کرے گا اللہ اور نہ نگاہ کریگا
 ان کی طرف دن قیامت اور نہ پاک کریگا انہیں اور
 ان کے لیے عذاب دردناک

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عام قانون بیان فرمایا ہے اور خیانت کرنے والوں کے لیے جو سزا مقرر کر رکھی ہے اسے بیان کیا ہے۔ یعنی جو لوگ دنیا کی حقیر اور تھوڑی سی دولت کے بدلے اپنی قسموں کو توڑ لیتے ہیں اور اللہ کو جو گواہ کیا تھا کہ وہ امانت واپس کر دیں گے۔ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں باہمی معاملات کو درست نہیں رکھتے اور خدا سے جو قول و قرار کیا تھا۔ اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ جاہ و جلال کی حرص میں شرعی احکام کو بدل دیتے ہیں آسمانی کتابوں میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔ اُن کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

۱۔ انہیں آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

۲۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا۔

۳۔ خداوند تعالیٰ اس دن اُن کی طرف رحمت کی نظر بھی نہیں کرے گا۔

۴۔ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔

۵۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

یہودیوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا تھا۔ اور انہیں قسمیں دی تھیں کہ نبی کے مددگار رہو گے۔ لیکن وہ دنیاوی اغراض کیلئے اپنے اس عہد سے پھر گئے اور انہیں یہ سزا دی گئی۔ ان آیات سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جو شخص بھی دنیاوی لالچ اور تھوڑے سے مال و متاع کے لیے امانت میں خیانت کرتا ہے ایمانداری سے دُور ہٹ جاتا ہے۔ عہد کو توڑتا ہے۔ وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اللہ کی قسموں کو توڑتا ہے۔ اُس کا وہی حشر ہوگا۔ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا۔ کہ اُس نے اپنی کوششوں کا پھل دنیا میں ہی مارضی دنیاوی اشیاء کی صورت میں حاصل کر لیا۔ قیامت کی نعمتوں سے اسے محروم رکھا جائے گا۔ سب سے بڑی نعمت جو اُسے نہیں ملے گی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔

اہل کتاب کی دھوکہ دہی

وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونِ السِّنْتَهُمْ
 اور ان میں ایک فریق ہے کہ وہ زبان مروڑ کر کتاب پڑھتے
 بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ
 ہیں تاکہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے حالانکہ وہ نہیں
 مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ
 ہے کتاب میں اور وہ کہتے ہیں وہ اللہ نے کہا
 اللَّهُ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَ
 ہے حالانکہ وہ اللہ کا کہا نہیں ہے اور
 يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ
 اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان
 يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾

وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونِ السِّنْتَهُمْ
 اور بیشک ان میں فریق مروڑ کر زبان
 بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ
 کتاب تاکہ تم جانو کہ وہ سے کتاب اور نہیں وہ
 مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ
 سے کتاب اور وہ کہتے ہیں وہ سے
 اللَّهُ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَ
 اللہ اور نہیں وہ سے نزدیک اللہ اور
 يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ
 بولتے ہیں اوپر اللہ جھوٹ اور وہ
 يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾

جانتے ہیں

اس کتاب میں اہل کتاب کی دینی خیانت اور بددیانتی بتائی گئی ہے۔ یہ لوگ دنیاوی امور میں دھوکہ دہی کے علاوہ لوگوں کو دینی امور میں بھی فریب دیتے ہیں۔ وہ آسمانی کتابوں کے الفاظ کو بدل دیتے ہیں ان کے معنی اور مفہوم کو بدل کر بیان کرتے۔ انہوں نے تورات انجیل میں اپنی طرف سے کچھ جھوٹے مسئلے شامل کر دیے اور ایسے تمام مسائل جو بظاہر انہیں مفید معلوم نہ ہوئے آسمانی کتابوں سے خارج کر دیے یہ لوگ تلاوت کرتے وقت ایسے انداز میں زبان کو مروڑ مروڑ کر پڑھتے کہ سننے والا دھوکہ میں آ جاتا اور یہ سمجھنے لگتا کہ یہ عبارت بھی آسمانی کتاب کا حصہ ہے اہل کتاب کا گناہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ زبان سے بھی یہ دعویٰ کرتے کہ یہ سب اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے حالانکہ وہ مضمون کتاب میں موجود نہ ہوتا۔ اس سے زیادہ سنگینی اور کیا ہوگی کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بیانات منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں۔ کہ یہ بیان وہ اپنی طرف سے ساتھ طار ہے ہیں اور یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے ان لوگوں کے لیے یقیناً دردناک سزا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو جان بوجھ کر بدل ڈالا۔ اور اس کی وجہ محض دنیاوی طمع تھی اسی قسم کے گناہوں کی پاداش میں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔ اور ان سے ہر قسم کی نعمت چھین لی گئی۔ سب سے بڑی نعمت نبوت تھی۔ جو ان میں مدت دراز سے چلی آ رہی تھی وہ چھین کر بنی اسرائیل کو عطا کر دی گئی اب اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید کی صورت میں ہماری امانت میں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کے الفاظ اور معانی کی پوری طرح حفاظت کریں۔ اور کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب نہ کریں۔ جو اس کے کلام میں نہ ہو۔ یا اس کے منشا کے خلاف ہو۔

یہ نبی کا کام نہیں

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ
 الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ
 كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ
 مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ
 الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ
 كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ

کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور

نہیں ہے۔ بشر کے لیے کہ دے اللہ کتاب اور

حکمت اور پیغمبری دے پھر وہ لوگوں کو کہے

مکت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگ

کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر

ہو جاؤ بندے میرے چھوڑ کر اللہ

عباد (بندے) اس کا واحد عبد ہے۔ معبود۔ عبادت۔ عبودیت اسی ایک مادہ سے نکلے ہیں۔ "عبد" غلام اور بندے کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ جو آزاد اور خود مختار نہ ہو۔ بلکہ اپنے آقا اور حاکم کی مرضی پر چلے۔

نجرال کے وفد کی موجودگی میں بعض عیسائیوں نے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم یہ چاہتے ہو۔ کہ ہم تمہاری اسی طرح پر پریشانی کرنے لگیں۔ جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں۔ یاد ہو کہ اس کی دعوت دین حق تعالیٰ نے ہمیں اس کام کے لیے نہیں بھیجا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب و حکمت اور نوت فیصلہ دیتا ہے۔ اور پیغمبری کے منصب پر فائز کرتا ہے۔ کہ وہ ٹھیک ٹھیک پیغام الہی پہنچا کر لوگوں کو اللہ کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کبھی اس کا یہ کام نہیں ہو سکتا۔ کہ ان کو خالص ایک خدا کی بندگی سے ہٹا کر اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے۔ کہ خداوند قدوس نے اُسے جس منصب کا اہل جان کر بھیجا تھا۔ فی الواقعہ وہ اس کا اہل نہ تھا۔ دنیا کی کوئی حکومت بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مامور کرتی ہے۔ تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے۔

۱۔ یہ شخص حکومت کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے۔ یا نہیں۔

۲۔ اس سے حکومت کے احکام کی تعمیل اور رعایا کو وفاداری پر قائم رکھنے کی اُمید کہاں تک کی جاسکتی ہے؟

کوئی بادشاہ ایسے آدمی کو نائب السلطنت یا سفیر مقرر نہیں کر سکتا۔ جس کی نسبت حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کا ادنیٰ سا شبہ ہو۔ اس مثال سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب دنیاوی حکومتیں اتنی احتیاط کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ جس کا علم کامل ہے۔ وہ کیسے اس آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجے گا۔ جو اس کی بغاوت کرے اور اللہ تعالیٰ کو معبود بتانے کی بجائے اپنی بندگی کرانے لگے۔

اس آیت سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا کہلایا اور اپنے آپ کو اُس کی خدائی میں شریک ٹھہرایا۔ یا اپنے آپ کو سچہ کرایا۔ بھلا ایسی کھلی غلطی اللہ کے نبی اور رسول کیسے کر سکتے ہیں۔

نبی کی تعلیم

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رٰسِيْنَۢ بِمَا كُنْتُمْ
 يٰكِن ھو جاؤ اللہ والے جیسے تم
 تَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبِ وَّ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۴۹﴾
 سکھانے تھے کتاب اور جیسے تم پڑھتے تھے
 وَا لَا يٰۤاْمُرُكُوْۤا اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلَائِكَةَ وَّ
 اور نہ تمہیں کہے کہ ٹھیرالو فرشتے اور
 النَّبِيْنَ اَرْبَابًاۙ اِيَّاۤكُمْ بِالْكَفْرِ
 نبیوں کو رب کیا تمہیں کفر سکھاتے گا
 بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾
 بعد جب تم ہو مسلمان

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رٰسِيْنَۢ بِمَا كُنْتُمْ
 یٰكِن تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے تم
 تَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبِ وَّ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۴۹﴾
 کتاب سکھانے تھے اور جیسے تم اسے آپ بھی پڑھتے تھے
 وَا لَا يٰۤاْمُرُكُوْۤا اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلَائِكَةَ وَّ
 اور تمہیں یہ نہ کہے کہ ٹھیرالو فرشتوں اور
 النَّبِيْنَ اَرْبَابًاۙ اِيَّاۤكُمْ بِالْكَفْرِ
 نبیوں کو رب کیا تمہیں کفر سکھاتے گا
 بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾
 اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو

رَبَّانِيْنَ (اللہ والے) یہ لفظ رب سے ہے۔ رب کے معنی ہیں پروردگار۔ یعنی وہ ہستی جس نے ساری مخلوق کو وجود بخشنا اور ترقی و کمال کے مدارج بنائے۔ رَبَّانِيْنَ کے معنی ہوں گے۔ رب کی بندگی اور عبادت کرنے والے۔ اس سے نسبت اور تعلق رکھنے والے۔

اس آیت میں اس بات کی مزید تائید کی گئی ہے جو پچھلے سبق میں بیان کی گئی تھی۔ یعنی ایک نبی جس پر اللہ تعالیٰ اس قدر رحمت کرتا ہے کہ اُسے نبوت کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ کہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی بندگی چھڑا کر اپنی بندگی کرا لگے۔ بلکہ وہ تو لوگوں کو کفر و شرک سے نکال کر اسلام میں لاتا ہے اس کے بعد کفر کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہودیوں سے یہی کہیں گے کہ اے اہل کتاب تم میں جو پہلے دیندار، متقی، اتا، پڑھنے اور سکھانے کا رواج تھا۔ وہ باقی نہیں رہا۔ تم اب میرا ساتھ دو اور وہی پہلا کمال حاصل کر لو۔ دوبارہ عالم حکیم۔ فقیہ۔ عارف۔ متقی اور خدا پرست بن جاؤ۔ اور یہ بات اب قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نبی لوگوں کو یہ تعلیم بھی نہیں دے سکتا۔ کہ فرشتوں یا نبیوں کو رب بنا لو۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت مسیح اور جبریل علیہ السلام اور ایک فرقہ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور بعض مشرکین نے فرشتوں کو ٹھہرا رکھا تھا۔ جب فرشتے اور پیغمبر خدائی میں شریک نہیں ہو سکتے تو پتھر کے بت اور صلیب کی لکڑی کس شمار میں ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی جو ابتداء میں لوگوں کو ربانی (اللہ والا) اور مسلم و موجد بنانے کی کوشش کرے اور جب لوگ قبول کر لیں۔ تو انہیں شرک و کفر کی طرف لے جا کر اپنی ساری محنت اور کمائی اپنے ہاتھ سے برباد کر دے اس راجح اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی معصومیت اور بے گناہی کو کھول کر واضح کر دیا۔ وہ تمام بتان رو کر دے جو عیسائیوں نے نبیوں پر لگا رکھے تھے۔

انبیاء کا عہد

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا

اور جب یا اللہ عہد نبی جو کچھ

أَتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ

میں نے تمہیں دیا سے کتاب اور حکمت پھر تمہارے پاس آئے

رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ

رسول سچا جو تمہارے پاس تو ایمان لاؤ گے اس پر

وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ

اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور قبول کیا اور

ذٰلِكُمْ اِحْرٰی قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَال فَاشْهَدُوْا

اس میرا عہد بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا گواہ رہو

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور میں تمہارے ساتھ سے گواہ

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد کیا کہ میں نے

أَتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ

جو کچھ تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس کوئی

رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ

رسول آئے اور تمہاری کتاب کو سچا بتائے تو اس رسول پر ایمان

وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ

لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے پوچھا کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر

ذٰلِكُمْ اِحْرٰی قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَال فَاشْهَدُوْا

میرا عہد بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں

ان آیات میں وہی حقیقت دہرائی گئی ہے۔ کہ کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم نہیں دیتا۔ صرف ایک اللہ کی بندگی سکھاتا ہے۔ عام لوگوں

کا ذکر ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی اقرار لے رکھا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے بعد دوسرا نبی آئے جو یقیناً پہلے نبیوں اور

ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہوا آئے گا۔ تو ضروری ہے کہ پہلا نبی بعد میں آنے والے کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے اور اگر

اس کا زمانہ پلٹے تو اپنی امت کو پوری طرح تاکید کر جائے۔ کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لا کر اس کی مدد کرنا اور اس قسم کی وصیت کر

جانا بھی اس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خاتم الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد تمام انبیا

سے لیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ سب کے آخر میں آنے والے تھے اور سب نبی آپ سے پہلے ہو گزرے تھے ظاہر ہے کہ ان نبیوں نے اپنی اپنی امتوں سے

بھی یہ اقرار لینے ہونگے۔ چنانچہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس قسم کا عہد نبیوں سے لیا گیا اور خود حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے۔ تو ان کو میری پیروی کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور یہی فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

تو قرآن مجید اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر فیصلہ کریں گے۔ اس آیت میں موجود ہے کہ مزید تاکید کے لیے اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھا

کیا تم اقرار کرتے ہو؟ سب نبیوں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس عہد پر تم بھی گواہ رہو اور تمہارے

ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔

عہد شکن

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ

پھر جو کوئی اس کے بعد پھر جائے تو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۸۲﴾

نا فرمان ہیں

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ

پھر جو کوئی پھر جائے بعد اس کے تو وہی

هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۸۲﴾

وہ نا فرمان

جیسا کہ پچھلے سبق میں مذکور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ اقرار لیا تھا۔ کہ وہ اپنے بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کریں گے اور اپنی امتوں کو بھی ہدایت کریں گے کہ وہ بعد میں آنے والے نبی صلعم کو مانیں چونکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر تو عبد شکنی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ لہذا جن لوگوں پر عہد توڑنے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے ان سے مراد امت کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہی لوگ سب سے بڑے نا فرمان شمار ہوں گے۔

نبی آدم کی پیدائش کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ کہ انسان عقل کا کچا اور حرص و ہوا کا پتلا ہے۔ بدی کی طرف مائل ہونے کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ طبع اور لالچ میں آکر ایمان جیسی دولت بھی لٹانے سے گریز نہیں کرتا۔ اس لیے اس کی ہدایت کا سامان ضروری ہے۔ اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ نبی ہمیشہ دنیا میں نہیں رہتا۔ ایک کے بعد دوسرے کا آفا ضروری ہے۔

چنانچہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نبیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس نظام کی کامیابی کے لیے یہ ضروری تھا کہ ان کی ایک برداری قائم کر دی جائے۔ انہیں ایک ہی قسم کے اصول و کلیات بتائے جائیں۔ اور رشد و ہدایت کے بنیادی قواعد ایک ہی جیسے عطا کیے جائیں۔ اور ساتھ ہی سب کو ایک دوسرے کی حمایت کی تاکید بھی فرمادی جائے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ متعصب اور تنگ نظر لوگ صرف اسی مذہب کو آخری سمجھ بیٹھیں۔ جو صرف خود ان کے نبی نے بتایا ہو۔ اور بعد میں آنے والے نبی کو جھٹلانا شروع کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لے لیا۔ یہ تمام پیغمبر اپنے قول کے مطابق اپنی اپنی امتوں کو اس امر کی ہدایت کرتے رہے۔

مبند حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔ ان بزرگ ہستیوں نے بنی اسرائیل اور نصاریٰ کو اپنے بعد میں آنے والے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق کھلی کھلی بشارتیں دیں۔ لیکن ان کی امتوں نے ان بزرگوں کی باتوں کی طرف بہت کم دھیان دیا۔ آسمانی کتابوں کو بدل ڈالا۔ معانی و مفہوم میں فرق ڈال دیا اور ہر طرح کی سرکشی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو ان لوگوں نے آپ کو پہچان لینے کے بعد ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے نبیوں کے احکام و ہدایت کی کوئی پروا نہ کی۔ انہوں نے اس طرح نا فرمانی کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا اور نا فرمانوں کی فہرست میں شمار ہوئے۔ فاسق: انہیں لوگوں کو کہا گیا ہے۔ جو اللہ کے حکموں کو توڑتے ہیں اور اس کی نا فرمانی کے مجرم قرار پاتے ہیں۔

دین حق کی مخالفت

أَفْخِرَ دِينَ اللَّهِ يَبْعُونَ - وَ لَهُ
 اب کوئی اور دین اللہ ڈھونڈتے ہیں اور اسی کے
 اسلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے
 طَوْعًا وَ كَرْهًا وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۲﴾
 خوشی یا لاچارگی اور اس کی طرف پھر جائیں گے

دین اللہ (اللہ کا دین) یہ لفظ پہلے بھی کئی بار استعمال ہو چکا ہے دین کے معنی میں طریقہ اور راستہ یعنی وہ طریق فکر و عمل جو کسی کام کے فکر و نظر اور سعی و عمل کی بنیاد ہو۔ ہر جماعت خاص نظریات کی حامل ہوتی ہے یہی نظریات اس کے طرز فکر کو معین کرتے ہیں۔ پھر انہیں کے مطابق وہ تمام اپنے رہن سہن، معاملات اور تہذیب و تمدن کو ڈھالتی ہے۔

اہل کتاب کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر آسمانی کتابوں سے معلوم ہو چکی تھی۔ ان کے پیغمبروں نے انہیں بشارتیں سنائی تھیں کہ ایک آخری نبی آنے والا ہے۔ جس کا دین عالمگیر حیثیت کا ہو گا۔ جب حضور صلعم تشریف لائے تو ان لوگوں نے انہیں اچھی طرح پہچان لیا۔ لیکن حسد، بغض اور ضد میں آکر ماننے سے انکار کر دیا۔ اسلام کے حلقہ گروش بننے سے منکر ہو گئے اور اس کی تکذیب کرنے لگے۔ ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ لوگ اسلام جیسا عالی شان اور مکمل ترین مذہب اختیار کرنے کو تیار نہیں۔ تو پھر کون سا دین پسند کرتے ہیں۔ کیا ایسا دین تلاش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے مذاہب سے بالکل علیحدہ ہو؟ یا کسی خود ساختہ مذہب کے خواہش مند ہیں۔ حالانکہ دنیا میں ہمیشہ سے خدا کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ جس کے معنی میں حکم برداری یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم کسی رسول یا پیغمبر کے واسطے سے پہنچے۔ تو اس کے آگے سر جھکا دینا۔ آج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دین پیش کر رہے ہیں۔ یہ وہی اسلام ہے۔ اسے چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی۔ اس سے منہ موڑ کر حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ انسان کو ہرگز نہ چاہیے۔ کہ اپنی خوشی اور پسند کے پیچھے لگ کر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم خوشی کا باعث ہو یا اس کی تعمیل میں انہیں لاچارگی یا مجبوری محسوس ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض ایسے ہیں۔ جو اس کے احکام کو خوشی سے تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتے۔ نیک انسان اور عبادت گزار بندے اور بعض ایسے بھی ہیں جو اسے مجبوراً مانتے ہیں۔ جیسے منکرین حق۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کہیں اطمینان نہیں مل سکتا۔

ان منکرین حق پر یہ تمام باتیں اس دن روشن ہو جائیں گی۔ جب سب کے سب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ تمام مخلوقات کو بالآخر وہیں لوٹ کر جانا ہے۔ ہر عقلمند کو چاہیے۔ کہ اس روز کی پیشی کے لیے پہلے سے تیار ہو رہے۔ اگر یہاں وہ نافرمانیوں میں مشغول رہا۔ تو وہاں کیا منہ دکھائے گا۔

انبیاء کا سلسلہ

قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَ
تو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اترا اور
مَا أُنزِلَ عَلَيَّ إِلَّا هَيْمٌ وَإِسْمَاعِيلُ وَ
جو کچھ اترا ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور
إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ
اسحق پر اور یعقوب اور اولاد اور جو دیا گیا
مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ رَبِّهِمْ
موسیٰ اور عیسیٰ اور نبی سے ان کے پاس
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ
نہیں ہم جدا کرتے درمیان ایک ان میں اور ہم
لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾
اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اہل کتاب کو اب علی طور پر مسلمانوں کی مثال پیش کی گئی۔ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور آسمانی کتوں کے سوا باقی سب کو غلط قرار دیتے ہیں اور ان کی تکذیب و انکار کرتے تھے۔ اس آیت میں انہیں مسلمانوں کا موقف بتایا گیا ہے کہ جو لوگ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہو گئے ہیں اور اسلام قبول کر چکے ہیں۔ وہ بلا تفریق و امتیاز گزشتہ تمام انبیاء کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں تو یہ آسمانی کتابوں کو اللہ کا کلام سمجھتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا اللہ پر ایمان ہے اور اس کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں کو اس کے پیغمبر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ماننا اس کے احکام کو ماننے بغیر دست نہیں ہو سکتا۔ ہم اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآن مجید کی صورت میں ہم پر اترا اور نبیوں کا جو ہم سلسلہ ہے اس پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ ہم ان تمام احکام کو بھی مانتے ہیں جو حضرت ابراہیم اور ان کی نسل میں انبیاء پر وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے یعنی اسمعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر ان کے بعد ہم اس کلام الہی پر یقین رکھتے ہیں جو حضرت موسیٰ پر اترا (یعنی تورات) اور اس کتاب پر بھی جو حضرت عیسیٰ کو ملی (یعنی انجیل) ہمارے نزدیک یہ سب نبی اللہ کی طرف سے تھے راستباز اور سچے تھے ان پر جو کلام نازل ہوا عقائد برحق تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے۔ کسی کو سچا اور کسی کو نعوذ باللہ جھوٹا نہیں کہتے۔ کیونکہ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر میں داخل ہے۔ خواہ اتنی سب کو نبی مانا جائے۔ اور ہم صحیح معنوں میں مسلمان اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ کے فقرہ میں مسلمانوں کا موقف بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان ان تمام نبیوں کو سچا مانتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے آئے ان آیات سے اہل کتاب کو تقلید کے لیے ایک نمونہ پیش کرنا مقصود تھا کہ اگر تم مسلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو یہ ہے سیدنا براہ اس پر چل پڑو تو منزل کو پہنچ جاؤ گے۔

اسلام کے سوا

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا
اور جو کوئی چاہے سوا اسلام
دین

فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ
سو ہرگز قبول نہ ہوگا اس سے اور وہ
میں آخرت

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

خسارہ پانے والوں میں سے ہے

سے خسارہ پانے والے

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اب اگر کوئی شخص اللہ کا دین چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلنا چاہے گا۔ تو اس کی یہ کوشش قابل قبول نہ ہوگی اسے اس کی سزا اس دنیا میں بھی دی جائے گی اور آخرت میں بھی اُسے خسارہ برداشت کرنا پڑے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) مکمل صورت میں آ پہنچا۔ تو کوئی جھوٹا۔ خود ساختہ یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جاسکتا اگر سورج کے نکل آنے کے بعد کوئی شخص مٹی کا چراغ جلانے یا ستاروں کی روشنی تلاش کرے تو یہ محض حماقت ہوگی۔

یہی مثال دین کے بارے میں صحیح ہے اب کسی مقامی دین۔ نسلی مذہب اور محدود ہدایت کا زمانہ گزر چکا۔ ان سب سے بڑھ کر آخری اور عالمگیر نبوت و ہدایت ہی سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہی تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں۔ نبی اسرائیل کو اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش نہ کرو۔ بلکہ اس کی آغوش میں پناہ حاصل کرو جس مذہب کے تم حامل ہو یا جن کتابوں کے تم دعویٰ دیتے ہو۔ ان کے اصول و کلیات اسلام کے عین مطابق ہیں اور اسلام کو ان پر ایک گونہ فضیلت بھی حاصل ہے یہودیت و نصرانیت مذاہب کی حیثیت مقامی تھی۔ یہ محض قوم کے اختیار کرنے کو بھیجے گئے تھے۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور یہ مکمل اور جامع ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس لیے اگر تم اپنے مذہب کے ساتھ وفاداری کرنا چاہتے ہو۔ تو اسلام سے ہمکنار ہو جاؤ۔ اس کے سبب نجات و سرخروئی حاصل ہوگی۔ تم اگر اس بات کو سمجھ لینے کے باوجود اپنی ضد پر ڈٹے رہو گے۔ اور اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو تلاش کرو گے۔ تو یقیناً وہ غلط گمراہ کن اور من گھڑت ہوگا۔ اس لیے ہرگز ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان لوگوں کو اس کفر و انکار کی سزا ملے گی۔ آخرت میں وہ اپنے آپ کو خسارہ میں پائیں گے۔

دنیا ایک آزمائش گاہ ہے۔ اور آخرت میں اس دنیا کے اعمال کا پھل ملتا ہے۔ جو شخص اس دنیا میں محنت و کاوش کر کے نیک عمل کا بیج بوٹے گا۔ اسے آخرت میں سرور اور آرام ملے گا۔ اور جو ہٹ دھرمی اور بغض کی بنا پر دنیا کمانے میں لگا رہا۔ جاہ پرستی میں مگن رہا۔ اسے وہاں سخت نقصان ہوگا۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ کوناہ اندیش نہ بنیں۔ بلکہ دور اندیش بن کر نیک عمل کی روش اختیار کریں۔ ورنہ آخرت کے خسارہ سے بچنا محال ہے۔ دور اندیش وہ ہے جو بہتر انجام کے لیے کوشش کرے۔ خصوصاً ایسا انجام جو مستقل صورت کا ہے۔ محض عارضی اور وقتی نہیں۔

مُحْرَمٌ هِدَايَتٍ

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ

اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر راہ دے گا جو ایمان لاکر کافر ہو گئے

إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ

اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک رسول سچا ہے

وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئیں اور اللہ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾

ہدایت نہیں دیتا

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ

کیونکر راہ دے گا اللہ لوگ کافر ہوئے بعد

إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ

ایمان کے اور گواہی دی کہ رسول سچا

وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

اور ان کے پاس آئیں نشانیاں اور اللہ نہیں راہ دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾

لوگ ظالم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے۔ کہ وہ ظالموں کو کبھی راہ ہدایت نہیں دکھائے گا۔ ظالموں سے مراد وہی لوگ ہیں جو حق کو پہچان لینے کے بعد اسے جھٹلاتے رہے نہ خود حق کو قبول کیا۔ نہ دوسروں کو نیکو کاری کی دعوت دی بلکہ ان کا انکار دوسروں کیلئے رکاوٹ بنا۔ کچھ لوگوں نے حق کو پہچان لینے کے بعد کفر اختیار کیا۔ وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب اپنے لوگوں سے مل بیٹھتے ہیں۔ تو خفیہ خفیہ اقرار بھی کرتے ہیں۔ کہ یہ رسول سچا ہے۔ اس کی سچائی و صداقت کے روشن دلائل کھلے نشانات اور صاف بشارتیں ان کو پہنچ چکی ہیں اس پر بھی ان کا تکبر و حسد اور ذاتی جادو و جلال کی محبت اسلام قبول کرنے اور کفر کو چھوڑنے سے انہیں روک رہی ہے۔

یہ عموماً یہودیوں اور عیسائیوں کا حال تھا۔ ایسے ہٹ دھرم اور رضاری کافروں کی نسبت کیونکر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے؟ یا ان کو اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے آئے اور جنت تک پہنچنے کی راہ دے؟ اس کا یہ اصول نہیں کہ بے انصاف اور متعصب نافرمان ظالموں کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرے۔

ان سے بڑھ کر برا حال ان لوگوں کا ہو گا جو ایک مرتبہ مسلمان ہو گئے اور دنیاوی اغراض اور نفسیاتی ہوا و حرص کے پیچھے لگ کر مرتد ہو گئے۔ یہ ان سے بھی بڑھ کر لعنت اور سزا کے حقدار ہوں گے۔ ایک شخص روشنی پالے۔ مگر پھر کھلے بندوں تاریکی کو روشنی کہے تو اس سے بڑا اندھا اور کون کہلائے گا اور کوئی آنکھوں والا اسے منہ کیسے لگائے گا۔

آخرت میں یہی لوگ خسارے میں مبتلا ہوں گے۔ سب سے بڑا خسارہ یہ ہو گا کہ وہ اپنا اس المال بھی کھو چکے ہوں گے۔ یعنی وہ انسانی فطرت کی نیکی اور سعادت جس پر ہر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن قبیح جذبات اور بھونڈے خیالات اور مکروہ خواہشات کی رو میں بہ کر انسان اپنی نیک فطرت کو بد عملی سے مسخ کر ڈالتا ہے اور وہ انسانیت کے درجے سے بہت نیچے گر جاتا ہے۔ یہی خسارے کی صورت ہے۔

ایسے لوگ جب خود اپنے اوپر ظلم کریں حق و صداقت کو جان لینے کے بعد نیک و بد میں تمیز کر لینے کے بعد بدی کی راہ منتخب کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑیں تو انہیں ہدایت کا راستہ کیونکر دکھایا جاسکتا ہے وہ اپنے کرتوتوں کی بنا پر کجروی اختیار کرتے ہیں۔ مگر ابھی میں پھنس جاتے ہیں اور انسانیت کے حقیقی جوہر کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی صحبت سے بچائے اور ان کی شر سے محفوظ رکھے۔

ظالموں پر لعنت

أُولَئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ
 ایسے لوگ ان کی سزا کہ ان پر لعنت اللہ
 وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۷﴾ خَلِيدِينَ
 اور فرشتے اور لوگ سب ہمیشہ رہیں گے
 فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
 اس میں نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ
 هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۸﴾
 وہ ہلت دیے جائینگے
 أُولَئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ
 ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے
 وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۷﴾ خَلِيدِينَ
 اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی اس میں ہمیشہ
 فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا
 رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ ہوگا اور نہ انہیں
 هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۸﴾
 ہلت ملے گی

گزشتہ آیات میں جن لوگوں کی دینی اور دنیاوی خرابیاں ذکر کی گئی ہیں۔ اب ان کی وہ سزا بیان کی گئی ہے جو انہیں اس ظلم اور بددیانتی کے نتیجے میں دی جائے گی۔ ان لوگوں کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے حق کو پہچان لینے کے بعد اسے جھٹلانے کی کوشش کی۔ نیکی کی راہ دیکھ لینے کے باوجود اس سے منہ موڑا۔ رشد و ہدایت کی تبلیغ کرنے والوں کی طرف کان نہ دھرا۔ یہی روش یہود و نصاریٰ کی تھی۔ یہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں کے مطالعہ سے جان چکے تھے۔ کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بعد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے۔ جب وہ پیدا ہوئے تو انہوں نے انہیں پہچان لینے کے بعد ان کا انکار کر دیا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر خدا، خدا کے فرشتے اور مسلمان لعنت بھیجتے ہیں بلکہ وہ خود بھی اپنے اور پر لعنت کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں۔ کہ ظالموں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ تو یہ لعنت خود ان پر ہی پڑتی ہے۔

ان پر یہ لعنت دائمی طور پر پڑتی رہے گی۔ نیز آخرت میں بڑی شدت کا عذاب ہوگا۔ جس میں نہ کسی قسم کی تخفیف ہوگی۔ اور نہ ذرا سی دیر کے لیے اس عذاب کو ملتوی کر کے انہیں آرام دیا جائے گا۔ آگ کی یہ خاصیت کہاں کہ وہ درمیان میں اپنی تپش جلن اور سوزش کم کر دے وہ تو قہار و جبار خدا کی بھڑکانی ہوتی ہوگی۔

بہری کی طاقت کو تقویت دینے والے زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو نیکی کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد محض عاصی۔ ناپائیدار اور بے فائدہ اغراض کے پیچھے لگ کر بدی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہی لوگ نیکی کی طاقت کو سب سے زیادہ گزند پہنچاتے ہیں۔ دوسرے لوگ ان کی اس شدت سے سخت دھوکہ کھاتے ہیں ان کا ایمان ڈانواں ڈول ہو جاتا ہے۔ نیکی پر ان کا یقین کمزور پڑ جاتا ہے۔ جو لوگ ہدایت و سعادت کی راہ کو تنگ کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ وہی دوسرے لوگوں کی گمراہی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اپنی سرشت کی اس بالا واسطہ برائی کی بنا پر وہ لعنت کے مستوجب قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ۔ فرشتے۔ مسلمان اور نیک روح انسان ان پر لعنتیں کرتے ہیں۔

لَعْنَةُ اللَّهِ (اللہ کی لعنت) ان کا مادہ ہے۔ ملعون وہ ہے جس پر لعنت پڑے اس کے معنی ہیں دوری اور پھٹکار اصطلاح میں رحمت سے دوری اور اللہ کریم کے اطف و کرم سے محرومی کو لعنت کہا جاتا ہے۔

توبہ اور اصلاح

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَ
 إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَ
 بیکر جنہوں نے توبہ کی سے بعد اس کے اور
 بیکر جنہوں نے توبہ کی سے بعد اس کے اور
 أَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹﴾
 أَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹﴾
 نیک کام کیے توبہ کے بعد اللہ غفور رحیم ہے
 نیک کام کیے توبہ کے بعد اللہ غفور رحیم ہے

جس قسم کے مجرموں اور گنہگاروں کا ذکر پچھلے اسباق میں گزر چکا ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی معافی کے مستحق نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ اس کی بارگاہ میں اس قدر شدید جرائم اور بغاوتوں کے بعد بھی اگر مجرم نادام ہو کر سچے دل سے توبہ کرے اور آئندہ نیک چلن اختیار کرنے کا ارادہ کرے تو سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی ہے اور انہیں ہمت دی ہے کہ اگر وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ برائیوں کو چھوڑ کر نیک راہ پر بولیں تو اللہ ان کی خطائیں نظر انداز کر کے انہیں مغفرت عطا کرے گا۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی رحیمیت واضح ہو جاتی ہے۔ انسان کی گمراہی کے کئی اسباب ہوتے ہیں جہالت، بڑی صحبت، دنیا پرستی، کوتاہ اندیشی، ضد اور ہٹ دھرمی وغیرہ انسان اس میں بہکتا چلا جاتا ہے اور اپنی ریش پر غور نہیں کرتا وہ اپنے طرز عمل کو سنوارنے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ لیکن جب اسے ٹھوکر لگتی ہے یا کہیں سے نصیحت کی آواز اس کے کان میں پڑتی ہے یا وہ خود اپنی زندگی کے حالات پر ذرا غور و خوض کرتا ہے تو اسے یکدم اپنی گمراہی کا احساس ہوتا ہے گزشتہ اعمال پر افسوس کرتا ہے پشیمان و نادام ہوتا ہے اور گناہوں کو یک قلم ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک ہونا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اپنی کوتاہ بینی پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی چاہتا ہے اور آئندہ نیکی کی راہ اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اسے اپنی رحمت کے سایہ میں ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ انسان کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی ہے اور اسے نیکی کی طرف رجوع کرنے کی ہمت عطا فرمائی ہے۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس سے زیادہ بد نصیب اور بد قسمت اور کون ہوگا۔
 توبہ: قرآن مجید میں لفظ توبہ بار بار استعمال ہوا ہے اس کے لفظی معنی لوٹ آنا اور توبہ کرنا ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے تَوَابُوا
 اِنَّا بَارِعِلْكُمْ (اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ) اور بشارت دی کہ جو لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں۔ اَتُوبُ عَلَيْكُمْ (میں اس کی طرف توجہ فرماتا ہوں)

توبہ کی شرط اول یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کا احساس کرے اس پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرے اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی اسے چھوڑ دینے اور اس سے باز رہنے کا پختہ ارادہ کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا۔

ناقابل قبول توبہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ
 تَوْبَهُمْ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ
 وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ⑨

جو لوگ منکر ہوئے بعد ایمان لانے کے
 پھر اذکار دوا کفر انکرا لیں تو توبہ
 ان کی توبہ
 اور وہی گمراہ ہیں

اس آیت میں توبہ کے باب میں کچھ اور تشریح کر دی گئی ہے۔ جو لوگ گمراہیوں اور بد اعمالیوں پر نادم ہوئے انہوں نے توبہ کی اور آئندہ نیک کام کرنے شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا اور ان کے گناہ بخش دے گا۔ یہاں یہ فرمایا کہ جو لوگ حق کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر منکر ہوئے۔ پھر آخر تک انکار میں لگے رہے نہ کبھی کفر سے ہٹنے کا نام لیا۔ نہ حق اور اہل حق کی دشمنی سے باز آئے۔ بلکہ الٹی ایمان والوں سے بحث اور جنگ و جدل کرتے رہے۔ جب مرنے کا وقت آیا اور فرشتے جان نکالنے کے لیے آئے تو توبہ کی سوجھی۔ بھلا اس توبہ سے کیا فائدہ؟ بات بالکل صاف ہے۔ کہ توبہ کا مقصد تو اصلاح اور درستی ہے اگر مرتے دم توبہ کی جبکہ اصلاح اور درستی کی نہ گنجائش ہے نہ وقت۔ تو اس توبہ سے کیا حاصل ہوگا۔ بعض لوگوں پر جب مصیبت آ پڑے اور ظاہری اسباب سے بے بس ہو جائیں یا مرض الاملاج ہو جائے تو رسماً اور عادتاً توبہ توبہ پکارتے ہیں۔ بھلا ایسی توبہ کس کام کی؟ کچھ لوگ گناہ کا احساس کرتے ہیں اور اللہ کریم کی طرف مائل بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جو نہی کچھ وقت گزرا۔ حالات بدلے۔ تو سب کچھ بھول گئے۔ پھر سے سرکشی اور گناہ میں لگ گئے۔ ایسے لوگوں کی توبہ بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

روزمرہ کی زندگی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ بعض لوگ محض دکھلاؤ سے اور نمائش کی خاطر نیک کام کرتے ہیں۔ یا اس وقت اچھا کام کرتے ہیں۔ جب وہ بالکل مجبور کر دیے جائیں۔ گویا جب انہیں اختیار و اقتدار ہوتا ہے۔ تو نیکی کی طرف رجوع نہیں ہوتے جب بے بس ہو جاتے ہیں۔ تو اقرار کرنے لگتے ہیں۔ کہ آئندہ بڑے کام نہ کریں گے۔ ایسے اقرار کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پورے دل و جان سے برائی سے نفرت اور نیکی سے الفت نہیں رکھتے۔ بلکہ محض وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے جھوٹے بہانے بنانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہی لوگ حقیقی گمراہ ہیں۔

ہمیں اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے۔ کہ برائی اور کفر و انکار کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ کہ وہ ہمیں راہ ہدایت پر استقامت دے۔ اگر بھول سے کبھی کوئی خطا ہو جائے یا برائی سرزد ہو جائے۔ تو فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

فدیہ ہرگز قبول نہ ہوگا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ
 جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے اور وہ کافر
 فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلٌّ الْأَرْضِ
 تو کسی ایسے سے ہرگز زمین بھر سونا بھی قبول
 ذَهَبًا وَلَا يُؤْتَى بِهِ
 نہ ہوگا اگرچہ بدلہ میں اس قدر سونا دے
 سونا اور اگرچہ بدلہ دے اس قدر

اس آیت میں ایسے کافروں اور گنہگاروں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ جو ہمیشہ سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ سیم دزر ہی کل قوت و طاقت کا منبع ہے۔ وہ پتہ تمام گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے۔ اور تمام برائیوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اُن کا خیال ہے کہ جس طرح ہم دنیا میں رشوت یا فدیہ دے کر جرائم کی سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے حضور میں سونا اور چاندی دے کر عتاب سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا ہے۔ کہ تمہارا یہ خیال خام ہے۔ تم میں سے کسی گنہگار کے پاس کل روٹے زمین کے برابر سونا ہو اور وہ اسے اپنے گناہوں کے عوض اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرے۔ تو یہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو بھلا سونے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ جبکہ وہ کل کائنات ارضی و سماوی کا مالک ہے۔ تمام مخلوقات اور موجودات کا پیدا کرنے والا ہے۔ ذرہ سے لے کر آفتاب تک، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک اور ان گنہگار انسان سے لے کر عظیم الشان نبی تک سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ سونا، چاندی، مال و زر اور دولت و ثروت سب اسی کی ملکیت ہیں اور وہی یہ سب کچھ لوگوں کو دیتا ہے۔ پھر اس کے عوض وہ گنہگار کو کیوں معافی دے گا۔ دراصل رشوت اور فدیہ کا یہ نظریہ ان لوگوں کی تخلیق ہے۔ جن کا دین و ایمان دولت ہے۔ جن کا مقصد حیات مال و زر ہے جو زندگی بھر اسی کی تلاش و جستجو کرتے ہیں۔ اپنی محنت اور وقت اسی کے حصول میں صرف کرتے ہیں۔ اپنی عمر اسی کے ڈھیر اکٹھے کرنے میں لگاتے رہتے ہیں۔ آخر کار اسی کی حسرت دل میں لیے خالی ہاتھ جہان فانی سے کوچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ سونے چاندی کے پیچھے دوڑتے رہے۔ مال و زر کے لیے تگ و دو کرتے رہے۔ انہوں نے اپنی ساری توجہ اور محنت اسی کے لیے وقف کر دی لیکن انجام انتہائی اندوہناک اور کرب و درد سے بھر پور پایا۔ یہ اسی گمان باطل میں رہے کہ یہی شے باعث نجات اور سبب کامیابی ہے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو معلوم نہیں کہ اصلی دولت ایمان کی دولت ہے۔ اصل سرمایہ نیکی کا سرمایہ ہے۔ سونے چاندی کی حیثیت نیک عملی کے مقابلہ میں ایک بے قیمت تنکے کی بھی نہیں۔ قیامت میں صرف نیکو کاری بچا سکتی ہے۔ سونے چاندی کے ڈھیر کام نہیں آئیں گے۔

اِفْتَدَى (بدلہ دے) فدیہ ایسے بدلہ کو کہتے ہیں۔ جو کسی خرابی اور گناہ کے عوض مال و زر کی صورت میں یا کسی اور شکل میں ادا کیا جائے۔

اب کتاب میں فدیہ کا غلط عقیدہ موجود تھا جو بے راہ و مدی اور ان کی سہل انگاری کا موجب بنا۔

گناہ کی سزا

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
 وہی ان کے لیے عذاب دردناک
 وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾
 اور نہیں ان کے لیے کوئی مددگار

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
 انہیں دردناک عذاب ہے
 وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾
 اور ان کا کوئی مددگار نہیں

گزشتہ آیات میں یہ بات تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے کہ نجران کے وفد کے مناظرہ کرنے کے بعد اور دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بھیج ماننے کے باوجود نصاریٰ ایمان دلائے وہ لوگ بدستور یہ بتان لگاتے رہے کہ فلاں چیز اللہ نے کہی ہے فلاں بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ تمام باتیں وہ خود اپنے دل سے بناتے تھے نیز کوئی نبی اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف تعلیم نہیں دیتا۔ وہ کبھی اپنی عبادت کے لیے علم نہیں دیتا۔ وہ تو ہمیشہ ہی کہتا ہے کہ اللہ والے بن جاؤ۔ لیکن نصاریٰ نے احکام الہیہ کو بدل ڈالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی۔ رسولوں میں فرق کرتے رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو ایک ہی راہ ہدایت دیکر بھیجا اور سب کو توحید کا سبق دیا۔

جیسا کہ یہ تمام حقائق جاننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے اور انکار ہی کرتے رہے وہ دنیاوی اغراض میں پھنس کر اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے ایمان کو بیچ ڈالتے۔ آخرت کی پرواہ نہ کرتے اپنا انجام نہ سناتے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ وہ ایسے لوگوں کو کبھی راہ ہدایت نہ دکھائے گا۔ بلکہ ان پر اللہ اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کریں گے اور نہ ان سے عذاب ہلکا ہوگا۔ نہ انہیں رحمت ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھیے کہ وہ انسان کو ایک اور موقع دیتا ہے کہ وہ توبہ کر لے۔ اپنے کیسے پر نادم ہو اور معافی کا مستحق بن جائے لیکن منکرین پھر بھی نہیں سمجھتے وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ ساری عمر اسی پر جھبھتے ہیں اور مرتے دم تک توبہ نہیں کرتے یہ لوگ اگر اپنے ان گناہوں کی سزا میں دنیا بھر کر سونا فدیہ میں دینا چاہیں تو وہ قبول نہ ہوگا۔ یہی گنہگار ہیں۔ انہیں دردناک انجام دیکھنا پڑے گا۔ سخت ترین سزا بھگتنی پڑے گی۔ ان کا نہ کوئی دست ہوگا نہ مددگار نہ حامی ہوگا نہ بچانے والا۔ بلکہ یہ بے بس اور بے سہارا ہوں گے۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ انہیں کسی کا آسرا نہ ہوگا۔

دورانِ اندیش اور دانشمند انسان کو چاہیے۔ کہ ان حالات و واقعات سے عبرت حاصل کرے گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی راہ اختیار کر کے اپنی آخرت کو خراب نہ کرے اپنا انجام گھناؤنا نہ بنائے بلکہ ان باتوں سے سبق حاصل کر کے نیکی کی راہ اختیار کرے۔ اس آیت میں بدکار انسانوں کی دو سزائوں کا بیان ہے ایک تو دردناک عذاب کی شکل میں ہوگی۔ دوسری یہ کہ کوئی ان کا معاون و مددگار نہ ہوگا۔ وہ تنہا بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ جن سہاروں پر انہیں ناز تھا وہ سب چھوٹ جائیں گے اور جن دوستوں سے انہیں توقع تھی۔ وہ سب ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

مبارک ہیں وہ انسان جو اس گھڑی سے پہلے سنبھل جائیں۔

قربانی کا معیار

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ
 ہرگز نہ ملے گی نیکی جب تک نہ خرچ کرو اس سے پیاری چیز
 وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ
 اور جو تم خرچ کرو گے سے چیز تو اللہ
 بِهِ عَلِيمٌ ۙ ﴿۹۱﴾
 اس سے جانتا ہے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ
 ہرگز نیکی نہ حاصل کر سکو گے جب تک اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ نہ
 وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ
 کرو گے اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو
 بِهِ عَلِيمٌ ۙ ﴿۹۱﴾
 معلوم ہے۔

بعض اوقات انسان اس لیے نیکی سے رُک جاتا ہے کہ اُسے اس کی خاطر اپنی پسند کی چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے اس عالم فانی میں بیشتر ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان بہت زیادہ محبت کرتا ہے اور یہ محبت بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اُن سے علیحدہ رہنا اُسے سخت ناگوار گزرتا ہے۔ اُن چیزوں کی اُلفت اُسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ان کی خاطر ہر چیز کو قربان کر دے۔ یہ محبت اُسے اندھا کر دیتی ہے اور وہ نیکی بدی میں تمیز بھی کھو بیٹھتا ہے۔

انسان کی زندگی اپنی لذتوں کے حصول اور عزت و شہرت، مال و اولاد، ریاست و سرداری کی طلب میں گزرتی ہے اور اُن ہی سے انسان بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ انہیں حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کی خاطر وہ بعض اوقات ایمان داری بھی قربان کر دیتا ہے اس کی نگاہ میں نیکی کی قدر و قیمت ان اشیاء کے مقابلے میں گر جاتی ہے۔ اس طرح وہ خود غرضی کا پتلا، نفسانی خواہشات کا دلدادہ اور ہوا و ہوس کا مجسم بن جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ نیکی سے بالکل منہ موڑنے لگ جاتا ہے۔

جب تک انسان کے دل سے خود غرضی کی جڑ نہ اکھاڑ دی جائے۔ اسے ہر شے سے بڑھ کر نیکی کے ساتھ محبت کرنا نہ سکھایا جائے وہ راست باز نہیں بن سکتا۔ جو آدمی نیک کام میں اپنی محبوب سے محبوب شے کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے اخلاص نیک نیتی اور خدا پرستی میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ دراصل خود غرضی ہی تمام براہوں کی جڑ ہے۔ اور اخلاص سب نیکیوں کی جان ہے۔ یہود و نصاریٰ مال و دولت سے محبت کرتے تھے انہیں اپنی امت کے ان پڑھ لوگوں پر اقتدار اور سرداری حاصل تھی اور یہ چیز انہیں بہت عزیز تھی۔ انہیں ڈرتھا کہ اگر وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے۔ ان کی اطاعت قبول کر لی تو ان کی ریاست و طاقت جاتی رہے گی۔ اس وجہ سے وہ ایمان لانے سے گریز کرتے رہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنی عزیز ترین شے کو قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو گے تم نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس شخص نے کونسی چیز خرچ کی ہے اور کس کے لیے خرچ کی ہے؟ جتنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے گی۔ اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بدلہ ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نیکی کا معیار یہ قرار دیا کہ اپنی عزیز ترین اور سب سے محبوب شے ہماری راہ میں قربان کر دو۔ اسے سب سے بڑی نیکی سمجھا جائے گا اور اللہ کریم اس کی قدر فرمائے گا۔

بنی اسرائیل میں حلال و حرام

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ
 سب کھانے کی چیزیں تھیں حلال واسطے بنی اسرائیل
 إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ
 مگر جو حرام کر لیں اسرائیل اُپر اپنے
 مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْزِلَ التَّوْرَةُ
 سے پہلے کہ نازل ہو تورات

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ
 بنی اسرائیل کو سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر
 إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ
 جو اسرائیل نے اپنے اُپر حرام کر لی تھیں
 مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْزِلَ التَّوْرَةُ
 تورات نازل ہونے سے پہلے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ تم اپنے آپ کو دین ابراہیم پر بتاتے ہو۔ لیکن تم وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کر رکھی تھیں۔ مثلاً اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ وغیرہ اس صورت میں تم ابراہیم کے سچے پیرو کیونکر کہلا سکتے ہو۔ اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جتنی چیزیں اب لوگ عموماً کھاتے ہیں یہ سب حضرت ابراہیم کے وقت میں حلال تھیں۔ اور تورات کے نازل ہونے سے پہلے تک حلال ہی رہیں۔ البتہ اس آسمانی کتاب میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام کر دی تھیں جہاں تک اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کی حرمت کا تعلق ہے یہ تورات کے نازل ہونے سے بہت پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے استعمال نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ قسم کھانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو "عرق النساء" کا درد تھا۔ آپ نے اللہ سے یہ منت مانی کہ مجھے اس درد سے نجات کر دے اور صحت مند ہو جاؤں تو اپنی محبوب ترین چیز کا استعمال چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ صحت پانے پر آپ نے اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ جو ان کی مرغوب ترین اشیاء تھیں منت پوری کرنے کے لیے چھوڑ دیں۔

یہ یاد رہے کہ اس قسم کی منت جس میں کسی حلال چیز کو حرام کر لیا مقصود ہو اسلامی شریعت کے مطابق جائز نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ** "اے نبی تو وہ چیز کیوں حرام کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے حلال کی" (سورۃ تحریم۔ رکوع ۱) اگر بھول چوک سے ایسی قسم کھالی جائے تو چاہیے کہ اُسے فوراً توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں بعض احکام نسخ کیے گئے ہیں بعض چیزیں کسی زمانہ میں حلال تھیں۔ بعد میں حرام ہو گئیں اور کچھ چیزیں شروع میں ممنوع تھیں۔ بعد میں حلال قرار دے دی گئیں۔ لہذا اب شریعت محمدیہ اور شرائع سابقہ میں حلال و حرام کے اعتبار سے کچھ فرق ہوا ہے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ نیز موجودہ آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینا مذکور ہے اور گزشتہ آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا اس طرح ان دونوں آیتوں میں ایک لطیف مناسبت بھی پیدا ہو گئی۔

اللہ پر بہتان

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا - إِنْ
 قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا - إِنْ
 تُوکمه توریت لاد اور اسے پڑھو اگر
 تُوکمه توریت لاد اور اسے پڑھو اگر
 کُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ أَفْتَرَىٰ عَلَىٰ
 کُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ أَفْتَرَىٰ عَلَىٰ
 تَم سچے ہو پھر جو کوئی اللہ
 تَم سچے ہو پھر جو کوئی اللہ
 اَللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ
 اَللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ
 پر جھوٹ باندھے اس کے بعد وہی بڑے
 پر جھوٹ باندھے اس کے بعد وہی بڑے
 هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾
 هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾
 بے انصاف ہیں
 لوگ ظالم

اس آیت کی ابتدا میں یہودیوں کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ جو چیزیں بنی اسرائیل کی شریعت میں حرام تھیں وہ اسلام میں حلال کیسے ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن اشیاء کو تم حرام سمجھ بیٹھے ہو وہ حرام نہ تھیں۔ بلکہ خود تم حرام قرار دے بیٹھے تھے۔ ابراہیمی شریعت میں وہ ہرگز حرام نہ تھیں۔

آیت کے اس آخری حصہ میں بنی اسرائیل کو نہایت واضح لفظوں میں زور دار طریق پر کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر اب بھی تمہیں کچھ شک ہے۔ اور ہمارے اس بیان پر تمہارا دل نہیں جتا۔ تو اپنی مقدس کتاب توریت لے آؤ۔ اسے اول سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ اگر کہیں یہ بیان مل جائے۔ کہ ابراہیمی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں تو ہمیں دکھا دو کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ وہ اپنی تخریف کردہ اور مسخ شدہ کتاب سے بھی کوئی ایسی آیت نکال کر نہ دکھائے۔ مگر پھر بھی ضد پراڑے رہے۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود نے کلام مجید کا یہ چیلنج قبول نہ کیا اور قبول کرتے بھی کیسے؟ جبکہ ان کا دعویٰ بے بنیاد تھا۔ نہ ان کے پاس حقیقی علم تھا۔ اور نہ حقیقی احکام کو اپنی جگہ برقرار رکھ سکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اپنی کتاب سے کوئی ایسا حکم نہ دکھا سکو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم مفت اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔ شریعت کے نام پر غلط بیانی سے کام لے رہے ہو اپنی طرف سے باتیں گھڑ لیتے ہو اور انہیں مذہب اور کتاب سے منسوب کر دیتے ہو۔ ایسا کرنے والے نا انصاف ظالم شمار ہوں گے۔ اور حقیقت یہی ہے۔ کہ دنیا میں اس سے بڑا ظلم نہیں ہو سکتا کہ بندہ اپنی بات کو خدا کی بات قرار دے۔ بندہ ہو کر خدائی دعوے شروع کر دے۔ ایسا کرنے والے نہ صرف خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ مخلوق خدا کی گمراہی کا سبب بن جاتے ہیں۔

ملتِ ابراہیمی کا اتباع

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
 کہ سچ کہا اللہ تابع ہو جاؤ دین ابراہیم
 قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
 تو کہہ اللہ نے سچ فرمایا اب ابراہیم حنیف کے دین کے تابع ہو
 حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾
 ایک اور معنی سے شرک کرنے والے
 حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾
 جاؤ اور وہ شرک کرنے والا نہ تھا

گزشتہ آیات میں حلال و حرام نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین سے متعلق اصل حقائق بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول کریم سے کہا ہے کہ تو کہہ اللہ کا کلام سچا ہے۔ اُس نے حلت و حرمت کے علاوہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سچی اور کھری باتیں تمہیں سادی ہیں ان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (حضرت ابراہیم حنیف کا دین) لفظ مِلَّة اردو زبان میں صرف جماعت اور قوم کے لیے استعمال ہوتا ہے خصوصاً مذہبی اور دینی جماعت لیکن عربی زبان میں یہ لفظ جماعت کے علاوہ خود دین اور مذہب کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ "حنیف" کے لفظی معنی ہیں "یک رخ" جو سب سے منہ موڑ کر صرف ایک طرف رخ کرے اور سب سے کٹ کر ایک کا ہو جائے حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب بھی ہے۔ ان کی زندگی اس لفظ کی ایک مکمل تشریح ہے۔ انہوں نے اللہ بزرگ و برتر کے لیے خاندان کو برادری اور ملک کو چھوڑا۔ بتوں کو توڑا۔ ستاروں سے منہ موڑا آگ میں گرنا منظور کیا۔ بیوی بچہ کو چھوڑنا گوارا کر لیا۔ بیٹے کو قربان کرنا منظور کر لیا۔ غرضیکہ منلثے الہی کی خاطر ہر ممکن قربانی کی۔

یہود و نصاریٰ اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں وہ ساتھ ہی ساتھ اس چیز کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی مذہب انہی تک سینہ بہ سینہ پہنچا ہے۔ قرآن مجید نے یہ واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل اگرچہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ لیکن وہ مذہب میں قطعی طور پر ان کے پیرو نہیں ہیں ابراہیم خالص توحید پرست تھے۔ شرکت کے قریب بھی نہ پھٹکتے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل مادہ پرست ہیں اپنے پیغمبروں اور راہبوں کی پوجا کرتے ہیں۔ معمولی لالچ میں اگر ایمان سچ ڈالتے ہیں۔ ایثار قربانی سے دور بھاگتے ہیں۔ ریاضت اور جدوجہد سے کتراتے ہیں۔ ان حالات میں انہیں حضرت ابراہیم سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

مذکورہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بجائے مسلمان ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کی طرح توحید باری کے قائل ہیں۔ تسلیم و رضا کے پابند ہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری ان کا شیوہ ہے اس لیے یہودی جو زبانی طور پر ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چلبیے کہ مسلمانوں کی طرح سچے دل سے ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کریں۔ شرک چھوڑ کر توحید اختیار کریں۔ شر و بغاوت چھوڑ کر ایمان و یقین حاصل کریں۔

اولین عبادت گاہ — خانہ کعبہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي
بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے مقرر ہوا یہی ہے
بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾ فِيهِ
جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگوں کو اس میں
آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ مِّمَّا قَامَ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ
کھلی نشانیاں ہیں جیسے مقام ابراہیم اور جو اس
دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا
کے اندر آیا اس کو امن ملا

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي
پیش پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے لیے البتہ وہ
بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾ فِيهِ
مکہ میں برکت والا اور ہدایت جہان کے لوگ اس میں
آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ مِّمَّا قَامَ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ
نشانیاں ظاہر مقام ابراہیم اور جو
دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا
اندر آیا امن ملا

اَوَّلَ بَيْتٍ (پہلا گھر) اس سے مراد خانہ کعبہ ہے جو بطور عبادت گاہ اولین عمارت اور پہلا گھر ہے۔ اس گھر کو عالمگیر عبادت گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ باقی تمام عبادت گاہیں مقامی اور قومی تھیں۔ نیز یہ کہ دنیا کے دوسرے تمام عبادت خانے خواہ عنم کدے ہوں یا آتش کدے۔ گرجے ہوں یا کچھ اور۔ سب بعد میں بنے ہیں۔ اولیت کا سہرا اسی عبادت خانے کے سر ہے۔

مسلمانوں کے اس دعویٰ پر کہ ہم باقی تمام قوموں اور امتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں۔ یہودیوں کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن تو عراق تھا جسے چھوڑ کر وہ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر وہیں رہے سبے۔ اسی جگہ انہوں نے وفات پائی ان کی اولاد بھی شام میں ہی رہی۔ اس ملک میں جتنے نبی آئے انہوں نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا اسلام کا مرکز اس کے برعکس حجاز ہے۔ اور مسلمانوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے وہ ملک شام سے دور ایک طرف پڑے ہوئے کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے قریبی نسبت رکھتے ہیں۔

ان معترضین کا جواب مذکورہ بالا آیت میں دیا گیا ہے۔ یعنی بیت المقدس اور دوسرے با برکت مقامات بعد میں تعمیر ہوئے ہیں بیت اللہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد حضرت اسحق نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی۔ اور اس کی تکمیل تو کئی سو سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی۔ دنیا میں سب سے پہلا متبرک گھر جو ہدایت کے لیے بنایا گیا تھا۔ وہ کعبہ ہی ہے جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے لوگ یہاں آئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی اس گھر کو ظاہری اور باطنی برکتیں عطا کیں اسے سارے جہان کی ہدایت کیلئے سرچشمہ ٹھہرایا یہیں سے نبی آخر الزمان کو مبعوث کیا۔ حج ادا کرنے کے لیے سارے جہان کو دعوت دی دنیا کے تمام مسلمانوں کو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی برکت سے مکہ کی سر زمین میں طرح طرح کی نشانیاں رکھ دیں۔ جو یہاں آیا اسے امن حاصل ہوا۔

بیت اللہ کا حج

وَاللّٰهُ عَلَى النَّاسِ حَاجُّ الْبَيْتِ مَنْ

اور اس گھر کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو

اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ

شخص اس کی طرف راہ چلنے کی قدرت رکھتا ہے اور جو نہ

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾

اٹھے تو پھر اللہ جہان کے لوگوں کی پرداہ نہیں رکھتا۔

وَاللّٰهُ عَلَى النَّاسِ حَاجُّ الْبَيْتِ مَنْ

اور اللہ کا اوپر لوگ حج کرنا گھر جو

اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ

قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ اور جو نہ مانے

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾

تو پھر اللہ پروا نہیں رکھتا سے جہان کے لوگ

اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (اس کی طرف راہ چلنے کی قدرت رکھتا ہو) اس سے مراد یہ ہے کہ اسے بیت اللہ تک پہنچ جانے کے ذرائع و اسباب حاصل ہوں۔ زادِ راہ رکھتا ہو۔ سفر کی سہولتیں اسے میسر ہوں۔ اور راستہ کی دشواری حاصل نہ ہو۔

اس سے قبل حضرت ابراہیمؑ اور ان کے طریقہ کی خاص باتیں بیان کرنے کے بعد یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ اُمت مسلمہ حضرت ابراہیمؑ سے یہودیوں کی نسبت زیادہ قریب ہے۔ دنیا میں عبادت گاہ کے طور پر سب سے پہلا گھر جو بنا یا گیا تھا۔ وہ بیت اللہ تھا۔ اسے مسلمانوں نے بطور قبلہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ گھر بڑی برکت والا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی میں برکت و ہدایت پائی جاتی ہے۔ وہ اسی بیت اللہ کا ایک عکس ہے اس کے طواف کرنے والوں پر عجیب و غریب برکتیں نازل کی جاتی ہیں۔ حج ادا کرنے کے لیے اُسے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

حج ایک ایسی عبادت ہے۔ جس کی ہر ادا یہ ظاہر کرتی ہے۔ کہ حج کرنے والے کو اپنے مالکِ حقیقی سے کس قدر عشق و محبت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم صادر فرمایا۔ کہ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے۔ کہ جنہیں اتنی استطاعت ہو کہ وہ یہاں پہنچ سکیں۔ وہ بیت اللہ کا حج ضرور کریں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی و مالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ وہ عمر میں کم از کم ایک مرتبہ معبودِ حقیقی کے گھر میں حاضری دے۔ جو شخص حج کرنے سے گریز کرنے گا۔ سمجھ لو کہ وہ جھوٹا مدعی ہے وہ جہاں چاہے دھکے کھانا پھرے اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرداہ نہیں کوئی یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس امتحان سے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ کون توحید کا قائل ہے۔ کون اللہ تعالیٰ سے خالص محبت کرتا ہے۔ جس کسی کو مال و دولت سے محبت ہوگی۔ وہ حج کی ادائیگی میں سستی کرے گا۔ وہ حقیقی خدا پرست نہیں ہو سکتا اور جسے حقیقی محبت ہوگی وہ دیوانہ وار وہاں پہنچے گا۔ یہ دیوانوں کی طرح اللہ کے گھر کے چکر کاٹے گا بال بکھیرے بسید بسید (میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں) کہتے ہوئے عشق و محبت اور عاجزی و انکساری کا اقرار کرے گا۔ وہ حجرِ اسود کو چومے گا۔ صفا و مروہ پر دوڑے گا۔ مقامِ ابراہیم پر نماز ادا کرے گا۔ منیٰ میں قربانی کریگا۔ بیلِ رحمت پر حاضر ہوگا۔ غرض وہ سب کچھ کریگا۔ جس سے اس کا موٹی خوش ہو۔

اہل کتاب کا انکار

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
 کہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو کلام سے اللہ
 وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ
 اور اللہ دہرہ اوپر جو تم کرتے ہو کہہ
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ
 اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو سے راہ
 اللَّهِ مَن تَبْعُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ
 اللہ جو ایمان لائے ڈھونڈتے ہو عیب اور تم جانتے ہو
 وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾
 اور نہیں اللہ بے خبر اس سے کرتے ہو

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
 تو کہہ اے اہل کتاب تم اللہ کے کلام کے کیوں منکر ہوتے
 وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ
 ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ کے دہرہ ہے تو کہہ
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ
 اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو ایمان والوں کو
 اللَّهِ مَن تَبْعُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ
 اللہ کے راستے سے کہ اس میں عیب ڈھونڈتے ہو اور تم جانتے ہو
 وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾
 اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے

پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کیا جا رہا تھا۔ درمیان میں ان کے بعض اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا گیا۔ یہاں سے پھر ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ جب تمہارے سامنے نیکی اور بدی کی راہیں کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ حق و صداقت کے دلائل واضح کر دیے گئے ہیں۔ اور قرآن کریم کی سچی اور پکی باتیں سنا دی گئی ہیں تو اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اہل کتاب کہلانے کے باوجود برابر کلام اللہ اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو۔ یاد رکھو تمہارے سب اعمال اللہ کے سامنے ہیں وہ تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو بھی خوب جانتا ہے۔ جس وقت تمہیں پکڑے گا۔ پورا پورا حساب لے کر چھوڑے گا۔

سبق کی دوسری آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اہل کتاب سے دریافت کرو۔ کہ تم نہ صرف خود ایمان کی دولت حاصل کرنے سے محروم ہو بلکہ یہ بھی چاہتے ہو کہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روک دو۔ ایسا کیوں ہے۔ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں تم کو شش کرتے ہو کہ اسلام میں جھوٹے اور غلط عیب نکال کر انہیں دین اسلام سے واپس لے آؤ۔ تم یہ بڑی حرکتیں بے خبری میں نہیں کر رہے ہو بلکہ سمجھ کر حق کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہو تمہاری ان چالاکیوں سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے، وقت آنے پر وہ تمہیں شدید سزا دے گا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو اسلام سے خواہ مخواہ کی دشمنی اور بغض و عناد ہے۔ ان لوگوں کے سامنے قرآن مجید نے تمام حقیقتیں کھول کر بیان کر دیں ہیں اور وہ خود بھی سمجھ گئے ہیں کہ قرآن مجید کلام الہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ صحیح راہ پر نہیں آتے۔

اہل کتاب کا کہنا نہ مانو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - اِرْتَابُوا - تَطِيعُوا
 اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو
 فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
 بعض اہل کتاب کا
 يَرُدُّوكُمْ - بَعْدَ إِيمَانِكُمْ - كُفْرًا ۝۱۰
 تمہیں پھر کر دینگے پیچھے ایمان کانہ کافر

گزشتہ آیات میں اہل کتاب کو ڈانٹا گیا تھا۔ کہ جب تم پر اسلام، قرآن مجید اور نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی کھلی نشانیاں اور دلائل واضح ہو چکی ہیں تو تم جان بوجھ کر دین اسلام میں فرضی عیب بتلا کر کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ یہ تمہارے لیے مناسب نہیں۔

ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل جو خواہ مخواہ اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں وہ ان نصیحتوں کو سن کر بھلا کیوں باز رہنے لگے تھے لہذا سادہ ہی مسلمانوں کو نصیحت کی گئی۔ کہ تم ان مفسدین کے دھوکے میں نہ آنا یہ لوگ طرح طرح کی چال بازیوں سے تمہیں اسلام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے۔ اگر تم ان کے اشاروں پر چلو گے اور ان کی باتیں مانو گے۔ تو خدشہ ہے کہ تم بھی آہستہ آہستہ ایمان کی روشنی سے نکل کر کفر کے اندھیروں میں دوبارہ جا گرو گے جہاں سے پھر واپس آنا بہت مشکل ہے۔

يَرُدُّوكُمْ رَدًّا تَمَّيَّنُوا دُونَ ذَلِكَ اس کی ماضی ہے اور رَدًّا اس کا مصدر ہے۔ اور لفظ مرتد بھی اس مادہ سے نکلا ہے۔ اسلامی قوانین میں ارتداد یعنی اسلام سے پھر جانے کی سزا سب سے شدید اور سنگین ہے۔ ہم کسی کو جبراً مسلمان نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن جو اسلام سے پھر جائے اس کے جرم کو معاف نہیں کر سکتے۔ چونکہ وہ روشنی دیکھنے کے باوجود کفر کے اندھیرے کنوئیں میں دیدہ دانستہ گرتا ہے۔

اس آیت سے کئی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اہل کتاب اسلام کے سخت دشمن ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیر کر کفر و شرک کی طرف لے آئیں۔ ان کی یہ ایک سوچی سمجھی سکیم ہے۔

صحبت اپنا اثر بہت جلد کرتی ہے۔ اگر مسلمان اہل کتاب کی صحبت اختیار کریں گے۔ ان کے کہے پر چلیں گے اور ان کی باتیں مان لیں گے تو رفتہ رفتہ ان کی خباثت اور انکار و شیطنت مسلمانوں میں بھی سرایت کر آئے گی۔

ان حالات میں مسلمانوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔ کہ وہ کبھی اہل کتاب کے ساتھ زیادہ نہ اٹھیں بیٹھیں ان کی باتیں نہ سنیں ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ ان کے ساتھ زیادہ تعلقات نہ بڑھائیں۔ صرف اسی صورت میں ان کے شر سے بچا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ کی موجودگی

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ - وَأَنْتُمْ تُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ
اور کیسے تم کفر کرتے ہو اور تم پڑھی جاتی ہیں تم پر
آيَةُ اللَّهِ - وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ط - وَمَنْ
آیتیں اللہ اور تم میں اس کا رسول اور جو کوئی
يَعْتَصِرْ - بِاللَّهِ - فَقَدْ هُدِيَ - إِلَىٰ
مضبوط پکڑے اللہ کو تو ہدایت ہوئی طرف
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰﴾

راستہ سیدھی

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ
اور تم کس طرح کفر کرتے ہو حالانکہ تم پر پڑھی جاتی ہیں
آيَةُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ط وَمَنْ
اللہ کی آیتیں اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی
يَعْتَصِرْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ
اللہ کو مضبوط پکڑے تو اسے ہدایت ہوئی سیدھی
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰﴾

راستہ کی طرف

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان جیسی قوم ایمان لانے کے بعد کافر نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ان کے درمیان خدا کا عظیم نشان پیغمبر موجود ہے۔ جو ان کو اللہ کا ایمان افزا یعنی ایمان بڑھانے والا کلام سنا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتا رہتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی تمام راہیں چھوڑ کر ایک خدا کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جس نے بھی پورے دل سے اسی پر اعتماد و توکل کیا۔ اسے کوئی طاقت راہ راست سے ادھر ادھر نہیں مٹا سکتی۔

مدینہ کے قریم خاندانوں کے درمیان اسلام سے پہلے بڑی دشمنی تھی۔ ان کے درمیان ذرا ذرا سی بات پر لڑائی ہو جاتی تھی، اور خزوزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ تو ان لوگوں کے بھاگ کھل گئے، اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت ان قبیلوں کی دشمنی جو صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ دوستی میں بدل گئی اور ان کے درمیان نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

مدینہ کے یہودیوں کو ان خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور اسلام کی خدمت و حمایت کے لیے اکٹھے ہونا بہت ہی ناگوار تھا۔ انہوں نے ایک شخص کو اس کام پر لگایا کہ جہاں کہیں دونوں خاندانوں کے لوگ جمع ہوں وہاں جنگ بھارت (جو ماضی میں ان دو خاندانوں کے درمیان لڑی گئی تھی) کا ذکر چھیڑ دے اس شخص نے موقع پا کر اس جنگ کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ اشعار کا سنا تھا کہ ایک مرتبہ بھیجی ہوئی چنگاریاں پھر سگ اٹھیں اور دونوں قبیلے لڑائی کے لیے ہتھیار سنبھالنے لگے۔ اتفاق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند دوستوں کے ساتھ وہاں پر پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو تم میں موجود ہوں۔ پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی، خدا نے تمہیں ہدایت دی۔ تم پھر کفر کی تاریکیوں میں اٹھے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو؟ رسول کریم کی اس آواز کا سنا تھا کہ شیطانِ جال کے تمام حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے تمام لوگوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ سب سمجھ گیا کہ یہ ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی جس سے آئندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔

اسلام پر زندگی، اسلام پر موت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ - حَقَّ
 تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾
 اے لوگ ایمان والے ڈرتے رہو اللہ جیسا چاہیے
 اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے
 تقیہ اور نہ مریو مگر اور تم مسلمان
 تقیہ اور نہ مریو مگر اور تم مسلمان

گزشتہ سبق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک اور آپ کی صحبت کی برکات بیان کی گئی تھیں۔ اور یہ بتایا گیا تھا کہ آپ کی موجودگی میں اور آپ کی تعلیم ہوتے ہوئے مسلمان ایمان کی روشنی پا کر کفر کے اندھیرے میں کیونکر جاسکتے ہیں۔ موجودہ آیت میں مسلمانوں کو تلقین فرمائی گئی ہے۔ کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اپنی استطاعت کے مطابق تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو۔ کہ وہ تمہیں ہدایت کی راہ پر ثابت قدم رکھے۔

حَقَّ تَقَاتِهِ (جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔ اور جس قدر اس سے ڈرنے کا حق ہے) تقویٰ کی تشریح اس سے قبل کئی بار بیان ہو چکی ہے۔ اور خود یہ لفظ بار بار استعمال ہو رہا ہے۔ تقویٰ اسلام اور ایمان کی روح ہے۔ چونکہ خدا ترسی اور نگہداشت و احتیاط کے ساتھ زندگی بسر کیے بغیر اسلامی خصوصیات اور پاکیزہ زندگی کا پیدا ہونا محال ہے اس لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے اس قدر ڈرو جس قدر ڈرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ خود حضور اکرم نے فرمایا: ایمان ڈر اور امید کے درمیان ہے۔

زمین و آسمان شمس و قمر دریا اور پہاڑ، جنگل اور سبزہ زار، حیوانات، نباتات، جمادات، غرض کل کائنات اس کی مخلوق ہے اور اس کے قبضہ میں ہے۔ دنیا کا کوئی ذرہ اس کے حکم کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ انسان کی زندگی و موت اسی کے ہاتھ میں ہے اس کا چلنا پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا اسی کے اختیار میں ہے۔ تنگدستی اور خوشحالی میں زندگی بسر کرنا اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق ہے، غرض انسان کی زندگی کی معمولی سے معمولی حرکت اللہ تعالیٰ کے اقتدار و اختیار میں ہے۔ لہذا اللہ سے بڑھ کر انسانی زندگی پر زیادہ حق اور کس کا ہو سکتا ہے؟ جب انسان اپنی زندگی اور اس کی بقا کے بیٹے قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ تو پھر اس کے بیٹے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرے جتنا ڈرنے کا حق ہے۔

آیت کے دوسرے ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مرتے دم تک کوئی حرکت اسلام کے خلاف نہ کرو تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہیے۔ حق تو یہ ہے کہ تمہیں اس وقت تک موت نہیں آنی چاہیے جب تک تم صحیح اور پکے مسلمان نہ بن جاؤ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ہر منٹ اور ہر سیکنڈ اسلامی شان سے ہی زندہ رہنا چاہیے۔ کون جانتا ہے کہ کس وقت موت آجائے عمر بھر کبھی شیطنیت کفر لالچ یا خود غرضی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا چاہیے، صرف اسی صورت میں ہم اس حکم کی اطاعت میں پورے اتر سکتے ہیں کہ اسلام پر جتیں اور اسلام پر مریں۔

إِعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

وَإِعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
 اور مضبوط پکڑو رسی اللہ سب مل کر
 وَلَا تَفَرَّقُوا
 اور نہ پھوٹ نہ ڈالو

حَبْلِ اللَّهِ (اللہ کی رسی) اس لفظی معنی کے علاوہ عربی میں حبل سے مراد عمد بھی ہوتا ہے۔ نیز ہر وہ شے جو وسیلہ کام کام دے سکے وہ بھی اس سے مراد ہوتی ہے۔ یہاں ”حبل اللہ“ سے مراد قرآن مجید اور اسلامی شریعت ہے۔ جسے مضبوطی سے نچھال لینا ہی دینی کامیابی اور آخری نجات کا ذریعہ ہے۔

جَمِيعًا (سب مل کر) یعنی تمام افراد امت مجموعی طور پر اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔
 اِعْتَصِمُوا (مضبوطی سے پکڑ لو) اعتصام کے معنی چنگل مارنا اور مضبوطی سے پکڑنا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو نہایت پختگی اور عزم و استقلال کے ساتھ تقام لیا جائے۔ اس پر عمل کیا جائے اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا جائے۔
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ تدبیر بتائی ہے جسے اختیار کر کے امت مسلمہ دشمنوں کی سازشوں اور شر و فساد سے بچ سکتی ہے یعنی یہ کہ سب مل کر اسے پوری قوت سے پکڑے رہو گے اور اس پر عمل پیرا ہو گے۔ تو تمہارے مقابلے میں کوئی شیطانی قوت کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اور کوئی غلط کار تمہیں بے راہ اور گمراہ نہ کر سکے گا۔

پچھلی آیت میں افراد امت کو حکم دیا گیا تھا کہ سب اپنی اپنی زندگی کی اصلاح کرو۔ تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو، اسلام پر ہی جینو اور اسلام پر ہی مرد موجودہ آیت میں امت کو اجتماعی طور پر یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ذاتی زندگی سنوارنے کے بعد اکٹھے مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تقام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو جب ایسا ہو جائے گا۔ تو انفرادی زندگی کی طرح تمہاری اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل تسخیر ہو جائے گی۔ اس سے منتشر قوتیں جمع ہو جاتی ہیں اور ایک مردہ قوم نئی زندگی حاصل کرتی ہے۔

قرآن کریم کو تقامنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ ایسا نسخہ ہے۔ جسے استعمال کرنے سے قوم کی تمام سیاسی، معاشی، سماجی اخلاقی اور دنیاوی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں۔ قرآن مجید اس دنیا میں کامیابی کا پیغام دیتا ہے۔ اور دوسری دنیا میں سرخوردگی و کامیابی کا وعدہ کرتا ہے۔ اس کی تعلیم انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ کلام اللہ ہمارے انفرادی اور اجتماعی تمام مسائل کا حل بتاتا ہے غرض وہ ایک مکمل دستور حیات ہے۔ مسلمان قوم کی کامیابی دوسری دنیا کی کارزار اس کی پیروی میں چھپا ہوا ہے۔

قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑ لینے سے مراد محض ہاتھوں سے اسے تقام لینا نہیں۔ اسی طرح اسے ہر دم پیش نظر رکھنے سے مراد یہ نہیں کہ ہر چیز پر اس کا ایسب لگا لیا جائے۔ اپنی ہر خواہش کے بیٹے اس کی آیات تماش کی جائیں۔ اور ان کے منی توڑ موڑ کر اپنا مطلب نکالا جائے۔

اخوت — احسانِ خداوندی

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ

اور یاد کرو احسان اللہ اپنے اور پر جب تم تھے

أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ

دشمن پھر الفت دی درمیان تمہارے دل اب ہو گئے

بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے اوپر گڑھے کا کنارہ

مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

سے آگ بھرتیں نجات دی اس سے اسی طرح کھولتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ تم پر اپنی آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ

اور اللہ کا احسان اپنے اور پر یاد کرو جب تم آپس

أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ

میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اب اس کے

بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم ایک آگ کے گڑھے کے

مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

کناسے پر تھے۔ پھر تمہیں اس سے نجات دی اسی طرح

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

اللہ تم پر اپنی آیتیں کھولتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ

اسلام سے قبل عرب کے باشندے جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے وہ شرک و بت پرستی اور کینہ و عناد میں مبتلا تھے۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا۔ جنگیں اور خونریزیاں بہت ہوتی تھیں۔ چوری اور لوٹا کر زنی کی وارداتیں عام تھیں۔ غرض یہ لوگ انسانیت کے درجے سے نیچے گر کر زندگی بسر کر رہے تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اُس کا نور آشکارا ہوا۔ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے پیغمبر آخر الزمان تشریف لائے جنہوں نے انسانوں کو تمام غلاظتوں سے پاک کر دیا۔ انہیں نیکی اور سعادت کی راہ دکھائی انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسی فضل و کرم کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنا احسان یاد دلارہا ہے۔ اس نے اپنی تدبیر سے ان لوگوں کی صدیوں کی عداوتیں اور کینے نکال کر ایک دوسرے کا ہمدرد و غمگسار بنا دیا۔ انہیں ایک دین پر اکٹھا کر دیا۔ جس سے ان کی ایسی ساکھ قائم ہو گئی جسے دیکھ کر ان کے دشمن بھی رعب کھانے لگے، یہ اتحاد و اشتراک خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو مسلمانوں کو اپنے تمام خزانے خرچ کر کے بھی میسر نہ آ سکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام سے قبل کی زندگی کو واضح کرنے کے لیے یہ مثال دی ہے۔ کہ لوگ کفر و انکار کی بدولت آگ کے گڑھے۔ یعنی دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ اور فنا ہونے کو تھے خدا نے تمہارا لانتھہ پکڑ کر اس سے بچایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایمان کی روشنی بخشی اگر لوگ اللہ تعالیٰ کے ان عظیم الشان دینی اور دنیاوی احسانات کو یاد رکھیں، تو کبھی گمراہی کی طرف واپس نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتیں اور نشانیاں اسی لیے کھول کر بتا دی ہیں۔ اور اختلافات کی زندگی کو دوزخ بنا دیا ہے۔

اصلاحی جماعت کے فرائض

لَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ
 اور چاہیے ہو تم میں ایک جماعت جو بلائی رہے
 إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
 طرف نیک کام اور حکم کرتی رہے
 وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ
 اور منع کریں سے برائی اور وہی
 هُمُ الْمُقَدِّحُونَ ﴿۱۰۲﴾
 ہیں اپنی مراد کو پہنچنے والا

وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ
 اور چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو بلائی رہے
 إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
 نیک کام اور حکم کرتی رہے
 وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ
 اور برائی سے منع کرتی رہے اور وہی لوگ
 هُمُ الْمُقَدِّحُونَ ﴿۱۰۲﴾
 اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تقویٰ اتحاد و اتفاق قومی زندگی، اسلامی اخوت اور دوسری عام خوبیاں اسی وقت تک باقی رہ سکتی ہیں جب تک مسلمانوں میں ایک جماعت دعوت و تبلیغ کے لیے قائم رہے۔ جو اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن و سنت کی طرف بلائے اور جب دیکھے کہ لوگ نیکی سے غفلت کر رہے ہیں اور برائیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں تو وہ جماعت انہیں بھلائی کی طرف متوجہ کرے۔ اور برائی سے روکے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام وہ لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ جو نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتے ہوں قرآن مجید کی تعلیمات سے پوری طرح باخبر ہوں نیز موقع شناس بھی ہوں۔ ورنہ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی نیکی کو بری یا بدی کو نیکی سمجھ کر اصلاح کرنے کی بجائے زیادہ بگاڑ پیدا کرے یا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس کے سبب وہ کفر میں اور زیادہ بڑھ جائے۔

ایسی جماعت کا وجود ہر زمانے اور ہر دور میں رہا ہے۔ جو حتی الامکان یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ لوگوں کو برائیوں سے روکے نیکی کی طرف دعوت دے۔ شرک و بت پرستی، کفر، الحاد اور توہم پرستی سے ہٹائے۔ صرف ان لوگوں کے باعث ہی اسلام پھیلتا رہا ہے۔ جبکہ شر و بغاوت اور فتنہ و فساد عام ہو رہا ہے۔ مزوری ہے کہ ایسی جماعت کو تقویت پہنچانی جائے زیادہ سے زیادہ لوگ اس میں شامل ہوں۔ اپنے ہر ممکن ذرائع و وسائل کو بروئے کار لاکر ان تین فرائض کو پوری شدہی اور سرگرمی سے انجام دیں۔

(۱) دعوت الی الخیر (بھلائی اور نیکی کی دعوت) تبلیغ کے ذریعہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دینا۔

(۲) امر بالمعروف (نیکی کا حکم) نیکیوں کو حکم دینا اور عوام و خواص کو نیکی کے راستے پر ڈالنا۔

(۳) نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) ملک و ملت سے برائیوں، گناہوں اور خرابیوں کو حکماً بند کرنا۔

گویا محض زبانی تبلیغ ہی اصلاحی جماعت کا کام نہیں بلکہ پوری قوت سے عملاً اور حکماً نیکیوں کی اشاعت اور خرابیوں کی روک تھام بھی ان پر فرض ہے۔

فرقہ بندی

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا
اور ان کی طرح مت ہو جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کیے
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ
لگے اس کے بعد کہ انہیں صاف حکم پہنچ چکے اور
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾
انہیں بڑا عذاب ہوگا

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا
اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ
سے بعد کہ پہنچا انہیں صاف حکم اور
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾
وہی ان کے لیے عذاب بڑا

پچھلی آیت میں ایک ایسی جماعت کے وجود اور قیام کی اہمیت واضح کی گئی تھی۔ جو دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔ کفار و معاندین کی شر و بغاوت سے مسلمانوں کو بچائے۔ سچے اور مخلص مسلمان کافر من ہے۔ کہ وہ اس جماعت میں شامل ہو۔ اب فرمایا کہ تمہیں ایسے لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے۔ جنہوں نے آپس میں افتراق ڈالا مذہب میں فرقے بنا ڈالے۔ حالانکہ انہیں حقیقت کا علم ہو چکا تھا۔

یہ اختلاف ڈالنے والے اور مذہبی فرقے بنانے والے یہود و نصاریٰ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کے صاف و صریح احکام پہنچ چکے تھے لیکن محض توہم پرستی اور حرص و ہوا کی پیروی کر کے انہوں نے شریعت کے اصولوں میں اختلاف پیدا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تباہ ہو گئے اور ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ مذہب میں فرقہ بندی کے اختلاف سے کتنے بھیاہک اور ہولناک نتیجے ظاہر ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچائی اور راست بازی کی راہ صاف و صریح طریقے سے روشن کر دی جاتی ہے۔ بعض خبیث فطرت اور فتنہ پسند لوگ دنیا پرستی لالچ اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں مذہب میں رخنے ڈالتے ہیں۔ اس طرح قوم کی اجتماعی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ مذہب پھیلنے نہیں پاتا آپس میں ایک دوسرے گروہ کو ختم کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں اور اس طرح قومی اور مذہبی لحاظ سے ان کی آزادی بلکہ قومی وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔

اختلاف کے یہ تمام تباہ کن نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمان بہت سے فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں شریعت اسلامیہ کے صاف و صریح اصولوں سے الگ ہو کر ان میں اختلاف ڈال کر اپنے لیے تباہی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس شر انگیزی کے باوجود مسلمانوں میں ایسے نیک فطرت اور مخلص لوگوں پر مشتمل ایسی جماعتیں موجود ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی جماعتوں کو اور زیادہ قوت دے اور ہمیں بھی ایسے نیک کاموں میں شریکت اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بدکردار — سیاہ چہرے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَّسُودُ وُجُوهٌُ
 جس دن بعض منہ سفید ہوں گے اور بعض منہ سیاہ ہوں گے
 فَاَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ
 سو وہ لوگ جن کے منہ سیاہ ہوئے ان سے کہا جائیگا، کیا تم کانز
 اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا
 ہو گئے ایمان لا کر؟ اب
 الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۶﴾
 عذاب چکھو اس کے بدلے کہ تم کفر کرتے تھے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَّسُودُ وُجُوهٌُ
 دن سفید ہونگے بعض منہ اور سیاہ بعض منہ
 فَاَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ
 سو وہ لوگ سیاہ ہوئے ان کے منہ
 اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا
 کیا تم کانز ہو گئے بعد ایمان لا کر چکھو
 الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۶﴾
 عذاب بدلہ تم کفر کرتے تھے

یہ بات اپنے بیان ہو چکی ہے۔ کہ انسانی اعمال منافع نہیں ہوتے، ان کی حیثیت دوامی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا شمار ہوتا ہے۔ قیامت کے روز اعمال کا اظہار لوگوں کے چہروں سے ہوگا۔ جن لوگوں نے نیک عمل کی زندگی بسر کی ہوگی ان کے چہروں پر ایمان اور تقویٰ کا نور چمکتا ہوگا۔ ان کے منہ سفید ہوں گے وہ بڑے عزت اور وقار میں ہوں گے۔ اور خوش خوش نظر آئینگے ان کے خلاف جو لوگ اس دنیا میں عمر بھر گناہوں میں مبتلا رہے۔ سیاہ کاری اور بدکاری میں آگے آگے رہے۔ ان کے چہرے کفر و نفاق اور فسق و فجور کی سیاہی سے کالے ہوں گے۔ گویا قیامت کے دن ہر شخص کا چہرہ اس کے باطن کا آئینہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہر مرتبہ، منافق اور کانز سے یہ سوال کرے گا۔ کیا تم ایمان لانے کے بعد کانز ہو گئے تھے اور تم نے ایمان کے بدلے کفر کیوں اختیار کیا۔ ان لوگوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ شرم و ندامت سے ان کے سر جھبک جائیں گے، ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گر جائیں گے۔ اور انہیں سزا کا حکم سنایا جائے گا۔ وہ اپنے کفر کے بدلے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ پڑے سڑتے رہیں گے۔

یہ تو آخرت کا حال ہے۔ جہاں انسان کو پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔ جہاں اسے مستقل عذاب و ثواب ملے گا خود اس دنیا میں بھی انسان کو نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا چہرہ اس کی زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اگر انسان بدی کرتا ہے تو اس کے چہرے پر بائیاں اڑنے لگتی ہیں۔ خفت اور شرمندگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف نیکی کے نتیجے میں اسے سرخ لہنی اور نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ دنیا دیکھ کر پکار اٹھتی ہے۔ یہ تو جنتی ہے اس کے چہرہ پر نور برستا ہے۔ اس کی آنکھوں سے روشنی جھلمکتی ہے۔ اس کی پیشانی نورانی ہوتی ہے۔

نورانی چہرے

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۴﴾
 اور وہ لوگ سفید ہوتے ان کے منہ سو میں
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۴﴾
 اور وہ لوگ جن کے منہ سفید ہوئے اسوۃ
 رحمت اللہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
 اللہ کی رحمت میں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

پچھلی آیت میں کفار اور منکرین کا انجام ذکر کرنے کے بعد اب ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ جن کے چہرے قیامت کے روز ایمان اور تقویٰ کے نور سے چمکتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور آرام و راحت کے گھر میں جگہ عطا فرمائے گا۔

کسی امر کی اصل حقیقت مقابلے سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نیکی کی قدر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب بدی کے گھناؤنے نتائج واضح کر دیے جائیں۔ اور سفیدی کی قدرت بڑھتی ہے۔ جب سیاہی پر بھی ایک نظر ڈال لی جاتے۔ اسی لیے یہ آیتیں ساتھ ساتھ ہیں پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جو لوگ نبی کریم اور قرآن مجید کی دعوت سن لینے کے بعد بھی مسلمان نہ ہوئے یا انہوں نے زبان سے رسول اللہ کی صداقت کا اقرار کیا۔ مگر دل سے کافر رہے اور گزشتہ کتابوں کی بشارت پر یقین کے باوجود پیغمبرِ سام کو جھٹلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر سخت ترین عذاب نازل کرے گا۔

یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے اپنی فطرت صحیحہ سے کام لے کر اسلام قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا اور آخری رسول تسلیم کیا۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنت میں لے جانے لگا۔ یہاں ہر قسم کی رحمت کے سامان موجود ہیں۔ یہ لوگ یہاں ابدی طور پر رہیں گے۔ انہیں کبھی جہنم نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مومن و کافر اور جنت و دوزخ کا موازنہ اس لیے کرتا ہے کہ سمجھدار لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور نیک عملی کی زندگی بسر کر کے آخرت میں جنت کے مستحق بنیں۔ لیکن عام طور پر انسان اس کو شمش میں رہتا ہے کہ دنیاوی فائدے سمیٹ لے اس لیے کہ اللہ اور روزِ آخر پر اس کا یقین نہیں رہا۔ شاید وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان باتوں میں حقیقت نہیں ورنہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس قدر واضح اور صریح بیان کے بعد بھی انسان نیکی کی بجائے بدی کی طرف لپکے جھوٹ کو جھوٹ اور گناہ کو گناہ خیال نہ کرے اور ناجائز طریقے سے ٹوٹ کھسوٹ میں لگا رہے اور رُوسیاہ ہو کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رُوسیاہی سے بچائے۔ دنیا اور آخرت میں سُرخروئی عطا فرمائے۔ اگر دنیا میں کچھ مشکلات اور تکالیف بھی پیش آئیں۔ تو ان کے برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوتا کہ آخرت کی مستقل اور ابدی زندگی خراب نہ ہو۔

قرآنی آیات برحق ہیں

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

یہ اللہ کے حکم ہیں ہم سناتے ہیں تجھے ٹھیک ٹھیک

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور نہیں اللہ چاہتا ظلم کرنا خلقت اور اللہ کا ہے

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

جو میں آسمان اور جو میں زمین

وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ﴿۱۰۹﴾

اور طرف اللہ رجوع برکام

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

یہ اللہ کے حکم ہیں ہم تجھے ٹھیک ٹھاک سناتے ہیں

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ خلقت پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اللہ ہی کا ہے

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورَ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ کی طرف ہر کام کا رجوع ہے

کافروں اور مسلمانوں کے الگ الگ خصائص اور انجام بتانے کے بعد اب تاکیداً فرمایا کہ ان تمام باتوں کو جھوٹ نہ سمجھو یہ بالکل حق اور سچ باتیں ہیں جو ہم تمہیں اپنے پیغمبر کے ذریعے سناتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں ظلم کو ان معنوں میں نہیں لینا چاہیے جو ہمارے ہاں مستعمل ہیں۔ کیونکہ اللہ کے ہاں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے وہم کے مطابق چار قسم کا ظلم ہو سکتا ہے۔

۱۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے سخت احکام بندوں پر بھیجے جن کا مقصد صرف سنانا ہو۔

۲۔ جو شخص رحمت کا مستحق ہو اس کو عذاب ملے۔

۳۔ جو شخص تھوڑی سزا کا مستحق ہو اُسے بہت زیادہ سزا دی جائے۔

۴۔ کسی شخص نے نیکی کی ہو۔ لیکن اُسے اس کا صلہ نہ ملے۔

یہ چاروں قسم کے ظلم اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا ہر حکم صرف بندوں کی تربیت کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس کا ہر معاملہ عین حکمت و مصلحت کے موافق ہوتا ہے۔

زمین و آسمان اور کائنات کی کل موجودات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے ظلم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے۔ ان کی ضروریات کو پورا کرنے والا ہے۔ ان کی زندگی موت خوشحالی، بد حالی دکھ سکھ کا واحد مختار ہے۔ بیشک انسان کو زندگی میں کئی قسم کی اذیتیں پہنچتی ہیں۔ اسے بے شمار تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسے بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس وقت وہ سمجھتا ہے کہ اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ وہ اپنی قسمت کو کوٹھنے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ انسان کو چاہیے کہ صبر و استقلال سے کام لے کر شیطان پر جبار ہے راہ راست پر ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ اس کے پاؤں ٹوٹ گانے نہ پائیں۔

خیر امت

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم بہترین امت جو بھیجی گئی عالم میں

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کام

وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

اور ایمان لاتے ہو اللہ پر

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو

وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

اور اللہ پر ایمان لاتے ہو

گزشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے) درمیان میں اس حکم کے سلسلے میں بعض ایسی باتیں بتائی گئیں جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور بعض ایسے کام بھی بتائے گئے جن سے ممانعت کی گئی ہے۔ پھر نیکو کاموں کی جزا اور بدکاروں کی سزا کا ذکر کیا گیا۔ یہاں سے پھر پہلے ضمنوں کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔ یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اس کے علم میں مقدر ہو چکا تھا۔ کہ تمہیں تمام امتوں پر برتری ملے گی۔ اور اس کی خبر گزشتہ انبیا کو بھی دے دی گئی تھی جس طرح نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں اور قوموں سے افضل اور برتر ہے۔ کیونکہ اسے سب سے اشرف پیغمبر ملا ہے۔ اور سب سے جامع اور مکمل شریعت عطا ہوئی۔ اور علم کے دروازے اس پر کھول دیے گئے ہیں۔

خَيْرَ أُمَّةٍ (بہترین امت) ملت اسلامیہ کو امت وسطیٰ، ملت ابراہیمی اور دوسرے کئی معزز القاب کے علاوہ خَيْرَ أُمَّةٍ

کا لقب بھی دیا گیا۔

أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (عالم میں بھیجی گئی) مراد یہ ہے کہ یہ امت دنیا کی تمام قوموں کو دعوت و تبلیغ کے ذریعے ایمان کے دروازے

پر لاکھڑا کرے گی برے کاموں سے روکے گی۔ یہ امت مسلمہ لوگوں کو تمام برے کاموں سے زبان، ہاتھ، قلم اور تلوار کے ذریعے روکے گی ہر قسم کا جہاد اس پر فرض کیا گیا ہے۔

اس خیر امت کی ایک اور صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔ تمام اچھی خصوصیتیں جس اہتمام سے امت مسلمہ

میں پائی جاتی ہیں۔ گزشتہ امتوں میں سے کسی ایک میں بھی موجود نہ تھیں حضرت عمرؓ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے۔ کہ اس امت

(خیر الامم) میں شامل ہو۔ اُسے چاہیے کہ اس کی شرائط پوری کرے یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ اور یہ اس وقت ہو

سکتا ہے۔ جب انسان پہلے خود اپنے آپ کو سوار لے کیونکہ اس کے بغیر دوسروں کو درست نہیں کر سکتا۔

اہل کتاب کو نصیحت

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا
 اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو تھا بہتر
 لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمْ
 ان کے لیے ان میں سے ایمان پر اور اکثر ان میں
 الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَضُرَّكُمْ إِلَّا أَذَىٰ ط
 نافرمان نہیں بگاڑ سکتے تیرا سوائے ستانا اور
 إِنْ يُقَاتِلُواكُمْ يُولُواكُمْ الْآدِبَارَ ثُمَّ لَا
 اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ دیں گے پھر نہ
 يُنصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾
 ان کا مدد ہوگی

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا
 اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا
 لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمْ
 ان میں سے کچھ ایمان پر ہیں اور ان میں سے اکثر
 الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَضُرَّكُمْ إِلَّا أَذَىٰ ط
 نافرمان ہیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے زبان سے
 إِنْ يُقَاتِلُواكُمْ يُولُواكُمْ الْآدِبَارَ ثُمَّ لَا
 ستانے کے سوا اور اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ دیں گے پھر ان کی
 يُنصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾
 مدد نہ ہوگی

الْآذَىٰ (ستانے کے سوا) اس سے مراد یہ ہے کہ یہودی گالیاں دیں گے۔ یا زبان سے بُرا بھلا کہیں گے یا کوئی اور چھوٹی موٹی تکلیف پہنچائیں گے اس سے زیادہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

اس آیت میں اہل کتاب سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم ایمان لے آتے تو تمہارے حق میں بہتر تھا اس طرح تم بھی "خیر الامم" میں شامل ہو سکتے تھے۔ دنیا میں تمہاری عزت بڑھتی اور آخرت میں اجر ملتا، لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے چند افراد کے سوا (مثلاً عبداللہ بن سلام یا نجاشی وغیرہ) کسی نے اسلام قبول نہ کیا حق واضح ہو جانے کے باوجود وہ نافرمانی پر ہی اڑے رہے۔

ان میں سے بیشتر لوگ نافرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم کو ان کی زیادہ تعداد یا مادی ساز و سامان کو دیکھ کر خوف نہیں کھانا چاہیے۔ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ یہ نافرمان تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے بشرطیکہ تم اپنے آپ کو صحیح معنوں میں خیر الامم ثابت کرو۔ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں۔ کہ زبان سے گالی دیں یا تمہیں بُرا بھلا کہیں یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں یہ تم پر غالب آسکتے ہیں۔ نہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ یقین رکھو کہ اگر لڑائی میں یہ لوگ تمہارے مقابلے پر آئیں تو پیٹھ دکھا کے بھاگ نکلیں گے، اور کسی طرف سے انہیں مدد نہیں پہنچے گی شکست کھا کر ذلیل و رسوا ہوں گے۔

قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ جہاں کہیں مقابلہ ہوا شکست کھا کر بھاگے۔ اور ہر موقع پر اللہ کی امداد مسلمانوں کے شامل حال رہی۔

اہل کتاب پر عتاب الہی

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةَ اَيْنَ مَا تَقِفُوا
 ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے اس کے

اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِّنَ
 سوائے عہد سے اللہ اور عہد سے

النَّاسِ وَبَاؤُ وَاغَضِبَ مِّنَ اللّٰهِ وَ
 لوگ اور انہوں نے کمایا غصہ سے اللہ اور

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ السَّكَنَةَ
 لازم کر دی گئی ان پر حاجت مندی

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةَ اَيْنَ مَا تَقِفُوا
 ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے اس کے

اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِّنَ
 کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد

النَّاسِ وَبَاؤُ وَاغَضِبَ مِّنَ اللّٰهِ وَ
 ہو اور انہوں نے اللہ کا غصہ کمایا اور لازم کر

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ السَّكَنَةَ
 دی گئی ان کے اوپر حاجت مندی

ضَرَبْتُ (ماری گئی) عربی کا یہ لفظ مارنے کے علاوہ چلنے، چسپاں کرنے، اور مستط کر دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کے اندر بھی مختلف مقامات پر ان تینوں معنوں میں آیا ہے۔ یہاں چسپاں اور مستط کر دینے کے آخری معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ذَلَّةٌ (ذلت) اردو میں بھی یہ لفظ انہیں خواری اور رسوائی کے معنوں میں عام استعمال ہوتا ہے۔ بعض ذلیل افراد و اقوام اپنے علم و دولت اور خود مختاری تھکے باوجود عزت و احترام سے محروم ہوتی ہیں۔ ذلت و رسوائی انہیں گھیرے ہوتی ہے۔

حَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ (اللہ کی رسی یا اللہ کا عہد) یعنی جب تک یہ لوگ اللہ کے قانون کو نہیں اپنائیں گے۔ اور اُس کی شریعت پر عمل پیرا نہ ہوں گے۔ ذلت ان سے دور نہ ہوگی۔ (مفصل تشریح سبق ۴۳۱ میں گزر چکی ہے۔)

حَبْلِ مِّنَ النَّاسِ (لوگوں کی رسی یا لوگوں کا عہد) دوسری شرط یہ قرار دی گئی ہے۔ کہ اگر یہ نہیں تو انسانوں کے ساتھ، عہد و پیمان میں داخل ہونا ہوگا۔ جب تک دوسری اقوام کی حمایت انہیں حاصل نہ ہوگی۔ خواری و رسوائی سے رہائی نہ پاسکیں گے۔

بَاؤُ وَاغَضِبَ مِّنَ اللّٰهِ (انہوں نے اللہ کا غصہ کمایا) یعنی وہ اپنی فلت کاروں اور بد اعمالیوں کے سبب اللہ کے غضب کی لپیٹ میں آگئے۔ قہر الہی ان پر مستط ہو گیا۔

السَّكَنَةُ (حاجت مندوں غربت اور مفلسی بھی اللہ کے غضب اور غصہ کی ایک صورت ہے۔ معاشی بد حالی اور اقتصادی خرابی بجائے خود کسی قوم کی ذلت کا بڑا سبب ہوا کرتی ہے۔)

عتابِ الہی کے اسباب

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
 اللَّهُ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ
 ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے
 اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے رہے
 یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل گئے

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
 اللَّهُ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ
 ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے
 اور قتل کرتے رہے
 یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی وہ تھے حد سے نکل گئے

اللہ تعالیٰ کی ایک م غضوب قوم یہود کا ذکر مسلسل ہو رہا ہے۔ آیت کے ابتدائی حصہ میں پہلے تو ان پر غضب الہی کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں بیان ہوئیں۔

(۱) وہ جہاں جائیں ان پر ذلت و خواری اور رسوائی مسلط رہے گی۔

(۲) وہ اللہ کے غضب کی لپیٹ میں آگئے۔ انہیں حکومت و خود مختاری اور آزادی نصیب نہ ہوگی۔

(۳) مسکنت اور غربت و افلاس ان پر غالب رہے گا۔

احکم الحاکمین اللہ کے اس عذاب سے بچنے کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) وہ اللہ کی رسی تقام لیں۔ مذہب و شریعت کی پیروی اختیار کر لیں اور اللہ کے بندے بن جائیں۔

(۲) وہ دوسرے افراد و اقوام سے عہد و پیمان کر لیں۔ اور ان کی حمایت میں آجائیں۔

آیت کے اس حصہ میں فرمایا کہ اس صورت حال کی وجوہات چار ہوئی ہیں۔

(۱) وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے۔ یعنی احکام خداوندی کو جھٹلاتے رہے۔ اور جو نشان اور معجزے آئے انہیں

بھی اس قوم نے نہ مانا۔

(۲) پیغمبر اور رسولوں کو انہوں نے ناحق قتل کیا۔ انبیاء کا قتل ہی کوئی معمولی جرم نہ تھا۔ مگر انہوں نے تو بلاوجہ اس

جرم کا ارتکاب کیا۔

(۳) انہوں نے عصیان و نافرمانی کو اپنا قومی شعار بنا لیا۔

(۴) عدوان انہوں نے اختیار کیا۔ یعنی انہوں نے حدود الہی کو توڑا۔ اور قوانین کی پابندی اختیار نہ کی۔

یہود کی قومی زندگی کے اس تجزیہ پر ان کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ خود نام نہاد ریاست اسرائیل کا قیام کلام اللہ کی

حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔

سب اہل کتاب برابر نہیں

لَيْسُوا سَوَاءً ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ
 وہ نہیں برابر سے اہل کتاب جماعت
 قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ
 سیدھی راہ پر وہ پڑھتے ہیں آیتیں اللہ رات کے وقت
 وَ هُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۳﴾
 اور وہ سجدے کرتے ہیں

لَيْسُوا سَوَاءً ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ
 سب اہل کتاب برابر نہیں ایک
 قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ
 جماعت سیدھی راہ پر ہے وہ اللہ کی آیات پڑھتے ہیں رات کے
 وَ هُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۳﴾
 وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں

گزشتہ اسباق میں اہل کتاب کی دینی حالت - دنیوی معاشی اور سیاسی حالات - اور اخروی انجام کا جائزہ لیا گیا ہے ان آیات کے ایک فقرہ سے مسلمانوں نے دھوکہ کھایا اور مدتوں شدید مغالطے میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”وہ اللہ کے غضب کی لپیٹ میں آگئے اور مغضوب ہو گئے مسلمانوں نے اس سے یہ مراد لی کہ یہودی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حکومت و بادشاہت سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ کبھی وہ حکومت کے مالک نہ ہو سکیں گے۔“

مئی ۱۹۴۹ء میں ارض مقدس فلسطین کے ایک چھوٹے سے قطعہ پر امریکہ برطانیہ اور روس کے سہارے سے سلطنت اسرائیل قائم ہو گئی اب مسلمانوں نے سوچا یہ کیسے ہو گیا۔ حالانکہ خود انہیں آیات میں اللہ کریم نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ وہ اس غضب - ذلت اور مسکنت سے دو صورتوں میں بچ سکیں گے۔ وہ اللہ کی رسی کو محکم لیں۔ یا لوگوں سے معاہدہ کر لیں۔ اور ان کی حمایت حاصل کر لیں۔ یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ نام نہاد سلطنت اسرائیل اگر قائم ہے۔ تو دوسری اسلام دشمن حکومتوں کے بل بوتے پر قائم ہے۔ یہودی میں اتنی سکت نہیں کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ اس آیت میں فرمایا کہ تم سب یہودیوں اور عیسائیوں کو یکساں نہ سمجھو۔ ان میں اللہ کے نیک بندے بھی ہیں۔ ان کی تین خصوصیات یہاں بیان ہوتی ہیں۔ باقی دوسری آیت میں بیان ہوں گی۔

(۱) وہ سیدھی راہ پر قائم ہیں۔

(۲) رات کی تاریکی اور خاموشی میں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتے ہیں۔ اس ذکر نیم شبی کے علاوہ۔

(۳) وہ سجدے بھی کرتے ہیں۔

اللہ والوں کی مزید خصوصیات

<p>يَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٣﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا بِهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾</p>	<p>ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور دن حکم کرتے ہیں اچھی بات اور منع کرتے ہیں سے بے کام اور دوڑتے ہیں میں نیک کام اور وہی نیک بخت ہیں اور وہ لوگ جو کچھ کریں گے نیک کام نہ ہوگی ناقدری اور اللہ باخبر پر ہیزگار</p>
--	--

اہل کتاب کے نیک طبقہ کی خصوصیات بیان ہو رہی ہیں۔ پہلی آیت میں ان کی تین نیکیوں کا ذکر ہوا تھا۔ یعنی وہ سیدھی راہ پر قائم ہیں آیات الہی کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور حضور خداوندی میں سجدے کرتے ہیں۔ اب ان کی بعض دوسری خوبیوں کا ذکر ہوتا ہے اللہ اور یوم آخر پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے تو دوڑ کر دوسروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں۔ نیز وہ دوسروں کو بھی سیدھی راہ پر لانا چاہتے ہیں۔ بلاشبہ یہودیوں میں سے بھی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے نیک بختی اور بدایت کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے۔ اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ یہودیوں میں طرح طرح کی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ وہ اپنی کتابوں میں آخری نبی کی بشارتیں پڑھنے کے باوجود انکار پر ڈٹے ہوئے تھے پھر بھی ان میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو ہٹ دھرمی اور بغض کو چھوڑ کر حق پہچاننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ایسی بارشیں ہوئیں اور دوسرے یہودی جو جھوٹا دنا قائم رکھنے کی خاطر دین حق کا انکار کرتے رہے۔ ان کا انجام انتہائی بُرا ہوا پس ظاہر ہوا کہ قبول حق کی توفیق اسے حاصل ہوتی ہے۔ جو ضد چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھے۔ رات کے وقت سجدے کرے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان لائے بڑے کاموں سے بچے اور نیک کاموں کی طرف پکے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس لیے جب یہودیوں کی برائیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو اس قسم کے پر ہیزگار متشنہ کر دیئے جاتے ہیں۔

اللہ کے مال بچاؤ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُغْنِي عَنْهُمْ
 أَمْوَالَهُمْ وَلَا أَوْلَادَهُمْ سِنًا - اللَّهُ
 ان کے مال اور نہ اولاد سے اللہ
 سِنًا - وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
 کچھ اور وہی رہنے والے آگ وہ
 فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۳۶﴾
 اس میں ہمیشہ رہیں گے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُغْنِي عَنْهُمْ
 أَمْوَالَهُمْ وَلَا أَوْلَادَهُمْ سِنًا - اللَّهُ
 اور نہ ان کی اولاد اللہ کے آگے کچھ
 شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
 کام آئے گی اور وہی لوگ دوزخ والے ہیں
 فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۳۶﴾
 وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

نیکو کاموں کا ذکر کرنے کے بعد کافروں کا بیان شروع کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ صرف ایمان ہی ایک ایسی شے ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں کام آئے گی۔ دنیا کی چیزیں مثلاً مال و دولت اور اولاد و خاندان انسان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ ان کی خاطر اپنی آخرت نہیں بگاڑنی چاہیے۔

یہ چیز پیلے بھی بیان کی جا چکی ہیں کہ انسان کے کفر و انکار کی طرف راغب ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مال و زر زمین و جائداد اور اولاد کے بھلاوے میں آجاتا ہے۔ وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ انہیں بہت زیادہ عزیز رکھتا ہے ان کی الفت میں آکر نیک و بد میں تمیز کرنا بھول جاتا ہے۔ وہ بسا اوقات دیانت داری سچائی عدل و انصاف اور نیکی کو قربان کرنے کے بیٹھے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مال و زر کے ڈھیر بیٹھے اور رشتہ دار ہر جگہ اس کے کام آئیں گے۔ اس کی ہر آفت کو ٹال دیں گے۔ نادان انسان یہ نہیں سمجھتا کہ یہ تمام چیزیں فانی ہیں۔ ان کی زندگی صرف چند روز کے لینے ہے۔ یہ سب بالکل ادنیٰ اور بے حقیقت چیزیں ہیں۔ اس کے کسی بھی کام نہ آئیں گی۔ اصل چیز ایمان کی دولت ہے۔ جو پاؤدار اور ابدی ہے۔ جس کے باعث انسان دنیا میں بھی عزت و وقار حاصل کرتا ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی اور کامیابی پاتا ہے۔

آج ہم اپنے ارد گرد بہت سے ایسے لوگ دیکھتے ہیں جنہیں اپنی دولت پر گھمنڈ ہے جو اپنی اولاد کی کثرت پر اترتے ہیں۔ اپنی جائداد اور کارخانوں پر فخر کرتے ہیں۔ اپنا دین ایمان انہی کو سمجھتے ہیں اور اس غرور میں آکر خدا اور رسول کو بھول جاتے ہیں۔ نیک اور سادہ لوح انسانوں پر ہلنتے ہیں ان لوگوں کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے جس کی آگ میں یہ ہمیشہ جلتے رہیں گے گویا انسان کی کامیابی و ناکامی اور آخرت کا عذاب و ثواب اعمال کے مطابق ہوگا۔ میزان عدل میں یہ اعمال تولے جائیں گے۔ نام اور خاندان کام نہ آئیں گے۔

کفار کا انفاق مال

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ
 مثال جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس زندگی
 الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ
 دنیا جیسی ہوا اس میں پالا جا لگی
 حَرَّتْ قَوْمًا ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكْتَهُمْ
 کھیتی قوم برا کیا اپنے حق میں پھر سے نابود کر گئی
 وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ
 اور نہیں ان پر ظلم کیا اللہ لیکن وہ اپنے اوپر
 يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۴﴾
 ظلم کرتے ہیں

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ
 اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسکی مثال ایسی
 الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ
 ہے جیسے ایک ہوا کہ اس میں پالا ہو اس قوم کی
 حَرَّتْ قَوْمًا ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكْتَهُمْ
 کھیتی قوم برا کیا اپنے حق میں برا کیا تھا پھر سے
 وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ
 نابود کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا وہ اپنے اوپر
 يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۴﴾
 ظلم کرتے ہیں

اس آیت میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ بھی مال و دولت دنیا میں خرچ کریں۔ آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ کیونکہ ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ہر عمل بے جان اور مردہ ہے۔

لہذا اس کی جزا بھی فنا ہو جانے والی ہوگی۔ اور اسی دنیا میں مل جانے گی۔ عمل کی دائمی حفاظت کرنے والی چیز ایمان ہے۔ اس کے بغیر عمل کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی نے ایک باغ لگایا۔ اور اس کو پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا چند روز اس کی سرسبزی اور شادابی دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ اور لمبی چوڑی امیدیں باندھتا رہا۔۔۔ لیکر ایک سرد ہوا چلی اور اس قدر پالا گرا کہ اس کا سارا اہلکار باغ اور کھیتیاں دیکھتے دیکھتے ٹھٹھ کر رہ گئیں۔ وہ شخص اپنی تباہی اور بربادی پر ہاتھ ملتا رہ گیا نہ اس کی کوئی امید پوری ہوئی۔ نہ وہ ضرورت کے وقت اس کی پیداوار سے کوئی فائدہ اٹھا سکا۔ یہ بربادی اس کے ظلم اور شرارت کی سزا تھی۔ اس لئے اس مصیبت پر اسے آخرت میں کوئی اجر نہ مل سکے گا۔

كَمَثَلِ رِيحٍ (ہوا کی مثال) کفار کے دان اور خیرات کرنے کو ایسی ہوا کے جھونکوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس میں پالا ہو۔ یعنی وہ ہوا مسرت اور شادابی کی جگہ تکلیف اور بربادی کا سبب ہوتی ہو۔ بظاہر انسان اس سے اچھی امیدیں باندھتا ہو لیکن حقیقت میں اس کا نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہو۔

اللہ کے منکر اپنے خیال کے مطابق نیکی کرتے ہیں اور نیک کاموں پر روپیہ صرف کرتے ہیں۔ دیکھنے والا بظاہر اس سے اچھے نتائج کی توقع کرتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ جب دنیا میں ایک سرکش اور باغی کی بڑی سے بڑی خدمات آج بے نیت کے جرم کی سزا سے نہیں بچا سکتیں تو احکم الحاکمین کے دربار میں منکرین حق کیسے سزا سے بچ سکتے ہیں۔

بیگانے راز دار

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً

اے ایمان والو کسی کو اپنا بھیدی نہ بناؤ اپنوں کے سوائے

مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا

وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے ان کی خوشی ہے

مَا عَنَيْتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ

کہ تم تکلیف میں رہو دشمنی نکلی پڑتی ہے ان کی

أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

زبان سے اور جو کچھ ان کے جی میں چھپا ہے وہ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ

اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے تمہیں پتے بتا دیے اگر تمہیں

تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

عقل ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً

اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی

مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا

سوائے اپنوں کے نہیں کمی کرتے خرابی انکی خوشی ہے

مَا عَنَيْتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ

تم تکلیف میں رہو ہے ظاہر ہوتی دشمنی سے

أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

ان کی زبان اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی زیادہ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ

ہے بتا دیے ہم نے تمہیں پتے اگر تمہیں ہو

تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

عقل

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں یہود اور منافقین دونوں جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے گروہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ کہ اسلام سے قبل جن مسلمانوں کے یہودیوں سے ہمسائیگی کی بنا پر دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ اسلام کے بعد بھی بدستور قائم رہے۔ ان کی دوستی پر اعتماد کر کے انہیں مسلمان بعض راز دارانہ مشورے بھی بتا دیتے تھے۔

منافقین کے بارے میں روایت یہ ہے کہ مسلمان عام طور پر انہیں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے اور اپنی خفیہ باتیں ان کو بتا دیتے۔ اس طرح ان سے سخت نقصان کا اندیشہ رہتا۔

مسلمانوں کو یہود اور منافقین کے اس شر سے بچانے کے لیے یہاں صاف صاف بتا دیا کہ مسلمان مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا راز دارانہ نہ بنائیں۔ کیونکہ یہودی ہوں یا عیسائی منافقین ہوں یا مشرکین۔ کوئی جماعت مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں بلکہ یہ لوگ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ دینی اور دنیاوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ ان کی خوشی اس میں ہے کہ۔ ایمان تکلیف اور مصیبت میں رہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے۔ وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ کبھی عداوت اور غصے کے جذبات سے مذاہب ہو کر ان کے منہ سے بھی ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی پس ایک دانش مند آدمی کو چاہیے۔ کہ ایسے بدظن دشمنوں کو اپنا راز دارانہ نہ بنائے۔

اہل کتاب کی دوستی

هَانَتْمْ أَوْلَاءَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ
 سن لو تم لوگ تم ان کے دوست ہو مالاکنہ نہیں وہ تمہارے دوست
 وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ
 اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور وہ جب تم سے
 قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا عَصَاكُمْ
 کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوں کاٹ کھاتے ہیں تم پر
 الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مَوْتُوا
 انگلیاں سے غصہ تو کہہ تم مرو
 بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ١١٩
 اپنے غصہ میں بیشک اللہ معلوم ہیں باتیں دل کی

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ تم تو اہل کتاب کی دوستی کا دم بھرتے ہو لیکن وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ
 وہ تمہاری بڑیوں کاٹنے والے دشمن ہیں تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر
 نازل ہوئی ہوں اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے۔ خود اپنی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں چاہتے
 تو یہ تھا۔ کہ وہ تم سے محبت کرتے اور تم ان سے بیزاری ظاہر کرتے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔
 جس طرح عام منافقین زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی "آمنّا"
 دہم مسلمان ہیں، کہہ کر یہ مطلب لینا شروع کر دیا کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں تسلیم کرتے ہیں اس لیے ہم بھی
 مسلمان ہیں اس پر وہ میں وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے رہے۔
 مسلمانوں کے ساتھ ان کا بغض اس بات سے ظاہر ہے۔ کہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی باہمی الفت دیکھ کر جلے
 مرتے ہیں جب کچھ کر نہیں سکتے۔ تو غیظ و غضب میں آ کر دانت پیتے اور اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی
 اس دشمنی سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اہل کتاب غصہ کھا کھا کرتے رہیں گے اور ان کی آرزو میں پوری نہ ہوں گی۔
 اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی خفیہ شرارتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے ہمیشہ
 بچتے رہیں۔

اہل کتاب کا حسد

اِنْ تَسْسِكُمْ حَسَنَةً تَنْوَهُمْ ذَوَانٍ
 اگر تمہیں بھلائی تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر
 تَصِبْكُمْ سَيِّئَةً يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا
 تمہیں پہنچے برائی تو خوش ہوں اس سے اور اگر تم صبر کرو
 وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ
 اور بچتے رہو نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے کچھ بیشک
 اللهُ بِمَا يَعْمَلُونَ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾
 اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں بس میں

مسلمانوں سے اہل کتاب کی دشمنی اس بات سے ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان لوگوں کو ایک آنکھ نہیں
 بھاتی مسلمانوں کا اتحاد، دشمنوں پر مسلمانوں کا غلبہ اور فلاح و کامرانی دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں پر کوئی مصیبت
 آجائے۔ تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اس قسم کی کمینہ قوم سے بھلا ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا امید ہو سکتی ہے؟
 اہل کتاب کا یہ رویہ اسلام کے صرف ابتدائی دور میں نہ تھا آج تک مسلمانوں سے ان کا سادک یہی ہے۔ یہ دوسری
 بات ہے کہ اپنی کسی مصلحت کی بنا پر کچھ وقت کے لیے وہ دشمنی سے باز آجائیں۔

اہل کتاب سے دوستی رکھنے کی ممانعت پر بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرنے کا امکان تھا کہ جب وہ ان سے دوستانہ
 تعلقات نہ رکھیں گے۔ تو وہ شاید ان کے خلاف اور سازشیں کریں گے اور پہلے سے بڑھ چڑھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش
 کریں گے۔ اس خدشے کے سدباب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ڈرو نہیں صبر و استقلال رکھو۔ ان کا کوئی داؤ اور کوئی سازش
 اور کوئی تدبیر تم پر کارگر نہ ہوگی وہ جو فریب کاریاں کرتے ہیں۔ سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، وہ بڑی قدرت و طاقت والا ہے۔ ان کو
 نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف رکھیں اس کی قدرت اور طاقت پر بھروسہ
 رکھیں اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ باہمی اتحاد و یگانگت میں کوئی کسر اٹھانے رکھیں اور ذاتی طور پر بھی راست بازی
 پر جسے رہیں انہیں کافر و معاندین اور یہود و نصاریٰ کی سازشوں اور مخالفتوں کا کوئی ڈر نہ ہوگا۔ آج بھی جب کہ کفار و منکرین مسلمانوں
 کے لیے خطرے کا باعث بنے ہوئے ہیں اور ہر طرف سے ان پر گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ازسیر نو
 صبر و استقامت اختیار کریں اللہ کا خوف دل میں رکھیں اور عزم صمیم سے اللہ کی راہ میں کٹ مرنے کا ارادہ کر لیں تو
 کوئی وجہ نہیں کہ ان کی تمام دشمن طاقتیں دیکھتے دیکھتے بے بس نہ ہو جائیں۔

غزوة اُحد — میدان جنگ کا منصوبہ

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ
 اور جب صبح کو نکلا سے اپنے گھر بٹھایا
 الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ
 مومنوں کو ٹھکانے جنگ کے لیے اور اللہ
 سَبِّحَ عَلَيْهِ (۱۲۱)
 سننے والا جاننے والا ہے

اس آیت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی تیاریوں، گھر سے میدان جنگ کی طرف روانگی۔ اور میدان جنگ میں صف بندی کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صبح سویرے راہِ حق میں جہاد کے لیے گھر سے روانہ ہوئے۔ اہل ایمان کی صف بندی کی۔ انہیں مناسب مورچوں پر بٹھایا اور میدان جنگ کا نقشہ درست فرمایا۔ یہاں اشارہ غزوة اُحد کی طرف ہے۔ اور اس کے بعد مسلسل طور پر اس غزوة اُحد کے حالات و واقعات مذکور ہونگے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سبق میں مختصر طور پر اس غزوة کے حالات بیان کر دیئے جائیں تاکہ بار بار دہرانے کی ضرورت نہ رہے۔

شوال ۳ء میں قریش مکہ تین ہزار منتخب بہادروں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ ایک سال پہلے وہ بدر کے میدان میں شکست کھا چکے تھے۔ اس لیے اس مرتبہ بہت تیاریوں سے آئے۔ حضور اکرم نے صحابہ سے مشورہ کیا بڑے بوڑھوں کی رائے تھی کہ شہر کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ نوجوانوں نے کہا یہ کمزوری کی نشانی ہے۔ ہمیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ ہم ہر طرح سے سردھڑ کی بازی لگائیں گے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ گھر سے زرہ پہن کر باہر نکلے اور مسلمانوں کے ساتھ شہر سے باہر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کی کل تعداد ایک ہزار تھی۔ عبداللہ بن ابی اپنے تین سو منافق ساتھیوں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ آیا کہ جب ہماری بات نہیں مانی تو ہم ساتھ نہ دیں گے۔ حضور نے جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر کو سونپا زبیر بن عوام کو رسالہ پر مقرر فرمایا جو مسلمان زرہ پوش نہ تھے انہیں حضرت امیر حمزہ کی کمان میں رکھا۔ پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن زبیر کی زیر نگرانی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا اور حکم دیا کہ اس دہ کو کسی صورت میں نہ چھوڑیں۔ ان تیاریوں کے ساتھ حق و باطل کا یہ معرکہ شروع ہوا۔

غزوة احد — جنگ کا نقشہ

إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا

جب ارادہ کیا دو فرقوں تم میں سے کہ نامردی کریں

وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اور اللہ ان کا مددگار اور پر اللہ چاہیے کہ بھروسہ کریں

الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۱﴾

مومن

إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا

جب تم میں سے دو فرقوں نے ارادہ کیا کہ نامردی کریں

وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اور اللہ ان کا مددگار تھا اور (چاہیے کہ) اللہ ہی پر مومن

الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۱﴾

بھروسہ کریں

طَّائِفَتٌ (دو گروہ) ان دو جماعتوں سے مراد بنو عارضہ اور بنو سلمہ دو قبیلوں کے وہ افراد مراد ہیں جو غزوة احد کے موقع پر دل برداشتہ اور شکستہ خاطر ہو گئے تھے۔

گزشتہ سبق میں میدان جنگ کا منصوبہ بیان ہو چکا ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ تین ہزار قریشی بہادروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کل تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ ان میں سے بھی تین سو دھوکہ باز منافق اپنے سردار عبداللہ بن ابی کے ہمراہ راستہ سے ہی واپس لوٹ گئے۔ یہ دیکھ کر کمزور دل لوگوں کو فکر لاحق ہونا غیر معمولی بات نہ تھی۔ بنو عارضہ اور بنو سلمہ کے لوگ گھبرا گئے۔ کہ اب کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حوصلہ مندی اور جرأت کے جذبات ابھارے اور قلت و کثرت کا تصور ہی دل سے نکال دیا۔

مسلمان اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس قوت سے بڑھے کہ کفار کے حوصلے ختم ہو گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مجاہدین اسلام نے انہیں گرفتار کرنا اور سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر دہہ پر متعین چچاس تیر انداز بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ اپنے امیر کے سمجھانے پر بھی انھوں نے حضرت رسول خدا کے فرمان کو یاد نہ رکھا۔

خالد بن ولید ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ کفار کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔ دہہ خالی دیکھ کر بھاگتے ہوئے کافروں کی مدد سے خالد نے اس طرف سے حملہ کر کے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ مسلمان گھبرا گئے انہوں نے جانی نقصان اٹھایا۔ خود حضور اکرمؐ زخمی ہو گئے۔ صفیں دوبارہ جمیں، ایک بار پھر مجاہدین سر بکف بڑھے اور انہوں نے قریشی بہادروں کو مار بھگایا۔ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ میدان جنگ میں افراد کی کمی بیشی نہیں۔ بلکہ مجاہدوں کا صبر و استقلال اور اللہ کی فتح و نصرت کام آتی ہے۔

بدر کی جیت

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ
اور مدد کر چکا ہے اللہ بد میں حالانکہ تم
أَذِلَّةٌ فَأْتَفَوْا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾
کمزور تھے سو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار رہو

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ
اور مدد کر چکا ہے اللہ بد میں حالانکہ تم
أَذِلَّةٌ فَأْتَفَوْا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾
کمزور تھے سو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار رہو

بیدار :- اسلام اور کفر کے درمیان یہ سب سے پہلا معرکہ ۱۲ رمضان ۶۱۰ ہجری کو ہوا۔ بدر کے میدان میں مٹھی بھر مسلمانوں نے ایسی شاندار کامیابی حاصل کی کہ کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور کفار کو پہلی بار مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (تم کمزور تھے) اس وقت جو ان بڑھے اور چھوٹے بڑے ملا کر لڑنے کے قابل مسلمانوں کی کل تعداد صرف ۲۱۳ تھی۔ سب کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے۔ اس پوری فوج میں صرف ستر اڈنٹ اور ۲ گھوڑے تھے بعض کی تلواریں شکستہ اور نیزے ٹوٹے ہوئے تھے۔ چند ایک تو کھجور کے ڈنڈوں سے ہی جہاد کرنے چل پڑے تھے۔

اسلام کے مجاہدین میں ایسے نوعمر بھی شریک تھے جو اپنے قد اور عمر کے اعتبار سے جنگ کے قابل نہ تھے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ میدان جنگ میں نہ جائیں۔ لیکن اُن کا اشتیاق دیکھ کر حضور اہانت دینے پر مجبور ہو گئے۔

غزوہ بدر مسلمانوں کی جرات اور حوصلہ کا ایک بہت بڑا امتحان تھا۔ ایک ہزار قریشی اوجھل اور اوجھیلان جیسے تجربہ کار سپہ سالاروں کی زیر نگرانی مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ان میں بیشتر سوار تھے۔ تین سو زره پوش تھے۔ ہر طرح کا جنگی ساز و سامان انہیں میسر تھا۔

اپنی طاقت کے نشہ میں چور ایک ہزار قریش کا یہ لشکر تین سو تیرہ مسلمانوں سے ٹکرایا۔ مگر پہلے ہی تہ میں یہ حجم غفیر پسا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اُن کے نثر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔ جو کمزور تھے وہ غالب ہوئے اور طاقتور بُری طرح ذلیل ہوئے۔

اُحد کے زخم خوردہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرنے اور دنیا کے تمام کمزور مسلمانوں کی دلداری کے لیے یہ آیت اپنے اندر بہت بڑا سبق رکھتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ابتدائی بے بسی کے زمانہ میں اس طرح حق کو فتح دے سکتا ہے۔ تو آج کے کروڑوں مسلمان کیوں شکستہ خاطر ہوں۔ انہیں اللہ پر بھروسہ کر کے پوری قوت اسلام کی سر بلندی میں لگا دینی چاہیے۔

فرشتوں کی مدد

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ

جب تو کہنے لگا مسلمان کیا نہیں تمہیں کافی کہ

يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

تمہاری مدد تمہارا رب تین ہزار سے فرشتے

مَنْزِلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا

اترنے والے البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو

وَيَأْتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمِدُّكُمْ

اور وہ آپہنچے سے اسی دم تو مد بھیجے

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

تمہارا رب پانچ ہزار سے فرشتے

مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾

نشان دار گھوڑے

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ

جب تو مسلمانوں کو کہنے لگا کیا تمہیں کافی نہیں کہ

يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

تمہاری مدد کو تمہارا رب تین ہزار فرشتے (آسمانوں سے)

مَنْزِلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا

بھیجے اترنے والے البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو

وَيَأْتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمِدُّكُمْ

اور وہ تم پر اسی دم آئیں تو تمہارا رب

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیجے نشان دار

مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾

گھوڑوں پر

علماء کا قول ہے کہ یہاں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے جبکہ کافروں کی کثیر تعداد دیکھ کر مسلمان گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے ایسا فرمایا کہ کیا کافروں کے مقابلے میں تمہارے لیے اللہ کے فرشتوں کی مدد کافی نہ ہوگی جو آسمان سے اسی کام کے لیے اتارے گئے ہوں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم نے صبر و استقلال کا ثبوت دیا تقویٰ اختیار کیا اور تم نافرمانی سے بچتے رہے اور کافروں کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کی بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیے جائیں گے۔ جو خاص نشان دار گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔

معرکہ میں کافروں کی تعداد ایک ہزار تھی اس لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورہ انفال میں مذکور ہے۔ جب مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو ان کے خوف کو دور کرنے کے لیے فرشتوں کی تعداد سہ گنا کر دی گئی کیونکہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے سہ گنا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم صبر و تقویٰ سے کام لو گے۔ ثبات قدمی اور استقلال دکھاؤ گے۔ اور دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو گے۔ تو تمہاری امداد کے لیے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اتار دیئے جائیں گے اگر کافروں کو کہیں سے اور مدد بھی مل جائے تو تمہیں تشویش نہ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ کوز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی مسلمانوں کو کفار پر عظیم الشان فتح نصیب ہوئی بیشتر کفار مارے گئے بہت سے قید ہوئے اور باقی جو رہے۔ ذلیل و رسوا ہو کر واپس لوٹے بدر کا یہ معرکہ حق و باطل میں بین، فرق کا سبب ہوا۔ اور مسلمانوں کے تابناک ماضی کی تاریخ کا ایک سنہری درق بنا۔

غیبی امداد کا مقصود

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ

اور یہ تو اللہ نے تمہاری خوشی کے لیے کیا اور

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ

اس لیے کہ تمہارے دلوں کو تسکین ہو اور مدد صرف

إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۳۶﴾

اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والا ہے

لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ

تاکہ ہلاک کر دے بعض کافروں کو یا انہیں ذلیل

يَكْتَبُكُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۳۷﴾

کر دے تو محروم ہو کر پھر جائیں

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ

اور نہیں کی اللہ مگر خوشی تمہارے لیے

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ

اور تاکہ تسکین ہو تمہارے دل اس سے اور نہیں مدد

إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۳۶﴾

مگر سے طرف اللہ زبردست حکمت والا

لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ

تاکہ ہلاک کر دے بعض سے لوگ کافر یا

يَكْتَبُكُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۳۷﴾

انہیں ذلیل کر دے تو پھر جاویں محروم ہو کر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی صورت میں مدد اس لیے پہنچی اور تمام غیبی سامان اس لیے مہیا کیے گئے کہ مسلمانوں کے دلوں سے تشویش اور خوف دور ہو جائے اور انہیں سکون و اطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مرد ایسی چیزوں کی محتاج نہیں نہ اسباب کی پابند ہے۔ وہ چاہے۔ تو محض اپنی زبردست قوت سے کام لے کر تمام کام بنا دے یا جنگ کے بغیر ہی کفار کو ذلیل و رسوا کر دے۔ فرشتے جو امداد پہنچاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مرضی سے ہی پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے۔ وہ بڑی حکمت والا ہے۔ اور اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ کس قسم کے اسباب سے کام لینا مناسب ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ نتائج و واقعات خاص اسباب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ کھانا کھانے سے بھوک مٹ جاتی ہے۔ حرکت قلب بند ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے یہ قانون اس قدر عالمگیر حیثیت کا حامل ہے۔ کہ اس پر یقین کرنا انسان کے ایمان کا جزو بن چکا ہے۔ اور جب اور جہاں کوئی نتیجہ رونما ہوتا ہے۔ انسان اس کا سبب دریافت کرنے لگتا ہے اسی طرح اگر اسے کسی خاص قسم کا نتیجہ یا خاص قسم کے حالات پیدا کرنے مطلوب ہوں۔ تو وہ ان کے لیے ضروری اسباب عمل میں لاتا ہے۔ اسی طرح یہ اس کا ایمان ہو چکا ہے کہ اسباب کے بغیر کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اس قانون کے پیچھے ایک بہت زبردست اور پر حکمت قوت کام کر رہی ہے۔ اسباب و نتائج کے تعلق کے پیچھے اللہ کا ہاتھ ہے ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنا ہمارے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو نتیجہ ظاہری اسباب کے بغیر ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ جنگ بدر میں بھی فرشتوں کی امداد کا وعدہ یاد دلاتا ہے۔ کہ ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر بھروسہ کریں۔

اللہ کا اختیار

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ

نہیں تیرا سے اختیار کچھ خواہ توبہ قبول کرے

عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾

انہیں خواہ عذاب کرے انہیں کہ وہ ناحق پر ہیں

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور اللہ کا جو کچھ میں آسمان اور جو کچھ میں زمین

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ

بخش دے جسے چاہے اور عذاب دے جسے چاہے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ

تیرا اختیار کچھ نہیں اللہ تعالیٰ خواہ ان کی توبہ قبول کرے

عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾

خواہ انہیں عذاب دے کہ وہ ناحق پر ہیں

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ

ہے وہ جسے چاہے بخش دے اور عذاب دے جسے چاہے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اُحد کی لڑائی میں ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر حضرت حمزہ کے جسم مبارک کی بے حرمتی کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ پر چوٹ آئی سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت شہید ہو گیا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں پیشانی زخمی ہوئی۔ اور بدن مبارک لہو لہان ہو گیا۔ آپ کا پاؤں لٹکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ کافروں نے مشہور کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مارے گئے۔ مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور لوگ بدحواس ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کو ہوش آیا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکلا کہ وہ قوم کیوں کر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا۔ جو ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا۔

مشرکین کے ان وحشیانہ مظالم کو دیکھ کر ان میں سے چند ظالم لوگوں کے حق میں آپ نے بددعا کا ارادہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا۔ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرنے والے تھے۔ چند روز کے بعد سب کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قدموں پر لاڈالا۔ اور اسلام کا جانا باز سپاہی بنا دیا۔

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بندہ کونہ کوئی اختیار ہے۔ نہ کامل علم ہے۔ اگرچہ کافر مسلمانوں پر ظلم ڈھار ہے ہیں۔ لیکن یہ اللہ کی مرضی ہے چاہے ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے۔ تمام زمین و آسمان کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے ایمان کی توفیق دے کر بخش دے۔ اور جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفت غفاری اور رحیمی تمام دیگر صفات پر حاوی ہے۔ وہ کسی کو تکلیف میں ڈالنا اور سزا دینا نہیں چاہتا۔ جب تک کوئی بد عملی اور نافرمانی کی آخری حد کو نہ پہنچ جائے۔

سُود کی ممانعت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا
 اے لوگ ایمان نہ کھاؤ سُود
 يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا
 اے ایمان والو سود نہ کھاؤ ددنے
 أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
 ددنے پر دونا اور ڈر اللہ تاکہ تمہارا
 أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
 ددنے پر دونا اور ڈر اللہ تاکہ تمہارا
 تَقْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾
 تھلا ہو
 تَقْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾
 تھلا ہو

غزوہ بدر اور احد کا ذکر کرتے کرتے اب سُود کا بیان آ گیا ہے۔ بظاہر ان دونوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ لیکن ان کی مناسبت کی گئی ایک وجوہات ہیں۔

اول تو یہ کہ سود کھانے سے بے مروتی اور قلبی کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک تو حرام مال کھانے سے اطاعت اور تابعداری کی طاقت نہیں رہتی اور دوسرے سود لینے سے انسان میں سُجھل اور کنجوسی پیدا ہو جاتی ہے۔

دوم :- ایک روایت کے مطابق ان دونوں آیات کا یکے بعد دیگرے آنے کا سبب یہ ہے کہ اس وقت یہودیوں سے مسلمانوں کے اکثر سودی معاملات ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے ان سے تعلقات توڑنا بہت مشکل تھا اور احد کے واقعہ میں یہودی منافقوں کا بہت دخل تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ سودی لین دین چھوڑ دو ورنہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ ان دھوکہ بازوں سے تعلقات قائم رہیں گے۔ جو آئندہ نقصان کا موجب بنیں گے۔

أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً (ددنے پر دونا) سے مراد یہ نہیں ہے کہ سود چند در چند تو نہ لو بلکہ مقصود اے لیا کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں سود اس طرح لیا جاتا تھا۔ جیسے آج کل کے بنیے لینے میں یعنی سو روپے دیے اور سو روپے بڑھانے چلے گئے سود کا یہ خاصہ ہے کہ جو غریب ہے وہ غریب تر اور جو امیر ہے وہ امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے اس آیت میں سود کے اسی دگنے چوگنے ہونے کی طرف اشارہ ہے ایک سو دو غریبوں اور مفلسوں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے ہوئے ان سے روپیہ حاصل کرتا ہے وہ ذہنی اور جسمانی کسی قسم کی محنت نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے قرض دیے ہوئے روپے کی کمائی کھاتا ہے۔ اس طرح خود اس کے اعضاء ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ قرض کی محنت کو بے اثر بنا دیتا ہے۔ اُس کی مشقت کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ مقروض اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سود کی شکل میں اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ پچارہ مقروض معاشی سماجی اور اخلاقی لحاظ سے ذلت میں جا گرتا ہے۔ اور قرض دینے والا آنام پسند بسمت اور کابل بن جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے ایثار و قربانی کرنے اور اللہ کی مخلوق سے ہمدردی کرنے کا جذبہ اس کے اندر سے بالکل مٹ جاتا ہے۔ وہ آرام کرتا ہے۔ دوسرے محنت کرتے ہیں دوسرے کماتے ہیں وہ کھاتا ہے غریبوں کی غربت بڑھتی ہے اور اُس کی امارت اور تو نگری میں اضافہ ہوتا ہے۔

سود خوروں کی سزا

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾

اور بچو آگ وہ جو نپار ہوئی کافروں کے لیے

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

اور مانو اللہ اور رسول تاکہ تم پر رحم ہو

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ

تمہارا رب اور جنت اس کا عرض آسمان اور

الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾

زمین تیار ہے پرہیزگاروں کے لیے

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے واسطے تیار ہوئی

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

اور اللہ کا اور رسول کا حکم مانو تاکہ تم پر

رحم ہو اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دو

رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ

جس کا عرض آسمان اور زمین ہے اور پرہیزگاروں

الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾

کے لیے تیار ہے

سود خوراری کی ممانعت کے بعد سود خوار کی سزا بیان کی گئی کہ اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جو حقیقت میں کافروں کے لیے ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ایک سود خوار بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسے ہی مجرم بن کر قیامت کے روز پیش ہوگا جیسے ایک منکر اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ سود کی لعنت سے بچیں۔ اور تقویٰ کی زندگی بسر کریں۔

اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ جو ان پر رحمت کا باعث بنتی ہے۔ رسول کا حکم ماننا ہی اصل میں خدا ہی کا حکم ماننا ہے۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ پیغمبر کا حکم مانو اور اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔ جنگ اُمد میں بعض مسلمانوں نے حضرت رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اس سے ان کی فتح خطرے میں پڑ گئی اس لیے تشبیہ کی جاتی ہے کہ آئندہ ایسی کوتاہی اور غلطی نہ کرتا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے ہی اللہ کی رحمت نازل ہوگی۔ اور فلاح و کامیابی کے دروازے کھل جائیں گے۔

تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی طرف دوڑو جن کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں اور جن کے باعث تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کے مستحق بنو گے۔ اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو گے تو اس جہان فانی سے کوچ کر جانے کے بعد تمہارا آخری ٹھکانہ جنت ہوگا جنت اتنی وسیع ہے جتنا آسمان و زمین انسان کے تصور میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ وسعت نہیں آسکتی اس لیے جنت کی وسعت سمجھانے کے لیے جنت کو اسی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سود خوار اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انسانوں کے انجام میں فرق ظاہر کر دیا گیا ہے کہ ایک دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلتا ہے۔ دوسرا دنیا میں بھی عزت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور آخرت میں بھی جنت کے حسین باغوں کا حقدار ہوتا ہے۔

مُتَّقِينَ كِي صِفَات

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ
جو خرچ کرتے ہیں میں خوشی اور تکلیف

وَالْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ
اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں سے لوگ

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَالَّذِينَ إِذَا
اور اللہ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والے اور جو لوگ جب

فَعَلُوا فَاٰحِثَّةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا
کریں کھلا گناہ یا ظلم کریں اپنے حق میں یاد کریں

اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ مِّنْ
اللہ بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون

يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ فَذَكَرُوْا
بخشنے والا گناہ سوائے اللہ اور نہیں اڑتے

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
پر جو وہ کریں اور وہ جانتے ہیں

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ
جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کیے جاتے ہیں اور

وَالْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ
غصہ دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَالَّذِينَ إِذَا
اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ لوگ جب

فَعَلُوا فَاٰحِثَّةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا
کچھ کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق میں ظلم کریں تو اللہ کو یاد

اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ مِّنْ
کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے

يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ فَذَكَرُوْا
سوا گناہ بخشنے والا کون ہے اور وہ اپنے

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
کیے پر اڑتے نہیں اور وہ جانتے ہیں

السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (خوشی اور تکلیف) یہاں متقین کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ رنج و راحت اور امیری و غربی دونوں صورتوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق ہر صورت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

الْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ (غصہ کو دبا لیتے ہیں) ناگوار واقعہ پر دل میں رنج پیدا ہونا۔ اور ناخوشگوار میں غصہ کا آجانا ایک فطری بات ہے۔ لیکن نیک لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں جاوے جا غیظ و غضب کا اظہار نہیں کرتے اور غصہ سے مغلوب ہو کر ناخوشگوار باتیں نہیں کرتے۔

الْعَافِينَ (معاف کرنے والے) "عفو" اس کا مادہ ہے۔ اس کے معنی ہیں درگزر کرنا۔ یعنی کسی کی غلطی اور کوتاہی کو نظر انداز کر دینا یہ نیک انسان کی خوبیوں میں سے بہت بڑی خوبی ہے۔

فَاٰحِثَّةً (کھلا گناہ) فحش سے نکلا ہے۔ یعنی ایسی خرابی اور گناہ جو ڈھکا چھپا نہ ہو۔ لَمْ يُصِرُّوْا اِرْطٰتے نہیں ہا صرّاد اس کا مصدر ہے یعنی اپنی غلطی پر اڑنا اور اسے تسلیم نہ کرنا۔ جس شخص میں خرابی پیدا ہو

جائے اس کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔

متیقین کی خصوصیات اور اجر

أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ
 اور انہیں جو ان کا بخشش سے ان کا اجر
 وَجَنَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 اور باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں
 خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۱۶۱﴾
 ہمیشہ رہیں گے ان میں اور اچھا اجر کام کرنے والے

أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ
 انہیں جو ان کے بخشش سے ان کا اجر
 وَجَنَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
 اور باغات بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں
 خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۱۶۱﴾
 وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ایک کام کرنے والوں کا کتنا اچھا اجر ہے

اس سے پہلی آیات میں متیقین کی مندرجہ ذیل خصوصیات بیان ہوئی ہیں۔

- (۱) خوشی ہو یا غمی وہ اللہ کی راہ میں بہر حال اپنا مال اور اپنی قوت خرچ کرتے ہیں۔ تنگدستی میں بھی اپنا ہاتھ نہیں روکتے۔
 - (۲) وہ عفت کو پی جاتے ہیں۔ غصہ سے مغلوب ہو کر ناخوشگوار حرکات نہیں کرتے۔ اور نازیبا جملے منہ سے نہیں نکالتے۔
 - (۳) وہ خطا کار لوگوں کی خطاؤں کو ممانعت کر دیتے ہیں۔ عفو و کرم ان کا خاصہ ہوتا ہے۔
 - (۴) احسان کرنا ان کی فطرت میں داخل ہوتا ہے۔ نیکی کرنے والوں کو یقیناً اللہ دوست رکھتا ہے۔
 - (۵) اگر ان سے نادانستہ کوئی برائی سرزد ہو جائے یا کوئی خرابی کر بیٹھیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور اس سے مغفرت و بخشش چاہتے ہیں۔
 - (۶) غلطی سے یا انجان پن سے کوئی غلطی یا زیادتی ہو جائے تو اس پر اصرار نہیں کرتے جو نہی اس کا احساس ہو جائے اور ان کے علم میں آجائے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لیتے ہیں۔
- یہ وہ خصوصیات ہیں جن سے انسان میں خدا خونی۔ نیکو کاری اور پرہیزگاری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو متقی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے بڑے عمدہ اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔
- ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان لوگوں کے لیے ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ اللہ کریم ایسے لوگوں کی خطاؤں کو چھپا لیتا ہے۔ ان سے درگزر فرماتا ہے۔ اور اپنے عفو و کرم سے نوازتا ہے۔
- آخرت میں ان کے لیے ہمیشگی کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ان ہی لوگوں کو حاصل ہوں گی۔ نیک عمل کرنے والوں کے لیے ان کے رب کی طرف سے کتنا اچھا اجر ہے۔ کاش انسان اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا کر اس کے سامنے پیش ہو۔

درس عبرت

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي
 الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 الْأُولَىٰ ۗ وَانظُرُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفَ فِيهَا
 وَكُنُوا مِنَ الْمُتَذَكِّرِينَ ۗ (۱۳۸)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي
 الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 الْأُولَىٰ ۗ وَانظُرُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفَ فِيهَا
 وَكُنُوا مِنَ الْمُتَذَكِّرِينَ ۗ (۱۳۸)

ہدایت اور نصیحت ڈرنے والوں کے لیے

ہدایت اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

ان آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آچکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قانون بھی واضح کر دیا گیا ہے۔ گزشتہ امتوں میں سے جن لوگوں نے انبیاء علیہ السلام کی دشمنی اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی خدا اور رسول کی تصدیق و فرمانبرداری سے منہ موڑا، بدکاری اور زیادتی کرتے رہے۔ ان کا کیسا برا انجام ہوا؟ اور جن لوگوں نے حق کا ساتھ دیا رسولوں کی تائید کی ان پر کیسی کیسی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئیں؟ اگر تم لوگوں کو اس میں کسی قسم کا شک شبہ ہو تو زمین میں چل پھر کر منکرین حق کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔

گزشتہ حالات و نتائج سے مسلمانوں کو بھی سبق حاصل ہوتا ہے۔ انہیں کفار کی سختیوں اور اذیتوں یا اپنی عارضی شکست دیکھ کر بالوس نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ انجام کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور مسلمانوں کو ہی فتح نصیب ہوگی بہت جلد گروہ کے گروہ اسلام کی آغوش میں پناہ لیں گے۔ زمانہ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ فتح حق کی ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں یہ مضامین بیان کیے جا رہے ہیں۔ جن کو سن کر خدا سے ڈرنے والے ہدایت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جن کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو انہیں ایسی نصیحتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

قرآن مجید کی حیثیت عالمگیر ہدایت کی ہے۔ یہ ہر زمانے میں ہر قوم کو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔ اس میں مذکورہ واقعات آج بھی سیدھی راہ دکھاتے ہیں جس پر چل کر اہل علم کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں ان آیات میں قرآن مجید کی تین خصوصیات کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۱) لوگوں کے لیے پیغام ہے۔ (۲) نوع انسانی کے لیے سامان ہدایت ہے۔ (۳) پرہیزگاروں کے لیے درس عبرت اور سامان نصیحت ہے ایسی کتاب کو جھٹلانے والے نامراد ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

مسلمانوں کا غلبہ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا ۚ وَأَنْتُمْ
 اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے
 الْأَعْلُونَ ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مَوْمِنِينَ ﴿۱۴۹﴾
 اگر تم ایمان رکھتے ہو

لَا تَهِنُوا (سست نہ ہو) دھن اس کا مادہ ہے جس کے معنی سستی اور اضمحلال کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ شکستہ خاطر اور افسردہ طبیعت نہ ہو۔ پورے یقین کے ساتھ راہ حق پر گامزن رہو۔

لَا تَحْزَنُوا (غم نہ کھاؤ) 'حزن' اس کا مادہ ہے لفظ حزن (غمگین) بھی اس سے ہے۔ 'حزن' خاص طور پر ماضی کی کوتاہیوں اور خرابیوں کے بارے میں ہوا کرتا ہے۔

الْأَعْلُونَ (غالب) 'علو' اس کا مادہ ہے۔ عالی۔ اعلیٰ۔ علیا وغیرہ الفاظ اسی لفظ سے نکلے ہیں۔

اعْلُونَ (میں ہر قسم کا غلبہ مادی ہو یا روحانی مراد ہوتا ہے۔ سیاق و سباق پر نظر رکھتے ہوئے یہاں مادی غلبہ مقصود ہے۔

یہ آیت بھی جنگ اُحد کے حالات کے ضمن میں نازل ہوئی۔ جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چورچوہدری پر تھے کئی بہادریوں اور جوانوں کی لاشیں اُن کے سامنے پڑی تھیں، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تھے اور ظاہری طور پر مسلمانوں کی کمزوری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام اُمید نازل فرمایا۔ اے مسلمانو! سختیوں سے گھبرا کر تم نا اُمید نہ ہو جانا۔ دشمنان دین کے مظالم کے مقابلے میں کمزوری نہ دکھانا آخری فتح تمہاری ہی ہے اور انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و یقین پر قائم رہے اور اللہ کے وعدوں پر پورا یقین رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتے ہوئے جہاد میں ڈٹ گئے۔

اس خوشخبری سے مسلمانوں کے ٹوٹے ہوئے دل بندھ گئے۔ مجاہدین کے بازوؤں میں نئی طاقت امدان کے ارادوں میں استقلال پیدا ہو گیا کفار جو مسلمانوں پر چھا رہے تھے۔ اور بڑھ بڑھ کے حملے کر رہے تھے۔ مجاہدین اسلام کے اس نئے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور اس طرح پسپا ہوئے کہ انہیں بھاگتے ہی بنی۔

اس آیت سے ایک نہایت پر حکمت بات نکلتی ہے۔ یعنی یہ کہ دشمنان حق پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سب ضروری شرط ایمان کی ہے۔ خواہ مسلمانوں کی تعداد قلیل ہو۔ سامان حرب تھوڑا ہی ہو۔ تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی امداد سے کفار پر غالب آسکتے ہیں بشرطیکہ اللہ پر ان کا ایمان مضبوط و مستحکم ہو۔ پھر فتح و سر بلندی خود بخود چلی آتی ہے۔ مومن و کافر میں سب سے بڑا فرق یہ ہے۔ کہ مومن کو سب سے زیادہ عزیز ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کی محبت ہے وہ ہر شے قربان کر کے اعلانِ شہادت کے لیے جہاد کرتا ہے۔ اس کے برعکس کافر کو ہر چیز سے زیادہ اپنی جان عزیز ہوتی ہے۔ اسے جہاں جان کا خوف پیدا ہوا۔ وہ بھاگ نکلا۔ لیکن ایک مومن جان کی بازی لگا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرکھاتا ہے۔ لہذا اس کے آگے کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ آج بھی اس جوش ایمانی کی ضرورت ہے۔

گردشِ ایام

ان یسسکم قرح فقد مس القوم ان یسسکم قرح فقد مس القوم
 اگر تمہیں زخم پہنچا تو پہنچ چکا ہے قوم اگر تمہیں زخم پہنچا تو انہیں بھی ایسا ہی زخم
 قرح مثلہ ویتک الایام نداولہا قرح مثلہ ویتک الایام نداولہا
 زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں
 بین الناس بین الناس
 لوگ میں

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس سے وہ سخت پریشان تھے۔ پھر انہیں منافقوں اور دشمنوں کے طعنوں سے مزید اذیت پہنچتی تھی۔
 قرح (زخم) زخم سے مراد وہ عظیم جانی اور مالی نقصان ہے جو غزوہٴ اُحد میں اپنی غلطی سے مسلمانوں کو اٹھانا پڑا۔ ان کے کئی بہادر کام آئے اور زخمی ہوئے۔
 آیام (دن) "یوم" اس کا واحد ہے عربی میں لفظ یوم کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آن یعنی لمحہ۔ ایک دن اور غیر معین عرصہ۔ یہاں ایام سے مراد گردشِ لیل و نہار اور دن رات کا چکر ہے۔ جیسے ہم اردو میں کہا کرتے ہیں۔ زمانہ سدا یکساں نہیں رہتا۔ یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تمہیں زخم پہنچا ہے یا تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی ہے تو کوئی بات نہیں اس طرح کے حادثات کافروں کو بھی پیش آچکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُحد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے۔ لیکن ایک سال پہلے جنگِ بدر میں کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار جہنم میں پہنچے تھے اور بیشتر زخمی ہوئے اس کے علاوہ خود اُحد کی لڑائی میں پہلے پہل ان کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہو گئے تھے۔ پھر جنگِ بدر میں ان کے ستر آدمی قید ہوئے تھے۔ انہوں نے بہت سخت ذلت اٹھانی تھی۔ لیکن تمہارے ایک فرد کو بھی یہ ذلت نہیں دکھنی پڑی بہر حال اگر تم اپنے اور ان کے نقصان کا موازنہ کر دو تو غم و افسوس کی گنجائش باقی نہیں۔

یہ بات ضرور درست ہے کہ ہم سختی و زمی یا دکھ سکھ اور تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ پھر جب کافروں نے دکھ اٹھا کر کفر کی حمایت نہیں چھوڑی، تو صاحبِ ایمان حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کو کچھ دن کے لیے اللہ کی راہ میں دکھ اور تکلیف برداشت کرنی پڑیں تو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ مصیبت عارضی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دکھ اور سکھ کے دن افراد و اقوام میں بدلتا رہتا ہے۔

آزمائش اور امتحان

وَلْيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ
اور اس لیے کہ اللہ معلوم کرے کون ایمان لائے اور بنا سکے
مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾
تم میں سے گواہ اور اللہ نہیں درست رکھتا ظالم
وَلْيُمَخِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ
اور اس واسطے کہ پاک کرے اللہ جو لوگ ایمان لائے اور
يَسْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿۴۱﴾
مٹا دے کافر

يَسْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿۴۱﴾

اور کافروں کو مٹا دے

اللہ تعالیٰ دکھ اور کھڑکے کے دن مختلف اقوام میں اس غرض سے بدلتا رہتا ہے۔ کہ وہ دیکھ لے کہ سچے ایماندار کون ہیں۔ اور منافق کون ہیں۔ مومن تکلیف اور مصیبت کے دنوں میں بھی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے۔ صبر و استقلال سے کام لیتا ہے اور ایمان و یقین پر ثابت قدم رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے نصرت و امداد کا طلب گار رہتا ہے اس کے برعکس کافر اور منافق دکھ اور تکلیف کے دنوں میں سخت پریشان ہو جاتے ہیں وہ جان بچانے کی خاطر اور ذاتی فائدے حاصل کرنے کے لیے باطل کی حمایت میں تیز تر ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ ظالموں سے کبھی محبت نہیں کرتا۔ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ جنگ اُعد میں مشرکین کو جو عارضی کامیابی ملی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے دوسرے اسباب ہیں۔ مسلمانوں پر عارضی مصائب اور تکالیف کا در آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک صاف کرے اور کافروں کو گھینٹنا بود کر دے۔ فتح اور شکست ایک بدلتی ہوئی چیز ہے۔ مسلمانوں کو شہادت کا مقام عطا فرماتا تھا۔ مومن اور منافق کا پرکھنا مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کرنا، اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا مقصود تھا۔

آج بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر دکھوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور غیر مسلم اقوام خوشحالی اور ترقی کے راستے پر گامزن ہیں تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے تو وہ لوگ اچھے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ ہم سے وہ خفا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی غرض صرف یہ ہوتی ہے۔ کہ مسلمان پہلے سے زیادہ اللہ کے حضور عاجز و اکسار کا اظہار کریں اپنے انہوں سے توبہ کریں۔ اور اصلاح احوال کے۔ ایسے کو شمش کریں تاکہ کفار و معاندین اللہ تعالیٰ کے قہر اور غضب کا نشانہ بنیں۔

مختصر یہ کہ آزمائش اور امتحان سے مقصود چار ہیں (۱) اللہ معلوم کرے صاحب ایمان کون ہیں۔ اور کون لوگوں کا ایمان پختہ ہے (۲) کون کون اپنے ایمان کی شہادت پیش کرتے ہیں (۳) مومنوں کو پاک صاف کر لیا جائے (۴) کفار اور دشمنان دین کو مٹا دیا جائے۔

جنت کے داخلہ کی شرط

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ
 کیا تمہیں خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت اور نہیں
 يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَ
 معلوم اللہ وہ لوگ جو لڑنے والے ہیں تم میں اور
 يَعْلَمُ الصَّابِرِينَ ۱۳۲ ﴿۱۳۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
 معلوم ثابت رہنے والے اور تم کرتے تھے آرزو
 الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ
 موت سے پہلے کہ تم اُسے ملو تو اب تم نے
 رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۱۳۳ ﴿۱۳۳﴾
 اسے دیکھ لیا اور تم نے آنکھوں کے سامنے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ
 کیا تمہیں خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک
 يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَ
 اللہ نے معلوم نہیں کیا تم میں جو لڑنے والے ہیں اور معلوم نہیں
 يَعْلَمُ الصَّابِرِينَ ۱۳۲ ﴿۱۳۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
 کیا جو ثابت رہنے والے ہیں اور تم مرنے کی آرزو کرتے
 الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ
 تھے اس کی ملاقات سے پہلے۔ سو اب تم نے
 رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۱۳۳ ﴿۱۳۳﴾
 اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا

۱۳۲

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر پہنچانا چاہتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچو گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے کر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے اس کی راہ میں لڑنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ یاد رکھو بلند مقامات پر صرف وہ لوگ پہنچائے جاتے ہیں جو اللہ کی راہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔

جنگ بدر میں جو صحابہ شریک نہیں ہو سکے تھے۔ وہ یہ آرزوئیں کیا کرتے تھے۔ کہ اللہ پھر کوئی موقعہ لائے کہ ہم بھی خدا کی راہ میں شہادت کا مرتبہ حاصل کریں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ جس چیز کی تم پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہارے سامنے آچکی ہے یعنی تم اللہ کی راہ میں شوق شہادت سے لڑنا چاہتے تھے اس وقت باطل کی طاقتیں تمہارے سامنے ہیں اب آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا کیسا ہ تمہیں تو چاہیے۔ کہ دل کے ارمان پورے کر لو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ کی تمنا کبھی نہ کرو، البتہ جب یہ موقع آجائے کہ دشمن مقابلہ پر ہو تو پھر ثابت قدم رہ کر ڈٹ کر مقابلہ کرو۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ بھلائی کا انجام حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ امتحان یہ یاد دیتا ہے کہ کون شخص اس جنت کا اہل ہے۔ کون اُس کا وارث بننے کا حق رکھتا ہے۔ چنانچہ جنت حاصل کرنے کے لیے مسلمان کو طرح طرح کے مصائب اور آذیتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ لہذا ہمت ہارنے کی بجائے صبر و استقلال دکھانا چاہیے۔

حضرت محمد رسول خدا ہیں

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
اور نہیں محمد مگر ایک رسول ہو چکے
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ
سے اس سے پہلے رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا
قُتِلَ - انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
مارا گیا تم پھر جاؤ گے اوپر اٹھے پاؤں
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
اور محمد تو ایک رسول ہے اس سے پہلے بہت
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ
رسول ہو چکے پھر گیا اگر وہ مر گیا یا
قُتِلَ - انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
مارا گیا تو تم اٹھے پاؤں پھر جاؤ گے۔

پہلی قوموں نے اپنے ہادی مصلح اور رسولوں کو یا تو خدا بنا دیا یا اس کا بیٹا اور انہیں انسانیت سے بلند سمجھ بیٹھے۔ اسلام نے اپنے کلمہ شہادت میں رسول کا صحیح مقام عبدا ورسولہ (اللہ کا بندہ اور رسول) کہہ کر متعین کیا۔ مندرجہ بالا آیات میں اسلام کے اس بنیادی اصول کو پیش کرنے کے بعد غزوہ اُحد کے ایک اہم واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو ہم قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اُحد کے میدان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود جنگ کا نقشہ تیار کیا تمام صفیں ترتیب دینے کے بعد آپ نے دیکھا کہ سپاہ کا ایک درہ باقی رہ گیا ہے۔ جس کے پیچھے کی طرف سے دشمنوں کا لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ آپ نے اس درے پر سپاہ تیر اندازوں کو کھڑا کر دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا سردار مقرر کیا تاکہ یہ بھی فرمائی "تم اپنی جگہ مت چھوڑنا اور اسی جگہ کھڑے رہنا حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ پندے فوج کا گوشت نوح کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا" حضور نے فرمایا جب تک تم اپنی جگہ پر قائم رہو گے۔ ہم اس وقت تک دشمنوں پر غالب رہیں گے۔"

جنگ شروع ہو گئی گھسان کارن پڑا، اسلام کے غازی بڑھ بڑھ کر شجاعت و جوانمردی کے جوہر دکھا رہے تھے ابو جحانہ حضرت علی اور دوسرے مجاہدین کی بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کو بھاگ کھڑے ہونے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، کافروں کو شکست ہوئی وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے مسلمان سپاہیوں نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

یہ نظر جب ان تیر اندازوں نے دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو فتح مل چکی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا بالکل بے کار اور غیر ضروری ہے۔ ہمیں چل کر دشمن کا پیچھا کرنا چاہیے اور غنیمت میں اپنا حصہ لینا چاہیے ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک انہیں یاد دلایا۔ لیکن تیر انداز سمجھے کہ رسول اللہ کے ارشاد کا انشاہم پورا کر چکے ہیں۔ سب مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے صرف عبداللہ بن جبیر اور ان کے دس ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ باقی تفصیل اور اس آیت کی تشریح اگلے سبق میں ملاحظہ کریں۔

رسول خدا کی رحلت

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ
 اور جو پھرتے ہو اٹھے پاؤں ہرگز نہ بگاڑے گا
 اللَّهُ نَبِيًّا وَيَسْجُزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۶﴾
 اللہ نبی بنا دے گا اور اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا۔

تیر اندازوں کا وہاں سے ہٹنا تھا کہ مشرکین کا ایک رسالہ جن کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی پلٹ کر درہ کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ مٹی بھر میں تیر انداز ڈھائی سو سواروں کو تو نہ روک سکے تاہم عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے لڑتے لڑتے وہیں جان دے دی اب مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور اس زور کا مقابلہ کیا کہ الامان الحفیظ بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اس اثنا میں ایک مشرک نے نبی کریم پر پتھر پھینکا جس سے آپ کا ایک دانت شہید ہو گیا اور چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ حضور زخم کی شدت سے زمین پر گر پڑے اور کسی نے یہ افواہ اڑادی کہ آپ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے حواس اڑ گئے۔ اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بعض مسلمانوں نے ہتھیار گرا دیئے۔ بعض کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار سے امن حاصل کر لیں منافقین کہنے لگے کہ جب محمد قتل کر دیئے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنا تہم مذہب اختیار کر لینا چاہیئے۔

اس نازک گھڑی میں حضرت انس بن النفر نے کہا کہ اگر محمد مارے گئے تو محمد کا رب تو زندہ ہے۔ حضور کے بعد ہم لوگوں کا اندھ رہنا کس کام کا ہے۔ جس چیز پر آپ قتل ہوئے ہم بھی اسی پر کٹ مریں گے۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ اسی اثنا میں حضور نے آواز دی اللہ کے بندو ادھر آؤ۔ آواز کا سنا تھا کہ مسلمان ادھر پھر سٹنا شروع ہو گئے تین صحابہ نے آپ کے قریب ہو کر مدافعت کی، اور مشرکین کی فوج کو بھگا دیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ محمد خدا نہیں، رسواں ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، ہمیشہ انبیاء کے بعد ان کی پیروی کرنے والا ہونے والا ہے۔ اس لیے آپ کا بھی اس دنیا سے گزرنے کا کچھ اچنبھے کی بات نہیں اگر آپ خدا یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم دین کی خدمت اور حفاظت کے راستے سے اٹھے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جس کی نے ایسا کیا وہ اپنا جان نفعان رے گا۔ خدا کا پھر نہیں بگاڑے گا۔ تم اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں ایسے دین کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ ہم پر لازم ہے۔ کہ اس آیت سے سبق حاصل کر لیں اور رسول کریم کی عدم موجودگی میں ان کے دین پر ثابت قدم رہیں آپ ہیں خزانہ نبی اللہ کے طور پر دیئے گئے ہیں جس کی حیثیت ابدی اور دائمی چشمہ بہا بیت کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے ہمیں چاہیئے کہ آپ کے نقش قدم پر چلیں اور کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ اسلام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

حضرات انبیاء اور ان کے ساتھی

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ
 اور بہت سے نبی ہیں جن کے ساتھ بہت خدا کے طالب ہو کر پڑے
 كَثِيرًا فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ
 ہیں اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے سے وہ سست نہیں ہوئے
 اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
 اللہ نہ اُترے کمزور ہوئے اور نہ ڈب گئے اور
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۳۶﴾
 اللہ ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ
 اور بہت سے نبی پڑے لکے ساتھ خدا کے طالب
 كَثِيرًا فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ
 بہت پر نہ سست ہوئے کچھ تکلیف پہنچنے میں راستہ
 اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا
 اللہ اور نہ کمزور ہوئے اور نہ ڈب گئے
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۳۶﴾
 اور اللہ دوست رکھتا ہے ثابت قدم رہنے والوں کو

پہلی دو آیات سے یہ مضمون شروع ہے کہ نبی اور رسول دنیا میں آئے اور چلے گئے اسی طرح حضرت رسول اکرم صلعم ایک مقررہ عرصہ کے لئے مبعوث ہوئے ہیں لیکن حضور کا دین قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب ہمیشہ دنیا کی اقوام و اہل ارض کے لئے ہدایت کا سرچشمہ رہے گی۔ لہذا حضور کے رحلت فرما جانے سے دین کے معاملہ میں سستی اور کمزوری دکھانا عقل و دانش کے خلاف ہوگا۔ جن لوگوں نے احد کے میدان میں حضور کی شہادت کی غلط خبر سن کر بددلی ظاہر کی انہوں نے بُرا کیا۔ دین اللہ کے ہے اور اللہ ہی وقیوم ہے۔ اس کی ذات کو فنا نہیں۔

اسی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اس آیت میں حضرت انبیاء کرام علیہ السلام اور ان کے نیک دل ساتھیوں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ آنحضرت کی امت ان سے سبق حاصل کرے۔
 ریبیون (اللہ کے طالب) یہ لفظ "مرب" سے ہے جو اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے ریبیون کے معنی ہیں رب سے نسبت اور تعلق رکھنے والے اس کے طالب اور عاشق یہودی علماء کو لوگ ربی کہتے تھے جس کی جمع ریبیون ہے۔
 ارشاد ہوتا ہے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ خدا کے طالب اور نیک بندے انبیاء کے ساتھ ہو کر اللہ کے دشمنوں سے لڑے۔ جنگ میں اچھے بڑے ہر طرح کے وقت آتے ہیں۔ کبھی ہار ہوتی ہے کبھی جیت ہوتی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے پائے استقلال کبھی نہ ڈگمگائے ان کی بہت دھات نے کبھی جواب نہ دیا۔ انہیں ہزار تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو وہ سست پڑے نہ انہوں نے کمزوری دکھائی نہ دشمنوں کے مقابلہ میں وہ دبے۔ ایسے ہی ثابت قدم اور مستقل مزاج لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ مسلمانوں کو پورے دل سے محبوب بننے کے لئے اپنے اندر یہی صفات پیدا کرنی ہوں گی۔

اللہ والوں کی دعا

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ - إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا

اور نہ وہ بولے مگر یہی کہ کہا سے ہمارے رب

اغْفِرْ لَنَا - ذُنُوبَنَا وَاسْرَافْنَا فِي أَمْرِنَا - وَ

ہمیں بخش ہمارے گناہ اور ہم سے زیادتی ہوئی میں ہمارا کام اور

ثَبَّتْ أقدامَنَا - وَانصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۳۷﴾

ثابت رکھ ہمارے قدم اور ہمیں مدد دے اور قوم کفار

فَاتَّهَمُوا اللَّهَ - ثَوَابَ اللَّهِ تَوَابًا حَسَنًا

پھر وہی انہیں اللہ ثواب دینا اور اچھا ثواب

الْآخِرَةَ - وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۸﴾

آخرت اور اللہ محبت کرتا ہے نیک کام کرنے والے

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا

اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہ اے ہمارے رب

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَافْنَا فِي أَمْرِنَا وَ

ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں جو زیادتی ہوئی معاف کرنا

ثَبَّتْ أقدامَنَا وَانصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کفار پر مدد دے

فَاتَّهَمُوا اللَّهَ تَوَابًا حَسَنًا

پھر اللہ نے انہیں دنیا کا ثواب اور آخرت کا اچھا ثواب

الْآخِرَةَ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۸﴾

دیا اور اللہ نیک کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

انبیاء کے ساتھ راہِ حق میں ان کا اتھدہ دینے والے اللہ والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ وہ تن من دھن لگانے سے گریز نہیں کرتے۔ سستی نہیں دکھاتے۔ کمزور نہیں پڑتے۔ وجتے نہیں۔ ثابت قدم رہتے ہیں۔ اس پر بھی وہ فخر و غرور نہیں کرتے۔ اللہ کے سامنے عاجز و نیاز مندی کا سر جھکائے رکھتے ہیں۔ جس انداز میں انہوں نے مولیٰ کریم سے دعا کی وہ خود ان کی نیک نفسی کا بڑا ثبوت ہے۔

انہوں نے بڑی عاجزی اور خلوص دل سے درخواست کی۔ اے ہمارے رب!

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا (ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کر۔ اپنی رحمت کے پردے ہماری لغزشوں اور خطاؤں پر ڈال دے۔ ہماری کمزوریوں سے درگزر فرما اور ہمیں معاف فرما دے۔

اسْوَافْنَا فِي أَمْرِنَا - ہمارے کام میں ہم سے جو زیادتی ہوئی ہو۔ اس پر بھی پردہ ڈال دے اور اُسے معاف فرما دے۔

ثَبَّتْ أقدامَنَا - ہمیں ثابت قدمی عطا کر، کسی مشکل اور آڑے وقت میں ہمارے قدم نہ ڈگک جائیں۔

وَانصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (ہمیں کافروں کی قوم پر کامیابی عطا فرما) جو تیرے ماننے والے نہیں تیرے نبی کے مخالف اور تیرے دین کے دشمن ہیں۔ ان پر ہمیں غلبہ عطا کر۔

دعا کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے ایسے بندوں کو دنیا اور آخرت میں بدلہ دیا۔ اور آخرت کے بدلہ کے کیا کہنے۔ اللہ نیک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

کافروں کا کہنا نہ مانو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ

اے! لوگو! ایمان والے اگر کہا مانو گے لوگ

كَفَرُوا يردُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

کافر تو تمہیں پھیر دینگے اوپر اٹے پاؤں

فَتَنقَلِبُوا خِسِرِينَ ﴿١٣٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ

پھر جاؤ گے نقصان بخشنے والا بلکہ اللہ تمہارا پروردگار

وَهُوَ خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ الْمُنِيرِ ﴿١٤٠﴾

اور وہ سب سے بہتر مددگار

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ

اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے

كَفَرُوا يردُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

تو وہ تمہیں اٹے پاؤں پھیر دیں گے

فَتَنقَلِبُوا خِسِرِينَ ﴿١٣٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ

پھر تم نقصان میں جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا مددگار

وَهُوَ خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ الْمُنِيرِ ﴿١٤٠﴾

ہے اور سب سے بہتر مددگار ہے۔

اُحد کی لڑائی میں تیر اندازوں کی وجہ سے عارضی شکست کھانے کے سبب مسلمان کچھ بددل ہو گئے تھے کافروں اور منافقوں نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر الزامات اور طعنوں کی بوجھاڑ شروع کر دی کہ دیکھو اگر تم سچے ہوتے تو تمہارے اتنے مجاہد ساتھی مارے نہ جاتے۔ تم لوگ اپنے پیغمبر کی پوری پوری اطاعت نہیں کرتے۔ بلکہ مال غنیمت اور دنیاوی دولت کی خاطر نبی کے ساتھ لگ گئے ہو۔

بعض منافقین خیر خواہی کے پردہ میں مسلمانوں کو سمجھانے لگے کہ کفار سے لڑنا دشمنی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے ہاتھوں تمہیں سخت خسارہ پہنچتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم آئندہ اس قسم کی دلیری نہ کرو۔ ہو سکتا تھا کہ مسلمان ان چال بازیوں اور فریب کاریوں کے باعث اسلام سے بددل ہو جاتے یا اپنی شکست کو نعوذ باللہ اسلام کی شکست سمجھتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ دشمنوں کا فریب نہ کھاؤ وہ تمہاری عارضی شکست سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تمہیں دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں گے اگر تم ان کے حکموں میں آ جاؤ گے۔ تو کفر کے جن اندھیروں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے۔ دوبارہ ان میں جا کر دو گے۔ جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں۔

اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی یعنی یہ کہ تکالیف و مصائب کے پیش نظر دین سے نہ پھر جاؤ، صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ دو، بلکہ پوری طاقت سے اللہ کی راہ میں ڈٹے رہو۔ اس آیت میں مسلمانوں کو بد باطن شریوں کا کہنا ماننے سے منع فرمایا گیا ہے تاکہ مسلمان ہوشیار رہیں اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکیں۔ کفار و منافقین کا کہنا ماننے کی بجائے مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کی مدد کے طلب گار رہیں۔ کیونکہ وہی سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ لہذا اسی کا کہنا ماننا چاہیے۔ اور اس کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ جسے خدا کی مدد حاصل ہو اسے دشمنانِ خدا کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔

اسلام کا رعب

سَنَلِقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
 ابہم ڈالینگے میں دل لوگ کافر بیبت

بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ
 اس لیے کہ شریک ٹھہرایا اللہ جس کی نہیں اتاری اس کی

سُلْطَانًا وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ
 سند اور ان کا ٹھکانہ دوزخ اور برا

مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۱﴾
 ٹھکانہ ظالم

سَنَلِقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
 ابہم کافروں کے دل میں بیبت ڈال دیں گے

بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ
 اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس کی اس نے

سُلْطَانًا وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ
 کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں

مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۱﴾
 کا وہ برا ٹھکانہ ہے

جنگ اُحد میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا اور جس پریشانی کا انہیں منہ دیکھنا پڑا وہ ان کے لیے ایک امتحان تھا انہیں بتایا گیا کہ تم اُس وقت تک جنت کے مستحق نہیں بن سکتے جب تک تم ضروری آزمائشوں سے نہ گزر لو اور اللہ تعالیٰ یہ معلوم نہ کر لے کہ تم میں کون اُس پر کامل ایمان رکھتا ہے اور اُس کی راہ میں جان کی بازی لگاتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کافروں کے دلوں میں تمہاری ایسی بیبت اور رعب ڈال دیں گے کہ تمہارے زخمی اور کمزور ہونے کے باوجود تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لشکرِ کفار کا سپہ سالار ابو سفیان اپنی فوج لے کر میدان سے بھاگ نکلا راستہ میں اُسے ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تنگی ماندی زخم خوردہ فوج کو ہم یونہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے۔ چلو پھرو پس آکر ان کا کام تمام کر دیں۔ لیکن اس کے دل میں حق کی بیبت اور اسلام کا رعب اس قدر پڑ چکا تھا کہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی اُسے ہمت نہ ہوئی اس کے برخلاف مسلمان مجاہدین نے اُس کا "حسواع الاسد" تک پھپھایا اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ اُحد جیسا واقعہ پیش آئے۔

سچ تو یہ ہے کہ مشرک خواہ کتنا ہی زور لگائیں۔ اُن کا دل کمزور ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرتے ہیں انسان میں اصل زور اللہ تعالیٰ کی امداد سے آتا ہے۔ جس سے کفار اور مشرک محروم ہیں جب تک مسلمان صحیح مسلمان رہے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب جما رہا۔ بلکہ آج بھی مسلمانوں کے تنزل کے باوجود دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی ہیں۔ اب ضرورت صرف اس امر کی ہے۔ کہ مسلمان اپنے ایمان کی طاقتوں کو مضبوط بنائیں اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد طلب کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی کریں۔ اور اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو نئے سرے سے حاصل کریں۔ سَنَلِقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ اس کا مادہ ہے اور الفاظ مصدر ہے جس کے معنی ہیں۔ ڈال دینا خصوصاً دل میں کسی بات کا ڈالنا جانا "س" کے معنی عنقریب اور جلد۔ سلطانا کوئی سند سلطان ہمارے ہاں بادشاہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں سند اور دلیل بھی لفظ آتا ہے۔

مسلمانوں کی آزمائش

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسُرُونَمْ
اور اللہ تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر چکا جب تم انہیں خدا
بِأَذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَتِلْتُمْ وَتَنَارَعْتُمْ فِي
کے حکم سے قتل کر لے گئے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام
الرَّامِرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرْسَلَكُمْ
میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ تمہیں تہمدی خوشی کی چیز
مَا تَحِبُّونَ مِّنْكُمْ مِّنْ يُّرِيدُ الدُّنْيَا وَ
دکھا چکا . تم میں سے کوئی دنیا چاہتا تھا اور کوئی
مِّنْكُمْ مَّنْ يُّرِيدُ الْآخِرَةَ تَوَّصَّرَفَكُمْ
تم میں سے آخرت چاہتا تھا۔ پھر تمہیں ان پر سے الٹ دیا تاکہ تمہیں
عَنْكُمْ لِيُنَبِّئَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَ
آزمائے اور وہ تمہیں معاف کر چکا اور ایمان والوں
اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۲﴾
پر اللہ کا فضل ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسُرُونَمْ
اور کر چکا تھا اللہ اپنا وعدہ جسبہ تم قتل کرنے کے
بِأَذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَتِلْتُمْ وَتَنَارَعْتُمْ فِي
اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور جھگڑا ڈالا میں
الرَّامِرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرْسَلَكُمْ
کام اور تم نے نافرمانی کی سے بعد جو کچھ تمہیں دکھا چکا
مَا تَحِبُّونَ مِّنْكُمْ مِّنْ يُّرِيدُ الدُّنْيَا وَ
جو تم چاہتے ہو تم میں سے جو چاہتا تھا دنیا اور
مِّنْكُمْ مَّنْ يُّرِيدُ الْآخِرَةَ تَوَّصَّرَفَكُمْ
تم میں سے جو کوئی چاہتا تھا آخرت پھر تمہیں الٹ دیا۔
عَنْكُمْ لِيُنَبِّئَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَ
ان سے تاکہ تمہیں آزماتے اور کر چکا معاف تمہیں اور
اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۲﴾
اللہ والا فضل ہے ایمان والے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے میدان میں جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں سے فرما دیا تھا۔ کہ اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لو گے تو تمہیں کافروں پر فتح وغلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ جنگ کے شروع میں سچا کر دکھایا مسلمانوں نے اللہ کے حکم سے کفار کے کشتوں کے پتھے لگا دیے مشرک بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں کو اپنی فتح و کامرانی نظر آ گئی تو وہ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ اس اثناء میں تیر اندازوں نے رسول اللہ کی نافرمانی کر کے فاش غلطی کی جس سے خالد بن ولید نے فائدہ اٹھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ تیر انداز آپس میں جھگڑنے لگے کسی نے کہا ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہیے اور کسی نے کہا اب یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چل کر مالِ غنیمت اکٹھا کرنا چاہیے آخر ان کی کثیر تعداد اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف چل گئی۔ مشرکین نے اسی فتنہ سے دفعہ حملہ کر دیا۔ دوسری طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی خبر مشہور ہو گئی ان تمام چیزوں سے مسلمانوں کے دل میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں یہ نامردی پیدا ہوئی۔ بعض لوگ دنیاوی مال و متاع کی خوشی میں پھسل پڑے جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ اور کفار جو بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور خود مسلمان بھاگنے لگے۔ اس غلطی اور کوتاہی سے معاملہ الٹ گیا۔ اس میں بھی مسلمانوں کی آزمائش تھی تاکہ پکے اور کچے مسلمانوں میں فرق ظاہر ہو جائے۔

رسول کی نافرمانی کا نتیجہ

اِذْ تَصْعَدُونَ - وَلَا تَلُونِ عَلَيَّ - أَحَدًا

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور نہ دیکھتے تھے پیچھے پھر پھر کر اور کسی کو

وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَابِكُمْ

اور رسول تمہیں پکارتا تھا میں تمہارے پیچھے سے

فَأَنَابَكُمْ غَمًّا بِغَمِّمٍ لِّكَيْلًا تَخْزَنُونَ عَلَى

پھر تمہیں پہنچا غم غم کے عوض تاکہ غم نہ کرو اور

مَا فَاتَكُمْ - وَلَا مَا أَصَابَكُمْ - وَاللَّهُ

جو ہاتھ سے نکل جائے اور نہ جو کچھ پیش آجائے اور اللہ

خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۱﴾

خبردار ہے ساتھ جو تم کرتے ہو

اِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونِ عَلَيَّ أَحَدًا

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے

وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَابِكُمْ

اور رسول تمہیں پیچھے سے پکارتا تھا پھر

فَأَنَابَكُمْ غَمًّا بِغَمِّمٍ لِّكَيْلًا تَخْزَنُونَ عَلَى

تمہیں غم پہنچا غم کے عوض میں تاکہ تم اس پر غم نہ کرو۔ جو

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ

ہاتھ سے نکل جاتے اور نہ اس پر جو کچھ پیش آجائے اور اللہ

خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۱﴾

تمہارے کام کی خبر ہے

اِذْ تَصْعَدُونَ (جب تم چڑھے جاتے تھے) یہ لفظ صعود سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اُپر کو چڑھنا۔ یہاں اس سے غزوہ احد کے ایک خاص منظر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ وہ موقع تھا جب جنگ احد میں تیر اندازوں کی غلطی سے فائدہ اٹھا کر مشرکین مکہ نے نئے سرے سے حملہ کیا اور مسلمان بھاگ کر پہاڑوں پر چلے جا رہے تھے وہ اس افراتفری اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اس وقت بھی حضرت رسول اکرمؐ بدستور اپنی جگہ پر کھڑے مسلمانوں کو اس بزدلی اور بھاگ دوڑ سے روک رہے تھے اور اپنی طرف بلا رہے تھے۔ امیر حرب کعب بن مالک چلائے تو انہوں نے سنا اور واپس لوٹ کر حضرت رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے۔ غَمًّا بِغَمِّمٍ (غم کے عوض غم) یا دوسرے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں "غم پر غم" اس مجملے میں اس حالت کی طرف اشارہ ہے جب کہ فتح کے بعد شکست کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ مسلمانوں کو ایک تو ابتدائی فتح و کامیابی کے چلے جانے کا غم تھا۔ دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے کا افسوس تھا اور تیسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی غلط خبر کے مشہور ہو جانے سے انہیں غم پہنچا۔ پھر غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے سے بھی انہیں مثبت نقصان برداشت کرنا پڑا اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا انہیں کچھ ہوش نہ رہا حتیٰ کہ انہوں نے ابتدا میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی نہ سنی۔ اللہ تعالیٰ نینوں کو جانتا ہے۔ اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ تیر اندازوں کا ارادہ حکم حدودی کا نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنے زعم میں یہ سمجھتے تھے کہ تم نے رسول اللہ کے فرمان کا مقصد پورا کر دیا ہے۔ اب جبکہ فتح حاصل ہو چکی ہے۔ ہمیں مالِ غنیمت حاصل کرنا چاہیے۔ گویا انہوں نے یہ غلطی دانستہ نہیں کی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ
 پھر تم پر تنگی کے بعد اس کو اتارا
 آمِنَةً نُعَاسًا يَغُشِّي طَائِفَةً مِنْكُمْ
 کہ اونگھ نے تم میں سے بعض کو ڈھانک لیا

اس آیت میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر ہے۔ یعنی جن لوگوں کے حصہ میں شہادت کی سعادت تھی وہ شہید ہو گئے۔ جن کو چلے جانا تھا۔ وہ جاچکے اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے غنودگی کی کیفیت طاری کر دی۔ لوگ کھڑے اونگھنے لگے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری یہ اس باطنی سکون اور اطمینان کا ظاہری اثر تھا جو ایسے ہنگامہ خیز وقت میں بھی مسلمانوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وارد ہوا۔ اس کیفیت کے بعد ان کے دل سے دشمنوں کا تمام خوف و ہراس ختم ہو گیا۔ غنودگی کی یہ حالت عین اس وقت پیش آئی جب غازیان اسلام زخموں سے چور ہو رہے تھے۔ حضور کے قتل کی افواہ نے ان کے ہوش و حواس گم کر دیئے تھے۔

يَغُشِّي (ڈھانپ لیا) غشی سے یہ لفظ بنا ہے۔ غشاوہ اسی سے ہے جس کے معنی پردہ کے ہیں۔ یہاں ڈھانپ لینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اونگھ کی لپیٹ میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر غنودگی کی کیفیت طاری کر کے ان کی ساری تھکان اور تھکاوٹ دور کر دی اور آگاہ فرمادیا کہ خوف و ہراس اور پریشانی کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ اب تم بالکل امن میں ہو پورے اطمینان سے اپنا فرض انجام دو۔

صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے گرد جمع ہو گئے اور لڑائی کے لیے عافہ قائم کر لیا۔ انہوں نے جلد ہی دیکھ لیا کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر (اونگھ) کا طاری ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و ظفر کی علامت ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اُس نے تنگی آجانے کے بعد امن دیا شکست کے آثار ظاہر ہونے کے بعد فتح دی مغلوب ہو جانے کے امکانات کو دور کر دیا۔ اور مسلمانوں کی تھکن کو دور کر کے انہیں تازہ دم کر دیا تاکہ وہ نئی روح حاصل کر کے دشمنانِ حق کو کچل سکیں، اور ساتھ ہی مشرکین کے دلوں میں حق کی بیبت اور اسلام کا رعب ڈال دیا۔ جس سے مشرکین کو غالب آجانے کے باوجود بھاگتے ہی بنی۔

اگر مومن اپنے ایمان و ایقان میں ثابت قدم نکلیں، صبر و استقلال دکھلائیں۔ تو اللہ کی فتح و نصرت ہمیشہ ان کے ساتھ رہتی ہے۔ اور دشمنانِ حق خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ میدانِ جہاد میں اصل طاقت دل کا اطمینان اور عزم و حوصلہ کی بلندی ہی ہے۔

مُنافِقَانَهُ وَسُوْسَهُ

وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ
 اور بعضوں کو اپنی جان کا فکر پڑا تھا اللہ پر جوڑے خیال
 بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ
 جاہلوں جیسے کرتے تھے کہتے تھے
 هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ
 کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ کام ہے تو کہہ
 إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ
 کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے

وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ
 اور بعض تھے فکرمند ان کی جان خیال کرتے تھے۔
 بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ
 اللہ پر جوڑے خیال جاہلوں جیسے کہتے تھے
 هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ
 ہے ہمارے سے کام سے کچھ کہہ
 إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ
 کہ کام سب اللہ کے ہاتھ

اس آیت میں منافقین کا ذکر ہے جو بزدل اور ڈرپوک تھے جنہیں نہ اسلام کی فکر تھی۔ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، بلکہ انہیں اپنی جان ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی وہ اس فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کہ جان کیوں کر بچائی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کفار کی فوج ہم پر دوبارہ حملہ کرے اس فکر میں انہیں اُدنگھ یا نیند کیسے آسکتی تھی۔

مخلص مسلمان خطرہ کو دیکھنے کے باوجود میدان سے نہیں بھاگے تھے۔ بلکہ رسول اللہ کے ساتھ دین کھڑے تھے، ان کی تشکک کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اُدنگھ طاری کر دی۔ جس سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو گیا۔ وہ تازہ دم ہو کر پھر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔

منافقین کے دلوں میں چور تھا وہ ایمان و اسلام کی بجائے اپنی زندگی زیادہ عزیز رکھتے تھے وہ صرف اپنی زندگی بچانے کی فکر میں تھے۔ ان پر اُدنگھ کیسے طاری ہوتی ان کے دلوں میں باطل خیالات آرہے تھے۔ کہنے لگے کہ اللہ کے وعدے کہاں گئے، غیبی نصرت امداد کہاں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا بس اب خاتمہ ہوا اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس نہیں جاسکیں گے جیسے دوسری جگہ آتا ہے۔ بل ظننتم ان لن ينقلب الرسول والمؤمنون الى اهل بيوتهم ابدًا (سورہ فتح رکوع ۲) بلکہ تم نے یہ گمان کیا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھروں کو کبھی بھی واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔

منافقین کہتے تھے کہ ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں اگر یہ ظاہری طور پر منافقین کہنے میں سچے تھے۔ واقعی انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہے تو بناٹے چاہے تو بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، حاکم بناٹے یا محکوم، لیکن منافق اس قول سے اپنے دل میں کچھ اور ہی معنی مراد لے رہے تھے۔

الْجَاهِلِيَّةِ (جاہلوں جیسے) اس لفظ سے قبل اسلام کی زندگی بھی مراد لی جاتی ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں عربوں کو نہ دین کا شعور تھا نہ دنیا کا پتہ تھا۔ وہ بالکل جاہل اور ابد تھے۔

مُنافِقوں کی مُنافقت

يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ

وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں

لَا تَبْطِئُ بِقَوْلِكَ كَأَنَّ لَكَ بَأْسًا يُجْزَى

تجھ پر کتے ہیں اگر ہوتا ہمارے یثے سے کام

شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هَهُنَا

تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے

يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ

چھپاتے ہیں اپنا جی جو نہیں ظاہر کرتے

لَا تَبْطِئُ بِقَوْلِكَ كَأَنَّ لَكَ بَأْسًا يُجْزَى

تجھ پر کتے ہیں اگر ہوتا ہمارے یثے سے کام

شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هَهُنَا

کچھ نہ ہم مارے جاتے اس جگہ

مسلل ذکر ہو رہا ہے کہ غزوة احد میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کو عارضی شکست کا منہ دیکھنا پڑا اس کی وجہ تیر اندازوں کی بھول تھی۔ جس کے باعث سب کو انتہائی پریشانی اور اضطراب کا سامنا کرنا پڑا۔ جاننا کہ مسلمان میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔ لیکن بزدل منافق میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور اس واقعہ کے بعد اپنی خفت مٹانے کے بعد انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی۔ ہم لوگوں کا اس میں کیا اختیار ہے؟ ان کے اس قول کا اصل مطلب یہ تھا۔ کہ اس جنگ کے سلسلے میں ہماری رائے نہیں مانی گئی۔ ہم نے پیغمبر خدا کو یہ مشورہ دیا تھا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن وہ جوشیے نوجوانوں کے کہنے پر مدینہ سے باہر اڑنے کے یثے چلے گئے۔ اگر کچھ کام ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورے پر عمل کیا جاتا تو مسلمانوں کو اس قدر نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔

مَّا قَتَلْنَا هَهُنَا (تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے) منافق لوگ انصار کے مارے جانے کو اپنا مارا جانا قرار دیتے تھے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے مطابق فتح اور غلبہ مسلمانوں کے یثے ہوتا تو اتنے لوگ کیوں مارے جاتے اور ہم پر یہ مصیبت کیوں لوٹی لفظ ہٰہٰنَا (اس جگہ) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین نے یہ باتیں مدینہ میں کہیں کیوں کہ عبد اللہ بن ابی جہل شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر مدینہ کو واپس چلا گیا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ایک منافق نے میدان جنگ میں ہی کہے تھے۔ جو سکتا ہے۔ کہ بعض منافقین بعض صلحتوں کی بنا پر عبد اللہ بن ابی کے ساتھ واپس نہ لوٹے ہوں۔

اگرچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی جنگ کی جائے اور منافقین کا مشورہ بھی یہی تھا۔ لیکن اکثر نوجوان صحابہ کی یہ رائے تھی کہ شہر سے باہر نکل کر جنگ کی جائے پیغمبر خدا نے اس مقصد کے یثے ذرہ پن لی اس صورت میں منافقین کو کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کو لشکر اسلام سے الگ کر کے واپس لوٹا لیتے تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے تو فتح دے چاہے تو شکست دے شہر کے اندر یا باہر نکل کر اڑنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ازمایش الہی کا مقصود

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ
 تُوکے اگر تم ہوتے ہیں اپنے گھر منور باہر نکلنے وہ لوگ
 كِتَابَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ
 لکھ دیا گیا جن پر قتل طرف ان کا ہوا
 وَلَيَبْتَلِي اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَ
 اور آزمائے گا اللہ جو کچھ میں دل تمہارے اور
 لِيُخَيِّرَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 صاف کرتا تھا جو کچھ میں تمہارے دل اور اللہ جانتا ہے
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۵۱ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا
 بھید دل بیش جو لوگ ہٹ گئے
 مِنْكُمْ يَوْمَ التَّقِيٰ الْجَمْعِ إِنَّمَا اسْتَزَلَمُوا
 تم میں سے دن راتیں دو فوجیں سوائیں بہکا دیا
 الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا
 شیطان بعض کی شامت گناہ اور چکا بخش
 اللَّهُ عَنْكُمْ إِنَّا اللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝۱۵۲
 اللہ انہیں بیش اللہ بخشنے والا حلیم

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ
 توکے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ منور باہر نکلنے
 كِتَابَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ
 جن کے لیے اپنے ہڈاؤ پر مارا جانا لکھ دیا گیا تھا اور
 وَلَيَبْتَلِي اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَ
 جو کچھ تمہارے جی میں ہے وہ اللہ کو آزمائے گا اور
 لِيُخَيِّرَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 جو تمہارے دل میں ہے اسے صاف کرنا تھا اور اللہ دلوں کے
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۵۱ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا
 بھید کو جانتا ہے تم میں سے جو لوگ ہٹ گئے جس
 مِنْكُمْ يَوْمَ التَّقِيٰ الْجَمْعِ إِنَّمَا اسْتَزَلَمُوا
 دن دو فوجیں لڑیں سو شیطان نے انہیں بہکا
 الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا
 دیا ان کے گناہ کی شامت سے اور انہیں اللہ بخش
 اللَّهُ عَنْكُمْ إِنَّا اللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝۱۵۲
 دے گا۔ بیش اللہ بخشنے والا حلیم ہے

۱۶

ان آیات میں منافقین کو کہا گیا ہے کہ طعن و تشنیع اور حسرت و افسوس کا کچھ فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا مقام اس کا وقت اور سبب ازل سے لکھ رکھا ہے جو ٹل نہیں سکتا، اگر تم گھروں میں بیٹھے رہتے اور بغرض محل تمہاری ہی رائے مانی جاتی تو بھی جن کی تقدیر میں احد کے پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنے گھروں سے نکل کر اس مقام پر پہنچ جاتے اور وہیں مارے جلتے، یہ خدا کا احسان ہے کہ وہ لوگ جو اس جنگ میں مارے گئے۔ وہ اللہ کے راستے میں بہادری کی موت شہید ہوئے اس پر بھتانے اور افسوس کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

پھر فرمایا اس جنگ کا مقصد یہ تھا کہ مومن اور منافق سب کا امتحان لیا جائے تاکہ دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے اور کھرا کھوٹا الگ الگ ہو جائے۔ مخلص مسلمان کا میاں کا صلہ پائیں ان کے دل دوسو سوں سے پاک ہو جائیں، منافقوں کا باطن کھل جائے اور لوگوں پر ان کا نفاق ظاہر ہو جائے۔ جس طرح ایک نیکی سے دوسری نیکی کی توفیق بڑھتی ہے۔ اسی طرح ایک گناہ سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ انسان کو دوسرے گناہوں کے لیے آمادہ کرے جنگ احد میں شیطان نے بن کا قدم ڈلگایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنا فضل کیا اور انہیں تباہی سے بچا دیا۔

منافقوں کی چال

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اے لوگو ایمان والے نہ ہو ان کی طرح

كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِنَا إِذَا ضَرَبُوا فِي

جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں ان کے بھائی جب سڑ کو نکلیں میں

الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا عِزِّي لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا

زمین یا ہوں جہاد اگر رہتے ہمارے پاس

مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكِ

نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ ڈالے اللہ

حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ط

افسوس میں ان کا دل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اے ایمان والو تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو کافر

كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِنَا إِذَا ضَرَبُوا فِي

ہوئے اور اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں جب وہ ملک میں سڑ کو

الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا عِزِّي لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا

نکلیں یا جہاد میں ہوں اگر ہمارے پاس رہتے تو

مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكِ

نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ اس گمان سے

حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ط

ان کے دل میں افسوس ڈالے

مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم منافقوں کی طرح ایسے لغو خیالات کو دل میں جگہ نہ دو کہ اگر ہم گھر میں بیٹھے رہتے تو موت نہ آتی یا دیکھو موت کی جگہ موت کا وقت ازل سے ہی مقرر ہے۔ اس میں نہ تبدیلی ہو سکتی ہے نہ یہ ٹالا جاسکتا ہے۔

إِخْوَانِنَا (منافق) بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کو یہاں انہوں نے اپنا بھائی کہا ہے اور چونکہ یہ بات انہوں نے خیر خواہی کے پیرائے میں کہی ہے۔ اس لیے لفظ اخوان استعمال کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائی مسلمان باہر نکل کر خواہ مخواہ مارے گئے اگر ہمارے پاس اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے تو کیوں مارے جاتے۔

منافقین کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل میں حسرت و افسوس پیدا ہو کہ واقعی ہم نے غلطی کی جو بلا سوچے سمجھے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی میں کود پڑے، منافقوں کے کہنے پر چلتے اور گھروں میں بیٹھے رہتے تو یہ مصیبت دیکھنی نہ پڑتی۔

اگرچہ یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں حسرت و افسوس پیدا کرنے کے لیے بہت زور مارا اور ایسے ایسے کلمے منہ سے نکالے، لیکن مسلمان ایسے کچھ نہ تھے جو ان کی ان باتوں میں آجاتے، ایسی لغو باتوں سے اُلٹا منافقین کا راز فاش ہو گیا اور ان کی بددینی مسلمانوں پر ظاہر ہو گئی۔

لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكِ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ تاکہ اس گمان سے اللہ ان کے دلوں میں افسوس ڈالے، کے معنی بعض مفسرین نے یوں کیے ہیں کہ منافقین کی زبان اور دل پر ایسی باتیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے جاری کیں کہ خدا انہیں ہمیشہ اسی حسرت و افسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے اور وہ آخرت میں بھی حسرت و افسوس ہی کرتے رہیں۔ اور دوسری حسرت ان کو یہ رہے کہ افسوس مسلمان ہماری مانند نہ ہوتے اور ہماری باتوں پر کسی لے کان نہ دھرا بلکہ ان میں سے بعض شہید ہوتے اور باقی فاتح و منصور واپس لوٹے آج بھی غزوة احد کے دن کے واقعات سے بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ ایمان و نفاق اور حق و باطل کا سبک ہمیشہ موجود رہے گا۔

موت و حیات کا مسئلہ

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور اللہ جلاتے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ

دیکھتا ہے اور اگر تم مارے گئے ہیں اللہ کی راہ یا

مُتْرًا لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ

مرنے بخشش سے اللہ اور اس کی مہربانی بہتر

مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِن مُّتُّم أَوْ قُتِلْتُمْ

اس چیز سے وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے

لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

لو البتہ آگے اللہ اکٹھے ہوں گے

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے سب کام

بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ

دیکھتا ہے اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا

مُتْرًا لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ

مرنے تو اللہ کی بخشش اور اس کی مہربانی اس چیز سے بہتر

مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِن مُّتُّم أَوْ قُتِلْتُمْ

ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو

لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

البتہ تم اللہ کے آگے ٹھہرے ہو گے

یہاں منافقین کے اس گمان کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر مسلمان گھروں میں رہتے تو نہ مارے جاتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مارنا اور زندہ کرنا میرے اختیار میں ہے۔ اس میں کسی کا دخل نہیں۔ میں جہاں چاہوں، جب چاہوں انسان کو موت دیتا ہوں، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عمر بھر سفر میں رہتے ہیں۔ لڑائیوں اور جنگوں میں جاتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں۔ لیکن انہیں موت گھر ہی ہی آتی ہے۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گھر میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ لیکن جب ان کی موت قریب آتی ہے۔ تو وہ کسی بہانے سے گھر سے باہر نکلتے ہیں اور وہیں مارے جاتے ہیں۔ انسان کتنی تدبیریں کرے۔ کتنی ہی ترکیبیں لڑائے، ان باتوں کو نہ ٹھال سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے چنانچہ منافقوں کا یہ کہنا بالکل فضول اور بے معنی ہے کہ گھر میں رہتے تو کبھی نہ مرتے۔

اللہ تعالیٰ سب کی نیت جانتا ہے وہ جو کام بھی کرتے ہیں اللہ انہیں دیکھتا ہے اُسے علم ہے کہ منافق اور کافر کس راستہ پر جا رہے ہیں اور مسلمان کہاں تک ان کا کہا ماننے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے مناسب حال بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر تم میری راہ میں مر جاؤ یا مارے جاؤ تو تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے تم پر رحمتیں ہوں گی۔ اللہ کی راہ میں مرجانا اور اس کے عوض اللہ کا دیا ہوا صلہ لینا اس چیز سے کہیں بہتر ہے۔ جسے حاصل کرنے کے لیے منافقین و کفار موت سے بچنے کے لیے ایڑی چوٹی کا نور لگاتے رہے۔ اگر تم لوگ جہاد کے لیے نہ نکلو اور فرض کرو کچھ دیر کے لیے تم بچ بھی جاؤ تو کیا تم کبھی نہ مرد گے۔ یا مارے نہ جاؤ گے۔ مرنا بہر حالت میں ہے۔ پھر تم سب خدا کے حضور جمع ہو گے۔ اس وقت پتہ چل جائیگا کہ جو خوش قسمت اللہ کی راہ میں مرے یا مارے گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جس کے سامنے کفار کی دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت سب بیچ ہے اور جو کفر کی موت مرے ان پر کیا عذاب پڑتا ہے۔

آنحضرت کی نرم خوئی

فِيمَا رَحِمَةً مِّنَ اللَّهِ لَئِن لَّهْوَ جَوْدٌ
 سَوَكُجھ رحمت سے اللہ نرم دل جان کے بیٹے اللہ اگر
 كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفْضُوا مِن
 تو ہوتا تند خو سخت دل تو منتشر ہو جاتے سے
 حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنَّهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ
 تیرے پاس سو معاف کر ان سے اور ان کے ایسے بخشش بگم او
 شَاوِرُهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
 ان سے مشورے میں کام پھر جب ارادہ کر چکا بھروسہ کر
 عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۵۹﴾
 پر اللہ بیشک اللہ محبت کرتا ہے توکل والوں سے

فِيمَا رَحِمَةً مِّنَ اللَّهِ لَئِن لَّهْوَ جَوْدٌ
 سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو انہیں نرم دل لگ گیا اور
 كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفْضُوا مِن
 اگر تو تند خو سخت دل ہوتا تو تیرے پاس سے منتشر ہو
 حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنَّهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ
 جاتے۔ سو تو انہیں معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور
 شَاوِرُهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
 کام میں ان سے مشورہ لے پھر جب تو اس کا ارادہ پکا کر چکا تو اللہ
 عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۵۹﴾
 پر بھروسہ کر۔ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

جنگِ اُحد میں مسلمانوں سے زبردست کوتاہی ہوئی تھی اس لیے شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دل میں ناراض ہوئے ہوں گے اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہوگا کہ آئندہ مسلمانوں سے مشورہ لینا چھوڑ دوں گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لطیف پیرائے میں مسلمانوں کی سفارش کی پہلے اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ رسول کا غصہ اور رنج خالص اپنے رب کے لیے ہی ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ کہ اس نے اپنے پیغمبر کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنایا ہے۔ اگر رسول اگر تم تند خو یا سختی سے پیش آنے والے ہوتے تو کیا معلوم مسلمانوں سے اس معاملہ میں کیسا رویہ اختیار کرتے۔ یہ قوم آپ کے گرد جمع نہ رہ سکتی آپ مواخذہ سختی سے کرتے تو شرم و ندامت کے مارے یہ پاس بھی نہ آ سکتے۔ اس طرح یہ لوگ بہت بڑی خیر و برکت سے محروم رہ جاتے اور اسلامی جماعت کا شیرازہ بکھر جاتا۔

ان کی اصلاح کی غرض سے آپ ان کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اب اگرچہ خدا انہیں معاف کر چکا ہے۔ تاہم ان کی مزید دلجوئی کے لیے ہم سے ان کے لیے معافی طلب کیجیے تاکہ ان کے ٹوٹے ہوئے دل مطمئن ہو جائیں۔ ان سے ضروری معاملات میں مشورہ لیا کریں۔ مشورہ کے بعد جب کوئی بات طے ہو جائے۔ اور ارادہ پختہ ہو جائے۔ تو خدا پر توکل کر کے اس پر سب قائم ہو جائیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت علیؑ نے حضور اکرمؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ جو بات ہم کتاب و سنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا ہ سمجھو دار اور خدا پرستوں سے مشورہ کرو اور کسی اکٹے ڈکٹے کی رائے پر عمل نہ کرو اس آیت اور حدیث سے باہمی مشورہ کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

نُصْرَتِ الْاٰلِی

اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ
اگر تمہاری مدد کرے گا اللہ تو نہ غالب آئے گا تم پر اور اگر
يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُم مِّنْ
تمہاری مدد نہ کرے پھر ایسا کون جو تمہاری مدد کرے
بَعْدَهَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾
اس کے بعد اور اوپر اللہ بھروسہ چاہئے مسلمانوں کا

اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ
اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم نہ ہر کون غالب نہ آئے گا اور اگر
يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُم مِّنْ
تمہاری مدد نہ کرے تو پھر ایسا کون ہے جو اس کے بعد تمہاری
بَعْدَهَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾
مدد کرے مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے

پچھلی آیت میں رسول اللہ سے فرمایا گیا تھا کہ اللہ پر بھروسہ کیجیے، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بھروسہ کے لائق اللہ ہی کی ذات ہے جو سب سے زبردست اور سب سے غالب ہے۔

جنگ اُحد میں مسلمانوں سے جو خطا اور کوتاہی ہوئی وہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی معاف فرمادی۔ اور سفارش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اُس کی معافی دلوا دی۔ اس کے بعد انہیں یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ اے مسلمانو! کسی کے کہنے سننے میں نہ آؤ کفار اور منافقین کے حکموں میں نہ پھنسو غلط اور گمراہ کن خیالات ذہن میں نہ لاؤ بلکہ خدا پر بھروسہ رکھو، اگر اس کی مدد تمہارے شامل حال ہی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی جس طرح بدر میں تم دیکھ چکے ہو کہ مشرکین کی تعداد تم سے تین گنا تھی۔ ساکن حرب اور تیاری میں تمہارا ان سے کوئی مقابلہ ہی نہ تھا، لیکن اللہ کی مدد آٹے آئی۔ اور غیر متوقع حالات میں تمہیں غیر معمولی فتح نصیب ہوئی۔

یہ چیز کئی بار بیان کی جا چکی ہے کہ جنگ میں فتح و غلبہ کا انحصار نہ سپاہیوں کی تعداد پر ہوتا ہے۔ نہ سامانِ حرب کی کثرت پر بلکہ اس کے لیے ضروری شرط اللہ تعالیٰ پر مستحکم اور مضبوط ایمان و یقین ہے اور سب سے بڑھ کر خود اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت جن سپاہیوں کو زندگی اور دنیا کی ہر متاع سے زیادہ عزیز شے اپنا ایمان ہے۔ وہ اس کی برتری کے لیے جان تک کی بازی لگانے میں دریغ نہ کریں۔ ان کے بازوؤں میں معمول سے کئی گنا زیادہ طاقت اور ارادوں میں کئی گنا زیادہ استحکام ہوتا ہے۔ ایک کافر مشرک سپاہی جو محض دنیا کی متاع کے لیے لڑتا ہے۔ وہ جان کی بازی لگانا ہرگز نہیں جانتا۔ اسے جاں کا خطرہ ہوا۔ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ایسے لوگ بزدل اور کمزور ہوتے ہیں ان کے دل میں چور ہوتا ہے بازوؤں کی سکت جاتی رہتی ہے۔ ان کی تعداد خواہ کتنی بڑی ہو مادہ بھیڑوں کے گلے کی مانند ہی ہونگے مومنوں کا فرض ہے کہ اللہ پر توکل رکھیں اپنی پوری قوت لگا کر اور تمام کوششیں صرف کر کے اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ اور نتائج اس کے حوالے کر دیں۔

نبی کی شان

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَخُلُطَ وَمَنْ

اور نہیں کہم نبی کہ چھپا رکھے اور جو کوئی

يَخُلُطُ يَأْتِ بِمَآ غَلَّ - يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَمَّ

چھپائے گا وہ لائے گا جو کچھ چھپایا دن قیامت پھر

تَوَلَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

پورا پانگیا ہر نفس جو اس نے کمایا اور وہ نہ

يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمِنْ أَتَّبَعَ رِضْوَانِ اللَّهِ

ان پر ظلم ہوگا کیا ایک شخص جو تابع ہے مرضی اللہ

كَمَنْ بَاءَ بِسَخِطِ اللَّهِ وَمَا وَهُ

برابر اس کے کمایا غصہ سے اللہ اور اس کا ٹھکانہ

جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتُ

دوزخ اور بُرا جگہ پہنچے ان کے درجے

عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٍ لِّمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾

نزدیک۔ اللہ اور اللہ دیکھنے والا جو کچھ وہ کرتے ہیں

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَخُلُطَ وَمَنْ

اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی

يَخُلُطُ يَأْتِ بِمَآ غَلَّ - يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَمَّ

چھپائے گا وہ اپنی چھپائی ہوئی چیز قیامت کے دن لائے گا پھر

تَوَلَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

ہر شخص پورا پورا پائے گا۔ جو اس نے کمایا اور اس پر نہ

يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمِنْ أَتَّبَعَ رِضْوَانِ اللَّهِ

ظلم ہوگا کیا ایک شخص جو اللہ کی مرضی کے تابع ہے

كَمَنْ بَاءَ بِسَخِطِ اللَّهِ وَمَا وَهُ

اس کے برابر ہو سکتا ہے جس نے اللہ کا غصہ کمایا اور اس کا ٹھکانہ

جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتُ

دوزخ ہے کیا ہی بری جگہ پہنچا۔ اللہ کے ہاں لوگوں کے

عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٍ لِّمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾

مختلف درجے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں، اللہ دیکھتا ہے

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَخُلُطَ دُنْبِي كَام نُهْن كَه چھپا رکھے غَلَّ ماضی ہے۔ يَخُلُطُ مضارع ہے۔ چھپانا اُس کے معنی میں اس جملہ کی تشریح کئی صورتوں میں کی جاسکتی ہے۔

ایک تو یہ کہ احد میں غلطی کرنے والوں کو یقین رکھنا چاہیے۔ کہ جب حضرت رسول اکرم نے انہیں معاف فرمادیا ہے تو اب حضور کا دل ان کی طرف سے صاف ہو گیا ہے چونکہ نبی کے دل لعلہ اللہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا ہے وہی ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نبی اپنی امت سے کبھی نہیں چھپایا کرتے خواہ اہل بیت کی وحی ہلا۔ حق و صداقت کی باتیں ہوں یا نصیحت ہو یا کچھ اور لہذا حضور کے بارہ میں کبھی کوئی ایسا غو خیال میں نہ لانا چاہیے۔

دوسری آیت میں نبی اور غیر نبی کا فرق اللہ تعالیٰ نے ایک واضح مثال کے ذریعہ بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرماتا ہے کہ پیغمبر جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے کیا ان لوگوں جیسے کام کر سکتا ہے۔ جن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ اور جو دوزخ کے مستحق ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی اور سب خلقت برابر نہیں طبع اور دلای جیسے ذلیل کام نبی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا مستحق ہے اور وہ سب کے کام دیکھتا ہے۔ کیا نہ ایسی پست طبیعت والوں کو نبوت کا عہدہ دے سکتا ہے ہرگز نہیں۔

رسول اللہ کے خصائص

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جو انہیں میں
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا

ان میں رسول سے ان میں سے پڑھتا ہے
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِنْ

کتاب اور دانائی کی بات سکھاتا ہے اور تو اس سے

قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶۲﴾

پہلے صریح گمراہی میں تھے

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ

تحقیق احسان اللہ اوپر ایمان والے جو بھیجا

فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا

ان میں رسول سے ان میں سے پڑھتا ہے

عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

ان پر آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور سکھاتا ہے

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِنْ

کتاب اور دانائی کی بات اور وہ تھے

قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۶۲﴾

پہلے میں گمراہی صریح

اللفظ

ہن (احسان کیا) مَنَّ اضی یمنّ مضارع ہے امتنان۔ منت۔ ممنون وغیرہ الفاظ اسی سے نکلے ہیں اور اردو میں عام استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ ایک دان مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی احسان جتلیا ہے۔ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔ کہ اس نے ان میں انہی کی طرح کے ایک انسان رسول بنا کر بھیجا۔ جس کے پاس بیٹھنا جس سے بات چیت کرنا اس سے کلام الہی کو سمجھنا اور ہر قسم کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا آسان ہے اس رسول کے حالات، اخلاق، امانت، دیانت، پاک بازی اور خدا ترسی انہیں خوب معلوم ہے۔ اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزے ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو ان پر ایمان لے آنا آسان ہے اگر کوئی جن یا فرشتہ رسول بن کر آتا تو اس کے معجزے دیکھ کر لوگ یہ بہانہ کر سکتے تھے۔ کہ یہ ہماری جنس سے نہیں اس لیے اس کے اخلاق و اعمال ہمارے لیے ناقابل تقلید ہیں۔ لہذا اس نے انسان رسول بھیجا۔ جو خوش اخلاق، رحم دل، نرم خو اور شفیق ہے جس سے وہ بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بنیادی خوبیاں عطا کی ہیں۔ ان کا ذکر سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔

- ۱۔ حضور اکرم اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں جنکے ظاہری معنی عرب کے لوگ اہل زبان ہونگی ویر سے بڑی آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔
- ۲۔ وہ لوگوں کو شرک، بت پرستی، بدکاری اور گناہوں سے پاک کرتے ہیں ان کی گندگیوں کو دور کر کے دلوں کو صاف کرتے ہیں۔
- ۳۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہیں جہاں جہاں سمجھنے میں کچھ مشکل پیش آئے وہاں شہادت دور کر کے واضح کرتے ہیں۔
- ۴۔ وہ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیتے ہیں تہ تک پہنچنا سکھاتے ہیں۔ قرآن مجید کے اسرار و رموز اور گہری باتیں سمجھاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و محبت سے اس عرب قوم کو ساری دنیا کا ہادی اور معلم بنا دیا۔ جو صدیوں سے بہالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھی جسے دنیا کی کوئی خوبی اور کمال حاصل نہ تھا۔

ابتلا کا شکوہ

أَوَلَمْ نَكُنَّا أَصَابَتِكُمْ مُصِيبَةً قَدْ أَصَبْتُمْ
 کیا اور جس وقت تمہیں پہنچی تکلیف تم پہنچا چکے ہو
 مَثَلِيهَا قُلْتُمْ أِنِّي هَذَا قُلُّ هُوَ
 اس سے دو چند کہتے ہو کہاں سے یہ تو کہہ دو
 مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ
 طرف تمہارے نفس بیشک اللہ اوپر ہر
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾
 چیز قادر

أَوَلَمْ نَكُنَّا أَصَابَتِكُمْ مُصِيبَةً قَدْ أَصَبْتُمْ
 کیا جس وقت تمہیں ایک تکلیف پہنچی کہ تم اس سے
 مَثَلِيهَا قُلْتُمْ أِنِّي هَذَا قُلُّ هُوَ
 دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی تو کہہ یہ تکلیف
 مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ
 تمہیں تمہاری ہی طرف سے پہنچی بیشک اللہ ہر چیز
 شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾
 پر قادر ہے

پر قادر ہے

چیز قادر

بہت پہلے سے جنگ اُحد کا واقعہ بیان کیا جا رہا تھا اس کی ضروری تفصیل ذکر کر دی گئی۔ پھر اس کو تاہی کا ذکر کیا گیا جو اس جنگ میں مسلمانوں سے سرزد ہوئی۔ اس کے بعد عفو درگزر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تیر اندازوں کو بھی معاف فرمادیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی معافی دلائی۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و فضائل، آپ کے وجود کی برکتیں اور آپ کی خصوصیات بیان کی گئیں۔ مسلمانوں سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اس نبی کا تم میں پیدا ہونا تم پر اللہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے تم اس کی قدر پہچانو اور اس نعمت کا شکر ادا کرو اب پھر اُحد کا قصہ زیر بحث لایا جاتا ہے۔

مسلمانوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ جنگ اُحد میں تمہیں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا تم کو اس پر تعجب ہے در یہ پوچھتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تو مسلمان تھے۔ اللہ کی راہ میں حق کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ امداد کا وعدہ بھی فرما چکا تھا۔ پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت تمہیں سوچنا چاہیے کہ جس قدر تکلیف تمہیں پہنچی اس سے دگنی تکلیف اس سے قبل تمہارے دشمنوں کو پہنچ چکی ہے۔ اُحد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے۔ اور دوزخ میں جھونکے گئے ساتھ ہی ان کے ستر آدمی تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تمہیں پورا اختیار تھا۔ اگر تم چاہتے تو قتل بھی کر سکتے تھے۔ پھر بدر کے علاوہ جنگ اُحد میں بھی پہلے پہلے ان کے بیس سے زیادہ آدمی قتل ہو چکے ہیں اگر یہاں تمہارا نقصان ہوا۔ تو ادھر دیکھو انہیں بدر میں تباہ کن شکست مل چکی ہے۔ اور اُحد میں بھی جب تم پوری دل بستگی سے لڑے تو ان کے چھکے چھوٹ گئے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔

اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے۔ اول تم نے جوش میں آ کر مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا دوسرے تیر اندازوں نے رسول کی حکم عدولی کر کے مورچہ چھوڑ دیا۔ اب تعجب کا کیا موقع ہے۔ اب مصیبت اور شکست کا سبب تم خود ہی بنے تھے ورنہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہتا تو تمہیں اس امتحان میں نہ ڈالتا بیشک اُسے پورا اقتدار حاصل ہے۔

آزائش کا مقصود

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّنْعِ الْجَمْعِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا

اور جو کچھ تمہیں پیش آیا دن جب میں دو فوجیں سو حکم سے اور جو کچھ تمہیں پیش آیا اس دن جب دو فوجیں میں سوا کہہ اور تاکہ ایمان والوں کو معلوم کرنے اور تاکہ انہیں معلوم کرنے جو منافق تھے اور انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو دفع کرو

يَوْمَ التَّنْعِ الْجَمْعِ (جس دن دو فوجیں ملیں) غزوہ احد کی طرف اشارہ ہے جس دن اسلام اور کفر کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ اور آپس میں ان کی ٹڈ بھیل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اسے تمام کائنات پر مکمل اقتدار و اختیار حاصل ہے، فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے جبکہ احد میں جب مسلمان مجاہدوں اور مشرکین مکہ کی آپس میں ٹڈ بھیل ہوئی اور مسلمانوں کو عارضی پسپائی ہوئی۔ مسلمان اس ایسے محبوب ہونے کے خود مسلمانوں کے عمل سے صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ انہیں مکمل غلبہ عطا کرنا مشیت الہی کے خلاف تھا جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ اور جس کا سبب خود مسلمان تھے۔ مقصود یہ تھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کے ایمان اور خلوص کا پتہ چل جائے اور دوسری جانب منافقوں کا نفاق ظاہر ہو جائے اور کھرے کھوٹے میں پوری تمیز ہو جائے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے جب منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بنی سوادمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا تو اسے کہا گیا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو۔ آؤ اگر مسلمانوں کے دعوے میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو روکنے اور دفع کرنے میں ہی حصہ لو۔ یعنی مجمع میں شریک رہو تاکہ ہماری فوج کی کثرت کا رعب دشمن کے دل پر پڑے اور اگر خدا کی راہ میں دین اسلام کی خاطر نہیں لڑتے تو کم از کم جذبہ وطن خدمت قوم یا اپنے مال اولاد کی حفاظت کے بیٹھے ہی دشمن کو روکنے میں مدد دو۔ کیونکہ اگر دشمن کو فتح نصیب ہو گئی تو وہ سب سے انتقام لے گا اور کسی کو نہ چھوڑے گا۔ غرض ہر طرح سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی گئی اور تمام باتیں کھول کر روشن کر دی گئیں۔ لیکن منافقین نہ مانے اور ان کے دل کا کھوٹ ظاہر ہو گیا۔

عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ آیا۔ اور مسلمان جنگ کے لیے آگے بڑھ گئے وہاں جو کچھ پیش آیا وہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ عبداللہ بن ابی نے ان تمام نصیحتوں پر جو منافقانہ جواب دیا۔ وہ ہم اگلے سبق میں بیان کریں گے انشاء اللہ

مُنافِقوں کی جیلہ سازی

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ

بولے اگر ہمیں معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں وہ

لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْكُمْ لِلْإِيمَانِ

کفر کے اس دن بہ نسبت ایمان کے

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ قَالِيسَ فِي قُلُوبِهِمْ

کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہیں ان کے دل

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٢٧﴾ الَّذِينَ

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں وہ لوگ جو

قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا

کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے اور خود بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری ملتے

مَا قَاتَلُوا قُلُوبًا قَادِرَةً عَلَيْكُمْ

مارے جلتے تو کہہ اب بٹاؤ اسی سے اپنے سے

الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٢٨﴾

موت اگر تم سچے ہو

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ

بولے اگر ہم کو لڑائی معلوم ہو تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں وہ

لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْكُمْ لِلْإِيمَانِ

لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے تیارہ قریب ہیں اپنے

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ قَالِيسَ فِي قُلُوبِهِمْ

منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٢٧﴾ الَّذِينَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں وہ لوگ ہیں

قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا

جو اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر

مَا قَاتَلُوا قُلُوبًا قَادِرَةً عَلَيْكُمْ

وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے تو کہہ اب بٹاؤ بھو

الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٢٨﴾

اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو

میدان جنگ میں سب سے بڑی مدد اور قوت اس بات میں بھی گئی ہے کہ لڑنے والوں کو پیچھے سے کمک پہنچے یا انہیں آس ہو کہ ان کے ساتھی اور حمایتی ان کی پشت پر ہیں۔ اور مرد کو آیا ہی چاہتے ہیں اس کے برعکس وہ سپاہی صدر درجہ پریشان خیاں اور پڑمردہ رہتے ہیں جن کے اپنے ساتھی ساتھ چھوڑ جائیں۔ اور انہیں کسی مدد کی توقع نہ رہے۔

عبداللہ بن ابی نے مسلمان مجاہدوں سے یہ رویہ اختیار کیا۔ یعنی اس وقت جب دشمن سامنے تھا اور اسلام اور کفر کی ٹکر ہونے کو تھی وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا آیا جب اس سلسلہ میں اسے سمجھایا جھگایا گیا تو جواب میں یہ کہا کہ لڑائی تو ہوتی نظر نہیں آتی اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی سچ ہونے والی ہے۔ تو ضرور تمہارے ساتھ جلتے اب بھی جب دیکھیں گے کہ لڑائی شروع ہو گئی ہے تو تمہارے ساتھ آئیں گے۔ ان الفاظ سے اس کا ایک مدعا یہ بھی تھا۔ کہ اگر مقابلہ صحیح معنوں میں ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے بھلا یہ بھی کوئی مقابلہ ہے۔ کہ ایک طرف کفار و مشرکین کا تین ہزار کا لشکر ہے اور دوسروں طرف تمہارا صرف ایک ہزار کا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ تمہارے پاس کوئی ساز و سامان بھی نہیں یہ لڑائی نہیں بلکہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس کے بیان کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے یا فن لڑائی کے قاعدوں سے واقف ہوتے تو ضرور تمہارے ساتھ رہتے گو یا دل میں انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا مگر تم ہمارے مشورے پر نہیں چلے، اوروں کی رائے پر عمل کیا ہے گو یا ہمیں لڑائی کے قاعدوں سے واقف سمجھا گیا ہے۔ ان لوگوں نے اس حرکت سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔ انصار مدنیہ کو کہنے لگے کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے تو یوں مارے نہ جاتے اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کہا کہ اگر گھر میں بیٹھے رہنے سے بھی موت سے بچ نہیں سکتے تو پھر بہادری کی طرح میدان میں نکل کر اسے کیوں نہ قبول کیا جائے۔

شہداء زندہ ہیں

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 اور نہ تو سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے ہیں راہ اللہ
 أَمْواتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾
 مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے
 فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَ
 اس پر خوشی کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے
 يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ
 دیا اور انکی طرف سے خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے
 مَنْ خَلْفَهُمْ إِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
 ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ان پر اور نہ انہیں
 يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ
 انہیں غم ہے اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں
 وَفَضْلٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَأَيُّضِعُ أَجْرَ
 اور فضل اور اس لیے کہ اللہ نہیں منائع کرتا بدلہ
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾
 ایمان والے

نہیں کرتا

یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر بیٹھے رہنے سے انسان کو موت سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ البتہ انسان اس موت سے محروم رہ جاتا ہے جسے موت کی بجائے حیات جاودانی کہنا چاہیے، جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں وہ شہید ہیں اور انہیں ایک خاص طرح کی زندگی نصیب ہوتی ہے جو دوسروں کو نہیں ملتی، شہید جنت میں خوش و خرم ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و رحمت سے شہادت کی دولت عطا فرمائی ان پر اپنی بڑی بڑی نعمتیں نازل فرمائے گا اور اپنے فضل سے ان پر انعامات کی بارش کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی شہیدوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کئے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت اور سعی جہاد ضائع نہیں کرتا بلکہ وہم و خیال سے بھی بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔

شہید نہ صرف اپنی حالت پر خوش ہوں گے۔ بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا خیال کر کے بھی خوش ہوں گے۔ جنہیں وہ اپنے پیچھے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے چھوڑ آئے تھے۔ کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا ایمان اور اسلام پران کا خاتمہ ہوا تو وہ بھی پُر لطف اور پُر سکون زندگی حاصل کریں گے۔ ان لوگوں کو نہ اپنے آگے کا ڈر ہوگا۔ نہ پیچھے کا غم بلکہ بڑے اطمینان سے سیدھے اللہ کی رحمت میں اعلیٰ ہو جائیں گے۔

ہیبت کی بجائے ایمان

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ
 جِن لوگوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا ۳۱ کے بعد
 مَا اَصَابَهُمْ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ
 کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے جو ان میں سے نیک اور پرہیزگار
 وَاتَّقُوا اجْرَ عَظِيمٍ ۱۴۱) الَّذِينَ قَالَ لَهُمْ
 ہیں اُن کو بڑا ثواب ہے جنہیں لوگوں نے کہا کہ
 النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَعَعُوا لَكُمْ
 آدمیوں نے تمہارے مقابلہ کا سامان جمع کیا ہے سو تم
 فَاخْشَوْهُمْ فزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا
 اُن سے ڈرد تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور بولے
 حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۱۴۲)
 ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا خوب کار ساز ہے۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ
 جو لوگ حکم مانا اللہ کا اور رسول سے بعد
 مَا اَصَابَهُمْ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ
 کہ انہیں پہنچے زخم جو لوگ نیک ان میں
 وَاتَّقُوا اجْرَ عَظِيمٍ ۱۴۱) الَّذِينَ قَالَ لَهُمْ
 اور پرہیزگار ثواب بڑا جو لوگ کہا ان سے
 النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَعَعُوا لَكُمْ
 لوگ ہیں کہ انسان جمع کیا ہے تمہارے لیے
 فَاخْشَوْهُمْ فزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا
 پس تم ان سے ڈرد تو ان کا زیادہ ہوا ایمان اور بولے
 حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۱۴۲)
 ہمیں کافی ہے اللہ اور اچھا کار ساز

ان آیات کے شان نزول میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں پر اونگھ طاری ہو گئی اور وہ تازہ دم ہو کر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے سخت گھمان کارن
 پڑا اور مشرکین مکہ شکست کھا کر بھاگے۔ ابوسفیان کفار کے اس لشکر کا سردار تھا۔ مکہ کو واپس جاتے ہوئے۔ راستہ میں رکا اور
 دل میں سوچنے لگا کہ ہم نے بڑی غلطی کی جو یونہی شکست خوردہ اور زخم کھائے ہوئے مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے آئے بہتر تھا کہ آج
 انہیں ختم ہی کر دیا جاتا۔ آپس میں ان کے مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ چل کر مسلمانوں کا کام تمام کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ ابوسفیان دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو آپ نے مدینہ میں اعدا ان فرا
 دیا کہ جو لوگ کل احد کے میدان میں ہمارے ساتھ لڑائی میں شریک تھے آج دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔
 مسلمان مجاہد میدان جنگ میں شدید زخم کھا چکے تھے۔ وہ زخموں سے چوڑ ہو رہے تھے۔ بظاہر اب ان میں مقابلہ کی کوئی طا
 نہ تھی۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار سن کر وہ فوراً تیار ہو گئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہی نیک بندوں کا ذکر
 فرمایا ہے۔

زخم کھا کر بھی اسلام کے مجاہد شکستہ خاطر نہ ہوئے۔ اللہ کے رسول کی پکار پر فوراً تیار ہو گئے۔ ان میں نیکو کار اور پرہیزگار
 لوگوں کے لیے بڑا اجر ہے۔

اللہ کا فضل

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ

پھر چلے آئے احسان سے اللہ اور فضل

لَوْ يَسْتَهْجِرُونَ سَوْءًا وَاتَّبِعُوا رِضْوَانًا

نہ انہیں پہنچی برائی اور تابع ہوئے مرضی

اللَّهُ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

اللہ اور اللہ والا فضل بڑا

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ

پھر مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ چلے

لَوْ يَسْتَهْجِرُونَ سَوْءًا وَاتَّبِعُوا رِضْوَانًا

آئے انہیں کچھ برائی نہ پہنچی وہ اللہ کی مرضی کے تابع

اللَّهُ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

ہوئے اور اللہ کا فضل بڑا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کا ایک لشکر لے کر البوسفیان کے تعاقب میں حمراد الاسد کے مقام تک پہنچے یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل ہے جب البوسفیان نے یہ سنا کہ مسلمان اس کا پیچھا کرتے چلے آ رہے ہیں تو اس کے دل میں سخت وحشت طاری ہوئی حملے کا ارادہ چھوڑ کر مکہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اتفاق سے عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ کو جا رہا تھا۔ البوسفیان نے سخت مٹانے کے لیے ان لوگوں کو کچھ لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جنہیں سن کر مسلمانوں پر ہمارا رعب طاری ہو جائے۔ اور وہ خوف زدہ ہو جائیں۔ اس قافلہ کے لوگوں نے مدینہ پہنچ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مکہ والوں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے بڑا بھاری لشکر تیار کیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور کفار کے لشکر کا حال سن کر کہنے لگے کہ ساری دنیا کے مقابلے میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کے انہیں جذبات اور ان کے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔

ان آیات کے شان نزول کے سلسلے میں ایک اور روایت بھی ہے... وہ یہ کہ جنگ احد ختم ہونے پر البوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر لڑائی ہوگی، تم لوگ تیار رہنا۔ حضور نے یہ چیلنج قبول کر لیا جب اگلا سال آیا تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لیے نکلو۔

ادھر سے البوسفیان فوج لے کر مکہ سے نکلنا چاہتا تھا، اور مسلمانوں کی تیاری سن کر اس پر رعب چھا گیا چنانچہ اس نے چاہا کہ مکہ واپس چلا جائے اور قحط سالی کا بہانہ کر دے۔ لیکن بات بھی ایسی کہی جائے کہ الزام مسلمانوں پر ہی رہے۔ اتفاق سے ایک شخص مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ البوسفیان نے اسے کچھ لالچ دیا اور اس سے کہا کہ مدینہ جا کر ایسی خبریں مشہور کر دو۔ جنہیں سن کر مسلمان ڈر جائیں اور جنگ کے لیے نہ نکلیں۔ یہ شخص مدینہ پہنچا اور خبر مشہور کرنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری فوج اکٹھی کی ہے ان کے خلاف لڑنا مسلمانوں کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ لیکن مسلمانوں کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ نے مضبوطی بھری انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ آخر مسلمان وعدہ کے مطابق بدر کے میدان میں پہنچے وہاں بہت بھاری بازار لگا کر تاکھا۔ کفار لڑائی کے لیے نہیں پہنچے تھے۔ اس لیے مسلمان وہاں تین روزہ کر تجارت کر کے خوب نفع لگا کر مدینہ واپس آئے۔

شیطان کا ڈراوا

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَكَا

یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم

تَخَافُوهُمْ وَخَافُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۵﴾

ان سے مست ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو

وَلَا يَجْزِيكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ

اور نہ تجھے وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں

إِنَّهُمْ لَنْ يَصُرُوا لِلَّهِ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ

وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اللہ چاہتا ہے

أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ

کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴۶﴾

اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا

یہ جو ہے شیطان ڈراتا ہے اس کے دوست سونہ

تَخَافُوهُمْ وَخَافُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۵﴾

تم ڈرو ان سے اور مجھ سے ڈرو اگر رکھتے ہو ایمان

وَلَا يَجْزِيكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ

اور نہ تجھے ڈالیں غم میں جو دوڑتے ہیں میں کفر

إِنَّهُمْ لَنْ يَصُرُوا لِلَّهِ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ

وہ نہیں بگاڑیں گے اللہ کچھ چاہتا ہے اللہ

أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ

کہ نہ دے انہیں فائدہ میں آخرت

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴۶﴾

اور ان کے لیے عذاب بڑا

يُخَوِّفُ (ڈراتا ہے) خوف سے بنا ہے۔ یعنی مستقبل کا ڈر اور فکر شیطانی وسوسے ہمیشہ انسان کو مستقبل کے بارہ میں

پریشان اور فکر مند کرتے ہیں۔ اس سبق میں تَخَافُوهُمْ اور خَافُونَ کے لفظ اسی مادہ سے بنے ہیں۔

أَوْلِيَاءَهُ (اپنے دوست) اس کا واحد ولی ہے جس کے معنی درست حمایتی اور مددگار کے ہوتے ہیں انہی معنوں کی

مناسبت سے نیک بندوں کو اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔

يَسَارِعُونَ (دوڑتے ہیں) سُرْعَتِ سَرِيعٍ وغیرہ لفظ اس ایک ہی مادہ سے بنے ہیں۔ لفظی معنی تیزی کے ہیں۔ یعنی جلدی

کرتے ہیں۔ مراد ہے۔ تیز دوڑتے اور بھاگتے ہیں۔

حِطًّا (کوئی فائدہ) حِطِّیٌّ کے معنی لذت۔ فائدہ اور حصہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ جو آدمی تمہارے دشمنوں کے بارے میں غلط خبریں پھیلا کر تم پر رعب ڈالنا چاہتا ہے

وہ شیطان ہے اور شیطان کا بسکایا ہوا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ ان کا رعب تم پر بٹھا کر تم کو خوف زدہ کر دے۔ سو تم اگر ایمان

رکھتے ہو اور تم ایمان ضرور رکھتے ہو) اس سے نہ ڈرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم شیطان سے نہ ڈرتے کا ثبوت عملی طور پر دے چکے ہو

لہذا ان شیطانوں سے بالکل نہ ڈرو بلکہ صرف مجھ سے ڈرو۔ منافق لوگ اس کی باتوں میں آ کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں تم ان منافقوں

کی حرکتوں کو دیکھ کر غم نہ کھاؤ اور فکر مند نہ ہو۔ یہ نہ تو پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ اللہ کے دین کو کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ سراسر اپنا ہی

نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے تفاق کے بدلے انہیں انتہائی ناکامی دے گا اور آخرت میں انہیں بہت سخت سزا ملے گی۔

ایمان کے بدلے کفر

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ

بیشک لوگ مول یا کفر ایمان کے بدلے نہ

يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

بگاڑیں گے اللہ کو کچھ اور ان کے بڑے عذاب دردناک

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُثَبِّتُ

اور نہ سمجھیں لوگ کافر کہ ہم ہمت دیتے ہیں

لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ إِنَّمَا نُنَبِّئُ لَهُمْ

انہیں بھلا ان کے لیے بیشک ہم ہمت دیتے ہیں انہیں

لِيُزِدَا دُورًا وَإِنَّمَا وَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۸﴾

تاکہ ترقی کریں گناہ اور ان کے بڑے عذاب خوار کرنے والا

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ

جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر مول یا

يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُثَبِّتُ

اور کافر نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ہمت دیتے ہیں

لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ إِنَّمَا نُنَبِّئُ لَهُمْ

ان کے حق میں کچھ بھلا ہے ہم تو انہیں اس لیے ہمت دیتے ہیں

لِيُزِدَا دُورًا وَإِنَّمَا وَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۸﴾

تاکہ وہ گناہ میں ترقی کریں اور ان کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے

اشْتَرُوا (انہوں نے مول لیا) اشْتَرَاؤُ اس کا مصدر ہے۔ اس کے معنی خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ہیں۔ یہاں خریدنے اور مول لینے کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی انہوں نے ایمان و یقین کو چھوڑ کر کفر و انکار اختیار کر لیا ہے۔ ایمان کے بدلے وہ کفر کی زندگی اختیار کر رہے ہیں۔

مُهِينٌ (خوار کرنے والا) لفظ "اھانت" بھی اس مادہ سے ہے جس کے معنی ذلت و خواری اور بے عزتی کے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر مومن مسلمان کو اس قسم کے عذاب سے بچائے۔

ان آیات سے پہلے شیاطین کا ذکر تھا کہ وہ اپنی خونخوار تذبذبوں سے اہل ایمان کو ڈرانے کی ترکیبیں نکالتے ہیں لیکن اہل حق پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کا خوف دل میں نہ لائیں۔ شیاطین ایمان و اسلام کو چھوڑ کر کفر و سرکشی کی طرف دوڑتے ہیں ان کی یہ کوششیں اللہ کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گی۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جلے گا

اب پھر ہی ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کر لیا ہے۔

ایسا کرنے سے یہ اللہ کا۔ اُس کے نبی کا یا اُس کے دین کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اُلٹے دردناک عذاب میں گرفتار ہونگے انہیں اگر کچھ ڈھیل مل گئی ہے تو اُس پر نازاں نہ ہوں سزا کی ہمت اُن کے حق میں بہتر نہیں۔ بلکہ اُس کے گناہوں میں اور اضافہ ہوگا۔ اور سوا اُن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

حکمتِ خداوندی

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ
نہیں ہے اللہ کہ چھوڑے مسلمان اوپر جو تم ہو
عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ الْحَبِثَ مِنَ الطَّيِّبِ
جس پر جب تک کہ جدا نہ کر دے ناپاک سے پاک

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ
اللہ وہ نہیں کہ مسلمانوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو
عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ الْحَبِثَ مِنَ الطَّيِّبِ
جب تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ کر دے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ
اور نہیں ہے اللہ کہ تمہیں خبر دے اوپر غیب لیکن
اللَّهُ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَاٰمَنُوا
اللہ چن لیتا ہے سے اس کے رسول جسے چاہے سو تم یقین لاؤ
بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا
اللہ پر اور اس کے رسول اور اگر تم یقین پر ہو اور پرہیزگاری پر

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ
اور اللہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی خبر دے لیکن
اللَّهُ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَاٰمَنُوا
اپنے رسولوں میں جسے چاہے چن لیتا ہے سو تم
بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا
یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین اور پرہیزگاری پر ہو

فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۹﴾
تو تمہارے لیے اجر بڑا۔

فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۹﴾
تو تمہیں بڑا ثواب ہے۔

پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ کفار کو جو خوشحالی کی اور دولت دی گئی ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں۔ اب یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں کہ چونکہ مسلمانوں کو مصیبتیں اور ناخوشگوار حادثے پیش آئے ہیں اس لیے وہ اللہ کے نزدیک مغضوب ہیں اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمیشہ اس حالت پر نہیں رکھنا چاہتا جس پر وہ اب تک رہے یعنی بہت سے کافر مسلمانوں کے لبادہ میں منافقت کا کھیل کھیلتے رہے زبان سے کلمہ پڑھ کر دل سے کفر پڑھ رہے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ان میں ملے جلے رہے بلکہ مسلمانوں کو منافقوں کے دھوکہ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کیے جن سے کھرے اور کھوٹے میں اور پاک اور ناپاک میں تمیز ہو جائے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بہت آسان بات تھی کہ تمام مسلمانوں کو امتحان میں ڈالے بغیر منافقوں کے نام بتا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق یہ بات مناسب نہیں کہ تمام لوگوں کو اس طرح کی غیب کی باتیں بتا دے البتہ اس کام کے لیے وہ انسانوں میں سے نبی چن لیتا ہے اور غیب کا جتنا علم انہیں دینا چاہے دے دیتا ہے۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تمام لوگوں کو براہ راست غیب کی باتیں نہیں بتائی جاتیں بلکہ صرف انبیاء کو ہی بتائی جاتی ہیں۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر یقین رکھو اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ اگر یہ کر لیا تو سمجھو کہ سب کچھ حاصل کر لیا تم لوگوں کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔

بخل کا انجام

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنْتُمْ
اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس پر جو انہیں
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّكُمْ بَلْ هُوَ
اللہ سے اس کا فضل کہ یہ بہتر ان کے لیے بلکہ یہ
شَرٌّ لَّكُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخَلُوا بِهِ يَوْمَ
ان کے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا وہ بخل کیا تھا جس میں دن
الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
قیامت اور اللہ وارث آسمان اور زمین
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۵﴾
اور اللہ جو تم کرتے ہو جانتا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنْتُمْ
اور جو لوگ اس چیز میں بخل کرتے ہیں۔ جو اللہ نے انہیں
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّكُمْ بَلْ هُوَ
اپنے فضل سے دی یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے
شَرٌّ لَّكُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخَلُوا بِهِ يَوْمَ
بلکہ یہ ان کے لیے بہت بُرا ہے ان کے گلوں میں وہ مال طوق بنا کر ڈالا جائے گا
الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
جس میں بخل کیا تھا۔ قیامت کے دن اور اللہ آسمان و زمین کا وارث
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۵﴾
اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

سورۃ آل عمران کا ابتدائی حصہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے حالات سے تعلق تھا درمیان میں منافقین کی حالت بیان کرنے کے لیے جنگ احد کا واقعہ ذکر کیا گیا اب یہاں سے پھر اہل کتاب کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہودی مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانے کا سبب بنتے تھے اور منافقین بھی زیادہ تر انہی میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودیوں میں سے جو منافقین جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے پہلو بچا کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے مال ذخیرہ کر لینا بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ قیامت کے دن ان کا یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔

اس سے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ زکوٰۃ دینے اور دین کی راہ میں ضروری مصارف پورے کرنے سے جی نہ چراتیں۔ جو شخص بخل کر کے منافقوں والی روش اختیار کرے گا۔ اسے بھی ایسی ہی سزا ملے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کا مال خوف ناک اثر ہے کی صورت میں ڈھال کر ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

بخل کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ایک اہل حقیقت بیان فرمادی ہے کہ اللہ ہی زمین و آسمان کا مالک ہے۔ اپنے بعد تو سب مال میں چھوڑ جاؤ گے۔ آخر اللہ کے قبضے میں ہی رہے گا۔ اگر انسان اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو اسے ثواب ملے گا۔ سب لوگوں کی نیتیں اور اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں وہ جانتا ہے کہ کون بخل کرتا ہے اور کون سخاوت وہ ان اعمال کے موافق ہی بدلہ دے گا۔ لہذا دل کھول کر اس کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔

یہودیوں کی گستاخی

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ
 بِيكَ سُبْحَانَ اللَّهِ قَوْلَ ان کی جنہوں نے کہا کہ
 اللَّهُ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا
 اللہ فقیر اور ہم مالدار اب لکھ رکھیں گے جو
 قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْإِنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ
 بات اور جو ٹھونکے ہیں انبیاء ناسخ اور
 نَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝۱۸۱ ذَلِكِ
 کہیں گے چھو عذاب جلتی آگ یہ
 بِمَا قَدَّمْتُمْ آيِدِيكُمْ وَ أَنْ اللَّهَ لَيْسَ
 جو تم نے آگے بھیجا ان کے ہاتھ اور بیشک اللہ نہیں
 بِظَلَامٍ ۝۱۸۲ لِلْعَبِيدِ
 ظلم کرتا بندوں پر

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ
 بیشک اللہ نے ان کی بات سنی جنہوں نے کہا کہ اللہ
 اللَّهُ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا
 فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں اب ہم ان کی بات لکھ
 قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْإِنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ
 رکھیں گے اور جو انہوں نے انبیاء کے ناسخ ٹھونکے اور
 نَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝۱۸۱ ذَلِكِ
 کہیں گے کہ اب جلتی آگ کا عذاب چکھو
 بِمَا قَدَّمْتُمْ آيِدِيكُمْ وَ أَنْ اللَّهَ لَيْسَ
 اس کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ یقیناً بندوں
 بِظَلَامٍ ۝۱۸۲ لِلْعَبِيدِ
 پر ظلم نہیں کرتا

ان آیات میں یہودیوں کی ایک اور ذلیل حرکت کا بیان ہے۔ ایک تو وہ بخل کی وجہ سے اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ نہیں کرتے دوسرے جب وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو اُس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں گستاخی کرتے ہیں جب یہ آیت مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّكُونُ بِهِ جَوَازًا لِّقَرْضِ حَسَنٍ دَعَا نَازِلٌ ہوتی تو کہنے لگے کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ اگر یوں ہے تو پھر اللہ فقیر اور محتاج ٹھہرا اور ہم بے نیاز اور مالدار۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں روپیہ خرچ کرنے کو قرض کا نام دیا اور اس طرح اس نے انتہائی رحمت و شفقت کا مظاہرہ کیا۔ وہ اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری بہتری کے لیے خرچ کرتا ہے، ہمارے اس خرچ سے اُسے کوئی فائدہ بھی نہیں پھر اُسے قرض کیسے کہا جاسکتا ہے؟ یہ تو اس کا احسان ہے کہ وہ ہمیں روپیہ خرچ کرنے کا بہترین معاوضہ دینے کا وعدہ فرماتا ہے۔ اور اس چیز کو قرض کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ لیکن یہودی اپنی خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے کی بجائے ہنسی اڑانے لگے۔ اور اللہ کے حضور میں ایسی بکواس کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس نے یہ باتیں سُن لی ہیں وہ انہیں اس کی ضرورت سزا دے گا۔

وہ معصوم اور بے گناہ جمیوں کو ناسخ قتل کرتے رہے ہیں جس طرح انہوں نے اللہ کے حضور میں گستاخی کے کلمے کہے ہیں اسی طرح انبیاء کے حضور میں بھی گستاخی کی اور اس طرح جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔

.. یہودیوں کی کٹختی

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا
 وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو کہہ رکھا ہے ہم سے کہ نہ
 نُؤْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بَقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ
 یقین کریں رسول کا جب تک ہمارے پاس نہ لائے قربان اسے کھا جائے
 النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِي
 آگ تو کہہ بیشک آچکے کتنے رسول سے مجھ سے پہلے
 بِالْبَيِّنَاتِ ۗ وَالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ
 نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر کیوں تم نے انہیں کیوں قتل کیا
 إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكُمْ
 اگر تم ہو سچے پھر اگر تجھے جھٹلائیں -
 فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوكَ
 تو جھٹلائے گئے رسول سے تجھ سے پہلے لائے
 بِالْبَيِّنَاتِ ۗ وَالزُّبُرِ ۗ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾
 نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا إِنَّا لَنَدْعُو اللَّهَ عِندَ رَبِّنَا
 وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو کہہ رکھا ہے ہم سے کہ کسی
 نُؤْمِنُ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بَقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ
 رسول کا یقین نہ کریں جب تک کہ ہمارے پاس قربانی نہ لائے کہ
 النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِي
 آگ سے کھا جائے تو کہہ تم میں مجھ سے پہلے کتنے رسول نشانیاں لے کر
 بِالْبَيِّنَاتِ ۗ وَالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ
 آچکے اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا
 إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكُمْ
 کیا اگر تم سچے ہو پھر اگر یہ تجھے جھٹلائیں
 فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوكَ
 تو تجھ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے جو نشانیاں اور
 بِالْبَيِّنَاتِ ۗ وَالزُّبُرِ ۗ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾
 صحیفے اور روشن کتاب لائے۔

قربان (قربانی) قدیم زمانہ میں بعض رسولوں کو یہ معجزہ دیا گیا تھا کہ جب کبھی وہ قربانی یا کوئی اور چیز اللہ کے نام پر دیتے تو آسمان سے آگ آتی اور اُسے کھا لیتی آگ کا کھا جانا اس قربانی کے قبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق موجودہ بائبل میں اس قسم کا واقعہ مذکور ہے۔ اس سے یہودیوں نے ایک بہانہ پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہہ رکھا ہے کہ جس پیغمبر کے پاس یہ معجزہ نہ ہو اُس پر ایمان نہ لائیں۔ یہ یہودیوں کا جھوٹا بہانہ تھا۔ کسی کتاب میں اس قسم کا کوئی حکم موجود نہ تھا۔ نہ آج موجود ہے۔ اور نہ ہر ایک نبی کی نسبت ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو اس کے حالات کے مناسب معجزے عطا کیے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو اور تم کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہیں لاتے جب تک کہ اس میں یہ معجزہ نہ دیکھ لو تو پھر بتاؤ تم نے ان قدیم پیغمبروں کو کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی نشانیاں لے کر آئے تھے۔ اور ان کے پاس یہ خاص معجزہ بھی موجود تھا۔ تم یہ جو شرط لگا رہے ہو محض حیلے بہانے ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تسلی دی کہ تم ان لوگوں کی کج سچی اور ہٹ دھرمی سے غمگین نہ ہو۔ تم سے پہلے بہت سے رسول آئے جن کو لوگ جھٹلاتے رہے۔

موت کا مزہ

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
 ہر جی کو موت چکھنی ہے اور تمہیں پورے بدلے
 أَجْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُجِرَ عَنْ
 تمہارے بدلے دن قیامت پھر جو کوئی دور کیا گیا سے
 النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا
 دوزخ اور داخل کیا گیا جنت اس کا کام بن گیا اور نہیں
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُورِ ﴿۱۸۵﴾
 دنیا کی زندگی نہیں مگر پونجی دھوکے

اس آیت میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہر ذی روح اور متنفس کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے جو مخلوق ایک مرتبہ دنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ اسے فنا ضرور ہے۔ کسی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سوا بقا نہیں اگرچہ یہ حقیقت پہلے بھی واضح کی جا چکی ہے۔ لیکن یہاں خاص طور پر ان کے بیٹے بیان کی گئی ہے جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے سینے سے لگاتے ہیں اور ڈھیر کے ڈھیر اکٹھے کرتے چلے جاتے ہیں جب موت آئے گی تو ان کا سب مال و دولت اور ہمہ دزد یہیں پڑا رہ جائے گا۔ اور وہ خالی ہاتھ اس جہان فانی سے کوچ کر جائیں گے وہ مال نہ ان کی موت کو ٹال سکتا ہے۔ نہ ان کے عذاب کو ان سے دور رکھ سکتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کو چاہیے کہ مال کی محبت چھوڑ کر اللہ کی مخلوق سے محبت رکھیں۔ مَتَاعُ الْغُرُورِ (دھوکہ کی پونجی) متاع کے معنی ہیں ساز و سامان۔ اصل سرمایہ اور پونجی۔ غرور دھوکے اور فریب کو کہتے ہیں تکبر کرنے والے کو مغرور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق دھوکہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو وہ کچھ سمجھتا ہے۔ جو حقیقت نہیں ہوتی۔

دنیا کی عارضی بہار اور عیش و عشرت بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے۔ بہت سے جاہل انسان اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور خوش نمائی سے مرعوب ہو کر عاقبت بھلا بیٹھتے ہیں۔ اور دنیا کو ہی اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں وہ لوگ دنیا میں ہر جائز اور ناجائز طریقے سے مال و متاع حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لالچ، خود غرضی اور نفس پرستی ان کا شیوا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید دنیا کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔ حالانکہ انسان کی اصل کامیابی عذاب الہی سے بچنے اور جنت کو حاصل کرنے میں ہے کوئی کامیابی جنت سے باہر رہ کر حاصل نہیں ہو سکتی نیک عملی، خدا پرستی اور ایثار و قربانی ہی انسان کو جنت کا مستحق بناتی ہے۔

جان و مال کی آزمائش

لَتُبْلَوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ
تمہاری آزمائش ہوگی میں تمہارے مال اور تمہاری جان اور سونگے تم
مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَا
سے لوگ کتاب والے سے تم سے پہلے اور
مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اٰذٰى كَثِيْرًا وَاِنَّ
سے لوگ مشرک بدگوئی بہت اور اگر
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاَمْوَالِ
تم صبر کرو اور پابندی کرو تو یہ سے بہت کام

لَتُبْلَوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ
البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں اور جانوں میں اور تم سونگے
مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَا
اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے بہت
مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اٰذٰى كَثِيْرًا وَاِنَّ
بدگوئی اور اگر تم
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاَمْوَالِ
صبر کرو اور پابندی کرو تو یہ بہت کے کام ہیں

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ کہ جس طرح اب تک تمہیں جانی اور مالی قربانیاں کرنی پڑی ہیں اور تمہاری آزمائش ہوتی رہی ہے اسی طرح آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ ہو سکتا ہے جان پر بن جائے۔ زخم کھانے پڑیں۔ قید و بند کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ امراض و بیماریاں تم پر آئیں۔ تمہارے مال ضائع ہوں عزیز و اقربا چھوٹ جائیں طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ اہل کتاب اور مشرکین کی جانب سے تمہیں بہت سی دل آزار باتیں بھی سننی پڑیں گی۔ یاد رکھو ان تمام آزمائشوں میں گزرنے کے لیے تمہیں صبر و تقویٰ سے کام لینا ضروری ہے اگر استقلال اور پابندی سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے۔ تو واقع میں یہ بڑی بہت کام ہوگا۔

ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت جنگِ بدر سے پہلے اُتری تھی۔ جنگ و قتال کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ تاہم جنگ ہو یا نہ ہو صبر و تقویٰ اختیار کرنا ہر حالت میں ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کا فر کے لیے جنت ہے اور مومن کے لیے قید خانہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو تقویٰ پر پابندی کی زندگی سکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں مختلف آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ مسلمان خدا سے ڈرتے ہیں۔ بدی سے بچتا ہے۔ نیکی کی طرف لپکتے ہیں اس کے برعکس کفار و منافقین کے لیے جھوٹ بولنا غیبت کرنا۔ سود کھانا نفع اندوزی کرنا اور چور بازاری کر کے روپیہ کمانا بظاہر آسان نظر آتا ہے۔ اور حلال کی کمانی کرنے کے لیے ایک راست بازار انسان کو بہت سی دشواری گزارا رہا ہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ منکرین حق نیکی کاروں کی مخالفت کرتے ہیں اور انہیں اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ لیکن ایک نیک عمل انسان تمام مصائب کا صبر و استقلال سے مقابلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مختلف آزمائشوں سے گزر کر جنت کا مستحق بنتا ہے۔ مختصر یہ کہ مشکلات اور مصائب میں کامیابی کا اصل راز دو اصول ہیں صبر و ثبات اور تقویٰ جو شخص یہ خصوصیات پیدا کر لیا اس کی کامیابی یقینی ہے۔

اہل کتاب کا عہد

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ اٰتَوْا
اور جب اللہ نے کتاب والوں سے عہد لیا کر اسے
الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ
لوگوں سے بیان کر گئے اور نہ چھپاؤ گے
فَبَدَّوْهُ وَّرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاَشْتَرٰ بِهٖ
پھر انہوں نے وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور ان
ثَمًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
کے بدلے ٹھوڑا سودا کیا جو خریدتے ہیں

مِيثَاق (عہد) وثق اس کا مادہ ہے۔ وثاق۔ وثوق۔ وثيقہ وغیرہ الفاظ اسی سے مشتق ہیں۔ اس کے لفظی معنی بانہ عہد اور پختہ کرنے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے ميثاق کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ یہاں ذکر ہے کہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے دو عہد لئے ایک تو یہ کہ وہ تمام حقائق اور احکام لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیں گے دوسرے یہ کہ کتاب میں سے کچھ نہ چھپائیں گے۔ اور نہ غلط بیان کریں گے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب کے علماء سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام اور بشارتیں اللہ کی کتاب میں موجود ہیں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کریں گے اور کوئی بات چھپا نہ رکھیں گے نہ ان کے معنوں میں کوئی فرق ڈالیں گے لیکن ان لوگوں نے اس عہد کی کوئی پروا نہ کی انہوں نے دنیا کے نہایت حقیر اور ذلیل نفع کی خاطر اپنا عہد توڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بدل ڈالے کتاب الہی کی آیتوں میں لفظی اور معنوی تبدیلیاں کر دیں نبی آخر الزمان کی بشارت کو انہوں نے چھپایا جس طرح مال خرچ کرنے میں سچل کرتے تھے۔ اسی طرح علم خرچ کرنے میں بھی کٹھمی کی ان کی غرض صرف یہ تھی کہ دنیا کا مال و متاع حاصل کریں۔ اس آیت سے مسلمانوں کے عالموں کو بھی تنبیہ فرمادی کہ تم دنیاوی جاہ و مال کے لئے ایسا نہ کرنا۔

اس آیت میں مسلمان علماء کے لئے بھی ایک درس عبرت موجود ہے۔ کہ وہ یہودی عالموں کی طرح آیات الہی کو چھپانے کے مجرم نہ بنیں۔ اسلام حق ہے اور حق کا چھپانا ممکن نہیں۔ حق بہر حال ظاہر ہو کر رہے گا۔ اور تمام باطل ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ امتوں کے واقعات اسی لئے بیان فرمائے ہیں کہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں کمال جو کچھ دوسروں کے ساتھ ہوا ہے۔ آج ہمارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ فطرت الہی یعنی قانون حق ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ فرمایا ہے۔

خوش فہمیاں

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوَاهُمْ

تو نہ سمجھ کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور

يُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

ہیں کیے تعریف چاہتے ہیں سو یہ

فَلَا تَحْسَبَنَّ لَهُمْ بِنِزَارَةٍ مِنَ الْعَذَابِ

نہ سمجھو کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے

وَلَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے بیٹھے آسمان

وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور زمین کی سلطنت اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

یہودی علماء عوام سے رشوتیں کھاتے تھے اور غلط مشلے بتاتے تھے کہ ہماری ان چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا وہ امید

رکھتے تھے کہ لوگ ان کی تعریف کریں گے۔ کہ یہ بڑے عالم اور حق پرست ہیں دوسری طرف منافقوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ

جہاد کے موقع پر چھپ کر گنہگار بیٹھے رہتے اور اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے کہ ہم نے کیسے جان بچاٹی جب حضور صلی اللہ علیہ

وسلم جہاد سے واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ غیر حاضری کے جھوٹے بہانے کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں

ان آیات میں بتا دیا گیا۔ کہ یہ باتیں تمہیں خدا کے اس عذاب سے نہیں بچا سکتیں۔ جو تم پر دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے

پہلے آیت میں اہل کتاب کی ان خرابیوں کی طرف اشارہ تھا۔ کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ انہوں نے حق کو چھپایا اور

لوگوں کو جھوٹ موٹ کے سستے فتوے دیے۔ جھوٹے فتوے دینا کون سا کم جرم تھا۔ مگر انہوں نے چند لوگوں کے بدلے

دین ایمان بیچ ڈالا۔ اور اپنی دنیا و عاقبت خراب کر لی۔

یہ لوگ کیسی احمقانہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اپنی ہر جائز و ناجائز حرکت پر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال و افعال کو خطا

سے بلند خیال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ ان کی اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے

ذکیتے ہوئے کاموں کی تعریف چاہتے ہیں۔ گویا اگر کوئی فرض انجام نہیں دیا تو یہ بھی ایک سوچی سمجھی سکیم تھی اور انہوں نے

عقلندی اور دور اندیشی اختیار نہ کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی خوش فہمیاں اور طفل تسلیاں انہیں عذاب الہی سے نہ بچا سکیں گی۔ زمین و آسمان

کی سلطنت اللہ ہی کے بیٹھے ہے بھلا وہ اس سے کہاں باہر نکل کر جاسکیں گے؟

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوَاهُمْ

نہ تو سمجھ لوگ خوش ہوتے ہیں اور انہوں نے کیا اور

يُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو جو نہ انہوں نے کیا

فَلَا تَحْسَبَنَّ لَهُمْ بِنِزَارَةٍ مِنَ الْعَذَابِ

سو نہ انہیں سمجھ چھوٹ گئے سے عذاب

وَلَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

اور ان کیلئے عذاب دردناک اور اللہ کے بیٹھے سلطنت آسمان

وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور زمین اور اللہ اوپر ہر چیز پر قادر

یہودی علماء عوام سے رشوتیں کھاتے تھے اور غلط مشلے بتاتے تھے کہ ہماری ان چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا وہ امید

رکھتے تھے کہ لوگ ان کی تعریف کریں گے۔ کہ یہ بڑے عالم اور حق پرست ہیں دوسری طرف منافقوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ

جہاد کے موقع پر چھپ کر گنہگار بیٹھے رہتے اور اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے کہ ہم نے کیسے جان بچاٹی جب حضور صلی اللہ علیہ

وسلم جہاد سے واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ غیر حاضری کے جھوٹے بہانے کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں

ان آیات میں بتا دیا گیا۔ کہ یہ باتیں تمہیں خدا کے اس عذاب سے نہیں بچا سکتیں۔ جو تم پر دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے

پہلے آیت میں اہل کتاب کی ان خرابیوں کی طرف اشارہ تھا۔ کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ انہوں نے حق کو چھپایا اور

لوگوں کو جھوٹ موٹ کے سستے فتوے دیے۔ جھوٹے فتوے دینا کون سا کم جرم تھا۔ مگر انہوں نے چند لوگوں کے بدلے

دین ایمان بیچ ڈالا۔ اور اپنی دنیا و عاقبت خراب کر لی۔

یہ لوگ کیسی احمقانہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اپنی ہر جائز و ناجائز حرکت پر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال و افعال کو خطا

سے بلند خیال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ ان کی اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے

ذکیتے ہوئے کاموں کی تعریف چاہتے ہیں۔ گویا اگر کوئی فرض انجام نہیں دیا تو یہ بھی ایک سوچی سمجھی سکیم تھی اور انہوں نے

عقلندی اور دور اندیشی اختیار نہ کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی خوش فہمیاں اور طفل تسلیاں انہیں عذاب الہی سے نہ بچا سکیں گی۔ زمین و آسمان

کی سلطنت اللہ ہی کے بیٹھے ہے بھلا وہ اس سے کہاں باہر نکل کر جاسکیں گے؟

آیات الہی میں غور و فکر

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَانِ
 الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ١٩٠
 رات اور دن نشانیوں عقل والوں کے لئے
 الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
 وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا
 سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ١٩١
 اور زمین اے ہمارے رب - نہیں تو نے بنایا یہ عبث
 تو پاک ہے سو میں بچا عذاب دوزخ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَانِ
 الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ١٩٠
 بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور دن رات کے
 آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں
 الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
 وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا
 سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ١٩١
 وہ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور
 کدھ پر لیٹے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر
 کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ عبث
 نہیں بنایا تو پاک ہے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

ایک سمجھ دار انسان جب آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کے نظام پر غور کرتا ہے تو اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس کل کائنات کو بنانے والی ایک قادر مطلق ہستی ہے جس کے سامنے کائنات کی کسی چیز کی جرأت نہیں کہ اپنے دائرہ سے باہر نکل سکے۔ ایسے غور کرنے والے لوگ صبح و شام ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔

غور کرنے والے لوگ ذکر و فکر کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے کائنات کا یہ تمام کارخانہ بے کار اور بے مقصد نہیں بنایا۔ یقیناً ان عجیب و غریب اور پُر حکمت انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم نتیجے پر جا کر ختم ہو گا۔ گویا یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی طرف جاتا ہے۔ جو موجودہ زندگی کا آخری قدرتی اور منطقی نتیجہ ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی دوسری اشیاء میں غور و فکر کرنا صرف اس صورت میں مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ جب اس کے نتیجہ میں انسان خدا کی یاد اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جو لوگ ان چیزوں میں غور و فکر کر کے مادہ پرستی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں انہیں دنیا خواہ کتنا ہی عالم سمجھے۔ قرآن مجید کی زبان میں وہ اولی الالباب (دانشمند) نہیں کہلا سکتے۔ روزمرہ زندگی میں ہمارے سامنے بے شمار کرشمے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور وہ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتوں سے انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ آخر سے ان سب کے بنانے والے کے دربار میں حاضر ہونا ہو گا۔ اس وقت کے لیے اسے ابھی تیاری اور ساز و سامان کر لینا چاہیے۔

داعی کی پکار

رَبَّنَا إِنَّكَ مَن ذُو عَرْشِكَ عَالَمِينَ قَدِ اجْتَبَيْتَنَا وَتَوَكَّلْنَا وَإِنَّا مِن كَذِبٍ لَّمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۱﴾

ہمارے رب بیشک جسے تو نے داخل کیا دوزخ تو اسے رسوا کیا

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَا إِنَّتَا

اور نہیں گنہگاروں کا کوئی مددگار ہمارے رب بیشک

سَمِعْنَا مَنَادِيًا يُنَادِي بِالْإِيمَانِ - أَنْ

ہم نے سنا پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو

أَمِنُوا بِرَبِّكُمْ - فَاذْكُرُوا رَبَّكُم مَّا كَانَتْ

ایمان لادو تمہارا رب سو ہم ایمان لے آئے ہمارے رب ہمیں بخش دے

ذُنُوبَنَا - وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا - وَتَوَقَّنَا

ہمارے گناہ اور دور کر دے ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں موت دے

مَعَ الْآبَرَارِ ﴿۱۹۳﴾

ساتھ نیک لوگوں

رَبَّنَا إِنَّكَ مَن ذُو عَرْشِكَ عَالَمِينَ قَدِ اجْتَبَيْتَنَا وَتَوَكَّلْنَا وَإِنَّا مِن كَذِبٍ لَّمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۱﴾

اے ہمارے رب جسے تو نے دوزخ میں ڈالا۔ سو اس کو رسوا کر دیا

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَا إِنَّتَا

اور گنہگاروں کا کوئی مددگار نہیں اے ہمارے رب بیشک

سَمِعْنَا مَنَادِيًا يُنَادِي بِالْإِيمَانِ - أَنْ

ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ ایمان لانے کو پکارتا ہے کہ

أَمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاذْكُرُوا رَبَّكُم مَّا كَانَتْ

اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے رب

ذُنُوبَنَا - وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا - وَتَوَقَّنَا

ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور

مَعَ الْآبَرَارِ ﴿۱۹۳﴾

ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور نہ کریں یا غور و فکر کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان نہ کریں یا مادیات میں پڑ کر مادہ پرستی کی طرف مائل ہو جائیں وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور جو شخص جتنے دن بھی دوزخ میں رہے گا وہ اتنا ہی رسوا ہوگا۔ جسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالنا چاہیے کوئی اس کی مدد کر کے اسے بچا نہیں سکتا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر کر کے صحیح نتیجوں پر پہنچتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں صبح و شام اس کی یاد تازہ رکھتے ہیں وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرف پکارنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے پکارا توحید و عبادت کی طرف بلایا تو ہم نے اس کی پکار سنی اس کی طرف رجوع ہوئے اور ہم ایمان لے آئے۔

یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے بڑے بڑے گناہ بخش دے چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے جب ہمیں موت آئے تو نیک بندوں کے ساتھ آئے ہمیں انہی کے ساتھ اٹھا اور انہی میں شامل رکھ۔

ان آیات سے سبق سیکھنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے (اللہ تعالیٰ کی) یاد زبان و دل سے جاری رکھنی چاہیے۔ اور اسی سے دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ میں دوزخ کی آگ سے بچا۔ ہمارے گناہ بخش دے برائیوں کو دور کر دے دنیا سے نیکوکاروں کے ساتھ اٹھا جو لوگ ہدایت اور نیکی کی طرف دعوت دیتے ہوں خواہ لوگ ان کی پکار کی طرف کوئی دھیان نہ دیتے ہوں۔ انہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکی کا اجر مزدور دے گا۔

نیوکاروں کا اجر

رَبَّنَا وَإِنَّمَا وَعَدْنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا

ہمارے رب! اور ہمیں وعدے جو تو نے ہم سے وعدہ کیا واسطہ تیرے رسول اور نہ

تُخْرِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعَادَ ﴿۹۴﴾

ہمیں رسوا کر دن قیامت تو بیشک نہیں خلاف کرتا وعدہ

وَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ

پھر قبول کیا ان کی دعا کو ان کا رب میں نہیں ضائع کرتا محنت

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ

محنت کرنے والا تم میں سے مرد اور عورت تم میں سے بعض

مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا

سے بعض پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکلے گئے

مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا

سے ان کا گھر اور شائے گئے میں میری راہ اور لڑے

وَقُتِلُوا لَا كُفِّرَتْ عَنْهُمْ تَبَائِرُهُمْ وَلَا دُخِلَتْ لَهُمْ

اور مارے گئے البتہ میں دور کر دوں گا ان سے ان کی ایٹیاں اور انہیں داخل

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ تِلْكَ

گرنے والی جنت بہتی ہے اس کے نیچے نہریں بدلہ

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ التَّوَابِ ﴿۹۵﴾

سے نزدیک اللہ اور اللہ نزدیک اچھا بدلہ

رَبَّنَا وَإِنَّمَا وَعَدْنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا

اے ہمارے رب! اور ہمیں وعدے جو تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ

تُخْرِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْبِعَادَ ﴿۹۴﴾

کیا اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بیشک تو وعدہ کی خلاف نہیں کرتا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ

پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ

محنت کرنے والے کی محنت مرد ہو یا عورت تم آپس میں

مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا

ایک ہو پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلے گئے

مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا

اور میری راہ میں شائے گئے اور لڑے اور مارے گئے

وَقُتِلُوا لَا كُفِّرَتْ عَنْهُمْ تَبَائِرُهُمْ وَلَا دُخِلَتْ لَهُمْ

البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دور کر دوں گا اور انہیں باغوں

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ تِلْكَ

میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ کے

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ التَّوَابِ ﴿۹۵﴾

ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے

خود فکر کرنے والے لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! پیغمبروں کی زبانی تو نے جو ہم سے دنیا میں کافروں پر نبلے اور آخرت میں جنت کے ٹھکانے کے وعدے کیے وہ پورے کر لیتا تو وعدہ خلائی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کسی شخص کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ جو شخص جو کام کرے گا۔ اُسے اس کا پھل مل کر رہے گا۔ عورت ہو یا مرد تم میں سے ہر ایک کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا دامن چھوڑا۔ عزیز و اقربا چھوڑے۔ مال و متاع کٹایا۔ دشمنوں نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دے دی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام گناہ معاف کیے گئے جنت ان کا انتظار کر رہی ہے۔ اعمال اور محنت کا اچھے سے اچھا بدلہ اللہ ہی کے ہاں ہے۔ اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف ہر حالت میں متوجہ رہے جو مانگنا ہو اسی سے مانگے اور جو ہدایت اس نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ انسان کے پاس ہے۔ اس پر بے چون و چرا عمل کرے۔

کفار کی خوشحالی

لَا يَخْرُجُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝

تجھے کافروں کا شہروں میں پھرتا دھوکہ نہ دے

مَتَاعٌ قَلِيلٌ تَتَمَتَّعُونَ بِهِ مَا كُنتُمْ بِهِ كَارِهِينَ ۝

تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور

الْيَهَادِ ۝ لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ

وہ بہت بڑا ٹھکانہ ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ

فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ

رہیں گے۔ اللہ کے ہاں سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے

اللَّهُ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝

ہاں ہے سو وہ نیک بختوں کیلئے بہتر ہے۔

لَا يَخْرُجُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝

تجھے دھوکہ دے پھرتا لوگ کفار ہیں شہر

مَتَاعٌ قَلِيلٌ تَتَمَتَّعُونَ بِهِ مَا كُنتُمْ بِهِ كَارِهِينَ ۝

فائدہ تھوڑا پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ اور بڑا

الْيَهَادِ ۝ لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ

ٹھکانہ لیکن جو لوگ ڈرتے رہے ان کا رب ان کیلئے

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

باغ بہتی ہیں سے ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے

فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ

ان میں مہمانی سے اللہ کے ہاں اور جو نزدیک

اللَّهُ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝

اللہ بہتر نیک بختوں کے واسطے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافر اور مومن کے انجام کا موازنہ فرمایا ہے۔ کفار جائز اور ناجائز طریقوں سے مال اکٹھا کرتے ہیں اور اڑھتے پھرتے ہیں مسلمانوں کو یہ دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ یہ چند روز کی بہار ہے۔ اگر کسی شخص کو صرف دو چار دن کے عیش و عشرت کے بعد پھانسی کی سزا سنائی جائے تو ایسا جتنی کام، عیش و عشرت تو وہ ہے کہ تھوڑی سی محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے آرام حاصل کیا جائے۔ اس عیش و کامیابی کا اس چند روزہ بہار سے مقابلہ کر۔ تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ بہتر ہے یا وہ۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔ انہیں ان کے اعمال کے بدلے جنت میں ٹھکانہ ملے گا۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ یعنی انہیں اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں کرنی پڑے گی بلکہ عزت و احترام سے بیٹھے بٹھائے انہیں ہر چیز تیار ملے گی ایسے نیک بختوں کا اجر و ثواب جو اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے۔ آج اگرچہ کافر لوگ اور کافر حکومتیں بظاہر ترقی یافتہ نظر آتی ہیں وہ مادی اور معاشی لحاظ سے زیادہ خوش حال دکھائی دیتی ہیں۔ انہیں دنیا کے عیش و آرام پیش ہیں لیکن یہ سب کچھ عارضی ہے۔ انجام کار ان کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔ ہمیں ان کی خوشحالی اور ترقی دیکھ کر کڑھانا چاہیے۔ جو لوگ اللہ کو اور اس کے مقرر کردہ قوانین کو نہیں مانتے وہ کبھی خود غرضی سے خالی نہیں ہو سکتے بظاہر ہر جگہ چل پھل ہے لیکن دل میں آپس کے حسد اور دشمنی نے اس قدر گہری جگہ بنالی ہے کہ دن کے آرام کا تو ذکر ہی کیا راستہ کو بھی ہیں سے نہیں سو سکتے درحقیقت وہ جان کی کسی حالت میں ہیں ایک دوسرے کا خوف و ہراس دلوں پر طاری ہے۔ اور تکبر نے ستیا ناس کر رکھا ہے۔

اصول کامرانی

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
 اور بیک سے والے کتاب بعض وہ جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر
 وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ
 اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اترا ان کی طرف۔
 خَشِيعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
 عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے آیتیں اللہ
 ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
 مول تمہارا یہی لوگ جن کے لئے ان کی مزدوری نزدیک
 رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۶۶﴾
 ان کا رب بیک اللہ جلد حساب
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَ
 اے لوگو! ایمان والے صبر کرو اور مضبوط رہو اور
 رَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۶۷﴾
 لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
 اور کتاب والوں میں بعض وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو
 وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ
 تمہاری طرف اترا اور جو ان کی طرف اترا اللہ کے
 خَشِيعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
 آگے عاجزی کرتے ہیں اللہ کے آیتوں پر تمہارا مول نہیں
 ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
 خریدتے یہی لوگ جن کے لئے ان کے لئے ان کے لئے
 رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۶۶﴾
 ان کا رب بیک اللہ جلد حساب لئے وال ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَ
 اے ایمان والو صبر کرو اور مضبوط رہو اور لگے رہو
 رَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۶۷﴾
 اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو

ان آیات میں ایسے ان کتاب کا جو متقی اور پرہیزگار ہیں ذکر فرمایا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ٹھیک ایمان لائے جنہوں نے اللہ کو مانا۔ اللہ کے آگے عاجزی اور اخلاص سے سجدہ کرتے رہے۔ جنہوں نے بشارتوں کو نہ چھپایا اور نہ اللہ کے احکام کو بدلا۔ ان لوگوں کے لئے اللہ کے ان بہت بڑا اجر ہے۔ حساب کا دن بہت دور نہیں بلکہ جلد آنے والا ہے۔ ۲۱، روز انبیاء پورا پورا ایمان آجائے گا۔ اس سورت کے خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع نصیحت فرادی گئی ہے۔ یعنی اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو۔ دنیا اور آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیوں سہہ کر بھی فرماں برداری پر مجھے رہو۔ گناہوں کے قریب بھی نہ بھٹکو۔ دشمن کے مقابلے میں شہید ہو کر استقلال دکھاؤ۔ اسلام کی حفاظت میں لگے رہو دشمن کا ڈٹ کا مقابلہ کرو اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو اگر تم نے یہ کردیا تو تمہارا تمام برکتیں اور کامیابیاں حاصل کر لیں۔ سورۃ کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ نے چار نصیحتیں فرمائی ہیں۔ اور انہیں فلاح و کامرانی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

- (۱) اصْبِرُوا (صبر کرو) یعنی کامیابی کا پہلا اصول ثابت قدمی ہے۔
- (۲) صَابِرُوا (صبر دو) ایک دوسرے کو نمبر کی تلقین کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو، اپنے ساتھ دوسروں کو بھی صبر و ثبات کا نوگر بناؤ۔
- (۳) رَابِطُوا (لگے رہو) اور باہم متحد ہو جاؤ، باہمی رابطہ اور مضبوط تعلقات کامیابی کا ذریعہ ہیں۔
- (۴) اتَّقُوا اللَّهَ (اللہ سے ڈرتے رہو) خدا خوفی اور پرہیزگاری کامیابی کا چوتھا اصول ہے۔

سورہ آل عمران پر ایک نظر

سورہ آل عمران کی ابتدا ان الفاظ سے ہوئی کہ اللہ ایک ہے۔ وہ زندہ ہے۔ اور سب کی زندگی اسی سے قائم ہے اس لیے انسان کی ہدایت کے لیے الہامی کتابیں نازل کیں۔ آخر میں قرآن مجید بھیج کر ان کی تکمیل کی۔ اس نے سچ اور جھوٹ کو جانچنے کے لیے کسوٹی مقرر کی۔ قرآن مجید کی کچھ آیتیں اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ ان کو سمجھنا ہر ایک کے لیے آسان ہے۔ بعض آیتوں کے معنی ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتے۔ ہمیں ان سب پر ایمان لانا چاہیے۔ اور یقین کرنا چاہیے۔ کہ ان کے معنی بالکل ٹھیک ہیں۔ اور یہ سب ہمارے لب کی طرف سے ہیں۔

پھر بتایا ہے کہ انسان کا دل بیوی بچوں۔ سونے چاندی کے ڈھیر اور اپنے مطلب کی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے حالانکہ یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں۔ دل فقط اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے اور آخرت کے حاصل کرنے میں لگانا چاہیے جنت کا طلبگار ہر سب سے زیادہ اچھا مقصد ہے اللہ نے اسلام کو عالم انسانی کے لیے دین مقرر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ کچھ لوگ اس کے ماننے سے جی چراتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مریم کی پیدائش اور ان کی پرورش حضرت عیسیٰ کی پیدائش۔ ان کے ذریعہ قوم کی اصلاح کی کوشش اور ان کے معجزات وغیرہ کا ذکر ہوا۔ پھر عیسائیوں سے کہنا گیا۔ کہ ان کی تعلیم سے فائدہ اٹھائیں۔ اور حضرت قائم النبیین اور ان کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کی تابعداری کریں۔ کیونکہ خود تمہاری کتاب ان کی سچائی پر گواہ ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ۔ یہودی یا نصرانی نہ تھے۔ بلکہ مسلم تھے۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کو ایک بہت مفید پیغام دیا گیا کہ ایک دوسرے کی غلامی چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اکٹھے ہو کر جھک جائیں اگر وہ اس پیغام کو نہ مانیں مسلمان اس کو گروہ میں باندھ لیں اور ان اصولوں کو اتفاق کے ساتھ مضبوط پکڑ لیں۔ آپس میں لڑنا بھیگنا چھوڑ دیں یوں وہ ساری امتوں سے بہترین امت بن جائیں گے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ براہوں سے بچنے لگیں گے اور نیک کام اختیار کرنے لگیں گے۔ پھر مسلمانوں کو جنگ بدر کی طرف توجہ دلائی کہ اس میں ان کی کامیابی خدا کی شان کا ایک زبردست کرشمہ تھی اللہ کی مدد کے بغیر اس میں کامیابی ناممکن تھی۔ اس کے بعد سود کی ممانعت اور اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ سود سے بچنے کا حکم غالباً اس وجہ سے آیا ہے کہ جیسے اس جنگ میں کابیانی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔ اسی طرح سود کے چھوڑ دینے سے فائدہ پہنچے گا۔ اور تمام انسان تباہی سے بچ جائیں گے۔

اس کے بعد جنگ احد کا ذکر ہے۔ اس میں جو کچھ نقصان ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پورے طور پر نہیں مانا گیا۔ منافقوں کے طرز عمل کی برائی کی گئی۔ جو انہوں نے اس جنگ میں اختیار کیا اور یوں اسلام اور مسلمانوں کے نقصان کا موجب ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ یہود و نصاریٰ کا طریق زندگی غلط اور قابل اعتراض ہے وہ اس کی پیروی نہ کریں ان کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچیں گی۔ ان کو صبر سے برداشت کر کے اپنے کام سے کام نہ کھنا چاہیے۔ اور اپنی اتجا اور دھا کا اظہار اللہ بزرگ و برتر کی مدد گاہ میں پیش کر کے اس سے مدد مانگنی چاہیے۔ اس کے بعد دعانا گئے کا طریقہ بتایا اور سمجھایا کہ کافروں کی ظاہر خوشحالی سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ آخر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ہاں جو اہل کتاب ایمان لائیں گے۔ اور نیک کام کریں گے ان کو اجر ملے گا آخر میں مسلمانوں کو نصیحت ہے کہ صبر کرو دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہو۔ اور ان کے مقابلہ کی تیاری میں لگے رہو۔ اللہ سے فائدہ۔ اسی میں تمہاری فلاح و کامیابی ہے۔

سورة النساء کا خلاصہ

اس سورت میں خاص طور پر مرد و عورت کے باہمی تعلقات کا بیان ہے کہ ان کا ایک دوسرے پر کیا حق ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے۔ سماجی خرابیوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے۔ مل جل کر رہنے کا اچھا طریقہ کونسا ہے۔ اور ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے میں کیا کیا فائدے ہیں۔

مرد و عورت دونوں انسان ہونے میں یکساں ہیں کیونکہ دونوں کی اصل ایک ہے۔ یتیموں کا خاص طور پر خیال رکھو اور یتیم خانوں کو نقصان پہنچا کر اپنے فائدے کے لئے شادی نہ کرو۔ عام عورتوں کے ساتھ دو دو تین تین چار چار سے بیک وقت شادی کر سکتے ہو لیکن بشرطیکہ عدل کرو اور کسی کا حق نہ دو۔ باڈ اور جب تم ٹھیک ٹھیک عورتوں کے حقوق سمجھ جاؤ گے تو یتیموں کے رشتہ کرنے میں خود عقل اور انصاف کرنے لگو گے۔ اس کے بعد میراث کی تقسیم کا مفصل قانون بیان کیا گیا ہے۔ پھر مردوں اور عورتوں کی نامناسب حرکتوں کی سزا مقرر کی ہے۔ توبہ کا وقت اور طریقہ کھول کر بیان کیا ہے۔ پھر ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ اس وقت ایک طبقہ نوٹھی غلام کا بھی تھا۔ ان کے ساتھ برتاؤ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کا مال چھین چھپٹ کر مت لو۔ ہاں رضامندی کے ساتھ تجارت کے طریقے سے لین دین جائز ہے۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ انسان قوتوں اور قابلیتوں میں ایک دوسرے سے بڑا اختلاف رکھتے ہیں۔ میل جول اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک اپنی قابلیتوں کی حد سمجھے اور اسی کے اندر رہ کر کام کرے۔ مرد اور عورت میں تو بہت ہی کھلا ہوا فرق ہے۔ اس لئے انہیں کبھی ایک دوسرے کی ریس نہیں کرنی چاہیے۔ اپنی حد کے اندر رہ کر جو بھی کوئی کام کرے گا اس کا پھل اسے ضرور ملے گا اور وہ کامیاب ہوگا۔ اتنا سمجھنے کے بعد میاں بیوی کے تعلقات کبھی خراب ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر مرد کا رویہ بالکل درست ہو اور پھر بھی عورت سنا سنا شروع کر دے یا اس کا لٹ بو تو زیادتی کرنے والے کا ٹھیک کرنا کسی نہ کسی طرح ضروری ہو جاتا ہے۔

اس سورت میں دو قانون نہایت اہم دیئے گئے ہیں۔ جن پر انسان کی بھلائی اور بہتری کا دار و مدار ہے۔ ۱۔ جو شخص جس کام کا اہل ہو یعنی اس کو بہت ہی اچھی طرح کر سکتا ہو۔ وہ اسے ملنا چاہیے۔ اسی طرح ہر چیز اس کے مستحق کو ملنی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ مستحق تو محروم رہ جائے اور نا اہل اس پر قبضہ کر بیٹھے۔ یہ سماج کی درستی کی گنجی ہے۔ ۲۔ اللہ اور رسول کا کہا مانو اور تم میں سے جو شخص کسی کام میں خوب ماہر ہو اس کی اس کام میں پیروی کرو اور اس کی ہدایات پر عمل کرو اور اگر باہم اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کے ارشادات میں فیصلہ تلاش کرو۔ یہ قوانین انتظام حکومت کی جان ہیں۔

اس کے بعد منافقوں کا طرز عمل بیان کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر اصرار نہیں دیتے اور دوسرے لوگوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ پھر جہاد کی تیاری کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ کمزور مسلمانوں کو ظالم بے دینوں کے ظلم سے رہائی دلانا ضروری ہے۔ اس میں بھی منافقوں کے رویہ کی بُرائی کی گئی ہے۔ یہ لوگ اپنے ذاتی نفع کے سوا کچھ نہیں دیکھتے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنا سخت جرم ہے۔ جس کی سزا اللہ کا غضب اور جہنم ہے۔ اگر کوئی مجبور چوک یا غلطی کی وجہ سے کسی مومن کو قتل کر دے۔ تو اس کے لئے اسے کفارہ دینا چاہیے۔

سفر و خوف کی نماز کا بیان ہے کہ جس وقت دشمنوں کے حملہ کا خوف ہو اور نماز کا وقت آجائے تو نماز کو سطرچ ادا کرنی چاہیے اس کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شرک کا بیان ہے کہ شرک ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ جماعت کے ساتھ رہو آپس کی ملاقاتوں میں میل بلاپ اصلاح کے طریقوں اور نیک عمل کے راج دینے کی باتیں کیا کرو۔ حضرت عیسیٰ کی بابت صحیح اور نیک عقیدہ رکھو۔ آخر میں میراث کے باقی قاعدے بیان کر کے سورت ختم ہے۔

آيَاتُهَا ١٤٦ رُكُوعَاتُهَا ٢٧

انسان کی پیدائش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بہ رحم مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

آيَاتُهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

لے لوگو اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں پیدا کیا ایک

مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا

جان سے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ

دوڑوں سے جینے بہت مرد اور عورتیں اور

نِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ

اللہ سے ڈرتے ہو تمہارے واسطے اس میں سوال کرتے ہو

وَالرَّحْمٰنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا رَّحِیْمًا

قربت والوں کا خیال رکھو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

لَا يَتَّبِعُ النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

نہ رُوئے نہ رُوئے اور نہ اپنے سے جس نے پیدای

كَمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا

توڑوں سے جان ایک اور پیدا کیا اسی سے

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ

جوڑا اس کا اور پیدا کیا ان دونوں سے مرد بہت اور

نِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ

عورتیں اور ڈرو اللہ سے وہ کہ سوال کرتے ہو جس کے واسطے

وَالرَّحْمٰنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا رَّحِیْمًا

اور قربانوں سے بیشک اللہ ہے تم پر نگہبان۔

نفس: (جان شش مادہ) جس سے کوئی اور چیز بناٹی جائے۔ یہاں اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی بائیں پسلی سے حضرت خوالونکالا اور اس جوڑے سے باقی تمام انسان پیدا کئے گئے۔

نذج (جوڑا) جب کوئی چیز کسی اور چیز سے مل کر پوری ہو اور اس کے بغیر ادھوری ہے تو ان دونوں چیزوں کو ایک دوسرے کا جوڑا کہتے ہیں۔ اور حاتم رحم کی جمع ہے اس کے معنی میر بانی اور قربت دونوں ہیں۔ یہاں قربت مراد ہے صلہ رحمی کی ترکیب اسی سے نکلی ہے۔

اس آیت میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے کہ تمام انسان ایک ہی نفس سے بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر حضرت سے ہوا کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت مرد کے کسی قدر کمزور ہے۔ پھر اللہ نے انہی دو مرد و عورت سے

بے شمار جوڑے دنیا میں پھیلائے اور وہی ان کا پالنے والا اور ضرورت کی چیزیں دینے والا ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر بات میں ہر وقت اس کی مرضی اور اس کے حکموں کا خیال رکھیں اور اسکی ناراضگی سے بچیں۔ یوں تو ہر ایک آپس میں معاملہ کرتے وقت اللہ ہی

کا واسطہ دیتا ہے شہوت اس بات کی ہے کہ دل میں اس کی ناراضگی کا ڈر بیٹھ جائے اور نافرمانی نہ ہونے پائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب سب انسان ایک ہی مرد و عورت کی اولاد ہیں تو ان کا آپس میں رشتہ بہت گہرا ہے اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ ایک سے دوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچے بلکہ آپس میں ہمدردی اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ بڑے کاموں سے بچنے کی ہدایت سائے وقت پر کام آنا جان و مال سے بوقت ضرورت خبر گیری کرنا

آپس میں نسلی دلاسا دیتے رہنا یہ سب کام کرنے کے لئے لازم ہیں قریب کے رشتہ داروں کا اور بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیے اس کو بھی نہ بھولنا چاہیے۔ کہ رشتہ داروں کے علاوہ ہمارا انسانی رشتہ رُوئے زمین کے تمام انسانوں سے بھی ہے جب بھی موقع آئے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک لازم ہے۔

یتیموں کا مال

وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
 اور یتیموں کو مال ان کا اور نہ بدلو
 الْخَبِيثَاتِ بِالطَّيِّبَاتِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ
 بڑے کو ساتھ اچھے کے اور نہ کھاؤ مال ان کا
 إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حَبِيًّا ۝۲
 گڈڈ کر کے مال اپنے سے بیشک یہ ہے وبال بڑا۔

یٰتیمٰ! (یتیم کی جمع ہے) ایسا بچہ یا بچی جو مال باپ کے سایہ سے محروم ہو خصوصاً وہ جس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔
 خَبِيثَاتٍ (بڑا) خبثت و خباثت وغیرہ اسی مادہ کے لفظ ہیں اس کے معنی ہیں گندہ۔ ناپاک اور بڑا یعنی وہ جو پاکیزہ صاف ستھرا
 اور خالص نہ ہو۔

حَبِيًّا (وبال) ایسے گناہ اور وبال کو کہا جاتا ہے جس کا انجام مصیبت اور تکلیف ہو۔
 اس سورۃ کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں خصوصیت سے عورتوں کے مسائل اور ان کے حقوق و فرائض کا ذکر ہو گا چنانچہ ابتدائی
 آیات میں ہی پہلے تو یہ واضح کیا گیا کہ عورت و مرد کی پیدائش ایک ہی وجود سے ہوتی ہے لہذا اصل معیار نصیحت تقویٰ اور پرہیزگاری
 کو سمجھنا چاہیے اور صلہ رحمی سے پیش آنا چاہیے۔

اب سورۃ کی دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے یتیموں کا مال نہ کھاؤ ایسا کرنا گویا پاک اور ناپاک کو ملا لینا ہے۔ اگر کوئی شخص یتیم
 کے مال کا ناجائز استعمال کرتا ہے تو گویا اپنی حلال اور پاکیزہ کمائی کو بھی ساتھ ہی حرام اور گندہ کر رہا ہے۔ جیسے کوئی شخص بھرے گلاس
 میں پیشاب کے چند قطرے ڈال کر اسے ناپاک کر لیتا ہے۔ ایسے ہی یتیم کا معمولی سا مال کھا کر وہ زندگی بھر کی کمائی حرام کر لیتا ہے۔
 اس کے ساتھ ہی فرما دیا۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھ لینا کہ یتیموں کے سوا دوسروں کا مال تم پر حلال ہے اور اس کی سزا کچھ
 نہ ہوگی۔ نہیں۔ دوسرے کا مال بھی تم پر جائز نہیں۔ خواہ وہ غیر کوئی ہو۔ اس جرم کو حَبِيًّا (بڑا وبال) کہہ کر گناہ اور جرم کی
 حقیقت بالکل واضح فرمادی۔ تاکہ کسی کو شک مشبہ نہ رہے۔

پہلے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی تاکید تھی۔ پھر تیمی کے حُسنِ معاملہ کا حکم ہوا۔ آخر میں تمام نوعِ انسانی کے ساتھ
 معاملات کی درستی کی تاکید موجود ہے۔ یہ ہے اسلام کی رُوح۔

تعدوا زوج

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ

اور اگر ڈرتے ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے بارے میں یتیموں کے

فَاتُكْحَمُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلَىٰ

تو نکاح کرو جو اچھی لگیں تم کو سے عورتوں دود

وثلث وربع فإن خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا

اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرتے ہو کہ نہ انصاف کر دو گے

فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ

تو ایک یا جو قبضہ میں ہو دائیں ہاتھ تمہارے کے یہ

أَدْنَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ﴿٣﴾

قریب اسکے کہ نہ جھکوا ایک طرف۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ

اور اگر تم ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے یتیموں کے حق میں تو

فَاتُكْحَمُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلَىٰ

نکاح کر لو ان سے جو عورتیں تمہیں پسند آئیں دو دو اور

وثلث وربع فإن خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا

تین تین یا چار چار پس اگر ڈرو کہ نہ انصاف کر سکو گے

فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ

تو ایک یا جن پر قبضہ ہو تمہارے دائیں ہاتھ کا اس میں امید ہے کہ تم

أَدْنَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ﴿٣﴾

ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

ایمان: (میں کی جمع ہے) یہاں اس سے مراد دایاں ہاتھ ہے۔ آدمی جس چیز کو پکڑتا ہے اکثر دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے اس لئے کسی چیز پر پورا قبضہ ظاہر کرنے کے لئے عربی محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس کا دایاں ہاتھ اس چیز کا مالک ہے۔ یعنی وہ اس کی پوری اور مضبوط گرفت میں ہے مثلاً گنیز اور غلام وغیرہ۔

آیت کے اس حصہ میں یتیموں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے کیونکہ ان کا پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ وہ باسانی ہر ایک کے ظلم کا شکار ہو سکتے ہیں یتیم لڑکیوں سے اگر نکاح کرو تو یہ شادی خواہش لالچ اور مال پر قبضہ کرنے کی نیت سے نہ ہونی چاہیے بلکہ نقطہ ان کے نفع اور فائدے کے خیال سے ہونی چاہیے اور اگر ان اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے بچنا دشوار ہو تو یتیم لڑکیوں کو ان کے حال پر رہنے دو اور کسی اور عورت سے شادی کر لو اور جی چاہے تو دو تین چار تک سے کر لو لیکن اس صورت میں عدل کا بہت زیادہ خیال رکھنا پڑے گا۔ اگر عدل نہ کر سکو تو پھر ایک ہی پر بس کر دیا تمہارے ہاں کوئی گنیز ہو تو اس پر ہی صبر کرو۔ یہ انصاف کے زیادہ قریب ہے۔

اس آیت کے سلسلہ میں دو تین باتوں کا خاص طور پر سمجھ لینا ضروری ہے ایک تو یہ کہ یتیم بچیوں سے اگر عدم انصاف کا خطرہ ہو تو ان سے نکاح نہ کرو۔ بلکہ دوسری عورتوں سے ایک کی بجائے چار تک نکاح کر سکتے ہو۔ دوسرے یہ کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان انصاف قائم رکھ سکو جو انتہائی دشوار اور محال امر ہے جیسا کہ خود اسی سورۃ میں دوسری جگہ مذکور ہے (تیسرے یہ کہ اگر بیویوں کے درمیان انصاف اور برابری قائم نہ رکھ سکنے کا ڈر ہو تو پھر گنیز پر ہی اکتفا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کھلا اور عام نہیں بلکہ انصاف کی شرط سے وابستہ ہے۔

حق مہر

وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ

اور دے دو عورتیں ان کے مہر خوشی سے بھر اگر
طِبْنَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ

بھجڑیں تہا سے کچھ اس میں سے اپنی خوشی سے تو اسے کھاؤ
هِنْيَا مَرِيًّا ۳ وَلَا تُولُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُم

رجا پچتا اور مت پچھا اور بے عقل اپنے مال
الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ

جو بنایا اللہ تمہارے لئے گزارن اور کھلاتے رہو اس
فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لِهٰمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۴

میں سے اور پہنتے رہو اور کہو ان سے بات معقول۔

وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو۔ بھر اگر
طِبْنَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ

اس میں سے تہیں اپنی خوشی سے کچھ بھجڑیں تو اسے ذوق دشرق
هِنْيَا مَرِيًّا ۳ وَلَا تُولُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُم

سے کھاؤ۔ اور بیوقوفوں کو مت پچھا دو اپنے وہ مال
الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ

جنہیں اللہ نے تمہارے گزارن کا سبب بنایا ہے اور انہیں اس میں سے
فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لِهٰمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۴

کھلاتے اور پہنتے رہو اور ان سے معقول بات کہو۔

صَدُقَاتِهِنَّ (ان کے مہر) صدقات کا واحد صدقہ ہے۔ جو خیرات اور زکوٰۃ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں صدقہ سے مراد بیوی کے حق مہر کے معنوں میں آیا ہے۔

نکاح اور بیویوں کے بارے میں مزید احکام ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی سے کہ جن عورتوں سے نکاح کرو ان کے مہر خوشی سے خود ہی ادا کر دو خواہ کوئی تقاضا کر کے وصول کرنا ہو یا نہ ہو۔ گویا اگر تم ایسا کرو تو پھر تیسیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حرج تو اسی صورت میں ہے جب ان کے مہر دینے یا ان کے کسی حق کے ادا کرنے میں کوتاہی کا اندیشہ ہو۔

اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ مقدار خاوند کو معاف کر دے یا وصول کر کے پھر خاوند کو وہی واپس کر دے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ خاوند اسے خوشی سے لے سکتا ہے۔ بیوی اپنے خاوند کو پورا مہر بھی معاف کر سکتی ہے۔

هِنْيَا مَرِيًّا (رجا پچتا) جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت خوشی کے ساتھ اسے قبول کرے۔ اسے ہنئی کہتے ہیں اور مریئا اس کھانے کو کہتے ہیں جو مضہم ہو کر بدن کا جزو اور صحت و قوت کا سبب بن جائے۔

چھوٹے بچوں کے بارے میں جس میں تیسیم سب سے پہلے آتے ہیں۔ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ بے سمجھ ہیں ان کا مال ان کے حوالے نہ کر دو جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے سامان معیشت بنایا ہے بلکہ ان کے مال کی پوری طرح حفاظت کرو اور خورد برد ہونے سے بچاؤ۔ جب تک ان بچوں کو نفع و نقصان کی تمیز نہ آجائے۔ اور وہ اپنا برا بھلا نہ سمجھ سکیں اس وقت تک انہیں اس مال میں سے کھلاؤ پہناؤ اور انہیں تسلی دیتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے اور ہم صرف تمہاری خیر خواہی کے لئے اس کی حفاظت کرتے ہیں جب سمجھ بوجھ ہو جائے تو یہ مال تمہارے حوالے کر دیں گے۔ تیسیموں اور عورتوں کے بارے میں ان احکام پر ہمیں غور و فکر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کھلانا پلانا ہی نہیں بلکہ معقول بات بھی نیکی میں داخل ہے۔

یتیموں کی تربیت

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

اور نگرانی کرتے رہو یتیم بچوں تک پہنچیں نکاح

فَإِنِ اسْتَمَرُّوا مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ

پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو ان کو

أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا

ان کے مال اور نہ کھا جاؤ مال ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے

أَنَّ يَكْبُرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ

پہلے کہ بڑے ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو تو بچت رہے

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اور جو ہر محتاج تو کھائے دستور کے موافق

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا

پھر جب تم حوالہ کر دو ان کو ان کے مال تو گواہ کرو

عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾

اس پر اور کافی اللہ حساب لینے والا

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

اور یتیموں کی نگرانی کرتے رہو۔ جب تک کہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچیں

فَإِنِ اسْتَمَرُّوا مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ

پھر اگر ان میں ہوشیاری دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو اور

أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا

یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ اور نہ حاجت سے

أَنَّ يَكْبُرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ

پہلے کہ بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو تو یتیم کے مال سے بچا رہے

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اور جو کوئی محتاج ہو تو دستور کے موافق کھائے پھر جب

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا

ان کو ان کے مال حوالے کرو اس پر گواہ کرو اور

عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾

اللہ حساب لینے کو کافی ہے۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ یتیموں کی پرورش اور تربیت کرتے رہو۔ اور سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے وقتاً فوقتاً ان کی عقل اور سمجھ آزمانے رہو۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائیں اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکیں تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔ اگر بالغ ہو کر بھی ان میں اتنی سمجھ پیدا نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ بچپن برس کی عمر تک انتظار کرو۔ اس درمیان میں جب اُسے عقل اور سمجھ آجائے تو مال اس کے حوالے کر دو۔ ورنہ بچپن سال کی عمر کے بعد ہر حال میں اُس کا مال اُسے دے دو۔

یتیم کا مال ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے۔ اور اس بات سے ڈر کر کہ یتیم بالغ ہو کر اپنا مال ہم سے لے لے گا۔ جلد جلد خرچ کر کے ختم نہ کر ڈالو۔ ولی کو چاہیے کہ یتیم کا مال اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنیوالا خود محتاج ہو۔ تو اپنی خدمات کے موافق یتیم کے مال سے کچھ لے سکتا ہے۔

جب کسی بچے کا باپ مر جائے تو ضروری ہے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کے مال کی تفصیل لکھ کر امامتدار کے حوالے کر دی جائے۔ اور جب یتیم بالغ ہو جائے تو اسی تحریر کے مطابق اس کا مال اسے واپس دلایا جائے اور جو کچھ خرچ ہوا ہو اس کی تفصیل یتیم کو سمجھا دی جائے نیز مال کی اپنی بھی گواہوں کے سامنے ہی ہونی چاہیے تاکہ آئندہ اگر اختلاف اٹھ کھڑا ہو تو گواہ اس کے تصفیہ میں مدد دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنیوالا ہے اور حساب خوب سمجھتا ہے۔ خود اسے حساب یا گواہی کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف لوگوں کی سہولت کے لئے مقرر فرمائی گئی ہیں۔

میراث اور ترکہ کے حصہ دار

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ

مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو ماں باپ چھوڑیں اور قرابت
الْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

والے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ

قرابت والے چھوڑ دیں۔ تھوڑا ہو یا بہت ہو
كَثْرًا نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۵﴾

حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ

مردوں کا حصہ جو چھوڑیں ماں باپ اور
الْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

قرابت والے اور عورتوں کا حصہ اس میں جو چھوڑیں
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ

ماں باپ اور قرابت والے اس میں تھوڑا اس میں یا
كَثْرًا نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۵﴾

بہت حصہ مقرر کیا ہوا۔

پہلی آیات میں یتیم بچوں کے حقوق اور مراعات کا بیان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی انتہائی جزوی باتوں کو بھی واضح کر دیا۔ مثلاً یتیم بچوں کا مہربان قاعدہ ادا کیا جائے۔ ان کی تربیت اور پرورش کا خاص اہتمام کیا جائے۔ نکاح کی عمر پہنچنے تک یتیم بچوں کی پوری نگرانی کی جائے۔ ان کا روپیہ خورد برد نہ کیا جائے۔ ان کی بلوغت کے ڈر سے جلد جلد ختم نہ کیا جائے اور جب ان کے عاقل بالغ ہونے پر روپیہ واپس کرنا ہو تو باقاعدہ گواہوں کے روبرو یہ کام ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ سواج تھا کہ بیٹیاں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی میراث میں سے حصہ نہیں پا سکتی تھیں اور نابالغ بیٹوں کو بھی میراث نہیں ملتی تھی۔ صرف وہی بیٹے جو بڑے ہوتے تھے اور دشمنوں کے ساتھ لڑنے کے کام آتے تھے وارث سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ حصہ نہ ملتا تھا۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے ترکہ میں سے بیٹوں کو زیادہ دہ نیچے ہوں یا جوان حصہ ملے گا۔ اور بیٹیوں کو بھی خواہ بالغ ہوں یا نابالغ حصہ دیا جائے گا۔ اس آیت سے جاہلیت کی رسمیں کا خاتمہ ہو گیا اور یتیموں کے حقوق کی حفاظت کر کے ان کی حق تلفی کو روک دیا گیا۔ ترکہ میں مختلف حصہ داروں کے حقوق کے تعین کی تفصیل اگلے رکوع میں آئے گی۔

اسلام کا قانون وراثت دنیا کے اندر ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں وراثت اور ترکہ کے حقدار لڑکے سمجھے جاتے ہیں۔ لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ بعض جگہ لڑکوں میں بھی صرف بڑے اور بالغ کو وارث۔ جانشین اور حق دار تصور کیا جاتا ہے۔ اسلام نے عدل و انصاف کا کامل نمونہ پیش کرتے ہوئے لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی اور دوسرے وارث مردوں کی طرح عورتوں کو بھی برابر حصہ دار قرار دیا۔

عدل و مساوات کے اس دور میں غیر مسلم بھی اسلام کے اس قانون کو ماننے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

تقسیم میراث میں زمی

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَ

الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

اور کہہ دو انہیں بات معقول۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَ

الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝

اور انہیں معقول بات کہو۔

أُولُو الْقُرْبَىٰ (قربت والے) نزدیک رشتہ دار کو اولو القربیٰ اور قربت دار کہتے ہیں۔ اولو کے معنی ہیں "والا" اور القربیٰ کے معنی ہیں۔ "نزدیکی اور قربت"۔

فَأَرْزُقُوهُمْ (انہیں کچھ دے دو) اس کا مادہ "رزق" ہے۔ اردو میں صرف کھانے پینے کی چیزوں کو رزق کہا جاتا ہے۔ عربی میں ہر عطیہ کو رزق کہا جاتا ہے۔

قَوْلًا مَعْرُوفًا (معقول بات) معروف لفظ "عرف" سے ہے۔ عرفان، عارف وغیرہ اسی مادہ سے نکلے ہیں۔ جہانی پہچانی پسندیدہ اور معقول بات کو معروف کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی درست بات ہو جو قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہو۔

ترکہ تقسیم کرتے وقت اگر برادری اور کنبہ کے دیگر لوگ بھی جمع ہوں۔ تو ان میں سے ان رشتہ داروں کو جنہیں میراث میں سے کوئی حصہ نہیں پہنچتا۔ یا جو یتیم اور حاجت مند وہاں حاضر ہوں انہیں کچھ کھلا پلا کر رخصت کرنا چاہیے اور اگر ترکہ میں سے کوئی چیز انہیں دے بھی دی جائے۔ تو یہ عین حسن سلوک ہو گا۔ البتہ اگر میراث کے مال میں سے ایسے لوگوں کو کچھ کھلانے یا دینے کا موقع نہ ہو مثال کے طور پر اگر وہ یتیموں کا ہال ہو اور میت نے ان لوگوں کو کچھ دینے کی وصیت نہ کی ہو۔ تو انہیں اچھی بات کہہ کر رخصت کر دینا چاہیے یعنی بڑی زمی سے یہ کہہ دینا چاہیے کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے بھی کوئی وصیت نہیں کی۔ اس لئے ہم مجبور ہیں۔

سورہ کے شروع میں فرمایا کہ تمام رشتہ دار اور عزیز واقربا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ نیز یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی رعایت کرو۔ اس لئے ان لوگوں کو کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے۔ اور اگر کسی وجہ سے ان کا کوئی حصہ نہ ہو تو کم از کم حسن سلوک سے ضرور پیش آنا چاہیے۔

اسلام نے تالیف قلوب کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ یہاں تو اعزاء واقربا کے ساتھ تیامی اور مسکین کا ذکر ہے۔ دوسرے مواقع پر مہمان مسافر اور مہمالوں کے حقوق کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

جب انسان کچھ دینے کے قابل نہ ہو یا حالات نے اسے ہاتھ روکنے پر مجبور کر دیا ہو تو اس صورت میں بات میں زمی اور گفتگو میں معقولیت اختیار کرنا چاہیے۔

یتیم کو اپنی اولاد پر قیاس کرو

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ
 اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں کہ اگر پھڑی سے اپنے پیچھے
 ذُرِّيَّةٌ ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ
 اولاد ضعیف اندیشہ کریں ان پر چاہیے کہ ڈریں اللہ
 وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۹ اِنَّ الَّذِينَ
 اور کہیں بات سیدھی کہ جو لوگ
 يَأْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا اِنَّهُمْ يَأْكُلُونَ
 کھاتے ہیں مال یتیم ناحق بھگت رہتے ہیں
 فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۱۰
 میں ان کے پیٹ آگ اور عنقریب داخل ہوں گے آگ۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ
 اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں کہ اگر اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑی
 ذُرِّيَّةٌ ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ
 ہے تو ان پر اندیشہ کریں چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور
 وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۹ اِنَّ الَّذِينَ
 سیدھی بات کہیں۔ جو لوگ یتیموں کا
 يَأْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا اِنَّهُمْ يَأْكُلُونَ
 مال ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ
 فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۱۰
 ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔

بظاہر یہ حکم یتیموں کے ولی اور سرپرستوں کے لئے معلوم ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان کے علاوہ دوسروں پر بھی اس حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔

جس طرح تم میں سے ہر شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مرنے کے بعد کہیں اس کی اولاد کے ساتھ سختی اور بُرائی سے معاملہ نہ کیا جائے ایسے ہی تمہیں دوسروں کی یتیم اولاد کے ساتھ سختی برتنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کے ساتھ لوگ شفقت و مہربانی سے پیش آئیں۔ اسی طرح تم یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، مہربانی اور شفقت سے پیش آؤ۔ ایسا کر کے تو تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں اطمینان رہے گا۔ اور واقعی دوسرے لوگ تمہارے بچوں کیساتھ اسی طرح نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے تمہیں چاہیے کہ اللہ سے ڈرو۔ یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو۔ جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔ گذشتہ آیات میں بھی کئی بار بتایا گیا ہے کہ یتیموں کے مال کو خرچ کرنے کے سلسلے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ ان کے مال میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اب یہاں یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر بڑی سخت سزا سنائی گئی ہے کہ جو شخص یتیم کا مال ناحق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے یعنی یتیم کا مال کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ اُسے دوزخ میں بھونکا جائے گا۔

یتیم کی بے کسی اور مجبوری کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اگر اُسے اس نازک حالت میں کوئی ایسا نڈارا اور مہربان سرپرست نہ ملے تو اس کا بے راہ روادار تباہ ہو جاتا کچھ بعید نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یتیم کے ساتھ ایمان داری برتو اور مہربانی سے پیش آؤ۔ جو شخص اس بے کس مخلوق کا مال ناحق کھائے گا اسے بہت بڑی سزا مل کر رہے گی۔

مرد و عورت کے حصوں کا تناسب

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ

حکم کتابہ اللہ میں تمہاری اولاد ایک مرد کا برابر

حِظٍ. لِلنِّسَاءِ فَمَا كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ

حصہ دو عورتیں پھر اگر ہوں عورتیں زیادہ

اِثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ. وَإِنْ

دو تو ان کے لئے دو تہائی اس سے جو چھوڑا اور اگر

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

ہو ایک تو اس کے لئے آدھا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ

اللہ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم کرتا ہے کہ ایک مرد کا

حِظٍ. لِلنِّسَاءِ فَمَا كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ

حصہ دو عورتوں کے برابر ہے پھر اگر عورتیں دو سے

اِثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ. وَإِنْ

زیادہ ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہے۔ اور اگر

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ (تمہیں حکم کرتا ہے) یہ لفظ وصیت سے ہے۔ ہم وصیت کرنے والے کی ان ہدایات اور خواہشات کو کہتے ہیں جو وہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں اور وارثوں کے لئے کرتا ہے۔

میت کے ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ اجتماعی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اسکی صحیح تقسیم سے ہی سوسائٹی کی کامیابی وابستہ ہے۔ ترکہ کی تقسیم کا ایک عام اصول یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر لڑکے کو دو سہ اور ہر لڑکی کو اکہر حصہ ملے گا خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا ایک سے زیادہ ہوں۔ حِظِ النِّسَاءِ (دو عورتوں کے برابر) بعض شریعتوں کے مطابق ترکہ میں لڑکی کا کوئی حصہ ہی نہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی ترکہ صرف بالغ مردوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس زیادتی کے خلاف موجودہ زمانہ میں یہ آواز بلند ہوئی کہ مرد اور عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیے۔ اسلامی قانون ان دونوں کے بین بین ہے۔ اس نے مرد کا حصہ عورت سے دو گنا مقرر کیا ہے۔

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عورت پر صرف تربیت نسل کی ذمہ داری ہے۔ فیکر معاش کی نہیں۔ بیوی بچوں کا اور گھر والوں کا خرچ چلانا مرد کے ذمہ رکھا گیا ہے۔ لہذا عین انصاف کے مطابق ہے کہ مرد کو زیادہ حصہ دیا جائے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شادی شدہ عورت میکہ کی طرف سے باپ کے ترکہ سے بھی حصہ لے لیتی ہے اور سسرال کی طرف سے شوہر کے ترکہ سے بھی۔ لیکن مرد کو صرف ایک طرف سے ہی حصہ ملتا ہے۔

اگر صرف دو لڑکیاں ہوں۔ تو ان کا کل حصہ دو تہائی ہوگا۔ اور ہر ایک کو تہائی حصہ ملے گا۔ پھر لڑکیاں دو سے خواہ کتنی ہی زیادہ ہوں۔ ان کا مجموعی حصہ ترکہ کا دو تہائی ہی رہے گا۔ باقی ایک تہائی دوسرے عزیز واقربا کو ملے گا۔

اگر لڑکی ایک ہی ہو۔ تو کل ترکہ کا نصف حصہ ملے گا۔ اور باقی آدھے حصے میں دیگر رشتہ دار شریک ہوں گے۔ لیکن اگر عزیز وغیرہ موجود نہ ہوں تو پھر باقی آدھا حصہ بھی اسی لڑکی کو ملے گا۔

اگر بیٹی کوئی نہ ہو۔ صرف بیٹا ہی ہو۔ خواہ ایک یا ایک سے زیادہ تو تمام میراث انہیں مل جائے گی۔

والدین کا حصہ

وَلَا بَوَّيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ

اور اس کے ماں باپ ہر ایک اس میں سے چھٹا
مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ
جو چھڑا اگر ہو اس کے اولاد اور اگر نہیں ہے
لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةُ آبَاؤِهِ فَلِأُمَّهِ الثُّلُثُ

اس کی اولاد اور وارث اس کے ماں باپ تو اس کی ماں کا تہائی۔
فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ الشُّدُسُ مِنْ

پھر اگر ہیں اس کے بھائی تو اس کی ماں کا چھٹا سے
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينِ آبَائِكُمْ

بعد وصیت جو کر مرا اس کے بارے میں یا قرض کی ادائیگی تمہارے باپ
وَأَبْنَاؤُكُمْ كَمَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ

اور تمہارے بیٹے نہیں تمہیں معلوم کون زیادہ تمہیں
نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنْ كَانَ

نفع حصہ مقرر ہے اللہ سے اللہ کے نزدیک ہے
عَلِيمًا حَكِيمًا ۱۱

خبردار حکمت والا۔

دالا ہے۔

وَلَا بَوَّيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ

اور اس کے ماں باپ کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ
مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ
اس مال سے ہے جو کہ وہ چھوڑا اگر اس کے اولاد ہے اور اگر اس کے
لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةُ آبَاؤِهِ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ

اولاد نہیں اور اس کے وارث ماں باپ ہیں تو اس کی ماں کا تہائی
فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ الشُّدُسُ مِنْ

بے پھر اگر اس کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے وصیت
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينِ آبَائِكُمْ

کے بعد جو وہ کر مایا ادائیگی قرض کے بعد تمہارے باپ اور
وَأَبْنَاؤُكُمْ كَمَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ

بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ کون تمہیں زیادہ نفع پہنچائے حصہ
نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنْ كَانَ

اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے۔ بیشک اللہ خبردار حکمت
عَلِيمًا حَكِيمًا ۱۱

دالا ہے۔

اس آیت میں ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ۱۱ اگر میت کی اولاد نہ ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا

۱۲ اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی حصہ ملے گا ۱۳ اگر میت کے ایک سے زیادہ

بھائی بہن ہوں خواہ وہ حقیقی ہوں یا صرف باپ یا صرف ماں کی طرف سے ہوں اور اولاد کچھ بھی نہ ہو تو ماں کو چھٹا حصہ اور باقی باپ کو ملے گا۔
بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باپ کو دو تہائی۔

یہ بات ضروری ہے کہ وارثوں کو ان کے حصے میت کی وصیت اور اس کے قرض کو ادا کرنے کے بعد تقسیم کئے جائیں میت کا مال پہلے

اس کے کفن اور دفن کے لئے استعمال کیا جائے پھر اس میں سے قرضہ ادا کیا جائے پھر جو باقی رہے اس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی

تک صرف کیا جائے بقیہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔
اس کے بعد ارشاد فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ کس سے تمہیں نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا مقررہ حصوں میں دخل نہ دینا چاہیے بلکہ اللہ

تعالیٰ نے جو حصہ مقرر کیا ہے اس کی پابندی کرنی چاہیے۔

میان بیوی کا حصہ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ

اور تمہارا آدھا جو چھوڑیں تمہاری عورتیں اگر
لَمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ

نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو ان کی
وَلَدٌ فَلَكُمْ الرَّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ

اولاد تو تمہارے لئے چوتھائی جو وہ چھوڑیں سے بعد
وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دِينَ ط وَ لَهُنَّ

وصیت جو کر گئیں اس کے بارے یا قرض کی ادائیگی اور عورتوں کی
الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَوْنَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ

چوتھائی اس میں سے جو تم چھوڑو اگر نہ ہو تمہارے لئے اولاد
فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

اور اگر ہو تمہارے لئے اولاد تو ان کے لئے آٹھواں حصہ
تَرَكَتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دِينَ

جو تم نے چھوڑا سے بعد وصیت جو تم کر دو یا قرض۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ

اور تمہارا آدھا مال ہے جو کہ تمہاری عورتیں چھوڑیں اگر
لَمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ

ان کے اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے اولاد ہے تو جو
وَلَدٌ فَلَكُمْ الرَّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ

چھوڑ گئیں اس میں سے تمہارے لئے چوتھائی ہے
وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دِينَ ط وَ لَهُنَّ

کے بعد جو وہ کر گئیں یا قرض کے بعد۔ اور عورتوں
الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ

کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو تم چھوڑو اگر تمہارا
فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ
تَرَكَتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دِينَ

جو تم چھوڑو مرد وصیت کے بعد جو تم کر دو یا قرض کے بعد۔

اس آیت میں خاوند اور بیوی کی میراث کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی خاوند کو اس کی بیوی کے مال سے نصف ملے گا بشرطیکہ عورت کی اولاد نہ ہو۔ اور اگر عورت کی کچھ اولاد ہو۔ اسی مرد سے ہو یا کسی اور سے۔ تو مرد کو عورت کے مال سے ایک چوتھائی ملے گا البتہ میراث تقسیم کرنے سے پہلے عورت کی وصیت اور اس پر جو قرض ہو۔ وہ ادا کر دینا ضروری ہے۔ اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا۔ بشرطیکہ مرد کی اولاد نہ ہو۔ خواہ اسی عورت یا کسی دوسرے عورت سے ہو۔ ورنہ وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد جو بچے گا۔ اس کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ مال کی ہر قسم میں سے خواہ نقد ہو یا جنس۔ زیور ہو یا قیمتی دھاتوں کی سلاخیں۔ حویلی ہو یا باغ۔ یہ سب ترکہ میں شمار ہوگا۔ جہاں تک عورت کے مہر کا تعلق ہے۔ وہ قرض میں شمار کیا جائے گا۔ میراث کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہ قوانین حکمت و مصلحت سے بھرپور ہیں انہیں تسلیم کر لینا اور ان پر عمل کرنے میں ہماری کامیابی ہے۔

کلالہ کا حصہ

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً - أَوْ
اور اگر ہو مرد جس کی میراث ہے باپ بیٹا نہ ہو یا
امْرَأَةً - وَوَلَةٌ - أَخٌ - أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
عورت اور اس کے بھائی یا بہن تو ہر ایک
مِنْهُمَا السُّدُسُ
ان میں سے چھ حصہ۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ
اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا
امْرَأَةً وَوَلَةٌ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہے۔
مِنْهُمَا السُّدُسُ

تران دونوں میں سے ہر ایک کو چھ حصہ ہے۔

کلالہ، (جس کا باپ یا بیٹا نہ ہو) کلالہ، فقہ کی اصطلاح ہے اس کی یہ تفسیر ہے کہ اس کا باپ یا بیٹا نہ ہو۔ تمام فقہاء کے ہاں
مستلم ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ باپ اور بیٹا نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی دادی اور پوتی بھی نہیں ہونی چاہیے اور اس سلسلے
میں جو حکم باپ اور بیٹے کے حصہ کے متعلق ہے۔ وہی امام ابوحنیفہ نے دادی اور پوتی کے بارہ میں کہا ہے۔ تاہم اس بارے میں اختلاف
رائے پہلے سے چلا آتا ہے۔

یہاں سے ایسے بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو صرف ماں میں شریک ہوں۔ قانون یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے ہوئے
بہن، بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر باپ اور بیٹا نہ ہو۔ تو بھائی اور بہن کو میراث ملے گی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ گے، جو ماں، باپ دونوں میں شریک ہوں۔ انہیں "عینی" کہتے ہیں۔

۲۔ سوتیلے، جو صرف باپ میں شریک ہوں۔ انہیں "علاقی" کہتے ہیں۔

۳۔ سوتیلے، جو صرف ماں میں شریک ہوں۔ انہیں "اخینانی" کہا جاتا ہے۔

اس آیت میں آخری قسم کے بہن بھائی کا ذکر ہے۔

اگر مرنے والے کے ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو۔ اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن اخینانی ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھ حصہ
ملے گا۔

اخینانی بہن اور بھائی کا حصہ برابر ہے۔ کسی کا کم و بیش نہیں۔

جہاں تک دوسرے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاقائی کا تعلق ہے۔ تو ان دونوں قسموں کا حکم اولاد کے مانند ہے۔

بشرطیکہ میت کا باپ یا بیٹا کچھ نہ ہو۔

عینی بھائی یا بہن مقدم ہے۔ اگر وہ نہ ہو پھر علاقائی کی باری آئے گی۔ سورۃ النساء کے آخر میں ان دونوں کی میراث کا مفصل ذکر

آئے گا۔

اس سلسلہ میں میراث کی تقسیم کے باقی قوانین اس کے بعد بھی بیان ہوں گے۔

وصیت اور قرض

فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ

اور اگر ہر زیادہ سے اس توڑہ نسب شریک
فی الثلث من بعد وصیة یوصی بہا

میں تہائی سے بعد وصیت جو ہو چکی ہے
أو دین غیر مضار وصیة من اللہ

یا قرض نہ نقصان کیا ہے علم سے اللہ
واللہ علیہم حلیم ﴿۱۲﴾

اور اللہ جاننے والا تحمل کرنے والا ہے۔

فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ

اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں
فی الثلث من بعد وصیة یوصی بہا

وصیت کے بعد جو ہو چکی ہے یا قرض کے بعد جبکہ
أو دین غیر مضار وصیة من اللہ

اور دین کا نقصان نہ کیا ہو یہ حکم اللہ کا ہے جو سب کچھ
واللہ علیہم حلیم ﴿۱۲﴾

جاننے والا تحمل کرنے والا ہے۔

اگر اخیانی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو میراث کے مال میں سے ایک تہائی ملے گا تاہم وصیت کا پورا کرنا اور قرض کا ادا کرنا پہلے عمل میں لایا جائے گا بشرطیکہ وصیت میں دوسروں کو نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ اس نقصان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت ہو۔ دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصہ ملے گا اس کے لئے بھی وصیت کی گئی ہو۔ یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ صرف اس صورت میں درست ہیں جب تمام وارث انہیں قبول کر لیں۔

چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ وارث میت کا قرضہ اور وصیت ادا کرنے سے پہلے ہی مال تقسیم نہ کر لیں اس لئے میراث کے ساتھ بار بار قرضے اور وصیت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع کے آغاز سے یہاں تک جو میراثیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ وہ پانچ ہیں۔ بیٹا بیٹی۔ ماں باپ۔ خاندن اور بیوی اور اخیانی بھائی بہن۔ ان پانچوں کو حصہ دار کہتے ہیں۔ ان کی میراث کو بیان فرما کر تاکید کے طور پر یہ فرمادیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کس نے طاعت کی اور کس نے نافرمانی کی۔ کس نے تقسیم میراث وصیت اور قرضے کی ادائیگی میں انصاف برتا۔

ان حصہ داروں کے علاوہ ایک دوسری قسم کے وارث بھی ہیں جنہیں "عصبہ" کہتے ہیں۔ ان کا حصہ کسی نسبت سے مقرر نہیں بلکہ اصل حصہ داروں کو دینے کے بعد جو باقی بچے گا۔ وہی انہیں ملے گا۔ مثلاً اگر کسی کا عصبہ ہو اور اصل حصہ داروں میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا تمام مال عصبہ کو ملے گا اگر دونوں موجود ہوں تو اصل حصہ دار کو دے کر جو بچے گا وہ عصبہ کو دیا جائیگا اور اگر کچھ نہ بچا تو اسے کچھ نہ ملے گا۔

عصبہ دراصل اس مرد کو کہتے ہیں جس کا میت کے ساتھ عورت کے واسطے سے رشتہ نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں اول درجہ میں بیٹا اور پوتا ہیں دوسرے درجہ میں باپ اور دادا تیسرے درجہ میں بھائی اور بھتیجا چوتھے درجہ میں چچا اور چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا۔

اگر کئی شخص ہوں۔ تو جو میت سے قریب ہے۔ وہ مقدم ہو گا جیسے پوتے سے بیٹا اور بھتیجے سے بھائی اور سوتیلے سے سگا۔ ان چاروں کے علاوہ اولاد میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے۔

حدود اللہ

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ
 حُدُودِ اللَّهِ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ
 الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ١٣ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَ
 رَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ يَدْخُلْهُ نَارًا
 خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ١٤
 اور اس کا رسول اسے داخل کرے جنت بہتی ہے سے
 اس کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی
 کامیابی بڑی۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ اور
 اس کا رسول اور نکل جائے اس کی حدود سے اے ڈانے گا آگ
 ہمیشہ رہیگا اس میں اور اس کیسے عذاب ذلت والا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ
 حُدُودِ اللَّهِ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ
 الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ١٣ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَ
 رَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ يَدْخُلْهُ نَارًا
 خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ١٤
 اور جو کوئی اللہ اور اس کے
 رسول کی نافرمانی کرے۔ اور اس کی حدود سے نکل جائے
 بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے
 رسول کی نافرمانی کرے۔ اور اس کی حدود سے نکل جائے
 آگ میں ٹپکے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کیسے ذلت والا عذاب۔

۱۳

حُدُودُ اللَّهِ (اللہ کی حدیں) حدود کا واحد حد ہے۔ حد کسی چیز کے ختم ہو جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ یعنی آخری کنارہ اور وہ لکیر
 جس کے آگے نہیں جاسکتے "حدود اللہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے وہ اصول و ضوابط اور وہ پابندیاں ہیں جنہیں توڑنے اور
 جن سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔ مثلاً کھانے پینے کی پابندیاں۔ میراث کے مقرر کئے ہوئے حصے وغیرہ۔
 يَتَعَدَّ (نکل جائے) تعدی۔ عداوت بھی اسی مادہ سے نکلے ہیں۔ ان کے معنی ہیں مقررہ حد سے آگے نکل جانا اور پابندیوں کو توڑ
 کر احکام الہی کی نافرمانی کرنا۔
 اللہ تعالیٰ نے تعدد و ازدواج اور یتیموں کے بارہ میں مفصل ہدایات دیں۔ پھر وصیت اور میراث کے احکام اور مقررہ حصوں کی
 وضاحت کی۔
 ان سب کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جنت کی ابدی نعمتیں اور دنیا کی کامیابیاں ان کے لئے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
 کریں گے اور جو لوگ ان مقررہ ضوابط کو نہ مانیں گے اور حد سے بڑھیں گے وہ جہنم میں جائیں گے اور رسوا کن عذاب میں گرفتار ہوں
 گے۔

بدکار عورتوں کی سزا

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

اور تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کے

فَأَسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ

تو ان پر اپنے آدمیوں میں سے چار گواہ لاؤ پھر اگر وہ

فَإِنْ شَهِدُوا وَأَفَامَسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ

گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں

حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ

یہاں تک کہ انہیں موت اٹھائے یا مقرر کر دے اللہ

لَهُنَّ سَبِيلًا ۝۱۵

ان کیلئے راہ مقرر کر دے

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

اور جو کوئی کے بدکاری سے تمہاری عورتیں

فَأَسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ

تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنے میں سے

فَإِنْ شَهِدُوا وَأَفَامَسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ

پھر اگر وہ گواہی دیں تو انہیں بند رکھو میں گھر

حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ

یہاں تک کہ انہیں اٹھائے موت یا مقرر کر دے اللہ

لَهُنَّ سَبِيلًا ۝۱۵

ان کیلئے راہ

الْفَاحِشَةُ (بدکاری) فحش اس کا مادہ ہے۔ فاحشہ کے معنی بے حیائی اور بدکار عورت دونوں ہیں لغت میں ہر ایسے قول و فعل کو فحش کہا جاتا ہے جو برا ہو اور جس کا ذکر کرنا اور سننا ناگوار ہو۔ غالباً اسی لئے اردو میں فاحشہ کا لفظ مبیوا اور بدکار عورت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

أَسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ: (ان پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ) بے حیائی اور بدکاری جس قدر ذلیل اور خطرناک جرم ہے اور جس قدر اس کی سزا شدید ہے! تناہی اس کے اعلان اور سزا میں احتیاط ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اس جرم کے ثبوت اور سزا کے تعین کے لئے اپنے آدمیوں میں سے چار گواہ پیش کرو۔ عام امور میں صرف دو گواہیاں کافی ہوتی ہیں۔ مگر زنا کے سلسلہ میں چار ضروری قرار دی گئیں۔ اور وہ بھی مسلمانوں کی گواہیاں بغیر مسلموں کی نہیں۔

اس آیت کی تشریح دو طریق پر کی گئی ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر کوئی عورت الفاحشہ (بے حیائی) میں پکڑی جائے تو سزا کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور ثبوت کے بعد اس کی سزا یہ ہے کہ گھر میں مقید کر دیا جائے۔ جب تک کہ اسے موت نہ آجائے۔ یا اللہ اس کے لئے کوئی اور راہ نہ پیدا کر دے۔

دوسری تشریح یوں کی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت الفاحشہ (زنا) میں پکڑی جائے اور چار مسلمان اس کی گواہی دیں۔ تو اسے گھر میں بند کر دیا جائے۔ جب تک کہ اسے موت نہ آئے۔ یا اللہ کوئی اور طریقہ نہ نکال دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں سزاؤں کی سزا مقرر کر کے اس قید سے رہائی کا راستہ مقرر فرما دیا ہے۔

بدکار مردوں کی سزا

وَالَّذَانِ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ - فَاذْوُهْمَا

اور جو دو مرد کریں وہی بدکاری تم میں سے تو انہیں ایذا دو
فَاِنْ تَابَا وَاصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهْمَا
پھر اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو چھوڑ دو انہیں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

بیشک اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

وَالَّذَانِ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذْوُهْمَا

اور تم میں سے جو دو مرد وہی بدکاری کریں تو انہیں ایذا دو
فَاِنْ تَابَا وَاصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهْمَا
پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا خیال

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

الَّذَانِ: (جو دو مرد) پہلی آیت میں بے حیائی اور بدکاری کی مجرم عورتوں کی سزا کا حکم تھا۔ اس آیت میں بدکاری کرنے والے مردوں کی سزا کا ذکر ہے۔ "الذان" اسم موصول مذکر ہے۔ مفسرین نے اس سے مراد وہ دو مرد لائے ہیں جو لواطت کے مجرم ہوں۔ یا مرد جو کسی عورت کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے۔

اَذْوُهْمَا: (ان دونوں کو ایذا دو) اذیت۔ ایذا وغیرہ ایک ہی مادہ سے ہیں۔ اس لفظ کے مفہوم میں ہر قسم کی تکلیف شامل ہے عورتوں کو گھر میں بند رکھنے کی سزا کا اعلان تھا۔ مردوں کو اذیت پہنچانے کی سزا مقرر کی گئی۔ اور اس کا تعین حاکم شریعت کے ہاتھ میں دے دیا۔

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں سورہ نور کے اندر زنا کی سزا سوڑے مقرر کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اس سزا میں نہ تخفیف کی جائے نہ نرمی برتی جائے۔ بلکہ سرعام سب کے سامنے سزا جاری کی جائے۔ بظاہر اسلام کی یہ جسمانی سزائیں بہت شدید اور سخت معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن جرموں کی نوعیت حقیقت میں اس قسم کی سزاؤں کا تقاضا کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ نتائج کے اعتبار سے یہ سزائیں جرائم کو روکتی ہیں۔ اور دورِ حاضر کی ملکی ٹھیکلی قید و بند اور جرمانے کی سزائیں جرائم کم کرنے کی بجائے ان میں زیادتی کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ اسلام دنیا میں اصلاح اور درستی چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے ان جرائم کو بہت بڑی نظر سے دیکھا ہے۔ اور ان کی سزائیں بھی ایسی رکھی ہیں کہ ان سے جرائم ترک جائیں اور دنیا سے خرابیاں ختم ہو جائیں۔

ارشاد ہنفا ہے کہ بے حیائی کا جرم کرنے والے جب توبہ کریں اور اصلاح کر لیں تو تم انہیں چھوڑ دو۔ توبہ کی تشریح اس سے قبل کئی بار ہو چکی ہے یعنی اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اس کا اعتراف کیا جائے۔ اور اسے چھوڑ دینے کا اقرار کیا جائے۔ آیت میں توبہ کے ساتھ مزید تاکید کے لئے "اصلاح" بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ اس کے بعد بشارت دی کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ اس کے رحم و کرم سے ہمیشہ پُر امید رہنا چاہیے۔

توبہ

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

بِحَسَنٍ تَوْبَةٍ أَوْ بَدَلٍ إِنَّ اللَّهَ لَنُكَرِبَ بِهِ السَّاعَاتِ وَالْحَمَىٰ

بِرَأْسِهَا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الظُّلُمَاتُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٤﴾

معاف کرتا ہے اللہ انہیں اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا۔

توبہ اس کے لفظی معنی میں واپس آنا لوٹنا جس جگہ کو چھوڑا تھا۔

وہاں پھر پلٹ کر آجانا انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اللہ کے حضور سے

ہٹ جاتا ہے اس کو چاہیے کہ پھر اللہ کے سامنے واپس آئے اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی خطا کا اقرار کرے اور سچے دل سے وعدہ کرے کہ

پھر ایسی خطا نہ کروں گا۔ اور اس پر جم جائے اسے توبہ کہتے ہیں فقط زبان سے توبہ کہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ توبہ اس وقت ہوگی جب

اللہ کے سامنے اپنے کئے ہوئے پر پکھٹائے اور سچے دل سے اقرار کرے کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض سنگین گناہ مثلاً زنا اور لواطت اور ان کی سزاؤں کا ذکر فرمایا پھر یہ بتایا کہ وہ جرم بھی معاف فرمادیتا ہے بشرطیکہ

گنہگار توبہ کر لیں۔ آئندہ اپنے اعمال کی درستی کر لیں اور دوبارہ اس گناہ کے ارتکاب سے باز رہیں لیکن یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل

سے صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے جو بہالت یا نادانی کی بنا پر کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور اپنی خرابی اور گناہ پر مطلع ہونے

پر فوراً نادم ہوتے ہیں اور آئندہ ایسے بد فعلوں سے بچنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خطائیں اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمادیتا ہے۔ وہ

سب کچھ جانتا ہے اور اس کا علم بہت وسیع ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس نے دانستہ گناہ کیا ہے۔ اور کس نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی ہے۔

اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

توبہ کی قبولیت پر دو شرطیں لگائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ گناہ نادانی کی بنا پر سرزد ہوا ہو۔ دوم یہ کہ توبہ کی طرف جلد ہی رجوع کیا گیا ہو۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ جو شخص نادانی کی بنا پر گناہ کرے اور توبہ کے فوراً بعد توبہ کرے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کی توبہ ضرور قبول ہوتی

ہے۔ اور جس شخص نے دیدہ و دانستہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت کی۔ گناہ پر آگاہ ہونے کے بعد بھی جلدی سے توبہ نہ کی۔ بلکہ اس میں تاخیر

کرتا رہا اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو انصاف کے قاعدے کے مطابق اس کی خطا معافی کے قابل نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مولیٰ کریم

اپنے خاص فضل و کرم سے کام لے کر معافی فرمائے۔

توبہ قبول ہونے کی بشارت جان لینے کے بعد ہم پر لازم ہوتا ہے کہ جب کبھی ہم سے دانستہ یا نادانستہ گناہ سرزد ہو جائے تو ہم فوراً

اللہ کی طرف رجوع کریں۔ آئندہ سے اسے نہ کرنے کا عہد کریں۔ اللہ سے اپنا گناہ بخشوائیں اور معافی کے مستحق بن جائیں۔ اس نے بشارت دی

ہے کہ بندہ اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہے تو اس کی رحمت دس قدم بندہ کی طرف بڑھتی ہے۔

جھوٹی توبہ

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

اور نہیں توبہ ایسوں کی جو کئے جاتے ہیں

السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

بڑے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کو موت

قَالَ إِنِّي تُبْتُ الشَّنَّ وَلَا الَّذِينَ

تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی جو

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

اور ایسوں کی توبہ نہیں جو بڑے کام کئے جاتے ہیں۔

السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آجائے تو

قَالَ إِنِّي تُبْتُ الشَّنَّ وَلَا الَّذِينَ

کہنے لگے اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی جو حالت

يَمُوتُونَ وَهُمْ كَفَارَةٌ أُولَٰئِكَ أَكُفْرًا

موتتے ہیں ان کے لئے تو ہم نے ردناک

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۸

عذاب تیار کیا ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۸

ان کے لئے عذاب دردناک۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی جو براہ گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اس سے باز نہیں آتے نہ انہیں گناہ پر ندامت ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی کی توبہ کرنے پر اس سے باز رہنے کا عہد کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب انہیں اپنی موت نظر آنے لگتی ہے تو اس وقت کہنے لگتے ہیں کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اسی طرح ان لوگوں کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔ جو عمر بھر کفر کرتے رہے اور کفر پر ہی مر گئے اور اس کے بعد جب آخرت کا عذاب دیکھا تو توبہ کرنے لگے ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے شدید ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ توبہ کا ایک مناسب وقت ہے۔ اس کو پہلی آیت میں بیان کیا گیا۔ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں اور نہ قابل قبول ہو سکتی ہے جو عمر بھر تو نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہے۔ جب موت کا وقت آیا اور گھنگر دوہنے لگا۔ تو اس وقت توبہ توبہ چلانا شروع کر دیا۔ ایسے ہی ان لوگوں کی توبہ بھی بیکار ہے جو کفر کی حالت میں مر رہے ہیں۔ ظاہر وجہ ایسی توبہ کے نامنتظر ہونے کی یہی ہے کہ جس وقت تک سزا پر وہ غیب میں ہے۔ اس وقت تک سزا سے ڈرنا اور اس ڈر کی وجہ سے گناہ سے توبہ کرنا ایمان بالغیب کو ظاہر کرتا ہے۔ اور دم نکلتے وقت انسان کو کچھ نہ کچھ گناہوں کی سزا کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور مشاہدہ کے بعد ایمان بالغیب نہیں رہتا اس لئے سزا اور جزا کے ظاہر ہونے کے وقت نہ ایمان قبول کیا جاتا ہے اور نہ توبہ کا کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ توبہ صرف گناہ کا اعتراف کرنا نہیں۔ بلکہ توبہ سے آئندہ زندگی کی اصلاح اور درستی مقصود ہے۔ اگر کوئی مرتے دم توبہ کرتا ہے۔ جبکہ اصلاح کا نہ کوئی موقعہ رہا نہ گنجائش۔ تو ایسے حال میں توبہ سے کیا فائدہ۔

مجرموں سے سلوک

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ

تَرْتَوُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

لِتَنْهَبْنَ بِبَعْضِ مَا اتَّيَسَّرَ لَهُنَّ إِلَّا

أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ

بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ

تَكْرَهُوا شَيْئًا وَجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا

كَثِيرًا ①٩

بہت۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ

تَرْتَوُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

لِتَنْهَبْنَ بِبَعْضِ مَا اتَّيَسَّرَ لَهُنَّ إِلَّا

أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ

بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ

تَكْرَهُوا شَيْئًا وَجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا

كَثِيرًا ①٩

رکھا ہو۔

بدکاری اور اس کی ہنر کا بیان کرنے کے بعد اب جاہلیت کے اس ظلم کو روکا جاتا ہے۔ جو عورتوں پر ہوتا تھا۔ ان کے ہاں رواج تھا کہ جب کوئی مرد مر جاتا تو اس کی بیوی کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا کوئی وارث لے لیتا۔ چاہتا تو اس سے خود نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اسے گھر میں رکھتا یا دوسرے سے نکاح کر کے اس کا ہر لے لیتا۔ یا ساری عمر اسے اپنی قید میں رکھتا۔ اور اس کے مال کا وارث بن جاتا۔

قرآن مجید میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے تو اس کی بیوی کو اپنے نکاح کے بارے میں اختیار حاصل ہے میت کے بھائی یا اس کے کسی وارث کو یہ اختیار نہیں۔ کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے اگر عورت صریح بد چلنی کرے تو اسے روکنا چاہیے ورنہ تمام حالات میں تمہیں چاہیے کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ تمہیں کسی عورت کی کوئی عادت پسند نہ آئے تو صبر کرو۔ شاید اس میں کوئی خوبی بھی ہو۔ کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کوئی فائدہ رکھا ہو۔ انسان کی اپنی عقل کمزور اور علم محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع اور لامحدود ہے۔

مہر کی ادائیگی

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور اگر تم چاہو بدلا عورت جگہ
زَوْجٍ وَأَنْتُمْ أَحْدَابُ مَثَلًا فَلَا

عزت اور دے چکے ایک کو بہت سال توڑ
تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَ بِهِ نَاقًا

واپس لو اس میں سے کچھ کیا ہے یا جانتے ہو ناسخ
وَإِذَا مَبِيتَا ۲۰ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَ

اور گناہ مرتبہ اور کیونکر اسے لے سکتے ہو
وَقَدْ أَنْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ۚ

اور پہنچ چکا ہے تم میں ایک تک دوسرا اور
أَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۲۱

وہ لے چکیں تم میں سے عہد پختہ۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور اگر ایک عورت کی جگہ دوسری کو بدلا جاہر اور
زَوْجٍ وَأَنْتُمْ أَحْدَابُ مَثَلًا فَلَا

ایک کو بہت سال دے چکے ہو تو اس میں
تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَ بِهِ نَاقًا

سے کچھ واپس نہ لو کیا ہے ناسخ اور صریح گناہ سے
وَإِذَا مَبِيتَا ۲۰ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَ

یا جانتے ہو اور اسے کیونکر لے سکتے ہو اور
وَقَدْ أَنْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ۚ

تم میں کا ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے اور تم سے
أَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۲۱

وہ عورتیں پختہ عہد لے چکی ہیں۔

اسلام سے قبل جاہلیت کے زمانہ میں ایک یہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا تو پہلی بیوی پر تہمت لگاتا۔ اور اس پر طرح طرح کی سختیاں اور ظلم کرتا تاکہ وہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور طلاق لے لے اور اس طرح یہ روپیہ پیسہ دوسرے نکاح میں استعمال کیا جاسکے اس آیت میں اس چیز کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرو اور پہلی کو بہت سال دے چکے ہو۔ تو اب اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ بہتان باندھ کر یا تہمت لگا کر پہلی بیوی سے مال واپس لینا جائز نہیں۔

جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت کی نوبت آچکی تو مہر مرد پر واجب ہو گیا۔ اب اسی مہر کو واپس لینا مرد کے لئے کیسے جائز ہے۔ اور اگر عورت واپس نہ کرے تو اسے کیونکر دیا جاسکتا ہے۔ واپسی کی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی خوشی سے مہر معاف کر دے۔ جب یہ عورتیں تم لوگوں سے بہت پختہ عہد لے چکیں اور تم ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا چکے اب ان سے مہر واپس لے لینا یا نہ دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس طرح مجامعت کے بعد خاوند کے اور تمام مہر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر خلوت صحیحہ ہو گئی ہو تو بھی پورا مہر واجب الادا ہو گا۔ البتہ اگر خلوت صحیحہ کی بھی نوبت نہ آئی ہو اور خاوند نے طلاق دے دی ہو۔ تو پھر آدھا مہر ادا کرنا ہو گا۔ یہ مسائل سورہ بقرہ میں گذر چکے ہیں۔

ماؤں کا احترام

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِّنَ

اور نہ نکاح میں نہ لاؤ جو نکاح کرے تمہارے باپ کے عزیز

النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّهُ كَانَ

مگر جو پہلے ہو چکا ہے بے حیائی

فَاحْشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾

اور غضب اور بُرا چلن۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِّنَ

اور ان عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ جنہیں تمہارے باپ نکاح

النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّهُ كَانَ

میں لائے مگر جو پہلے ہو چکا ہے بے حیائی ہے اور

فَاحْشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾

گضب کا کام ہے اور بُرا چلن ہے۔

لَا تَنْكِحُوا (نکاح میں نہ لاؤ) عربی میں نکاح کا لفظ خاوند بیوی کے تعلقات کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہاں عقد اور ازدواجی تعلقات کے دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

الْأَبَاؤُكُمْ: (تمہارے باپ) اس کا واحد آب ہے حقیقی باپ کے علاوہ یہاں اس جمع لفظ کے مفہوم میں دادا اور نانا بھی شامل ہیں۔

مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ: (جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لائے) یہ جاہلیت کے زمانہ کے اس ناجائز دستور کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیا جاتا تھا اور اسے وہ معیوب خیال نہ کرتے تھے۔

جاہلیت کے زمانہ میں لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ یہاں اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ ان سے نکاح جائز نہیں۔ یہ بے حیائی اور اللہ کے غضب اور نفرت کرنے کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے اس میں شک نہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی بعض سمجھدار لوگ اسے مذموم سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس قسم کے جو کام پہلے ہو چکے ہیں۔ ان پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ آئندہ ایسے نکاحوں سے باز رہو۔

اس نکاح کی ممانعت کے لئے قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کئے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔

فَاحْشَةً: (بے حیائی) اس لئے کہ اس قسم کا نکاح عقلی لحاظ سے بھی بجائے خود بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

مَقْتًا: (غضب) غصے اور غضب کے علاوہ یہ لفظ ہر ایسی بڑی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جسے دیکھ کر طبیعت میں گھن پیدا ہو۔ چنانچہ صحیح مذاق آدمیوں کے لئے یہ بڑی گندی چیز ہے۔

سَاءَ سَبِيلًا: (بُرا چلن) سَاءَ (بُرا) ان معنوں میں لفظ سَاءَ بھی استعمال ہوتا ہے۔

سَبِيلًا: (چلن) لفظی معنی راستے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہاں چال چلن کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

محرم عورتیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ وَعُمَّتُكُمْ وَأَخْلَتُكُمْ وَبَنَاتُ أَخْوَاتِكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُ النِّسَاءِ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ وَعُمَّتُكُمْ وَأَخْلَتُكُمْ وَبَنَاتُ أَخْوَاتِكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُ النِّسَاءِ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ الَّتِي بَعَثَ اللَّهُ فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمْ

دودھ پلایا اور بہنیں سے دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں۔

الرِّضَاعُ: (دودھ) مراد وہ عورت ہے جو حقیقی ماں تو نہ ہو لیکن کسی دوسرے بچے کو دودھ پلائے۔ اس عورت کی حقیقی اولاد اس بچے کے رضاعی بہن بھائی کہلاتے ہیں اور وہ عورت مرضعہ (دودھ پلانے والی ماں) کہلاتی ہے۔

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی حرمت بیان کی تھی۔ اب جن دیگر عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔ ان کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ فہرست بالکل واضح ہے لہذا کسی اختلاف یا مغالطہ کی صورت باقی نہیں رہتی ہے۔ یہ عورتیں چند قسم کی ہیں۔ اول وہ جو نسبی تعلق کی وجہ سے حرام ہیں اور یہ سات ہیں۔

۱) ماں (۲) بیٹی (۳) بہن (۴) چھوٹی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ جس طرح ماں سے نکاح کی ممانعت کے حکم میں دادی اور نانی اور پتک سب داخل ہیں۔ اسی طرح بیٹی سے نکاح کرنے کی ممانعت میں پوتی اور نواسی اور ان کے نیچے تک سب داخل ہیں۔ اور بہن کے سلسلہ میں عینی۔ علاقائی اور اخیانی سب داخل ہیں اور چھوٹی باپ، دادا اور ادرتک کی پشتوں کی بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی سب آگئیں۔ اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی نانی اور سب کی تینوں قسم کی بہنیں داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد کی اولاد سب داخل ہیں۔ اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد اور اولاد سب داخل ہیں۔

نسبی محرمات کے علاوہ رضاعی محرمات بھی ہیں۔ یہ دو ہیں ماں اور بہن اور ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں۔ یعنی رضاعی بیٹی، چھوٹی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں۔ یہ تفصیلات اور اس سلسلہ کے دوسرے احکام احادیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

معموم: (قابل حرمت) ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جن سے نکاح جائز نہ ہو۔ اسی مادہ کے دوسرے لفظ حرمت اور احترام وغیرہ ہیں۔

دوسری محرم عورتیں

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي بَيْنَ

اور ماٹیں۔ تمہاری عورتوں کی اور تمہاری بیٹیاں جو ہیں
وَجُورِكُمْ مِمَّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

تمہاری پردہ سے تمہاری عورتیں جنہیں صحبت کی ان سے
فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ - فَلَا جُنَاحَ

اور اگر نہ کی ہو صحبت تم نے ان سے تو نہیں گناہ
عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ

تم پر اور عورتیں تمہارے بیٹے جو سے
أَصْلَابِكُمْ - وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ

تمہاری پشت اور یہ کہ اکٹھا کرو بہنیں مگر
إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ - إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا

جو ہر چکا پہلے بے شک اللہ ہے بخشنے والا
رَحِيمًا ۲۳

مہربان۔

وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي بَيْنَ

اور تمہاری عورتوں کی ماٹیں اور تمہاری وہ بیٹیاں جو تمہاری پردہ میں
وَجُورِكُمْ مِمَّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

ہیں جن کو تمہاری ان عورتوں نے جنا ہے جن سے تم نے صحبت کی
فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ - فَلَا جُنَاحَ

اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ
عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ

نہیں اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں جو تمہاری پشت سے ہیں
أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ

اور یہ کہ دو بہنوں کو اکٹھا نہ کرو مگر جو
إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ - إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان
رَحِيمًا ۲۳

ہے۔

اس آیت میں ان محرمات کا ذکر ہے جو نکاح کے تعلق کی بنا پر حرام ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ماقول وہ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے۔ یہ ہیں بیوی کی ماں اور اس بیوی کی بیٹی جس سے کہ تم نے صحبت کی ہو البتہ اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ بیٹیوں کی بیویوں اور نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی بیویوں سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

دوسری قسم میں وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہیں بلکہ جب تک کوئی عورت نکاح میں رہے۔ صرف اسی وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح منع ہے۔ لیکن جب اس عورت کو طلاق دے دی جائے یا وہ مر جائے تو اس کے ان قرابت داروں سے نکاح جائز ہو جائے گا۔ وہ قرابت دار یہ ہیں۔ بیوی کی بہن جو بیوی کی زندگی اور موجودگی میں نکاح میں نہیں لائی جاسکتی لیکن بعد میں لائی جاسکتی ہے۔ یہی حکم بیوی کی چھوٹی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کے بارے میں ہے۔

یہاں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے ان بیٹیوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں جو تمہاری پشت سے ہیں اس سے نسبی بیٹے اور پوتے مراد ہیں۔ منہ بولے یعنی بے پاک نہیں جنہیں متبانی کہتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ اسلام سے قبل جاہلیت کے دور میں جو غلطیاں ہو چکی ہیں۔ ان پر کوئی باز پرس نہ ہوگی البتہ حکم الہی آجانے کے بعد اس کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے۔

نکاح کی شرائط

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ
اور خاوند والی عورتیں سوائے ان کے جن کے مالک تمہارے
ایمانکم کتب اللہ علیکم وَاِحْلَ لَکُمْ
ہاتھ ہو جائیں تم پر اللہ کا حکم ہوا اور تمہیں ان کے سوا
مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ
سوا ان کے اگر طلب کرو اپنے مال کے بدلے
مُحْصِنٰتٍ غَیْرِ مُسْفِحٰتٍ
بیوی بنانے کو نہ مستی نکالنے کو

مُحْصَنَاتُ: مُحْصَنَاتُ کی جمع ہے یعنی وہ عورت جو کسی کی باقاعدہ بیوی ہو اور اس کا خاوند موجود ہو (خاوند والی عورتیں)

مُحْصِنَاتٍ: مُحْصِنَاتٍ کی جمع ہے یعنی کسی عورت کو بذریعہ نکاح باقاعدہ بیوی بنانے والا۔

مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ تمہارے دائیں ہاتھ کی ملکیت (ما رجو) مَلَكَتْ (ملکیت ہوئی) اَیْمَانُکُمْ تمہارے دائیں ہاتھ کی ملکیت سے مراد وہ لونڈی اور غلام عورتیں ہیں جو جنگ وغیرہ کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں ان کے لیے مَلَكَتْ اَیْمَانُکُمْ کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے اب ان عورتوں کی حرمت بیان ہو رہی ہے جو پہلے سے کسی کے نکاح میں ہوں۔ اس صورت میں ان کا نکاح کسی اور سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے دے یا خاوند کے وفات پا جانے کی وجہ سے وہ نکاح سے الگ نہ ہو جائے۔ البتہ کوئی عورت پہلے سے کسی کے نکاح میں ہو اور وہ تمہاری ملکیت میں آجائے تو اس سے نکاح جائز ہے۔ یہ صورت یوں پیش آتی ہے کہ کسی کافر عورت کا نکاح ہو چکا ہو اور مسلمان دارالحرب پر چڑھائی کر کے اس عورت کو قید کر کے دارالسلام میں لے آئیں۔

یہ یاد رہے کہ جو کافر عورت دارالحرب سے پکڑی ہوئی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے۔ نیز وہ عورت مشرکہ بت پرست نہ ہو۔ بلکہ اہل کتاب سے ہو۔ اس کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ جن عورتوں کی حرمت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ ان کے سوا باقی سب تم پر حلال ہیں لیکن ان کے ساتھ چار شرطیں لگادی ہیں۔

۱۔ یہ کہ عورتوں کو طلب کرو۔ یعنی ہونے والی بیوی سے بھی باقاعدہ نکاح کی رضامندی حاصل کی جائے۔

۲۔ یہ کہ مہر دینا قبول کرو۔

۳۔ عورت کو نکاح میں لا کر اپنی باقاعدہ بیوی بنانا مقصود ہو۔ صرف شہوت رانی مطلوب نہ ہو۔

۴۔ مخفی طور پر نکاح نہ ہو۔ بلکہ عام اجتماع میں گواہوں کی موجودگی میں ہو۔

مہر اور باہمی رضامندی

فَمَا اسْتَقْتَضَتْ بِهِ مِنْهُنَّ - فَاتَوْهُنَّ

پھر جسے تم کام میں لائے ان میں سے تو انہیں دو

أَجُورَهُنَّ - فَرِيضَةً وَلَا اجْتَاخَ عَلَيْكُمْ

ان کے حق جو مقرر ہوئے اور نہیں گناہ تم پر

فِيمَا تَرْضَيْنَهُنَّ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ

اس میں کہ اپنی رضا سے اس سے بعد مقرر ہو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٣﴾

بیشک اللہ ہے خبردار حکمت والا

فَمَا اسْتَقْتَضَتْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاتَوْهُنَّ

پھر ان عورتوں میں سے جسے تم کام میں لائے تو انہیں ان

أَجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا اجْتَاخَ عَلَيْكُمْ

کے حق جو مقرر ہوئے ادا کرو اور تمہیں اس بات میں گناہ نہیں کہ

فِيمَا تَرْضَيْنَهُنَّ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ

تم دونوں آپس کی رضامندی سے مقرر کرنے کے بعد (تصدیق کرو)

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٣﴾

بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

استقنتم - استمتاع مصدر ہے جس کے معنی فائدہ حاصل کرنا اور لطف اٹھانا ہے۔ یہاں اس سے مراد نکاح کے بعد میاں بیوی کا تنہائی میں خاصی دیر تک اگلے رہنا ہے۔

اجورهن ان کے حقوق (اجور کا واحد اجر ہے جس کے معنی مزدوری اور بدلہ ہیں۔ یہاں اس سے مراد عورتوں کا مہر ہے۔

یہاں عورتوں کے مہر کے بارے میں احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں یعنی کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے کسی معین مدت تک نفع بھی حاصل کر لیا۔ تو اب اس عورت کو پورا مہر دینا لازم ہے اور جب تک خود عورت معاف نہ کر دے۔ مہر کی ادائیگی ضروری ہے استمتاع کی قید سے معلوم ہوا کہ عورت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا ہو اور خاوند سے طلاق دے دے تو اس پر پورا مہر لازم نہ ہوگا۔ اس کا مفصل ذکر سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہر کے تعین اور اس کی ادائیگی میں خاوند اور بیوی کی باہمی رضامندی سے کمی زیادتی جائز ہے۔ یعنی اگر مہر مقرر کر لینے کے بعد بیوی اپنی خوشی سے مہر میں تخفیف کر دے یا مرد اپنی مرضی سے مہر کی مقررہ رقم سے بیوی کو کچھ زیادہ دے تو اس میں کچھ گناہ نہیں۔ بشرط صرف یہ ہے کہ یہ دونوں باہمی طور پر رضامند ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ انسانوں کی مصلحتوں اور ہر طرح کے نفع و نقصان کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ جو حکم بھی دیتا ہے حکمت سے جبر ہوتا ہے اس کے احکام کی اطاعت اور تابعداری میں ہی لوگوں کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں خیر اور بہبودی ہے اور اگر وہ اس کے احکام کی مخالفت کریں۔ تو دنیا میں ناکامی اور آخرت میں ذلت و رسوائی ہوگی۔

خاوند اور بیوی کا ایک اہم رشتہ ہے۔ انسانی نسل کی بقا اور اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کا مدار ان دونوں کے باہمی خوشگوار تعلق اور تعاون سے وابستہ ہے۔ ان کے تعلقات کی مضبوطی ہی اولاد کی فلاح و بہبود کا باعث ہے۔ لہذا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو قوانین بیان کیے ہیں ان کا سمجھنا اور عمل میں لانا اشد ضروری ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لیے مہر کا تعین لازمی چیز ہے اور اس کی ادائیگی مرد پر لازم اور واجب ہے۔

لوٹڈیوں سے نکاح

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ

اور تم میں جو کوئی اس کا مقدور نہ رکھے کہ مسلمان

المُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فِيمَنْ مَّا مَلَكَتْ

بیبیاں نکاح میں لائے تو ان سے نکاح کر لے جو تمہاری

أَيْمَانِكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ

علیت ہے تمہاری مسلمان لوٹڈیوں سے اور اللہ کو

أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ

تمہارے ایمان کا حال، خوب معلوم ہے تم آپس میں ایک ہو۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ

اور جو کوئی نہ مقدور تم میں کہ نکاح میں لائے

المُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فِيمَنْ مَّا مَلَكَتْ

بیبیاں مسلمان تو ان سے جو مال

أَيْمَانِكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ

تمہارے ساتھ جو تمہاری لوٹڈیاں مسلمان اور اللہ

أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ

معلوم ہے تمہاری مسلمان تم آپس میں سے ایک

مُحْصَنَاتٍ، پاکدامن بیبیاں اس کا واحد محسنہ ہے جو "حصن" سے مشتق ہے حصن قلعہ کو کہتے ہیں۔ گویا محسنہ وہ پاکباز اور نیکدل

خاتون ہے جس نے اپنی آبرو اور عزت قلعہ کی طرح محفوظ رکھی ہو۔

اسلام سے قبل دنیا کے بیشتر ممالک میں طاقت ور اور بڑے لوگ اپنے سے کمزور اور مجبور مردوں، عورتوں اور بچوں کو لوٹڈی غلام بنا لیتے

اور بھیڑ بکریوں کی طرح منڈیوں میں ان کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ اسلام آیا تو اپنے ساتھ انسان کے اندر برابری کا پیغام لایا لیکن اتنے

پرانے دستور کو ایک دم مٹا دینے اس رہنے سہنے کے طریقہ کو جس کے لوگ عادی ہو چکے تھے۔ بدل دینا آسان کام نہ تھا جہاں تک ہو سکتا ہے اسلام

لوگوں کی سہولتوں کا خیال کرتا ہے۔ عرب میں پہلے ہی لوٹڈی غلام موجود تھے اور بڑی حالت میں تھے۔ خاص کر لوٹڈیاں تو کسی شمار ہی میں نہ تھیں۔

ان کی جبری گت بنتی تھی اللہ کریم نے ایسے قاعدے بنائے جن سے لوٹڈی غلاموں کی حالت درست ہو اور رفتہ رفتہ غلامی کا سلسلہ ہی نہ رہے۔

آج دنیا میں لوٹڈی غلام کا وجود نہیں اور اس سلسلہ کو ختم کرنے کا سہرا یقیناً اسلام کے سر ہے۔ ناجائز دستوروں کے مٹانے میں

قرآن مجید کا یہی طریقہ ہے کہ شروع میں آسان حکم دیے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دستور کو اسلام بھی قائم رکھنا چاہتا ہے لیکن ہوتا ہے

کہ اس آسان احکام کے ماننے سے وہ بڑا دستور ختم ہو جاتا ہے۔

اس آیت شریفہ میں لوٹڈیوں کا مرتبہ اس قدر بڑھایا کہ انہیں محض اپنی خواہشوں اور بدستییوں کا شکار بنا کر نہ رکھو بلکہ ان کے ساتھ

شادی کر کے اپنی بیوی بناؤ۔ اسی حکم میں لوٹڈیوں کے دستور کو اڑا دینے کا بیج بو دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس کو مفلسی نے ستا رکھا ہو اور

نکاح کی ضرورت ہو تو اس کو چاہئے کہ اس لوٹڈی سے شادی کر لے جس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور حرام کاری سے بچے۔ کیونکہ ایمان کی حفاظت

ضروری ہے اور لوٹڈیوں کا ایمان بھی ویسا ہی قابل قدر ہے جیسے تمہارا اپنا۔

ان احکام کو ماننے کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا سے غلامی ختم ہو چکی ہے۔ سماج کے اندر عورت کی عزت قائم ہو چکی ہے۔ صرف ایک

بات اور ہونی باقی ہے کہ کوئی کسی کو دبا کر نہ رکھے۔ یہ بھی اگر اسلام کے حکموں پر چلا جاتا تو کب کی پوری ہو چکی ہوتی۔

لوٹدی سے نکاح کی شرائط

فَانِكَحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاتُوهُنَّ

سوان سے نکاح کرو اجازت سے ان کے مالک اور دو

اَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِّحَاتٍ

ان کے مہر دستور کے موافق قید میں آنے والیاں نہ مستی بھاننے والیاں

وَلَا مُتَّخِذَاتٍ اَخْدَانٍ فَاِذَا اُحْصِنَ

اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں پھر جب وہ آچکیں

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاِحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ

تو اگر کریں بے حیائی تو ان پر آدھی

مَا عَلَيَّ الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ

جو اوپر بیبیوں سے عذاب

لِئِنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوا

اس کے لئے جو ڈرتے تکلیف تم میں اور اگر صبر کرو

خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۵)

بہتر تمہارے لیے اور اللہ بخشنے والا مہربان

فَانِكَحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاتُوهُنَّ

سوان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور ادا کرو

اَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِّحَاتٍ

دستور کے موافق ان کے مہر قید میں آنے والیاں ہوں نہ مستی بھاننے والیاں

وَلَا مُتَّخِذَاتٍ اَخْدَانٍ فَاِذَا اُحْصِنَ

اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں پھر جب وہ نکاح کی تہیں آ

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاِحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ

آچکیں تو اگر بے حیائی کا کام کریں تو ان پر

مَا عَلَيَّ الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ

بیبیوں کی سزا سے آدھی سزا ہے

لِئِنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوا

اس واسطے کہ جو تم میں سے تکلیف میں پڑنے سے ڈرتے اور اگر صبر کرو

خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۵)

تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کنیز اور لوٹدیوں سے نکاح کی اجازت دے کر اسلام نے ایک طرف تو بدکاری کا سدباب کر دیا دوسری طرف معاشرہ میں ان کا درجہ آزاد عورتوں کے برابر قرار دے دیا اور ان کی اولاد کو اگر وہ مالک سے ہو وہی حقوق دلائے جو آزاد عورتوں کی اولاد کو حاصل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی لوٹدیوں سے نکاح کے لیے مندرجہ ذیل شرائط لازمی قرار دیں۔

۱۔ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کی جائے۔

۲۔ دستور کے موافق مہر ادا کیا جائے۔

۳۔ لوٹدیاں نیکو کاری، پاکدامنی کو پسند کرنے والی ہوں (مُحْصَنَاتٍ)

۴۔ شہوت و مستی میں مبتلا نہ ہوں۔ (مُسَفِّحَاتٍ)

۵۔ چوری چھپے معاشقہ اور یاری دوستی کرنے والی نہ ہوں۔ (مُتَّخِذَاتٍ اَخْدَانٍ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان احکام سے فائدہ صرف وہی شخص اٹھا سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔ صبر بہر حال مہربانہ حق میں بہتر ہے۔ ساتھ ہی فرمادیا کہ بدکار لوٹدیوں کی سزا آزاد خواتین سے نصف ہے۔

اللہ کیا چاہتا ہے؟

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ
 چاہتا ہے اللہ کہ بیان کرے تمہارے لیے اور تمہیں چلائے راہ
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ
 لوگ سے تم سے پہلے اور معاف کرے تم پر اور اللہ
 عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ ﴿۳۶﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ
 جاننے والا حکمت والا اور اللہ چاہتا ہے کہ متوجہ ہو
 عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ
 تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں مزے
 أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا ﴿۳۷﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ
 کہ تم پھر جاؤ راہ دور چاہتا ہے اللہ کہ
 يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۳۸﴾
 ہلکا کرے تم سے اور بنایا گیا انسان کمزور

میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو احکام بندوں کے لیے نازل فرماتا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو حلال و حرام میں فرق معلوم ہو جائے۔ اُسے گذشتہ انبیاء کی راہ پر چلنا نصیب ہو نیز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہ بخشے اور ان پر رحمت کرے وہ ہماری مصلحتوں اور حالات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت مخفی ہوتی ہے اگر اس کے ہر حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو اس کا نتیجہ ہدایت سے دوری اور گذشتہ برگزیدہ ہستیوں کی مخالفت ہوگا۔ نیز انسان اس کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہ جائیں گے۔

انسانی زندگی کے سب سے اہم مسئلے یعنی رشتہ ازدواج کی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے مختلف احکام ارشاد فرمائے۔ مثلاً زنا کی مذمت اس سے تو بہ عورتوں کے متعلق احکام۔ محرمات کا ذکر۔ نکاح کا مہر اور دوسری قیود و شرائط۔ بدکاری کی ممانعت، انسان کو اپنی بعض کمزوریوں کے باعث ان حکموں کی اطاعت ناگوار ہوتی ہے۔ اس لیے آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام احکام کی پابندی پر اور زیادہ زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان تمام قیود و شرائط کا جو تم پر لگائی جاتی ہیں مقصد یہ ہے کہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ جو شہوت پرست ہیں۔ وہ تمہیں بھی سیدھی راہ سے دور لے جانا چاہتے ہیں تاکہ تم بھی ان کی طرح شہوت پرستی کرو اور گمراہ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کو انسان کی کمزوریوں کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ وہ اپنی شہوت اور مرغوبات سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے۔ اسی لیے اس نے ہر حکم میں تخفیف کا لحاظ رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی۔

مسلمان کی جان و مال

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

لے لوگو لوگو ایمان والو نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں

بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

ناحق مگر کہ ہو تجارت سے خوشی

مِنْكُمْ قَفًّا وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

آپس کی اور نہ خون کرو آپس میں بیشک اللہ ہے

بِكُورٍ رَحِيمًا ﴿۳۹﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا

تم پر مہربان اور جو کوئی کرے یہ تعدی

وظَلْمًا قَسُوفَ نُصُوبِهِ نَارًا وَاوَّكَانَ ذَلِكَ

اور ظلم تو جلدی ہم ڈالیں گے آگ اور ہے یہ

عَلَى اللَّهِ - بَسِيرًا ﴿۴۰﴾

پر اللہ آسان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

لے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال

بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی تجارت تمہاری خوشی

مِنْكُمْ قَفًّا وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

ہو اور آپس میں خون نہ کرو بے شک اللہ

بِكُورٍ رَحِيمًا ﴿۳۹﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا

تم پر مہربان ہے اور جو کوئی ظلم اور تعدی سے یہ

وظَلْمًا قَسُوفَ نُصُوبِهِ نَارًا وَاوَّكَانَ ذَلِكَ

کام کرے تو اسے ہم عنقریب آگ میں ڈالیں گے اور یہ

عَلَى اللَّهِ - بَسِيرًا ﴿۴۰﴾

اللہ پر آسان ہے

ازواجی قوانین اور ان کی نافرمانی کی سزا میں ذکر کر کے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ مثلاً جھوٹا ادعا بازی، چوری یا لوٹ مار، لائٹری اور سٹم وغیرہ کے ذریعے سے ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر تم باہم سوداگری یا تجارت کرو۔ کسی کاروبار میں شامل ہو تو باہمی رضامندی سے حاصل کیے ہوئے مال کو کھانا تم پر حرام نہیں۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ کسی مسلمان بھائی کا خون ناحق بہانا تم پر حرام ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے جو ایسے حکم نازل فرماتا ہے جن کی رو سے ایک فرد کسی دوسرے کا مال نہ لوٹنا جائز طور پر کھا سکتا ہے اور نہ اس کی ناجائز طور پر جان لے سکتا ہے۔ ان تمام احکامات میں سراسر تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ان حکموں کی خلاف ورزی کرے یعنی ظلم اور زیادتی کرے اور لوں کا مال کھائے یا کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ظالموں کو جہنم کی آگ میں دھکیل دینا اللہ کے لیے دشوار نہیں بلکہ اس کے لیے یہ نہایت سہل اور آسان کام ہے اس لیے اب تمہیں یہ خیال کر کے کسی پر ظلم کرنے سے باز رہنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں اگر ظلم کریں گے دوزخ میں جائیں گے۔

ساتھ ہی اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا مالک ہے۔ اسے عدل و انصاف کرنے اور سزا دینے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور نہ ہی وہ عدل و انصاف کا خون کر کے کسی کی بے جا رعایت یا کسی کے ساتھ ناروا زیادتی کر سکتا ہے۔

کبائر سے گریز

ان تَجْتَنِبُوا كَبِيرًا مَّا تُنْهَوْنَ عَنْهُ
 اگر تم بچتے رہو بڑے جو گناہ ان سے
 نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
 ہم معاف کر دیں گے تم سے تمہارے چھوٹے گناہ اور تمہیں داخل کر دیں گے
 مَدَّ خَلًّا كَرِيمًا ۳۱
 مقام عزت

ان تَجْتَنِبُوا كَبِيرًا مَّا تُنْهَوْنَ عَنْهُ
 اگر تم ان چیزوں سے بچتے رہو گے جو بڑے گناہ ہیں
 نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
 تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں داخل کر دیں گے
 مَدَّ خَلًّا كَرِيمًا ۳۱
 عزت کے مقام میں

تَجْتَنِبُوا (تم بچتے رہو) اجتناب اس کا مصدر ہے۔ جس کے معنی گریز اور پرہیز کرنا ہیں۔ "جنب" پہلو کو کہتے ہیں۔
 كَبِيرًا (بڑے) کبیر اس کا واحد ہے۔ کبیر اکبر وغیرہ ایک ہی لفظ سے بنے ہیں۔ کبیرہ اس گناہ کو کہا جاتا ہے جو بڑا ہو۔
 اس کے برعکس معمولی درجہ کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے۔
 اس سے پہلی آیت میں مذکور تھا کہ جو غضظلم اور زیادتی سے کسی کے جان یا مال کو نقصان پہنچائے گا، اس کی سزا جہنم ہے۔ اس آیت میں
 گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے پرہیز کرنے پر اللہ تعالیٰ نے بخشش و مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور جنت کی توقع دلائی ہے تاکہ
 اسے جان لینے کے بعد ہر شخص گناہوں سے پرہیز کی کوشش کرے۔
 ارشاد ربانی ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہ مثلاً کسی کی چوری اور غضب اور قتل وغارتگری کے جرموں سے بچا رہا تو اس کے صغیرہ گناہ معاف
 ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر علماء نے مختلف طور پر کی ہے۔ اس کی صحیح تفسیر کے لیے ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک
 حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر زنا کے مختلف حصے مقرر
 فرمائے ہیں۔ مثلاً زنا کے فعل میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے۔ زبان کا حصہ زنا کے فعل کے بارے میں باتیں کرنا ہے اور نفس کا حصہ زنا کی
 خواہش کرنا ہے۔ فعل زنا کا حقیقی ارتکاب شرمگاہ پر موقوف ہے۔ اگر یہ فعل ہو گیا تو آنکھ، زبان اور دل سب کا لانا ہو گیا۔ اگر یہ نہ ہو تو
 باقی زنا کے تمام مددگار فعل معاف کر دیے جائیں گے۔

اس لحاظ سے مذکورہ بالا آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں۔ البتہ بھول چوک سے چھوٹے چھوٹے
 گناہوں کی نوبت آ جاتی ہے۔ جن کی حیثیت بڑے بڑے گناہوں کے وسیلہ کی ہوتی ہے لیکن یہ لوگ بڑے بڑے گناہ کرنے سے بچ
 جاتے ہیں تو ان چھوٹے گناہوں پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ اور انہیں بڑے گناہوں سے بچنے کا اجر بھی حاصل ہو گا۔ اجر اس لیے کہ انہوں
 نے سرکش نفس اور بُری خواہشات کا مقابلہ کیا اور اپنے آپ کو شدید غلطی سے بچا لیا۔

حسد

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ
اور نہ ہو س کرو جس بڑائی اللہ جس میں ایک

عَلَىٰ بَعْضِ الرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا
اوپر دوسرے مردوں کا حصہ جو کماٹی

وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ وَاسْتَلُوا
اور عورتوں کا حصہ جو انہوں نے کمایا اور مانگو

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ
اللہ سے اس کا فضل بیشک اللہ ہے ہر

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾
چیز جاننے والا

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾
چیز کو جاننے والا ہے

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ
اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی اس

عَلَىٰ بَعْضِ الرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا
ہو س نہ کرو مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے

وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ وَاسْتَلُوا
اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ
اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ ہر

اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو کسی بات میں برتری اور فضیلت عطا فرمائے اور اُسے اس میں ممتاز کر دے تو اس کی ہوس نہ کرو۔ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کے مال و جان میں بلا و ببردست اندازی کی جائے جسے گذشتہ آیات میں حرام کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایسی حرص سے باہمی حسد اور بغض پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت کی مخالفت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ تمام باتیں اللہ کو پسند نہیں۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ چند عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلعم، اس کا کیا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں کو ہی خطاب کرتا ہے اور انہیں کو حکم دیتا ہے۔ عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ نیز میت کے ورثہ سے مرد کو دو گنا حصہ دیا جاتا ہے اور عورت کو اکہرا اس آیت میں ان کے سوال کا جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو تم پر خاص حکمت سے فضیلت بخشی ہے تم ان کی اس برتری سے حسد مت کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ورثہ میں مردوں اور عورتوں کا حصہ مقرر ہے۔ جیسا کچھ وہ کام کرتے ہیں۔ اس کے مطابق انہیں اجر ملتا ہے اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق مردوں کو عورتوں پر خاص بڑائی، فضیلت اور برتری عنایت کی ہے اگر عورتیں اس پر حسد کریں تو یہ ایک بے جا ہوس ہوگی۔ البتہ اگر وہ اچھے عمل کر کے زیادہ ثواب اور انعام حاصل کریں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا جو اللہ کا زیادہ فضل جاہتا ہوا ہے چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اچھے کام کر کے اس کی رحمت طلب کرے۔ حسد اور بغض سے اللہ کے فضل کا طالب نہ ہو۔ خداوند کریم کو ہر چیز کا مکمل علم ہے۔ وہ ہر ایک کے درجہ اور حق کو خوب جانتا ہے اور اسی کے مطابق اس سے معاملہ طے کرتا ہے۔

وارثوں کا تقصر

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

اور ہم نے ہر کسی کے لیے اس مال کے وارث مقرر کر دیے جو چھوڑ میں

وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ

اور قرابت والے اور جو لوگ تمہارا عہد ہوا

فَأُولَئِكَ نَصِيبُهُمْ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلَى

انہیں دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ ہے

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۳۳

ہر چیز پر گواہ ہے

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

اور ہر ایک کیلئے مقرر کیے وارث جو چھوڑ میں ماں باپ

وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ

اور قرابت والے اور جو لوگ تمہارا عہد ہوا

فَأُولَئِكَ نَصِيبُهُمْ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلَى

انہیں دے دو ان کا حصہ بیشک اللہ ہے

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝۳۳

ہر چیز پر گواہ ہے

الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ (جن سے تمہارا عہد ہوا) الَّذِينَ اسم موصول ہے یعنی وہ لوگ جن سے عَقَدَتْ عقدہ سے ہے جس کے معنی گرہ ہیں یعنی باندھا اور طے کیا اَيْمَانُكُمْ الف سے زبر کے ساتھ) اس کا ترجمہ ہے تمہارا عہد و پیمانہ۔ پورے جملہ کا مدعا یہ ہے کہ جن لوگوں سے تمہارا کوئی عہد و پیمانہ اور اقرار ہوا۔

اس آیت میں فرمایا کہ مرنے والوں کے مال میں وارثوں کا حصہ ہے خواہ وہ مرنے والے والدین ہوں یا قرابت دار اور جن سے خاص طور پر کوئی عہد و پیمانہ ہوا ہوا نہیں بھی کچھ ملنا چاہئے۔

خدا خوب جانتا ہے کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ان کو کیا ملنا چاہئے اور یہ بھی کہ اس کے احکام کو کون تسلیم کرتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے کافر و مشرک خاندان کو چھوڑ کر اکیلے اکیلے ہی مسلمان ہو جانے لگے اور ان کا سارا گنہ اور تمام عزیز و اقربا کافر ہی چلے آتے تھے بحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس حالت کو دور کرنے کے لیے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن کچھ مدت بعد ان کے رشتہ دار اور دیگر عزیز و اقربا بھی مسلمان ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اصل میں میراث ان اقربا اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اور منہ بولے بھائیوں کا میراث میں کوئی حق نہیں۔ البتہ زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے اور اگر مرتے وقت آدمی ان کے لیے کچھ وصیت کر جائے تو بھی مناسب ہے لیکن میراث میں ان کا قانونی طور پر کوئی حق نہیں۔

خداوند کریم نے اپنی مختلف آیات میں کنبہ کے افراد، عزیز و اقربا اور دیگر ملنے والوں کی میراث میں حصے مقرر فرمادیے یہ تمام حصے ان سب کے استحقاق اور تقاضوں کے پیش نظر معین کیے ہیں۔ انہیں تسلیم کرنے میں مسلمانوں کی سراسر مصلحت ہے ہمیں چاہئے کہ بلاچوں و چوا انہیں بجالائیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے وہ انسانوں کی نیتوں اور اعمال سے اچھی طرح واقف ہے وہ انہیں ان کی نیتوں کے مطابق ہی جزا یا سزا دے گا۔

مردوں کو عورتوں پر فضیلت

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَالصَّلِحَاتُ قِنْتُ حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیا۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں سو تا بعد از میں پیٹھ پیچھے نگہبانی کرنے والے

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیا۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں سو تا بعد از میں پیٹھ پیچھے نگہبانی کرنے والے ہیں اللہ کی حفاظت سے

قَوَّامُونَ (حاکم) اس کا واحد قوام ہے جو قیام سے بنا ہے۔ اس کے مراد میں دو ہو سکتے ہیں ایک تو حاکم اور نگرانی کرنے والے دوسرے کفالت کرنے والے بہت سے مفسرین نے قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ عورتوں کی کفالت کرنے والے ان کی روزی مہیا کرنے والے اور ان کی حفاظت کرنے والے۔

اس آیت میں مرد اور عورت کے درجے بتائے گئے ہیں اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مرد کا درجہ عورت سے زیادہ ہے لہذا دونوں کے درجوں میں فرق کی وجہ سے ان کے بارے میں بھی فرق ہوگا اور یہ فرق سراسر حکمت پر مبنی ہوگا۔ عورت اور مرد برابر نہیں ہیں۔ اگر عورتیں برابری اور مساوات کی خواہش کریں تو یہ بالکل بے جا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم اور ان کا کفیل بنایا ہے۔ مرد کی فضیلت کی وجوہات یوں بیان فرمائیں۔

۱۔ مرد کو عورت پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔ یہ فضیلت جسمانی اور روحانی لحاظ سے بھی ہے اور علم و عمل کے لحاظ سے بھی۔ اس کی تشریح احادیث طیبہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

۲۔ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ یہ مال۔ خوراک۔ پوشاک۔ مہر نان و نفقہ۔ ضروریات زندگی اور امور خانہ داری غرض ہر ضرورت کے وقت مرد ہی مہیا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

قرآن مجید میں نیک خصلت عورتوں کی دو ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں اور دوسری یہ کہ اللہ کے حکم کے موافق خاوند کی غیر حاضری میں اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں یعنی اپنے فرائض زوجیت کی نگہبانی کرتی ہیں اور شوہر کے مال میں خیانت نہیں کرتیں۔

زمانہ جدید میں نئی روشنی والے ممالک کی طرف سے مرد و عورت کی باہمی مساوات کی صدا بلند ہو رہی ہے عورتیں مردوں کی برابری کا دعویٰ کر رہی ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت ہمارے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہے اور خود یہ مغربی اقوام اپنی تہذیب کے گھناؤنے نتائج کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی ہیں۔ ایسی اقوام کی اندھا دھند تقلید کی بجائے قرآن مجید کی اس آیت سے نصیحت حاصل کرنا اور دوسروں کے لیے نمونہ پیش کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

سرسش عورتوں کی اصلاح

وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَ
 اور جو ڈر نہیں سمجھاؤ اور
 اَهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْرَبُوهُنَّ
 جدا کرو میں سونا اور مارو
 فَإِنْ أَطَعْتَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا
 پھر اگر تمہارا کہا مانیں تو نہ تلاش کرو ان پر راہ
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿٣٣﴾
 بیشک اللہ ہے اوپر بڑا

گذشتہ آیت میں مرد کی حیثیت ایک لفظ "قوام" میں بیان فرمادی۔ یعنی وہ اپنی فضیلت اور انفاق مال کے سبب عورت کا نگران حاکم اور کفیل ہے اور نیک نہاد عورت وہ ہے جو اطاعت گزار اور پیٹھے پیچھے بھی نگرانی کرنے والی ہو۔ وہ نہ صرف اپنی عزت و آبرو کی محافظ ہو بلکہ خاوند کے حقوق۔ مفادات، مال و زر اور گھر بار کی نگرانی اور حفاظت کرنے والی ہو۔ مرد و عورت دونوں کے حقوق و فرائض بیان کرنے کے بعد اب عمل زندگی کی مشکلات اور ان امور میں خرابی پیدا کرنے کی صورت میں اصلاح کے اصول اور طریقے بیان کیے جا رہے ہیں۔

خاوند بیوی کے تمام خوشگوار تعلقات کے باوجود کہیں کہیں باہم اختلاف اور رنجش کا پیدا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ اور اطاعت گزار بیوی کی طرف سے بد خوئی اور نافرمانی کا سرزد ہونا بھی ناممکن نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں خاوند کبار و یہ اختیار کسے ان آیات میں ان عورتوں کے بارے میں سزا بیان کی گئی ہے جو اپنے شوہروں سے بدزبانی، بد خوئی اور نافرمانی کریں۔ ان کی سزا کا پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد عورت کو زبانی طور پر سمجھائے اور نصیحت کرے اگر وہ اس پر نہ مانے تو سونے میں اس سے علیحدگی اختیار کر لے اور وہ پھر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسی سخت مار نہ ہو جس سے جسم پر کوئی نشان پڑے اور نہ اس کی ہڈی ٹوٹے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر خطا اور قصور کے مختلف درجے ہیں اور ان کے درجوں کے مطابق ہی سزا کا حکم ہے۔ مار پیٹ بالکل آخری سزا ہے۔ اگر قصور بالکل معمولی ہو تو پھر مار کے بجائے سمجھانا ہی بہتر ہے۔ نیز مار پیٹ بھی قصور کے درجہ کے مناسب ہونی چاہئے۔ اس بات کا ہر حال میں لحاظ رہے کہ نہ تو ہڈی ٹوٹنے پانے اور نہ ایسا زخم آئے جس کا نشان باقی رہے۔ پھر اگر عورتیں تمہاری نصیحت یا سونے میں علیحدگی یا مار پیٹ کے بعد بد خوئی اور نافرمانی سے باز آجائیں تو تم بھی سزا دینا ختم کر دو۔ نیز ان کی غلطیوں کی کھود کر یاد بند کر دو۔ ان پر خواہ مخواہ الزام نہ لگاؤ بلکہ اللہ سے ڈرو۔ وہ سب پر غالب اور حاکم ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مار پیٹ شریف عورتوں کو نہیں بلکہ نافرمان اور بد خو عورتوں کے لیے ہے۔

مصاحمت اور ثالثی

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا
اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک
مَنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يَرِيدَا
سے مرد والے اور منصف سے عورت والے اگر یہ چاہیں گے
إِصْلَاحًا يُؤْفِقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنْ لَمْ
صلح کرادیں تو موافقت کرے گا اللہ ان میں بیشک اللہ
كَانَ عَلَيْهِمَا خَيْرًا ۝۳۵
ہے جاننے والا خبردار

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا
اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک
مَنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يَرِيدَا
منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں
إِصْلَاحًا يُؤْفِقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنْ لَمْ
چاہیں گے صلح کرادیں تو اللہ ان دونوں میں موافقت کرے گا بیشک
كَانَ عَلَيْهِمَا خَيْرًا ۝۳۵
اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

پہلی آیت میں بدخوا، بد زبان اور نافرمان بیویوں کی اصلاح کے لیے تین طریقے بیان ہوئے تھے۔ اب اس کے بعد یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ تمام کوششیں بھی ناکام ہو جائیں تو کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا اگر تم اس بات سے ڈرو کہ دونوں عند کر رہے ہیں۔ اور آپس میں خود صلح نہیں کرتے تو ایک انصاف پسند حکم منصف، خاوند کے گھر والوں میں سے اور ایک بیوی کے خاندان سے مقرر کرو اگر یہ دونوں دل سے اخلاص کے ساتھ صلح و صفائی اور اصلاح احوال کی کوشش کریں تو اللہ ضرور موافقت کی صورت پیدا کر دے گا اور ان کا اختلاف اتفاق میں تبدیل کر دے گا۔

دنیا میں ہر جگہ ازدواجی زندگی میں بے اعتدالی موجود تھی۔ کہیں عورت کو کوئی حق حاصل نہ تھا۔ بیوی کو بے زبان جانور سے بدتر اور غلام باندی سے کمتر تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے عورت کو ایک خاص مقام دیا۔ بیٹی، بہن، بیوی، ماں غرض ہر رشتہ میں اس کے حقوق اور درجات مقرر کیے۔

اکثر مذاہب میں دوسری خرابی یہ تھی کہ ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد جدائی کی کوئی قانونی اور مذہبی صورت نہ تھی۔ اور بعض نے جدائی کو بالکل مذاق بنا دیا تھا۔ ذرا سی بات پر خاوند بیوی کو گھر سے نکال کھڑا کرتے۔ قرآن مجید نے ان دونوں صورتوں میں اصلاح اور درستگی کی۔

اختلاف ہو جانے کی صورت میں پہلے تو یہ بتلایا کہ خاوند خود ہی اصلاح کی کوشش کرے۔ اب فرمایا کہ جب بات اس مرحلہ سے گزر جائے تو خاندان کے ثالثوں کے ذریعہ مصالحت کی کوشش کی جائے۔ طلاق وغیرہ کی نوبت کہیں اس کے بعد آنی چاہئے۔

حقوق العباد

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

اور بندگی کرو اللہ اور نہ اس کا شریک نہ کرو اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں

وَالسَّكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ

اور فقیر اور ہمسایہ قریب اور اجنبی ہمسائے

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا

اور پاس بیٹھنے والے سے اور مسافر اور اپنے ہاتھ

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ

کے مال یعنی غلام یا باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ کو وہ شخص پسند

كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾

نہیں ہے جو اترنے والا اور بڑائی کرنے والا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

اور بندگی کرو اللہ اور نہ شریک کرو اس کا کچھ اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیم

وَالسَّكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ

اور فقیر اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا

اور والے پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور جو

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ

مال تمہارے ہاتھ بیشک اللہ نہیں پسند آتا جو کوئی

كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾

ہے اترنے والا بڑائی کرنے والا

میاں بیوی کے حقوق اور ان کے ساتھ اچھے سلوک کا ذکر کر کے اب اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک کا حق اس کے درجہ کے مطابق اور حاجت کے مناسب ادا کرو۔ سب سے زیادہ مقدم حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے لیے تمہیں چاہئے کہ اسی کی عبادت کرو۔ اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ نیک عمل اللہ پر ایمان رکھ کر آخرت میں ثواب ملنے کی امید سے کرو۔ فخر اور ریا کاری سے حاجتمندوں کو مال نہ دو کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعد حقوق العباد آتے ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ ماں باپ کا آتا ہے جو بقائے نسل کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ اولاد کی اس وقت نگہداشت اور پرورش کرتے ہیں جب بچے بالکل ناتواں اور بے بس ہوتے ہیں۔ ماں باپ بچے کی مادی اور ذہنی تربیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ پھر رشتہ داروں اور قرابت داروں کا حق ہے وہ وقتاً فوقتاً انسان کی امداد کرتے رہتے ہیں۔ ان کا بھی حق ادا ہونا چاہئے۔ پھر یتیموں اور فقیروں کا درجہ آتا ہے۔ یتیم اپنے والدین کی عمری کے باعث بے بس ہوتا ہے اور فقیر تنگدستی کے باعث ضرورتمند ہوتا ہے اس کے بعد قریب اور دور کے ہمسایوں کے حقوق ہیں پھر پاس بیٹھنے والے دوست اور رفیق کا حق ہے۔ اس کے بعد مسافر کا درجہ ہے۔ پھر غلام اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کا نمبر آتا ہے آخر میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جو شخص تکبر کرتا ہو اور کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتا ہو۔ وہ ان حقوق کو ادا نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو کبھی پسند نہیں کرتا۔

ریا کار بخیل

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَخْلِ
 اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں
 وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ
 اور چھپاتے ہیں جو انہیں دیا اللہ سے اس کا فضل اور
 أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۗ وَالَّذِينَ
 ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب ذلت اور وہ لوگ جو
 يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ
 خرچ کرتے ہیں ان کے مال دکھانا لوگ اور نہیں ایمان لاتے
 بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنْ
 اللہ پر اور نہ دن قیامت اور جو ہو
 الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا سَاءً ۖ قَرِينًا ﴿٣٨﴾
 شیطان اس کا ساتھی بُرا ساتھی

یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو اللہ کے راہ میں خرچ کرنے سے خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کام سے روکنا چاہتے ہیں۔ خصوصاً وہ یہودی جن کی کتاب تورات میں نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں موجود تھیں اور اسلام کی سچائی کے بارے میں آیات مذکور تھیں لیکن وہ انہیں چھپاتے تھے۔

اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ جو لوگ اپنے مال پر اترتے ہیں اور غرور و تکبر کرتے ہیں انہیں اللہ کبھی پسند نہیں کرتا۔ اب فرمایا کہ ایسے لوگوں کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ بخل کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتے۔ کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال اور علم عطا کیا لیکن وہ اسے لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ وہ زبان سے بھی اور عمل سے بھی لوگوں کو بخل کی ترغیب دلاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے ہم نے ذلت بھرا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تکبر کرنے والوں کی خصوصیتیں یہ بھی ہیں کہ وہ اپنا مال صرف ریا کاری اور نمائش کی غرض سے خرچ کرتے ہیں یعنی فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں لیکن لوگوں کے دکھلاوے کے لیے اپنا مال ضرور خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا نہ تو اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت پر۔ اس لیے وہ اپنا مال اللہ کی خوشنودی اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے خرچ نہیں کرتے بلکہ صرف لوگوں کو دکھانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان مقبول اور پسندیدہ روش یہ ہے کہ حقوق العباد ادا کیے جائیں اور مال خرچ کرنے سے مقصود اللہ کی خوشنودی ہو اور آخرت کے ثواب کی امید ہو۔ ریا کاری اور نمائش کا کام وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ساتھی شیطان ہے۔

ریا کاران بخیل غور کریں

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
اور کیا ہوتا ان پر اگر ایمان لاتے اللہ پر اور دن

الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ
آخرت اور خرچ کرتے جو انہیں دیا اللہ اور ہے

اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝۳۹ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ
اللہ ان سے باخبر بیشک اللہ نہیں ظلم کرتا

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَعِفْهَا
برابر ذرہ اور اگر ہو نیکی اُسے دونا کرتا ہے

وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۴۰
اور دیتا ہے سے اپنے پاس ثواب بڑا

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت

الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ
کے دن پر اور اللہ کے دیے ہوئے ہیں سے خرچ کرتے اور

اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝۳۹ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ
اللہ کو ان کی خوب خبر ہے بیشک اللہ کسی کا ذرہ برابر

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَعِفْهَا
حق نہیں رکھتا اور اگر ہو نیکی تو اسے دونا کر دیتا ہے

وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۴۰
اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے

ان آیات سے پہلے مال و دولت کے سلسلہ میں دو بنیادی خرابیوں کا ذکر تھا۔ یعنی بخل اور ریا کاری۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں بدترین خرابیوں کی وجہ اللہ کریم کی ذات پر ایمان نہ ہونا اور نتائج اعمال (آخرت کے دن) پر یقین نہ ہونا ہے جس شخص کو یہ احساس ہو کہ دولت میری نہیں اس کا دینے والا کوئی اور ہے اور وہ مجھ سے اس کا حساب کتاب بھی لے گا۔ وہ اس دولت کے بارے میں دینے والے کی مرضی کے خلاف بخل کیسے کر سکے گا اور جس شخص کو یقین ہو کہ اللہ اس کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور ہر ظاہر و پوشیدہ چیز سے باخبر ہے وہ ریا کاری کی ہمت کیسے کر سکے گا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے فرمایا کہ اگر وہ کفر کرنے کی بجائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آئے اور بخل اور ریا کاری سے بچ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو اس میں ان کا کچھ نقصان نہ تھا بلکہ سراسر فائدہ ہی تھا۔ نقصان تو اس روش میں ہے جسے وہ اب اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کچھ کر رہے ہیں اور کس نیت سے کر رہے ہیں اس کے مطابق ہی انہیں اجر ملے گا۔

وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ (اور اللہ کے دیے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں) یہ جملہ استعمال کر کے بتا دیا کہ دینے والا صرف اللہ ہی ہے اس لیے ہمیں چاہئے کہ اللہ کے ارشادات اور ہدایات کے مطابق مال خرچ کریں۔ اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق نہ خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کسی کا حق ذرہ برابر بھی ضائع نہیں کرتا۔

بخیل اور کنجوس کو سوچنا چاہئے کہ اس مولیٰ کریم کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا بھی مل کر اس سے مانگے پھر بھی اس کے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں ہوتی جتنا سمندر میں سوئی ڈوبنے سے اس کے ناکے پر پانی کا قطرہ لگ جانے سے سمندر کے پانی میں کمی ہو سکتی ہے۔

قیامت کے دن کفار کی حسرت

فَكَيْفَ إِذَا جُئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ

پھر کیا حال ہوگا جب ہم بلائیں گے سے ہر امت احوال کہنے والا

وَجُئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝۳۱

اور بلائیں گے تجھے اُوپر ان کے احوال بتانے والا

يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا

اُس دن آرزو کریں گے لوگ کافر اور نافرمان

الرَّسُولَ لَوْ تَسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَ

رسول کاش برابر ہو جاتے وہ زمین اور

لَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝۳۲

نہ چھپا سکیں گے اللہ بات

فَكَيْفَ إِذَا جُئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ

پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا بلائیں گے

وَجُئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝۳۱

اور تجھے ان لوگوں پر اجمال بتانے والا بنا کر بلائیں گے

يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا

اس دن کافر اور رسول کے نافرمان لوگ آرزو

الرَّسُولَ لَوْ تَسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَ

کریں گے کہ کاش ہم زمین کے برابر ہو جائیں اور

لَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝۳۲

اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے

شہید احوال کہنے والا، شاہد شہادت، شہود مشہود اور مشاہدہ وغیرہ بے شمار لفظ اسی مادہ سے بنے ہیں۔ اس لفظ کے معنی میں موجودگی اور گواہی کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ گواہ کو شاہد اور شہید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاص امر واقعہ میں موجود ہوتا ہے۔ اور اس سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے۔

عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (ان لوگوں پر احوال بتانے والا) دوسرے پارہ کی ابتدا میں مسلمانوں کو شَهِيدًا عَلَى النَّاسِ (لوگوں پر گواہ) اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں پر شہید بیان فرمایا ہے (درس نمبر ۱۶) اور یہاں اس آیت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی تمام اقوام اور امتوں پر گواہی دینے والا بیان فرمایا ہے هَؤُلَاءِ کے مفہوم میں دنیا کے تمام سابقہ نبی رسول اور امتیں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ہر قوم کے لیے ایک احوال بتانے والا موجود ہوگا۔ وہ ان کے افعال و کردار اور ایمان و انکار کی شہادت دے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء و رسل کی صداقت کی گواہی دیں گے اور ان کی امتوں نے آپ سے جو سلوک روا رکھا اس کی شہادت بھی دیں گے۔

حساب کتاب کے دن اللہ کا انکار اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ وہ ہزار کوششوں کے باوجود کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ اس پریشانی اور پشیمانی کے عالم میں وہ چاہیں گے کاش زمین بھٹ جائے ہم اس میں دھنس جائیں اور زمین ہموار ہو جائے تاکہ اس عذاب سے ہمیں نجات مل جائے۔

نشہ اور نماز

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ
 لے ایمان والے نہ نزدیک جاؤ نماز
 وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
 اور تم نشہ یہاں تک کہ سمجھو جو کہتے ہو
 وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ
 اور نہ غسل کی ضرورت مگر چلتے ہوئے راہ یہاں تک کہ
 تَغْتَسِلُوا ط
 تم غسل کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ
 لے ایمان والے نہ نزدیک جاؤ نماز
 وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
 جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو
 وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ
 نہ غسل کی حاجت کے وقت مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ
 تَغْتَسِلُوا ط
 کہ تم غسل کرو

سورت کے شروع میں مسلمانوں کو عزیز و اقربا اور میاں بیوی کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی۔ مال ناجائز طور پر کھانے اور ناحق قتل کرنے کی ممانعت کی گئی۔ اس کے بعد رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔ غرور و تکبر، ریا کاری اور بخل سے باز رہنے کا حکم دیا گیا۔ ان تمام احکام کے آخر میں نماز کے بارے میں حکم دیا گیا ہے۔ نماز کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے سے پیشتر دو باتوں کا خیال کرو۔ ایک تو یہ کہ تم نشہ کی حالت میں نہ ہو۔ یعنی جب تک اپنے منہ سے بھلے ہوئے فقروں کو اچھی طرح سمجھ نہ سکو نماز ادا نہیں کر سکتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو جب تک کہ تم غسل کر کے بدن کو پاک صاف نہ کرو نماز ادا نہ کرو۔

ان ہر دو حکموں کا فائدہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا احکام الہی جن میں باہمی حقوق اور معاملات اور مالی و جانی عبادت کا ذکر تھا۔ ان سب کی ادائیگی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ نیز بخل، ریا اور تکبر سے بچنا بھی نفس پر شاق گذرتا ہے۔ اس لیے نماز کا حکم دیا گیا۔ نماز کی وجہ سے دوسری عبادت میں سہولت اور رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور ناجائز کاموں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے اس کی تشریح یوں بھی فرمائی ہے کہ جو احکام پہلے ذکر ہوئے ہیں ممکن ہے انہیں سن کر کابل اور سست اشخاص اپنے آپ کو مجبور خیال کر کے ہمت ہار دیں اور نماز میں بھی سستی کرنے لگیں۔ اس لیے یہ بتایا گیا کہ جو شخص نماز کو قائم رکھے گا۔ اسے دوسرے کاموں میں کوئی وقت پیش نہ آئے گی اور نہ ہی وہ نماز میں کوتاہی کرے گا۔ سُكَارَىٰ (نشہ) سُكَارَىٰ کو کہتے ہیں یعنی وہ دماغی کیفیت جب انسان کے حواس میں خلل پڑ جاتا ہے اور عقلی توازن درست نہیں رہتا۔ یہ کیفیت شراب سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ بعض اوقات جوش غضب اور نیند کے غلبے سے بھی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ایسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

جُنْبًا (غسل کی ضرورت) یعنی ایسی حالت جبکہ غسل فرض ہو ایسے مرد یا عورت کو جنبی کہتے ہیں۔

تیمم

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّؤُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٢٣﴾

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے آیا ہو یا عورتوں کے پاس گئے ہو

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّؤُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

پھر تمہیں پانی نہ ملا تو پاک مٹی کا لبادہ کرو

فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٢٣﴾

پھر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ

اور اگر تم مریض یا اوپر سفر یا آیا کوئی تم میں سے بیت الخلاء یا پاس گئے وہ عورتیں

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّؤُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

پھر نہ ملا پانی تو لبادہ کرو مٹی پاک

فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٢٣﴾

پھر اپنے منہ اور اپنے ہاتھ بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا

پہلی آیت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ جنابت کی حالت میں نماز ادا نہیں ہو سکتی جب تک کہ غسل نہ کر لو۔ اگر غسل کرنے سے معذور ہو تو اس کے بارے میں اس آیت میں فرمایا کہ تیمم کر لو۔ معذوری کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ مرض جبکہ پانی نقصان پہنچاتا ہو اور بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو۔

۲۔ سفر۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور اتنا پانی موجود نہ ہو کہ وضو کر لے یا پانی صرف اتنا ہو کہ اگر وضو کرے تو پینے کے لیے کچھ نہ بچے اور پانی کے دور دور تک ملنے کی کوئی امید نہ ہو اور پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو جائے۔

۳۔ پانی کی عدم موجودگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پانی بالکل ہی نہ ملے۔

اس آیت میں طہارت کی ضرورت کی دو صورتیں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص رفع حاجت کر کے آیا ہو اور اسے وضو کی حاجت ہو۔ دوسری یہ کہ وہ عورت سے صحبت کر کے آیا ہو۔ اور اسے غسل کی ضرورت ہو۔

تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے اور سارے منہ پر اچھی طرح مل لے۔ پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر کہنیوں تک مل لے مٹی معذوری کے وقت پانی کے قائم مقام اس لیے کی گئی ہے کہ یہ پاک ہے اور پانی سے زیادہ آسانی کے ساتھ میسر آ سکتی ہے۔

نیز خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ضرورت کے وضو کی بجائے تیمم کی اجازت دے دی اور مٹی کو پانی کا قائم مقام کر دیا اس لیے کہ وہ انسانوں کے لیے

سہولت پیدا کرنے والا اور مہمانی دینے والا ہے وہ اپنے بندوں کے نفع اور آسائش کو پسند فرماتا ہے۔ بظاہر یہ احکام انسان کو دشوار

معلوم ہوتے ہیں لیکن ان سب کے مقصد صرف ایک ہے کہ انسان نیک و پاک بن جائے۔ اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرے۔

یہودیوں کا ارادہ بد

الَّذِينَ تَزَالِي الذِّينَ اُوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب سے کچھ حصہ

الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلٰةَ وَيُبِيْدُونَ اَنْ

کتاب خریدتے ہیں گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ

تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِكُمْ وَ

تم بھی راہ سے بہک جاؤ اور اللہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے اور

كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝۳۵

اللہ کافی ہے حمایتی اور اللہ کافی ہے مددگار

الَّذِينَ تَزَالِي الذِّينَ اُوْتُوا نَصِيْبًا مِّنَ

کیا نہ دیکھا طرف لوگ سے

الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلٰةَ وَيُبِيْدُونَ اَنْ

کتاب خریدتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ

تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِكُمْ وَ

تم بہکو راہ اور اللہ جانتا ہے تمہارے دشمن اور

كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝۳۵

کافی اللہ حمایتی اور کافی اللہ مددگار

ان آیات میں یہودیوں کی بعض بُرائیوں اور مکرو فریب کا بیان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا سے لے کر يَا أَيُّهَا الذِّينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الضَّلٰةَ تک یہودیوں کی بُرائیاں اور نقائص بیان ہو چکے ہیں درمیان میں یہ بتایا گیا تھا کہ جب تم لشہ کی حالت میں ہو یا تمہیں غسل کی حاجت ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ اب یہاں سے پھر یہودیوں کا بیان شروع ہو رہا ہے۔

یہودی اہل کتاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کلام کا کچھ حصہ بخشا لیکن انہیں عمل نصیب نہ ہوا۔ حالانکہ اصل مقصود یہی تھا۔ یہ لوگ اللہ کی آیات کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اوصاف چھپاتے ہیں ان کی کتابوں میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو بشارتیں مذکور ہیں انہیں مخفی رکھتے ہیں تاکہ ان کی اپنی سرداری اور عزت ختم نہ ہو جائے وہ اسلام سے جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی دین سے پھر کر گمراہ ہو جائیں۔

یہ خدا کی ایک پیاری قوم ہے اس میں اللہ کے بیشتر نبی مبعوث ہوئے جو ہر طرح سے دعوت و تبلیغ کے ذریعے انہیں راہ حق دکھانے کے لیے کوشش کرتے رہے لیکن یہ لوگ آخرت کی فلاح حاصل کرنے کی بجائے دنیاوی فائدے حاصل کرنے میں لگے رہے کتب الہی میں رد و بدل کرتے رہے جو حکم ان کے فائدے کے موافق ہوتا اس کی اطاعت کرتے اور جس حکم سے ان کے عارضی فائدوں میں کمی آتی۔ یہ انہیں ٹھکرا دیتے۔ ان کی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت دی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے محض اس غرض سے چھپایا کہ ان کی ریاست اور امارت کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ یہ عوام میں بدنام نہ ہو جائیں غرض دین بیچ کر دنیا خریدتے رہے۔ اب اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی دین اسلام سے پھیر دیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مسلمانو! میں تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو۔ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تم ان سے پرہیز کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ تم دشمنوں کی طرف سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین اسلام پر قائم رہو۔

یہودیوں کی چالاکیاں

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مَسْمُوعٍ وَرَاعِنَا لَيَّا بِالسِّنِّهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ

بعض لوگ یہودی ہوتے ہیں بات سے اس کا ٹھکانہ اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہیں ملتے اور سنا جاو اور راعنا اور راعنا کہتے ہیں اپنی اور تو سن نہ سنا جاو اور راعنا کہتے ہیں اپنی زبان موڑ کر اور دین میں عیب لگاتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب تورات میں تبدیلیاں کرتے ہیں۔ اس کے لفظ بدل دیتے ہیں اور معنی اور مفہوم میں بھی رد و بدل کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انہیں اللہ کا حکم سناتے تو وہ جواب میں کہتے کہ ہم نے سن لیا یعنی کہ ہم نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن آہستہ سے منہ میں کہتے کہ ہم نے یہ حکم نہیں مانا۔ یعنی ہم نے آپ کا حکم فقط کان سے سنا ہے دل سے تسلیم نہیں کیا۔ زبانی اقرار محض دھوکہ دینے کے لیے کیا۔

یہودیوں کی ایک شرارت یہ بھی تھی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کرتے تو ایسے لفظ بولتے جن کے دو معنی ہوں۔ ایک معنی کے اعتبار سے تو دعایا عظیم ہو لیکن دوسرے معنی کی رو سے بددعا یا تحقیر ہو۔ چنانچہ وہ ایسے الفاظ بھی بولتے جو ظاہر دعائے خیر ہوتے مثلاً تو ہمیشہ غالب اور معزز رہے۔ تجھے کوئی شخص بُری اور خلاف بات نہ مناسکے لیکن ان جملوں کا بُرا مطلب ان کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ تو بہرا ہو جائے اور کسی کی بات نہ سن سکے۔

یہودی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو کہتے "راعنا" اس کے دو معنی ہیں۔ ایک اچھے دوسرے بُرے۔ اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہماری رعایت کرو اور ہم پر شفقت کی نظر کرو تاکہ ہم آپ کا مطلب سمجھ لیں اور جو آپ سے پوچھنا ہو آپ سے پوچھ سکیں اور بُرے معنی یوں نکلتے کہ وہ زبان کو دبا کر "راعینا" کہتے جس کے معنی ہیں "تو ہمارا چروانا ہے"۔

یہودی لوگ ان کلمات کو اپنی گفتگو میں دلا بلا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے ان کے اچھے ہی معنی لیتے۔ بُرے معنوں کی طرف کسی کا دھیان نہ جاتا۔ لیکن یہودی دل میں بُرے معنی لیتے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نعوذ باللہ یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا کرو فریب ضرور معلوم کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ اب ہمیں چاہئے کہ ان کی دوستی کا دم نہ بھریں۔ انہیں رازدان نہ بنائیں اور ان کا کٹنا نہ مانیں۔

بہتر طریقہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَبَعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعُ

اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن

وَأَنْظَرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ

اور ہم پر نظر کر تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور درست

وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا

لیکن ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب لعنت کی سو وہ

يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۶﴾

ایمان نہیں لاتے مگر کم

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَبَعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعُ

اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن

وَأَنْظَرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ

اور ہم پر نظر کر تو ہوتا بہتر ان کے لیے اور درست

وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا

لیکن ان پر لعنت اللہ ان کا کفر سونہیں

يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۶﴾

ایمان لاتے مگر کم

گذشتہ آیات میں یہودیوں کی چند خرابیوں کی نشان دہی کی گئی تھی۔ مثلاً انہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی مول لی۔ اللہ کے کلام میں لفظی اور معنوی تبدیلیاں کیں۔ زبان سے ذومعنی فقرے نکالے جن سے بظاہر اچھے معنی نکلتے تھے مگر ان کا مقصد بُرے معنی ہوتے تھے جن سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نکلتی۔

اس آیت میں انہیں ہدایت کی جا رہی ہے کہ ان کا یہ رویہ حد درجہ غیر مناسب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا ذومعنی اور بُرے لفظوں کی جگہ واضح مناسب اور درست لفظ استعمال کرتے۔ مثلاً

۱۔ عَصَيْنَا كِي جِئْ اَطْعِنَا (ہم نے فرمانبرداری کی)

۲۔ اَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ كِي جِئْ اَسْمَعُ (تو سن، اور

۳۔ مَا اَعِنَا كِي جِئْ اَنْظُرْنَا (ہماری طرف توجہ کیجئے)

خدا نے انہیں ان کے کفر کے باعث اپنی رحمت اور ہدایت سے دُور کر دیا وہ مفید اور سیدھی باتیں نہیں سمجھتے اور ان میں سوائے چند آدمیوں کے باقی ایمان نہیں لاتے ان ایماندار یہودیوں میں حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ شامل ہیں جو یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں سے بچتے رہے اور اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے۔

اس آیت سے تین باتیں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانستہ انکار کرتے تھے اس کے باوجود کہ ان کے بڑے میں بشارتیں اور پیش گوئیاں جانتے تھے وہ حضور کو ایسے کلمات سے خطاب کرتے جن کے بظاہر اچھے معنی ہوتے لیکن خود دل میں ان کے بُرے معنی لیتے۔ گویا وہ منافقت کی چال چلتے تھے۔ نیز وہ توحید و رسالت کو نہیں مانتے تھے۔ کتب و سماوی میں رد و بدل کرتے تھے انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا۔ اس کفر کے باعث ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت پڑی اور وہ اس کی رحمت سے دُور کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی ذلت و رسوائی میں غرق کر دیے گئے۔ ہدایت و سعادت کی راہ ان پر بند ہو گئی۔ کامیابی کے دروازے ان پر بند کر دیے گئے۔

یہود کو دعوتِ ایمان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكُتُبَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا

اے اہل کتاب اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلٍ أَنْ تَطْمَئِنَّ

اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ تم بہت

وَجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ تَلْعَنَهُمْ

سے چہروں کو مٹا ڈالیں پھر ان کی پیٹھ کی طرف الٹ دیں یا ان پر لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرٌ

جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی - اور اللہ کا حکم

اللَّهِ مَفْعُولًا ۗ

ہو کر ہی رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكُتُبَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا

اے لوگ یہ گئے کتابِ ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلٍ أَنْ تَطْمَئِنَّ

اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے پہلے کہ تم مطمان

وَجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ تَلْعَنَهُمْ

چہرے پھر انہیں الٹ دیں طرف ان کی پیٹھ یا ہم لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرٌ

جیسے ہم نے لعنت کی دن والے ہفتے کے دن اور ہوتا ہے حکم

اللَّهِ مَفْعُولًا ۗ

اللہ ہو کر

اللہ ہو کر

اب اہل کتاب کو دعوت دی جا رہی ہے۔ قرآن مجید کی تصدیق کرو۔ یہ کتاب تمہاری گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کے بنیادی اصول اس کے ساتھ متحد ہیں تمہیں چاہئے کہ اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی اس سزا سے بچ جاؤ جو گذشتہ امتوں کو حق کے انکار کی وجہ سے ملی۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے فرمایا کہ قرآن مجید پر ایمان لاؤ اس سے پیشتر کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔ تمہاری صورتیں بدل دیں اور تمہارے چہروں کو پھیر دیں یا تمہاری شکلیں مسخ کر کے جانوروں جیسی بنا دیں جس طرح سبت والوں کی صورتیں بگاڑ کر انہیں بندر بنا دیا گیا تھا۔

أَصْحَابَ السَّبْتِ (ہفتے کے دن والے) اصحاب السبت کا قصہ سورۃ اعراف میں مذکور ہے جو مختصر طور پر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اجازت ہے کہ وہ ہفتے کے دن کے علاوہ باقی تمام ایام میں مچھلی کا شکار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی آزمائش منظور تھی چنانچہ اللہ کی مشیت ایسی ہوئی کہ مچھلی اور دن تو دریا میں بہت کم آتی لیکن ہفتے کے روز زیادہ آتی۔ یہودیہ دیکھ کر دل میں گڑھتے کہ مچھلی تو کثیر مقدار میں ہے لیکن پکڑنے کی اجازت نہیں وہ صبر نہ کر سکے اور انہوں نے چال بازی سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے دریا کے کنارے گڑھے کھود دیے اور ان گڑھوں کو دریا سے ملا دیا۔ ہفتے کے دن مچھلی دریا سے ان گڑھوں میں پانی کے ساتھ آجاتی اور یہاں جمع ہو جاتی۔ اگلے دن وہ وہاں سے مچھلی پکڑ لیتے ان کی اس شرارت اور چال بازی کے سبب ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا۔

مذکورہ بالا آیت میں بھی یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی اس لعنت سے ڈرایا گیا ہے اور انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔ نافرمانی نہ کرو تاکہ عذاب کے مستحق نہ بنو۔

مُشْرِكِ كَيْبِخَشَشْهِنِي

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ
 بیشک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو اس کا شریک کرے
 وَيَخْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
 اس شرک کے سوا جس کے چاہے گناہ بخشتا ہے
 وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَى
 اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا
 إِثْمًا عَظِيمًا ﴿۳۸﴾
 بہتان باندھا

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ
 بیشک اللہ نہیں بخشتا کہ جو شریک کرے اس سے
 وَيَخْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
 اور بخشتا ہے جو سوا اس سے جسے چاہے
 وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَى
 اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے باندھا
 إِثْمًا عَظِيمًا ﴿۳۸﴾
 بہتان بڑا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عموماً اور بنی اسرائیل کو خصوصاً سب سے بڑے گناہ شرک سے آگاہ کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ عظیم ترین گناہ جو کبھی کسی صورت میں بخشتا نہیں جائے گا وہ شرک ہے اس کے بغیر جتنے بھی چھوٹے گناہ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ تھوڑی یا زیادہ سزا دے گا۔ لیکن شرک کبھی معاف نہیں کرے گا۔

شرک :- اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے کو شرک کہتے ہیں ہے۔ یعنی اس کی ذات۔ اس کی صفات یا اس کے احکام ہیں کسی اور کو برابر یا شریک قرار دینا۔ یہ توحید کے برعکس اور منافی بات ہے۔ اگر انسان غور و فکر سے کام لے تو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ شرک واقعی ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے نہ صرف انسانی زندگی کی خوبیاں لبا مہیٹ ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اس کی فطرت اور زندگی نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ کائنات اور موجودات کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات پائیے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان تمام کا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے۔ انسان خود اپنی جسمانی اور ذہنی قوتوں پر اگر غور کرے تو وہ محسوس کرے گا کہ یہ تمام قوتیں بخشنے والی اور ان کا نظام چلانے والی کوئی نہ کوئی عظیم ہستی ضرور ہے۔ دنیا میں انسان کو جو بے شمار مصائب اور تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں وہ انسان کو یہ بات یاد دلاتی ہیں کہ ان مشکلات کو بھینچنے والی کوئی ہستی ضرور ہے اور وہی انہیں حل کر سکتی ہے۔ وہ ہستی ذوالجلال کی ہے۔ اس پر صدق دل سے ایمان لانا ہی انسان کی زندگی کی برقراری اور دل کے سکون کا ذریعہ ہے جو شخص بھی توحید الہی سے منکر ہوتا ہے اس کے دل کا سکون اور قرار اس سے چھوٹ جاتا ہے اور وہ بے اعتقادی اور بے یقینی کے ایک ایسے مہنور میں پھنس کر رہ جاتا ہے جہاں سے وہ کوئی راہ نجات نہیں پاسکتا۔

شرک و بت پرستی انسان کے عقیدے اور عمل کو تباہ کر دیتی ہے اس لیے اسے اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ یہودی جو اللہ کے ساتھ بہت سی چیزوں کو شریک ٹھہراتے تھے انہیں بتایا گیا کہ اس صورت میں تم اللہ تعالیٰ کے دربار سے معذرت کی امید نہ رکھو۔

جھوٹ اور بہتان

أَلَوْ تَرَى إِلَى الَّذِينَ يَزُكُّونَ أَنْفُسَهُمْ
 کیا نہ دیکھا طرف لوگ پاکیزہ رکھتے ہیں اپنے آپ کو
 بَلِ اللَّهُ يَنْزِكُ مِنَ يَشَاءُ وَلَا يَظْلَمُونَ
 بلکہ اللہ پاکیزہ لکھتا ہے جسے چاہے اور نہ ظلم ہوگا
 فَتَبَيَّنَ ۝ أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
 تاگے کے برابر دیکھ کیسا بانڈھتے ہیں اوپر اللہ
 الْكُذِبَ وَكَفَى بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝
 جھوٹ اور کافی بھی گناہ صریح

أَلَوْ تَرَى إِلَى الَّذِينَ يَزُكُّونَ أَنْفُسَهُمْ
 کہا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ رکھتے ہیں
 بَلِ اللَّهُ يَنْزِكُ مِنَ يَشَاءُ وَلَا يَظْلَمُونَ
 بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے اور ان پر تاگے برابر
 فَتَبَيَّنَ ۝ أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
 ظلم نہ ہوگا دیکھ اللہ پر کیسا جھوٹ بانڈھتے ہیں
 الْكُذِبَ وَكَفَى بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝
 اور یہی صریح گناہ کافی ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تو کیا ان یہودیوں کو نہیں دیکھتا جو شرک جیسی خرابیوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ کتب الہی میں رد و بدل کرتے ہیں گذشتہ انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ آخری نبیؐ کی بشارتوں اور خوش خبریوں کو جھٹلاتے رہے ہیں اور ان سب بڑائیوں کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ پاک و صاف ہیں یہ بالکل لغو بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ اور مقدس کرتا ہے کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا ان جھوٹی شیخی کرنے والوں اور غلط دعویٰ بانڈھنے والوں پر کسی قسم کا رتی بھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ بلکہ یہ خود اپنی ہی کرتوتوں اور گناہوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو یہودی بچپڑے کو پوجتے تھے اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت سنی کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰهُ اَنْ يُّشْرَكَ ۚ تُوَكِّنَ لَكُمْ کہ ہم مشرک نہیں ہیں بلکہ ہم تو خاص اللہ کے بندے اور پیغمبر زادے ہیں۔ پیغمبری ہماری میراث ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ یہ اللہ پر کیسی کیسی جھوٹی تمتمیں لگاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ خود کفر میں مبتلا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے شرک کرتے ہیں پھر خود اپنے آپ کو اللہ کا دوست کہتے ہیں اور اس کے نزدیک مقبول ہونے کے دعویٰ دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے۔ ان میں بڑے بڑے جلیل القدر نبی ہوتے رہے حتیٰ کہ کافی عرصہ تک رسالت ان کے خاندان میں محدود رہی۔ اس لحاظ سے یہ پہلے واقعی اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے۔ لیکن جب انہوں نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے منہ موڑا۔ حرص و ہوا کے پیچھے لگ کر آخرت کو بھلا بیٹھے تو اللہ کے ہاں ان کی مقبولیت بھی ختم ہو گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شرک میں مبتلا ہو کر اللہ پر جو بہتان لگاتے ہیں انہیں اس کی ضرور سزا ملے گی۔

طاغوت اور بتوں کے فرمانبردار

الَّذِينَ تَرَى إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ
 الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ
 وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى
 مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنَ اللَّهُ
 فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝٥٢

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ
 کتاب ملتا ہے بتوں اور طاغوت کو مانتے ہیں
 اور کہتے ہیں لوگ کافر یہ لوگ زیادہ راہ راست
 سے لوگ مسلمان راہ وہی
 ان پر لعنت اللہ اور جو لعنت کرے اللہ
 اس کا تو کوئی مددگار نہ پائے گا۔

الَّذِينَ تَرَى إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ
 الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ
 وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى
 مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنَ اللَّهُ
 فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝٥٢

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا لوگ کافر یہ لوگ زیادہ راہ راست
 کتاب ملتا ہے بتوں اور طاغوت کو مانتے ہیں
 اور کہتے ہیں لوگ کافر یہ لوگ زیادہ راہ راست
 سے لوگ مسلمان راہ وہی
 ان پر لعنت اللہ اور جو لعنت کرے اللہ
 اس کا تو کوئی مددگار نہ پائے گا۔

طاغوت (سرکش - حد سے بڑھنے والا) طغی - طغیان، طاغی - طغیانی اور طاغوت سب لفظ ایک ہی مادہ سے نکلے ہیں جس کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اور سرکشی کرنا ہیں۔ دریا کے بڑھنے کو طغیانی سے غالباً اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ پانی اپنی حد رکنوں سے بڑھ جاتا ہے۔ مفسرین نے بعض جگہ طاغوت سے شیطان اس لیے مراد لیا ہے کہ اس نے اپنی حدود سے تجاوز کیا۔ یہودی اہل کتاب تھے۔ حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم السلام کی معرفت ان تک اللہ کے حکم پہنچ چکے تھے۔ تورات ان کے پاس تھی جس میں آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود تھی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ نبوت ہمارے خاندان سے نکل کر بنی اسمعیل میں چلی جائے گی۔ اور مکہ کے ان پڑھ لوگوں میں ایک نبی پیدا ہوا ہے تو ان کے اندر ایک حسد کی آگ بھڑک اٹھی وہ دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کو ہر طرح سے زک پہنچانے کی کوشش کی اور آخر مشرکین مکہ سے مل کر مخالفت کو تیز کر دیا۔ اہل کتاب ہونے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو جاننے بوجھنے کے باوجود محض مشرکین کی خوشنودی کے لیے یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں پر جنہوں نے صرف نفسیاتی اغراض کی وجہ سے بتوں کی تعظیم کی اور طریقہ کفر کو طریقہ اسلام سے افضل و بہتر کہا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی حامی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔

یہودیوں کی محرومی

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا
 کیا سلطنت میں ان کا کچھ حصہ ہے (اگر ایسا ہو) تو یہ
 يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ
 لوگوں کو ایک تیل برابر بھی نہ دیں گے یا ان لوگوں سے
 النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
 اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے
 فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ
 سوہم نے تو ابراہیم کے خاندان میں کتاب اور
 الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾
 دانائی دی ہے اور انہیں ہم نے بڑی سلطنت دی ہے۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ - فَإِذَا لَا
 کیا ان کا حصہ سے سلطنت پھر نہ
 يُؤْتُونَ النَّاسَ - نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ
 دیں گے لوگ تیل برابر یا حسد کرتے ہیں
 النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
 لوگ اوپر جو انہیں دیا اللہ سے اس کا فضل
 فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ
 سوہم نے ہی خاندان ابراہیم کتاب اور
 الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾
 علم اور انہیں دی سلطنت بڑی

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہودی یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے۔ اور یہ ہر زمانہ میں ہمیں ہی ملنی چاہئے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو عار سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ آخر کار حکومت اور بادشاہت ہمیں ہی مل کر رہے گی۔ یہودیوں کے اس کہنے پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا حکومت و سلطنت میں یہودیوں کا بچہ حصہ ہے۔ مطلب یہ کہ ہرگز ان کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ تو ایسے سخیل ہیں کہ اگر حاکم و بادشاہ ہو جائیں تو لوگوں کو تیل برابر بھی خیرات نہ دیں۔ یعنی بادشاہت ان کے قبضے میں ہوتے ہوئے یہ کسی فقیر کو ذرہ بھر بھی نہیں دیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ آیا یہودی اس بات سے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر فضل و انعام کیا ہے۔ اس پر حسد کرنا ان کی بالکل یہودگی ہے۔ کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیم کے گھرانے میں کتاب، علم اور عظیم سلطنت عطا کی ہے۔ اور اب بھی یہ آپ کو یعنی ابراہیم کے گھرانے کو ہی حاصل ہے۔ پھر یہودیوں کے لیے اس پر حسد اور انکار کرنا روا نہیں۔

جب یہودیوں پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا برحق کلام ہے تو پھر حسد و بغض رکھنے کی بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لے آتے۔ اسلام قبول کر لیتے۔ اور مسلمانوں کے بھائی بن جاتے۔ لیکن دنیاوی عزت و جاہ مال و دولت اور طمع و لالچ میں وہ اس قدر بہک گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی کوئی پروا نہ کی۔ بغض و حسد کی آگ میں جلتے رہے۔ کفر و انکار پر ڈٹے رہے۔ اور دشمنان اسلام کی دوستی کا دم بھرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی بجائے بخل و کنجوسی کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کو بھلا نبوت و سلطنت کیوں کر دی جاسکتی ہے۔

دوزخ کا عذاب

فَمِنْكُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْكُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ط
پھر ان میں سے کوئی مانا اس سے اور کوئی ان میں جو ہٹا رہا
وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝۵۵ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
اور کافی جہنم بھڑکتی آگ بیشک لوگ منکر ہوئے
بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا أَكْلًا نَضِجَتْ
ہماری آیتوں سے جلد ہی ہم ڈالیں گے آگ جس وقت جل جائے گی
جُلُودُهُمْ بِهَا لَنُحْمَ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا
ان کی کھال ہم بیل دیں گے کھال اور تاکہ چکیں
العَذَابَ ۝ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۵۶
عذاب چکھتے رہیں۔ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

فَمِنْكُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْكُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ط
پھر ان میں سے کوئی مانا اس سے اور کوئی اس سے ہٹا رہا
وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝۵۵ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
اور دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔ بیشک جو ہماری آیتوں سے منکر ہوئے
بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا أَكْلًا نَضِجَتْ
انھیں ہم آگ میں ڈالیں گے جس وقت ان کی
جُلُودُهُمْ بِهَا لَنُحْمَ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا
کھال جل جائے گی۔ تو ہم انھیں اور کھال بدل دیں گے۔ تاکہ
العَذَابَ ۝ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۵۶
عذاب چکھتے رہیں۔ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اس آیت میں کفار اور منکرین کی سزا بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو ہمیشہ سے بزرگی دی ہے اور اب بھی اسی کے گھرانے میں ہے۔ جو کوئی بلا وجہ محض حسد سے اُسے نہ مانے اُسے جلانے کے لیے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے اس آگ سے فرار اور بچاؤ ناممکن ہے۔

پہلی آیت میں مومن اور کافر کا ذکر تھا۔ اس آیت میں مومن اور کافر کی سزا بیان کی گئی ہے۔ تاکہ لوگ ایمان کی طرف رجوع کریں اور کفر سے بچتے رہیں۔ اپنے نتائج معلوم کر کے انھیں اپنا راستہ متعین کرنے کی طرف توجہ ہو

یہودیوں کا ذکر مسلسل چل رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور وہ ایمان والوں کی فہرست میں داخل ہو گئے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو راہِ حق سے ہٹے رہے۔ انھوں نے کسی قیمت پر ایمان قبول نہ کیا۔ ایسے لوگوں کے لیے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ اودان کے لیے یہی کافی ہے۔

آیات الہی کے منکروں کو کیسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں سنئے۔ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ان کے جسم کی جلد جلا کر بھس کر دے گی۔ مگر اس پر بات ختم نہ ہوگی۔ انہیں دوبارہ جلد ملے گی۔ پھر یہی عذاب ہوگا۔ تاکہ انھیں بار بار از سر نو عذاب چکھنا پڑے اور تکلیف میں تخفیف نہ ہو۔ الامان۔ الحفیظ۔

اللہ تعالیٰ بیشک زبردست اور غالب ہے۔ اُسے کافروں کو ایسی شدید سزا دینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ وہ حکمت والا ہے۔ کافروں کو ایسی سزا دینا عین حکمت کے موافق ہے۔

جنت کی نعمتیں

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سُدَّ خَلْمُهُمْ
اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے البتہ ہم انہیں باغوں
جَدَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ
فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ
رہا کریں گے۔ ان کے لیے وہاں ستھری عورتیں ہیں
وَسُدَّ خَلْمُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۵۸

اور انہیں ہم گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سُدَّ خَلْمُهُمْ
اور لوگ ایمان لائے اور کام کیے نیک ہم داخل کریں گے
جَدَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
جنت بہتی ہے اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں گے
فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ
اس میں ہمیشہ ان کے لیے اس میں ستھری
وَسُدَّ خَلْمُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۵۸
اور انہیں داخل کریں گے چھاؤں گھنی

منکرین حق کو سزا اور عذاب کے ذکر کے بعد اب صاحب ایمان لوگوں کی جزا اور اجر کی بشارت کا ذکر ہے۔ یہ بات خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ایمان کے ساتھ لازمی شرط عمل صالح کی ہے اس آیت میں بھی اور دوسرے مقامات پر بھی ہر جگہ آمناؤ کے بعد عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے ساتھ مذکور ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کا ایمان درست ہوگا۔ اس کے اعمال بھی درست ہوں گے یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کو کسی بات کا پورا پورا یقین تو ہو مگر وہ اُسے عمل میں نہ لائے۔

جَنَّةٌ رَجَّةٌ اس کا واحد ہے، جنت کے معنی ہیں گھنے درختوں سے چھپی ہوئی جگہ۔ یعنی ایسا باغ جس میں درخت بہت ہوں یہ وہ ابدی نعمت ہے جو نیکو کاروں کا ٹھکانا ہوگی۔ اس کی نعمتیں سدا بہار ہوں گی اور یہاں کی زندگی ہمیشہ ہمیشہ ہوگی۔ اُسے نہ کبھی زوال ہوگا نہ خاتمہ۔ اَبَدًا اَبَدًا کے لفظ صرف جنت اور اس کی نعمتوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

اَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ستھری عورتیں پاکیزہ جوڑے اَمَطَهَّرَةٌ کا لفظ طہر سے ہے۔ طَهَّرَاتٌ۔ طَهَّرَاتٌ کے لفظ بھی اس سے ہیں۔ اس کے معنی ہیں پاک اور صاف ستھرا۔ اَزْوَاجٌ کا واحد نَزْجٌ ہے۔ اس کے معنی جوڑے کے ہوتے ہیں مثلاً زَوْجُ النَّعْلِ جوڑے کا جوڑا۔ مرد کا جوڑا عورت ہے۔ اس لیے اس کے معنی بیوی کے بھی ہوتے ہیں۔ جنت ایک بڑی نعمت ہے وہاں کا پاکیزہ ماحول۔ صاف ستھری زندگی اور نیک سا ماحول ہوں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ جنت کے سائے گھنے ہوں گے اَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ یعنی وہاں سورج کی تیش جھلستی ہوئی دھوپ اور گرمی کی مصیبت نہ ہوگی۔ بلکہ ایماندار نیکو کار مزے چین اور آرام کی زندگی پائیں گے۔ وہ اللہ سے خوش ہوں گے۔ اور اللہ ان سے خوش ہوگا۔

امانتیں اور عدل و انصاف

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ
بیشک اللہ تمہیں فرماتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں
أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ
پہنچا دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو
تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
انصاف سے فیصلہ کرو اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے
بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ
بیشک اللہ تمہیں فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں طرف
أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ
امانت والے اور جب فیصلہ کرنے لگو میں لوگ تو
تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
فیصلہ کرو انصاف سے بیشک اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے
بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾

اس سے بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا

الْأَمَانَاتِ (امانتیں) واحد امانت ہے۔ یعنی وہ چیز جو کسی کے پاس چند روز کے لیے رکھ دی جائے اور طلب کرنے پر اس کی واپسی ضرور ہو۔ امین وہ پاکباز جو کسی امانت میں خیانت نہ کرے، طلب کرنے پر پس پیش اور کمی بیشی کے بغیر امانت واپس کر دے
تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (امانتیں امانت والوں کے سپرد کرو) تُوَدُّوا (تم ادا کرو) اُودُوا (لفظ "ادا" اس سے ہے
أَهْلِهَا (اس کے مالک یعنی امانت والے) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس امانت کے مالک ہوں۔ نیز وہ لوگ جو امانت کے صحیح مستحسن اور اہل ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ امانتیں نا اہلوں کے سپرد نہ کرو۔ اس دور میں دو ٹ ایک بہت بڑی قومی امانت ہے۔ دو ٹ کسی نا اہل اور دشمن دین و ایمان کو دینا، ملی خیانت سے کم نہیں۔

یہودیوں کی عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے۔ جھگڑوں کا فیصلہ کرتے وقت رشوت وغیرہ لے کر رعایت و جا بنداری کر دیتے اور فیصلہ انصاف کے خلاف کر دیتے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان دونوں بُرائیوں سے روکا ہے اس سلسلے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا۔ خانہ کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ کے پاس تھی اور اس نے دروازہ کھولنے اور کنجی دینے سے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کنجی چھین کر دروازہ کھول دیا۔ آپ فارغ ہو کر جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباسؓ نے آپ سے درخواست کی کہ کنجی مجھے عنایت کی جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کنجی عثمان بن طلحہ ہی کے حوالے کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ امانت کی ادائیگی اور عدل و انصاف کا جو حکم دیتا ہے۔ یہ سراسر ہمارے فائدے کے لیے ہی ہے۔ خدا ہماری کھلی اور چھپی موجودہ اور آئندہ کی باتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے اگر کسی وقت امانت کی ادائیگی مفید معلوم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں اس خیال کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔

دوسرا حکم عدل و انصاف کا ہے۔ معاملات و مقدمات میں حق و صداقت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور عدل و انصاف کا خون نہ کرنا بہت بڑا کام ہے۔ عدل و انصاف اسلام کی روح ہے۔ اس سے قیام امن اور بقائے عالم وابستہ ہے۔

واجب الاطاعت کون؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا
الَّذِينَ فِيكُمْ مِنْكُمْ
وَأَطِيعُوا
الْوَالِدِينَ
الَّذِينَ فِيكُمْ مِنْكُمْ
وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ
وَأَطِيعُوا
الْوَالِدِينَ
الَّذِينَ فِيكُمْ مِنْكُمْ

یہ آیت اسلام کے سیاسی اور ملکی نظام کی روح اور اصل الاصول کی کنجی ہے۔ اس آیت میں ایک بہت ہی اہم مسئلہ بتایا گیا ہے۔ یعنی انسان اپنی زندگی کے معاملات میں کس کا کما مانے۔ کس کی فرمانبرداری اور اطاعت کرے؟ اس قدر اہم اور اصولی بات کو ایک جملے میں بیان کر دینا کلام اللہ کا معجزہ ہے۔ اگر ہم اس فقرے کی ترتیب پر نظر رکھیں تو بے شمار غلط فہمیاں اور خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور وہ بندھنیں جو انسانوں نے اپنے اوپر ٹھونس لی ہیں، ٹوٹ جاتی ہیں۔

حکم ہوتا ہے۔ اے ایمان والو!

۱۔ اللہ کی اطاعت کرو (أَطِيعُوا اللَّهَ)

۲۔ رسول کی اطاعت کرو (أَطِيعُوا الرَّسُولَ)

۳۔ حاکم کی اطاعت کرو، جو تم میں سے ہو۔ (أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ)

اللہ کی اطاعت اس کے بھیجے ہوئے قانون کے ذریعے سے ہوگی۔ اس نے ہر زمانہ میں اپنی مرضی سے بندوں کو آگاہ کیا جس نے اس کے حکموں کو مانا وہ کامیاب رہا اور نجات پا گیا۔

رسول اللہ کی اطاعت ان کے کردار، گفتار اور رفتار کی پیروی کی صورت میں ہوگی۔ ہر بستی اور ہر قریہ میں اللہ کی طرف سے رسول آئے۔ ان کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین بن کر آئے۔ جو رسول اللہ کے اُسوة حسنة پر چلے گا۔ کامیاب و کارکن ہوگا۔ اور اللہ کا محبوب بنے گا۔

أُولِي الْأَمْرِ (حاکم) کی اطاعت اس کے نافذ کردہ قوانین اور ہدایت کے ذریعے کی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ حاکم مسلمانوں میں سے ہو۔ مٹنے کی شرط نے ہر فاسق و فاجر اور اللہ، رسول کے باغی کی اطاعت سے مسلمانوں کو آزاد کر دیا ہے۔ نہ کسی ایسے حاکم کی اطاعت کی جائے جو اللہ اور رسول کو نہ مانتا ہو اور نہ ایسے معاملہ میں اطاعت کی جائے گی جو اللہ۔ رسول کی مرضی کے خلاف ہو۔ نہ ایسا قانون مانا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے قوانین کے خلاف ہو۔

ہمارے علماء نے بڑے بڑے جابر اور زبردست بادشاہوں کی مخالفت کھلم کھلا کی اور ان کے غیر اسلامی قوانین کے سامنے

سر نہ جھکایا۔ اس کے نتیجہ میں خواہ کتنی ہی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

اختلاف کی صورت میں فیصلہ

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
رسول اگر تم ہو ایمان رکھتے ہو اور دن
الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾
قیامت یہ اچھی اور بہتر انجام

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
پھر اگر کسی چیز میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور
الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾
رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت
کے دن پر یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے

تَنَازَعْتُمْ رتم جھگڑو، نزاع۔ تنازعہ وغیرہ اس مادہ سے بنے ہیں۔ اس کے معنی جھگڑنا اور اختلاف کرنا ہے۔
رُدُّوهُ ر ا سے رجوع کرو، ارتداد۔ مرتد وغیرہ اس مادہ کے بہت سے لفظ آردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مقصد یہ
ہے۔ جس بات میں اختلاف ہو۔ اُسے اللہ کے قانون اور رسول کی سنت کی طرف لوٹاؤ۔ یعنی اس کا فیصلہ اللہ اور رسول کے منشا
کی روشنی میں کرو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر تم میں اور تمہارے حکام میں کسی بات پر باہم اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا حکم اسلام کے منشا کے
موافق ہے۔ یا مخالف۔ تو اس معاملے کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کر کے طے کر لیا کرو
کہ وہ حکم فی الواقع اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہے یا مخالف۔ پھر جو بات طے ہو جائے۔ اسی کو متفق طور پر صحیح اور درست
سمجھنا چاہئے اور اگر تمہارا اللہ اور قیامت پر ایمان ہوگا۔ تو وہ اختلاف کی صورت میں ضرور اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع
کرنے کا تقاضا کرے گا۔ اور ان کی مخالفت سے ڈرنے پر آمادہ کرے گا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے بھاگے گا۔ وہ مسلمان نہیں۔ اس لیے اگر وہ مسلمان آپس میں جھگڑیں
اُن میں سے ایک نے کہا۔ چلو شریعت کی طرف رجوع کریں۔ دوسرے نے کہا۔ میں شریعت کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یا مجھے شرع سے کوئی
سروکار نہیں تو وہ مومن ہی نہیں ورنہ وہ ایسی بات کیوں کہتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے اختلافات اور جھگڑوں کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو گے اور ان کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہارے حق
میں بہتر ہوگا۔ آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے کی نسبت خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا انجام بہتر ہے۔
آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں سے فیصلہ حاصل کرنے کی بجائے غیر اسلامی قوانین کی
طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر عارضی اور قریبی نتائج پر ہوتی ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس طرح ان کی
حاقبت بگڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم مانیں تو ان کا انجام نسبتاً بہتر ہوگا۔

آنحضرت صلعم کا فیصلہ

الَّذِينَ آمَنُوا
 کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں
 بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ
 اس پر جو تیری طرف اُترا اور تجھ سے پہلے اُترا
 يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الطَّاغُوتِ
 چاہتے ہیں کہ تفسیر شیطان کی طرف سے جائیں
 وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ
 اور انہیں حکم ہو چکا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان
 الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾
 چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر راستے سے دور جا ڈالے

الَّذِينَ آمَنُوا
 کیا نہ دیکھا طرف لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے
 بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ
 اس پر جو اُترا تیری طرف اور جو اُترا سے تجھ سے پہلے
 يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الطَّاغُوتِ
 چاہتے ہیں کہ تفسیر لے جائیں طرف شیطان
 وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ
 اور ہے حکم کہ نہ مانیں اُسے اور چاہتا ہے
 الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾
 شیطان کہ انہیں بہکا دے راستے سے دور

یہودی عام طور پر مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت رشوت وغیرہ لے کر بے جا رعایت اور جانب داری کرتے۔ مدینہ کے اکثر منافق اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں کے پاس ہی لے جاتے کہ وہ ان کی رعایت کر دیں گے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نہ آتے کہ آپ حق کے مطابق فیصلہ کریں گے اور کسی کی رعایت نہ کریں گے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی اور ایک منافق کا کسی معاملے میں باہم جھگڑا ہو گیا۔ یہودی سچا تھا۔ اس نے کہا کہ چلو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں۔ منافق بھیڑا تھا اس نے اس بات پر زور دیا کہ یہ معاملہ یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف کے پاس لے جانا چاہئے۔ آخر وہ دونوں آپ کی خدمت میں جھگڑا لے آئے۔ آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ منافق وہاں سے باہر نکل کر یہودی سے کہنے لگا کہ مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں حضرت عمرؓ کے پاس چلو وہ جو فیصلہ کر دیں گے مجھے منظور ہے۔

یہودی اور منافق دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ اپنا معاملہ کہ سنایا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہودی کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ جھگڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے اور آپ اس معاملے میں یہودی کو جتا چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ کر اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو نبی اکرمؐ کا فیصلہ نہ مانے اس کا فیصلہ اس طرح ہونا چاہئے منافق کے وارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس وہ اس لیے گئے تھے کہ شاید وہ اس معاملہ میں باہم صلح کرا دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اصل حقیقت ظاہر فرمادی گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر فاروق کا لقب عطا ہوا۔

آنحضرت ﷺ کے فیصلے کے بعد

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ
اور جب کہا جاتا ہے ان کے طرف اس کے جو آثار اللہ نے
وَالرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ
اور طرف رسول کے دیکھے تو منافقوں کو دیکھے کہ تجھ سے جتنے
عَنْكَ صُدُّوْا ۖ ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ
تجھ سے رُک کر پھر کیا ہو جب پہنچے ان کو
مُصِيبَةٌ لِّمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ تَجْرَأُ وَاك
مصیبت جو جو اس کے جو آگے بھیجا ہاتھوں ان کے پھر وہ نہیں تیر پاس
يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا أَحْسَنًا
تم کھاتے ہوئے اللہ کی نہیں ارادہ کیا ہونے مگر بھلائی
وَتَوْفِيقًا ۖ ﴿٦٢﴾

اور ملاپ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ
اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو آثار اللہ نے
وَالرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ
اور رسول کی طرف آؤ، تو منافقوں کو تو دیکھے کہ تجھ سے جتنے
عَنْكَ صُدُّوْا ۖ ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ
ہیں رُک کر پھر کیا ہو جب انہیں مصیبت
مُصِيبَةٌ لِّمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ تَجْرَأُ وَاك
آپہنچے اپنے ہاتھوں کے کیے ہوئے سے پھر تیرے پاس نہیں
يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا أَحْسَنًا
اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو بھلائی اور ملاپ کے سوا
وَتَوْفِيقًا ۖ ﴿٦٢﴾

کچھ نہیں چاہتے

پہلی آیت میں ذکر تھا کہ کچھ لوگ ایمان کے دعویدار ہیں لیکن اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر
فسادی لوگوں کے پاس جانا پسند کرتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ ان سے کوئی واسطہ نہ رکھتے۔ ظاہر ہے کہ شیطان ان کے پیچھے بڑھ گیا ہے
اور ان کو بڑی سخت گمراہی میں پھنسانا چاہتا ہے۔

اسی مطلب کو اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں کھول کر بیان کیا گیا ہے یعنی بعض لوگ منہ سے تو مومن بنتے ہیں مگر رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے فیصلہ پر اطمینان نہیں رکھتے۔ ان لوگوں میں اتنی ہمت تو نہیں کہ صاف کہہ دیں ہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس نہیں جاتے اس لیے بہانہ بازیاں اور ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر کہنے سننے سے آپ کے پاس آ بھی جائیں تو فیصلہ سے راضی
نہیں ہوتے کیونکہ آپ انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور آپ کا فیصلہ غلط کاروں کے حق میں نہیں ہوتا آپ کے فیصلے کے بعد بھی دوسروں کے پاس
از سر نو مقدمہ لے کر جاتے ہیں اور جب اس گستاخی کی انہیں سزا ملتی ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رونے بونے آتے ہیں اور قسمیں
کھلتے ہیں کہ ہم تو آپ کا فیصلہ بدلوانے نہیں گئے تھے بلکہ اس خیال سے گئے تھے کہ کوئی صورت صلح صفائی کی نکل آئے اور ہم نقصان سے بچ جائیں۔
جو لوگ اسلام اور ایمان سے فقط دکھاوے کے لیے ظاہری اور سرسری تعلق رکھتے ہیں اور ان کے دل میں خود غرضی کے سوانے اور کپڑے نہیں
ہوتے۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پھرتے ہیں جھوٹے مقدمے گھڑتے ہیں اور فیصلے دیا کرتے ہیں جہاں فیصلہ کرنے والا
کچھ لے لو اگر یا ویسے ہی ان کی رعایت کر دے۔ حاکم، گواہ، وکیل سب کو کسی نہ کسی طرح اپنا حمایتی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اگر کوئی منصف نام
مل گیا اور ان کو انصاف کے مطابق اپنے لیے کی سزا مل گئی تو پھر روتے پھرتے ہیں۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہ منافقوں کی اپنی نشانی ہے۔

صحیح طرز عمل

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ
 یہ وہ لوگ ہیں جن کی بابت اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔
 فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعِظُهُمْ وَقُلْ لَكُمْ فِي
 پس ان سے تفاعل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان کے بارے میں
 أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿۶۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ
 کہ مفید بات اور ہم نے کوئی رسول
 رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ
 نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ کے فرمان سے اس کا حکم مانیں اور اگر وہ
 إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
 لوگ جنہوں نے اپنا برا کیا تھا۔ تیرے پاس آئے پھر اللہ سے معافی
 اللَّهُ وَاسْتَغْفَرُوا لَكُمْ الرَّسُولُ لَوْ جَدَّ اللَّهُ
 چاہتے اور بخشواتا ان کو رسول تو البتہ اللہ کو
 تَوَابًا رَحِيمًا ﴿۶۴﴾
 معاف کرنے والا مہربان پاتے

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ
 یہ وہ ہیں جن کی بابت جانتا ہے اللہ جو ہے اندر ان کے دلوں
 فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعِظُهُمْ وَقُلْ لَكُمْ فِي
 پس تفاعل کر ان سے اور نصیحت کر ان کو اور کہ ان سے میں
 أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿۶۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ
 ان کے بارے میں بات مفید اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی
 رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ
 رسول مگر تاکہ مانا جائے ساتھ فرمان اللہ کے اور اگر یہ ہوتا کہ وہ
 إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
 جب ظلم کریں اپنی جانوں پر انہیں تیرے پاس پھر معافی چاہتے
 اللَّهُ وَاسْتَغْفَرُوا لَكُمْ الرَّسُولُ لَوْ جَدَّ اللَّهُ
 اللہ سے اور معافی چاہتا ان کے لیے رسول البتہ وہ پاتے اللہ کو
 تَوَابًا رَحِيمًا ﴿۶۴﴾
 معاف کرنے والا مہربان

ظَلَمُوا۔۔ یہ لفظ ظلم سے بنا ہے ظلم کے معنی ہیں ایسا کام کرنا جس سے اپنے آپ کو یا دوسروں کو نقصان پہنچے۔

الْأَنْفُسُ۔۔ نفس کی جمع ہے جس کے معنی جان، روح، شخص، دل وغیرہ ہیں۔ یہ عبارت میں "متعلق" کے معنی میں بھی آتا ہے پہلی آیت میں "متعلق" کے معنی ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ دوسری میں جان کے۔

بَلِيغٌ۔۔ گہری بات۔ جو دل کی تہ تک پہنچ جائے اور پورا مطلب واضح کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ ان کا طرز عمل ہے وہ غلط ہے۔ ان کی ظاہری حالت اور ظاہری باتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہئے جو کچھ ان کے دل میں ہے وہ اللہ کو معلوم ہے اور وہ وقت آنے پر ان کو ان کے کیسے کی سزا دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد الہی ہے کہ آپ ان کی بہودہ اور دورخی کارروائیوں کی ذرا پروا نہ کریں اور ان کو برابر نصیحت کرتے رہیں۔ پھر سمجھایا گیا ہے کہ اگر کسی طرح ان سے جو ہم ہو بھی گیا تھا تو ان کو چاہئے تھا کہ فوراً نادم ہوتے اور اللہ سے اپنے قصور کی معافی مانگتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ان سے عرض کرتے کہ ہمارا قصور اللہ سے معاف کر دیجئے۔ اس وقت اللہ ان کا قصور ضرور معاف فرمادیتا لیکن وہ نادم ہونے اور توبہ کرنے کے بجائے الٹا جرم کا انکار کرنے پر تامل گئے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ ہماری نیت نیک تھی ہم ضرر صلیح اور مصلح اور مصلح کرنے گئے تھے۔

ایمان کی کسوٹی

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
 پس نہیں قسم ہے تیرے رب کی نہیں مومن ہو گئے وہ یہاں تک منصف بنائیں تجھ کو
 فِي مَا شَجَرَ بَيْنَكُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيۤ انْفُسِكُمْ
 میں اس کے جو اٹھے درمیان ان کے پھر نہ پاویں میں دلوں اپنے کے
 حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾
 تنگ اس سبجو فیصلہ کرے تو اور مائیں رضامندی
 فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
 سو تیرے رب کی قسم ہے وہ مومن نہ ہو گے یہاں تک کہ تجھے ہی منصف بنائیں
 فِي مَا شَجَرَ بَيْنَكُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيۤ انْفُسِكُمْ
 اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان اٹھے پھر اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں
 حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾
 تیرے فیصلے سے اور خوشی سے قبول کریں

لَا وَرَبِّكَ (قسم ہے تیرے رب کی) اور یہاں قسم کے لیے ہے۔ عرب میں قسم کھانے سے پہلے لا (نہیں) لگا دیتے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے کہ بات وہ نہیں جو سننے والا خیال کر رہا ہے بلکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ بات یہ ہے جو میں کہتا ہوں۔ شَجَرَ (اٹھے) اصل میں یہ لفظ درخت کے چھوٹنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی جھگڑا بھڑکنا پڑے مشاجرہ اسی سے نکلا ہے جس کے معنی باہم جھگڑا کرنا اور لڑنا ہیں۔

حَرَجًا (تنگی) بول چال میں اس کو گھٹن بھی کہتے ہیں۔ اردو میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ بات یہ نہیں ہے جو وہ سوچ رہے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے رہیں گے اور مومن بھی رہیں گے بلکہ تیرے رب کی قسم۔ یہ مومن اسی وقت ہوں گے جب اپنے سارے جھگڑوں کے فیصلوں کے لیے تجھ کو حاکم بنا دیں گے اور پھر تیرے فیصلے کے آگے خوشی خوشی سر جھکا دیں گے اور ان کے دل میں تیرے فیصلے سے ذرا گھٹن اور ناراضگی نہ ہوگی۔ اس زوردار اعلان سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے آگے بے چون و چرا سر جھکانا کہ دل میں ناراضگی کا وہم و گمان تک نہ ہو ایمان کی درستگی کی علامت ہے ورنہ پھر نفاق کی بیماری کا خوف ہے۔ ان آیات میں مسلمانوں کو سبق دیا گیا ہے کہ دین میں اصل چیز سچائی اور نیک دل ہے۔ جو لوگ اپنے مقدمات اور باہمی معاملات میں دین کا خیال نہیں رکھتے اور اپنے فیصلے اوروں سے کرتے ہیں ان کا طرز عمل ایمان کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا تو وہ دین پر بھروسہ نہیں رکھتے یا انصاف ہی سے بھاگنا چاہتے ہیں پہلی صورت میں وہ ایمان سے کوسوں دور ہیں اور دوسری صورت میں اپنی خود غرضیوں اور خواہشوں سے اندھے ہو گئے ہیں اور ظلم کی حمایت کرتے ہیں۔ جہاں اس سے بڑھ کر بے دینی کیا ہوگی کہ جھگڑوں کے فیصلے کرانے سے پہلے یہ سوچتے ہیں کہ ہماری جیت کہاں ہوگی۔ ان کے نزدیک قاعدہ قانون اور انصاف کوئی چیز نہیں۔ قرآن مجید اور دین کو وہ اسی حد تک مانتے ہیں جہاں تک وہ ان کی خواہشوں کا ساتھ دیں۔ کیونکہ انہیں فقط اپنے فوری نفع سے غرض ہے۔

دوسری بات ان آیتوں میں یہ بتلائی گئی ہے کہ منافقوں سے لڑنا جھگڑنا بیکار ہے۔ ان کی باتوں سے بالکل منہ پھیر لینا چاہئے۔ بلکہ اپنے کاموں میں لگ کر ان کے لیے ایسی فضا پیدا کر دینی چاہئے کہ انہیں پچھتا کر اپنی شرارتوں سے باز آنا پڑے۔

شرعی احکام مشکل نہیں

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ اپنی جانیں ہلاک کرو۔

أَوْ اَخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ
یا اپنے گھر چھوڑ نکلو تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے

مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ
تھوڑے اور اگر یہ لوگ کریں جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٦﴾
البتہ ان کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ استوار کرنے والا ہودین میں اور

إِذَا لَاتِيَنَّهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾
اس وقت البتہ ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔

وَلَهْدِيَنَّهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾
اور ان کو ہم سیدھی راہ چلا دیں۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
اور اگر ہم حکم کرتے ان پر کہ ہلاک کرو اپنی جانیں

أَوْ اَخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ
یا نکل جاؤ سے اپنے گھروں نہ کرتے اس کو مگر تھوڑے

مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ
ان میں سے اور اگر یہ کہ وہ کریں جو نصیحت کی جاتی ہے ان کو

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٦﴾
البتہ ہو بہتر ان کے لیے اور زیادہ مضبوط جانے میں اور

إِذَا لَاتِيَنَّهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾
اس وقت البتہ دیں ہم ان کو سے پاس اپنے ثواب بڑا

وَلَهْدِيَنَّهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾
اور البتہ دکھادیں ہم ان کو راستہ سیدھا

کتابت سے ہے جس کے معنی لکھنا ہیں اس کے بعد جب علی آجائے تو اس کے معنی حکم کو دینے کے ہوتے ہیں یعنی ہم نے حکم دیا۔

تَثْبِيْتًا ثابت کر دینا۔ حمادینا۔ استوار یا محکم کر دینا۔

پہلی آیت میں ہدایت کی گئی تھی کہ رسول کے کہنے پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ رسول ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کا حکم مانا جائے اور یہ عارا حکم ہے نہ کہ ان کا۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ رسول کا حکم ماننا کچھ مشکل نہیں۔ کیونکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آسان آسان کام کرنے کا حکم دیتے ہیں جو ان کے حق میں مفید ہوتے ہیں وہ ہم سب کے مالک اور آقا ہیں ہم انہیں سخت سے سخت احکام اگر چاہتے تو دے سکتے تھے مثلاً اگر ہم حکم دے دیتے کہ اپنا کلا گھونٹ لویا چھڑا مار کر مر جاؤ یا یہ کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ایسے حکم ماننے کے لیے تو یہ کبھی تیار ہی نہ ہوتے بلکہ گنے چنے ہی آدمی ایسا کرتے تو کرتے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ ہم نے جان کھو کر گھروں سے نکل جانے کے لیے نہیں کہا اور نہ سخت محنت اور مشقت میں ڈالا ہے جیسے پہلے لوگوں کو ڈالا تھا۔ بلکہ آسان کام مقرر کیے جن میں محنت تھوڑی اور ثواب زیادہ ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ اگر یہ انہی آسان کاموں کو خوشی خوشی کر لیتے تو ان کے لیے بہت ہی اچھا ہوتا۔ ان کا دل مضبوط اور ایمان پختہ ہو جاتا اور ہم ان کو ایسے سیدھے راستے پر ڈال دیتے جو ہمیشہ کے راحت و آرام کے گھر ہیں پہنچا لے۔ مگر یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہی آسان کام نیک نیتی اور سچے دل سے کیے جائیں تو ان سے اتنا بڑا ثواب اور ایسا اچھا بدلہ ملتا ہے کہ انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دکھ درد رنج و الم اور عذاب سے چھٹ کر آرام و سکون اور خوشی کے گھر پہنچ جاتا۔

اللہ کے انعام یافتہ بندے

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ

اور جو کوئی حکم مانیں اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے

الَّذِينَ أَحْرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ

ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور

الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَ

صدیق اور شہید اور صالح ہیں اور

حَسَنَ أَوْلِيَٰكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ

یہ لوگ اچھے رفیق ہیں یہ فضل اللہ کی

مِنَ اللَّهِ ط وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

طرف سے ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ

اور جو لوگ اطاعت کریں اللہ اور رسول سو وہ ساتھ

الَّذِينَ أَحْرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ

ان کے انعام کیا اللہ نے جن پر سے نبیوں اور

الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ وَ

صدیقوں اور شہید اور صالحوں اور

حَسَنَ أَوْلِيَٰكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ

اچھے ہیں یہ لوگ ساتھی یہ بخشش ہے

مِنَ اللَّهِ ط وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

طرف سے اللہ کی اور کافی ہے زائد اللہ جاننے والا

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان جلیل القدر بندوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کے خاص انعام یافتہ بندے ہیں جن پر اس کے انعام و کرام کی خاص بارشیں ہوتی ہیں۔ انہیں انہی کی جمع ہے۔ وہ برگزیدہ بندے جو دنیا میں انسانوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجے گئے یہ پیغام ان کے پاس اللہ کی طرف فرشتہ کے ذریعہ بھیجا جاتا اور وہ فرشتہ کی آمد کو محسوس کرتے اور وہ پیغام اللہ کے بندوں کو کسی کی پیشی کے بغیر پہنچاتے۔ انہیں صدیق کی جمع ہے وہ لوگ جن کا دل پیغمبروں کے پیغام کو خود بخود سچا مانتا ہے انہیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں شہداء شہید کی جمع ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں کے حکم پر جان دینے کے لیے حاضر ہوں اور حق کی شہادت اپنے خون سے پیش کر دیں۔ انہیں صالحین صالح کی جمع ہے۔ وہ لوگ جن کی طبیعت پیدائشی طور پر نیک ہو اور اپنے نفس و بدن دونوں کو برائیوں اور ناپاکیوں سے پاک کر چکے ہوں۔ انسانوں کے اندر یہ چار قسم کے لوگ سب سے افضل ہیں۔ اللہ نے ان کو اور سب لوگوں پر فضیلت اور برتری عطا کی ہے اور اپنے انعام سے نوازا ہے۔ ان کے مرتبوں کی وہی ترتیب ہے جو آیت کے اندر رکھی گئی ہے یعنی نبی کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس کے بعد صدیق کا پھر شہید کا پھر صالح کا۔ یہ سب حسب مراتب اللہ کی نعمت اور فضل و رحمت سے مالا مال ہیں پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ انسان استغناء اور قابلیت کے لحاظ سے یکساں نہیں۔ ان کے سوا جو اور لوگ رہے۔ ان میں سے افضل وہ ہیں جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہوں۔ ان کو بھی اپنی قابلیت اور استغناء کے مطابق حسب مرتبہ نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحوں کی ہمراہی نصیب ہوگی۔ اس کے بعد وہ انہی جیسے ہو جائیں گے۔ یہ ہو گا کہ وہ انہی کے خادموں میں شمار کیے جائیں گے اور ان کا رشتہ ان کے ساتھ بڑا دیا ہائے گا۔ یہ بڑی عنایت ہے کہ اس رشتہ کو رفاقت کا نام دیا گیا ہے۔ ورنہ ان کا خادم مان لیا جانا بھی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے یہ وہی لوگ ہیں جن کے راستہ پر چلنے کی ہم ہر وقت نماز میں دعا کرتے ہیں سورہ فاتحہ ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا جس پر تیرے برگزیدہ انعام یافتہ بندے چلے۔ ان بڑے لوگوں کی رفاقت فقط انہی کو نصیب ہوگی جو اللہ اور رسول کی فرمانبرداری اور اطاعت کریں گے۔

جہاد کے لئے تیار رہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ

لے وہ جو ایمان لائے ہو لے لو ہتھیار اپنے

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ تَنْفِرُوا جَمِيعًا ﴿۴۱﴾ وَإِنْ

پھر نکلو دستے بن کر یا نکلو اکٹھے اور بیشک

مِنْكُمْ لَنْ يَبْطِئَ جَنْحُكُمْ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ

تم میں سے وہ ہے ضرور دیر لگانے کا پھر اگر پہنچے تم کو

مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ

کوئی مصیبت کے بیشک انعام کیا اللہ نے مجھ پر جب

لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿۴۲﴾

نہ ہوا میں ساتھ ان کے حاضر

لے ایمان والو لے لو اپنے ہتھیار

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ تَنْفِرُوا جَمِيعًا ﴿۴۱﴾ وَإِنْ

پھر نکلو جدا جدا فوج ہو کر یا سب اکٹھے ہو کر اور تم میں

مِنْكُمْ لَنْ يَبْطِئَ جَنْحُكُمْ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ

کوئی ایسا بھی ہے کہ عدا دیر لگائے گا۔ پھر اگر تم کو کوئی

مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ

مصیبت پہنچے تو کہے کہ اللہ نے مجھ پر فضل کیا۔ مگر

لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿۴۲﴾

میں نہ ہوا ان کے ساتھ

ثُبَاتٍ - ثبۃ کی جمع ہے۔ الگ ٹولی اور چھوٹی سی جماعت۔

شہیداً (ساتھ) اس کے معنی حاضر کے ہیں اور اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں بعض روایات میں ہے کہ شروع میں اسلام کے اندر بہت سے لوگ دیکھا دیکھی داخل ہو گئے جب جہاد فرض ہوا تو مجھ لگے اور بعض تو کافروں کے ساتھ مل کر کلمہ کھلا دین کی مخالفت کرنے لگے اس پر یہ آیت اترنا پہلی آیتوں میں منافقوں کے وویہ کا ذکر تھا۔ اس آیت کے اندر جہاد کے وقت ان کے طرز عمل کا ذکر ہے اور مسلمانوں کو ان کی بد روشا اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام نے بہت چالاک انسان آپس میں صلح و صفائی سے رہیں۔ لیکن کفار کی خود غرضیوں نے مسلمانوں کو لڑائی پر مجبور کر دیا۔ اور جب تک لوگ اپنی خواہشوں کے غلام رہیں گے اور شیطان کے بہکانے میں آکر سیدھے راستے سے منہ موڑ لیں گے اس وقت تک دنیا میں جنگ کا خاتمہ نہ ہو سکے گا۔ اور اللہ کے بندوں کو خواہشوں کے ان غلاموں سے مجبوراً لڑنا پڑے گا۔

ایمان والوں کو اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ انسانیت کے دشمنوں سے اپنے بچاؤ کا سامان کر لو اور سامان جنگ سے لیس رہو موقع آتے ہی ان سے لڑنے کے لیے نکل کھڑے ہو۔ اس میں دیر نہیں لگانی چاہیے۔ کیونکہ لڑائی کے وقت دیر لگانے سے بعض اوقات کام بگڑ جاتا ہے اور دشمنوں کی بن آتی ہے۔

یا درکھو۔ تمہارے اندر ایسے بھی لوگ ہیں جو جہاد کے لیے بھکنے میں ٹال مٹول کرتے ہیں اور دیر لگاتے ہیں۔ انہیں منافق کہا جاتا ہے ان کا سردار عبداللہ بن ابی عتقا۔ اس نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ مسلمان جب لڑائی کے لیے جاتے تو یہ بہانہ بازیاں کر کے اپنے لوگوں کو لے کر پیچھے رہ جاتا۔ اگر مسلمانوں کو کوئی عداوت پہنچتا یا شکست ہو جاتی تو کتبۃ اللہ کا شکر ہے کہ میں ان کے ساتھ نہ تھا۔ ورنہ میں بھی مر گیا ہوتا گویا اس کے خیال میں غلط بات بیٹھ چکی تھی کہ گھر میں رہ کر وہ موت سے محفوظ رہے گا اور میدان میں وقت سے پہلے اُسے موت آ جائے گی۔

جہاد اور اس کا اجر

وَلٰئِنْ اَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل پہنچا

لَيَقُولَنَّ كَاْنَ لَكُمْ تَكْنُ بَيْنَكُمْ وَا

تو اس طرح کہنے لگا کہ گویا تم میں اور

بَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يٰۤاَيُّهَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ

اس میں دوستی نہ تھی اے کاش کہ میں ان کے ساتھ ہوتا

فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۴۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي

تو بڑی مراد پاتا سو چاہئے کہ لڑیں اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ

کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي

آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ

راہ میں پھر مارا جائے یا غالب ہوئے تو ہم عنقریب

نُوْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۴﴾

اس کو بڑا ثواب دیں گے۔

وَلٰئِنْ اَصَابَ كُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

اور اگر تم کو فضل سے اللہ

لَيَقُوْلَنَّ كَاْنَ لَكُمْ تَكْنُ بَيْنَكُمْ وَا

مزد کے گویا نہ تھی درمیان تمہارے اور

بَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يٰۤاَيُّهَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ

درمیان اُس کے دوستی اے کاش ہوتا میں ساتھ ان کے

فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۴۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي

پس پاتا مراد بڑی سو چاہئے لڑیں بیچ

سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ

راہ اللہ کی وہ جو بیچتے ہیں زندگی

الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي

دنیا کی بدلے آخرت کے اور جو لڑے میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ

راہ اللہ کی پھر مارا جائے یا غالب ہوئے تو جلد

نُوْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۴﴾

ہم دیں گے اس کو ثواب بڑا۔

جہاد کی تیاری کا حکم اور اس سلسلہ میں منافقوں کا طرز عمل اس سے پہلے گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اسلام کا سپاہی قرار دیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ راہ حق میں سر و سر کی بازی لگانے کے لیے ہر دم تیار رہو۔ انفرادی طور پر جنگ کا موقع ہو یا اجتماعی طور پر جہاد کی ضرورت ہو۔ ہر صورت میں تیار رہنا لازم ہے۔ منافق جان بوجھ کر اور عمدتاً مال مٹول کریں گے اور شرکت سے باز رہیں گے۔ اگر خدا نخواستہ تمہیں تکلیف پہنچی تو خوشی کا اظہار کریں گے اور اگر تم پر اللہ کا فضل ہوا۔ تم کامیاب و کامران رہے اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے تو بالکل اجنبی غیروں کی طرح کہیں گے کاش! ہم ان کے ساتھ ہوتے اور خوب ہاتھ رنگتے۔ لوٹ مار کرتے اور دھن و دولت سمیٹ کر لاتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ دین پر دنیا کو پسند کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ان کے طلب جہاد کرو۔ کامیابی اور ناکامی کو خاطر میں نہ لاؤ۔ اس راہ میں مارنے جاؤ یا غالب آؤ۔ ہم دونوں صورتوں میں اجر عظیم دیں گے۔

مظلوموں کی مدد میں جہاد

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

اور تم کو کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے اور

الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَالِدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا

ان کے واسطے جو مظلوب ہیں مرد اور عورتیں اور

مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ

اس بستی سے مظلوموں کے لوگ ظالم ہیں اور ہماری

لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ

ہمارے لیے اپنے پاس حمایتی اور ہمارے واسطے اپنے

لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾

تو تم کو اللہ کی راہ میں لڑنے سے روکتے ہیں۔ یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ جہاد کے معنی ان لوگوں سے مقابلہ کے لیے تیار رہنا ہے جو انسانوں کو راہ راست سے روکتے ہیں اور خواہ مخواہ ان کو اپنا ہم خیال بنا چاہتے ہیں۔ ان گمراہ لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اپنے اور اپنے گروہ کے دنیاوی فائدوں کو دیکھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو زبردستی اپنی ذاتی غرض کے لیے دبا کر رکھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سب سے بڑے ہیں اور اوروں کو ہمارے خادم بن کر رہنا چاہیے۔

اس کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو تمام انسانوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور سب کے فائدے کے اندر اپنا فائدہ سمجھتے ہیں۔ غرور اور تکبر نہیں کرتے۔ کسی کو اپنے ماتحت دبا کر نہیں رکھنا چاہتے۔ غریبوں، محتاجوں اور کمزوروں کی مدد کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس میں ان کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ نہ ذاتی فائدے کا خیال ہوتا ہے۔ بلکہ فقط اللہ کی مخلوق کو مصیبت سے بچانا ان کا مقصد ہوتا ہے نہ کسی سے شکر یہ کہ طلب کار ہوتے ہیں نہ رورعایت کے خواستگار۔ یہی لوگ اللہ کو اور اس کے دین کو سچے طور پر مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کسی بستی کے مرد و عورت، چھوٹے بڑے اور کمزور بچے مدد کے لیے چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ ظالموں کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں امداد کے لیے دہائی دے رہے ہیں تو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ مدد کے لیے آگے نہیں بڑھتے اور ظالموں کے خلاف جنگ کے لیے کمر بستہ نہیں ہوتے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

اور کیا ہوا تم کو نہیں لڑتے بیچ راہ اللہ کے اور

الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَالِدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا

مظلوب بے ہوش لوگوں سے مردوں اور عورتوں اور

مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ

یہوں جو کہتے ہیں اے ہمارے بھائی نکال ہم کو

مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ

اس بستی سے ظالم ہیں لوگ جس کے اور کہ

لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ

ہمارے لیے اپنے پاس حمایتی اور کہ ہمارے لیے سے

لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾

پاس اپنے مددگار

مومن اور کافر کی جنگ

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جو لوگ ایمان والے ہیں سوا اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ لڑتے ہیں طاغوت کی

الطَّاغُوتِ فَقاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ

راہ میں سو تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٤٦﴾

بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جو لوگ ایمان والے وہ لڑتے ہیں میں راہ اللہ کے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

اور جو لوگ کافر ہوتے وہ لڑتے ہیں میں راہ

الطَّاغُوتِ فَقاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ

طاغوت سو لڑو تم حمایتیوں سے شیطان کے

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٤٦﴾

بیشک داؤ شیطان کا بے کمزور ہے

الَّذِينَ آمَنُوا (مومن) ایمان سے بنا ہے ایمان کے معنی ہیں زبان سے مان لینا اور دل سے یقین کر لینا۔ مومن وہ ہیں جو اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر دل سے یقین رکھتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے کئے کا حساب دینے کو اٹل جانتے ہیں۔

الَّذِينَ كَفَرُوا (کافر) یہ لفظ کفر سے بنا ہے۔ کفر کے معنی ہیں چھپا دینا۔ انکار کرنا اور ناشکری کرنا۔ کافر وہ ہیں جو اسلام کے اصولوں پر یقین نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔

طَّاغُوتِ یہ لفظ طغیان سے بنا ہے۔ اس کے معنی سرکش۔ نافرمان شریک کے ہیں۔ یہ شیطان کا بھی لقب ہے جو ہمیشہ انسانوں کو سیدھی

راہ سے مٹانے کی کوشش میں رہتا ہے۔

كَيْدٌ چال۔ فریب گھات یعنی اپنے جتنے کا خفیہ داؤ۔ اَوْلِيَاءُ ولی کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ساتھی۔ دوست۔ مددگار۔ حمایتی۔

اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے لیے اس دنیا میں زندگی گزارنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے۔ جانوروں کی طرح اسے بالکل آزاد

نہیں چھوڑا کہ جو جی چاہے کرتا پھرے اس طریقے کا نام صراطِ مستقیم سیدھا راستہ اور سچا دین ہے اور یہی سبیل اللہ ہے۔ قرآن مجید میں دوسری

جگہ اس کو صراطِ اللہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک خفیہ طاقت نے جسے ابلیس، شیطان اور طاغوت مختلف نام دیے گئے ہیں۔ ہر طرح انسان کے ساتھ

دشمنی کرنے کی ٹھان لی ہے اور جہاں تک اس کا بس جلتا ہے۔ وہ انسان کو سیدھے اور درست راستے سے مٹانے کی کوشش میں لگا رہتا

ہے۔ اور افسوس ہے کہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے بہکانے میں آکر راہ سے بھٹکی ہوئی ہے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے کسی کی نہیں سنتی۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسانوں کی بہت سی قومیں اسی چکر میں آکر مڑھپ گئیں اور انسان کے لیے دورستے مستقل طور پر قائم ہو گئے۔ ایک

اللہ مقرر کیا ہوا راستہ جس کو آیت میں سبیل اللہ کہا گیا ہے اور دوسرا شیطان کا راستہ جو سبیل الطاغوت ہے۔ آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے

حکموں کے ماتے والے اس کے راستے کی حمایت میں لڑتے ہیں اور جو اللہ کو اور اس کے حکموں کو نہیں مانتے وہ شیطان کے راستے کی طرفداری

میں لڑتے ہیں۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ بظاہر تو شیطان کی سازشیں بہت ڈراؤنی اور مضبوط معلوم ہوتی ہیں لیکن اصل میں اس کے

داؤ بیچ کمزور ہیں اور نیک نیت لوگوں کے پختہ ارادے کے سامنے ان کی کچھ حقیقت نہیں۔

لڑائی سے ڈرنے والے

الَّذِينَ تَرَى إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا
 کیا تو نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ
 أَيديكم وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 ہاتھ اپنے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ
 فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ
 پھر جب ان کو لڑائی کا حکم ہوا۔ اچانک ان میں سے ایک
 مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللَّهِ أَوْ
 ان میں سے ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈرتے ہیں اللہ کا یا
 أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
 اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے ہمارے رب کیوں
 عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ
 اُدھر تک لڑنا کیوں نہ ڈھیل دی ہم کو تک مدت
 قَرِيبٍ
 تھوڑی مدت

الَّذِينَ تَرَى إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا
 کیا نہ دیکھا تو نے ان کو کہ کہا گیا ان سے روکے رہو
 أَيديكم وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 ہاتھ اپنے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ
 فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ
 پھر جب لکھا گیا اُدھر ان کے لڑنا کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جماعت
 مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللَّهِ أَوْ
 ان میں سے ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈرتے ہیں اللہ کا یا
 أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
 اس سے زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے ہمارے رب کیوں لکھا
 عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ
 اُدھر تک لڑنا کیوں نہ ڈھیل دی ہم کو تک مدت
 قَرِيبٍ
 تھوڑی

کُتِبَ عَلَيْهِمُ (ان پر فرض کیا گیا) پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کُتِبَ کے بعد علیٰ آجائے تو اس کے معنی فرض کر دینا اور ضروری قرار دینا ہوتے ہیں
 إِذَا عموماً اس کے معنی جب ہوتے ہیں۔ اس کے ایک معنی ناگاہ کے بھی ہیں۔ ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی ایسی بات
 ہو جائے جس کی توقع نہ تھی اس کو ہم اپنی زبان میں اس طرح ادا کرتے ہیں اچانک یا کیا دیکھتے ہیں۔
 أَخَّرْتَنَا تاخیر سے ہے اس کے معنی میں مہلت دینا۔ دیر لگانا۔ ڈھیل دینا اور چھوڑے رکھنا۔
 مگر میں جب لوگوں نے اسلام قبول کیا تو کافر انہیں ہمت ستانے لگے اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرنے لگے۔ تنگ آکر مسلمان رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہتے کہ ہمیں جنگ کی اجازت دی جائے۔ آپ فرماتے کہ ابھی لڑنے کا حکم نہیں۔ اس وقت تو یہی حکم ہے کہ نماز
 پڑھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لڑائی کا حکم مدینہ میں آنے کے بعد دیا گیا۔ تو کفر و ایمان والوں
 پر خوف چھا گیا۔ وہ ڈر کے مارے کانپنے لگے اور اللہ کے ڈر سے بھی زیادہ ان کو آدمیوں کا ڈر ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ ابھی تھوڑے دن لڑائی
 کا حکم نہ ہوتا تو بہتر ہوتا۔ مگر میں مسلمانوں کو لڑنے کا حکم نہ تھا بلکہ ان کو لڑائی کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ منظور نہ تھا کہ ستائیس سال سے
 فوراً بدل لیا جائے ایسی وحشیوں کی سی لڑائی اسلام کو منظور نہ تھی۔ اس لیے کہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے میں مشغول
 رہنے کے لیے کہا گیا تاکہ جانی اور مالی قربانی کی عادت پڑ جائے اور تکلیفوں کا برداشت کرنا آجائے۔

موت سے بچنا ممکن نہیں

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ

کہ جسے کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے

لِمَنْ اتَّقَىٰ قَفَا وَلَا تَظْلَمُونَ فِتْيَلًا ۝

پرہیزگار کے لیے اور تمہارا حق ایک جاگے کے برابر نہ رہے گا۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكْكُمْ الْمَوْتُ

تم جہاں کہیں ہو گے تم کو موت آپکے گی

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۝

خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ

کہ جسے فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے

لِمَنْ اتَّقَىٰ قَفَا وَلَا تَظْلَمُونَ فِتْيَلًا ۝

اس کیلئے جو پرہیزگار ہو اور نہیں ظلم کیے جاؤ گے تم ذرا سا بھی

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكْكُمْ الْمَوْتُ

جہاں کہیں تم ہو تمہاری موت

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۝

خواہ تم ہر میں قلعوں کے اونچے چڑھنے والے کے

مَتَاعُ فائدہ، پونجی، سامان وہ چیز جس سے حظ حاصل کیا جائے اور فائدہ اٹھایا جائے۔

وَلَا تَظْلَمُونَ ظلم نہیں کیے جاؤ گے ظلم سے بنا ہے جس کے معنی میں کسی پر زیادتی کرنا، کسی کا حق دبا لینا اور بے جا ستانا۔

فِتْيَلًا اصل معنی دھاگے کے ہیں یہاں مطلب یہ ہے کہ تمہارا ذرا سا بھی حق دھوٹے سے دھاگے کے برابر بھی اندھا دھایا جائے گا۔

بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ مضبوط قلعے، ابروج کا واحد برج ہے۔ اس کے معنی قلعہ اور عالی شان محل کے ہیں مشید کے معنی میں پختہ چھانے کے بنائے

جسے گچ بھی کہتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ مضبوط اور پختہ ترین قلعوں کے اندر بھی موت سے بچنا ممکن نہیں۔

پہلی آیت میں ذکر تھا کہ جب جہاد کا حکم ہوا اور لڑائی سر پر آگئی تو بعض لوگ خوف سے کانپنے لگے اور اللہ کی ہر گاہ میں عرض کر کے کہ

اے رب! اپنے لڑنے کا حکم کیوں دے دیا کچھ دن اور جی لیتے اور موت سے بچ جاتے تو اچھا ہوتا۔ غرض ان کے دل پر دنیا کی محبت

غالب آگئی اور موت سے ڈرنے لگے۔ اس آیت میں ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ اے رسول! ان سے کہہ دو دنیا کے مزے اور عیش تو بہت ہی ناقص

اور تھوڑے دن کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں آخرت کا عیش و آرام کہیں بہتر ہے اور یہ ان لوگوں کو میسر ہوگا جو اللہ کی رضا مندی کا خیال کریں گے

اور اس کی نافرمانی سے بچیں گے۔ یاد رکھو اس خیال سے جو بھی نیک کام کرے گا۔ اس کو اس کا بدلہ اور ثواب پورا پورا ملے گا اور کسی کی اللہ کو راضی

کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش بلکہ کار نہیں بنے گی۔ دنیا میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی خواہش کرتا ہے اور پوری نہیں ہوتی

محنت کرتا ہے لیکن اس کی محنت کا پھل اسے نہیں ملتا اور جو کچھ تھوڑا بہت ملتا ہے وہ تھوڑے دن میں ختم ہو جاتا ہے۔ آخرت کے لیے

اللہ کے حکم کے مطابق کام کرنے کا پھل پورا پورا ملے گا اور وہ تھوڑے دن کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ باقی رہی موت تو اس

گھبرانا کیا۔ اس سے کوئی انسان کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں موت سے پناہ مل سکے جو پیدا ہوا اسے ایک دن مرنا ہے۔

دنیا میں ہمیشہ جینے کی خواہش ہے کار ہے کوئی آج نہ مرا تو کل مرے گا۔ محل اور مضبوط یہ مضبوط نئے خانے کسی کو موت سے نہیں بچا سکتے۔

دنیا میں دگر دگر کرنے سے تو کہیں اچھا ہے کہ اللہ کے حکم پر جان دی جائے اور آخرت کے ہمیشہ ہمیشہ کے آرام، عیش و عشرت، المینان و راحت

حاصل کیے جائیں۔ قرآن مجید کے ان گنے چنے الفاظ میں کتنی بڑی حقیقت اس آسان طریقے سے واضح کر دی گئی ہے یہ بات بڑے بڑے دماغوں والے

گھنٹوں کی تقریروں سے بھی ایسے گہرے طور پر دل میں نہیں بیٹھ سکتی جیسے اس چھوٹی سی آیت میں تھوڑی دیر غور کرنے سے بیٹھ جاتی ہے یہی وہ

شامتِ اعمال

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
 اور اگر پہنچے ان کو کچھ بھلائی کہیں یہ ہے سے طرف اللہ
 وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ
 اور اگر پہنچے ان کو کچھ بُرائی پہنچے تو کہیں یہ تیری طرف سے
 قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ
 کہہ دے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے پس ان لوگوں کا کیا حال ہے
 لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝۸۰ مَا أَصَابَكَ مِنْ
 نہیں قریب ہیں کہ سمجھیں بات جو پہنچے تجھ کو کوئی
 حَسَنَةٌ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ
 بھلائی سو طرف سے ہے اور جو تجھ کو کوئی بُرائی پہنچے
 فَمِنْ نَفْسِكَ ۝ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ
 پس طرف سے ہے آپ تھے کے اور بھیجا ہم نے تجھ کو طرف لوگوں کے
 رَسُولًا ۝ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۸۱
 پیغام پہنچانے والا اور کافی ہے اللہ گواہ

حَسَنَةٌ بھلائی اس لفظ کے مفہوم میں نیکی، خوشی اور فائدہ کی ہر بات شامل ہے یہاں بھلائی سے مراد فتح و نصرت اور مال و دولت کا حصول ہے
 سَيِّئَةٌ بُرائی اس کے مفہوم میں ہر قسم کی خرابی اور نقصان شامل ہے۔ یہاں جنگ میں ناکافی اور مالی جانی نقصان مراد ہے۔
 منافقوں کا ایک اور طرز عمل اس آیت میں بیان کیا گیا ہے جب لڑائی میں فتح ہوتی ہے اور مال غنیمت بہت سا ہوتا ہے تو کہتے
 ہیں اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں فتح دی اور اتنا مال دیا اور اگر کبھی دوسری صورت ہو جاتی ہے اور لڑائی میں مال و جان کا نقصان ہوتا ہے یا
 جیت نہیں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام رکھتے ہیں کہ آپ نے جنگ کی تدبیر ٹھیک نہیں کی اس لیے نقصان اٹھانا پڑا۔
 اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو فتح و شکست اور فائدہ و نقصان سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تم اتنی بات نہیں سمجھتے کہ
 اس کے سوا اور کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس سے آگے کی آیت میں فرمایا ہے کہ تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور بُرائی تمہارے
 اپنے کاموں کا پھل ہے۔ جب کوئی بُرائی پہنچتی ہے تو اس میں تمہارا اپنا کوئی قصور ضرور ہوتا ہے جس کی سزا تمہیں ملتی ہے تاکہ پھر ایسی
 غلطی نہ کرو۔ یہ سزا تمہیں درست کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تدبیر فرماتے ہیں وہ بھی تو اللہ کی طرف سے ہے
 پھر ان کو الزام دینے کے کیا معنی؟ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ فائدہ پہنچتا ہے تو اس کے فضل سے پہنچتا ہے اور نقصان پہنچتا ہے تو اس کی
 طرف سے۔

رسول اللہ کی اطاعت

مَنْ سَطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَ
 جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور
 مَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۝
 جو اٹا بھرا تو ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان نہیں بھیجا

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَ
 جس نے اطاعت کی رسول کی پس تحقیق اطاعت کی اس نے اللہ اور
 مَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا ۝
 منہ موڑا تو نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان

تَوَلَّىٰ (منہ موڑا) تولى سے ہے۔ اس کے معنی ہیں پیٹھ دکھانا۔ یعنی نافرمانی اور سرکشی کرنا۔

حَفِظًا (نگہبان) یعنی نگرانی کرنے والا۔ روک ٹوک کرنے والا۔ اور حفاظت کرنے والا۔ حفظ۔ حفاظت۔ حافظ۔ محافظ۔

محفوظ۔ اور دوسرے متعدد لفظ اسی مادہ سے بنے ہیں۔ یہاں یہ لفظ نگہبان اور نگرانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس آیت میں ایک قیمتی فائدے کا بیان ہے جو لوگوں کو رسول کے دنیا میں تشریف لانے سے پہنچ سکتا ہے۔ فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا اور سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا، پالنے والا اور حاجتوں کو پورا کرنے والا مان چکے ہیں وہ ضرور اس کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ کتنی بڑی آسانی ہے کہ اللہ نے انہی میں سے ایک آدمی کو اپنا رسول مقرر کر کے ان کے پاس بھیج دیا اور اعلان کر دیا جو ہمارے رسول کی فرمانبرداری کرے گا وہ ہماری فرمانبرداری کرے گا اور جو اس کا فرمانبردار نہ ہوگا وہ ہمارا نافرمان سمجھا جائے گا اور نہ وہ ہمیں کسی اور طریقے سے راضی کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ انسان کے لیے اپنی فرمانبرداری اتنی آسان کر دی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم لوگوں کو وہ باتیں بتاتے رہو جو انہیں کرنی چاہئیں اگر کوئی نہ کرے تو تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو۔ ہم نے تم کو لوگوں کا نگران اور نگہبان نہیں بنایا ہے۔ ہم خود ان نافرمانوں سے نپٹ لیں گے۔ تم ان کے واسطے نہ گڑھو اور نہ پروا کرو۔ افسوس ہے کہ ایسے شفیق و مہربان رسول کے ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم زندگی کو مال داروں۔ مشکروں اور مغرور لوگوں کی پیروی کر کے درست بنا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا کہ جو ہمارا فرمانبردار بنا چاہتا ہے وہ ہمارے رسول کی فرمانبرداری کرے اور اگر رسول کی فرمانبرداری نہ کرے گا تو وہ ہمارا نافرمان ہے۔ اس کو وہی سزا ملے گی جو نافرمانوں کے لیے مقرر ہے پہلی آیتوں میں یہ بھی صاف کہہ دیا ہے کہ اگر نہیں سزا ملی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی اور اس کا سبب تمہارا اپنا فعل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور نہ ان پر کوئی الزام عاید ہوتا ہے۔

اس آیت میں انسان کے لیے ایک آسان راستے کی طرف دعوت بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک زبردست دھمکی بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مانو گے تو تمہاری دنیا اور آخرت کی زندگی درست ہو جائے گی کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بن جاؤ گے اور اس سے بڑھ کر زندگی کو سنوارنے والی کوئی چیز نہیں اور اگر نہ مانو گے تو پھر سزا ملنے پر رسول کے سزا نام نہ لگانا رسول کا کام فقط پیغام پہنچانا ہے۔ اس کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ تمہیں زبردستی سیدھے راستے پر چلائے رسول کی نافرمانی کر کے تم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اب وہ خود تم کو سزا دے گا۔

رسول اللہ کے خلاف سازشیں

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ
اور کہتے ہیں (منظور ہے) پھر جب تیرے پاس سے باہر گئے
بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَ
ان میں سے بعض اس کے خلاف رات کو مشورہ کرتے ہیں جو وہ کہہ چکے ہیں اور
اللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ
اللہ لکھتا ہے جو باتوں کو مشورہ کرتے ہیں سو ان سے تغافل کر۔
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۸۱﴾
اور اللہ پر بھروسہ کر اور اللہ کا کارساز کافی ہے۔

اور کہتے ہیں کہنا ماننا پھر جب باہر گئے سے تیرے پاس
بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَ
رات کو بات کی ایک گروہ ان میں سے خلاف اس کے جو کہنا تھا اور
اللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ
اللہ لکھتا ہے جو باتوں کو بائیں کرتے ہیں سو منہ پھیرے ان سے
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۸۱﴾
اور بھروسہ کر اوپر اللہ کے اور کافی ہے اللہ کام بنانے والا

طاعتاً (مان لیا) کسی کا حکم سن کر اگر اس سے طاعت کہہ دیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کا حکم مان گئے۔ اپنی بول چال میں ہم ایسے موقع پر منظور ہے کہتے ہیں۔

بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَ
رات کو مشورہ کرنے کے ہیں۔

أَعْرِضْ عَنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَ
اس آیت میں ان کی ایک اور مکاری کا ذکر ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سن کر آپ کے سامنے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ سب حکم جان و دل سے قبول ہیں اور ہمارا کام آپ کی فرمانبرداری کرنا ہے لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو رات کو سر چوڑ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں طے کرتے ہیں کہ ہم ان کا کہنا ماننے والے نہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے گا۔ ان کے خلاف کریں گے۔ یہ لوگ سامنے کچھ کہتے ہیں اور پیچھے پیچھے کچھ ان کا ظاہر باطن یکساں نہیں۔ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ اس طرح ظاہری باتیں بنا کر کے ہم مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہیں گے اور اندر خانے ان کی جڑ کھودتے رہیں گے تو یہ ان کا خیال غلط ہے۔ کیونکہ اللہ کے ہاں یہ ان کے راتوں کو چسپ چسپ کر مشورے سب لکھے جاتے ہیں ان کے منہ کھنڈے سب اللہ کو شروع سے آخر تک معلوم ہیں۔ یہ ان کی دورخی کارروائی نہیں چلے گی۔ اور مکاری کا بھانڈا اچھوٹا کر رہے گا۔

اطاعت کے یہ معنی نہیں کہ منہ سے جی حضور بہت اچھا کہہ دیا اور دل میں مٹھان لیا کہ اس کے خلاف کریں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ تم اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ کر کے رہتا ہے۔ اسے کسی کی نمد کی ضرورت ہے نہ مخالفت کی پروا ہے۔ وہ سارے کام انجام دینے کے لیے کافی ہے۔ اس پر بھروسہ کرو۔

منافقین کی دورخی پالیسی ان کی سازشوں اور مکاریوں کا ذکر کرتے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ کی کارساز کافی ہے اس کے ہوتے ہوئے نہ آپ کسی کے محتاج ہیں اور نہ دین اسلام کی ترقی کسی کی ذات سے وابستہ ہے۔

صداقت قرآن کی دلیل

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ
کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ

مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا تو اس میں ضرور پاتے

اِخْتِلَافًا كَثِيرًا ۸۲
بہت اختلاف

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ
کیا نہیں وہ غور کرتے قرآن اور اگر ہوتا

مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
سے پاس سوائے اللہ ضرور پاتے اس میں

اِخْتِلَافًا كَثِيرًا ۸۲
اختلاف بہت

گزشتہ آیات میں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، حضور کی اطاعت اور کامل فرمانبرداری کے متعلق بہ آیات بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں اعلان فرمادیا جس نے میرے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے میری اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی۔ وہ میرا فرمان قرار پایا۔ ساتھ ہی سمجھا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف یہ بات دل سے نکالیں کہ وہ ان کا یا ان کے دین کا کچھ نقصان کر سکیں گے۔ اللہ کار ساز کافی ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ منکروں کو ان کی لائی ہوئی کتاب پر کوئی شک و شبہ ہے۔ ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صداقت اور اس کے کلام ہونے کے بارے میں بے شمار دلائل دیے۔ چنانچہ پہلے ہی پارے میں انہیں کھلا چیلنج دیا۔ اگر اسے میرا کلام نہیں مانتے بلکہ انسانی کلام سمجھتے ہو تو تم سب مخالف مل کر ایسی ایک آدھ سورہ ہی بنا لاؤ۔

یہاں ایک اور بالکل واضح اور منہ توڑ دلیل پیش کی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تم قرآن مجید اور اس کی صداقت کے سلسلہ میں غور و فکر نہیں کرتے ہو؟ اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا تو اس حقیقت کو خود ہی پالیتے کہ اس قدر ضخیم کتاب میں اول سے آخر تک کہیں کوئی اختلاف کی بات نہیں۔ اس کی کوئی آیت ایک دوسرے سے برعکس نہیں۔ اس کی تعلیم میں شروع سے آخر تک کہیں کوئی تضاد نہیں۔ اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو اس کے اندر اختلاف اور تضاد ضرور ہوتا۔

فدا سوچو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسانی کلام ہو اور اس میں ۶۶۶ سے زائد جملے، آیات، ہوں اور ان میں اس قدر ہم آہنگی ہو کہ کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہ ہو۔ نہیں۔ یہ کلام اللہ ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے۔ آؤ اسے مان کر کامیابی حاصل کرو۔

بے تحقیق افواہیں

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی امن یا ڈر کی خبر
اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

إِلَّا قَلِيلًا ۝۳۳

مگر تھوڑے سے لوگ

إِلَّا قَلِيلًا ۝۳۳

سب شیطان کے پیچھے ہولیتے

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو کسی گاؤں میں بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے لائے گاؤں کے لوگ اس کے آنے کی خبر سن کر استقبال کو نکلے۔ یہ سمجھا مارنے آئے ہیں فوراً اٹھا پھر آیا اور اگر مدینہ میں مشہور کر دیا کہ اس گاؤں کا اسلام سے پھر گئے ہیں شہر میں خبر پھیل گئی۔ آنحضرتؐ کو خبر بھی نہ ہوئی آخر جب آپ کو خبر پہنچی تو آپ نے اس کی تحقیق کی اور وہ خبر بالکل غلط نکلی۔

آیت میں کہا گیا ہے کہ لوگوں کو لازم ہے کہ جب ان کو کسی بات کی اطلاع ملے تو وہ کسی سے نہ کہیں سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ان لوگوں کے پاس جو بات کو پہنچنے اور اس کی تحقیق کرنے کا سلیقہ رکھتے ہوں جائیں اور سب سے پہلے ان کے پاس وہ خبر پہنچا دیں جب وہ تحقیق اور پیمانہ بین کر کے ان کی بابت کہہ دیں کہ صحیح ہے تب اسے عوام میں مشہور کریں۔

اس سے پہلے منافقوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اور ان کی چالوں کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔ یہاں ایک اور بڑی عادت بیان کی گئی ہے منافق تشویش پیدا کرنے والی خبریں اڑایا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں پریشانی پھیلے وہ اگر کسی بھید کی بات کو سن پاتے تو جھبٹ مشہور کر دیتے تاکہ اگر لڑائی کی خبر ہے تو مسلمانوں کے دشمن جو کتنا ہو جائیں اور اگر کوئی معمولی بات ہے تو مسلمانوں کی ہنسی اڑے یا لوگوں میں آپس میں نفرت یا حقارت پیدا ہو۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض ناشیخ مسلمان بھی ایسا کر بیٹھتے۔ ان سب سے کہا گیا ہے کہ ایسا نہ کرو بغیر تحقیق یونہی سنی سنائی

خبر اڑا دینا بے کار ہے اور اس میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جہاد اور اس کی ترغیب

ذَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا
 سوتوڑ میں راہ اللہ نہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائیگا مگر
 نَفْسِكَ وَحَرْصِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ
 جان کا اپنی اور تاکید مسلمانوں کو قریب ہے اللہ کہ
 يَكْفِيَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ
 دیکھنے لڑائی ان کی جو کافر ہوئے اور اللہ بہت سخت
 بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٢﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً
 لِّلَّهِ فَإِنَّهُ سَازِدَةٌ فِي جَوْهَرٍ كَرِيهٍ سَفَارِشِ
 حَسَنَةً يَّكْفِي لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ
 نیک ہوگا اس کیلئے حصہ اس میں سے اللہ جو سفارش کرے
 شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكْفِي لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا
 سفارش بری ہوگا ان کیلئے بوجھ اس میں سے
 وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيبًا ﴿٨٥﴾
 اور ہے اللہ ہر چیز کی قدرت رکھنے والا

مُكَلَّفٌ بِتَكْلِيفٍ ہے تکلیف کے معنی میں کسی پر کوئی بوجھ ڈالنا کسی کام کا ذمہ دار بنانا ایسا کام کرنے کے لیے کہنا جس کے کرنے پر جواب دہی کرنی پڑے
 مُكَلَّفٌ ذِمَّةً دَارًا اس سے بنا ہے یہاں لُكَلِّفُ سے مراد یہ ہے کہ تم سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔
 حَرْصٍ مِّنْهُمْ یعنی سے ہے تحریص کے معنی میں اُبھارنا کسی کام پر آمادہ کرنا۔ اِكْسَانًا اور تاکید کرنا
 تَنكِيلٌ نَكْلٌ سے ہے جس کے معنی میں عذاب و سزا تنکیل سے مراد عذاب کرنا اور سزا دینا ہے۔ یہ مصدر ہے۔
 پہلی آیتوں میں سمجھایا گیا تھا کہ لڑائی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ویسے بھی مرنا تو ہے پھر آدمی مردانہ طریقہ سے کیوں نہ مرے اس آیت
 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے اگر منافق جہاد کے لیے آمادہ نہ ہوں تو آپ پر واہ کرے خود نکل کھڑے ہوں ان میں کوئی ساتھ دے یا نہ دے ہاں
 ان کو لڑنے کی تاکید ضرور کرتے رہو تم صرف اپنے ذمہ دار ہو اور کسی کے نہیں۔ کہہ دینا تمہارا کام ہے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرنے والا ہے کیا عجب ہے کہ دشمن
 تمہارے نکلنے کے بعد عیب کے مارے لڑنے کو نکلے ہی نہیں۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے اسی پر بھروسہ کرو
 آگے ارشاد ہے کہ جو کسی نیک کام کی ترغیب دے گا تو اس کو بھی اس کے ثواب کا حصہ ملے گا اور جو کسی کو بُرائی کی ترغیب دے گا اس کو اس کے
 گناہ کی سزا کا حصہ ملے گا۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ کسی کام پر لوگوں کو آمادہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود ان کے سامنے اس
 کام کو گناہ شروع کر دے۔

نیکی کا بدلہ

وَإِذَا جِئْتُمْ بِثَبَّةٍ فَخَيُّوا بِأَحْسَنِ مِمَّا

اور جب دعا دیے جاؤ تم ساتھ ایسا کہے تو دعا در تم ساتھ بہتر کے اس سے

أَوْ رَدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

یا لو اڑوی بیشک اللہ ہے اوپر ہر چیز کے

حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِيكُمْ

اب کرنے وال اللہ نہیں کوئی مبود سوا اس کے بیشک جمع کر کے لا لیا منو

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ

موت دن قیامت نہیں شک اس میں اور کون

أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

زیادہ سچا سے اللہ بات میں

وَإِذَا جِئْتُمْ بِثَبَّةٍ فَخَيُّوا بِأَحْسَنِ مِمَّا

اور جب تم کو کوئی دعا دے تو اس سے بہتر دعا دو

أَوْ رَدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

یاد ہے، لڑا کر کہہ بیشک اللہ ہے اوپر ہر چیز کے

حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِيكُمْ

کرنے والا ہے اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں بیشک تم کو

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ

قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ

أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

زیادہ بات میں سچا ہے

تَحِيَّةٌ دعا اس لفظ کے اور بھی کئی معنی ہیں مثلاً تحفہ۔ نذرانہ کسی اچھی چیز کا پیشکش یا دعا اور سلام۔ یہاں اس سے مراد سلام یا دعا ہے۔ السلام علیکم کہنا مخاطب کو دعا دینا ہے اور اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اس کی سفارش کی کر وہ اسے سلامتی سے رکھے اس سے پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ جو کوئی کسی کی بہتری کی سفارش کرے گا۔ اُسے خود بھی اس بہتری کا حصہ ملے گا۔ یہاں یہ ارشاد ہے کہ جو تمہاری بہتری چاہے تم پر لازم ہے کہ تم بھی اس کی بہتری چاہو۔ بلکہ جو اس نے تمہارے لیے چاہا ہے۔ تم اس کے لیے اس سے بھی بہتر بنا ہو۔ اگر کوئی تم سے السلام علیکم کہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمہیں سلامت رکھے تو تم بھی اس کو یہی جواب دو اور کہو "وعلیکم السلام" یہ تو برابر کا جواب ہوا لیکن تم اس سے بڑھ کر بھی جواب دے سکتے ہو یعنی "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اللہ سلامت رکھے اور تم پر اس کی رحمت ہو۔ اور اگر سلام کرنے والا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے تو تم جواب میں کہو "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تو یہ اس سے بڑھ کر جواب ہوگا یعنی اللہ تمہیں سلامت رکھے اور تم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے۔

اگے ارشاد ہے کہ اللہ کے ہاں ہر چیز کا حساب ہے۔ اس کے ہاں کسی کی ذرا بھی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ بلکہ اس کا بدلہ دونوں جہاں میں ملے گا۔

تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ اس لیے وہ نیک کاموں کا جتنا چاہے بہتر سے بہتر بدلہ دے سکتا ہے۔ کوئی اُسے روکنے والا نہیں۔ اس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم سب کو مرنے کے بعد پھر زندہ کر کے قیامت کے دن زندہ کرے گا۔ دنیا میں نیکیوں کا بدلہ جو ملا سوا قیامت کے دن تو سب کو پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اور کوئی محروم نہ رہے گا۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کتنا ہے وہ ٹھیک ہوتا ہے بھلا اللہ سے زیادہ سچ بولنے والا کون ہوگا۔ اس لیے اس کے کہنے پر یقین لازم ہے۔

ایمان کا معیار

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةً وَاللَّهُ
 پھر کیا تم کو ایسے منافقوں کے دو گروہ ہو گئے اور اللہ نے
 أَذْكَسَ هُمْ بِمَا كَسَبُوا أَ تَزِيدُونَ أَنْ
 اللہ دیا ان کو سبب اس کے جو کمایا انہوں نے کیا ارادہ کرتے ہو تم کہ
 تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَبَسَّ يَضِلُّ اللَّهُ
 ہدایت کرو جسے گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ
 فَ لَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝۸۸ رَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ
 تو ہرگز نہ پائیں گے اس کے لیے راہ - وہ پسند کرتے ہیں کہ کافر ہو جاؤ تم
 كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ف لَا تَتَّخِذُوا
 جیسے کافر ہوئے وہ پس ہو جاؤ تم برابر پس بناؤ
 مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 ان میں سے دوست نہ بننا چھوڑ دوں، راہ اللہ

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةً وَاللَّهُ
 پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہیں اور اللہ
 أَذْكَسَ هُمْ بِمَا كَسَبُوا أَ تَزِيدُونَ أَنْ
 نے اللہ دیا ان کو ان کے اعمال کے سبب کیا تم جانتے ہو کہ
 تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَبَسَّ يَضِلُّ اللَّهُ
 اُسے راہ پر لادو جس کو اللہ نے گمراہ کیا اور جس کو اللہ
 فَ لَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝۸۸ رَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ
 گمراہ کرے تو ہرگز اس کیلئے کوئی راہ نہ پائیں گے وہ پسند کرتے ہیں کہ تم بھی
 كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ف لَا تَتَّخِذُوا
 کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں
 مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 سے تمہیں کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں وطن چھوڑ دیں۔

مُتَافِقِينَ۔ منافق کی جمع ہے جن کا ذکر بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ جتنا ہی اس کو کہتے ہیں جن کا ظاہر بالظن کیسا نہ ہو ظاہری برتاؤ
 بعض دکھانے کے لیے ہو یہ لوگ شروع اسلام میں دو قسم کے تھے ایک تو وہ جو زبان سے کہتے تھے ہم مسلمان ہیں مگر دل میں کافر تھے۔ دوسرے
 وہ جو کافر تھے لیکن مسلمانوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے تھے۔ یہاں سے دوسرے گروہ کا ذکر شروع ہونا ہے۔
 ابتدائے اسلام میں بعض لوگوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا لیکن مسلمانوں کے ساتھ محبت اور دوستی کاٹھتے تھے ان کی غرض یہ تھی کہ
 مسلمان جس وقت کافروں سے مقابلہ کریں تو ان کو دوست سمجھ کر چھوڑ دیں اور ان کے جان و مال کا نقصان نہ ہو۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی غرض
 صرف اپنے آپ کو نقصان سے بچانا اور مسلمانوں کو دکھ دینا ہے تو مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے۔ ایک کتا لٹھا کہ ان مطلب کے یاروں کو
 لٹا چھوڑو۔ دوسرا کتا تھا ہمارا کیا بگاڑتے ہیں۔ شاید ان میں سے دیکھا دیکھی کوئی مسلمان ہو جائے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان مطلب پرستوں سے ملنے جلنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ ان کے اعمال اس قدر خراب ہیں کہ ان کی وجہ سے
 اللہ نے انہیں اسلام جیسی نعمت سے محروم کر رکھا ہے اور کفر کی طرف لوٹا دیا ہے۔ جس کو اللہ اس کی شامت اعمال کی وجہ سے گمراہ کر دے۔
 سے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ مگر تم مسلمان ہو چکے ہو اور اللہ کا دین پھیلانے کے لیے
 بناؤ وطن تک چھوڑ چکے ہو۔ جب تک یہ بھی اللہ کے لیے وطن نہ چھوڑ دیں اور اس کے دین کے پھیلانے کے لیے مال، دولت، گھر بار، اہل
 سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ تم ہرگز ان سے دوستانہ نہ کرو۔

منافقوں سے جنگ

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَا حُذِرْهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ

پس اگر منہ موڑیں پس پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو

حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ

جہاں پاؤ تم ان کو اور نہ بناؤ انہیں سے

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۸۹ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ

کوئی دوست اور نہ مددگار اگر وہ لوگ جو ملے ہوتے ہیں

إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ

طرف اس قوم کے کہ ہے درمیان تمہارا اور وہ بیان ان کے عہد و پیمانہ

جَاءُكُمْ وَكُنتُمْ حَصِرْتُمْ فَحَدُّهُمْ أَنْ يَفْتَاتُكُمْ

یہ تمہارے پاس آئے ہیں کہ تنگ ہو گئے ہیں یعنی ان کے اسے کہ لڑیں وہ تمہارے

أَوْ يُفَاتُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

یا لڑیں وہ قوم اپنی سے اور اگر چاہتا اللہ

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقْتُمُوهُمْ

البتہ طاقتور سے دیتا ان کو تمہارے اور پس ضرور لڑتے وہ تم سے

فَلَقْتُمُوهُمْ فَانظُرُوا كَيْفَ تُفَاتُونَ

خاندان پکڑو اور امانت اٹھائے جو تین معنیوں میں استعمال ہوتا ہے بنانا۔ اختیار کرنا اور پکڑنا یا گرفت میں لینا۔ لا تَتَّخِذُوا نَبَاؤَہُمْ

کروا یہ بھی اسی مادہ سے نکلتا ہے۔

مِيثَاقٌ (عہد) وثوق سے ہے جس کے معنی ہیں بھروسا اور اعتماد رکھنا۔ ميثاق سے مراد وہ چیز ہے جس سے بھروسا اور اعتماد پیدا ہو جائے۔

اس سے مراد قول قرار بھی ہوتا ہے۔

سَلَّطَ (مسلط) سے ہے جس کے معنی ہیں قابو سے دینا۔ شیر کر دینا۔ غالب کر دینا اور زور سے دینا یہ انہی لوگوں کی بابت حکم ہے جن کا بیان اوپر کے سبق میں تھا۔

ارشاد ہے کہ جو لوگ کفر پر جمع ہوئے ہیں مسلمان نہ ہوں گے بلکہ دوسروں کو اور غلامتے رہیں گے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ بہر حال تم ان سے مسلمان بننے

اور ایسی قربانیاں کرنے کے لیے کہتے رہو جیسی تم نے کی ہیں اگر وہ نہ مانیں تو لڑائی کے وقت ان کا کچھ خیال نہ کرو اور قابو پاتے ہی انہیں پکڑ لو اور قتل کرو۔

ان کا یہ ملنا جلنا لڑائی میں ان کے کام نہ آئے گا کیونکہ یہ لوگ لڑنے میں تہلکے پکے بدخواہ اور دشمن ہیں اور جب موقع ملے گا اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

لڑائی کی حالت میں ان خود غرض لوگوں کو جہاں پاؤ مارو لیکن وہاں دوسورتوں میں تمہاری جان بچ سکتی ہے اول یہ کہ ان کا ان لوگوں سے

گھرا میل جول ہو اور صلح کا عہد و پیمانہ ہو جس کا تمہارے ساتھ عہد و پیمانہ ہو چکا ہے کیونکہ اس صورت میں بھی اس صلح کے عہد نامے میں داخل ہیں۔

دوسرے یہ کہ لڑائی سے تنگ آکر خود تم سے صلح کرنا چاہیں اس شرط پر کہ نہ ہم خود تم سے لڑیں گے نہ تمہارے خلاف اپنی قوم کا ساتھ دیں گے۔

۵۸۰

صُلحِ شِکْنوں سے جنگ

فَإِنْ اعْتَزَلْتُمْ وَرَأَيْتُمْ بِرَأْسِ يَدَيْكُمْ وَيُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوْمُ

پس اگر کنارہ کریں وہ تم سے سونہ لڑیں وہ تم سے اور ڈالیں وہ

إِلَيْكُمْ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ

تمہاری طرف صلح پس نہیں کیا اللہ نے تمہارے لیے ان پر

سَبِيلًا ۙ سَتَجِدُونَ الْآخِرِينَ يَرِيدُونَ أَنْ

راستہ مغترب پاؤ اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ

يَأْمَنُوا بِكُمْ وَيَأْمِنُوا قَوْمَهُمْ كَمَا رَدُّوا إِلَى

بیخوف رہیں تم سے اور بیخوف رہیں قوم سے اپنی جب کبھی ٹوٹے جاتے ہیں

الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَ

شرارت کی جا رہے ہیں اس میں پس اگر نہ کنارہ کریں وہ تم سے

يَلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ - وَيَكُونُوا أَيْدِيكُمْ

نہ ڈالیں تمہاری طرف صلح اور نہ روکیں ہاتھ اپنے

فِي دَعْوَانِكُمْ - وَاتَّقُوا اللَّهَ - وَاتَّقُوا

پس پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم ان کو

وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مِّبْيَانًا ۙ

اور یہ لوگ دی ہے ہم نے تمہارے لیے ان پر محبت ظاہر

فَإِنْ اعْتَزَلْتُمْ وَرَأَيْتُمْ بِرَأْسِ يَدَيْكُمْ وَيُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوْمُ

سوا اگر وہ تم سے یکسو رہیں پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں

إِلَيْكُمْ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ

تم پر صلح تو اللہ نے تم کو ان پر راہ نہیں

سَبِيلًا ۙ سَتَجِدُونَ الْآخِرِينَ يَرِيدُونَ أَنْ

دیں اب تم دیکھو گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن

يَأْمَنُوا بِكُمْ وَيَأْمِنُوا قَوْمَهُمْ كَمَا رَدُّوا إِلَى

میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی وہ ٹوٹا جاتے ہیں

الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَ

فساد لڑ رہے ہو اس میں شرارت لڑ رہے ہو اگر وہ تم سے یکسو رہیں

يَلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ - وَيَكُونُوا أَيْدِيكُمْ

اور نہ صلح پیش کریں اور نہ اپنے ہاتھ روکیں

فِي دَعْوَانِكُمْ - وَاتَّقُوا اللَّهَ - وَاتَّقُوا

تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ

وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مِّبْيَانًا ۙ

اور ہم نے دی ہے تمہارے لیے ان پر کھل سند

اعتزلتو کہ تم سے کنارہ کریں استعمال سے ہے جو عمل سے بنا ہے اس کے معنی میں کنارے جو جانا الگ ٹھکانا اور ستانے سے بچنا معزول اسی سے ہے۔ السلام صلح، اسلام تسلیم اور دوسرے کئی لفظ اس مادہ سے نکلتے ہیں۔ اس کے معنی سلمتی چاہنے اور پناہ دینے کے ہیں۔ یہاں السلام دوستی اور طلب کے علاوہ صلح کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

فِي دَعْوَانِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا اللَّهَ تَقِمْتُمْ وہم رتم انہیں پاؤ اس کا مادہ ثقیف ہے جس کے معنی پانا اور ہاتھ لگنا ہیں مقصد یہ ہے کہ جب جنگ کا اعلان ہو جائے تو جہاں کہیں دشمن کو پاؤ اسے نہ چھوڑو۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم امن کے عام زمانہ کے لیے نہیں بلکہ حالت جنگ کے لیے ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ اگر صلح کرنے کے بعد اس کی پابندی کریں اور لڑائی چھوڑ دیں اور صلح کے ساتھ رہیں تو تمہیں ان کے ستانے کی اجازت نہیں۔ اس کے بعد ان منافق کافروں کے ایک گروہ کا ذکر ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تم سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے اور تم سے عہد کر لیتے ہیں کہ تم سے نہ لڑیں گے لیکن جب دیکھتے ہیں کہ تمہارے دشمن بڑھ رہے ہیں عہد و پیمانہ کا کچھ خیال نہیں کرتے اور تمہارے دشمنوں سے جا ملتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر صلح توڑ کر لڑنے کے لیے آجائیں اور دست درازی شروع کر دیں تو تم بھی ان سے لڑو اور جہاں تک تمہارا قابو چلے ان کا قلع قمع کرو۔ کیونکہ تمہارے پاس ان کے خلاف کھلم کھلا محبت ہے کہ یہ لوگ عہد توڑ چکے ہیں۔

نادانستہ قتلِ مسلم کی سزا

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

اور نہیں ہے کسی مسلمان کے قتل کرے مسلمان کو مگر خطا سے اور جو تکرے مسلمان کو چوکے پس آزاد کرنا ہے رقبہ مؤمنہ۔ و دینہ مسلمہ۔ الیٰ اہلہ۔ گردن مسلمان اور بدلے کا مال سونپا ہوا طرف اس کے گھر والوں کے۔

إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ اور اگر ہے سے قوم دشمن لگم۔ و هو مؤمن فتحیر رقبہ مؤمنہ۔ تمہاری اور وہ مسلمان ہیں پس آزاد کرنا گردن مسلمان

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

اور مسلمان کا کام نہیں کہ مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو مسلمان کو قتل کرے تو ایک مسلمان رقبہ مؤمنہ و دینہ مسلمہ الیٰ اہلہ کو آزاد کرے اور خون ہما پہنچائے اس کے گھر والوں کو۔

إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول ایسی قوم میں تھا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور وہ خود مسلمان تھا تو آزاد کرے گردن ایک مسلمان کی۔

تَحْرِيرُ (آزاد کرنا) یہ مصدر ہے اور اس کا مادہ تَحْرُجُ ہے جس کی جمع احرار ہے حر کے معنی آزاد ہوتے ہیں۔ رَقَبَةٌ (گردن) یہاں اس لفظ سے مراد غلام ہے۔ چوتھو غلام کی گردن اس کے مالک کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ دِيَةٌ (خون ہما) یعنی وہ مال جو خون کے بدلے مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ يَصَّدَّقُوا (وہ معاف کر دیں) لفظ صدقہ سے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں اور اس سے خون ہما نہ لیں تو یہ ان کی طرف سے صدقہ ہوگا۔

اس سے قبل دھوکہ باز، شریر، دغا باز منافقوں سے لڑنے کی ہدایت تھی اور لڑائی میں غلطی یا بھول چوک سے کسی مسلمان کا قتل ہو جانا بھی ممکن ہے اس لیے ایک مسلمان کو غلطی سے یا چوک کر قتل کرنے کی سزا بتادی۔

ارشاد ہے کہ یہ تو مسلمان سے توقع ہو ہی نہیں سکتی کہ مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا۔ ہاں اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ مقتول مسلمان (۱) اپنے ہی ملک اور قوم کا ہے یا (۲) کسی دوسری ایسی قوم یا غیر ملک کا ہے جو مسلمان نہیں لیکن تمہارے ساتھ اس کا صلح کا عہد و پیمان ہو چکا ہے (۳) کسی ایسی کافر قوم کا ہے جس سے کوئی صلح کا عہد و پیمان نہیں۔ بلکہ لڑائی اور دشمنی ہے۔

اگر اپنا ہے تو قاتل ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون کے بدلے کا روپیہ دے جو حنفیوں کے ہاں دو ہزار سات سو چالیس روپیہ کے قریب ہوتا ہے۔ اگر عہد و پیمان والی قوم سے ہے تو بھی ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اس کے کافر وارثوں کو خون ہما لے اگر دشمن قوم کا ہے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے۔ خون ہما دینا لازم نہیں۔

قتل عمد کی سزا

وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ

اور اگر ہے سے قوم درمیان تمہارے اور درمیان ان کے عہد

فَدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

بدلہ سونپا ہوا طرت اس کے گھرانے اور آزاد کرنا گردن

مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

مسلمان پس جو نہ پائے پس سزہ درمہینہ

مُتَابِعِينَ ذُو تَابَةٍ مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ

گاتار تو یہ طریقہ سے اللہ کی جانب اللہ ہے اللہ

عَلِيمًا حَكِيمًا ۹۲ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا

جاننے والا حکمت والا اور جو قتل کرے مسلمان کو جان بوجھ کر

فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ

سزا اس کو سزہ پڑا رہنے والا اسی میں اور غضب ناک ہوا اللہ

عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاعْدَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۹۳

اس پر اور لعنت کی اس پر اور تیار کیا اس کیلئے عذاب بڑا

وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ

اور اگر ایسی قوم میں سے تھا کہ تم میں اور ان میں عہد ہے

فَدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

تو خون بہا پہنچائے اس کے گھرانوں کو اور گردن آزاد کرے ایک

مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

مسلمان کی پھر جس کو میر نہ ہو تو درمہینے کے سزہ

مُتَابِعِينَ ذُو تَابَةٍ مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ

متواتر رکھے اللہ سے گناہ بخشوانے کو اور اللہ جاننے

عَلِيمًا حَكِيمًا ۹۲ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدًّا

دالا حکمت والا ہے اور جو کوئی مسلمان کو جان کر قتل کرے

فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ

تو اس کی سزا دوزخ ہے اسی میں پڑا رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب

عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاعْدَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۹۳

اور اس کی لعنت ہوتی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا۔

ذکر تورات میں مہینہ اور متتابعین (متواتر دو ماہ) شہرین کا واحد شہر ہے۔ اس کے معنی ہیں مہینہ اور متتابعین کے معنی ہیں لگاتار اور مسلسل یعنی ایک

دوسرے سے ایسے متصل اور ملے ہوئے کہ درمیان میں کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے۔

مُتَعَدًّا ا جان کہ اللہ اس کا مادہ ہے جس کے معنی قصد اور ارادہ ہیں اور قتل عمد سے مراد ہے جان بوجھ کر کسی کو قتل کرنا اس لیے کہ ادا نہ اور دھوکہ سے قتل ہو جانے کی سزا مختلف ہے۔

اس آیت کے پہلے حصہ کا بیان پچھلے سبق کے آخر میں ہو چکا ہے کہ اگر مقتول مسلمان عمد و پیمان والی قوم میں سے ہے تو کیا کرنا چاہئے دوسرے حصہ میں ارشاد ہے کہ اگر قاتل مفلس ہے نہ اس کے پاس لونڈی غلام ہیں کہ آزاد کرے نہ پیسہ ملے ہے جو تاوان بھرے تو اس کو چاہئے دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے جب کہیں جا کر اس کی توبہ قبول ہوگی کیونکہ یہ جرم ایسا نہیں جو آسانی سے معاف ہو جائے مگر مال نہیں تو جان پر تہمتی جھیلو اور زیچ میں ناغہ کیے بغیر پوسے دو مہینہ کے روزے رکھو۔

آگے کی آیت میں اس مسلمان کی سزا کا ذکر ہے جو دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قصد کر کے اور ارادہ کر کے قتل کرے یہ جرم ایسا نہیں کہ کفارہ دینے سے بچھا چھوٹ جائے اس کی سزا آخرت میں یہ ہوگی کہ یہ شخص دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے بڑا سخت عذاب تیار ہے اور دنیا میں جو اس سے قصاص لیا جائے گا جس کا حکم سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے وہ الگ رہا۔

ان آیتوں میں مسلمان کو مسلمان کے قتل کرنے کا ذکر ہے اگر مہول جو کہ مائے تو اس کا وہ کفارہ دینا ہوگا جس کا ذکر پچھلے سبق میں گزرا یا اگر مفلس ت تو روزے رکھنے ہوں گے جس کا اس سبق کے پہلے حصے میں ذکر ہے اور اگر جان بوجھ کر مارے تو اس کی سزا جہنم اور خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔

جہاد میں قتل کے اندر احتیاط

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا خَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

لے وہ لوگو جو ایمان رکھتے ہو جب سفر کرو تم بیچ راہ اللہ

فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ

پس سوچو سمجھو اور نہ کہو تم اسے اس کے کڑالے تمہاری طرف سلام

لَسْتَ مُؤْمِنًا تَتَّبِعُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

نہیں تو مسلمان چاہتے ہو تم سامان زندگی دنیا کا

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ

پس نزدیک اللہ کے غنیمتیں بہت اس کے مانند تھے تم

مَنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا

اس سے پہلے پھر انسان کیا اللہ نے تم پر پس تحقیق کرو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٦﴾

بیشک اللہ ہے ساتھ اس کے جو کرتے ہو تم خبردار

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا خَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

لے ایمان والو جب اللہ کی راہ میں سفر کرو

فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ

تو تحقیق کرنا اور اس شخص کو جو تم کو سلام عیب کرے

لَسْتَ مُؤْمِنًا تَتَّبِعُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم دنیا کی زندگی کا اسباب چاہتے ہو

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ

سو اللہ کے یہاں بہت غنیمتیں ہیں تم بھی تو ایسے ہی تھے

مَنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا

اس سے پہلے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا سوا ب تحقیق کرو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٦﴾

بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

خبردار (سفر کرو) غریب سے بنا ہے جس کے ایک معنی مارنا ہیں اور دوسرے معنی چلنا پھرنا۔ سفر کرنا بھی ہیں اور یہاں ہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

الفی القاسم ہے جس کے معنی ہیں ڈانٹا کسی کے سامنے کوئی بات کہنا کسی کی طرف کوئی چیز پھینکنا یا زبان سے اس کے منانے یا سمجھانے کے لیے کچھ کہنا۔

عرض مال۔ سامان اس کے لفظی معنی ہیں سامنے پڑی ہوئی چیز۔ یہاں زندگی کی عام ضرورت کی اشیاء مراد ہیں۔

مغانم غنیمتیں منعم کی جمع ہے جو غنیمت سے بنا ہے اور جس کے معنی ہیں مشقت ہاتھ لگی ہوئی چیز۔ مغفوت ملا ہوا مال اور دشمن سے چھینا ہوا سامان۔

تبیَّنوا تحقیق کرو (بیان سے بنا ہے اور یہاں اس کا مطلب ہے چھان بین کر کے سمجھ کر رائے قائم کرنا۔

ارشاد ہے کہ جب لڑائی کے لیے گھر سے نکلو تو بغیر سوچے سمجھے اور بے تحقیق کیے کوئی کام نہ کرو۔ اور جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے

اُس کو سمجھ کر کہ یہ جان بچانے کا بہانہ کرتا ہے۔ یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ اور اس کے مال لینے کے لیے اسے قتل کرو۔ تم اس ذرا سے مال

پر قبضہ کر کے کیا کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمنوں کا مال اسباب بہت کچھ دلوادے گا۔ اس کے پاس کمی نہیں ہے جو لڑائی کے وقت

اپنا اسلام کسی طریقہ سے ظاہر کرے۔ اس سے فوراً ہاتھ روک لو۔ اسلام سے پہلے تو تم ذرا ذرا سا مال لینے کے لیے بے دھرم قتل کر ڈالتے تھے۔

اب تم اسلام لے آئے ہو تمہیں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مال کے لالچ میں کسی کو قتل نہ کرو۔ تمہیں یہ حق نہیں کہ جو لڑائی میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر

کرے اس پر جان بچانے کے بہانے کا الزام لگا کر مار ڈالو۔ اللہ کو تم سب کے کاموں کی خبر ہے اور وہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اس لیے جس کے قتل کا وہ حکم کرے اسے قتل کرو۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ اس نے اسلام جان بچانے کے لیے اختیار کیا ہے یا یہ

مجاہدوں کے درجات

لَا يَسْتَوِي الْقَعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۙ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۙ

نہیں برابر بیٹھ رہنے والے سے مسلمان سوا عذر والوں کے اور جہاد کرنے والوں میں راہ اللہ ساتھ اپنے مال اور جانیں بڑھایا اللہ جہاد کرنے والوں کا ساتھ اپنے مالوں اور جانوں کے اوپر بیٹھ رہنے والوں کے درجہ میں اور ہر ایک وعدہ اللہ بھلائی اور زیادہ دیا اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اوپر القاعدین۔ اجر عظیماً ۹۵ درجہ سے اس کی طرف اور بخشش اور مہربانی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

لَا يَسْتَوِي الْقَعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۙ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۙ

برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہیں اپنے مال اور جان سے اللہ نے لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے اور جانیں بڑھایا اللہ جہاد کرنے والوں کا ساتھ اپنے مالوں اور جانوں کے اوپر بیٹھ رہنے والوں کے درجہ بڑھا دیا اور اللہ نے ہر ایک وعدہ اللہ بھلائی اور زیادہ کیا اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ القاعدین اجر عظیماً ۹۵ درجہ سے اس کی طرف اور بخشش اور مہربانی اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ہے

غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ (جنہیں کوئی عذر نہ ہو) غیر کے معنی ہیں سوا۔ اولیٰ کے معنی والا۔ اور ضرر کے معنی ہیں نقصان۔ یعنی وہ لوگ جنہیں کوئی عذر نہ ہو۔ وہ ہٹے کٹے اور لڑنے کے قابل ہوں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کے برابر وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں جو جہاد سے جی چراتے ہیں اور گھروں میں جان بچائے بیٹھے ہیں۔ جسم کے کمزور۔ ضعیف۔ بیمار۔ اپاہج اور مفلس تو مجبور سہی۔ تندرست اور استطاعت رکھنے والوں کو کیا عذر ہو سکتا ہے وہ لوگ جو راہ حق میں مال لٹانے کو تیار ہوں ان سے ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔ ان کے درجات بلند ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص مغفرت اور رحمت کے مستحق ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں۔ جو وقت آنے پر مسلمانوں کو بچانے اور اللہ کے دین کی حمایت کرنے کے لیے لڑنے کو تیار ہوں۔ ان لوگوں کے ہوتے ہوئے سب پر لڑائی کے لیے نکلنا فرض نہیں۔ ہاں یہ فرض ضرور ہے کہ ایسی لڑنے والی جماعت کی تیاری میں مدد دیں۔ اور اگر ایسی جماعت نہ ہو تو پھر سارے مسلمان گنہگار ہوں گے۔

مظلوموں کے لئے ہجرت

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُم الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ
 وہ لوگ جن کی جان فرشتے اس حالت میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنا برا کر رہے ہیں
 قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي
 ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم بے بس تھے
 الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً
 اس ملک میں فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی
 فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ
 کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے ہیں ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے
 وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۙ إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنْ
 اور وہ بہت بری جگہ پہنچے مگر جو بے بس ہیں
 الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَطِيعُونَ
 مردوں اور عورتوں اور بچوں سے جو نہیں کر سکتے
 حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۙ فَأُولَئِكَ عَسَى
 کوئی تدبیر اور نہ ہانتے ہیں کہیں راستہ سوا امید ہے کہ اللہ
 اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۙ
 ایسوں کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُم الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ
 بیشک وہ لوگ کہے جیتے ہیں ان کو فرشتے - ظلم کرتے ہوئے اپنی جانوں پر
 قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي
 کہتے ہیں فرشتے کس حال میں تھے تم؟ وہ کہتے تھے ہم کمزور
 الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً
 زمین کے فرشتے کہتے ہیں کیا نہ تھی زمین اللہ پھیلے ہوئی
 فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ
 پس ہجرت کرتے تم اس میں پس یہ لوگ ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے
 وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۙ إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنْ
 اور بری ہے وہ پہنچنے کی جگہ مگر بے بس لوگ سے
 الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا يَسْتَطِيعُونَ
 مردوں اور عورتوں اور بچوں نہیں کر سکتے
 حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۙ فَأُولَئِكَ عَسَى
 کوئی تدبیر اور نہیں پاتے راستہ پس یہ لوگ امید ہے
 اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۙ
 اللہ کہ معاف کر دے ان سے اور ہے اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا

ادھر کی آیتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ایمان لانے اور قرآن مجید کو رہنما ماننے کے بعد چھپ چاپ بیٹھ رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان آیات میں ان لوگوں کو اپنے حق میں برائی کرنے والا یعنی ظالم کہا ہے جو لوگ دل میں ایمان رکھتے ہیں لیکن کلم کھلا قرآن کے احکام پر عمل نہیں کرتے وہ اپنا سنیاتاس کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے فرشتے ان کی جان نکالتے وقت پوچھیں گے۔ کہ تم پر جب قرآن مجید کی سچائی ظاہر ہو گئی تھی پھر آج خالی ہاتھ کیوں جا رہے ہو۔ نیک اعمال تمہارے ساتھ کیوں نہیں اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔ آخر کہیں گے ہم کیا کرتے ہم تو دوسروں سے دبے ہوئے تھے۔ ہم میں ان لوگوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ کمزور اور ضعیف تھے۔ مجبور تھے فرشتے کہیں گے کیا خوب اللہ کی بنائی ہوئی زمین اتنی وسیع پڑی تھی ان زبردست لوگوں میں سے نکل کر کہیں اور چلے گئے ہوتے۔ جہاں تمہیں اپنے دین پر عمل کرنے کا سبب روک ٹوک موقع تھا۔ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا کیونکہ یہ ان کا اپنا ہی قصور تھا۔ ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے جو مثبت بُرا ٹھکانا ہے۔ ہاں بیمار مرد۔ عورتیں بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر سوجھتی ہے نہ راستے معلوم ہیں۔ نہ کام کرنے کے قابل ہیں ان کا عذر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور امید ہے کہ اللہ ان کو معاف کر دے گا۔

مہاجر فی سبیل اللہ

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي
اور جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے گا وہ پائے گا زمین
الْأَرْضِ مَرْغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ
زمین پناہ کی جگہ بہت اور فراخی اور جو نکلے
مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ
سے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہو تو اللہ اور اس کے رسول کے لیے
يُذْرِكْهُ اللَّهُ - الْمَوْتُ قَدْ وَقَعَ - اجْرًا - عَلَى
آئے اس کو موت تو بیشک مقرر ہو چکا تو اب
اللَّهُ - وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا
اللہ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

سَعَةً (گنجائش) فراخی اور کثائش بھی اس کے معنی ہیں یہاں مددزی اور رزق کی وسعت اور دین پر عمل کرنے کی فراخی مراد ہے۔
يُذْرِكْ (پلے) ادراک سے ہے جس کے معنی ہیں کسی کو آکر بکڑ لیتا۔ حاصل کرنا اور سمجھ لیتا۔ یہاں آکر کپڑ لینا مراد ہے۔
وَقَعَ (آپڑا۔ لازم ہو گیا) وقوع سے ہے جس کے معنی ہیں واقع ہونا۔ یہاں اس کے بعد علی ہے۔ اس لیے لازم ہونے کے
معنی مراد ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں۔ کام ٹھہر پڑا۔ یعنی مجھے اس کا کرنا ضروری اور لازم ہو گیا۔
پہلی آیتوں میں کہا گیا ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہے اس کے لیے مسلمانوں کا ساعل ضروری ہے۔ یہ غذا کسی تندست اور کام کرنے
کے قابل آدمی سے نہ نجا جائے گا۔ کہ ہم تو دوسرے سے دبے ہوئے تھے اور ظالم لوگ ہمیں نیک کام نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس لیے اُن سے کہا
گیا تھا اگر تم ایسے ملک میں پھنس جاؤ جہاں کے لوگ تمہیں دین پر نہ عمل کرنے دیں تو وہاں سے اپنا بدھنا بوری بستر، باندھو اور کسی آزاد ملک میں جا کر
رہو۔ جہاں اپنے کام آزادی سے کر سکو۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ کسی کو یہ خوف نہ ہونا چاہیے کہ یہاں سے اگر کہیں اور چلا جاؤں تو کیا خبر کہیں جگہ ملے یا نہ ملے اور کھا اپنا
میسر ہو یا نہ ہو۔ تسلی دی گئی کہ اگر تم اللہ کے دین پر آزادی سے عمل کرنے کے لیے ایسا وطن جہاں تم گھٹ کر رہتے ہو۔ چھوڑ دے تو تمہیں بہت
آرام کی جگہیں اور بہت سارے نیکے گا جو شخص سے دل سے اللہ کی خاطر اور اس کے حکم کے مطابق کام کرنے کی خاطر گھر بار اور وطن چھوڑا
اللہ اس کو پریشان نہ ہونے دے گا۔ کھانے پینے کی تنگی اس کے لیے نہ ہوگی۔ تم خالص اللہ کے لیے کام کر کے تو دیکھو۔ اللہ ضرور تمہیں پریشانی
سے بچائے گا۔ اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ مائے میں مر گئے تو کیا ہوگا۔ تو یقین رکھو کہ اللہ کے اوپر تمہیں اجر اور اچھا بدلہ دینا ایسی صورت میں لازم
ہو گیا۔ کیوں کہ تم اس کے خیال سے وطن سے نکلے ہو۔ اللہ تو قصور معاف کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

سفر میں نماز قصر

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
اور جب تم مک میں سفر کرو تو تم پر گناہ
جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنْ
نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کرو اگر
خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنْ
تم کو ڈر ہو کہ تم کو کافر ستائیں گے بیک
الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝۱۱
کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
اور جب سفر کرو تم بیچ زمین کے پس نہیں تم پر
جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنْ
گناہ کہ کم کرو کچھ نماز اگر
خِفْتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنْ
ڈرو تم کہ ستائیں گے تم کو جو کافر ہوئے (کافر) بیشک
الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝۱۱
کافر ہیں تمہارے بے دشمن کھلم کھلا

تَقْصُرُوا (تم کم کرو) یہ لفظ قصر سے ہے۔ تصور: قاصر۔ تقصیر وغیرہ لفظ بھی اس سے نکلے ہیں۔ قصر کے معنی گھٹا دینا۔
اور کم کرنا ہیں۔ نماز قصر سے مراد چار رکعت نماز کو کم کر کے سفر میں دو رکعت ادا کرنا ہے۔
يُفْتِنُكُمْ (تمہیں ستائیں گے) فتنہ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں جھگڑا، افساد اور آزمائش یہاں مراد یہ ہے کہ کفار جھگڑا افساد
کر کے تمہیں ستائیں گے۔

پچھلی آیتوں میں جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا۔ اور ان دونوں میں سفر لازمی ہوتا ہے اس لیے اس رکوع میں سفر کی حالت میں نماز ادا
کرنے کی صورت بتلائی اور سفر کی حالت میں نماز کم کر دینے کی اجازت دی گئی اگر اس بات کا ڈر ہو کہ تمہارے دشمن تمہیں ستائیں گے
قبول نہیں کیا ہے اور ہر وقت تمہیں ستانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ سفر میں تمہیں ستائیں گے۔ تو نماز کو کچھ کم کر کے پڑھ لیا کرو کیونکہ کافر
لوگ تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں سمجھایا کہ یہ رعایت ہر سفر کے لیے ہے خواہ اس میں خطرہ ہو یا نہ ہو۔ آیت میں خطرہ
کا ذکر اس لیے ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی ان دنوں قبیلہ بنی نجار نے پوچھا کہ ہم لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں ہمارے لیے
نماز کا کیا حکم ہے۔ تو آپ نے ان کو بتایا کہ اللہ نے تمہارے لیے اپنے کرم و رحم سے آسانی کی ہے اور سفر کی حالت میں نماز کی رکعتوں میں کمی
کرنے کی اجازت دی ہے۔

سفر کے بارے میں حنفیوں کی تحقیق یہ ہے کہ کم سے کم تین منزل کا سفر ہونا چاہیے۔ اس سے کم کے اندر نماز میں کمی نہیں ہوگی
اور منزل وہ ہے جس میں پیدل آدمی یا اونٹ معمولی رفتار سے ایک دن میں طے کرتا ہے۔ اس کے بعد جب بھی آپ سفر پر جاتے تو چار
رکعت کے فرضوں کی نماز دو رکعت پڑھا کرتے تھے مگر جب دشمنوں نے اس پر بھی نماز کی حالت سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کرنے کی ٹھانی تو
ایک اور طرح ادا کرنے کا حکم ہوا جس کا ذکر اس سے آگے کی آیت میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز ایسی ضروری چیز ہے کہ کسی حالت میں بھی
جب تک بالکل ہی مجبوری نہ ہو جائے چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رعایتیں اور خصیتیں دی ہیں۔ لیکن چھوڑ دینے کی اجازت نہیں دی۔

نماز خوف

وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ
 اور جب ہو تو ان میں پھر قائم کرے تو ان کیلئے نماز
 فَلْتَقِمُوا كَأَيْفَةٍ مِّنْكُمْ مَّعَكُمْ وَلِيأْخُذُوا
 پس پلٹ کر اہم گروہ ان میں سے ساتھ تیرے اور چاہیے لے میں
 أَسْلِحَتَكُمْ فَاذْأَسْجُدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ
 ہتھیار اپنے پس جب سجدہ کریں تو چاہیے ہو جائیں سے
 وَرَائِكُمْ وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا
 پھر تم اور چاہیے آئے گروہ دوسرا کہ نہیں پڑھی نماز
 فَلْيُصَلُّوا مَعَكُمْ وَلِيأْخُذُوا جِذْرَهُمْ وَ
 انہوں نے پس پڑھیں نماز ساتھ تیرے اور چاہیے لے میں سچاؤ اپنا اور
 أَسْلِحَتَهُمْ
 ہتھیار اپنے

وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ
 اور جب تو ان میں موجود ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے
 فَلْتَقِمُوا كَأَيْفَةٍ مِّنْكُمْ مَّعَكُمْ وَلِيأْخُذُوا
 تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہمارے ساتھ لے میں
 أَسْلِحَتَكُمْ فَاذْأَسْجُدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ
 اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کریں تو ہتھیار ہائیں
 وَرَائِكُمْ وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا
 تیرے پاس سے اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں
 فَلْيُصَلُّوا مَعَكُمْ وَلِيأْخُذُوا جِذْرَهُمْ وَ
 پڑھی پس وہ تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنا سچاؤ اور ہتھیار ساتھ
 أَسْلِحَتَهُمْ
 لے میں

طَائِفَةٌ (گروہ) جماعت اور ٹولی کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد فوج کا ایک حصہ ہے۔

وَرِئَاءِ (پاس) یہ لفظ کئی معنوں میں آتا ہے مثلاً آگے۔ پیچھے اور خواہ آگے ہو۔ یا پیچھے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ عسفان کی لڑائی میں حضور نبی اکرمؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر لڑنے کے لیے تشریف لے گئے عین مقابلہ کے وقت ظہر کا وقت آگیا۔ آپ نے پہلی آیت کے حکم کے مطابق سب کے ساتھ دو رکعت نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کی۔ لشکر کفار حیرت سے دیکھتا رہا وہ لوگ ایسے بے ہوش اور حیرت زدہ ہوئے کہ انہیں حملہ کرنے کا خیال بھی نہ آیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو خالد بن ولید نے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور کافروں کے لشکر کے سردار تھے۔ افسوس کے ساتھ اپنے لشکر والوں سے کہا کہ بڑی چوک ہو گئی جس وقت مسلمان صف باندھ کر نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آکر ان پر حملہ کرنے کا بہت اچھا موقع تھا۔ خیر یہ لوگ تنگ دیر میں پھر نماز پڑھیں گے اس وقت ان کا صفایا کر دیں گے۔ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی عصر کی نماز اسی کے مطابق پڑھی گئی اور کافروں کا مسلوبہ یونہی دھرا رہ گیا۔ ارشاد ہے کہ جب کفار سے مقابلہ ہو رہا ہو۔ اور نماز کا وقت آجائے۔ تو فوج کے دو حصے ہو جانے چاہئیں ایک حصہ کفار کے سامنے ڈنڈے ہے اور دوسرا حصہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے۔ جب یہ حصہ پہلی رکعت آپ کے ساتھ ختم کر لے اور سجدہ سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ آپ کے پیچھے سے ہٹ کر دشمن کے سامنے جا کر ٹاٹ جائیں اور وہ حصہ جو دشمن کے ساتھ کھڑا تھا آپ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے جب آپ سلام پھیر دیں تو یہ لوگ دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں اور پہلے لوگ آکر اپنی باقی ایک رکعت نماز اکیلے پوری کریں۔ اس کے بعد دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں اور دوسرے لوگ آکر اپنی باقی رکعت پوری کریں۔ اس نماز میں ضرورت کے مطابق چلنے پھرنے کی اجازت ہے۔ ضروری اسلحہ اور سچاؤ ہتھیار ساتھ رکھنے کا حکم ہے مثلاً تلوار، فہم، ڈھال، بندوق وغیرہ۔

احتیاط ضروری ہے

رَكَدَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ
 کانز چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے
 وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً
 اور اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کریں
 وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى
 اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو بارش سے
 مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا
 تکلیف ہو یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو
 أَسْلِحَتَكُمْ وَخَذُوا حِذْرًا إِنَّ اللَّهَ
 اپنے ہتھیار اور اپنا بچاؤ ساتھ لے لو بیشک اللہ
 أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۳﴾
 نے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا

دشمنانہ گزند اور آواز سے غافل رہنا۔ اسلحتکم
 ہتھیاروں کا نام ہے۔ کافر کاشناں سے ہتھیار اپنے
 ذلت سے پہنچانے کے لیے ایک طرف مائل ہونے کا
 اور اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کریں
 وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى
 اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو بارش سے
 مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا
 تکلیف ہو یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو
 أَسْلِحَتَكُمْ وَخَذُوا حِذْرًا إِنَّ اللَّهَ
 اپنے ہتھیار اور لے لو بچاؤ اپنا بیشک اللہ
 أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۳﴾
 تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب، ذلیل کرنے والا

قد (دست رکھا) وہ سے ہے جس کے معنی ہیں محبت کرنا پسند کرنا اور چاہنا۔ لفظ قدود بھی اس سے نکلا ہے۔

أَمْتِعَتِكُمْ اپنے سامان سے ہتھیار کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ضرورت کی چیز اور کام آنے والا سامان۔

يَمِيلُونَ (ٹوٹ پڑیں) میل سے بنا ہے میدان بھی اسی سے ہے جس کے معنی ہیں ایک طرف کو مھکننا۔ مثل ہونا یا حملہ کرنا اور ٹوٹنا
 مُهِينًا (ذلت دینے والا) اذت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ذلیل اور رسوا کرنا۔ یا کسی کو نیچا دکھانا۔

سفر کی نماز قصر کے بعد جنگ کی نماز خوف کا بیان ہو چکا ہے۔ اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔ اس حصے میں ارشاد ہے کہ لڑائی
 کی حالت میں ہر کام ہوشیاری اور احتیاط سے کرنا چاہیے جنگ کی حالت میں تمہیں نماز میں سہولت دی گئی ہے۔ پھر بھی دشمن کی چالوں کو
 دیکھ کر اور اس کے حملوں سے بچنے کی فکر کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ دشمن اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم ذرا بھی غفلت کرو تو وہ تم پر ایک دم
 ٹوٹ پڑیں۔ لہذا تم نماز میں بھی اپنے ہتھیار لگائے رہو۔ اور اپنے بچاؤ کا سارا سامان بدن پر لگائے رکھو تاکہ ان کو تمہاری تیاری دیکھ کر
 اچانک حملے کا موقع نہ ملے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے ہتھیاروں کا اٹھانا مشکل ہو جائے۔ اور ان کو اٹھا کر نماز نہ پڑھی جاسکے۔ مثلاً کوئی
 شخص زخموں سے چور ہو یا ہتھیار لگائے رکوع سجدہ کرنا تکلیف کا باعث ہو تو ہتھیار اتار کر رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تمہارا ہتھیار
 اتار دینا گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ حکم تمہیں اس لیے دیا جا رہا ہے کہ لڑائی کی حالت میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے دشمن کے ڈرانے کے لیے بچاؤ اور سامان پورا
 پورا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اس کے فضل کی امید رکھو اور یقین کر لو۔ کہ اُس نے ان کافروں کے لیے
 جو تمہیں کمزور سمجھ کر تم سے لڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں پست اور ذلیل و خوار کرنے والی سزا تیار کر رکھی ہے۔

نماز کے سوا ذکر الہی

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا
 پس جب پڑھ چکو تم نماز پس یاد کرو اللہ کھڑے
 وَرُكُوعًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأَنَّكُمْ
 اور بیٹھے اور اوپر پہلو اپنے کے پس جب بے خوف ہو جاؤ تم
 فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَإِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ
 پھر قائم کرو نماز بے شک نماز ہے
 عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّقْشُورًا ﴿۱۳﴾
 اوپر مسلمانوں کے فرض وقتوں پر
 فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا
 پھر جب نماز پڑھ چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے
 وَرُكُوعًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأَنَّكُمْ
 اور بیٹھے اور پہلوؤں پر (بیٹھے ہوئے) پھر جب خوف جاتا ہے تو
 فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَإِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ
 نماز درست کرو بیشک نماز مسلمانوں پر فرض
 عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّقْشُورًا ﴿۱۳﴾
 ہے اپنے مقررہ وقتوں میں

فَضَيْتُمْ (پڑھ چکو) قضا سے بنا ہے قضا کے معنی ہیں پورا کرنا۔ دے دینا اور فیصلہ کرنا یہاں قضا سے مراد نماز ادا کرنا ہے۔
 جُنُوبٌ - جنب کی جمع ہے۔ یعنی پہلو۔ کروٹ اور علیٰ جُنُوبِكُمْ سے مراد ہے کروٹ اور پہلو پر لیٹے ہوئے۔
 مَّقْشُورًا (مقررہ وقت) وقت سے یہ لفظ بنا ہے۔ یعنی وہ چیز جو وقت کی پابندی سے وابستہ ہو۔
 اذْكُرُوا اللَّهَ (اللہ کو یاد کرو) ذکر کے معنی یاد کے ہیں۔ ورد اور وظیفے کو ذکر اس لیے کہتے ہیں کہ اس طرح انسان مسلسل اللہ
 کے نام اور دعاؤں کو دہراتا ہے اور بار بار اُسے یاد کرتا ہے۔
 پچھلی آیت میں دشمن کے مقابلے اور حملہ کے خوف کے وقت نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا تھا۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں گھبراہٹ
 تنگی اور بے اطمینانی ضرور ہوگی۔ لیکن نماز تو جس طرح بھی ہو سکے وقت پر ادا کرنی ہے مگر چونکہ اس وقت اللہ کی یاد خوف اور گھبراہٹ
 کی وجہ سے پوری نہیں ہو سکتی اس لیے ارشاد فرمایا کہ نماز کے بعد جس حالت میں بھی ہو۔ اللہ کو یاد کرو۔ کھڑے۔ بیٹھے لیٹے اس کا
 ذکر کرو۔ اس کی یاد کے لیے کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

نماز سے مقصود اللہ کو یاد کرنا ہے سب طرف سے توجہ ہٹا کر اسی کی طرف متوجہ ہونا ہے اس لیے جب اطمینان کا زمانہ آئے
 اور لڑائی وغیرہ کا خوف جاتا رہے تو نماز کو یوں ادا کرو جیسے ادا کرنے کا حق ہے اس کے سارے رکن ٹھہر ٹھہر کر باقاعدہ ادا کرو۔ دل اللہ
 کی طرف لگانے کی کوشش کرو۔ جب نماز کا وقت آئے تو اس وقت کے لحاظ سے پورے پورے قاعدوں کی پابندی کے ساتھ نماز
 ادا کرو۔ البتہ اللہ کے ذکر کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ دل میں سہر وقت اللہ کا ذکر کر سکتے ہیں۔

ان آیات سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں جو ہمیں ہر دم پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ نماز ایک ایسا فرض ہے جو کسی صورت میں مل نہیں
 سکتا ہرج مرج اور بیماری ہو یا سفر ہو۔ امن کا زمانہ ہو۔ یا جنگ کا میدان نماز بہر حال ادا کرنی ہوگی۔ نماز میں رعایت ہو سکتی ہے معافی
 نہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔ نہ بے وقت نماز ہو سکتی ہے۔ نہ وقت پر ٹالی جا سکتی ہے۔

دشمن کو دھیل نہ دو

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا
اور نہ سستی کرو میں پیچھا کرنے مخالف قوم کے اگر ہو تم
تَالْمُونَ فَإِنَّ هُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ
لکھ اٹھاتے تو بیشک وہ بھی لکھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ تم لکھ اٹھاؤ
وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَ
اور امید رکھتے ہو سے اللہ جو نہیں امید رکھتے وہ اور
كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٣٢﴾
ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا
اور ان کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تم بے آرام ہو تو
تَالْمُونَ فَإِنَّ هُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ
تو وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جس طرح تم ہوتے ہو
وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَ
اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور
كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٣٢﴾
اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

۱۳۲

لَا تَهِنُوا (ہمت نہ ہارو) توہین سے ہے جس کے معنی ہیں سستی کرنا ڈھیلا پڑ جانا اور ہمت ہار دینا۔ یہاں یہ مراد ہے کہ سستی نہ کرو اور ہمت نہ ہارو۔
تَالْمُونَ (تم لکھ اٹھاتے ہو) یہ آلم سے ہے جس کے معنی دیکھ اور تکلیف کے ہیں۔ تالمون اور یالمون دونوں اس مادہ سے نکلے ہیں۔ ایک حاضر کا صیغہ ہے دوسرا غائب کا۔

وَتَرْجُونَ (تم امید رکھتے ہو) یہ رجاء سے ہے جس کے معنی امید اور خیال کے ہیں۔ ترجون اور یرجون دونوں اس سے جمع حاضر اور جمع غائب کے صیغے ہیں۔

مسلمانوں کو شروع میں لڑنے کا حکم نہیں تھا۔ بلکہ یہ حکم تھا کہ مکہ والے چاہے جتنا ستائیں تم اپنے ہاتھ روکے رہو۔ اور نماز اور زکوٰۃ ادا کیے جاؤ۔ لیکن جب کفار مکہ کا ظلم دستم حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو گھر بار چھوڑ کر مکہ سے مدینہ جانا پڑا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہیں پناہ لینا پڑی۔ اس پر بھی مکہ والوں نے ستانا نہ چھوڑا۔ تو چار مسلمانوں کو لڑنے کا حکم ہوا۔ اور جب ایک دفعہ لڑائی کا اعلان ہو گیا۔ تو پھر اس کے قاعدے بتائے گئے اور ہدایات دی گئیں۔

اس سورت میں ہمت پہلے سے لڑائی ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ جب فساد یوں نے لڑائی شروع ہی کر دی اور تمہیں لڑنا ہی پڑا۔ تو ان شریروں کو پوری پوری سزا دینی چاہیے۔ تاکہ ان کے فتنہ و فساد سے نجات ملے ان کی اگلی پھیلی باتوں سے یقینی طور پر نجات ہو چکا ہے کہ جب تک انہیں پوری پوری سزا نہ ملے گی۔ یہ نہ خود چین سے بیٹھیں گے۔ اور نہ کسی اور کو بیٹھنے دیں گے۔ لہذا لڑائی کے ساتھ ان سے لڑنا چاہیے۔ تمہاری طرف سے اس میں ذرا بھی سستی نہ ہونی چاہیے۔ لڑائی سے جو دکھ درد تکلیف تمہیں پہنچتے ہیں اسی طرح ان کو بھی پہنچتے ہیں۔ ان کا خیال نہ کرو۔ بلکہ اس جھگڑے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کی ٹھان لو۔

دکھ درد بے آرامی میں تم اور وہ برابر ہیں۔ لیکن اس پر بھی تم میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم کو اپنے اللہ سے ہر حال میں ایسی امید ہے جو ان کو نصیب نہیں تم اگر جیتے تو فازی اور مر گئے تو شہید اور دونوں حالتوں میں آخرت کے عیش و آرام کا لپکا وعدہ جس میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان کو فقط دنیا کے چند روزہ فائدے سے لڑنے پر اکسار ہے۔ چنگی کوئی بنیاد ہی نہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑ رہے ہو۔

طرفداری کے بغیر انصاف

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَىٰ اللَّهُ - وَلَا تَكُنْ
لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝۱۵۰ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ - إِنَّ
اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۵۱

بے شک ہم نے تیری طرف کتاب ساتھ سچائی کے تاکہ تو فیصلہ کرے
درمیان لوگوں کے ساتھ اس چیز کے کہ سمجھتے ہو تو
لوگوں میں انصاف کرے جو تجھ کو اللہ سمجھائے اور دغا بازوں
کی طرف سے جھگڑنے والا نہ ہو اور اللہ سے بخشش مانگ بیشک
اللہ بخشنے والا مہربان ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَىٰ اللَّهُ - وَلَا تَكُنْ
لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝۱۵۰ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ - إِنَّ
اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۵۱

بے شک ہم نے تیری طرف کتاب ساتھ سچائی کے تاکہ تو فیصلہ کرے
درمیان لوگوں کے ساتھ اس چیز کے کہ سمجھتے ہو تو
لوگوں میں انصاف کرے جو تجھ کو اللہ سمجھائے اور دغا بازوں
کی طرف سے جھگڑنے والا نہ ہو اور اللہ سے بخشش مانگ بیشک
اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تَحْكُمَ (تو فیصلہ کرے) حکم سے بنا ہے جس کے معنی فیصلہ کرنا اور کسی بات کے کرنے کیلئے کہنا ہیں یہاں فیصلہ کرنا مراد ہے
أَرَىٰ (تجھے سمجھائے) یہ لفظ ارادة سے بنا ہے جو رویت سے نکلا ہے اس کے معنی دیکھنے کے ہیں اور ارادة کے معنی
دیکھانے اور سمجھانے کے ہیں۔ اور یہاں انہیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

تَحْصِيمٌ (جھگڑا کرنے والا) کسی شخص کے لیے جھگڑا کرنا یا اس کے خلاف جھگڑنا یعنی اس کو گناہگار ٹھہرانے کی کوشش کرنا۔
کمزور ایمان لوگوں میں یہ لت ہوتی ہے کہ اگر کوئی گناہ کر بیٹھیں تو سزا سے بچنے کے لیے اسے دوسرے کے سرنگانے کی کوشش
کرتے ہیں تاکہ آپ بری ہو جائیں اور دوسرا پھنس جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے ہی ایک مسلمان نے کسی کے ہاں رات
کو نقب لگا کر آٹے کا بھرا ہوا ٹھیلہ اور کچھ ہتھیار چرائیے اور گھر لے گیا اتفاق سے ٹھیلہ پھٹا ہوا تھا۔ آٹا برابر راستے میں گرا گیا۔ اس نے سوچا
کہ گھر میں رکھا تو بکڑا جاؤں گا۔ راتوں رات وہ آٹا اور ہتھیار ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا۔ صبح ہوئی تو مالک گھر سے آٹے سے سرخ
لگا کر اس کے گھر پہنچا۔ لیکن مال اس کے گھر نہ نکلا۔ باہر آیا تو آگے بھی آٹا گرا ہوا نظر آیا۔ غرض یہودی کے ہاں پہنچا۔ اور اپنا مال اس کے گھر
پاکر اسے پکڑ لیا۔ یہودی نے کہا میرے پاس تو فلاں شخص امانت کے طور پر رکھ گیا ہے میں نے چوری نہیں کی چور نے اور اسکے کنبہ والوں نے کہا کہ یہودی چور ہے
جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا وہاں جا کر چور کے حمایتیوں نے قسمیں کھائی کہ یہ چور نہیں ہے یہودی چور ہے ان لوگوں کی گواہی
پر یہودی مجرم ٹھہرتا تھا اور آپ اس کے خلاف فیصلہ کرنے والے تھے کہ یہ اور اس کے آگے کی آئینیں اتریں اس سارے رکو ع میں اسی کا ذکر ہے۔
آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کو سچی اور ٹھیک باتیں بتانے کے لیے تجھ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے آپس کے
جھگڑوں کا فیصلہ اس کی روشنی میں اللہ کی ہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک کرے جھگڑنے والے نیک ہوں یا بد کافر ہوں یا مومن تجھے جھوٹے کو
جھوٹا اور سچے کو سچا ٹھہرانا چاہیے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے اور چونکہ نادانستہ اس کے برعکس ہونے کا خطرہ ہے اس لیے اللہ
سے مغفرت مانگنی چاہیے وہ غفور رحیم ہے۔

مُجْرِم کی کوئی حمایت نہیں

وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ
اور مت جھگڑا کرنے سے ان کے جو دغا کرتے ہیں اپنے آپ سے
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِمًا ١٠٤

بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا اسکو جو پرے درجہ کا دغا باز گنہگار
يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ
وہ لوگ شرماتے ہیں سے لوگوں اور نہیں شرماتے

مِنَ اللَّهِ رَءُوفٌ مَّعَهُمْ إِذْ يَبِيدُونَ مَا
سے اللہ اور وہ ساتھ ہے ان کے جب رات کو مشورہ کرتے ہیں جو
رَأَى يَرُؤُا مِنْ أَلْفِ لَيْلٍ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
کہ نہیں پسند کرتا وہ ایسی بات اور ہے اللہ اس کو جو

يَعْتَاوَنَ يَجِيءُ الْكَيْفَ وَاللَّيْلِ
وہ کرتے ہیں گھیرنے والا

وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ
اور ان کی طرف سے نہ جھگڑا جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِمًا ١٠٤

اللہ کو کوئی دغا باز گنہگار پسند نہیں
يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ
لوگوں سے شرماتے ہیں اور نہیں شرماتے

مِنَ اللَّهِ وَهُوَ سَعِيدٌ عَنِ الَّذِينَ يُبَيِّتُونَ مَا
اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں
لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
جس بات سے اللہ راضی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں

يَحْمِلُونَ مُجِيطًا ١٠٨
سب اللہ کے قابو میں ہے

لَا تَجَادِلْ دانت جھگڑا، یہ جہاد سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی کی طرف سے لڑنا اور اس کی حمایت میں بولنا جہاد اس کا مادہ
ہے لا تجادل کے معنی میں مت جھگڑا، حمایت اور طرف داری نہ کر۔

خَوَّانًا (بڑا دغا باز) خیانت سے نفاق ہے جس کے لفظی معنی بددیانتی کرنے کے ہوتے ہیں۔ خائن (خیانت کرنا والا) اس سے ہے۔

يَسْتَخْفُونَ اشرماتے ہیں، اس کا مادہ خفا ہے جس کے معنی چھپنا ہیں۔ یہ چھپنا ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے یا شرم کی وجہ سے یہاں آخری معنی مراد ہیں

مُجِيطًا (گھیرنے والا) یہ احاطہ سے بنا ہے مجیطا ایسے گھیرے کو کہتے ہیں جس سے باہر نہ نکلا جاسکے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ خائن لوگوں

کو یوں گھیرے ہوئے اور قابو میں لیتے ہوئے ہے کہ وہ اس کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتے۔

اس آیت کا شان نزول اس سے پہلی آیت کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک مسلمان نے چوری کی جس کا نام طعمہ تھا۔ چوری کا

مال جس یہودی کے پاس رکھوایا اس کا نام زید تھا جب چوری کا پتہ چلا تو طعمہ نے زید کو چور ٹھہرانا چاہا۔ صبح طعمہ اور اس کے حمایتی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور قسمیں کھائیں کہ چوری طعمہ نے نہیں کی زید نے کی ہے اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ آپ خائن اور اس کے

حمایتیوں کی طرف داری نہ کریں یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹ اور دغا بازی پر تھے ہوئے ہیں اور اللہ کو دغا باز اور شریر لوگ پسند نہیں یہ لوگ دہرے گنہگار

ہیں ایک تو چور کے بچانے کی کوشش کرتے ہیں دوسرے ایک بے گناہ شخص کے سرچرپی کا الزام لگا رہے ہیں یہ لوگوں سے تو ڈرتے اور شرماتے

ہیں۔ لیکن اللہ سے نہ ڈرتے ہیں نہ شرماتے ہیں حالانکہ وہ ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔

راتوں کو مشورہ لڑ کے ایسی بات طے کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں یہ لوگوں سے چھپ جاتیں لیکن اللہ سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔

استغفار

هَآأَنْتُمْ هُوَآءَ جَادَلْتُمْ عَنَّمْ فِى الْحَيَوٰةِ

سننے ہو تم لوگ تم ان کی طرف سے جھگڑا کرتے ہو دنیا کی

الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ

زندگی میں پس ان کے بدلے قیامت کے دن کون جھگڑے گا

الْقِيَمَةِ اَمْ مَّنْ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۱۰۹

یا ان کا کارساز کون ہو گا؟ اور

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ

جو کوئی گناہ کرے یا اپنا برا کرے پھر

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰

اللہ سے بخشوائے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا

هَآأَنْتُمْ هُوَآءَ جَادَلْتُمْ عَنَّمْ فِى الْحَيَوٰةِ

سننے ہو تم لوگ جھگڑیے ان کی طرف سے میں زندگی

الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ

دنیا میں کون جھگڑے گا اللہ ان کی طرف سے دن

الْقِيَمَةِ اَمْ مَّنْ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۱۰۹

قیامت یا کون ہوگا ان کی طرف سے وکیل اور

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ

جو کرے برا یا ظلم کرے نفس اپنے پھر

يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰

معافی مانگے اللہ پائے اللہ بخشنے والا مہربان

ہا د بات سنانے سے پہلے سننے والے کو متوجہ کرنے کا لفظ جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں خبردار۔ سنو۔ دیکھو۔ وغیرہ

جَادَلْتُمْ (جھگڑتے ہو) جدال مصدر ہے جدل اس کا مادہ ہے لفظی بحث کرنا اور جھگڑنا ہیں جادلتم اور یجادل دونوں فعل

اس مادہ سے ہیں۔

ناجائز طرفداری کرنے والوں کو کہا جا رہا ہے۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ دنیا میں اگر تم نے ایسے لوگوں کی طرف داری کر کے اور ان کی طرف

سے جیل و حجت کر کے انہیں ضرور کر دیا اور اپنے زعم میں بڑا کار نمایاں کیا۔ کہ ان کو سزا نہ ملنے دی اور رسوائی سے بچا لیا اور یہ کہہ کر اوروں

کو بھی اپنے ساتھ مالا لیا کہ یہ ایک مسلمان کا معاملہ ہے اور ایک یہودی کے مقابلے میں اس کی عزت آبرورکھنی ہے اگر ایک مسلمان کے

ذمے چوری لگ گئی تو کہیں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہے گی۔ اس لیے جس طرح ہو سکے اسے بچاؤ یہ اپنی عزت کا سوال ہے۔ عزت ایک

گئی تو پھر ہاتھ نہیں آتی اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ پورے نے تو جو کرنا تھا کیا تم غلط طریقے سے اس کی حمایت کر کے اپنے سرگناہ سے

رہے ہو۔ اور ایک بے گناہ کو ایک واقعی گنہگار کے بدلے پھانس رہے ہو۔ یہ سب کچھ تم نے باتیں بنا بنا کر اور دلوں کے دے دے

کر دنیا میں تو کر لیا لیکن قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے ہاں معاملہ پیش ہو گا تو وہاں مجرموں کی طرفداری کیسے کر دے اور وہاں تمہاری کیسے

یہاں کے حاکموں کو تو تم جھوٹی گواہیاں دے دے کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر دھوکا دے سکتے ہو۔ قیامت کے دن تو حاکم اللہ ہو گا اور وہ

ہر ایک کی رگ رگ سے واقف ہے وہاں کی رسوائی سے تم اپنے ان سہکنڈوں کے ذمے بچے کسی کو نہ بچا سکو گے وہاں ایسی وکالت کسی کی نہیں

چل سکتی ایسا کون ہے جو اس کے دربار میں ایسے لوگوں کا دلیل بنے گا اور جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا ٹھہرا دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے

کہ گنہگار شامت اعمال سے بے جا طرفداریوں اور دھوکے بازیوں کے ذریعے نہیں بچ سکتا۔ یہ خیال خام ہے۔ اس کے لیے فقط ایک راستہ ہے

کہ وہ سچے دل سے اللہ سے بخشش مانگے اور اپنے فسور کا اقرار کر کے معافی چاہئے۔

بُتْمَانِ اور تَمْتِ

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى
اور جو کمانے گناہ میں مرت کمانا ہے وہ اس کو پر
نَفْسِهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۱۱ وَ مَنْ
جان اپنی کے اور ہے اللہ جانتے والا حکمت والا اور جو
يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ
کمانے چھوٹا گناہ یا بڑا گناہ پھر پھینک مارے ساتھ
بَرِيئًا فَقَدْ أَحْتَلَّ - بَهْتَانًا ۖ وَإِنَّمَا صَبِينَا ۝۱۱۲
کسی گناہ کو پس تحقیق اٹھایا اس نے بوجھ تہمت کا اور گناہ کھلا ہوا

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى
اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی
نَفْسِهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۱۱ وَ مَنْ
حق میں اور اللہ سب کچھ جانتے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی
يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ
خطا یا گناہ کرے پھر تہمت لگائے
بَرِيئًا فَقَدْ أَحْتَلَّ - بَهْتَانًا ۖ وَإِنَّمَا صَبِينَا ۝۱۱۲
کسی بے گناہ بد تو اس نے اپنے سر طوفان دھرا اور صریح گناہ

يَكْسِبْ (کمانے) کسب اس کا مادہ ہے "کاسب" اسی سے اسم فاعل ہے اس کے لفظی معنی کمانے اور محنت کرنے کے ہیں
یہاں عمل کرنے اور ارتکاب کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔

یوڈیر (پھینکے) رمی سے بنا ہے اس کے لفظی معنی تیر پھینکنا ہیں۔ اور یہاں تہمت لگانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
اس آیت میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے جو بڑی توجہ اور غور کے قابل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے قصد اور ارادہ سے کوئی گناہ کرے گا
تو اس کا وبال اسی کے سر پڑے گا اور اس کی سزا اسی کو دی جائے گی اس سے جو نقصان پہنچے گا وہ اسی کی جان کو پہنچے گا اور اس کا نتیجہ اسی کو
بھگتنا پڑے گا۔ اس کے بدلے کسی اور شخص کو جو اس کے گناہ میں شریک نہیں ہے۔ اس کے گناہ کی سزا نہیں دی جا سکتی۔
کسی کے جرم کی سزا دوسرے کو ایسا ہی حاکم دے سکتا ہے جس کو اصل واقعہ کا صحیح علم نہیں ہونے پایا۔ اور مجرم کے طرفداروں اور
وکیلوں نے باتیں بنا کر جھوٹی گواہیاں دلوں اور مجرم کو بچا لیا اور کسی اور شخص کو اس کے بدلے مجرم ٹھہرا کر سزا دلوادی ایسا حاکم جس کو واقعات
سے صحیح نتیجہ نکالنا نہیں آتا اور عقل سے صحیح کام نہیں لے سکتا۔ جلدی اور گھبرائش میں بے سمجھے بوجھے اندھا دھند فیصلے کر دیتا ہے ایسے
شخص کو حکیم نہیں کہہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم بھی ہے اور حکیم بھی اس کے ہاں ایسا اندھیرا ناممکن ہے کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی بھگتے۔ وہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل مجرم کی اطلاع دے سکتا ہے پھر آپ کے آگے چور کو بری ٹھہرانا اور ایک بے گناہ کے سر چوڑی
لگانا کیا نفع دے گا۔

اس کے آگے ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص چھوٹا یا بڑا جرم کرے اور پھر اس کو دوسرے کے نام لگا دے تو اس نے اپنے
اصلی جرم میں ایک اور جرم کا اضافہ کر لیا اس لیے اس کو دہرا گناہ ہو گا ایک تو اس جرم کا جو اس نے کیا اور دوسرے اس تہمت کا
جو اس نے بے گناہ کے سر لگائی اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے دہری سزا ملے گی۔ اس لیے گناہ کے اعتراف اور توبہ استغناء
کے سوا مجرم کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

آنحضرت کی شان

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ
اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تجھ پر اور رحمت اس کی
لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَ
تو قصد کر ہی لیا تھا ایک گروہ نے ان میں سے کہ
مَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ
نہیں بہکاتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں مضر کر سکتے تیرا
مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
سے کچھ اور اتاری اللہ نے تجھ پر کتاب
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ
اور حکمت اور سکھایا تجھ کو جو نہیں تھا تو جانتا
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾
اور ہے فضل اللہ تجھ پر بہت بڑا

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ
اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی
لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَ
تو ان میں سے ایک جماعت قصد ہی کر چکی تھی کہ تجھ کو بہکادیں اور
مَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ
بہکا نہیں سکتے مگر اپنے آپ کو اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے
مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
اور اللہ نے تجھ پر کتاب اتاری اور
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ
حکمت اور تجھ کو وہ باتیں سکھائیں جو تو نہ جانتا تھا
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾
اور تجھ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے

فَضْلٌ (مہربانی) یہ لفظ مشہور ہے اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کے اصل معنی ہیں زیادہ یعنی کسی کو خاص مہربانی سے تیز
دنیا جو معمولی نعمات سے زیادہ ہو اور خاص تحفہ ہو۔

يُضِلُّونَكَ (بہکادیں) یہ اضلال سے ہے جس کے معنی ہیں کسی کو سیدھے راستہ سے ہٹا دینا۔

اس آیت کا رابطہ جب پہلی آیت سے قائم کریں گے تو یوں کہا جائے گا کہ چوری کے اصلی مجرم کے بارے میں اس کے حامیوں
کی گواہی اور قسمیں سن کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوچ میں پڑ گئے اور یہی خیال کیا کہ یہ سب لوگ جھوٹی گواہی کیا دیں گے۔
ان کی گواہی سے طعمہ کو بے گناہ ہی ماننا پڑے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعمہ کے حق میں
فیصلہ کر دیں اور بے گناہ خواہ مخواہ چور ٹھہرایا جائے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اے رسول ان لوگوں نے تو ٹھان ہی لیا تھا کہ تجھ سے غلط فیصلہ کرادیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی
اور رحمت سے تجھ کو بروقت اطلاع دی اور ایسا کام نہ کرنے دیا جو رسول اللہ کی شان کے خلاف ہو ان لوگوں نے سمجھا ہو گا کہ تجھ کو بہکا کر اپنا غلط
مطلب نکال لیں گے کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تیرا محافظ ہے وہ تجھ کو غلط باتوں سے بچانے والا ہے تیرے بہکانے کا ارادہ کر کے یہ تیرا کچھ نہیں
بگاڑ سکتے یہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اللہ نے تجھ پر قرآن مجید اتارا ہے اور اصل باتیں بتادی ہیں اللہ کا تجھ پر بہت بڑا کرم ہے وہ تجھ کو سیدھی
راہ سے کبھی نہیں ہٹتے دے گا اس نے تجھ ایسی صفات اور خوبیاں عطا کی ہیں جو سب بڑھی ہوئی ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ پر حکمت باتوں کا علم
دیا ہے یہ ناقص علم والے لوگ تجھے بہکانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

سرگوشی

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ

نہیں بھلائی میں بہت سے ان کے مشورے مگر جو

أَمْرٍ صَدَقَ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ

علم کرے سادھ صدقے یا نیک کام یا صلح صفائی درمیان

النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

لوگوں اور جو کرے یہ کام تلاش کرنے کے لیے رضامند

اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٣﴾

اللہ پس عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ

ان کے اکثر مشورے کچھ اچھے نہیں مگر جو کوئی

أَمْرٍ صَدَقَ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ

صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو کہے یا لوگوں میں صلح

النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

کرانے کو اور جو کوئی اللہ کی خوشی کے لیے یہ کام کرے

اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٣﴾

تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے

نَجْوَى (چپکے چپکے مشورہ) کا ناچھوسی اور سرگوشی کو "نجوی" کہتے ہیں قرآن مجید میں اسی بات کو ناپسندیدہ اور ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ محفل میں بیٹھ کر چند لوگ باہم کا ناچھوسی شروع کر دیں۔

اصلاح: دلاڑنے والوں میں ملاپ کر دینا۔ صلح سے ہے جس کے معنی میل ملاپ ہیں آپس کے جھگڑے مٹانا مراد ہے۔ بعض لوگوں کی عادت تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مجمع کے اندر کان میں چپکے سے آکر کچھ کچھ کہا کرتے تھے ان کی غرض یہ ہوتی کہ لوگ ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی اور بے تکلف دوست سمجھیں اور ہماری عزت کریں۔ اس آیت میں ان کی قلعی کھولی گئی ہے اور بہترین طریقے سے آدمیت کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس پر عمل کیا جائے تو آپس کی بدگمانی بڑے خیالات اور شک و شبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتے کلام مجید کے فرمان آدمی کے لیے آپس کے میل جول اور نیک سلوک کے نہایت اعلیٰ درجے کے ضابطے اور قاعدے ہیں ان کی پابندی کرنے والے یقیناً دنیا میں سب سے اچھے رہیں گے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ چھپ چھپ کے مشورے کرنے والے اور مجمع کے اندر کا ناچھوسی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ وہ کچھ کام کی بات کر رہے ہیں اس طرح کی بات چیت میں کوئی بھلائی نہیں اس طریقہ میں نقصان یہ ہے کہ اپنے ہی اپنوں میں اس طرح مشورہ کرنا کہ دوسروں کو شرکت کی بالکل ممانعت ہو ضرور دوسروں کے دل میں مشورہ کرنے والوں کی طرف سے بدگمانی پیدا کرے گا خاص کر مجمع کے اندر اگر کوئی دوسرے کے کان میں اس طرح بات کرے کہ دوسرے یہ سمجھیں کہ یہ ہم سے چھپاتا ہے تو ان کا خیال اس کی طرف سے ضرور خراب ہوگا اور اکثر یہی خیال کیا جائے گا کہ ضرور ہماری برائی ہو رہی ہے اس لیے ایسی کا ناچھوسی مضر چیز ہے صرف تین صورتوں میں ایسا کرنا مناسب ہے۔

(۱) کسی ضرورت مند کو کچھ دینے کے لیے دوسرے سے کہنا ہے تو وہ چپکے سے بہتر ہے تاکہ ضرورت مند رسوا اور شرمندہ نہ ہو۔ (۲) کسی کو نیک ہدایت کرنا یا مسئلہ بتانا بھی چپکے سے بہتر ہے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہو (۳) دلاڑنے والوں میں میل جول صلح صفائی کرانے کے لیے۔ اگر یہ طریقہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے اختیار کیا جائے تو اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ ہم ایسا کرنے والے کو بہت بڑا اجر اور ثواب دیں گے۔

رسول اللہ کے مخالفین

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
 لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
 نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ
 سَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

اور وہ بہت بری جگہ پہنچا

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
 لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
 نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ
 سَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾

بری ہے وہ پہنچنے کی جگہ

يُشَاقِقِ (مخالفت کرے) اس کا مصدر مشاققہ ہے جو "شق" سے بنا ہے شق کے معنی ہیں جانب اور پہلو یہاں مراد یہ ہے کہ جس جانب رسول ہیں اُس کے خلاف جانب میں چلے یا رسول کا راستہ چھوڑ کر اپنا الگ راستہ بنائے۔
 نُوَلِّهِ (ہم اس کو چلنے دیں گے) اس کا مصدر تولیت ہے جس کے معنی ہیں والی بنانا۔ حاکم بنانا۔ اور کوئی چیز کسی کے قبضے میں دے دینا یہاں اختیار دینے کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے تولی بھی اسی مصدر سے بنا ہے یعنی جو اُس نے اختیار کیا۔ یا جس راہ پر وہ چلا۔

اس آیت میں صاف طور پر اُس شخص کی سزا کا اعلان ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ مانے بلکہ آپ کی مخالفت پر کمر باندھ لے خصوصاً اس صورت میں کہ سچی بات بالکل کھل کر اور واضح طور پر اُس کے سامنے آگئی ہو۔ اور اُسے یقینی طور پر معلوم ہو گیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ اور دغا فریب نہیں چل سکتا اور اللہ آپ کو غلط فیصلے کرنے سے بچانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ مجرم طعمہ ہے اور یہودی زید بے گناہ ہے اس کے بعد اس کا فرس تھا کہ اپنے گناہ پر نادم ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی ہوتا اور جو مسلمانوں کا راستہ ہے وہی اختیار کرتا ہے قانون اسلام کے سامنے سر خمیگاتا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ کے حکم کے خلاف کیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنا الگ راستہ بنا لیا۔

ایسے شخص کے لیے اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں جو راستہ اختیار کرے ہم اس کو اختیار کرنے دیں گے لیکن جب وہ مر کر ہمارے پاس آئے گا۔ جو ایک دن ضرور ہونا ہے۔ تو ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے کاش اسے معلوم ہوتا کہ جہنم بڑی جگہ ہے جس کے اعمال اُسے جہنم پہنچادیں اس کو وہاں سواد کھ۔ رنج۔ الم اور کوفت کے اور کچھ متیر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا کی مصیبتوں سے بچنے کے لیے اسلام کو چھوڑے گا اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شکر ناقابل معافی ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَخْفِرُ
بِحَسْبِ اللَّهِ نَبِيٍّ خَشَا اس کو کہ تشریح ٹھہرایا جائے تاکہ ساتھ اور بختا ہے
مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ
جو سو اس کے واسطے جسکے چاہے اور جو شریک ٹھہرائے
بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾
ساتھ اللہ کے پس تحقیق گمراہ ہوا گمراہ ہونا دور
إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَخْفِرُ
اللہ اس کو ہرگز نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور
مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ
اس کے سوا جس کو چاہے بخشتا ہے اور جس نے اللہ کا
بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾
شریک ٹھہرایا تو بہک کر دور جا پڑا

پچھلی آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر مشرکوں کا راستہ اختیار کرنے والے کی سزا بیان فرماتی تھی کہ اُسے دوزخ میں داخل کریں گے دنیا میں وہ جو بھی چاہے کرے آخر ہمارے ہی پاس آئے گا اُسے معلوم ہونا چاہیے۔ اس کے لیے جو جگہ تیار ہے اور جس کو اس نے مشرکوں سے مل کر اپنے لیے اختیار کر لیا ہے۔ وہ بڑی خوف ناک جگہ ہے۔ اس آیت میں ایک عام حکم صادر فرمایا کہ شرک ایسا جرم ہے جسے اللہ کبھی معاف نہ کرے گا۔ ہاں اگر کوئی اسلام میں داخل رہے اور اس کے فیصلے ماننا رہے تو اللہ اس کے چھوٹے بڑے دونوں قسم کے گناہ جو شرک کے درجے تک نہ پہنچے ہوں اگر چاہے تو معاف کر سکتا ہے۔ مثلاً طعمہ اگر اسلام کو نہ چھوڑتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف مشرکوں کو اختیار نہ کرتا تو اس کی چوری اور تہمت کے لیے معافی کی اُمید تھی لیکن اسلام چھوڑ کر شرک اختیار کر لینے کے بعد اسے معاف نہیں کیا جاسکتا اور اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ ہے مشرک جو شرک کرتے کرتے مر گئے وہاں سے اُن کے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

آگے ارشاد ہے کہ شرک اختیار کرنے والا اس راستہ سے جو اللہ کی مغفرت اور رحمت کی طرف لے جاتا ہے۔ بالکل ہٹ کر ایک غلط راستہ پر پڑتا ہے وہ یقیناً جہنم پر جا کر ختم ہوگا شرک کا راستہ مغفرت اور رحمت سے بالکل جدا ہے۔ اس راستہ پر پڑنے والے کو مغفرت اور رحمت سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا۔

یہ آیت اسی سورت میں پہلے بھی آچکی ہے لیکن وہاں یہود کا ذکر تھا جو یہ دعوے کرتے تھے کہ ہم اللہ کے خاص بندے اور پیغمبر کی اولاد ہیں ہمیں عذاب نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا بھی تو چند روز اُن سے کہا گیا تھا کہ تم شرک میں مبتلا ہو بچھڑے کو پوجتے ہو حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ مشرک کی مغفرت کبھی نہ ہوگی۔

اس جگہ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ شرک کرنے والا اللہ کی مغفرت کی اُمید نہیں رکھ سکتا اور شرک ہی نہیں کہ اللہ کے سوا دوسرے کو پوجنے لگے یا کسی کو اُس کا بیٹا ٹھہرائے بلکہ اُس کے حکم سے منہ موڑ کر دوسرے کا حکم ماننا بھی شرک ہے۔ جیسے اس چور نے کیا کہ سزا کے حکم سے منہ موڑا اور مشرکوں میں محض اس لیے جا ملا کہ وہاں یہ سزا نہیں۔

مُشْرِكُونَ كَاثِرُونَ

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ - إِلَّا إِيَّانَا وَ إِنْ

نہیں پکارتے وہ اس کے سوا مگر عورتیں اور نہیں

يَدْعُونَ إِلَّا الشَّيْطَانَ مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعْنَةُ اللَّهِ

پکارتے وہ مگر شیطان نافرمان کو لعنت کی اللہ

وَقَالَ لَ - اتَّخَذَنْ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا

اور کہا اُس نے البتہ ضرور لوں گا میں سے بندوں تیرے حصہ

مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَ - أُضِلَّنَّ هُمْ - وَ

مقرر کیا ہوا اور البتہ ضرور بہکاؤں گا اُن کو اور

لَ - أُمِينِينَ هُمْ - وَلَ - أَمْرًا هُمْ

البتہ امیدیں دلاؤں گا اُن کو اور البتہ ضرور سکھاؤں گا اُن کو

فَ - لَ - يَبْتَكِنَنَّ - أَذَانَ - الْأَنْعَامِ

پس ضرور چھریں گے وہ کان جانوروں کے

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِيَّانَا وَ إِنْ

اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں

يَدْعُونَ إِلَّا الشَّيْطَانَ مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعْنَةُ اللَّهِ

پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس پر اللہ نے لعنت

وَقَالَ لَ - اتَّخَذَنْ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا

کی اور شیطان نے کہا کہ میں ضرور تیرے بندوں میں سے لوں گا مقررہ

مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَ - أُضِلَّنَّ هُمْ - وَ

حصہ اور اُن کو بہکاؤں گا اور

لَ - أُمِينِينَ هُمْ - وَلَ - أَمْرًا هُمْ

ان کو امیدیں دلاؤں گا اور اُن کو سکھاؤں گا

فَ - لَ - يَبْتَكِنَنَّ - أَذَانَ - الْأَنْعَامِ

کہ جانوروں کے کان چھریں

مَفْرُوضًا (مقرر فرض سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بٹھرانا اور معین کرنا یہاں مفروض سے مراد مقرر و معین ہے

لَا مُنِينِينَ (ضرور امیدیں دلاؤں گا) اس میں بھی پہلے لام اور آخر میں نون تاکید کے معنی دیتا ہے یہ لفظ منیب سے بنا ہے جو آرزو

کو کہتے ہیں اسی سے تمنا ہے۔

يَبْتَكِنَنَّ (چھریں گے) اس میں بھی اول میں لام اور آخر میں نون تاکید کے لیے ہے یہ لفظ تک سے بنا ہے جس کے معنی چھرنا ہیں۔

الْأَنْعَامُ (جانور) نعم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چوپایہ یعنی وہ جانور جن کو کام کے لیے پالتے ہیں جیسے اونٹ بیل گائے گھوڑا وغیرہ

ارشاد ہے کہ ان مشرکوں کی عقل تو دیکھو کہ اللہ قوی و قادر سے منہ موڑ کر شمارا کن کا ڈھونڈھنتے ہیں پتھروں کا جن کا نام بھی رکھا تو عورتوں

کا سا۔ ایسی چیزوں کو پکارنا اور اُن سے دعا کرنا نادانی کی انتہا ہے۔ ہوا ہے کہ وہ شیطان کے بہکانے میں آگئے ہیں۔ اور ان چیزوں کے پرے سے

میں کسی کو نہیں بلکہ شیطان کو پکارتے ہیں۔ شیطان کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ نافرمان اللہ کے حکم سے منہ موڑ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے

اپنی درگاہ سے دھتکار دیا ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون اور مردود قرار دیا۔ شیطان نے کہا۔ میں اب اس کوشش میں رہوں گا کہ

آدم کی اولاد میں گھس کر جن پر بھی میرا داؤ چل گیا۔ تیرے مقرر راستے سے ہٹاؤں گا وہ میرے نام کی نذر و نیاز دیں گے بتوں کے نام پر جانوروں

کے کان چھریں گے اور انہیں آزاد چھوڑ دیں گے۔

شیطان کے ہتھکنڈے

وَلَا أَمْرٌ لَهُمْ فَلَئِمَّا خَلَقَ اللَّهُ
اور اللہ ضرور سکھاؤنگا انہیں پس اللہ نے انہیں سکھا دیا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدلیں
وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ
اور جو کوئی شیطان کو دوست بنائے اللہ
اللَّهُ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾
اللہ پس تحقیق نقصان اٹھایا اس نے نقصان کھدا
يَعِدُهُمْ وَيَمَنِّيهِمْ وَيَعِدُهُمُ
وہ وعدہ کرتا ہے ان سے اور امیدیں دلاتا ہے ان کو اور نہیں وعدہ کرتا ان سے
الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَا أُولَىٰ لَهُمْ
شیطان مگر جھوٹا یہ لوگ ٹھکانا ہے ان کا
جَهَنَّمَ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾
دوزخ اور نہ پائیں گے اس سے بھاگنے کی جگہ

فَلْيَغْيِرْتَا (بدلیں گے) تغیر سے ہے جس کے معنی ہیں بدل دینا اور اصلی حالت سے ہٹا دینا اس میں بھی لام اور نون تاکید کیلئے ہے۔
غُرُورًا (جھوٹا) غرور دھوکے کی چیز اور دھوکا دینے کو کہتے ہیں یعنی وہ چیز جس کو بناوٹی شکل میں پیش کیا جائے اور اصل میں نہ ہو یعنی فریب
پچھلے سبق میں ہم بیان تک پہنچے تھے کہ شیطان نے کہا میں لوگوں کو دنیا کی آرزوں خواہشوں اور تمنائوں میں پھنساتے رکھوں گا۔ وہ تمہارے
اور کمزور چیزوں کے نام پر جانوروں کے کان چیریں گے بتوں کے نام پر ان کو آزاد پھرنے کے لیے چھوڑیں گے اس سے آگے شیطان کہتا ہے۔
میں ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی صورت بگاڑو اور اس کے مقرر کیے ہوئے فطری قانون اور قاعدوں کے خلاف کرو۔
یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے احکام کو توڑنا اور ان پر عمل نہ کرنا بلکہ اس کے خلاف چلنا شیطان کی عین مرضی ہے اور جہاں تک
ہو سکتا ہے وہ انسان سے دبی کام کرنے کو کہتا ہے۔ جن سے اللہ نے منع کیا ہے ہر انسان اس کے بہکانے میں اس لیے آجاتا ہے کہ
اسے محض مادی لذت کی چاٹ آپے سے باہر کر دیتی ہے۔ اور یہ اپنا بہت سخت نقصان کر لیتا ہے اور بعد میں پشیمانی اور ندامت میں مبتلا
ہوتا ہے لیکن کچھ دن بعد پھر شیطان کے ہتھکنڈے اسے پھر بے بس کر دیتے ہیں اور پھر خواہش پورا کرنے کے لیے شیطانی چالیں قبول کر لیتا
ہے اس لیے ارشاد ہے کہ شیطان کے وعدے فریب اور دھوکے کی پوٹ ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی اصل نفع کبھی نہیں حاصل ہوتا۔ شیطان کے
غلاموں کے لیے پشیمانی اور ندامت کے سوا اور کوئی پھل نہیں ہے۔ اور یہی قیامت کے دن ان کے لیے دوزخ کی شکل میں نمودار ہوگی۔ وہ
لوگ اس میں جھونک دیے جائیں گے اور کہیں ان کا ٹھکانا نہیں ہے۔ اس سے بھاگ کر وہ کہیں نہیں جاسکتے۔

اللہ کا سچا وعدہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے
سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
عقرب داخل کریں گے ہم ان کو باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ
نہیں رہا کریں گے ان میں ہمیشہ وعدہ اللہ کا
حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿۱۲۱﴾
سچا اور کون زیادہ سچا ہے سے اللہ بات میں

خَلِدِينَ (جم کر رہنے والے) خالد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں یوں جم کر رہنے والا کہ نکلنے کا خیال اسے نہ ستائے اس کا مصدر خلود ہے خلد بھی اسی سے ہے یعنی جم کر رہنے اور ہمیشگی کی جگہ۔

أَصْدَقُ (زیادہ سچا) صدق سے بنا ہے جس کے معنی سچائی کے ہیں اصدق وہ ہے جو سچائی میں مقابلہ کے وقت دوسروں سے بڑھا ہوا ہے۔۔۔ قیلًا بات اس کے وہی معنی ہیں جو قول کے ہیں فتنہ شکل میں فرق ہے معنی میں نہیں۔

پہلی آیتوں میں ان لوگوں کا بیان تھا جو شیطان کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور شیطان ان کو ان کی یہودہ خواہشوں میں پھینسا کر کے اور جھوٹے وعدے کر کے ان کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے ان کو دردناک آگ کا عذاب گھیر لے گا۔ جس سے سچنا ان کی طاقت سے باہر ہوگا۔ ان کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبرداروں کو ان کی فرمانبرداری کا صلہ ملے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ دل و جان سے اللہ اور رسول کو مانتے ہیں اپنی خواہشوں کو ان کے فرمان کے تابع بنا دیتے ہیں ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لیتے ہیں کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع تو نہیں کیا۔ انہیں یقین ہے کہ ہماری بھلائی اور بہتری اسی کام میں ہو سکتی ہے جس کے کرنے کی ہمیں آپ نے اجازت دی ہے اور اس کے کرنے سے منع نہیں کیا وہ اپنی عقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے سامنے کسی گنتی ہی میں نہیں لاتے اور خواہشوں کو اسی طریقے سے پورا کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی کتاب کے مطابق ان کے لیے مقرر کر دیا ہے اس طریقے کے مقابلے میں کسی طریقے کو خاطر میں نہیں لاتے اور اللہ کو راضی کرنے کے جو کام آپ نے بتا دیے ہیں اور ان کے کرنے کی شکل مقرر کر دی ہے ان کو اسی شکل میں خوشی خوشی کرتے ہیں اور کسی کے بہکانے میں نہیں آتے۔

وہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ ہمیں بے روک ٹوک دنیاوی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے آتا ہے۔ لیکن وہ اس کے بہکادے میں نہیں آتے اور اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے اس کے رسول کے قدم بقدم چلتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ان کی خواہشیں مرنے کے بعد جنت کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔ وہاں ان کو عیش و آرام میں ہمیشہ کی زندگی بسر کرنے کے لیے داخل کر دیا جائے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو بالکل سچا ہے اور اللہ سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ارزوپر فیصلے نہیں ہوتے

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ

نہ تمہاری امیدوں سے کچھ ہوگا اور نہ اہل کتاب کی امیدوں سے

مَنْ يَحْمِلُ سُوءَ إِجْرِيهِ وَلَا يَجِدُ لَهُ

جو کوئی بُرا کام کرے گا۔ اس کی سزا پائے گا اور اپنے بیٹے

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ

اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا اور جو

يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ

کوئی اچھے کام کرے مرد ہو یا

أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ

عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ جنت میں

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۱۴﴾

داخل ہوں گے اور ان کا حق تل بھر ضائع نہ ہوگا۔

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ

نہیں ساتھ تمہاری آرزو میں اور نہ آرزو میں رکھنے والے۔ کتاب کے

مَنْ يَحْمِلُ سُوءَ إِجْرِيهِ وَلَا يَجِدُ لَهُ

جو کرے بُرائی سزا دیا جائیگا اس کی اور نہ پاویگا اپنے بیٹے

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ

سوا اللہ کے دوست اور نہ مددگار اور جو

يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ

کرے سے نیک کاموں سے مرد یا

أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ

عورت اور وہ مومن ہو پس وہ داخل ہوں گے

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۱۴﴾

جنت اور نہ گھٹایا جائے گا ذرا سا

يُجْزَىٰ (سزا دیا جائے گا) یہ جزا سے بنا ہے۔ عربی میں جزا بھلائی اور بُرائی دونوں کے بدلے کو کہتے ہیں اگرچہ اُردو میں بھلائی کے بدلے کو جزا اور بُرائی کے بدلے کو سزا کہتے ہیں۔ یہاں بُرائی کے بدلے کا ذکر ہے اس لیے سزا ترجمہ کیا گیا ہے۔

نَقِيرًا (ذرا سا) عربی میں نقیر اس گہری لکیر کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے یہاں اس سے مراد ہے ایک بے حقیقت چیز اُردو میں ایسے موقعہ پر کہتے ہیں تل بھریا ذرا سا۔

پچھلے سبق میں ذکر تھا کہ کفر اور شرک کرنے والے شیطان کے بہکاوے میں آکر اللہ تعالیٰ سے مُنہ موڑ لیتے ہیں اور بتوں کے نام عورتوں کے سے رکھ کر اُن پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں وہ لوگ دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے اور پھر انہیں وہاں سے نکالنا نصیب نہ ہوگا یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ایمان والے لوگ جو نیک کام کریں اُن کو جنت کے ہرنے بھرے باغوں میں جگہ دی جائے گی وہ وہاں بڑے آرام سے ہمیشہ رہیں گے۔

عذاب و ثواب والی اس قسم کی آیات کو سن کر یہودی اور عیسائی کہتے تھے کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ہم اللہ کے خاص بندے ہیں ہمیں عذاب نہیں ہو سکتا۔ یہودی کہتے تھے ہم اللہ کے (نغوذ باللہ) بیٹے ہیں ہمیں عذاب کیسے ہو سکتا ہے ادھر نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہوں کے بدلے مسیح علیہ السلام نے پھانسی پر جان دی اس لیے کہ ہمارے گناہوں کی پکڑ نہ ہوگی اب ہم چاہے کچھ کریں ہمیں عذاب نہ ہوگا۔ ان سب کا جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے ارشاد ہے کہ نہ یہود کی شیخی بگھارے سے کچھ ہوتا ہے اور نہ کسی اور کی باتوں سے کچھ ہوتا ہے ہمارے ہاں تو قاعدہ یہ ہے کہ جو بُرا کرے گا اس کی سزا ملے گی اور کوئی اس کو اللہ کی پکڑ سے نجات دلانے والا نہیں ہو سکتا اور جو بھلائی کرے گا اور ایمان رکھتا ہوگا۔ وہ خواہ مرد ہو یا عورت جنت میں جائیگا۔ اور اس پر ایک راتی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا اور اس کے ثواب میں ایک تل برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

اسلام اور ملتِ ابراہیمی

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ
اور کون زیادہ اچھا ہے دین اس سے جس نے چمکایا اپنا چہرہ
لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
اللہ کے سامنے اور وہ نیکو کار اور پیروی کی دین ابراہیم کی
حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾
ایک ہی طرف اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو گہرا دوست
وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
اور اللہ کیے جو میں آسمانوں اور جو میں زمین
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾
اور ہے اللہ ہر چیز گھیرے ہوئے

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ
اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنی پیشانی رکھی
لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور وہ دین ابراہیم پر چلا
حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾
جو ایک ہی طرف کا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو گہرا دوست بنا لیا
وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾
اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں

اَسْلَمَ: (چمکایا) یہ لفظ اسلام سے ہے مسلم بھی اس سے ہے اسلام کے معنی ہیں، مان لینا اور تابعداری کرنا۔

اَسْلَمَ وَجْهَهُ: (چمکایا) اپنا چہرہ نیچا کیا، یعنی فرمانبرداری قبول کی اور عاجزی سے سر جھکایا۔

مُحْسِنٌ: احسان اور نیکی کرنے والا۔ یعنی نیکو کار اور اچھے کاموں میں لگا ہوا۔

حَنِيفًا: حنیف سے ہے جس کے معنی ہیں مائل ہونا ایک طرف کو جھک جانا۔ حنیف حضرت ابراہیم کا لقب بھی ہے یہاں اس سے

مراد ہے۔ تمام بناوٹی دینوں کو چھوڑ کر سچے دین کو اختیار کرنے والا۔

پچھلے سبق کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر ایک فرقہ اپنے اپنے مذہب کو سب سے بہتر سمجھے بیٹھا ہے۔ اور اس لگا رکھی ہے کہ نجات تو یوں ہمارے

ہی مذہب سے حاصل ہوگی۔ دوسرے تو یوں ہی ہیں۔ ان آیات میں ان خیالات کو بالکل بیکار بنایا گیا ہے اور سمجھایا گیا تھا کہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے کچھ نہیں ہوتا اگر واقعی سچائی کے طالب ہو تو خوب کان کھول کر ایک عام قاعدہ سن لو اور نیچیاں گھمارنے سے باز آ جاؤ۔

تمام انسانوں کے لیے چاہے وہ زمین کے کسی حصے پر رہتے ہوں اور اپنے آپ کو یہودی کہتے ہوں یا عیسائی یا مسلمان یا کچھ اور ایک قاعدہ

مقرر ہو چکا ہے جس کا ٹوٹنا محال ہے۔ کہ جو کرے گا سو بھرے گا۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم کو ہمارے پیشوا یا ہمارے رشتہ دار ہمارے بڑے کرتوتوں کی سزا

سے بچالیں گے جیسے عیسائی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ خود تکلیفیں اٹھا کر اور ہمارے بدلے خود قربان ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں۔ اب ہم سزا

سے بے فکر میں چاہے جو کریں ہماری پکڑ نہ ہوگی۔

ان آیتوں میں صاف کھول کر کہہ دیا گیا ہے کہ دین ان ہی کا سب سے اچھا ہے جو دل سے اللہ کی طرف جھک چکے ہیں اور اس کی مقررہ شریعت

اسلام پر خوشی خوشی عمل کر رہے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو جو سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے۔ اور اللہ نے ان کو سچا درست

مان بنا لیا اور وہ ان سے قبول کر چکے ہیں ظاہر ہے کہ یہ ساری خوبیاں صحابہ کرام میں ہی پائی جاتی ہیں اس کے بعد فیصلہ سنا دیا کہ ساری چیزیں اللہ

کے قبضے میں ہیں وہی سب کا مالک ہے۔ اس کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی۔

قیام عدل

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ

اور فتویٰ طلب کرتے ہیں وہ سب سے عورتوں کہ اللہ اجازت دیتا ہے

فِيهِنَّ وَمَا يُبَلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمِّي

ان کے بارے میں اور جو پڑھا جاتا ہے تم پر میں کتاب وہ ہے حق میں یتیم

النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوَفُّوهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

عورتوں کے وہ جو نہیں دیتے تم ان کو جو لکھ دیا گیا ہے واسطے ان کے

وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

اور چاہتے ہو یہ کہ نکاح کرو تم ان سے اور کمزوروں کے بارے میں

مِنَ الْوَالِدَانِ وَالْوَالِدَاتِ وَالَّذِينَ يُلْقُونَ

سے لڑکوں میں اور یہ کہ قائم رہو تم واسطے یتیموں کے ساتھ انصاف کے

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٥﴾

اور جو کرو تم سے نیکی پس بیشک اللہ ہے ساتھ کے جاننے والا

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ

اور تجھ سے عورتوں کی نکاح کی رخصت مانگتے ہیں کہ اللہ تو اجازت دیتا ہے

فِيهِنَّ وَمَا يُبَلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمِّي

ان کی اور وہ جو تم کو قرآن میں سنایا جاتا ہے سو حکم ہے ان یتیم

النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوَفُّوهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

عورتوں کا۔ جن کو تم ان کے لیے مقرر کیا ہوا نہیں دیتے

وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ اور حکم ہے تا تو ان

مِنَ الْوَالِدَانِ وَالْوَالِدَاتِ وَالَّذِينَ يُلْقُونَ

لڑکوں کا اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٥﴾

اور جو بھلائی کرو گے سو وہ اللہ کو معلوم ہے۔

يَسْتَفْتُونَ کا مصدر استفادہ ہے جو فتویٰ سے بنا ہے فتویٰ کے معنی اجازت اور رخصت ہیں۔ استفادہ کے معنی ہیں۔ رخصت مانگنا اور

اجازت چاہنا۔ يَفْتُونَ بھی اسی مادہ سے ہے اس کا مصدر افتاد ہے۔ افتاد کے معنی ہیں رخصت اور اجازت دینا۔

الْمُسْتَضْعَفِينَ (کمزور ناتوان) مستضعف کی جمع ہے جو ضعف سے بنا ہے جس کے معنی کمزوری اور ناتوانی ہیں۔

اس سورت کے شروع میں یتیموں کے بارے میں حکم تھا۔ کہ ان کے حقوق کا خیال خاص طور پر رکھو۔ پہلے تک کہ یتیم لڑکیوں سے ان کے

وہ ولی شادی نہ کریں جن کے ہاتھوں ان کی حق تلفی کا اندیشہ ہو۔ اس آیت کے پیش نظر بعض قریبی رشتہ داروں نے بالکل ان سے شادی کرنی

چھوڑ دی۔ بعد میں دیکھا کہ جن غیروں نے یتیم لڑکیوں سے شادیاں کیں انہوں نے ان کو بہت دکھ دیا۔ اب محسوس ہوا۔ کہ اگر انہوں میں شادی

توقی تو لڑکی خوش رہتی۔ لوگوں نے آنحضرت سے اس بارہ میں کچھ سوالات بھی کیے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ یتیم لڑکیوں کا ان کے قریبی رشتہ داروں سے نکاح کرنے کی اجازت چاہتے ہیں ان سے کہہ دو کہ

اس کی تمہیں اجازت ہے پہلے بھی تمہیں اس طرح کی شادی سے صرف اس صورت میں روکا گیا تھا کہ شاید تم ان کا حق نہ ادا کرو اور ان کے مال پر قبضہ جمانا

چاہو۔ یا کسی اور اپنے نفع کے خیال سے یتیم لڑکیوں سے شادی کرو جس میں ان کا نقصان ہو۔ ایسی صورت میں واقعی تمہیں ایسی بے بس یتیم لڑکی سے جس کا سوا

تمہارے کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ شادی نہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے بار بار کمزور عورتوں اور لادار شاہچوں کے ساتھ انصاف اور عدل کرنے کے لیے حکم دیا

ہے عورتوں اور بچوں کو بھی اس لیے وارث قرار دیا ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے۔ کہ یتیموں کے ساتھ پوری طرح انصاف کرو۔ اللہ کے حکم کے آگے اپنی عقل

بلا نا یہودہ بات ہے اللہ تعالیٰ تم کو جو حکم دیتا ہے اس میں سراسر بھلائی ہوتی ہے اس کے حکم کے آگے سر جھکاؤ تمہیں اتنا علم نہیں کہ تم اپنی بہتری کی بات

سوچنا سکو اللہ کی فرمانبرداری کے تحت جو بھی نیک کام کرو گے وہ اللہ سے ہاں ضائع نہ ہوں گے۔

بیوی کے ساتھ حسن سلوک

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے لڑنے سے ڈرے

أَوْ اعْرَاضًا فَلَاحْتِاجَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَصِلِحَا

یا جی پھر جانے سے۔ تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں

بَيْنَهُمَا صَلَاحًا وَ الصُّلْحَ خَيْرٌ وَأُخْضِرَتِ

کسی طرح صلح کر لیں اور صلح خوب چیز ہے اور دلوں کے سامنے

الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

حرص میں موجود ہے اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو۔ تو اللہ

اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲۸﴾

کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا

اور اگر کوئی عورت خوف کرے سے خاوند اپنے بیزاری

أَوْ اعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَصِلِحَا

یا پھر جانا پس نہیں گناہ ان دو پہلا یہ کہ وہ صلح کریں

بَيْنَهُمَا صَلَاحًا وَ الصُّلْحَ خَيْرٌ وَأُخْضِرَتِ

اپنے درمیان کوئی صلح اور صلح اچھی چیز اور حاضرگی گئی

الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

دلوں میں حرص اور اگر نیکی کرو تم اور بچو پس تحقیق

اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲۸﴾

اللہ ہے ساتھ جو تم کرتے ہو خبردار

أُخْضِرَتِ (حاضرگی گئی ہے) اور سامنے رکھ دی گئی ہے احضار مصدر ہے جس کے معنی حاضر کر دینا اور موجود کر دینا ہیں یہ حسرت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں آگے آنا سامنے آنا۔

نُشُوزًا (بے زاری۔ بدسلوکی) اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بیوی پر محسوس کرے کہ خاوند اس سے کچھ کھنچا کھنچا رہنے لگا ہے۔ محبت اور حسن سلوک کی جگہ ناراضی اور بیزاری نے لے لی ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں کہ وہ خود بڑھ کر صلح کر لے۔

شُّحَّ (حرص) اس لفظ کے معنی حرص اور جی کے لپچانے کے سوا زبردست خواہش کے بھی ہوتے ہیں۔

اس آیت میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی بعض اور صورتوں کا ذکر ہے۔ اور ان کی بابت بدائیتیں ہیں تاکہ عام طور پر میاں بیوی کے تعلقاً

آپس میں لپچتے ہو جائیں ارشاد ہے اگر بیوی دیکھے کہ میاں اس سے کچھ انگ انگ رہتے ہیں ان کا دل کچھ پھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ

اس کو راضی کرنے کے لیے بیوی مناسب تدبیریں اختیار کرے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر آدمی کے دل سے مال کالا لچ چٹا ہوا ہے۔ نفع کی

خواہش دم کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ اس لیے بیوی اپنے خرچ میں کچھ کمی کرنے یا مہر میں سے کچھ گھٹانے پر آمادہ ہو جائے تو میاں اپنا مال نفع دیکھ کر اس سے

راضی ہو جائے گا۔ میاں کو بھی چاہیے۔ کہ بیوی کی طرف سے باہمی ملاپ کی کوشش دیکھ کر ملاپ کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ کیونکہ بہتری اسی میں ہے کہ باہم

بیوی آپس میں میل جول اور صلح صفائی کے ساتھ رہیں باہمی ناچاقی کے بہت سے سبب ہو سکتے ہیں لیکن اس کے دور کرنے کے لیے دونوں کو ہر وقت

تیار رہنا چاہیے اگر ایک طرف سے صلح کا ذرا سا بھی اشارہ ہو۔ تو دوسرے کو فوراً اسے منظور کر لینا چاہیے اس میں کچھ حرج نہیں کہ بیوی یا میاں کو کچھ

مالی فائدہ پہنچائے اور میاں اسے منظور کرے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ مرد عورتوں کے ساتھ شروع ہی سے نیاب بزاز کریں اور ناچاقی کا موقع ہی نہ دینے

دیں تو بہت ہی اچھا ہے۔ اللہ سے ان کا عمل اور ارادہ چھپا ہوا نہیں ہے اس کو سب معلوم ہے۔ لہذا اس آیت میں بیوی کو کہا کہ تم ذرا مال قرآنی سے کام

لو۔ اور خاوند سے مطالبہ کیا کہ تم حسن سلوک اور خدا خوفی سے کام لو باہمی تعلقات کی بہتری ہر چیز سے مقدم ہے۔

بیویوں میں عدل شرط ہے

وَلَكِنْ تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ
اور ہرگز نہ کر سکو گے تم کہ برابری کرو درمیان عورتوں کے

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبْلُغُوا كِلَيْهِمَا فَتَذَرُوهَا
اگرچہ حرص کرو تم پس نہ ٹھیکو تم پورا جھکتا کہ چھوڑ دیا کو

كَالْمُعَلَّقَةِ طَوَّانٍ تُفْلِحُوا وَتُنْقَوُا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
مانند ادھر لٹکتی ہوئی کے اور اگر سنوارو اور بچو ظلم سے پس بیشک اللہ ہے

غَفُورًا رَحِيمًا ۱۳۹ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُعْنِ اللَّهُ كِلَا
بخشنے والا مہربان ہے اور اگر جدا ہوں دونوں بے پروا کرے گا اللہ ہر ایک کے

مَنْ سَعَتْهُ ط وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۱۴۰
سے کشائش سے اور ہے اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا

وَلَكِنْ تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ
اور تم عورتوں کو ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبْلُغُوا كِلَيْهِمَا فَتَذَرُوهَا
المنہ تم اس کی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت

كَالْمُعَلَّقَةِ طَوَّانٍ تُفْلِحُوا وَتُنْقَوُا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
کو جیسے ادھر میں لٹکتی اور اگر اصلاح کرتے ہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ

غَفُورًا رَحِيمًا ۱۳۹ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُعْنِ اللَّهُ كِلَا
بخشنے والا مہربان ہے اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا

مَنْ سَعَتْهُ ط وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۱۴۰
کر دے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشائش والا اور تدبیر جاننے والا ہے۔

تَسْتَطِيعُونَ (تم کر سکو گے) استطاعت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں طاقت رکھنا۔ کر سنا۔

تَبْلُغُوا (ٹھیکو تم) میں سے ہے جس کے معنی ہیں جھکتا۔ نائل ہونا اور ساری توجہ ایک طرف کر لینا میدان بھی اس سے ہے۔

مُعَلَّقَةِ طَوَّانٍ (ٹھیک ہوئی) تعلق مصدر ہے جس کے معنی ہیں لٹکا دینا اور ادھر رکھنا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے نکاح کرنے کے بعد بیوی کو نہ گھر میں بسانا اور نہ طلاق کے ذریعہ آزاد کرنا۔ اسلام نے اس صورت حال کو نہایت قبیح بات قرار دیا ہے۔

تُنْقَوُا (بچو برائی سے) انقار مصدر ہے جو تقویٰ سے بنا ہے۔ تقویٰ برائی سے الگ رہنے اور پرہیزگاری کو کہتے ہیں انقار کے معنی میں تقویٰ اختیار کرنا۔

عرب میں اسلام سے پہلے جنی عورتوں سے چاہتے تھے شادی کر لیتے تھے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ اس کے بعد وہ ان کو بے پروائی کے ساتھ پڑا رہنے دیتے کسی کو پوچھا کسی کو نہیں۔ اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا۔ اسلام نے ایسی تدبیر اختیار کی جس سے یہ رواج رفتہ رفتہ ختم ہو جائے۔ بہت سی شادیوں کی اصلاح پہلے تو یہاں سے شروع کی کہ عورتوں کو ان کے گھر سے ہٹا دیا اور مردوں کو سکھایا۔ کہ یہ محض تمہاری شہوت پورا کرنے کے لیے نہ سوچنے سمجھنے والی بے جان مورتیں نہیں کہ جن سے جیسے جی چاہے کام لو۔ وہ اپنے مال کی مالک ہیں ان کو ورثہ ملے گا۔ ان کو تمہیں اپنے مثبت سے معاملات میں برابر کا مددگار اور حصہ دار ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی ان کی مرضی سے کر سکتے ہو۔ لیکن ان سب کو آرام سے رکھنا پڑے گا۔ اور یاد رکھو کہ عورتوں میں عدل و انصاف تمہارے بس کا نہیں تم دیکھو گے کہ کوشش اور اچھی نیت کے باوجود بھی تم ان میں پورا انصاف نہیں کر سکتے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ ایک طرف زیادہ جھکے رہو اور دوسری کو ادھر بس لٹکا رکھو۔ اور اگر دیکھو کہ تم نباہ نہیں کر سکتے تو طلاق دے دو۔ اللہ تعالیٰ سب کا مالک ہے اس کے ہاں کچھ کمی نہیں ہے وہ نیک نیت والوں کو اپنی وسیع رحمت سے اتنا کچھ دے گا کہ ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔

خوف خدا

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَ
 اللہ کا جو ہے میں آسمانوں اور جو میں زمین اور
 لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ
 بیشک ہم نے حکم دیا ان کو جو دیئے گئے کتاب سے تم سے پہلے
 وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ ط وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ
 اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ اور اگر نہ مانو گے تو تحقیق
 اللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَانَ
 اللہ کا جو ہے میں آسمانوں اور جو میں زمین اور ہے
 اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ۳۱ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ
 اللہ بے پروا سب خوبوں والا ہے اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں
 وَمَا فِي الْأَرْضِ ط وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۳۲
 اور جو میں زمین اور کافی ہے اللہ کار ساز

وَصَّيْنَا: توصیت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں حکم دینا۔ دوسرے کو بھلائی کی بات یا ایسی چیز دینے کے لیے کہنا جس میں اس کا فائدہ ہو۔ اور نصیحت کرنا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے لیے اس دنیا میں رہنے اور کام کرنے کا ایک طریقہ پیش کیا۔ جسے جس کا نام اسلام ہے۔ انسان کو کیسے خیالات رکھنے چاہئیں۔ کیا سوچنا چاہئے۔ کیا کرنا چاہئے اور کس طرح کرنا چاہئے۔ ان سوالات کو قرآن مجید میں بہت ہی اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں ہمارے لیے ہر بات کے قاعدے اور حکم موجود ہیں۔ آپس کے معاملے کیسے کرنے چاہئیں۔ رشتہ داروں ملنے جلنے والوں اور عام انسانوں سے کیسا سلوک کرنا چاہئے۔ یہی باتیں اب تک بیان ہوتی چلی آ رہی ہیں ان سب کی تہ میں ایک بات ہے جس کو موقع بہ موقع بار بار بیان کیا جاتا ہے اور جس کی طرف خاص توجہ دلانا مقصود ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ کا خیال دل میں رکھو اس کو خوش کرنے کے لیے اچھے کام کرو بڑے کام چھوڑ دو۔

اس سورت کی اس آیت کے اندر میں دفعہ کہا گیا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ عورتوں کو اچھی طرح رکھو اور اللہ کے ڈر سے ان کو ستانا چھوڑ دو۔ تم سے پہلے لوگوں کو بھی اور تمہیں بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنا ہی اس بات پر ہے۔ اور اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اللہ تو بے پروا اور بے نیاز ہے اُسے کوئی حاجت نہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ تمہارے بھلے کے لیے کتنا ہے عورتوں کے ساتھ دنیا بے انصافی کرتی تھی اور کرتی ہے اس لیے قرآن میں بار بار ان کے ساتھ انصاف کرنے کی تاکید ہے۔ پھر کہا گیا کہ اللہ اپنے حکم ماننے والوں کے سارے کام ٹھیک کر دیتا ہے۔ اور اسی کی مدد کافی ہے۔ کیونکہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں یہی فرق ہے کہ مسلمان جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور جو چھوڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے چھوڑتے ہیں۔ دوسرے لوگ اپنے اپنے خیالات میں پھلے ہوئے ہیں اور اللہ کو بھول گئے ہیں اگر یہ فرق قائم نہ رہا تو پھر مسلمان کا ہے کی۔

اللہ سے بے نیاز ہے

ان تَشَاءُ يَذْهَبَ كُمْ أَيُّهَا النَّاسُ. وَيَأْتِ
اگر چاہے لے جائے تم کو اے لوگو اللہ لے آئے
بِأَخْرَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ قَدِيرًا ﴿۳۳﴾
اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے جو
كَانَ يَرْيَا ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ
ہو امداد کرتا ثواب دنیا پس اللہ کے پاس ثواب
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۳۴﴾
دنیا اور آخرت اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا

ان تَشَاءُ يَذْهَبَ كُمْ أَيُّهَا النَّاسُ. وَيَأْتِ
اگر چاہے لے جائے تم کو اے لوگو اللہ لے آئے
بِأَخْرَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ قَدِيرًا ﴿۳۳﴾
اور لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے جو
كَانَ يَرْيَا ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ
ہو امداد کرتا ثواب دنیا پس اللہ کے پاس ثواب
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۳۴﴾
دنیا اور آخرت اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا

یَذْهَبُ (لے جائے) اذہاب مصدر ہے جس کے معنی ہیں لے جانا اور دُور کر دینا۔ یہاں انہیں آخری معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
پچھلے سبق میں کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی پروا نہیں کہ کوئی اس کی فرمانبرداری کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ وہ غنی ہے۔ اور زمین و آسمان میں
جو کچھ بھی ہے۔ سب کا وہی مالک ہے۔ اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں جس کے پورا کرنے کے لیے وہ دوسروں کی مدد چاہتا ہو۔ ہاں یہ ضرور
ہے کہ انسان سراسر محتاج ہے۔ اور وہ دوسرے کی مدد کے بغیر اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ کمزور ہے اس لیے اسے اپنے
اپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ اس کو بہت سی چیزوں سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچاویں۔ اس کا علم ناقص ہے
اس لیے وہ بہت سے ایسے کام کر بیٹھتا ہے جن میں اس کا ضرر ہے۔ اس لیے اسے اپنے سے زیادہ جاننے والے کی ضرورت ہے۔

اللہ سے زیادہ اُس کا مددگار اور ہدایت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ انسانی احتیاج اور کم عقلی اس بات کو چاہتی ہے کہ وہ کسی کو
اپنا مددگار راستی اور حمایت کرنے والا بنائے اور اس میں وہ صفتیں۔ قوتیں اور طاقتیں پوری پوری ہوں۔ جن کی خود اس میں کمی ہے ذرا سی عقل
بھی جو تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جو انسان کا مددگار محافظ نگہبان اور راستہ بتانے والا ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ کو اس کی حاجت ہوئی کہ کوئی اُس کی فرمانبرداری کرے یا اس سے ڈرے تو وہ آسانی سے ان لوگوں
کو جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں دنیا سے مٹا کر ایسے لوگ پیدا کرتا جو ہر وقت ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑے رہتے اور کبھی اس کی نافرمانی نہ
کرتے۔ یاد رکھو اگر تم نافرمانی کرو گے تو وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم کو فنا کر دے۔ اور اپنے فرمانبردار بندے تمہاری جگہ دنیا میں پیدا کر دے
لیکن اس کو اس کی پروا نہیں۔ کہ کوئی اُسے ماننے نہ ملے اُس نے اپنے ہاں سب کچھ تیار کر رکھا ہے۔ جو دنیا چاہے اُسے دنیا دے دے گا۔
جو آخرت چاہیے۔ اُسے آخرت کا آرام بخش دے گا۔ اُس کی مرضی یہی ہے۔ کہ تمہیں اختیار دے اور ہر ایک کو اُس کی نیت اور ارادہ
کا پھل دے۔ وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

بے لاک گواہی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جاؤ کھڑے ہونے والے ساتھ انصاف

شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ

گواہ اللہ کے بیٹے اور اگرچہ خلاف ہوں ہالوں تمہاری یا ماں باپ

وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا

اور رشتہ داروں اگر ہو کوئی مالدار یا مفلس

فِي اللَّهِ أَوْلَىٰ بِهِمَا قَلَّا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ

پس اللہ زیادہ قریب ان کے پس نہ پیچھے چلو خواہش

أَنْ تَعْدِلُوا إِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ

یہ کہ انصاف کرو اور اگر زبان کو بیچ دو یا منہ پھیرو پس تحقیق

اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

اللہ ہے ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو خبردار

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو

شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ

اللہ کے بیٹے گواہی دو اگرچہ تمہارا نقصان ہو یا ماں باپ کا

وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا

اور قرابت والوں کا خواہ کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے

فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ

تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے سو تم دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو

أَنْ تَعْدِلُوا إِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ

انصاف کرنے میں اگر تم زبان موڑ کر بولو گے یا بچا جاؤ گے تو

اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

قَوَّامِينَ (کھڑے ہونے والے) قیام سے بنا ہے اور قوام کی جمع ہے قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ (کھڑے ہونے والے انصاف کے ساتھ اپنی

انصاف کو ہر وقت مد نظر رکھنے والے اور عدل و انصاف قائم رکھنے والے۔

عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ (تمہارے خلاف) لفظی ترجمہ ہے تمہارے اوپر یعنی تمہیں نقصان اور ضرر پہنچانے والا۔

أَقْرَبِينَ (نزدیکی رشتہ دار) اقرب کی جمع ہے جو قریب بنا ہے۔ قریب کے معنی ہیں نزدیک اور اقرب کے معنی ہیں بہت زیادہ نزدیک۔

تَعْرَضُوا (منہ پھیرو) اعراض مصدر ہے یہ لفظ پہلے بھی آچکا ہے یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بات کہتے وقت اس میں سے

کچھ چھوڑ دو یا کسی چیز کو بچا جاؤ تاکہ سننے والا مطلب ٹھیک نہ سمجھ سکے۔

اس آیت میں انسان کو ایک بہت ہی قیمتی حکم دیا گیا ہے اور پہلے جو کہا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے سوا کسی کا خوف و ہراس دل میں نہ

لاؤ۔ اس آیت میں اس کی ایک واضح مثال دی ہے کہ تمہارے کام اللہ کے ڈر سے کیسے ہونے چاہئیں ارشاد ہے کہ آپس میں انصاف قائم رکھو اور

سچی بات کہو۔ کسی کے ڈر یا لحاظ سے ہرگز غلط بات نہ کہو۔ گواہی دینے لگو تو کسی کے نقصان یا فائدے کا خیال نہ کرو۔ جو بات ہو صاف صاف کہو

یہ مت دیکھو کہ اگر صاف صاف کہہ دیا تو تمہیں خود نقصان پہنچ جائے گا۔ یا تمہارے ماں باپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یا کسی قریبی رشتہ دار

پر کچھ آنچ آجائے گی۔ یا یہ کہ کسی مالدار کا لحاظ کرو۔ اور اس کے خوش کرنے کے لیے جھوٹی گواہی دو یا جھوٹی گواہی دینے سے کسی مفلس غریب کا بھلا

ہو سکتا ہے اس لیے کیا حرج ہے۔ یہ اپنی غلط رعایتیں اور ہمدردیاں رہنے دو۔ کوئی مالدار ہو یا مفلس تم سے زیادہ اللہ اس کا خیر خواہ ہے جب

تو تمہیں کتنا ہے کہ سچ بولو اور کسی کی رورعایت نہ کرو۔ تو تم اس کے مقابلے میں کسی کی رعایت کس منہ سے کرتے ہو۔ سب کا وارث اللہ ہے تم کو

اس کا حکم ماننے سے کام ہے۔

اہل ایمان سے مطالبہ ایمان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
 اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ
 وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ
 اور اس کتاب پر اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب
 الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ
 پر جو پہلے نازل کی تھی اور جو کوئی یقین نہ کرے اللہ پر
 وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ
 اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت
 الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾
 کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
 اے وہ جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ ساتھ اللہ اور رسول اس
 وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ
 اور کتاب جو نازل کی اس نے اوپر رسول اپنے اور کتاب
 الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ
 جو اس نے نازل کی اس سے پہلے اور جو انکار کرے اللہ کا
 وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ
 اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور دن
 الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾
 پچھلے کا پس تحقیق گمراہ ہوا وہ گمراہی دور کی

آمِنُوا (ایمان لائے ہو) آمِنُوا (ایمان لاؤ) پہلا فعل ماضی ہے اور دوسرا فعل امر۔ دونوں کا مصدر ایمان ہے جس کے معنی
 ہیں کسی حقیقت کو زبان سے ماننا اور دل سے اس پر یقین رکھنا۔ اہل ایمان کو جو کہا گیا ہے آمِنُوا (تم ایمان لاؤ) اس سے
 مراد یہی ہے کہ زبان سے اقرار کرنے والو! دل میں بھی یقین پیدا کرو اور غلو ص دل سے مانو۔
 نَزَّلَ (اتارا) اس کا مصدر تنزیل ہے جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا اترنا۔ جیسے کہ قرآن مجید ۲۳ سال کی مدت
 میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ اَشْدَلَّ (اتارا) اس کا مصدر انزال ہے جس کے معنی ہیں یکدم اتارنا جیسے کہ دوسری آسمانی کتابیں
 یکدم اتری ہیں۔

اس سے پہلی آیات میں حکم تھا۔ سچ بولو۔ حق کا ساتھ دو۔ گواہی سچی دو۔ خواہ کسی کے خلاف ہو۔ مگر یہ سب باتیں ناممکن ہیں جب تک
 ایمان پختہ اور یقین کامل نہ ہو۔ اس لیے حکم ہوتا ہے کہ اللہ کو دل سے مانو۔ زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلے گا۔
 اس کے ساتھ ہی اللہ کی کتاب قرآن مجید کو دل سے اللہ کی سچی کتاب مانو۔ اور اُس میں جو لکھا ہے۔ اس پر دل سے یقین کرو۔
 اور اُس کے مطابق عمل کرو۔ جو کتابیں قرآن مجید سے پہلے اللہ نے اتاری ہیں۔ اُن کو بھی اللہ کی سچی کتابیں مانو۔ البتہ اب اُن کے وہی حکم
 قابل عمل ہیں جن کو اس آخری کتاب یعنی قرآن مجید نے برقرار رکھا ہے۔ باقی باتیں جو اُن میں ہیں۔ وہ اس وقت قابل عمل نہیں رہیں۔ اس
 وقت قرآن مجید ہی پر عمل ضروری ہے کیونکہ اس میں وہ سب اچھی باتیں جو پہلی کتابوں میں تھیں آگئی ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو، اُس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو۔ اُس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو نہ مانے گا۔ اُس کا ایمان مقبول
 نہیں۔ اُس کو چاہیے کہ زبانی ایمان کے دعوے کو کافی نہ سمجھے۔ بلکہ اپنے ایمان کو اللہ پر اور اُن سب چیزوں پر جن کا ذکر ہوا پختہ کرے اور دل سے
 اللہ کے ہر حکم کو مانے۔

دھمل یقین منافق

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر زیادہ ہوئے کفر نہیں آتا اللہ اس پر بخشش
لَهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۲﴾ بشارت دے منافقوں
إِنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ اللّٰه یقین یقین
 یہ کہ ان کیلئے عذاب دردناک ہے وہ جو بناتے ہیں
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءٍ مِّنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْتَمَعُوْنَ کافر دوست سے سوتے مومنوں کی تلاش کرتے ہیں
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾
 پاس ان کے عزت پس بیشک عزت واسطے اللہ سب
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر
كَفَرُوا ثُمَّ آزَدُوْا كُفْرًا لَّوْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا
لَهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۲﴾ بشارت دے منافقوں
إِنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ اللّٰه یقین یقین
 کہ ان کے واسطے عذاب دردناک ہے وہ جو بناتے ہیں
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءٍ مِّنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْتَمَعُوْنَ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾
 ان کے پاس عزت سو عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔

اِذَا دَا دَا (بڑھتے رہے) زیادہ سے بنا ہے۔ اس لیے اس کے معنی ہیں بڑھتے چلے گئے زیادہ ہوتے گئے۔

پیچھے ذکر تھا کہ کمزور اور ظاہری ایمان والوں کو چاہیے کہ اپنا ایمان سچتہ کریں گویا اس طرف اشارہ تھا کہ حکم ماننے سے ہی ایمان درست ہو سکتا ہے اور وعظ و نصیحت سنتے سنتے آخر کار یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ صرف ظاہری اور دکھاوے کا ایمان لاتے ہیں۔ ان کے لیے یہ خطرہ ہے کہ وہ ذرا سے بہانے سے اسلام کی باتوں کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی کے کہنے سننے یا نفع کے خیال سے دوبارہ زبانی مسلمان ہو جاتے ہیں۔ پھر جب دوبارہ موقعہ آیا۔ دوبارہ کافر ہو جاتے ہیں۔ غرض کبھی ادھر کبھی اُدھر لویں ہی ڈانواں ڈول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دن موت آ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں پر کفر اور نفاق کا رنگ زیادہ چھپایا ہوا ہوتا ہے اور وہ اسی حالت میں مر جاتے ہیں۔

آگے ارشاد ہے کہ دکھاوے کا ایمان لانے والوں کو یعنی منافقوں کو اچھی طرح سنا دو اور یہی ان کے لیے خوشخبری ہے کیونکہ وہ کسی سچ کی خوشخبری کے قابل نہیں کہ ان کے لیے بہت دکھ پہنچانے والا عذاب تیار ہے۔ وہ دن بدن کافروں کی طرف ڈھلتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخر کار کافروں کو ہی دوست بنا لیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ آخر اس سے ان کی کیا غرض ہے کیا وہ یہ امید رکھتے ہیں کہ کافروں کے ملنے سے ان کی عزت زیادہ ہوگی۔ یاد رکھیں عزت سب کی سب اللہ کے پاس ہے کسی کے پاس نہ اپنے لیے عزت ہے نہ دوسروں کے لیے اللہ جس کو چاہے عزت دے اس لیے اس کو مانو ایمان درست کرو اس کے حکموں پر عمل کرو۔ اس بھوسے پر نہ رہنا کہ کوئی اور تمہیں عزت دے سکتا ہے۔

بُری مجالس کا بائیکاٹ

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ
 اور تحقیق اتار چکا تم پر میں کتاب کہ جب سنو تم
 آیت اللہ - يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزِئُ بِهَا - فَلَا
 آیتوں اللہ کہ کفر ہوتا ہے ان کے ساتھ اور ہنسی ہوتی ہے ان کے ساتھ پس نہ
 تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ
 بیٹھو تم ساتھ ان یہاں تک کہ جس بات میں کسی سے کسی بات میں
 إِتَّكُمُ إِذَا مَثَلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ
 تحقیق تم اس وقت مانند ان کے بیشب اللہ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں
 وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۵﴾
 اور کافروں میں جہنم سب کو

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ
 اور تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب سنو اللہ
 آیت اللہ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزِئُ بِهَا فَلَا
 کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ
 تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ
 بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں
 إِتَّكُمُ إِذَا مَثَلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ
 مشغول ہوں نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے اللہ منافقوں کو اکٹھا کرے گا
 وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۵﴾
 اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ

يُسْتَهْزِئُ (ہنسی اڑانے) اس کا مصدر (اِسْتَهْزَأَ) ہے جس کے معنی ہیں ہنسی اڑانا اور مذاق کرنا خصوصاً اس صورت میں کہ
 دوسرے کی بے عزتی مقصود ہو۔

يَخُوضُوا (وہ مشغول ہوں) غرض سے ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کے اندر چلے جانا اور غور کرنا یا مشغول ہونا۔ یہاں یہ مراد ہے کہ
 کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ یہ سورۃ النساء مدنی ہے یہ آیت مدینہ کے منافقوں کے اس طرز عمل کے بارہ میں نازل ہوئی۔ کہ
 وہ کلام اللہ کی آیات سن کر ہنسی اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے۔ اس سے قبل کی زندگی میں بھی اسی مضمون کا ایک حکم کفار مکہ کے بارہ میں نازل
 ہو چکا تھا۔ چونکہ ان کا رویہ بھی یہی تھا قرآن مجید میں ملاحظہ ہو سورۃ الفعام کی آیت (۶۷) جس کا خلاصہ یہ ہے: جب آپ دیکھیں کہ
 کفار ہماری آیات کے بارہ میں بکوائی کرتے ہیں۔ تو انہیں چھوڑ دیں جب تک وہ کوئی دوسری بات شروع نہ کریں۔

ارشاد ہے کہ ہم پہلے یہ حکم قرآن مجید میں بھیج چکے ہیں۔ اس پر تمام مسلمانوں کو عمل کرنا چاہیے وہ حکم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے لیے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے جس مجلس میں تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کی بے ادبی کی جارہی ہے۔ اور ان کی ہنسی اڑائی
 جارہی ہے اور ان میں عیب نکالے جارہے ہیں۔ اعتراض کیے جارہے ہیں اور ان کو ایک کھیل بنایا جا رہا ہے۔ تو تم اس مجلس سے اٹھ جاؤ
 اور بیٹھے رہو اور ان کے اعتراض اور ہنسی سنتے رہو تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اور بے ادبوں میں لکھے جاؤ گے۔

ہاں جس وقت وہ گستاخی کی باتیں نہ کر رہے ہوں اور کسی اور قسم کی گفتگو میں مشغول ہوں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنا گناہ نہیں۔ اللہ ان
 منافقوں اور کافروں کو گھیر کر جہنم میں اکٹھا کر دے گا۔ اور یہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اس لیے ایسی مجلسوں میں جہاں قرآنی احکام کی ہنسی اڑائی
 جارہی ہو تمہیں شامل نہ ہونا چاہیے۔ اور اگر وہاں پہلے سے بیٹھے ہو۔ تو اس وقت اٹھ جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کے ساتھ عذاب میں
 شامل ہو جاؤ۔

منافقوں کی دورخی مثال

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَكُمْ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ
وہ جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو
فَتْحٌ مِّنْ اللَّهِ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ وَإِنْ
اللہ کی طرف سے فتح لے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ
كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ
اور اگر کافروں کا حصہ لے تو کہیں کیا ہم نے گھیر لیا
عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ
تھا تم کو اور تم کو بچا دیا مسلمانوں سے سو اللہ تعالیٰ
يَجْعَلُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَكِنْ يَجْعَلُ
فیصلہ کریگا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز اللہ
اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝۱۲

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَكُمْ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ
جو لوگ تاک میں ہیں تمہاری اگر ہو واسطے تمہارے
فَتْحٌ مِّنْ اللَّهِ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ وَإِنْ
فتح سے اللہ کہیں وہ کیا نہ تھے ہم ساتھ تمہارے اور اگر
كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ
ہو واسطے کافروں کے حصہ کہیں وہ کیا نہیں گھیرا لاکھائیں
عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ
تم پر اور بچایا تھا تم کو سے مسلمانوں پس اللہ
يَجْعَلُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَكِنْ يَجْعَلُ
فیصلہ کریگا درمیان تمہارے دن قیامت اور ہرگز نہ دے گا
اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝۱۲
اللہ واسطے کافروں اوپر مسلمانوں کے کوئی راستہ

نَصِيبٌ : یہاں اس سے مراد لڑائی کا حصہ یعنی فتح ہے۔

نَسْتَعُوذُ : (ہم نے گھیر لیا تھا) اَسْتَعُوذُ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ہر طرف سے گھیر لینا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ تمہاری حفاظت کی۔

سَبِيلًا : (راستہ) یہاں اس سے مراد غلبہ اور قابو ہے۔

ارشادِ الہی ہے کہ منافق تمہاری حالت کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ان سے یہ امید نہیں کہ سچے دل سے تمہارے ساتھی اور طرفدار ہوں

اور رنج و راحت میں تمہارا ساتھ دیں۔ یہ تو محض موقع محل دیکھ کر ساتھی بنتے ہیں۔ اور ان کا مقصد فقط دنیا کا فائدہ ہے اس سے اونچی ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ ان کا تو حال یہ ہے کہ جب تم اپنے مخالفوں سے لڑ رہے ہو گے تو بظاہر تمہاری طرف کھڑے رہیں گے اور دیکھنے رہیں گے کہ لڑائی کا کیا رنگ ہے۔

اگر تمہاری جیت ہوئی۔ تو جھٹ تمہارے پاس آدھکیں گے اور باتیں بنانے لگیں گے کہ ہم نے تمہارا ساتھ دیا ہے اور لڑائی میں برابر شریک رہے ہیں اس طرح اپنے کارنامے تمہیں جنائیں گے۔ تاکہ ان کو بھی فتح میں برابر کا شریک سمجھو اور مال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ دو۔ اور اگر خدا سزاخواستہ کہیں تمہاری شکست ہو جائے۔ اور تم ہار جاؤ اور دشمن جیت جائے تو تمہیں چھوڑ کر تمہارے دشمن سے جا ملیں گے۔ اور وہاں ان کو خوش کرنے کے لیے باتیں بنائیں گے کہ ہم تو مسلمانوں میں اس لیے نفع لے گئے کہ ان کو تمہاری طرف بڑھنے سے روکیں۔ ہم نے تمہارے چاروں طرف گھیر ڈال رکھا تھا کہ مسلمان تم تک پہنچ ہی نہ سکیں اس لیے تمہاری فتح تمہاری وجہ سے ہوئی ہے اور ہم اس نفع میں جو تمہیں لڑائی سے پہنچا ہے تمہارے برابر کے شریک ہیں آگے ارشاد ہے۔ کہ ایسے مطلب کے پار دنیا میں تو اپنے کام جہاں تک بن سکتا ہے بنا لیتے ہیں اور بعض دفعہ لوگ ان کی چال نہیں سمجھتے اور دھوکے میں آجاتے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن ان کا اور تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔

منافقوں کی پہچان

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ - وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا دُخَالًا وَوَآلِهِمْ كَمَا هُمْ يَكْفُرُونَ
 البتہ منافق دھوکا دیتے ہیں اللہ اور وہ
 خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا دُخَالًا
 دغا دینے والا ہے انکو اور جب کھڑے ہوں طرف نماز کی کھڑے ہوں
 كَمَا هُمْ يَكْفُرُونَ
 جی ہارے ہوئے دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے اللہ
 إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ حَقَّ خَشْيَتِهِ لَمَّا هُمْ يَكْفُرُونَ
 مگر سچوڑا سا دونوں کے درمیان ادھر میں لکھتے ہیں نہ ان کی
 هُوَ الَّذِي يَدْعُوا اللَّهَ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَلَهُمْ سَبِيلٌ مُّسْتَقِيمٌ
 طرف اور نہ ان کی طرف اور جس کو اللہ گمراہ کرے
 فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا
 تو ہرگز اس کے لیے کہیں راہ نہ پائیگا

يُخَادِعُونَ (فریب دیتے ہیں) خَادِعُهُمْ (وہ انہیں فریب دے گا) دونوں ایک ہی مادہ سے ہیں۔ مصدر خداع ہے جس کے معنی ہیں دھوکہ۔ فریب دینا اور چال بازی سے کام لینا۔ مطلب یہ ہے کہ منافق بزعم خود اللہ کو اور اللہ کے بندوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ خود دھوکہ کھنا رہے ہیں۔ مگر محسوس نہیں کرتے۔ اللہ انہیں ان کے اس فریب کا جواب دے گا۔

كَمَا هُمْ يَكْفُرُونَ (جی ہارے ہوئے) کسلان کی جمع ہے جو کسل سے بنا ہے۔ کاہلی اور سستی کو کہتے ہیں۔ کسلان وہ ہے جو سستی کے ساتھ نکلے ماندوں کی طرح مرے دل سے کام کرے۔ شوق اور پھرتی کے ساتھ جی لگا کر کام نہ کرے۔
 يَدْعُوا اللَّهَ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الْكُفْرِ (یاد دہیوں: یہاں سے ہے۔ یعنی لوگوں کے دکھاوے کے لیے کام کرنا۔ یہ لوگ نماز صرف اس لیے پڑھتے ہیں کہ لوگ انہیں نمازی سمجھیں۔)

مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ حَقَّ خَشْيَتِهِ لَمَّا هُمْ يَكْفُرُونَ (ادھر میں لکھتے) ذبذبہ سے بنا ہے جس کے معنی میں کبھی ادھر کبھی ادھر جھکتا کسی طرف پورے طور پر شامل نہ ہونا۔ ان آیات میں منافقین کی مندرجہ ذیل پانچ ظاہری علامات بیان کی گئی ہیں:

- (۱) وہ خود دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ لیکن اپنے خیال میں اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (۲) نماز پڑھتے ہیں مگر انتہائی مرے دل کے ساتھ سستی سے
- (۳) ان کی نماز میں کوئی خلوص نہیں ہوتا۔ محض دکھلاوا اور ریا ہوتی ہے۔ (۴) اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔
- (۵) ایمان اور کفر کے درمیان لکھتے ہیں۔ نہ دل سے ایمان قبول کرتے ہیں۔ نہ کھل کر کفر کا ساتھ دے سکتے ہیں۔

کفار کی دوستی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ
 اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہونہ بناؤ کافروں کو
 أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ . اتَّبِعُوا مَا نَزَّلْنَا
 دوست چھوڑ کر مسلمانوں کو کیا ارادہ کرتے ہو تم کہ بناؤ
 بِاللَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۳۶﴾ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ فِي
 واسطے اللہ کے اپنے اور الزام صریح بے شک منافق ہیں
 الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿۱۳۷﴾
 درجے سب سے نچلے کے سے دوزخ اور سرگز نہ پائیگا تو واسطے ان کے مددگار

سُلْطٰن : قوت و غلبہ اور حجت و الزام اور ایسی دلیل یا بات جس سے دوسرے کو دبا لیا جائے ۔

اعتصموا : ہاتھ مارنا ۔ چنگل مارنا ، اعتصام مصدر ہے جو عصمت سے بنا ہے ۔ عصمت کے معنی ہیں بچاؤ اور اعتصام کے معنی
 ہیں گرنے سے بچنے کے لیے کسی چیز پر ہاتھ مار کر اسے پکڑ لینا اور سہارا ڈھونڈنا ۔

منافقوں کے تمام کروت بیان کرنے کے بعد اب ہدایت کی گئی ہے ۔ کہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھنا چاہیے
 اس سے پہلے بھی دو دفعہ یہ حکم آچکا ہے ۔ اب آخر میں پھر وہی حکم دہرایا گیا ہے ۔ کہ ایسے بُرے اور شریر لوگوں سے دوستی اور میل جول
 سے کچھ حاصل نہ ہوگا اگر ان کی شرارتوں کے باوجود تم ان سے دوستی کرو گے تو یہ مسلمانوں کو اس بہانے سے اور نقصان پہنچائیں گے اس
 لیے ان سے الگ رہو اور مسلمانوں کے لیے باعث نقصان نہ بنو ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہیں سزا دینے کے لیے بہت مضبوط اور پکی
 وجہ قائم ہو جائے گی ۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ یہ لوگ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک اور شریر ہیں ان کو دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں
 داخل کیا جائے گا ۔ جہاں ان عذابوں کے علاوہ جو اوپر کے طبقوں میں ہیں ان کا عذاب الگ ہوگا اور ان سب عذابوں کا مجموعہ ان کو نصیب
 ہوگا اس وقت ان کی کوئی چالبازی نہ چلے گی اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں اس کو کیا دھوکا اور فریب دے سکیں گے یہ دوزخ
 کے نگہبان فرشتوں کی خوشامد کریں گے ۔ کہ ہمیں کم سے کم محفوظی دیری کے لیے کچھ آرام لینے دو لیکن فرشتے تو اللہ کے حکم کے آگے نہ کسی
 کی سنتے ہیں نہ کسی کی طرف دیکھتے ہیں ان کو اپنے کام سے کام ہے ان کے لیے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی ۔

قرآن مجید میں مومنوں کے اچھے اعمال اور ان کی حسن جزا کے ساتھ کفار و منافقین کے شرانگیز اور باغیانہ اعمال و افعال کا جگہ جگہ ذکر
 ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا اور بُرے انجام کو انسانوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے بار بار بیان کیا ہے یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ
 اگر کافروں کیلئے عذاب عظیم کا ذکر ہے تو منافقوں کے لیے عذاب الیم کا اعلان ہے ۔ اسی طرح کفار کے لیے جہنم کی سزا ہے تو منافقوں کو
 درک الاسفل (جہنم کے سب سے نچلے گڑھے) کی وعید ہے ۔

نجات کی راہ

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ
مگر جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ
وَاخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ
اور خالص ہوئے دین اللہ کا یہی لوگ ساتھ مومنوں
وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤﴾
اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو ثواب بڑا
مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ
کیا کرے گا اللہ ساتھ عذاب تمہارے اگر شکر کرو تم اور
أَمِنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٥﴾
ایمان لاؤ تم اور ہے اللہ قدر دان جاننے والا

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ
مگر جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط پکڑا
وَاخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ
اور اللہ کے خالص حکم بردار ہوئے پس وہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں
وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤﴾
اور اللہ ایمان والوں کو جلد بڑا ثواب دے گا
مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ
اللہ تم کو عذاب کر کے کیا کرے گا اگر تم حق کو مانو اور
أَمِنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٥﴾
یقین رکھو اور اللہ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے

پچھلے سبق میں بتایا گیا تھا کہ منافق دھوکے باز لوگ ہیں ان کی نادانی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کو بھی وہ فریب دے
دیں گے۔ ایسے نادانوں سے تم میل جول نہ رکھو۔ اللہ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے وہ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہمارے دل کے
بھید سے واقف نہیں ہے نہیں تو ہمیں فوراً سزا دیتا اس ڈھیل کی وجہ سے یہ خود دھوکا کھا رہے ہیں اور یہ راستہ جس پر وہ چل رہے
ہیں ان کو دوزخ کے سب سے گہرے گڑھے میں لے جا کر ڈال دے گا۔

منافقوں کے لیے عذاب سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ یہ اپنے دوغلے پن کو چھوڑ دیں۔ اور اپنے افعال بد سے باز آئیں اور توبہ
کریں اور اپنا چال چلن درست کریں اور کسی کے دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ خالص اللہ کے لیے دین کو قبول کریں۔ اور فقط اللہ کو اپنا
محافظ اور مددگار مانیں اور اسی کو اپنا ہر مصیبت سے بچانے والا سمجھ کر سہارا بنائیں۔ اگر یہ ایسا کر لیں گے تو ایمان والوں میں شامل ہو جائیں گے
اور انہی کے ساتھ ان کا حشر ہوگا۔ پھر فرمایا کہ عنقریب اللہ مسلمانوں کو بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے ان کو دنیا میں بھی کامیابی نصیب
ہوگی اور آخرت میں چین و آرام ملے گا۔ دنیا میں کافروں پر ان کی فتح ہوگی اور ان کے دشمن ان کے سامنے جھک جائیں گے۔ اور جہنم
کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں بڑی نعمتیں عطا کرے گا جس کا وعدہ ان کے ساتھ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہیں عذاب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ وہ تم کو خواہ مخواہ دکھ درد میں رکھنا چاہتا ہے
بات یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ صرف اس لیے کہ تمہارے اپنے چال چلن کے طریقے غلط ہوتے ہیں عذاب سے بچنے کے
لیے ضروری ہے کہ تم اللہ کا شکر کرو جو نعمت اور آرام تمہیں حاصل ہو۔ اسے اللہ ہی کی طرف سے سمجھو اور اس کے سامنے بندگی کے ساتھ
سر جھکاؤ۔ دوسرے یہ کہ اس کے اوپر پورا یقین رکھو مختصر یہ کہ نجات کے لیے ضروری شرائط یہ ہیں۔ (۱) توبہ (۲) اصلاح احوال (۳) اللہ کو
مضبوطی سے پکڑ لینا۔ (۴) دین کو خالص طور پر اختیار کر لینا۔ (۵) اللہ کا شکر گزار بن کر رہنا (۶) اللہ تعالیٰ کی ذاتِ معفات اس کی قدرتوں اور نعمتوں پر یقین رکھنا

اصلاح کا طریق

<p>لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم کیا جائے اور ہے اللہ سننے والا عَلِيمًا ۱۳۸) إِنَّ يَدُؤُا خَيْرًا أَوْ تَخْفُوهُ أَوْ جاننے والا ہے اگر تم کھول کر کوئی بھلائی کرو یا اس کو چھپاؤ یا تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ برائی کو معاف کرو تو اللہ معاف کرنے والا بڑی عَفْوًا قَدِيرًا ۱۳۹) قدرت والا ہے</p>	<p>لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ نہیں پسند کرتا اللہ ظاہر کرنا برے سے الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا قول کو مگر جس پر ظلم کیا جائے اور ہے اللہ سننے والا عَلِيمًا ۱۳۸) إِنَّ يَدُؤُا خَيْرًا أَوْ تَخْفُوهُ أَوْ جاننے والا اور اگر کھلم کھلا کرو تم بھلائی یا چھپاؤ تم اس کو یا تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ معاف کرو برائی کو پس تحقیق اللہ ہے عَفْوًا قَدِيرًا ۱۳۹) معاف کرنے والا۔ قدرت رکھنے والا</p>
--	--

جہرًا: پکار کر بلند آواز سے کہنا اور ظاہر کر دینا۔

تَبْدُوًا: (علانیہ کرو) ابداء سے ہے جس کے معنی ہیں کھلم کھلا کرنا۔ کھول کر اور ظاہر کر کے کسی کام کو کرنا۔

تَخْفُوهُ: (چھپاؤ تم اس کو) اخفاء سے ہے جس کے معنی پوشیدگی کے ہیں اسی سے اخفاء ہے یعنی چھپانا۔ تخفوه بھی اسی سے بنا ہے۔

تَعْفُوا: (معاف کرو تم) عفو سے ہے معاف اور معافی سب اسی سے بنے ہیں اس کے معنی ہیں بخش دینا اور معاف کرنا عفو بھی اسی

سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بخش دینے والا۔

الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ (بُری بات زبان پر لانا) کسی کی برائی کو کھلم کھلا لوگوں کے سامنے بیان کر دینا یا ایسی بات کہنا

جس میں کسی کی بدنامی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نہایت واضح لفظوں میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا ہے کہ وہ کسی کی برائی کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے یہاں

ثبوت اور بہتان کا ذکر نہیں بلکہ بُرائی کا ہی ذکر ہے جس کے اظہار کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس کے تشہیر اور اظہار سے برائی کے مزید

پھیلنے کا ہی امکان ہے اگر ہم کسی کی برائی پیٹھ پیچھے بیان کریں گے تو غیبت ہوگی منہ پر کہیں گے تو دل آزاری کا سبب بنے گی صرف

مظلوم کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ظالم کے خلاف زبان کھولے اور اس کی بُرائیوں کا اعلان کرے۔

جہاں تک نیکی کا تعلق ہے اس کے ظاہر کرنے اور چھپانے میں اختیار ہے چونکہ اظہار سے دوسروں کو ترغیب ہوگی اور چھپانے

سے اپنے اندر ریاکاری نہ پیدا ہوگی۔ آخر میں پھر فرمایا اگر بُرائی کو معاف ہی کرو تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود تمام باتوں پر قدرت رکھنے والا

معاف کرنے والا ہے اگر وہ مکمل قدرت کے باوجود معاف فرمادیتا ہے تو تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔

مکمل کفر

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ

چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں اور

وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ بِبَعْضِ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ

میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو

وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝۱۵

نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں ایک راہ نکالیں ایسے لوگ ہی اصل کافر ہیں اور

أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝۱۶

ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ

تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ساتھ اللہ اور اس کے رسولوں اور

وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ بِبَعْضِ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ

اور کہتے ہیں ایمان لاتے ہیں ہم ساتھ بعض کے اور کفر کرتے ہیں ساتھ بعض کے

وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝۱۵

اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں درمیان اس کے ایک راہ تیار کیا ہے ہم نے واسطے کافروں کے عذاب ذلیل کرنے والا

تیار کیا ہے ہم نے واسطے کافروں کے عذاب ذلیل کرنے والا

مُؤْمِنُونَ، ارادہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ ارادہ کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں۔

مُهِينًا، اہانت سے ہے جس کے معنی ہیں ذلیل کرنا۔ یعنی وہ عذاب ان کو ذلیل اور حقیر بنا دے گا۔ اس سے پہلے ہدایت کی گئی تھی کہ برا بھلا کہنے سے تم کسی کو درست نہیں کر سکتے اس میں اٹھاؤ ان کے دشمن ہو جانے کا اندیشہ ہے ہاں جو شخص اپنے ستانے والے کو برا بھلا کہے تو بے جا نہیں البتہ وہ بھی اگر صبر کرے تو ایک نیکی ہے اور برائی کے بدلے کوئی اچھی بات کہہ دے تو ایک بڑی نیکی ہوگی اور ستانے والے کو معاف کر دے تو اللہ اس کو اس کا اجر دے گا اور اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

ان آیتوں میں پھر انہی بے دین لوگوں کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ اور چونکہ اکثر منافق لوگ مدینہ کے یہودی تھے یا وہ لوگ تھے جو ان سے گہرا میل جول رکھتے تھے۔ اس لیے منافقوں کے ذکر میں یہودیوں کا ذکر آ گیا۔ لیکن نام کسی کا نہیں لیا گیا کچھ کام بیان کر کے ان کا حکم سنا دیا گیا ہے جن کے اوپر بیان سچا اترتا ہو وہ اپنا فکر کریں اور درست ہونا ہو تو ہو جائیں ورنہ اپنے کیسے کی سزا بھگتیں گے۔

ارشاد ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے۔ یا اللہ کو مانتے ہیں اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے۔ یا بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ اپنے لیے ایک نر الا طریقہ ایمان اور کفر کے بیچ میں مقرر کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ اچھی طرح کان کھول کر سن لیں کہ ان کے کافر ہونے میں ذرا سا بھی شک نہیں اور جب کافر ہوتے تو ضرور عذاب چکھیں گے کیونکہ ہم نے کافروں کے لیے عذاب پہلے ہی تیار کر رکھا ہے جو ان کو ذلیل اور بے عزت کر کے چھوڑے گا۔ رسول پر ایمان لانے اور ان کے کہنے پر عمل کیے بغیر اللہ کو ماننا کچھ حقیقت نہیں

اہل ایمان کے درجات

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا
 اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ اور رسولوں کے اور نہ جدا کی
 بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ
 درمیان کسی کے ان میں سے یہ لوگ عنقریب دے گا ان کو
 أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۵۱﴾
 ثواب ان کے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا
 اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں
 بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ
 سے کسی کو جدا نہ کیا ان کو ان کے ثواب جلد
 أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۵۱﴾
 دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پچھلے سبق میں کہا گیا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو بالکل نہ ماننے والے اور اس طرح اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنے والے کہ اللہ کو مانیں اور اس کے رسولوں کو نہ مانیں یا تمام رسولوں کو نہ مانیں بلکہ بعض کا اقرار کریں اور بعض کا انکار اور اس طرح اپنی ایک نئی راہ نکالیں کہ نہ پورا ایمان ہو نہ پورا کفر۔ یہ سب لوگ ایک ہی زمرے میں ہیں۔ سب کے سب کھلے کافر ہیں۔ یہ لوگ ایماندار اس وقت سمجھے جائیں گے جب اللہ کے ساتھ اس کے رسولوں کو بھی مانیں اور کسی ایک رسول کا بھی انکار نہ کریں۔ اگر انہوں نے ایک کا بھی انکار کر دیا تو کافر ہو گئے لاکھ کہتے رہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ ماننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور وہ کافر رہیں گے۔ یہی حال یہود اور نصاریٰ کا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں اور اس کے رسولوں کو بھی مانتے ہیں لیکن وہ آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اس لیے وہ قرآنی فیصلہ کے مطابق ایمانداروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اہل کتاب کا یہ دعویٰ بیکار ہے۔ کہ ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ ہمیں ہمارے رسول بچالیں گے۔ کیونکہ اسی اللہ نے جس نے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے وقت کا رسول بنا کر بھیجا تھا اب ان سب کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی امت تک کے لیے زمانہ کا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور ان کو قرآن شریف عطا کیا ہے۔ جو لوگ آپ کو رسول نہ مانیں گے ان کی بابت قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ اللہ اور پہلے نبیوں کا ماننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو ماننے والے ہی ایماندار کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بڑے بڑے ثواب مقرر ہیں ان کے ساتھ جو وعدے قرآن مجید میں کیے گئے ہیں وہ سب پورے کیے جائیں گے۔ ان کے لیے اللہ کی رحمت اور مغفرت ہر وقت تیار ہے ان کو آخرت میں پورا پورا آرام اور کبھی نہ ختم ہونے والا آرام و سکون تیسرا ہوگا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ نے انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے ہر زمانے میں ہر امت کے لیے اپنے رسول بھیجے ہیں ہر امت کو اپنے زمانے کے رسول پر اور اس سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں سب پر ایمان لانا لازم و واجب ہے اس زمانے کے لیے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے ماننے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں۔

اہل کتاب کے سوال

يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ
تجھ سے اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ تو ان پر اتار دے
كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ
آسمان سے لکھی ہوئی کتاب سو موسیٰ سے مانگ چکے ہیں
مِنَ ذَلِكَ فَقَالُوا آرِنَا اللَّهُ جَهَنَّمَ
اس سے بھی بڑی چیز انہوں نے کہا ہمیں دکھا دے اللہ کو بالکل سامنے
فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بَغْتَةً وَتُضْمِرُهُمْ
سو ان پر بجلی آ پڑی ان کے گناہ کے باعث
ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ مَا
پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ بہت کچھ
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ
نشانیاں پہنچ چکنے کے بعد پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا اور
وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۵۳﴾
ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دیا۔

يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ - أَنْ - تُنزِلَ - عَلَيْهِمْ
درخواست کرتے ہیں تجھ سے اہل کتاب کہ تو اتار دے ان پر
كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ - فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ
کتاب آسمان سے پس تحقیق مانگی انہوں نے موسیٰ زیادہ بڑی چیز
مِنَ ذَلِكَ فَ قَالُوا - آرِنَا - اللَّهُ جَهَنَّمَ
اس سے اس پس انہوں نے کہا دکھا ہم کو اللہ کھلم کھلا
فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِ غْتَةً وَ تَضْمِرُهُمْ
پس آ پکڑا ان کو بجلی کی کرک کہ سبب ظلم ان کے
ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِن بَعْدِ - مَا
پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑا اس کے پیچھے کہ
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَ عَفَوْنَا عَن ذَٰلِكَ
آئیں ان کے پاس نشانیاں پھر معاف کر دیا ہم نے اس
وَ آتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۵۳﴾
اور دیا ہم نے موسیٰ کو غلبہ ظاہر

آر (دکھا دے) رویہ سے بنا ہے۔ رویہ کے معنی دیکھنا اور ارادۃ کے معنی دکھانا۔

الصَّعِقَةُ (بجلی) صعق سے جس کے معنی ہیں زور سے گرنے یا مدھوش ہو کر ایک دم گرنا یہاں اس سے مراد بجلی ہے جو کرک کے ساتھ گرتی ہے۔ — مدینہ میں یہود کے کچھ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ اگر آپ رسول ہیں تو ایک دم لکھی لکھائی پوری کتاب آسمان سے اتری ہوئی لے کر آئیے جیسے کہ حضرت موسیٰ یکدم ساری توراہ لائے تھے۔ ایسی کتاب کے نہم قائل نہیں جو تھوڑی تھوڑی اترے ان کے جواب میں یہ آیتیں اتریں — اس سارے رکوع میں یہی بیان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب ان کی بہانہ بازیاں ہیں۔ یہ لوگ سب رسولوں کے ساتھ ایسی ہی گستاخیاں کرتے چلے آئے ہیں ان سے پوچھو کہ حضرت موسیٰ تو ساری توراہ ایک دم لے کر تمہارے پاس آئے تھے۔ اس کے بعد تم نے انہیں کیوں نہ مانا اور بے ادب لوگوں کا سامنا طلبہ پیش کیا اس کے علاوہ طرح طرح کی بیہودہ حرکتیں کیا اے رسول اب تیرے ساتھ بھی یہی طرح پیش آ رہے ہیں ہم تجھے ان کے کچھ بیہودہ کام اور نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ان کی گستاخیاں بتاتے ہیں۔ یہ بڑے شریر اور فسادی لوگ ہیں ان کو طرح طرح کی سزاؤں دی گئیں یہ ڈر کر کچھ باتیں قبول کر لیتے لیکن اس کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہوجاتے تھے۔ اس گستاخی کی سزا میں ان پر بجلی گری اور وہ ہلاک ہو گئے۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے زندہ ہوئے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی انہوں نے اللہ کو نہ مانا بلکہ ایک بچھڑا بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیا۔ پھر ان کو اس پر بھی معاف کر دیا گیا اور ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰ کو بڑا پی دی گئی۔

یہود کی زیادتیاں

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ
اور اٹھایا ہم نے اُوپر اُن کے پہاڑ بغرض عبدیض کے اُن سے
وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَاذْ
اور کہا ہم نے اُن سے داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے اور
قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْبُدُوا فِي السَّبْتِ
کہا ہم نے اُن سے نہ زیادتی کرو میں ہفتہ کے دن
وَآخِذْنَا مِنْهُم مِّثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۶﴾
اور لیا ہم نے ان سے قول مضبوط

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ
اور ہم نے ان پر اقرار لینے کے واسطے پہاڑ اٹھایا
وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَاذْ
اور ہم نے کہا دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو
قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْبُدُوا فِي السَّبْتِ
اور ہم نے کہا کہ ہفتہ کے دن میں زیادتی نہ کرو
وَآخِذْنَا مِنْهُم مِّثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۶﴾
اور ہم نے اُن سے مضبوط قول لیا

سُجَّدًا (سجدہ کرتے ہوئے) ساجد کی جمع ہے جو سجدہ سے بنا ہے یعنی کسی کے سامنے تعظیم سے سر زمین پر سینا۔

لَا تَعْبُدُوا (مت زیادتی کرو) عدوان سے بنا ہے جس کے معنی ہیں حد سے گزر جانا۔

غَلِيظًا - موٹے اور بھاری کو کہتے ہیں مراد۔ مضبوط اور محکم ہے جو ٹوٹنے والا نہ ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق فرمایا کہ ان سے کہا گیا کہ توراہ میں جو حکم تمہیں دیئے گئے ہیں ان پر عمل کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ حکم بہت سخت ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں تو ہم نے پہاڑ کو اُن کے سر پر اٹھا کر کھڑا کر دیا وہ ڈر کے مارے کانپنے لگے کہ اب یہ ہمارے سر پر گرا اور ہم پس کر چکنا چوڑ ہوئے اس طرح انہوں نے توراہ پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس عہد پیمان کے بعد ان کو حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے اللہ کے سامنے سر جھکا کر داخل ہوں انہوں نے اس کی بھی نافرمانی کی اُس کی سزا میں اُن کے اندر طاعون پھیلا اور سزا دیں مر گئے اس کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اور ایک حکم کو توڑا اُن سے کہا گیا تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کرنا اس کا اُن سے بہت مضبوط اور پختہ قرار لے لیا گیا تھا اتفاق سے ہفتہ ہی کے دن مچھلی کثرت سے آتی تھی اُن سے نہ رہا گیا انہوں نے ایک چال چلی جس سے مچھلی کو ہنستہ کے دن پکڑا تو نہیں لیکن جو من ایسے بنائے کہ ہفتہ کے دن مچھلی اس میں آجائے اور پھر نکل نہ سکے اور انوار کے دن وہ پکڑ لیں مراد ظاہر ہے کہ یہ کام کرنا حکم کے خلاف تھا اس کی سزا میں ان کو بندر بنا دیا گیا۔ پہلے سورہ بقرہ میں بھی اُس کا ذکر آچکا ہے۔

ایسے لوگ دنیا کی عزت، مال و دولت اور فوج و لشکر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ عالم غیب کے قائل نہیں ہوتے ظاہری چیزوں ہی کو اہمیت دیتے ہیں۔ اللہ رسول اور اُن کے احکام ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ نہ اللہ کی کتابوں کو ملتے ہیں۔ نہ اُس کے فرشتوں کی کوئی حقیقت سمجھتے ہیں۔ آخرت کے حساب کتاب کو گھڑی ہوئی بات قرار دیتے ہیں۔ لیکن اُن کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ اُن کو اللہ کے مقرر کیئے ہوئے قوانین کے مطابق پوری پوری سزا دینا اور آخرت میں مل کر رہے گی۔

یہودیوں کی بد اعمالیاں

فِيمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَكُمْ وَكُفِّرْتُمْ بِآيَاتِ

یوم ان کا توڑنا عہد پیمان اپنا اور انکار ان کا آیات

اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغْيٍ حَقٍّ وَ

اللہ اور ان کا قتل کرنا نبیوں کو بغیر حق اور

قَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ

کھاناں کا ہمارے دل ڈھکے ہوئے بلکہ مہرکوی اللہ

عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۵

ان پر بہ سبب ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے

فِيمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَكُمْ وَكُفِّرْتُمْ بِآيَاتِ

(انہیں سزا ملی) ان کی عہد شکنی اور اللہ کی آیات کے انکار کرنے

اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغْيٍ حَقٍّ وَ

پر اور ناحق پیغمبروں کے قتل کرنے پر اور ان کے یہ کہنے

قَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ

پر کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر

عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۵

کفر کے سبب مہر کردی سو ایمان نہیں لاتے مگر کم

مِيثَاقٌ: قول و قرار اور عہد و پیمان یہ لفظ وثوق سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بھروسہ کرنا ميثاق کے معنی ہیں۔ قابل وثوق وعدہ۔

غُلْفٌ: (ڈھکے ہوئے) اغلف کی جمع ہے۔ جو غلاف سے بنا ہے اغلف وہ شئی جو غلاف میں یوں چھپی ہو کہ باہر کی کوئی چیز اس تک نہ پہنچے۔

طَبَعَ (مہر لگانا) طبع سے ہے جس کے معنی ہیں چھاپنا۔ چھاپا لگانا کوئی جھننے والی چیز رکھ کر اسے اُوپر سے عام طور پر مہر سے دبا دینا۔ تاکہ

خوب جم جائے اور مہر کے حرف اس پر اُٹھ جائیں اس سے اندر کی چیز کی خوب حفاظت ہو جاتی ہے۔ اور باہر کی کوئی چیز اندر نہیں جاسکتی

پہنچتی آیتوں میں ذکر کیا گیا تھا۔ کہ یہودیوں کو بہت سی سزائیں ملیں۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ تمام سزائیں انہیں کیوں ملیں شاید

ہی دنیا میں کسی اور قوم نے اتنی ڈھٹائی کی ہو۔ اور پھر کامل تباہی سے بچ رہی ہو۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ وہ بچے

رہے اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اختیار کر لیتے تو یقیناً دنیا میں بھی بڑے مرتبے والے ہو گئے ہوتے اور آخرت

بھی سنو گئی ہوتی۔ لیکن ان کی شامت اعمال نے ان کو انتہائی بد قسمتی کا شکار کر دیا اور اسلام جیسی بڑی نعمت سے محروم رہ گئے۔

ارشاد ہے ان کی یہ گت اس لیے بنی کہ انہوں نے پکے قول و قرار اور پختہ عہد و پیمان کر کے کچے دھاگے کے طرح توڑ کر رکھ دیا اور کھلم

کھلا ان کے خلاف کام کرنے لگے۔ وہ اللہ کی صاف صاف اور کھلی نشانوں کا انکار کر بیٹھے ہیں کہ سارے احکام کو پیٹھے پیچھے پھینک کر بیٹھ

رہے اللہ کی سیدھی راہ بتانے والے نبیوں کو جان سے مارا۔ حالانکہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ ایسے سچے خیر خواہوں کو یوں بیٹھے بٹھانے

قتل کر ڈالنے سے بڑھ کر سخت دلی اور بے ایمانی کی نشانی کیا ہو سکتی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سن کر ڈھٹائی سے جواب دیا کہ ہمارے دل تک تمہاری بات پہنچ نہیں سکتی۔ کیونکہ ان کو

غلاف کے اندر احتیاط سے چھپا دیا گیا ہے۔ تمہارے الفاظ باہر ہی باہر رہتے ہیں دل کے اندر جانے کا انہیں راستہ ہی نہیں مل سکتا۔ ان سب

باتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کے اُوپر سخت سخت عذاب نازل ہوئے۔ یہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ان کے

کفر اور گمراہی کی بدولت ان پر اللہ کی طرف سے مہر لگ گئی ہے اب وہ ایمان نہیں لائیں گے اور ان کے تھوڑے سے آدمیوں کے سوا جو ایمان

لے آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ سے یہود کا سلوک

وَبِكْفُرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا
 اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان
 عَظِيمًا ﴿۱۱۱﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ
 بڑا اور کہنے کے ان کے ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ
 ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا
 بیٹے مریم رسول اللہ نہ قتل کیا اس کو اللہ نہ
 صَلَّبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ
 سولی دی آں کو اور بلکہ صورت بن گئی ان کے بیٹے اور بیشک جو لوگ
 اَخْتَلَفُوا فِيهِ لَ فِي سَكِّ مَنَّهُ ط
 اختلاف کرتے ہیں اس میں البتہ میں شک اس میں

شُبِّهَ (صورت بن گئی) تشبیہ سے بنا ہے جس کی اصل "شباہت" ہے۔ اس سے لفظ "مشابہت" بھی بنا ہے۔ شباهت کے
 معنی ہیں کسی کے ساتھ صورت ملنا اور یکساں شکل کا ہونا۔ تشبیہ کے معنی ہیں۔ ایک چیز کو دوسری سے ملانا۔ اور ان دونوں کی شکل ایک
 کر کے دکھانا۔ یہاں اس سے مراد ہے کہ ان کی آنکھوں میں ایک شخص کی شکل حضرت عیسیٰ کی سی دکھائی دینے لگی۔

اس آیت میں یہود کی ان برائیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیں۔ اول تو ایمان لانے سے صاف
 انکار کر دیا۔ اور اس کے لیے عجیب عجیب شرطیں پیش کیں۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے نسبت
 سے معجزے اور اپنی سچائی کی نشانیاں انہیں دکھائیں۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ اُلٹے اُن کے دشمن ہو گئے۔ اُن کی والدہ ماجدہ
 حضرت مریم پر گناہ کا الزام لگایا۔ جو بالکل جھوٹ تھا۔ وہ بالکل پاک دامن تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سرکشی اور کہنا نہ
 ماننا عادتیں بہت پرانی اور گہری تھیں۔

یہودی صرف اس صورت میں ہی حکم مانتے تھے جب اُن کے سر پر کوئی زبردست طاقت مارنے پینے کے لیے تیار کھڑی ہو۔
 اس وقت خوف اور ڈر سے دب کر مجبوراً فرمانبردار ہو جاتے۔ لیکن سر پر سے ڈنڈا اٹھتے ہی پھر ویسے ہی ہو جاتے۔ انہوں نے اپنے خیال میں
 حضرت عیسیٰ کو پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور پھر شیخی بگھارتے پھرے کہ ہم نے حضرت مسیح کو مار ڈالا۔ یہ اُن کی زبردست گستاخی تھی۔ لیکن
 قرآن مجید نے صاف کہا ہے کہ اُن کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ انہوں نے ایک اور شخص کی شکل سے دھوکہ کھا کر اُسے پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی
 پر لٹکا دیا۔ حضرت عیسیٰ کو نہ قتل کیا اور نہ سولی دی یہودی اُس وقت سے آج تک اسی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور شک و شبہ میں گرفتار
 ہیں۔ نرے یہودی ہی نہیں۔ بلکہ اور لوگ بھی حضرت عیسیٰ کے قتل کی بابت شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور اس بارے میں اُن کی ساری باتیں
 محض قیاس اور خیال پر مبنی ہیں۔

حیات و ممات مسیح

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ

ان کو اس کی کچھ خبر نہیں۔ صرف اٹکل پر چل رہے ہیں اسے

مَا قَتَلُوا يَقِينًا ۝۱۵۹ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَ

یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اسے اللہ نے اپنی طرف

كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۶۰ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ

اٹھایا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اور اہل کتاب کے جتنے

الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَ

فرقے ہیں سو عیسیٰ پر یقین لادیں گے اس کی موت سے پہلے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝۱۶۱

اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہو گا۔

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ

نہیں ان کو اس کی کچھ خبر مگر پیروی گمان کی اور

مَا قَتَلُوا يَقِينًا ۝۱۵۹ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَ

نہیں قتل کیا اس کو یقیناً بلکہ اٹھایا اس کو اللہ اپنی طرف اور

كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۶۰ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ

ہے اللہ زبردست حکمت والا اور نہیں کوئی اہل

الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَ

کتاب البتہ ضرور یقین کریگا ساتھ اس کے پہلے موت کے اسکی اور

يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝۱۶۱

دن قیامت ہو گا وہ ان کے اوپر گواہ

الظَّنُّ (دگمان اور خیال) ایسی بات جس کی بنیاد حقیقت پر نہ ہو۔ بلکہ محض اٹکل ہو۔

رَفَعَ (اٹھایا) رفع مصدر ہے۔ اس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔

پچھلے سبق میں کہا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ کی بابت یہودی اور دوہرے لوگ شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس وقت لوگ ان کے

قتل کے ارادے سے ان کے گھر میں داخل ہوئے۔ تو پہلے ایک شخص اندر گیا۔ اس کے بعد اور لوگ اندر گئے۔ انہیں ایک ہی آدمی اندر

ملا جس کا چہرہ انہیں بالکل حضرت عیسیٰ کا سا نظر آیا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جو غور سے دیکھا۔ تو کہنے لگے کہ اس کا

چہرہ تو (حضرت) عیسیٰ کا ہے۔ لیکن ہاتھ پاؤں ہمارے آدمی کے سے ہیں۔ جو ہم سب سے پہلے اندر آیا تھا۔ کسی نے کہا کہ یہ اگر عیسیٰ

نہ تھے ہمارا آدمی تھا تو وہ کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ تھے۔ تو ہمارا آدمی کہاں گیا۔ غرض اسی شک و شبہ کی حالت میں رہے۔ آج تک

حضرت عیسیٰ کی بابت اپنی اپنی رائے ظاہر کر رہے ہیں۔ اصل بات کسی کو معلوم نہیں۔ فقط اٹکل اور گمان سے رائے قائم کرتے ہیں

اس کے آگے آیت میں اصل واقعہ ظاہر کیا گیا ہے اور ایسے صاف لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے کہ سمجھنے میں غلطی ہو ہی نہیں سکتی

ارشاد ہے کہ یہ یقینی بات ہے۔ کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ ہوا یہ کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا

لیا۔ اور ان کے اپنے آدمی کی شکل ان کو حضرت عیسیٰ کی سی نظر آئی۔ اس کو انہوں نے قتل کر دیا۔ اللہ بڑی قدرت اور طاقت والا ہے

کسی بات کے کرنے سے عاجز نہیں۔ جس وقت کسی بات کے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ظہور میں آجاتی ہے چاہے کسی کی سمجھ

ہیں آئے یا نہ آئے۔ اور پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کی بابت سارے اہل کتاب آخر میں مان کر رہیں گے۔ پھر قیامت کے دن حضرت

عیسیٰ ان لوگوں کے متعلق گواہی دیں گے۔

یہودیوں پر سختی

فِظْلِهِ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

سویہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان پر حرام کیں بہت

طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ

سوی پاک چیزیں جو حلال تھیں اور ان پر حرام کیں بہت

سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَأَخَذُوا

کی راہ سے بہت اور اس وجہ سے کہ سو دیتے تھے

وَقَدْ نُهَوِا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ

اور ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال

بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ

ناحق کھاتے تھے اور ہم نے تیار کر رکھا ہے واسطے کافروں جو

عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۶۱

ان میں دردناک عذاب

فِظْلِهِ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

ظلم کی وجہ سے ان لوگوں میں سے یہودی ہوئے حرام کیں ہم نے ان پر

طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ

پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں ان پر اور ان کے روکنے سے

سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَأَخَذُوا

راستے اللہ بہت اور ان کا لینا سود

وَقَدْ نُهَوِا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ

اور حالانکہ منع کیے گئے تھے وہ اس اور ان کے کھانے مالوں لوگوں

بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ

باطل اور تیار کیا ہے ہم نے واسطے کافروں کے ان میں سے

عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۶۱

عذاب دردناک

پچھلی آیتوں میں یہود کی شرارتیں اور بُری باتیں بیان ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے سورہ بقرہ میں بھی بہت کچھ بیان ہو چکی ہیں جس سے ان

کی ضد اور ہٹ دھرمی کا سمجھ لینا آسان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے ہر ایک میل جول رکھنے والے نے ذاتی تجربے سے بھی ان کو ایسا ہی پایا ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور بے دھرمی گناہ کرنے کی وجہ سے انہیں حکم بھی سخت سے سخت دیے گئے۔ اس کے بغیر ان کے مزاج ذرا بھی درست نہیں ہو سکتے تھے۔

مثل مشہور ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ ان کو سزا میں بہت سخت دی گئیں۔ پھر بھی وہ اتنے سخت تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھیک ہو جاتے۔ اور پھر ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے پہلے پہلے جو آسانیاں شریعت نے انہیں دے رکھی تھیں۔ وہ سخت کر دی گئیں۔ اور بہت سی حلال چیزیں حرام کر دی گئیں۔ مثلاً ان پر کھانے کی اکثر چیزیں حلال تھیں۔ اور شریعت بھی زیادہ سخت نہ تھی۔ لیکن انہوں نے ایسی شرارتیں اور زیادتیاں کیں۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لائے۔ تو اس میں ان کو سخت حکم دیے گئے اور وہ ان بہت سی چیزوں سے محروم کر دیے گئے جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔

ایسی سخت شریعت ان کو اس لیے دی گئی۔ کہ ان کے مزاج آسانوں کی وجہ سے قابو سے باہر ہو چکے تھے وہ قانون کی حد سے باہر نکل گئے تھے۔ لوگوں کو اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستہ سے روکنا ان کا ایک مقرر مشغل ہو گیا تھا وہ سود کھانے میں ذرا بھی برائی نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور غلط طریقوں سے بھی لوگوں کے مال چھینتے تھے کبھی لوٹ مار سے۔ کبھی دھوکا دے کر۔ کبھی بہلا پھسلا کر غرض جس طرح ہو سکتا۔ بے دھرمی دوسروں کا مال ہضم کر جاتے تھے۔

عظیم
اجر

لٰكِنَ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور

الْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَ

ایمان لائے والے ہیں وہ اس کو ماننے میں جو تجھ پر نازل ہوا اور

مَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ

جو تجھ سے پہلے نازل ہوا (آفرین ہے) نماز پر قائم رہنے والوں کو

وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ

اور دینے والے ہیں اور اللہ پر یقین رکھنے والے ہیں اور

الْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۷۲﴾

قیامت کے دن پر سوائیوں کو ہم بڑا ثواب دیں گے

لٰكِنَ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ

لیکن وہ جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے اور

الْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَ

ایمان لائے - یقین رکھتے ہیں ساتھ اس کے جو نازل کیا گیا تیری طرف اور

مَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ

جو نازل کیا گیا تجھ سے پہلے اور قائم رکھنے والوں نماز

وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ

اور دینے والے ہیں زکوٰۃ اور ایمان لائے ہیں اللہ پر اور

الْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۷۲﴾

دن قیامت کے یہ لوگ ہیں کہ ہم عنقریب ہی ان کو ثواب بڑا

الرَّاسِخُونَ (پختہ) راسخ کی جمع ہے جو راسخ سے بنا ہے۔ راسخ کے معنی ہیں کسی چیز کے اندر جم کر بیٹھ جانا۔ راسخ کے معنی ہیں جم جانے والا

گڑ جانے والا۔

الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ وہ لوگ جو علم کے اندر گڑے ہوئے ہیں، یعنی علم میں پختہ اور مضبوط ہو چکے ہیں۔ علم کی گہرائی تک پہنچ

چکے ہیں اور ان کے دل شک و شبہ سے ڈگمگاتے نہیں۔

الْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ۔ اس کے پہلے ایک اور لفظ ہے جو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن سننے والا اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ ترجمہ

ہیں اسی لفظ کا مطلب شایبہ۔ آفرین۔ مرحبا سے ادا ہو جاتا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں ذکر تھا کہ یہود بڑے ظالم ہیں۔ بے کھٹکے ایسی باتیں کر بیٹھتے ہیں جو قانون کے اندر گناہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے

کہ ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی سمجھ تیز ہے۔ اور وہ بات کی تہ کو پہنچتے ہیں

اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں چند ساعت سے زیادہ کی نہیں اور اگر گھنٹوں کی بھی ہوئیں تو کیا ہے، یہ سب کچھ تندرستی اور بدن کی قوت پر موقوف

ہے لیکن یہ دونوں بدلنے والی چیزیں ہیں۔ ان کے بغیر مال بھی بے کار ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرنے کے بعد کی جو زندگی ہوگی۔ اس میں

بیماری اور موت کا نام نشان نہیں۔ اور نہ لذت گھنٹوں یا گھنٹوں یا دنوں میں ختم ہونے والی ہے۔ بلکہ ہر وقت اور ہمیشہ لذت ہی لذت ہے

اور اس کے لیے فقط یہی تو کرنا ہے۔ کہ اللہ کو مان کر اس کے رسولوں اور کتابوں کو ماننا ہے۔ اور اسی کے حکم پر چلنا ہے۔ مال کی زکوٰۃ دینی

ہے۔ آخرت پر ایمان لانا ہے۔ نماز پڑھتی ہے یہودہ لذتوں اور نقصان دینے والی چیزوں کو چھوڑتا ہے۔ جو لوگ یہ راستہ اختیار کرتے ہیں

ان کے لیے بہت بڑا انعام دوسری زندگی میں تیار ہے۔ عقلمند لوگ یہی راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اللہ کی وحی

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَ
بیشک ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے طرف نوح اور
النَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ
نبیوں کے سے بعد اس کے اور وحی بھیجی ہم نے طرف ابراہیم
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبَاطِ وَ
اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور
عِيسَىٰ وَيُوسُفَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ
عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان
وَإِذْ نَادَىٰ دَاوُدَ ذُورًا ۗ ﴿۱۳۱﴾ وَرَسُولًا قَدْ قَضَىٰ
اور وحی ہم نے داؤد کو ذبور اور رسول کہ بیان کیا ہم نے ان کو
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَرَسُولًا لَمْ نَقْضِصْ لَهُمْ
تجھ پر اس سے پہلے اور رسول کہ نہیں بیان کیا ان کو
عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۗ ﴿۱۳۲﴾
تجھ پر اور بات کی اللہ موسیٰ بول کر

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَ
ہم نے تیری طرف وحی بھیجی جیسے نوح پر وحی بھیجی اور
النَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ
نبیوں پر جو اس کے بعد ہوئے اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبَاطِ وَ
اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور
عِيسَىٰ وَيُوسُفَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ
عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر
وَإِذْ نَادَىٰ دَاوُدَ ذُورًا ۗ ﴿۱۳۱﴾ وَرَسُولًا قَدْ قَضَىٰ
اور ہم نے داؤد کو ذبور وحی اور بھیجے ایسے رسول جن کا احوال
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَرَسُولًا لَمْ نَقْضِصْ لَهُمْ
ہم نے تجھ کو اس سے پہلے سنایا اور ایسے رسول جن کا احوال تجھ کو نہیں
عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۗ ﴿۱۳۲﴾
سنایا اور اللہ نے موسیٰ سے بول کر باتیں کہیں

اَوْحَيْنَا (ہم نے وحی بھیجی) ایچاء سے ہے جو وحی سے بنا ہے۔ وحی کے معنی ہیں چھپ کر اس طرح کچھ کہنا کہ آواز آئے اور بولنے
نہ دکھائی دے۔ دوسرے معنی ہیں اشارہ کرنا یا فرشتہ کے ذریعے پیغام بھیجنا۔ اس لیے "اوحینا" کے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے اپنی آواز سننا
کر یا فرشتہ بھیج کر تھوڑا تھوڑا ایسا ایک دم پیغام اپنے نبیوں کو بھیجا۔

اَسْبَاطُ، سبط کی جمع ہے اس کے اندر بیٹے۔ پوتے اور آگے ان کی اولاد سب شامل ہے۔

كَلَّمَ (بات کی) تکلم سے ہے۔ جس کے معنی ہیں بات کرنا اور یہ کلام ہی سے بنا ہے یعنی بولنا۔ بات کرنا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد الہی ہے کہ ہم نے تم پر وحی بھیجی۔ جیسے اس سے قبل حضرت نوح

ہم۔ اسمعیل۔ اسحاق۔ یعقوب علیہم السلام۔ ان کی اولاد۔ حضرت عیسیٰ۔ ایوب۔ یونس۔ ہارون اور سلیمان علیہم السلام پر وحی کی

اور حضرت داؤد کو ذبور کتاب دی تھی اور حضرت موسیٰ سے کلام کیا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار نبی اور رسول آئے۔ جن کا ذکر

بنا مجید میں نہیں آیا ہے۔ ان آیات سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبوت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی نئی بات نہیں۔ ابتدا سے یہ سلسلہ

بای ہے۔ آپ اس مقدس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر نبی آئے مسلمان ان سب کو سچا

مانتے ہیں۔ خواہ ان کے نام اور حالات بھی معلوم نہ ہوں۔

اللہ کی شہادت

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَلْمَ الْكَافِرِينَ لِيَكُونَ لِلنَّاسِ
رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرسانے والے تاکہ نہ ہو آدمی کو
عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ
پر اللہ بہانہ بعد رسولوں اور ہے اللہ
عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۳۵﴾ لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ
زبردست حکمت والا لیکن اللہ گواہی دیتا ہے بابت اُنکے آمارا
إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ وَ
تیری طرف اُس کو اتارا اس کے علم کے ساتھ اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور
كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
کافی ہے اللہ ہی گواہ بیشک جنہوں نے کفر کیا اور
صَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۳۷﴾
روکا سے راہ اللہ تحقیق ہٹ گئے راستہ دور

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَلْمَ الْكَافِرِينَ لِيَكُونَ لِلنَّاسِ
پیغمبر خوشخبری اور ڈرسانے والے بھیجے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کو
عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ
اللہ پر رسولوں کے بعد الزام کا موقعہ اور اللہ زبردست
عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۳۵﴾ لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ
حکمت والا ہے لیکن اللہ اس پر شاہد ہے جو تجھ پر
إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ وَ
نازل کیا کہ یہ اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں اور
كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
اللہ حق ظاہر کرنے والا کافی ہے جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے
صَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۳۷﴾
اللہ کی راہ سے روکا وہ بہک کر دور جا پڑے

لَسَلًا: اصل میں یہ تین حرف ہیں۔ ل۔ آن۔ لا اس کے معنی ہیں (تاکہ۔ نہ) لکھنے میں لسا لکھا جاتا ہے سچ میں سے نون اڑ جاتا ہے۔

صَدُّوا: (روکا) "صد" سے ہے جس کے معنی ہیں باز رکھنا اور روکنا ضَلُّوا (راہ سے بھٹک جانا) "ضلال" سے بنا ہے جس کا

معنی ہے راستہ کھودینا — ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا: بھٹیک راستہ چھوڑ کر غلط راستہ پر ہو گئے اور بہت دور نکل گئے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے اس سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری دے

کہ اللہ کی طرف سے اُن کو ان نیک کاموں کا بہت اچھا بدلہ ملے گا۔ اور برے کام کرنے والوں کو ڈرا دیں کہ آفتوں میں مبتلا ہوں گے۔

رسول اس لیے بھیجے کہ لوگ اللہ کے سامنے یہ عذر اور بہانہ نہ کر سکیں کہ ہمیں تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ بھٹیک راستہ کون سا ہے۔ معلوم ہو

جاتا۔ تو ہم ضرور اس پر چلتے۔ رسولوں کے بھیجنے کے بعد اب وہ یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انہوں نے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ

اس راستہ پر چلو۔ اب اگر وہ لوگ ان کی بات کو نہ مانیں تو اُن کی پکڑ ہوگی۔

اللہ چاہتا تو زبردستی سب کو سیدھے راستے پر چلاتا۔ کیونکہ وہ بڑی قدرت اور قوت والا ہے لیکن اس کی حکمت اور تدبیر نے یہ

چاہا کہ انسان کو اختیار دے۔ اور اس کے کاموں کی اسے جزا سزا ملے۔ پھر فرمایا کہ قرآن مجید کو ہم نے تمام زمانوں کے لیے پوری پوری

ہدایت کرنے والا مقرر کر دیا ہے اور ہم اس کی گواہی دیتے ہیں اور تمام فرشتے بھی اس کے گواہ ہیں کہ اس میں انسان کی ضروریات کی تمام

چیزیں موجود ہیں۔

کفار کے لئے جہنم

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ
 لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا إِلَهُ يَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝
 الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا يَهْدِيهِمْ اللَّهُ
 إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
 وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝
 اور یہ اللہ پر آسان ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ
 لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا إِلَهُ يَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۝
 کہ بخشنے ان کو اور نہ یہ کہ دکھائے ان کو راہ
 سوا راہ دوزخ کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ
 اور یہ اللہ پر آسان ہے

ظَلَمُوا (حق دبا رکھا) ظلم سے ہے جس کے معنی ہیں۔ نقصان پہنچانا اور دوسروں پر زیادتی کرنا۔ پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور اس کے دین کو نہیں مانتے۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ وہ غلط راستہ پر پڑ کر بہت دور نکل گئے ہیں۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ کفر کرنے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے اپنے اوپر اور دوسروں پر زیادتیاں کرنے والے میں۔ وہ سیدھے راستے سے ہٹ چکے ہیں اور آخرت باہی کی طرف پہنچ کر رہیں گے۔ ان کے لئے اب سیدھے راستے پر آنے کا کوئی موقع ہی نہیں وہ اس غلط راستے پر بہت دور نکل گئے ہیں۔ اگر اب کوئی انہیں صحیح راستے بتائے گا تو وہ ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ کیونکہ جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں وہ انہیں اچھا خاصا معلوم ہوتا ہے۔ قدم قدم پر ان کی دلی خواہشیں پورا ہونے کا سامان ہے۔

اگر وہ کسی سے پوچھتے بھی ہیں۔ تو اسی راستے کی زیادہ آسانیاں حاصل کرنے کی تدبیریں پوچھتے ہیں۔ صحیح راستے کا انہیں خیال بھی نہیں آتا۔ اللہ کو تو مانتے ہی نہیں اور نہ اس سے ہدایت طلب کرتے ہیں۔ اللہ کو بھی ان کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ انہیں اسی راستہ پر چلنے دے گا جو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس کے ہاں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ سیدھے راستے پر چلنے کے لئے کسی پر زبردستی نہیں کرتا۔ یہ راستہ جو انہوں نے اختیار کیا ہے غلط ہے۔ اس لئے وہ جہنم پر جا کر ختم ہوگا۔ اور اسی میں لے جا کر انہیں جھونک دے گا۔ اس صورت میں ان کے لئے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور نہ اس میں سے کبھی نکل سکتے ہیں۔ ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

اللہ کے لئے یہ آسان ہے کہ ان کو ان کے کیے کی سزا دے اگر ان کو سزا ملے گی تو ظاہر ہے وہ انہوں نے خود ہی اپنے سر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے لئے وہی راستہ آسان کر دیتا ہے جسے وہ انسان اختیار کرتا ہے یہ اس کا مقرر کیا ہوا قانون ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا مختصر یہ کہ انسان کو ارادہ میں اختیار بخشا گیا ہے اور قانون الہی ہے کہ انسان جو ارادہ کرے اس کے لئے اسباب و وسائل مہیا ہو جاتے ہیں اس ارادہ کی بناء پر انسان نیک و بد کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے۔

آخری رسول کی آمد

يَا أَيُّهَا النَّاسُ - قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ

اے لوگو! تحقیق آیا تمہارے پاس رسول

بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ - فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ

ساتھ ٹھیک بات سے تمہارا دین پس ایمان لاؤ تم بہتر تمہارے لیے

وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اور اگر تم کفر کرو گے پس بیشک اللہ کے لیے جو کچھ میں آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۵﴾

اور زمین اور اللہ جاننے والا حکمت والا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ

اے لوگو! تمہارے پاس رسول آ چکا

بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ

تمہارے رب کی طرف سے حق بات لے کر سوا ان لوگوں کے تمہارا بھلا ہو

وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اللہ اگر نہ مانو گے تو سب کچھ اللہ کا ہے آسمانوں میں

وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۵﴾

اور زمین میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

حکیم (حکمت والا) اللہ کی یہ صفت قرآن مجید میں بار بار آئی ہے۔ حکمت سے بنا ہے حکمت کے معنی ہیں ایسی بات کرنا جس میں

بہتری ہو، ظاہر ہے کہ یہ وہی کر سکتا ہے جو سب کچھ جانتا ہو اور معلومات کو اس طرح منظم کر سکتا ہو کہ آخر تک نتیجے اچھے نکلتے جائیں۔

پہلی آیت میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ کسی کو زبردستی سیدھے راستے پر چلانا نہیں چاہتا۔ ہر انسان کو اپنا راستہ پسند کرنے

کا اختیار ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق ارشاد ہوا تھا۔ کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ اور بُرے کام کیے۔ اس قاعدے کے مطابق ایسے لوگوں کو

اللہ جہنم کے سوا کوئی راستہ نہ دکھائے گا۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ انسان کو اختیار دینے کے بعد۔ اللہ نے رسول بھیج کر سیدھا راستہ سب کو خوب کھول کر بتا دیا ہے

رسولوں کا راستہ ایمان کا راستہ ہے۔ ایمان لانا انسان کے لیے آخر میں بہت اچھا ثابت ہوگا۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی کفر

کرے۔ تو وہ یاد رکھے۔ کہ اللہ کے قبضہ قدرت سے نکل کر وہ کہیں نہیں جاسکتا۔ اس نے انسان کو اس کی برائی بھلائی سمجھادی ہے۔

دین کے جو قاعدے مقرر کیے ہیں وہ سب اچھی طرح جان بوجھ کر کیے ہیں۔ اور ان کا انجام آخر میں راحت و آرام ہوگا۔

اے لوگو! یہ رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے ٹھیک ٹھیک باتیں لے کر تمہیں صحیح راستہ بتانے آئے ہیں

ان کے کہنے کا یقین کرو۔ ان کی بات مانو۔ اور ایمان لے آؤ۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ یہ تمہیں ایمان کے راستے پر چلانا چاہتے ہیں

جس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ اب اگر ان کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ تو یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے۔ ذرا سوچو۔ کہ وہ تمہارے بھلے کی

کہتے ہیں اور اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں چاہتے۔ مال و دولت جمع کرنا ان کا مقصد نہیں۔ حکومت کا انہیں شوق نہیں۔ تمہاری خیر خواہی

کے سوا ان کے دل میں اور کچھ نہیں۔ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ کا اس میں کچھ نقصان نہیں جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اس سب کا وہی

مالک ہے۔ تمہارے کفر سے اس کی بادشاہت پر کوئی آنچ نہ آئے گی وہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اہل کتاب کو نصیحت

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ جِبْرِيلُ بِرُوحِ اللَّهِ وَأَنَّهَا لَمَرْيَمُ الطَّيِّبَةُ الطَّيِّبَةُ وَكَلَّمَتْهُ جِبْرِيلُ بِرُوحِ اللَّهِ وَأَنَّهَا لَمَرْيَمُ الطَّيِّبَةُ الطَّيِّبَةُ وَكَلَّمَتْهُ جِبْرِيلُ بِرُوحِ اللَّهِ وَأَنَّهَا لَمَرْيَمُ الطَّيِّبَةُ الطَّيِّبَةُ

اے کتاب والو اپنے دین کی بات میں حد سے نہ نکلو اور اللہ کی شان میں نہ کہو مگر یہی بات ہے شک مسیح عیسیٰ ابن مریم کا بیٹا ہے وہ اللہ کا رسول اور اس کا کلام ہے جو حضرت مریم کی طرف سے آیا اور اس کے ہاں کی روح ہے سو اللہ کے رسولوں کو مانو اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں انہو خیرا لکم انما الله واحد اس بات کو چھوڑو تمہارے لیے بہتر ہے بیشک اللہ ایک معبود ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ اسی کیلئے ہے جو آسمانوں میں و ما فی الارض و کفی باللہ وکیلا اور زمین میں ہے اور اللہ کار ساز کافی ہے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمَتْهُ جِبْرِيلُ بِرُوحِ اللَّهِ وَأَنَّهَا لَمَرْيَمُ الطَّيِّبَةُ الطَّيِّبَةُ وَكَلَّمَتْهُ جِبْرِيلُ بِرُوحِ اللَّهِ وَأَنَّهَا لَمَرْيَمُ الطَّيِّبَةُ الطَّيِّبَةُ وَكَلَّمَتْهُ جِبْرِيلُ بِرُوحِ اللَّهِ وَأَنَّهَا لَمَرْيَمُ الطَّيِّبَةُ الطَّيِّبَةُ

اے کتاب والو مت حد سے نکلو میں اپنے دین کے اور نہ کہو اور اللہ مگر ٹھیک بات سوائے اس کے نہیں مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ اور اس کا کلام ہے جو حضرت مریم کی طرف سے آیا اور اس کی ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور مت کہو تین انہو خیرا لکم انما الله واحد رک بازو نہیں بہتر ہے تمہارے لئے اس کے سوا کچھ نہیں اللہ معبود ایک ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے بیٹا آسکا ہے جو میں آسمانوں میں اور جو میں زمین اور کافی ہے اللہ کام بنانے والا

انما (اس کے سوا نہیں) یہ صرف ایسے موقع پر آتا ہے جہاں ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں بات یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ سُبْحَانَ (پاکیزگی اور برعیب و ہر نقصان سے علیحدگی) یعنی وہ ہر عیب اور ہر نقصان سے پاک ہے اور اسی لیے باپ ہونے سے بھی جو احتیاج کی علامت ہے کلمتہ بات۔ بول اور حکم۔ اللہ کا ارادہ لفظ کی شکل میں ظاہر ہونا۔

ارشاد ہے کہ دین کی حد سے باہر مت نکلو۔ اور اللہ کی شان میں بس اتنی ہی بات کہو جو تمہیں رسول بتائے کیونکہ حق اور سچی بات وہی ہے اور باقی سب خیالی باتیں اور ڈھکوسلے ہیں۔ عیسیٰ مریم کے بیٹے ہیں۔ وہ اللہ کا ایک حکم ہے جو حضرت مریم کی طرف بھیجا گیا وہ اللہ کی رُوحوں کے خزانوں میں سے ایک روح ہے جو مریم کی طرف اتاری گئی تمہیں چاہیے کہ اللہ کو جیسے ماننا چاہیے مانو اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اپنے دل سے ایسی باتیں نہ گھڑو کہ خدا تین ہیں۔ اس سے حضرت عیسیٰ کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔ کہ اس میں سچائی کی ذرا بھی جھلک باقی نہیں رہتی۔ اور اللہ کا تو اتنا کھٹ جاتا ہے کہ عقل مان نہیں سکتی۔ اللہ کی بابت کان کھول کر سن لو کہ وہ اکیلا بغیر کسی شریک کے تمہارا معبود ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ اُس کے اولاد ہو۔ یوں زمین و آسمان کی ہر شے اسی کی ہے اور اسی کے اختیار میں ہے۔

اللہ کی بندگی کا اقرار

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا
 بِرُكُوزِهِ عَارِجًا ۖ مِثْلَ مَنَ بِنْدِهِ
 لِلَّهِ ۖ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۚ وَمَنْ
 اللَّهُ كَا أَدْنَىٰ فَرَشْتَةٍ بَلَدٍ مَّرْتَبَةٍ ۖ وَأَوْ
 يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ ۖ وَيَسْتَكْبِرُ
 نَاكِبًا يَهْوِي ۖ مِمَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ
 فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٤٧﴾
 پس قریب ہے جمع کرے گا ان کو اپنی طرف سب کو
 سو وہ ان سب کو اپنے پاس اکٹھا جمع کرے گا۔

يَسْتَنْكِفُ عَارِجًا ۖ مِثْلَ مَنَ بِنْدِهِ ۖ نَفَرَتْ ظَاهِرًا كَرَانَاكٍ ۖ مَبْهُونًا ۖ مَرْتَبَةً ۖ وَأَوْ
 كُوَانِي لِي ذَلَّتْ كَابَاعِثٌ ۖ سَمْعًا ۖ

اَلْمُقَرَّبُونَ (سب سے آگے بڑھے ہوئے) یہ لفظ قرب سے بنا ہے جس کے معنی نزدیکی کے ہیں اور مقرب کی جمع
 ہے یعنی وہ جو کسی کے بہت قریب ہو۔ اَلْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (سب سے زیادہ قریب فرشتے) حضرت جبرائیل۔ میکائیل
 اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اللہ کے مقرب ترین فرشتے شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ خاص خاص کاموں پر مقرر ہیں۔
 اہل کتاب سے کہا گیا ہے کہ مسیح اللہ کا بندہ بننے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی اس بات سے منہ نہ موڑیں گے۔ اور نہ بڑے بڑے
 مقرب فرشتے اس بات سے ناک چڑھائیں گے جو لوگ اللہ کی بندگی سے کتراتے ہیں اور عبادت میں اپنی ذلت سمجھتے ہیں وہ اس حقیقت
 کو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ایک دن اپنے پاس اکٹھا کرے گا۔ پھر ان میں سے جو اس کے بندے ایمان والے لچھے کام کرنے
 والے ہوں گے اور اس کا حکم ماننے والے ہوں گے ان کو اس کے بدلے بڑے بڑے انعام دے گا۔ آرام اور اطمینان عطا فرمائے گا
 اور ان کو خوش کر دے گا۔ لیکن جو لوگ عبادت سے بھاگتے رہے اور اللہ کے آگے سر جھکانے کو اپنی ذلت سمجھتے رہے وہ دکھ دینے
 والے عذاب میں مبتلا ہوں گے انہیں کوئی بھی اس عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

اس سے قبل اہل کتاب کو مخاطب کر کے واضح لفظوں میں اس امر کی ہدایت کر دی گئی تھی کہ دین میں مبالغہ سے کام نہ لیں۔ اللہ کی ذات
 اس کے احکام اور کتاب کے بارہ میں غلط بیانی اور غلو کو جائز نہ سمجھیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں وہ کچھ نہ کہیں جو حقیقت
 کے برعکس اور سچائی سے دور ہو جس بات کو وہ خود اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہوں تم اس کے اظہار سے کیوں گریز کرتے ہو۔ انہوں نے اللہ
 کی بندگی میں عار محسوس نہ کی تو تم کون ہوتے ہو کہ اس سے ناک بھوں چڑھاؤ۔

ایمان و عمل کی جزا

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

پس رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیے نیک

فَيُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ

پورا کرے گا ثواب اُن کے اور زیادہ دے گا ان کو سے

فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَكْفَرُوا وَ

اپنے فضل اور رہے وہ لوگ جنہوں نے ناک چڑھائی اور

اسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمُ عَذَابًا أَلِيمًا

تکبر کیا پس عذاب دے گا اُن کو عذاب درد والا

وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ

اور نہ پائیں گے وہ اپنے سوا اللہ کے

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۲۳﴾

دوست اور نہ مددگار

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے

فَيُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ

توان کو اُن کا ثواب پورا دے گا اور زیادہ دے گا اپنے

فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَكْفَرُوا وَ

فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور

اسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمُ عَذَابًا أَلِيمًا

تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب دے گا۔

وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ

اور اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی سماعتی

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۲۳﴾

اور مددگار نہ پائیں گے

فَيُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ (انہیں پورا دے گا) ذوقی مادہ ہے۔ ایفام مصدر ہے۔ لفظ ذوقا بھی اسی سے ہے۔ اس کے معنی میں پورا پورا

دینا۔ بچھنہ لوٹا دینا۔

أَجْرُهُ (بدلہ۔ ثواب) اردو زبان میں اجر صرف اچھے بدلہ کو کہتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں یہ لفظ اچھے بڑے دونوں قسم کے بدلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اچھے بدلے (ثواب) کے معنوں میں آیا ہے۔

اسْتَكْبَرُوا (تکبر کیا) کبر مادہ ہے۔ استکبار مصدر ہے۔ تکبر بھی اس سے ہے۔ بڑائی۔ خود ستائی اور خود نمائی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو اصل حقیقت سے زیادہ سمجھنا اور ظاہر کرنا۔

وَلِيًّا (دوست) ولایت۔ تولی وغیرہ اسی مادہ سے بنے ہیں اس کی جمع اولیا ہے یعنی ساتھی اور دوست۔

اہل کتاب اور ان میں سے خصوصاً یہودیوں کے غلط عقائد بیان کرنے کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ اجر و ثواب کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جن کا ایمان صحیح اور اعمال درست ہیں۔ گویا پاکیزہ زندگی کے لیے افکار کی پاکیزگی اور درست خیالات کے لیے اعمال کی درستی لازم و ملزوم ہیں۔ یہ پاکیزہ اور پاک باطن بندے پورے پورے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے مزید افضال و انعام کے مستحق ہوں گے۔ لیکن ان خوبوں سے عار ہوس کرنے تکبر (بڑائی) ظاہر کرنے والے دردناک عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ نہ ان کا کوئی دوست ہوگا نہ سماعتی نہ مددگار۔

اللہ کی سند

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ
 اے لوگو! تحقیق آئی تمہاریس دلیل تمہارے رب سے
 وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۱۴۶﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ
 اور اتارا ہم نے تمہاری طرف نور ظاہر پس وہ لوگ
 أَمْتُوا بِاللهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فسيَدْخُلُوم
 جو ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور مضبوط پکڑا اس کو یا اس کے ساتھ پس جلد داخل کریں گے
 فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ
 میں رحمت اپنی اور فضل اور دکھائے گا ان کو
 إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۱۴۷﴾

اپنی طرف سے سیدھے راستہ پر

اس کی طرف راستہ سیدھا

بُزْهَان (دلیل، سند) قطعی نشانی اور ایسی قطعی دلیل جس کے بعد شبہ باقی نہ رہے عمل کرنا ضروری ہو جائے یہاں اس کے مراد قرآن مجید ہے
 نُورٌ مُّبِينٌ (واضح روشنی) یہاں اس سے مراد قرآن مجید کی روشنی ہے اعْتَصَمُوا (مضبوطی سے پکڑ لو) اعتصام مصدر ہے جو عصمت
 سے ہے عصمت کے معنی ہیں بچاؤ۔ اعتصام کے معنی ہیں۔ کسی کو ہاتھ سے مضبوط پکڑ لینا جیسے ڈوبتا ہوا آدمی اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ
 سے کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتا ہے۔ پہلی آیت میں وحی کی مختلف شکلیں اور سب کا حق ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کہا گیا تھا
 کہ یہ آخری رسول تمہارے پاس اصلی سچی بات لے کر آئے ہیں ان کے ماننے میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا کچھ نہ بگاڑو گے
 اپنا ہی کچھ بگاڑ لو گے۔ اس آیت میں ایک ضروری بات تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کہی جاتی ہے کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے
 رب کی طرف سے ایک ایسا ہدایت نامہ پہنچ گیا ہے جس میں شک و شبہ، تردد اور بچکچاہٹ کی کوئی گنجائش ہی نہیں وہ ایک کھلی ہوئی
 روشن اور آب و تاب والی روشنی ہے جس میں اچھا بُرا صاف صاف۔ الگ الگ نظر آتا ہے اور وہ قرآن مجید ہے جن لوگوں کی بینائی
 درست اور آنکھ قوت والی ہے۔ وہ اس کی روشنی میں سچی باتیں صاف دیکھتے ہیں۔ اور ان کو فوراً پہچان کر اختیار کر لیتے ہیں جو ایسی روشنی میں
 سچی بات کو نہیں پہچان سکتے۔ ان کی بینائی خراب ہے یا آنکھ میں کچھ نقص ہے۔

نیک بندے جو سب سے منہ موڑ کر ایک اللہ کے ہو رہے ہیں اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اور قرآن مجید کو
 مضبوط پکڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ اپنی رحمت سے مالا مال کرے گا۔ اس کی رحمت ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہوگی اور اس
 کے فضل کی ان پر پور پھلا ہو رہی ہوگی۔ وہ ان کو سیدھی راہ دکھا دے گا۔

میراث کے باقی حکم

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ
 پوچھتے ہیں حکم۔ تجھ سے کہہ دے۔ اللہ حکم دیتا ہے۔ تم کو۔ کلالہ کے بارے میں
 اِنْ اَمْرًا هَلْكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَ لَهُ
 اگر کوئی مرد مر جائے نہ ہو اس کا۔ کوئی بیٹا اور ہو اس کی
 اُخْتٌ فَ لَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَ هُوَ
 ایک بہن پس اس بہن کا آدھا اُس کا جو اُس نے چھوڑا اور وہ
 يَرِثُهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ اِنْ
 وارث ہوگا بہن کا اگر نہ ہو اس بہن کا کوئی بیٹا پھر اگر
 كَانَتَا اِثْنَتَيْنِ فَ لَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا
 ہوں بہنیں دو پس ان کے لیے دو تہائی اس کا جو
 تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوا اِخْوَةً رِجَالًا وَ نِسَاءً
 اس نے چھوڑا اور اگر ہوں وہ بہت مرد اور عورت ملے
 فَ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثِيَيْنِ بَيْنَ اللّٰهِ
 پھر مرد کے لیے برابر حصے دو عورتوں کے بیان کرتا ہے اللہ
 لَكُمْ اَنْ تَصَلُّوا وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾
 تمہارے لیے تمنا گمراہ ہو تم اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ
 تجھ سے حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دے اللہ تمہیں کلالہ کا حکم بتاتا ہے
 اِنْ اَمْرًا هَلْكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَ لَهُ
 اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کے بیٹا نہیں اور اس کی ایک
 اُخْتٌ فَ لَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَ هُوَ
 بہن ہے تو اس کو اس کا آدھا پہنچے گا جو وہ چھوڑا اور وہ بھائی
 يَرِثُهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ اِنْ
 اس بہن کا وارث ہے۔ اگر اس کے بیٹا نہ ہو پھر اگر
 كَانَتَا اِثْنَتَيْنِ فَ لَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا
 بہنیں دو ہوں۔ تو ان کو اس مال کا دو تہائی پہنچے گا۔ جو
 تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوا اِخْوَةً رِجَالًا وَ نِسَاءً
 وہ چھوڑا اور اگر اس کے رشتہ کے کچھ مرد اور کچھ عورت ہوں
 فَ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثِيَيْنِ بَيْنَ اللّٰهِ
 تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے اللہ تمہارے لیے بیان کرتا ہے
 لَكُمْ اَنْ تَصَلُّوا وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾
 کہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

کلالہ (ضعیف اور کمزور) یہاں مراد ایسا شخص ہے جس کا باپ اور اولاد کوئی نہ ہو فقط بھائی بہن ہوں۔

تَفَصَّلُوا (تم گمراہ ہو) ضلالت سے بنا ہے اس کے معنی ہیں گمراہی لیکن اس عبارت کا موقع ایسا ہے کہ عربی جاننے والے اس کے
 ساتھ نہ کا لفظ سمجھ جاتے ہیں۔ اس لیے اس کا مطلب ہے کہ تم گمراہ نہ ہو۔ اس آیت میں اس سوال کا جواب ہے کہ اگر میت کے باپ
 ہو نہ بیٹا۔ مگر سگے یا سوتیلے بہن بھائی ہوں تو انہیں کیا حصہ ملے گا۔ سگے بھائیوں کو عربی میں اعیانی کہتے ہیں اور سوتیلے بھائیوں کو یعنی جن کا باپ
 ایک ہو مگر ماں جدا جدا ہوں مطلق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میت کا وارث بھائی بہن کے علاوہ کوئی نہ ہو تو ان کو میراث اسی طرح ملے گی۔
 (۱) اگر وارث کی فقط ایک بہن ہے تو اس کے مرنے والے بھائی کے مال میں سے آدھا مال ملے گا۔ یعنی بہن کا حصہ جب میت کا باپ
 اور کوئی اولاد نہ ہو بیٹی کے برابر ہے (۲) اگر بہن مر گئی اور وارث فقط بھائی ہے۔ تو بھائی کو بہن کا سارا مال مل جائے گا۔ (۳) اگر بھائی نے دو
 یا دو سے زیادہ بہنیں چھوڑیں تو ان دونوں کو دو تہائی مال ملے گا (۴) اگر بہت سے بھائی بہن ملے جلتے وارث ہیں تو سارا مال ان میں ۳۱ حساب سے
 بٹ جائے گا۔ کہ مرد کا ایک حصہ اور عورت کا آدھا حصہ اللہ یہ نکتے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم وقت پر پریشان نہ ہو جاؤ اور راہ سے بھٹک نہ جاؤ

سورة النساء پر ایک نظر

پچھلے سبق میں سورة النساء ختم ہوئی اس پر ایک سرسری نظر پھر ڈال لینی چاہیے۔ تاکہ اس کے مضامین ایک بار نظر کے سامنے آجائیں۔

اس سورت میں زیادہ تر عورتوں کے حقوق کا بیان کیا گیا ہے۔ یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا ذکر ہے منافقوں کی نامناسب حرکتیں ظاہر کی گئی ہے میراث کے بانٹنے کے قاعدے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے غلط عقیدے بتا کر ان کو درست کرنے کی ہدایت کی گئی ہے یہ باتیں اس سورت میں کیوں ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ذیل کی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

سورة النساء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد ۳ھ کے آخری حصہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ۲ھ میں بدر کی مشہور لڑائی ہو چکی تھی جس میں مسلمانوں کو کافروں پر پوری فتح حاصل ہوئی تھی پھر ۳ھ میں مکہ کے لوگ مدینہ پر چڑھ آئے اور مسلمان مدینہ سے باہر اُحد کے مقام پر آ کر ان کے مقابلے کے لیے جمع ہوئے لڑائی ہوئی اور پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس کے بعد بعض لوگوں کو غلطی سے یہ فتح شکست میں بدل گئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ ان کی اولاد یتیم ہو گئی۔ اس لڑائی کا ذکر اس سے پہلے سورت آل عمران میں آچکا ہے۔

اُحد کی اس لڑائی میں منافقوں نے بہت ستایا۔ لڑائی سے پہلے ہی اپنے آدمیوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو گئے پھر بھی مسلمانوں کی فتح ہوئی لیکن ذرا سی غلطی سے پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ یہ سارا نقصان اس لیے اٹھانا پڑا کہ بعض لوگوں نے اپنی رائے کو دخل دے کر آنحضرت کا حکم نہ مانا تھا۔ جب کچھ دن گزر گئے اور ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو یہ سورت نازل ہوئی اور لڑائی میں جو بچے یتیم ہو گئے تھے۔ ان کی جان و مال کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ اور عورتوں کے حقوق کی پامالی کا علاج کیا گیا اور جو بے انصافیاں ان کے ساتھ کی جاتی تھیں یا جن بے انصافیوں کے کیئے جانے کا خطرہ تھا۔ ان سب سے بچنے کی ہدایت کی گئی۔ جو لوگ وفات پا چکے تھے ان کے پیچھے چھوڑے ہوئے مال کو تقسیم کرنے کے قاعدے بتائے گئے۔

منافقوں کے طرز عمل سے لڑائی میں بہت نقصان پہنچ چکا تھا۔ ان کی سازشوں اور چالوں کا بھانڈا اچھوڑا گیا۔ اور ان سے خبردار رہنے کی تاکید کی گئی۔

مسلمانوں کی اس لڑائی میں شکست کی وجہ سے یہود بھی کھیل گئے اور مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا انہوں نے آپس کے عمد و پیمان توڑ ڈالے۔ اور یہاں تک گستاخ ہو گئے کہ مکہ کے کافروں کے طریقے کو اسلام سے بہتر کہنے لگے۔ اس سورت میں یہود و نصاریٰ کو ان کی شرارتوں کی جڑائی بتائی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو ان سے ہتھیار رہنے کے لیئے کہا گیا ہے اور یہود و نصاریٰ کے غلط عقیدوں کی اصلاح کی گئی۔ آخر میں ایمان و عمل صالح کے اجر و ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے ترکہ کے بقیہ مسائل کے ذکر پر سورہ ختم ہوئی۔

7



